مَن يُّرِدِ اللهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین میں فقاہت عطا فرما دیتے ہیں

فقہ الحدیث

اسلامی طرز زندگی سے متعلق فقہی احکام و مسائل

امام شوکانیؒ کی فقہ کی معروف کتاب "الدُّرر البھیۃ" کا

ترجمہ و تشریح بمعہ تخریج و تحقیق

جلد اوّل

تالیف و تخریج:

حافظ عمران ایوب لاہوری حفظہ اللہ

تحقیق و افادات:

محدث العصر علامہ ناصر الدین البانی

فقہ الحدیث پبلیکیشنز

نام کتاب

فقہ الحدیث

اسلامی طرز زندگی سے متعلق فقہی احکام و مسائل

تالیف و تخریج:

حافظ عمران ایوب لاہوری

تحقیق و افادات:

علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ

تاریخ اشاعت

فروری ۲۰۰۴ء

مطبوعہ

آصف لیٹین پرنٹرز لاہور

ناشر

فقہ الحدیث پبلیکیشنز، لاہور پاکستان

Phone: 0300-4206199

E-mail: fiqhulhadith@yahoo.com

Wibsite: fiqhulhadith.com

ڈسٹری بیوٹر

نعمانی کتب خانہ

حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

Phone: 042-7321865

E-mail: nomania2000@hotmail.com

Website: nomanibooks.com

مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ (بخاری)

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین میں فقاہت عطا فرما دیتے ہیں،

اسلامی طرز زندگی سے متعلق فقہی احکام و مسائل

امام شوکانیؒ کی فقہ کی معروف کتاب "الدرر البهية" کا

ترجمہ و تشریح بمعہ تخریج و تحقیق

جلد اول

تالیف و تخریج:

حافظ عمران ایوب لاہوری حفظہ اللہ

تحقیق و افادات:

محدث العصر علامہ ناصر الدین البانی

فقہ الحدیث

فقہ الحدیث پبلیکیشنز

تفہیم کتاب و سنت کا تحقیقی وطباعتی ادارہ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

فہرس

① کتاب الطهارة طہارت کے مسائل

کتاب الصلاۃ نماز کے مسائل

(3) کتاب الجنائز جنازے کے مسائل

(4) کتاب الزکاۃ زکوٰۃ کے مسائل

کتاب الخمس خمس کے مسائل

کتاب الصیام روزے کے مسائل

باب 3

اعتکاف کے مسائل

تقریظ

الحمد لله الذی خلق الإنسان وعلمه البیان وأخرجه من ظلمات التقلید والطغیان والصلاۃ والسلام علی رسوله محمد ﷺ وآله وصحبه أجمعین :

نبی مکرم امام اعظم، فخر الرسل سیدنا محمد ﷺ جب عالم فنا سے عالم بقا کی طرف روانہ ہوئے تو اس امت مرحومہ کو ایسے دین پر چھوڑ گئے جس کی راتیں بھی دن کی طرح روشن تھیں اور اس کی تکمیل ہو چکی تھی اور اس میں رد و بدل اور آراء و قیاسات کی گنجائش نہ تھی۔ لیکن مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ ایسے لوگ پیدا ہو گئے جنھوں نے کتاب وسنت کی نصوص کے مقابلہ میں اقوال الرجال کو ترجیح دینا شروع کر دی اور قرآن وحدیث کو پس پشت ڈال دیا اور اپنے منتخب کردہ اہل علم کے فتاوی جات کو دین سمجھنے لگے اور قرآنی وحدیثی دلائل کا رخ اپنے لیڈروں کی طرف موڑنے لگے۔ کتاب وسنت کو میزان ومعیار بنانے کی بجائے اقوال الرجال کو میزان مقرر کر لیا۔ اور نعرۂ مستانہ بلند ہونے لگا کہ اقوال ائمہ کے خلاف جانے والی آیات واحادیث اور آثار مؤول ومنسوخ وغیرہ ہیں۔ [أصول الکرخی وغیرہ]

اور متاخرین نے تو یہاں تک کہہ اور لکھ دیا کہ ائمہ اربعہ سے باہر نکل کر بات کرنا، خواہ قرآن کے مطابق ہو یا حدیث کے، کفر ہے اور قرآن وحدیث کے ظاہری معانی لینا کفر کی اصل جڑ ہے۔ [جاء الحق]

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان قیاسیوں کے مقابلہ میں قرآن وحدیث کا دفاع کرنے والی ایک ایسی جماعت کھڑی کر دی جن کے لیل ونہار قال اللہ وقال الرسول کی صداؤں میں بسر ہوتے ہیں اور وہ کتاب وسنت کے دلائل و براہین کی ضیاء پاشیوں سے امت کا رخ صحیح منہج سلف کی طرف پھیر رہے ہیں اور لوگوں کو قرآن وحدیث کی تعلیم دینے میں شب وروز مصروف اور ہمہ تن گوش ہیں۔ جبکہ مقلدین ائمہ نے اصل منہج سے ہٹ کر اپنے وضع کردہ قواعد وضوابط کے ذریعے قرآن وحدیث کو بالائے طاق رکھ دیا ہے اور ائمہ کی قیاس آرائیوں اور فقہی موشگافیوں کو حرز جان بنا لیا ہے۔ کتاب وسنت کی نصوص کو سمجھ کر اس کے مطابق فتویٰ دینے کی بجائے اقوال کی روشنی میں قرآن وحدیث کی تاویل وتنسیخ کرتے ہیں اور علم حدیث سے ناآشنائی قائم کر لی ہے۔

شاہ ولی اللہ ؒ نے کیا ہی خوب لکھا ہے کہ ((**اشتغالهم فی علم الحدیث قلیل قدیما وحدیثا**)) [الإنصاف (ص/۷)] ''ان کا علم حدیث کے ساتھ ماضی اور حال میں اشتغال کم رہا ہے۔'' اور اس کی وجہ خود یہ بیان کرتے ہیں کہ ((**ذالک أنه لم یکن عندهم من الأحادیث والآثار ما یقدرون به علی استنباط الفقه علی الأصول التی اختارها أهل الحدیث**)) [حجة الله البالغه (۱۵۲/۲)] ''ان کے پاس احادیث وآثار کا اتنا ذخیرہ نہیں تھا جس میں وہ فقہی استنباط واستخراج کی طاقت ان اصولوں پر رکھتے جنھیں اہل الحدیث نے منتخب کیا۔''

اوران لوگوں کا 'حدیثی مہارت کے بغیر ہی' فروعات فقہیہ کے انضباط پر رجحان رہا اور فروع در فروع نکالتے چلے گئے جس کی نقاب کشائی علامہ عبدالحی لکھنوی نے یوں کی ہے: «ومن الفقهاء من ليس لهم حظ إلا ضبط المسائل الفقهية من دون المهارة في الرواية الحديثيه» [عمدة الرعايه (ص۱۳/)] ''اور فقہا میں سے کچھ ایسے ہیں جن کا مشغلہ روایت حدیث میں مہارت پیدا کیے بغیر ہی فقہی مسائل کو ضبط کرنا ہے۔''

اور جس فقہ کی بنیاد رسول مکرم ﷺ کی احادیث صحیحہ پر نہیں وہ قابل عمل نہیں ہوسکتی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا اہل الحدیث پر احسان عظیم ہے کہ اس نے انہیں کتاب وسنت کا صحیح فہم عطا کیا اور فقہ اسلامی یعنی قرآن وحدیث کی صحیح بصیرت عنایت فرمائی اور انہوں نے قیاس آرائیوں اور اقوال الرجال پر اپنی اساس و بنیاد قائم کرنے کی بجائے قرآن وحدیث کی نصوص پر بنیاد قائم کی اور جس مسئلہ پر کوئی شرعی دلیل نہیں ملتی اسے پس پشت ڈال دیتے ہیں۔

ہمارے دینی مدارس میں الحمدللہ یہ رجحان موجود ہے اور فقہ الحدیث پر مبنی کتب کی تعلیم وتدریس کی جاتی ہے انہی کتب میں سے قاضی شوکانی کی ''الدرر البهيه'' ہے جس میں انہوں نے احکام شرعیہ کو ضبط کیا ہے پھر اس کے دلائل پر مشتمل ''الدراری المضية'' شرح مرتب کی ہے' اسی طرح ان کے بیٹے نے بھی ''السموط الذهبية'' اور نواب صدیق حسن خان قنوجی نے ''الروضة الندية'' کے نام سے اس کی شروحات لکھیں۔

اس کتاب کی اردو زبان میں سہل و آسان انداز میں کوئی شرح موجود نہیں تھی۔ ہمارے ارشد تلامذہ میں سے '**حافظ عمران ایوب** سلمہ اللہ وصانہ من کل تلہف وتاسف' نے اس کی شرح کا بیڑا اٹھایا اور بڑے ہی سلجھے ہوئے فقیہانہ انداز میں اس کی عمدہ اور جامع شرح مرتب کر ڈالی جس میں الفاظ کی لغوی واصطلاحی تشریح' مذاہب فقہا اور دلیل کی رو سے راجح موقف کی نشاندہی کی ہے۔ راقم اس شرح کو مفصل اور بنظر غائر تو ملاحظہ نہیں کر سکا۔ البتہ جستہ جستہ مقامات سے آنکھیں ٹھنڈی کی ہیں اور دل کو تسکین پہنچائی ہے اور یہ فقہ الحدیث کے ذخیرہ میں گراں قدر اضافہ' مایہ ناز کاوش' دلائل ومسائل کا عظیم ذخیرہ اور شرعی احکامات کا منبع ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے ان لوگوں کا غرور وتکبر خاک آلود ہو جاتا ہے جو اپنے آپ کو فقہ کے ٹھیکیدار سمجھتے ہیں اور اہل الحدیث کے بارے میں بے جا زبانِ طعن دراز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہیں احادیث کی صحیح سمجھ اور بصیرت نہیں ہے۔

الحمدللہ اہل الحدیث طالبعلم کتاب وسنت کی نصوص کے دائرہ میں رہتے ہوئے مسائل کا انضباط اور استخراج کرتے ہیں اور بے دلیل بات کو تسلیم کرنے کے قریب تک نہیں جاتے۔ یہ امتیاز صرف اور صرف اہل الحدیث کو حاصل ہے اور 'حافظ عمران ایوب' نے یہ شرح مرتب کر کے حاسدین وغالین کا منہ بند کر دیا ہے۔

دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب سے طلبہ' عوام بلکہ اہل علم کو بھی کماحقہ مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور حافظ عمران ایوب صاحب جو ہمارے لائق ومحنتی تلامذہ میں سے ایک ہیں انہیں مزید ایسی پرانوار اور جامع کتب مرتب کرنے کی ہمت و توفیق بخشے اور ان سے اپنے دین حنیف کا کام لے لے اور اس کتاب کو مؤلف' ناشر' طلبہ' عوام الناس اور راقم الحروف کے لیے نجات کا ذریعہ بنا دے۔ (آمین)

کتبہ: **ابو الحسن مبشر احمد ربانی عفا الله عنه**

رئیس مرکز ام القریٰ اہل الحدیث A/۲۶۶ جی بلاک

سبزہ زار سکیم لاہور۔

پیش لفظ

راقم الحروف کو دوران تدریس امام شوکانیؒ کی فقہی مسائل پر مبنی مختصر مگر جامع کتاب "الدرر البھیہ" پڑھانے کا موقع ملا۔ کتاب ہذا کی تفہیم کے لیے جن شروحات سے استفادہ کیا گیا ان میں "الروضة الندية" از نواب صدیق حسن خانؒ، "الدراری المضية" از امام شوکانیؒ، "السموط الذهبية" از احمد بن محمد بن علی الشوکانیؒ اور "التعليقات الرضية على الروضة الندية" از علامہ ناصر الدین البانیؒ سر فہرست ہیں۔ اگرچہ یہی چاروں کتب "الدرر البھیہ" کی شروحات ہیں اور متعدد فوائد پر مشتمل ہیں مگر اس کے باوجود ان میں مذکور بہت سے فقہی مباحث میں ایک حد تک تشنگی محسوس ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ان میں فقہی مسائل و استدلال کے لیے روایات کی صحت و ضعف کو بھی مکمل طور پر مد نظر نہیں رکھا گیا۔

راقم نے فقہی مسائل سے متعلقہ تفصیلات کے لیے فقہ کی امہات الکتب مثلاً "الأم" از امام شافعیؒ، "المحلى" از ابن حزمؒ، "المجموع" از نوویؒ، "الشرح الصغير" از ابو البرکات مالکیؒ، "الهداية" از مرغینانیؒ، "المغنی" از ابن قدامہؒ، "بدائع الصنائع" از کاسانیؒ، "نيل الأوطار" اور "السيل الجرار" از شوکانیؒ، "زاد المعاد" از ابن القیمؒ، کتب حدیث کی شروحات مثلاً "فتح البارى" از ابن حجرؒ، "عمدة القارى" از علامہ عینیؒ "شرح مسلم" از نوویؒ، "مرقاة شرح مشكاة" از ملا علی قاریؒ، "عون المعبود" از شمس الحق عظیم آبادیؒ، "تحفة الأحوذى" از عبد الرحمن مبارکپوریؒ اور "سبل السلام" از امیر صنعانیؒ اور مختلف فتاوی جات بالخصوص "مجموع الفتاوى" از شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور "فتاوى اللجنة الدائمة" سعودی عرب، کا دوران تدریس بالاستیعاب مطالعہ شروع کیا۔ جس بنا پر ہر مسئلے کے متعلق اس قدر مواد جمع ہو جاتا کہ نہ صرف راقم کے لیے اسے دائمی طور پر محفوظ رکھنا مشکل ہوتا بلکہ طلباء بھی اپنی محدود علمی و ذہنی استعداد کے باعث اسے کما حقہ سمیٹنے سے قاصر رہتے۔

دریں اثناء یہ خیال پیدا ہوا کہ اس علمی تحقیق کے ذخیرہ اور دلائل وحوالہ جات کی تہذیب وتنقیح کو کتابی شکل میں یوں اکٹھا کر دیا جائے کہ جس سے مدارس کے طلباء ہی نہیں بلکہ اساتذہ اور عوام الناس بھی مستفید ہو سکیں۔ پھر اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کی ایک وجہ یہ بنی کہ سوائے مختصر ترجمے کے کتاب ہذا (الدرر البھیۃ) کی اردو زبان میں کوئی ایسی محقق و مدلل شرح بھی موجود نہ تھی جو مدارس کے طلباء و اساتذہ اور دیگر احباب کے لیے فقہی مسائل میں رہنمائی کے لیے کافی ہو اور جس میں مختلف مذاہب کے دلائل کی صحت وضعف پر بھی ناقدانہ نگاہ ڈالتے ہوئے ہر مسئلہ میں صحیح وراجح مؤقف پیش کر کے اختلافی مسائل کا حل مختصر اور سہل تر انداز میں پیش کیا گیا ہو۔ چنانچہ یہی وہ چند وجوہات تھیں جو اس کتاب کی تکمیل کا محرک ثابت ہوئیں۔

اس کتاب میں بالخصوص جن باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے وہ دو ہیں: ایک تو اختصار؛ تاکہ پڑھنے میں اور حفظ و یاد دہانی میں آسانی رہے اور دوسری پختہ دلائل وحوالہ جات۔ آیات واحادیث کے علاوہ حوالہ جات کی مزید تائید کی غرض سے اکثر مقامات پر مختلف ائمہ اور فقہا وعلما کے اقوال اور بعض مقامات پر اصولی قواعد بھی پیش کیے گئے ہیں۔ کتاب ہذا میں مسائل کے استنباط کے لیے صرف صحیح احادیث کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ احادیث کی تحقیق کے لیے سب سے زیادہ اعتماد شیخ البانیؒ کی تحقیق پر کیا گیا ہے چنانچہ ہر حدیث کے حوالہ کی ابتداء میں صحیح، حسن یا ضعیف کا حکم انہی کا ہے۔ شیخؒ کی تحقیق کے علاوہ جن دیگر علما و محققین کی تحقیق سے استفادہ کیا گیا ہے ان میں امام نوویؒ، حافظ ابن حجرؒ، امام ہیثمیؒ، امام حاکمؒ، امام ذہبیؒ، حافظ بوصیریؒ اور عصر حاضر کے شیخ شعیب ارنؤوط، شیخ عبد القادر ارنؤوط، شیخ محمد صبحی حسن حلاق، شیخ علی محمد معوض، شیخ عادل عبد الموجود اور شیخ حازم علی قاضی وغیرہ شامل ہیں۔

احادیث کی تخریج کے لیے معیاری نمبرنگ کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ مسائل میں ائمہ اربعہ کے مؤقف کے ساتھ ساتھ اکثر مقامات پر دیگر ائمہ وفقہا مثلاً شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ، امام ابن قیمؒ، امام نوویؒ، حافظ ابن حجرؒ، امام ابن قدامہؒ، امام شوکانیؒ، امام ابن منذرؒ، امام ابن حزمؒ، امام صنعانیؒ، شمس الحق عظیم آبادیؒ، عبد الرحمن مبارکپوریؒ، نواب صدیق حسن خانؒ، سید سابقؒ، علامہ ناصر الدین البانیؒ، شیخ ابن بازؒ، شیخ صالح عثیمینؒ، شیخ ابن جبرین، شیخ ابن فوزان، شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ، شیخ عبد الرحمن سعدی، شیخ عبد اللہ بن حمید اور سعودی مجلس افتاء (اللجنۃ الدائمۃ للبحوث والافتاء سعودی عرب) میں شامل علما کے اقوال وفتاوی جات بھی نقل کیے گئے ہیں۔ نیز مذاہب اربعہ کے حوالہ جات کے لیے اکثر وبیشتر مقامات پر دکتور وھبہ زحیلی کی معروف کتاب ''الفقه الإسلامي وأدلته'' کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

یاد رہے کہ مذکورہ ائمہ وعلماء میں سے ہر ایک کے فتوے کے ساتھ اس کا حوالہ بھی درج کیا گیا ہے۔ اختلافی مسائل میں قرآن وسنت کے زیادہ قریب اور راجح مؤقف کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ کتاب کی فقہی جامعیت کو مؤثر بنانے کے لیے

بسیار عرق ریزی کے ساتھ بہت سے ایسے مسائل بھی دیگر کتب فقہ سے تلاش کر کے متفرقات کے زیر عنوان اور بعض مقامات پر جہاں وہ مسئلہ مطلوب ہوتا بغیر اس عنوان کے بھی ایک سیریل نمبر کے ذریعے نشاندہی کرتے ہوئے نقل کیے گئے ہیں جن میں سے اکثر نہ تو مذکورہ کتاب میں امام شوکانی ؒ نے نقل فرمائے ہیں اور نہ ہی اس کی شروحات میں موجود ہیں۔ کوشش کی گئی ہے کہ اردو عبارت اس قدر آسان رکھی جائے کہ عام فرد بھی اس سے مستفید ہو سکے۔ نیز قارئین کی سہولت کے لیے چند ایسی ضروری اصطلاحات کہ جنہیں کتاب میں استعمال کیا گیا ہے ابتدا میں ہی درج کر دی گئی ہیں۔

علم وتحقیق میں تجربے اور کمال مہارت کے فقدان کے سبب اس بندۂ خطا کار سے خطا و کوتاہی کا وقوع یقیناً ناگزیر ہے لہذا قارئین سے التماس ہے کہ وہ کتاب ہذا میں علمی یا فنی حوالے سے جہاں کوئی سقم ونقص دیکھیں' اسے ورائے چشم وگوش ہی نہ رکھیں بلکہ اس عاجز کو اس سے آگاہ کریں تا کہ اس کی جلد از جلد تصحیح کی جا سکے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ راقم کی اس کاوش کو تمام مسلمانوں کے لیے ہدایت کا منبع وسرچشمہ بنائے' اسے راقم اور اس کے اہل وعیال کے لیے دنیا وآخرت کی کامیابی کا ذریعہ بنائے اور ان تمام دوست احباب کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے راقم الحروف کا کسی بھی طریقے سے تعاون فرمایا۔ (آمین)

"وماتوفيقي إلا بالله عليه توكلت وإليه انيب"

حافظ عمران ایوب لاهوری

کتبه بتاريخ : 3 نومبر 2003ء

بمطابق : 7 رمضان 1424ھ

ایڈریس: مکان نمبر 52 گلی نمبر 7 اورنگ زیب پارک شمع کالونی مین شہباز روڈ شادباغ لاہور۔

فون: 0300-4411524

ای میل: hfzimran_ayub@yahoo.com

چند ضروری اصطلاحات بترتیب حروف تہجی

(1)	اجتہاد	شرعی احکام کے علم کی تلاش میں ایک مجتہد کا استنباطِ احکام کے طریقے سے اپنی بھرپور ذہنی کوشش کرنا اجتہاد کہلاتا ہے۔
(2)	اجماع	اجماع سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی خاص دور میں (امت مسلمہ کے) تمام مجتہدین کا کسی دلیل کے ساتھ کسی شرعی حکم پر متفق ہو جانا ہے۔
(3)	استحسان	قرآن، سنت یا اجماع کی کسی قوی دلیل کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دینا۔ اس کے علاوہ بھی اس کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں۔
(4)	استصحاب	شرعی دلیل نہ ملنے پر مجتہد کا اصل کو پکڑ لینا استصحاب کہلاتا ہے۔ واضح رہے کہ تمام نفع بخش اشیاء میں اصل اباحت ہے اور تمام ضرر رساں اشیاء میں اصل حرمت ہے۔
(5)	اصل	اصول کا واحد ہے اور اس کے پانچ معانی ہیں۔ (1) دلیل (2) قاعدہ (3) بنیاد (4) راجح بات (5) حالت مستصحبہ۔
(6)	امام	کسی بھی فن کا معروف عالم جیسے فن حدیث میں امام بخاری اور فن فقہ میں امام ابوحنیفہ۔
(7)	آحاد	خبر واحد کی جمع ہے۔ اس سے مراد ایسی حدیث ہے جس کے راویوں کی تعداد متواتر حدیث کے راویوں سے کم ہو۔
(8)	آثار	ایسے اقوال اور افعال جو صحابہ کرام اور تابعین کی طرف منقول ہوں۔
(9)	اطراف	وہ کتاب جس میں ہر حدیث کا ایسا حصہ لکھا گیا ہو جو باقی حدیث پر دلالت کرتا ہو مثلاً تحفۃ الاشراف از امام مزی وغیرہ۔
(10)	اجزاء	اجزاء جز کی جمع ہے۔ اور جزء اس چھوٹی کتاب کو کہتے ہیں جس میں ایک خاص موضوع سے متعلق بالاستیعاب احادیث جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہو مثلاً جزء رفع الیدین از امام بخاری وغیرہ۔
(11)	اربعین	حدیث کی وہ کتاب جس میں کسی بھی موضوع سے متعلقہ چالیس احادیث ہوں۔
(12)	باب	کتاب کا وہ حصہ جس میں ایک ہی نوع سے متعلقہ مسائل بیان کیے گئے ہوں۔
(13)	تعارض	ایک ہی مسئلہ میں دو مخالف احادیث کا جمع ہو جانا تعارض کہلاتا ہے۔
(14)	ترجیح	باہم مخالف دلائل میں سے کسی ایک کو عمل کے لیے زیادہ مناسب قرار دے دینا ترجیح کہلاتا ہے۔
(15)	جائز	ایسا شرعی حکم جس کے کرنے اور چھوڑنے میں اختیار ہو۔ مباح اور حلال بھی اسی کو کہتے ہیں۔
(16)	جامع	حدیث کی وہ کتاب جس میں مکمل اسلامی معلومات مثلاً عقائد، عبادات، معاملات، تفسیر، سیرت، مناقب، فتن اور روز محشر کے احوال وغیرہ سب جمع کر دیا گیا ہو۔
(17)	حدیث	ایسا قول، فعل اور تقریر جس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہو۔ سنت کی بھی یہی تعریف ہے۔ یاد رہے کہ تقریر سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی کام کی اجازت ہے۔
(18)	حسن	جس حدیث کے راوی حافظے کے اعتبار سے صحیح حدیث کے راویوں سے کم درجے کے ہوں۔
(19)	حرام	شارع علیہ السلام نے جس کام سے لازمی طور پر بچنے کا حکم دیا ہو نیز اس کے کرنے میں گناہ ہو جبکہ اس سے اجتناب میں ثواب ہو۔
(20)	خبر	خبر کے متعلق تین اقوال ہیں۔ (1) خبر حدیث کا ہی دوسرا نام ہے۔ (2) حدیث وہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو اور خبر وہ ہے جو کسی اور سے منقول ہو۔ (3) خبر حدیث سے عام ہے یعنی اس روایت کو بھی کہتے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو اور اس کو بھی کہتے ہیں جو کسی اور سے منقول ہو۔

(21)	راجح	ایسی رائے جو دیگر آراء کے بالمقابل زیادہ صحیح اور اقرب الی الحق ہو۔
(22)	سنن	حدیث کی وہ کتب جن میں صرف احکام کی احادیث جمع کی گئی ہوں مثلاً سنن نسائی' سنن ابن ماجہ اور سنن ابی داود وغیرہ۔
(23)	سدالذرائع	ان مباح کاموں سے روک دینا کہ جن کے ذریعے ایسی ممنوع چیز کے ارتکاب کا واضح اندیشہ ہو جو فساد و خرابی پر مشتمل ہو۔
(24)	شریعت	قرآن و سنت کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے احکامات۔
(25)	شارع	شریعت بنانے والا یعنی اللہ تعالیٰ اور مجازی طور پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔
(26)	شاذ	ضعیف حدیث کی وہ قسم جس میں ایک ثقہ راوی نے اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کی ہو۔
(27)	صحیح	جس حدیث کی سند متصل ہو اور اس کے تمام راوی ثقہ' دیانت دار اور قوت حافظہ کے مالک ہوں۔ نیز اس حدیث میں شذوذ اور کوئی خفیہ خرابی بھی نہ ہو۔
(28)	صحیحین	صحیح احادیث کی دو کتابیں یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم۔
(29)	صحاح ستہ	معروف حدیث کی چھ کتب یعنی بخاری' مسلم' ابوداود' ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ۔
(30)	ضعیف	ایسی حدیث جس میں نہ تو صحیح حدیث کی صفات پائی جائیں اور نہ ہی حسن حدیث کی۔
(31)	عرف	عرف سے مراد ایسا قول یا فعل ہے جس سے معاشرہ مانوس ہو' اس کا عادی ہو' یا اس کا ان میں رواج ہو۔
(32)	علت	علم فقہ میں علت سے مراد وہ چیز ہے جسے شارع علیہ السلام نے کسی حکم کے وجود اور عدم میں علامت مقرر کیا ہو جیسے نشہ حرمت شراب کی علت ہے۔
(33)	علت	علم حدیث میں علت سے مراد ایسا خفیہ سبب ہے جو حدیث کی صحت کو نقصان پہنچاتا ہو اور اسے صرف فن حدیث کے ماہر علماء ہی سمجھتے ہوں۔
(34)	فقہ	ایسا علم جس میں اُن شرعی احکام سے بحث ہوتی ہو جن کا تعلق عمل سے ہے اور جن کو تفصیلی دلائل سے حاصل کیا جاتا ہے۔
(35)	فقیہ	علم فقہ جاننے والا بہت سمجھ دار شخص۔
(36)	فصل	باب کا ایسا جزء جس میں ایک خاص موضوع سے متعلقہ مسائل مذکور ہوں۔
(37)	فرض	شارع علیہ السلام نے جس کام کو لازمی طور پر کرنے کا حکم دیا ہو نیز اسے کرنے پر ثواب اور نہ کرنے پر گناہ ہو مثلاً نماز' روزہ وغیرہ۔
(38)	قیاس	قیاس یہ ہے کہ فرع (ایسا مسئلہ جس کے متعلق کتاب و سنت میں حکم موجود نہ ہو) کو حکم میں اصل (ایسا حکم جو کتاب و سنت میں موجود ہو) کے ساتھ اس وجہ سے ملا لینا کہ ان دونوں کے درمیان علت مشترک ہے۔
(39)	کتاب	کتاب مستقل حیثیت کے حامل مسائل کے مجموعے کو کہتے ہیں' خواہ وہ کئی انواع پر مشتمل ہو یا نہ ہو مثلاً کتاب الطہارۃ وغیرہ۔
(40)	مستحب	ایسا کام جسے کرنے میں ثواب ہو جبکہ اسے چھوڑنے میں گناہ نہ ہو مثلاً مسواک وغیرہ۔ یاد رہے کہ علم فقہ میں مندوب' نفل' اور سنت اسی کو کہتے ہیں۔
(41)	مکروہ	جس کام کو نہ کرنا اسے کرنے سے بہتر ہو اور اس سے بچنے پر ثواب ہو جبکہ اسے کرنے پر گناہ نہ ہو مثلاً کثرت سوال وغیرہ۔
(42)	مجتہد	جس شخص میں اجتہاد کا ملکہ موجود ہو یعنی اس میں فقہی مآخذ سے شریعت کے عملی احکام مستنبط کرنے کی پوری قدرت موجود ہو۔

نمبر	اصطلاح	تعریف
(43)	مصالح مرسلہ	یہ ایسی مصلحت ہے کہ جس کے متعلق شارع علیہ السلام سے کوئی ایسی دلیل نہ ملتی ہو جو اس کے معتبر ہونے یا اسے لغو کرنے پر دلالت کرتی ہو۔
(44)	موقف	کسی مسئلہ میں کسی عالم کی ذاتی رائے جسے اس نے دلائل کے ذریعے اختیار کیا ہو۔
(45)	مسلک	اس کی بھی وہی تعریف ہے جو موقف کی ہے لیکن یہ لفظ مختلف مکاتب فکر کی نمائندگی کے لیے معروف ہو چکا ہے مثلاً حنفی مسلک وغیرہ۔
(46)	مذہب	لغوی طور پر اس کی بھی وہی تعریف ہے جو مسلک کی ہے لیکن عوام میں یہ لفظ دین (جیسے مذہب عیسائیت وغیرہ) اور فرقہ (جیسے حنفی مذہب وغیرہ) کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔
(47)	مراجع	وہ کتابیں جن سے کسی کتاب کی تیاری میں استفادہ کیا گیا ہو۔
(48)	متواتر	وہ حدیث جسے بیان کرنے والے راویوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہو کہ ان سب کا جھوٹ پر جمع ہو جانا عقلاً محال ہو۔
(49)	مرفوع	جس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا ہو خواہ اس کی سند متصل ہو یا نہ۔
(51)	موقوف	جس حدیث کو صحابی کی طرف منسوب کیا گیا ہو خواہ اس کی سند متصل ہو یا نہ۔
(52)	مقطوع	جس حدیث کو تابعی یا اس سے کم درجے کے کسی شخص کی طرف منسوب کیا گیا ہو خواہ اس کی سند متصل ہو یا نہ۔
(53)	موضوع	ضعیف حدیث کی وہ قسم جس میں کسی من گھڑت خبر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا ہو۔
(54)	مرسل	ضعیف حدیث کی وہ قسم جس میں کوئی تابعی صحابی کے واسطے کے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے۔
(55)	معلق	ضعیف حدیث کی وہ قسم جس میں ابتدائے سند سے ایک یا سارے راوی ساقط ہوں۔
(56)	معضل	ضعیف حدیث کی وہ قسم جس کی سند کے درمیان سے اکٹھے دو یا دو سے زیادہ راوی ساقط ہوں۔
(57)	منقطع	ضعیف حدیث کی وہ قسم جس کی سند کسی بھی وجہ سے منقطع ہو یعنی متصل نہ ہو۔
(58)	متروک	ضعیف حدیث کی وہ قسم جس کے کسی راوی پر جھوٹ کی تہمت ہو۔
(59)	منکر	ضعیف حدیث کی وہ قسم جس کا کوئی راوی فاسق' بدعتی' بہت زیادہ غلطیاں کرنے والا یا بہت زیادہ غفلت برتنے والا ہو۔
(60)	مسند	حدیث کی وہ کتاب جس میں ہر صحابی کی احادیث کو الگ الگ جمع کیا گیا ہو مثلاً مسند شافعی وغیرہ۔
(61)	مستدرک	ایسی کتاب جس میں کسی محدث کی شرائط کے مطابق ان احادیث کو جمع کیا گیا ہو جنہیں اس محدث نے اپنی کتاب میں نقل نہیں کیا مثلاً مستدرک حاکم وغیرہ۔
(62)	مستخرج	ایسی کتاب جس میں مصنف نے کسی دوسری کتاب کی احادیث کو اپنی سند سے روایت کیا ہو مثلاً مستخرج ابو نعیم الاصبہانی وغیرہ۔
(63)	معجم	ایسی کتاب جس میں مصنف نے اپنے اساتذہ کے ناموں کی ترتیب سے احادیث جمع کی ہوں مثلاً معجم کبیر از طبرانی وغیرہ۔
(64)	نسخ	بعد میں نازل ہونے والی دلیل کے ذریعے پہلے نازل شدہ حکم کو ختم کر دینا نسخ کہلاتا ہے۔
(65)	واجب	واجب کی تعریف وہی ہے جو فرض کی ہے جمہور فقہا کے نزدیک ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ البتہ حنفی فقہا اس میں کچھ فرق کرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مُقَدِّمَة

فقہ کا معنی ومفہوم

لغوی وضاحت: لفظ فقہ فہم' سمجھ اور دانش کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل دلائل سے واضح ہے:

(1) ﴿ قَالُوْا يَا شُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْراً مِّمَّا تَقُوْلُ ﴾ [هود : ۹۱] ''انہوں نے کہا اے شعیب! تیری اکثر باتیں تو ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتیں۔''

(2) ﴿فَمَا لِهٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا﴾ [النسآء : ۷۸] ''انہیں کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات سمجھنے کے بھی قریب نہیں۔''

(3) ارشاد باری تعالی ہے کہ ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ ﴾ [التوبة:۱۲۲] ''ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت نکلے تا کہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں۔''

(4) حدیث نبوی ہے کہ ﴿من يرد الله به خيرا يفقه في الدين﴾ ''اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں' اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں۔'' (۱)

یہ لفظ عربی گرائمر کے اعتبار سے باب فَقِهَ (سمع ' كرم) کا مصدر ہے۔ باب تَفَقَّهَ (تفعّل) بھی اسی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ فَقَّهَ ' أَفْقَهَ (تفعيل' إفعال) یہ ابواب ''سکھانا اور سمجھانا'' کے معانی میں مستعمل ہیں۔ لفظِ فقیہ ''علم فقہ جاننے والے اور بہت سمجھ دار شخص'' پر بولا جاتا ہے۔ اس کی جمع ''فقهاء'' مستعمل ہے۔ (۲)

اصطلاحی تعریف: ((العلم بالأحكام الشرعية العملية المكتسبة من أدلتها التفصيلية)) ''ایسا علم جس میں اُن شرعی احکام سے بحث ہوتی ہو جن کا تعلق عمل سے ہے اور جن کو تفصیلی دلائل سے حاصل کیا جاتا ہے۔'' (۳)

عموماً علم فقہ کی وہی تعریف کی جاتی ہے جو درج بالا سطور میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں مختلف فقہاء نے اس کی مختلف تعریفیں

---

(۱) [بخاری (۷۱) كتاب العلم : باب من يرد الله به خيرا يفقه في الدين]

(۲) [القاموس المحيط (ص/۱۱۵۱) المعجم الوسيط (ص/۶۹۸)]

(۳) [إرشاد الفحول (۷/۱) المستصفى للغزالي (۱۸/۱) الإحكام للآمدي (۵۰/۱) البحر المحيط للزركشي (۱۱۰/۱)]

ی ہیں جنہیں یہاں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ علم فقہ میں صرف ان مسائل سے بحث کی جاتی ہے جو محض بندوں کے افعال سے تعلق رکھتے ہوں جیسے نماز' روزہ' نکاح' طلاق' خرید وفروخت اور جرائم وغیرہ۔ بالفاظ دیگر اس علم میں صرف ایسے احکام شامل ہیں جو عبادات اور معاملات سے متعلق ہوں اور ایسے احکام کا اس میں کوئی دخل نہیں جو عقائد وایمانیات سے تعلق رکھتے ہوں۔

فقہ کی اہمیت وضرورت

علم فقہ حاصل کرنا بعض اوقات تو فرض عین ہو جاتا ہے جیسا کہ ان امور ومسائل کا سیکھنا کہ جن کے بغیر کوئی فرض عین حکم ادا ہی نہ ہوسکتا ہو مثلاً وضو' نماز اور روزے وغیرہ کا طریقہ وکیفیت۔ اور بعض علماء نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ﴿طلب العلم فریضة علی کل مسلم﴾ ''علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔'' (۱) کو اسی پر محمول کیا ہے (یعنی صرف اُن مسائل کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے جو اس پر فرض عین ہیں)۔ شافعیہ کے نزدیک کسی چیز کے وقتِ وجوب سے پہلے ہی اس کا سیکھ لینا لازم ہے جیسا کہ اُس شخص پر جمعہ کے لیے وقت سے پہلے ہی سعی وکوشش کر کے آنا لازم ہے جس کا گھر دور ہے کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ ((ما لا یتم الواجب إلا به فهو واجب)) ''جو چیز کسی واجب کی تکمیل کے لیے ناگزیر ہو وہ بھی واجب ہے۔'' (۲)

پھر اگر کوئی عمل فوری طور پر واجب ہوگا تو اسکی کیفیت سیکھنا بھی فوری طور پر واجب ہوگا اور اگر کوئی عمل تاخیر سے واجب ہوگا جیسا کہ حج تو اس کی کیفیت سیکھنا بھی تاخیر سے ہی واجب ہوگا۔ البتہ نکاح' خرید وفروخت اور تمام معاملات کے مسائل ہر ایک پر سیکھنا واجب نہیں ہے بلکہ جو شخص ان میں سے کچھ کرنا چاہتا ہوگا صرف اسی پر سیکھنا واجب ہوگا۔

بعض اوقات علم فقہ حاصل کرنا فرض کفایہ ہوتا ہے اور وہ یہ ہے جس کے بغیر اقامتِ دین کے لیے لوگوں کے پاس کوئی چارہ نہ ہو۔ مثلاً قرآن' احادیث اور ان کے علوم وغیرہ کو حفظ کرنا۔

اور بعض اوقات علم فقہ حاصل کرنا نفل بھی ہوتا ہے۔ اس میں وہ تمام علوم وادلہ شامل ہیں جو فرض کفایہ کی مقدار سے زائد ہیں نیز عوام الناس کا عمل کی غرض سے نفلی عبادات سیکھنا بھی اس میں شامل ہے۔

معلوم ہوا کہ ان تمام مسائل میں ادراک وفہم حاصل کرنا جو انسان پر فرض ہیں نہایت ضروری ہے اس لیے کوشش ومحنت کر کے انہیں سیکھ لینا چاہیے اور یقیناً علمِ فقہ حاصل کرنیوالا شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر وبرکت کا مستحق بھی ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین﴾ ''اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین میں فقاہت عطا فرما دیتے ہیں۔'' (۳)

---

(۱) [صحیح : صحیح ابن ماجة (۱۸۳) باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم' ابن ماجة (۲۲٤)]

(۲) [المجموع (۱/۲٤) حاشیة ابن عابدین (۱/۲٦)]

(۳) [بخاری (۷۱) کتاب العلم : باب من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین]

فقہ کے مآخذ

فقہ کے اساسی ماخذ دو ہیں: (1) قرآن (2) سنت۔ اور ذیلی مآخذ نو ہیں:

① اجماع ② اقوال صحابہ ③ قیاس
④ استحسان ⑤ استصحاب ⑥ مصالح مرسلہ
⑦ سدذرائع ⑧ عرف ⑨ پہلی شریعتوں کے احکام

ان کی کچھ تفصیل حسب ذیل ہے:

❶ قرآن

قرآن کا تعارف

((هو كتاب الله المنزل على محمد رسول الله المكتوب في المصاحف المنقول إلينا عنه نقلا متواترا بلا شبهة)) ''قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے جو اللہ کے رسول محمد ﷺ پر نازل ہوئی' جو مصاحف میں لکھی ہوئی ہے' اور جو بغیر کسی شک وشبہ کے ہم تک تواتر کے ساتھ نقل ہو کر پہنچی ہے۔''(۱)

قرآن تیئس (23) سال کے عرصہ میں نازل ہوا' کچھ مکہ میں اور کچھ مدینہ میں۔ آپ ﷺ کی مکی زندگی کے تیرہ (13) سالوں کے دوران جو سورتیں نازل ہوئیں ان میں زیادہ تر توحید' رسالت' گزشتہ اقوام کے واقعات' مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا اور روز قیامت کے احوال وغیرہ کا بیان ہے۔ اور جو سورتیں مدنی زندگی کے تقریباً دس (10) سالوں کے دوران نازل ہوئیں ان میں عبادات' معاملات' جہاد' وراثت' عائلی قوانین' بین الاقوامی تعلقات' اہل کتاب سے خطاب اور منافقین کا نفاق ظاہر کرنے کے متعلق تفاصیل ہیں۔

خاصیات قرآن

(1) یہ اللہ تعالیٰ کا ایسا کلام ہے جو محمد ﷺ پر نازل ہوا یعنی چونکہ دوسری کتابیں مثلاً توراۃ' انجیل وغیرہ محمد ﷺ پر نازل نہیں ہوئیں اس لیے وہ قرآن نہیں۔

(2) قرآن کے الفاظ اور معنی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہیں۔ اس بنا پر احادیث قرآن میں شامل نہیں کیونکہ اگرچہ ان کے معانی ومفاہیم بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہی ہیں لیکن ان کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں۔

(3) یہ متواتر نقل ہو کر ہم تک پہنچا ہے یعنی اسے ہم تک پہنچانے والے افراد کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ یہ وہم وگمان ہو ہی نہیں سکتا کہ یہ سب جھوٹ پر جمع ہو سکتے ہیں۔

---

(۱) [الوجيز (ص/١٥٢) المستصفى للغزالي (٦٥/١) الإحكام الآمدي (٢٢/١) شرح مرقاة الوصول (٩٣/١-٩٦)]

(4) قرآن مجید ہر قسم کی کمی بیشی سے محفوظ کتاب ہے کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ٩] ''بلاشبہ ہم نے قرآن نازل کیا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔''

(5) قرآن مجید عاجز کر دینے والی کتاب ہے۔ یعنی ساری انسانیت اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے یہ وضاحت ہوتی ہے:

① ﴿قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى أَنْ يَأْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾ [الإسرآء: ٨٨] ''آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمام انسان اور جنات اس جیسا قرآن لانے کے لیے جمع ہو جائیں تب بھی اس کی مثل نہیں لا سکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ بن جائیں۔''

② ﴿أَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ﴾ [هود: ١٣]

''کیا یہ یوں کہتے ہیں کہ اُس نے قرآن کو خود گھڑ لیا ہے تو ان سے کہ دیجیے کہ تم بھی اس قرآن جیسی دس سورتیں خود گھڑ کے لے آؤ۔''

③ ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ ...... فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا﴾ [البقرة: ٢٤-٢٥] ''اگر تم کو اس کتاب کے متعلق شک ہے کہ جسے ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو تم اس جیسی ایک سورت ہی بنا کر لے آؤ...... اور اگر تم نے ایسا نہ کیا اور یقیناً ہرگز تم ایسا نہیں کر سکو گے۔''

④ ﴿فَلْيَأْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهِ إِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ﴾ [الطور: ٣٤] ''اچھا اگر یہ سچے ہیں تو بھلا اس جیسی ایک ہی بات یہ بھی تو لے آئیں۔''

اعجاز کے مختلف پہلو

(1) یاد رہے کہ قرآن کا اعجاز اس کی اس فصاحت و بلاغت کی وجہ سے ہے جس نے سارے عرب کو حیران و ششدر کر دیا۔

(2) اس کی اُن بیان کردہ پیش گوئیوں کی وجہ سے ہے کہ جو بعد میں بالفعل اسی طرح رونما ہوئیں۔

(3) اسی قرآن نے ایسی قوموں کے بھی حالات بیان کر دیے کہ جنہیں عرب کے لوگ یکسر بھول چکے تھے اور ان کے نام و نشان اور آثار بھی مٹ چکے تھے۔

(4) اور آج کی جدید سائنس شب و روز کی انتھک محنتوں سے کیے ہوئے تجربات و مشاہدات کے بعد جن حقائق کا انکشاف کر رہی ہے قرآن مجید صدیوں پہلے ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کر چکا ہے۔

مضامین قرآن

(1) بعض تو ایسے ہیں کہ جن کا تعلق توحید، رسالت اور آخرت سے ہے۔

(2) بعض کا تعلق اخلاقیات سے ہے مثلاً صلہ رحمی، ایفائے عہد، صدق، امانت و دیانت، جھوٹ سے اجتناب، والدین سے حسن سلوک اور عفت و عصمت وغیرہ

(3) اور بعض کا تعلق ایسے اعمال سے ہے جو یا تو عبادت سے متعلق ہیں مثلاً نماز‘ روزہ‘ حج‘ اعتکاف وغیرہ اور یا معاملات سے مثلاً جرائم‘ حدود‘ جہاد‘ گھریلو معاملات وغیرہ۔

سب سے پہلی اور آخری نازل ہونے والی آیات

مختلف اقوال میں سے صحیح ترین قول کے مطابق سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ......﴾ [العلق : ١ تا ٥]

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی آخری آیات یہ ہیں ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا ..... وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ﴾ [البقرة : ٢٧٨ تا ٢٨١] (١)

حجیت قرآن

تمام مسلمان اس امر پر متفق ہیں کہ قرآن سب کے لیے حجت ہے اور قانون سازی کا اولین ماخذ ہے۔ اس کی حجیت کی دلیل اس کا رب العالمین کی طرف سے نازل ہونا ہے اور اس بات کا ثبوت کہ کیا یہ واقعی اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے اس کا وہ اعجاز ہے کہ جسے پیچھے بیان کیا جا چکا ہے۔ چنانچہ جب یہ بات ثابت ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو سب پر لازم ہے کہ اس پر عمل کریں۔

❷ سنت

سنت کی تعریف

لغوی اعتبار سے سنت ہر ایسے دستور‘ سیرت اور طریقے کو کہتے ہیں جس پر لوگ چلنے کے عادی ہوں اور اس کی پابندی کرتے ہوں جیسا کہ اس آیت میں بھی یہی معنی مراد ہے ﴿سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ﴾ [الأحزاب: ٦٢] ”ان لوگوں میں بھی اللہ تعالیٰ کا یہی دستور رہا ہے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔“

تاہم اصطلاحی وشرعی اعتبار سے سنت کی تعریف یوں کی جاتی ہے ((ما أضيف إلى النبي من قول أو فعل أو تقرير)) ”جس چیز کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہو خواہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہو یا فعل ہو یا تقریر ہو (یاد رہے کہ تقریر سے مراد ہر ایسا کام ہے جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں کو کرتے ہوئے دیکھا ہو لیکن اس پر کوئی اعتراض نہ کیا ہو)۔(٢)

قولی سنت کی مثال یہ حدیث ہے کہ ﴿کونوا عباد الله إخوانا﴾ ”اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔“ (٣)

فعلی سنت کی مثال وہ تمام احادیث ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فعل مذکور ہے مثلاً نماز ادا کرنا‘ روزہ رکھنا‘ حج کرنا‘ صدقہ وخیرات کرنا‘ مسواک کرنا‘ قیام اللیل کرنا وغیرہ۔

اور تقریری سنت کی مثال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں چند حبشی نوجوانوں کو جنگی مشق کرتے ہوئے دیکھا اور اس پر

---

(١) [بخاری (قبل الحديث/ ٢٠٨٦) كتاب البيوع : باب موكل الرباء]

(٢) [الإحكام للآمدى (١/ ٢٣١) الوجيز (ص/ ١٦١)]

(٣) [بخاری (٦٠٦٣) كتاب الأدب : باب ما ينهى عن التحاسد والتدابر]

خاموشی اختیار فرمائی۔(۱) اسی طرح عید کے روز چند بچیوں کو جنگی اشعار گاتے ہوئے سنا تو اس پر بھی خاموشی اختیار فرمائی۔(۲)

حجیت سنت

مندرجہ ذیل دلائل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سنت بھی قرآن کی طرح حجت ہے اور احکام شریعت کا دوسرا ماخذ ہے۔

(1) ﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ [النحل : ٤٤] ''اور ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کے لیے ان احکامات کو واضح کر دیں جو ان کی طرف (قرآن کی صورت میں) نازل کیے گئے۔''

(2) ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ [النجم : ٣-٤] ''وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا۔ وہ تو ایک وحی ہے جو (اس کی طرف) نازل کی جاتی ہے۔''

(3) ﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ [النساء : ٨٠] ''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔''

(4) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ [النساء : ٥٩] ''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔''

(5) ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا﴾ [الحشر : ٧] ''اور رسول تمہیں جو کچھ دیں اسے لے لو اور جس چیز سے تمہیں منع کریں اس سے رک جاؤ۔''

(6) ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ [النساء : ٦٥] ''سو قسم ہے آپ کے رب کی وہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک وہ آپ ہی کو اپنے باہمی جھگڑوں میں منصف نہ بنا لیں۔''

(7) ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ﴾ [الأحزاب : ٣٦] ''کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ لائق نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دیں تو پھر انہیں اپنے کام کا کوئی اختیار باقی رہ جائے۔''

(8) صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ عظام سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سنت نبوی سے شرعی احکام ثابت ہوتے ہیں اور آج تک سب مسلمان اسی ایمان وعقیدے پر قائم ہیں۔

(9) اگر سنت نبوی کو شریعت کا ماخذ تسلیم نہ کیا جائے تو قرآن مجید کے کتنے ہی ایسے احکامات ہیں جن پر عمل ناممکن ہو جائیگا۔ مثلاً قرآن مجید میں نماز کا حکم ہے لیکن اس کی رکعات، اس کے اوقات، اس کی دعائیں، اذکار اور طریقہ کار وغیرہ سب کچھ حدیث سے ملے گا۔ اسی طرح روزہ، حج، زکاۃ وغیرہ کے بھی قرآن مجید میں محض مجمل احکام ہیں ان سب کی تفصیل احادیث سے ہی ملتی ہے۔

سنت کی حفاظت

جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت فرمائی ہے اسی طرح سنت کی بھی حفاظت کی ہے کیونکہ گذشتہ آیت میں

---

(۱) [بخاری (٤٥٤، ٤٥٥)]

(۲) [بخاری (٩٤٩) کتاب العیدین : باب الحراب و الدرق یوم العید]

"ذکر" کا لفظ استعمال ہوا ہے اور اس میں وہ تمام احکامات شامل ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اور حدیث کے احکام بھی فی الحقیقت اللہ کی طرف سے ہی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "یہ نبی اپنی خواہش سے نہیں بولتا بلکہ وہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی۔" مزید برآں حدیث کو بھی ایک دوسری آیت میں ذکر کہا گیا ہے اور وہ یہ ہے ﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ [النحل : ٤٤] "اور ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کے لیے وہ احکامات واضح کر دیں جو ان کی طرف (قرآن کی صورت میں) نازل کیے گئے ہیں۔"

سنت کی اقسام

سند کے اعتبار سے سنت کی دو قسمیں ہیں:

(1) **متواتر:** ایسی سنت جسے ابتدا سے انتہا تک لوگوں کی اتنی بڑی تعداد روایت کرے جن کا جھوٹ پر جمع ہو جانا عقلاً محال ہو۔ بعض اوقات یہ تواتر لفظی ہوتا ہے یعنی لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد حدیث کے ایک ہی الفاظ روایت کرتی ہو۔ اور کبھی یہ تواتر معنوی ہوتا ہے وہ اس طرح کہ لوگوں کی ایک بڑی جماعت مختلف الفاظ سے روایت کرتی ہو لیکن ان سب کا معنی ایک ہو۔

یاد رہے کہ یہ دونوں تواتر پختہ و یقینی علم کا فائدہ دیتے ہیں اور بالاتفاق حجت ہیں۔

(2) **خبر واحد:** اس سے مراد ایسی سنت ہے جسے بیان کرنے والوں کی تعداد تواتر کی حد تک نہ پہنچتی ہو بالفاظ دیگر اس میں تواتر کی شرائط نہ پائی جاتی ہوں۔ اس کی تین اقسام ہیں:

① **مشہور:** جسے ہر دور میں کم از کم تین افراد روایت کریں اور وہ تواتر کی حد تک نہ پہنچے۔

② **عزیز:** جسے ہر دور میں کم از کم دو افراد نے روایت کیا ہو۔

③ **غریب:** جسے ابتدا اور انتہا کے مابین کسی دور میں صرف ایک فرد روایت کرے۔

یہ سنت اس وقت قابل حجت ہے جب اس کی سند متصل ہو، اس کے تمام راوی عادل و ضابط ہوں اور اس کی سند یا متن میں کوئی علت یا شذوذ نہ ہو۔

سنت کی مقبول ہونے کے لحاظ سے چار اقسام ہیں:

(1) صحیح (2) صحیح لغیرہ (3) حسن (4) حسن لغیرہ

سنت کی مردود یا ضعیف ہونے کے لحاظ سے پندرہ اقسام ہیں:

(1) معلق (2) مرسل (3) معضل (4) منقطع (5) موضوع (6) متروک
(7) منکر (8) معلول (9) المخالفۃ للثقات (10) مدرج (11) مقلوب (12) مضطرب
(13) المصحف (14) شاذ (15) جس کا راوی مجہول، بدعتی یا سیّئ الحفظ ہو۔

خبر واحد کی حجیت

خبر واحد حجت ہے اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) ﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ [النحل : ٤٣] "اگر تمہیں علم نہ ہو تو اہل علم سے دریافت کر لو۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کسی مسئلے کا علم نہ ہو تو کسی ایک عالم سے پوچھ لینا کافی ہے کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے ایسی کوئی شرط نہیں لگائی کہ علما کی جماعت سے پوچھنا ضروری ہے۔

(2) ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ﴾ [التوبة : ۱۲۲] ''ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ہر فرقے سے ایک طائفہ نکلے اور دین کی سمجھ حاصل کرے۔''

امام بخاریؒ فرماتے ہیں ''طائفہ'' ایک آدمی کو بھی کہتے ہیں۔(۱)

معلوم ہوا کہ اگر ایک آدمی بھی دین کی سمجھ حاصل کر کے اپنی قوم کو احکام شریعت سکھائے تو درست ہے۔

(3) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا﴿لا يمنعن أحدكم أذان بلال من سحوره فإنه يؤذن أو قال ينادي ليرجع قائمكم و نبه نائمكم﴾ ''کسی شخص کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آذان سحری کھانے سے نہ روکے کیونکہ وہ صرف اس لیے آذان دیتے ہیں تا کہ جو نماز کے لیے بیدار ہیں وہ واپس آ جائیں اور جو سوئے ہوئے ہیں وہ بیدار ہو جائیں۔''(۲)

معلوم ہوا کہ ایک آدمی کی آذان نماز' سحری اور افطاری کے لیے معتبر ہے لہذا اس کی روایت بھی قابل عمل ہونی چاہیے بصورت دیگر ان دونوں کا انکار کیا جائیگا۔

(4) لوگ مسجد قبا میں بیت المقدس کی جانب رخ کر کے فجر کی نماز ادا کر رہے تھے۔ دریں اثنا ایک آدمی نے آ کر کہا ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس لیے تم بھی اس طرف رخ کر لو۔''﴿وكانت وجوههم إلى الشام فاستداروا إلى الكعبة﴾ ''ان لوگوں کے چہرے شام کی طرف تھے پھر وہ لوگ کعبہ کی طرف گھوم گئے۔''(۳)

معلوم ہوا کہ خبر واحد حجت ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو تمام صحابہ ایک آدمی کے کہنے پر دوران نماز ہرگز اپنا رخ نہ پھیرتے۔

(5) امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں خبر واحد کی حجیت پر ایک کتاب قائم کی ہے اور اس میں اکیس (21) احادیث اور چند آیات سے استدلال کرتے ہوئے خبر واحد کی حجیت کو ثابت کیا ہے مزید تفصیل کے لیے انہیں دیکھا جا سکتا ہے۔

فقہ کے ذیلی مآخذ حسب ذیل ہیں:

❶ اجماع

قرآن وسنت کے بعد فقہ کے ذیلی مآخذ میں سے پہلا ماخذ اجماع ہے اور جمہور علماء کے نزدیک یہ ماخذ دیگر مآخذ سے قوت و حجیت میں زیادہ قوی ہے۔

اجماع کی تعریف

لغوی اعتبار سے تو اجماع ''عزم پختہ ارادہ اور کسی بات پر متفق ہونے'' کو کہتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے ﴿لا صيام لمن لم

---

(۱) [بخاری (قبل الحديث/۷۲٤۷) كتاب الأحاد]

(۲) [بخاری (۷۲٤۷) كتاب الآحاد]

(۳) [بخاری (۷۲۵۱) كتاب الآحاد]

یجمع الصیام قبل الفجر﴾ ''اس شخص کا روزہ نہیں ہوگا جو فجر سے پہلے ہی روزہ رکھنے کی نیت نہ کرے۔''(۱)

اور قرآن میں ہے کہ ﴿فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ﴾ [یونس:۷۱] ''تم اپنا معاملہ اپنے شرکاء سے مل کر پختہ طور پر طے کرلو۔''

اصطلاحی اعتبار سے اجماع کی تعریف یہ کی جاتی ہے ((هو إتفاق المجتهدين في عصر من العصور على حكم شرعي بعد وفاة النبي ﷺ بدليل)) ''اجماع سے مراد نبی ﷺ کی وفات کے بعد کسی خاص دور میں (امت اسلامیہ کے) تمام مجتہدین کا کسی دلیل کے ساتھ کسی شرعی حکم پر متفق ہو جانا ہے۔''(۲)

اجماع کی شرائط

(1) مطلوبہ مسئلے پر متفق ہونے والے افراد مجتہد ہوں ورنہ اجماع معتبر نہ ہوگا۔

(2) مجتہدین کے اتفاق سے مراد تمام مجتہدین کا اتفاق ہے ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ صرف ایک شہر والے یا ایک بستی کے علماء ہی کسی مسئلے پر جمع ہوں کیونکہ ایک کی مخالفت بھی اجماع کے منعقد ہونے میں رکاوٹ ہے۔

(3) تمام مجتہد مسلمان ہوں۔

(4) جب کسی مسئلے پر تمام مجتہد متفق ہو جائیں تو پھر ضروری ہے کہ اتفاقی فیصلہ عمل میں آ جائے۔ علاوہ ازیں یہ شرط نہیں ہے کہ تمام مجتہدین کی موت بھی اس اتفاق پر ہی ہو۔

(5) اجماع کے لیے ضروری ہے کہ کسی شرعی حکم پر اتفاق ہو نہ کہ طب، ریاضی یا لغت سے متعلقہ کسی مسئلے پر ہو۔

(6) صرف وہی اجماع قابل قبول ہوگا جو نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد ہوا ہو۔

(7) اجماع کے لیے کسی شرعی دلیل کا ہونا بھی ضروری ہے جس پر سب متفق ہوئے ہوں محض اپنی خواہش پر کیا جانے والا اجماع معتبر نہیں ہوگا۔

اجماع کی مثالیں

(1) مسلمان عورت کا کسی غیر مسلم مرد سے نکاح نہیں ہو سکتا۔

(2) پھوپھی اور بھتیجی، خالہ اور بھانجی کو بیک وقت نکاح میں نہیں رکھا جا سکتا۔

(3) مفتوحہ اراضی کو فاتحین کے درمیان دیگر اموال غنیمت کی طرح نہیں بانٹا جائے گا۔

(4) اگر سگے بھائی بہن نہ ہوں تو باپ کی طرف سے بننے والے بھائی بہن کو ان کا حصہ دیا جائے گا۔

اجماع کی حجیت

جمہور علماء کے نزدیک اجماع حجت ہے اور وہ حجیتِ اجماع کے جو دلائل پیش کرتے ہیں ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

(۱) [**صحیح** : صحیح نسائی (۲۲۰۳، ۲۲۰۴، ۲۲۰۵) کتاب الصیام : باب ذکر اختلاف الناقلین لخبر حفصة فی ذلك، نسائی (۲۳٤۰، ۲۳٤۱، ۲۳٤۲)]

(۲) [إرشاد الفحول (۲۰۸/۱) البحر المحیط للزرکشی (٤۳۵/٤) الإحکام للآمدی (۱۷۹/۱) المستصفی للغزالی (۱۷۳/۱)]

(1) ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَآئَتْ مَصِيراً ﴾ [النساء : ١١٥] ''اور جس نے ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول کی نافرمانی کی اور مومنین کے راستے کے علاوہ کسی دوسرے راستے کی پیروی کی تو اسے ہم اُسی طرف لے جائیں گے جدھر وہ خود گیا اور اسے جہنم میں داخل کر دیں گے جو بہت بری جائے قرار ہے۔''

(2) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إن أمتي لاتجتمع على ضلالة﴾ ''بلاشبہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔'' (١)

(3) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ لاتزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق ﴾ ''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر غالب رہے گا۔'' (٢)

اجماع کی اقسام

(1) اجماع صریح: اس سے مراد یہ ہے کہ تمام مجتہد علماء کسی مسئلے پر اس طرح متفق ہوں کہ وہ اس کے متعلق صراحت سے اظہار کریں خواہ قول سے کریں یا افتاء سے کریں یا قضاء سے کریں۔ یہ اجماع بالاتفاق حجت ہے۔

(2) اجماع سکوتی: اس سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی مسئلہ پیش کیا جائے تو چند اہل اجتہاد علماء تو اس پر متفق ہو جائیں لیکن دیگر مجتہدین اس پر خاموشی اختیار کریں اور کوئی اعتراض نہ کریں۔ یہ اجماع احناف کے نزدیک حجت ہے جبکہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اسے اجماع تسلیم نہیں کرتے۔

❷ اقوال صحابہ

صحابی ایسے شخص کو کہتے ہیں جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو' آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا ہو اور پھر ایمان کی حالت میں ہی فوت ہوا ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے بعض علم' فقہ اور فتوی وغیرہ میں بہت مشہور ہوئے۔ ان کے کیے ہوئے فیصلے اور ان کے فتوے بذریعہ روایت ہم تک پہنچے ہیں۔ اگر کسی مجتہد کو کتاب وسنت اور اجماع سے کسی مسئلے کے لیے دلیل نہ ملے تو کیا وہ صحابہ کے ان اقوال' فتاوی جات اور فیصلوں سے حجت لے سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس میں کچھ تفصیل ہے۔

اقوال صحابہ کی حجیت

(1) صحابی کی وہ بات جو اجتہاد اور رائے کے ذریعے نہیں کہی جا سکتی علماء کے نزدیک حجت ہے کیونکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ یقیناً یہ بات صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی سنی ہوگی۔

(2) صحابی کے جس قول پر اجماع ہو چکا ہو علماء اسے شرعی حجت قرار دیتے ہیں۔

---

(١) [**صحيح** : المشكاة (١٧٣ ' ١٧٤) ابن ماجة (٣٩٥٠) كتاب الفتن : باب السواد الأعظم ' أبو داود (٤٢٥٣) طبراني كبير (٣٤٤٠)]

(٢) [بخاري (٧٤٥٩) كتاب التوحيد : باب قول الله تعالى ﴿إنما قولنا لشيئ إذا أردناه﴾ ' مسلم (١٩٢١) أحمد (٢٧٨/٥)]

(3) صحابی کا ایسا قول جو رائے اور اجتہاد پر مبنی ہو کیا وہ حجت ہے؟ اس میں علماء نے اختلاف کیا ہے:

بعض علماء اسے شرعی حجت قرار دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب کوئی مسئلہ کتاب و سنت اور اجماع سے نہ مل سکے تو صحابی کے قول پر عمل کرنا چاہیے کیونکہ اگرچہ وہ بات رائے پر مبنی ہے لیکن ان کی رائے ہماری رائے سے بہر حال بہتر ہے وہ اس لیے کہ وہ نزول وحی کے زمانے میں موجود تھے' تشریع احکام کی حکمت اور اسباب نزول سے واقف تھے' اور ایک لمبا عرصہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں بھی رہے تھے۔ ان تمام وجوہات کی بنا پر ان کی آراء کو دوسروں کی آراء پر بڑی فضیلت حاصل ہے۔

اور بعض علماء اسے شرعی حجت نہیں گردانتے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم صرف کتاب و سنت کے دلائل پر عمل کے پابند ہیں اور صحابی کا قول ان میں شامل نہیں۔

ہمارے علم کے مطابق راجح بات یہ ہے کہ اگرچہ صحابی کے ایسے قول پر جو اجتہاد و رائے پر مبنی ہو عمل واجب نہیں لیکن اپنی رائے پر ان کی رائے کو ترجیح دینا یقیناً افضل ہے جیسا کہ اس کی وجوہات پہلے قول کے ضمن میں بیان کی جا چکی ہیں۔

(ابو حنیفہؒ) اگر اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت میں مجھے کوئی چیز نہیں ملتی تو میں صحابہ کے اقوال اختیار کر لیتا ہوں۔

(مالکؒ) انہوں نے اپنی کتاب موطا میں بہت سے صحابہ کے فتاوی جات نقل کیے ہیں اور اکثر مسائل میں انہی پر اعتماد کیا ہے۔

(شافعیؒ) اگر مجھے کتاب و سنت' یا اجماع' یا اس کے ہم معنی کسی دوسری چیز میں جو حکم لگانے والی ہو' یا اس کے ساتھ قیاس ہو' کوئی چیز نہیں ملتی تو میرا مسلک یہی ہے کہ صحابہ میں سے کسی کے قول کو اختیار کر لیا جائے۔

(احمدؒ) میں نے ہر مسئلے میں یا تو رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے جواب دیا...... یا صحابہ یا تابعین کے کسی قول سے۔(۱)

❸ قیاس

قیاس کی تعریف

لغوی اعتبار سے قیاس ایک چیز کو دوسری چیز سے ناپنے اور مقدار معلوم کرنے کو کہتے ہیں۔ اصطلاحی اعتبار سے قیاس کی تعریف یہ ہے ((هو إلحاق فرع بأصل في الحكم لعلة جامعة بينهما)) ''قیاس یہ ہے کہ فرع (ایسا مسئلہ جس کے متعلق کتاب و سنت میں حکم موجود نہ ہو) کو حکم میں اصل (ایسا حکم جو کتاب و سنت میں موجود ہو) کے ساتھ اس وجہ سے ملا لینا کہ ان دونوں کے درمیان علت مشترک ہے۔''(۲)

قیاس کی مثالیں

(1) قرآن مجید میں شراب نوشی کی حرمت کے متعلق نص موجود ہے لیکن نبیذ کے متعلق کوئی حکم موجود نہیں ہے چونکہ شراب (یعنی خمر) میں حرمت کی علت نشہ ہے اور نبیذ میں بھی یہ علت پائی جاتی ہے اس لیے نبیذ کو شراب پر قیاس کرتے ہوئے اس کے

---

(۱) [أبو حنيفه للشيخ أبي زهرة (ص/۳۰۹) مالك للشيخ أبي زهرة (ص/۲۵۹) الرسالة للشافعي (ص/۵۹۸) أصول الفقه لأبي زهرة (ص/۲۱۵) أصول الفقه وابن تيميه (ص/۳۵٦)]

(۲) [الإحكام للآمدي (۱٦٧/۳) المستصفى للغزالي (۲۲۸/۲) أعلام الموقعين (۱۰۱/۱) الأحكام لابن حزم (۳٦٨/٧) الوجيز (ص/۱۹٤)]

حکم میں شامل کر لیا جائیگا۔

(2) آذانِ جمعہ کے وقت خرید وفروخت کی ممانعت نص سے ثابت ہے لیکن اس وقت نکاح کرنے، زمین کاشت کرنے اور کرائے پر لینے کی ممانعت شریعت میں ثابت نہیں ہے لیکن چونکہ خرید وفروخت سے ممانعت کی علت یہ ہے کہ یہ عمل نماز کے لیے جانے سے رکاوٹ بن جاتا ہے اس لیے اُن تمام افعال کو خرید وفروخت پر قیاس کرتے ہوئے ممنوع قرار دیا جائے گا جو نماز سے رکاوٹ بنتے ہیں کیونکہ ان میں بھی وہی علت موجود ہے جو خرید وفروخت میں ہے۔

حجیت قیاس

جمہور کے نزدیک قیاس حجت ہے اور وہ اس کی حجیت کے جو دلائل پیش کرتے ہیں ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

(1) ﴿فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ﴾ [الحشر: ۲] ''اے بصیرت رکھنے والو! عبرت حاصل کرو۔''

اس آیت میں لفظ '' فاعتبروا '' سے مراد یہ ہے کہ خود کو ان لوگوں پر قیاس کرو جن پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا یعنی اگر تم بھی وہ گناہ کرو گے جو انہوں نے کیے تو تم پر بھی اللہ تعالیٰ عذاب نازل فرما سکتے ہیں۔

(2) ﴿قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ [یٰس: ۷۹] ''کہہ دیجیے کہ انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دوسری مرتبہ پیدا کرنے کو پہلی مرتبہ پیدا کرنے پر قیاس کیا ہے۔

(3) ایک آدمی نے نبی ﷺ کے پاس آ کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میری والدہ فوت ہو گئی ہے اور اس کے ذمے ایک ماہ کے روزے تھے کیا میں اس کی طرف سے قضائی دوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا﴿لو كان على أمك دين أكنت قاضيه ؟ قال نعم قال : فدين الله أحق أن يقضى﴾ ''اگر تیری والدہ پر قرض ہوتا تو کیا تم اسے ادا کرتے؟ اس نے کہا ہاں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: سو اللہ کا قرض ادائیگی کا زیادہ مستحق ہے۔'' (۱)

(4) ایک عورت نے سیاہ رنگ کا بچہ جنا تو اس کے شوہر نے اسے اپنانے سے انکار کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے کہا: کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے کہا ہاں ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کا رنگ دریافت کیا؟ تو اس نے کہا کہ سرخ رنگ کے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا ان میں کوئی خاکستری رنگ کا بھی ہے؟ اس نے کہا ہاں ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ کہاں سے آ گیا؟ اس نے کہا شاید اسے کوئی رگ کھینچ لائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا﴿وهذا لعله عرق نزعه﴾ ''اور اسے بھی شاید کوئی رگ کھینچ لائی ہو۔'' (۲)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بچوں کا رنگ مختلف ہونے کو اونٹوں کا رنگ مختلف ہونے پر قیاس کیا ہے۔ ان دلائل کے علاوہ متعدد آثار صحابہ سے بھی قیاس کی حجیت ثابت ہوتی ہے کہ جن کو بیان کرنے سے طوالت سے اجتناب کیا گیا ہے۔ تاہم

---

(۱) [بخاری (۱۹۵۳) كتاب الصوم : باب من مات وعليه صوم، مسلم (۱۱۴۸) أبو داود (۳۳۱۰) ترمذی (۷۱۶۔۷۱۷) ابن ماجة (۱۷۵۸) ابن الجارود (۹۴۲) ابن حبان (۳۵۱۹۔الإحسان) مشكل الآثار (۲۲۱/۳) بيهقی (۲۵۵/۴)]

(۲) [بخاری (۵۳۰۵) كتاب الطلاق : نسائی (۳۴۷۹) ابن ماجة (۲۰۰۲) حميدی (۱۰۸۴) أحمد (۲۳۹/۲) ابن حبان (۴۱۰۶)]

جولوگ قیاس کا انکار کرتے ہیں وہ مندرجہ ذیل دلائل پیش نظر رکھتے ہیں:

(1) قرآن میں ہر چیز کا بیان ہے۔[النحل : ۸۹]اس لیے کسی اور طرف جانے کی ضرورت نہیں۔

(2) قیاس کے ذریعے اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنا لازم آتا ہے جو کہ قرآن میں ممنوع قرار دیا گیا ہے۔[الحجرات : ۱]

(3) قیاس ظنی چیز ہے اور ظن حقیقت سے کچھ فائدہ نہیں دیتا۔[یونس : ۳۶]

(4) ہمیں صرف اسی چیز کے ساتھ فیصلہ کرنے کا حکم ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے[المائدۃ : ۴۹] اور قیاس کے ذریعے ثابت ہونے والا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ نہیں ہے۔

اگرچہ یہ اور اس طرح کے دیگر دلائل قیاس کی نفی کے لیے پیش کیے جاتے ہیں لیکن راجح بات وہی ہے جسے جمہور نے اپنایا ہے یعنی قیاس حجت ہے۔(واللہ اعلم)

ارکان قیاس

قیاس کے چار ارکان ہیں:

(1) اصل: ایسی جگہ جہاں شریعت سے ثابت حکم پایا جاتا ہو مثلاً شراب۔

(2) فرع: ایسی چیز جسے اصل پر قیاس کر کے اس کا حکم معلوم کرنا مقصود ہو مثلاً نبیذ۔

(3) علت: اس سے مراد وہ وصف ہے جو اصل اور فرع کے درمیان مشترک ہو مثلاً نشہ۔

(4) حکم: اس سے مراد وہ شرعی حکم ہے جو اصل میں موجود ہے اور اسے فرع میں بھی لاگو کرنا مطلوب ہو اور وہ مذکورہ مثال میں حرمتِ شراب ہے۔

شرائط قیاس

(1) جس حکم کو فرع تک متعدی کرنا مقصود ہو وہ اصل میں نص (یعنی کتاب وسنت) سے ثابت ہو۔

(2) اصل میں ثابت ہونے والا حکم متفق علیہ ہو مختلف فیہ نہ ہو۔

(3) اصل میں موجود حکم شرعی ہو اور سمجھ میں آنے والا ہو۔

(4) اصل اور فرع میں مشترک علت ایسا وصف ہو جس کا حواس خمسہ سے ادراک ممکن ہو۔

(5) مشترک علت ایسا وصف ہو جو زمان ومکان کی تبدیلی سے تبدیل نہ ہوتا ہو۔

(6) وہ وصف متعدی ہو اور فرع میں بھی مکمل طور پر پایا جاتا ہو۔

(7) فرع کے لیے پہلے سے کوئی شرعی نص موجود نہ ہو۔

(8) فرع کا حکم اصل کے حکم کے مساوی ہو۔

اقسام قیاس

عموماً قیاس کی تین قسمیں بیان کی جاتی ہیں:

(1) قیاس علت: ایسا قیاس جس میں موجود علت حکم کو واجب کر دینے والی ہو۔

(2) قیاس دلالت: جس میں موجود علت حکم کو واجب کرنے والی تو نہ ہو مگر اس پر دلالت ضرور کرتی ہو۔

(3) قیاس شبہ: یہ ایسی فرع ہے جو دو اصلوں کے درمیان متردد ہو۔

❹ استحسان

لغوی اعتبار سے استحسان کسی چیز کو اچھا سمجھنے' اسے چاہنے اور اس کی طرف مائل ہونے کو کہتے ہیں۔ اور اصطلاحی اعتبار سے اس کی تعریف یہ ہے ((ترك القياس لدليل أقوى منه من كتاب أو سنة أو إجماع)) ''قرآن' سنت یا اجماع کی کسی قوی دلیل کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دینا۔''

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اور احناف کے نزدیک استحسان یہ ہے کہ ((العمل بأقوى الدليلين)) ''دو دلیلوں میں سے زیادہ قوی پر عمل کرنا۔''(۱)

اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی عورت فوت ہو جائے اور اپنے پیچھے ورثاء میں شوہر' ماں' دو ماں کی طرف سے بھائی اور دو سگے بھائی چھوڑ جائے تو قیاس کا تقاضا ہے کہ شوہر کو نصف' ماں کو چھٹا حصہ' ماں کی طرف سے بھائیوں کو تیسرا حصہ اور سگے بھائیوں کو کچھ نہ ملے۔ لیکن استحسان کی وجہ سے دونوں سگے بھائیوں کو بھی تیسرے حصے میں ماں کی طرف سے بھائیوں کے ساتھ شریک کر لیا جاتا ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا۔

حجیت استحسان

یہ جمہور کے نزدیک حجت ہے اور اس کے لیے بطور دلیل قرآن کی یہ آیت ﴿وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ ''تمہارے رب کی طرف سے جو احکام تمہاری طرف نازل کیے گئے ہیں ان میں سے سب سے بہترین احکام کی پیروی کرو۔'' اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول پیش کیا جاتا ہے ﴿ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن﴾ ''جس چیز کو مسلمان اچھا خیال کریں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔''(۲)

البتہ بعض علماء استحسان کو جائز قرار نہیں دیتے جیسا کہ امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ ﴿من استحسن فقد شرع﴾ ''جس نے استحسان کیا اس نے شریعت سازی کی۔''(۳)

غالباً امام شافعیؒ اور ان جیسے دیگر علماء نے استحسان کا انکار اس لیے کیا ہے کہ وہ استحسان اپنی خواہش کے ذریعے قانون بنانے کو سمجھتے ہیں تو فی الحقیقت بھی ایسا استحسان قابل قبول نہیں۔ لیکن ہم جسے استحسان تصور کرتے ہیں وہ محض دو دلیلوں کے درمیان قوی تر کو ترجیح دینا ہی ہے اور اس میں یقیناً نہ شریعت سازی ہے اور نہ ہی کسی کو اختلاف ہونا چاہیے۔

---

(۱) [البحر المحيط للزركشي (۸۷/۶) الإحكام للآمدي (۱۳۶/٤) الإحكام لابن حزم (۱۹۲/۶) الوجيز (ص/۲۳۰)]

(۲) [صحيح: أحمد (۳۶۰۰ ـ بتحقيق أحمد شاكر)]

(۳) [الإحكام للآمدي (۲۰۹/٤) الوجيز (ص/۲۳٤)]

❺ استصحاب

استصحاب کی تعریف

لغوی اعتبار سے استصحاب ''ساتھ طلب کرنے یا صحبت کے باقی رہنے'' کو کہتے ہیں۔اور اصطلاحی اعتبار سے استصحاب کی تعریف علماء ان الفاظ میں کرتے ہیں((أخذ المجتهد بالأصل عند فقد الدليل الشرعي)) ''شرعی دلیل نہ ملنے کے وقت مجتہد کا اصل کو پکڑ لینا (استصحاب کہلاتا ہے)۔''(۱)

بعض علماء نے اس کی تعریف ان الفاظ میں بھی کی ہے ((هو بقاء الأمر على ما كان عليه ما لم يوجد ما يغيره)) ''جو چیز جس حالت میں پہلے تھی اسے اس وقت تک اسی طرح اپنی حالت میں باقی سمجھنا جب تک کہ کوئی ایسا سبب نہ پایا جائے جو اسے تبدیل کر دے۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی کام جائز تھا تو اسے اس وقت تک جائز ہی سمجھا جائے گا جب تک کہ اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہ مل جائے اور اگر کوئی عمل ممنوع تھا تو اسے اس وقت تک ممنوع ہی سمجھا جائے جب تک کہ اسکے جواز کی کوئی دلیل نہ مل جائے۔مثلاً کوئی زندہ تھا تو اسے زندہ ہی سمجھا جاتا ہے جب تک کہ اس کی وفات کی خبر نہ مل جائے۔اسی طرح اگر کوئی غیر شادی شدہ تھا تو اسے غیر شادی شدہ ہی سمجھا جاتا ہے جب تک کہ اس کی شادی کی خبر نہ مل جائے۔

استصحاب کی حجیت

جمہور' مالکیہ' شافعیہ' حنابلہ اور اہل ظاہر کے نزدیک استصحاب حجت ہے اور یہی بات راجح ہے۔علاوہ ازیں بعض حنفیہ اور ان کے ہم رائے حضرات اسے صرف اس معنی میں حجت مانتے ہیں کہ جو حکم پہلے سے ثابت ہے اسے اسی طرح قائم رکھا جائیگا اور اس کے مخالف حکم کو رد کر دیا جائیگا یعنی یہ لوگ صرف نفی میں استصحاب کو حجت مانتے ہیں اور جمہور علماء نفی و اثبات دونوں میں اسے حجت تسلیم کرتے ہیں۔

استصحاب پر مبنی اصول

(1) الأصل في الأشياء الإباحة: تمام اشیاء میں اصل اباحت ہے یعنی تمام چیزیں اس وقت تک حلال و مباح ہیں جب تک کہ ان کی حرمت کی دلیل نہ مل جائے۔

(2) الأصل براءة الذمة: ''اصل میں انسان ہر ذمہ داری سے بری ہے۔'' یعنی انسان اس وقت تک ہر قسم کے بدلے' سزا اور جرم وغیرہ سے بری ہے جب تک کہ اس کا ارتکابِ جرم ثابت نہ ہو جائے۔

(3) اليقين لا يزول بالشك: ''یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔'' یعنی اگر کسی نے وضوء کیا ہے تو محض وضوء ٹوٹ جانے کا شک ہونے سے وضوء نہیں ٹوٹے گا بلکہ برقرار رہے گا۔

---

(۱) [الإحكام للآمدي (۱۱۱/٤) الإحكام لابن حزم (٥/٥) أعلام الموقعين (۲٥٥/۱) البحر المحيط (٦/١٦) إرشاد الفحول (ص/٢٠٨)]

❻ مصالح مرسلہ

مصالح مرسلہ کی تعریف

لغوی اعتبار سے مصلحت ''نفع حاصل کرنے اور نقصان دور کرنے'' کو کہتے ہیں۔ یہ مصلحتیں تین قسم کی ہیں: ایک وہ جنہیں شریعت نے معتبر سمجھا ہے مثلاً جان مال دین کی حفاظت وغیرہ ان مصلحتوں کو **"مصالح معتبرہ"** کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ دوسری قسم ان مصالح کی ہے جنہیں شریعت نے لغو قرار دیا ہے مثلاً حقِ وراثت میں مرد و عورت کی مساوات، سود کے ذریعے مال میں اضافہ کرنا اور جان بچانے کے لیے جہاد سے پیچھے بیٹھ رہنا وغیرہ ان مصلحتوں کو **"مصالح ملغاۃ"** کا نام دیا گیا ہے۔ تیسری قسم ایسی مصلحتوں کی ہے جن کے متعلق شریعت نے نہ معتبر ہونے کی وضاحت کی ہو اور نہ ہی انہیں لغو کہا ہو۔ ایسی مصلحتوں کو **"مصالح مرسلہ"** سے تعبیر کیا جاتا ہے اور علماء اس کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

((هي المصلحة التي لا يعلم من الشارع ما يدل على اعتبارها و لا على إلغائها)) ''یہ ایسی مصلحت ہے جس کے متعلق شارع علیہ السلام سے کوئی ایسی دلیل نہ ملتی ہو جو اس کے معتبر ہونے یا اسے لغو کرنے پر دلالت کرتی ہو۔''(۱)

یعنی ان مصالح میں وہ تمام مصلحتیں شامل ہیں جن کی شریعت نے نہ تو ترغیب دلائی ہو اور نہ ہی انہیں برا سمجھا ہو اور یہ کسی بھی دور اور زمانے میں پیش آ سکتی ہیں مثلاً جمع و تدوینِ قرآن کی مصلحت، خلافتِ عمر میں تقسیمِ وظائف اور مجاہدین کے لیے رجسٹر بنا لینے کی مصلحت وغیرہ۔

مصالح مرسلہ کی حجیت

بالاتفاق عبادات میں مصالح مرسلہ حجت نہیں کیونکہ عبادت کے متعلق تمام امور تعبدی و توفیقی ہوتے ہیں۔ ان میں اجتہاد اور رائے کی قطعاً گنجائش نہیں۔ البتہ معاملات میں مصالح مرسلہ کی حجیت کے متعلق اختلاف ہے۔ تاہم جمہور مالکیہ اسے حجت تسلیم کرتے ہیں اور یہی بات راجح ہے۔ (واللہ اعلم)

❼ سد الذرائع

سد الذرائع کی تعریف

لغوی اعتبار سے سد کا معنی ''روکنا یا بند کر دینا'' ہے اور ذرائع ان وسائل کو کہتے ہیں جن کے ذریعے کسی بھی چیز تک پہنچا جا سکے خواہ وہ نفع بخش ہو یا ضرر رساں۔ تاہم یہاں سد الذرائع سے مراد ان وسائل کا انسداد ہے جو معصیت، مفاسد اور نقصان تک پہنچاتے ہوں جیسا کہ اس کی تعریف ان الفاظ میں کی جاتی ہے ((هو المنع عما يتوصل به إلى الشيئ الممنوع المشتمل على مفسدة)) ''سد الذرائع سے مراد ان کاموں سے روک دینا ہے جن کے ذریعے ایسی ممنوع چیز تک پہنچا جا سکتا ہو جو فساد و خرابی پر مشتمل ہو۔''(۲)

(۱) [الإحكام للآمدي (۱۳۹/٤) البحر المحيط (٧٦/٦) التحصيل من المحصول (۳۳۱/۲) المستصفى للغزالي (۱۳۹/۲)]

(۲) [الموافقات للشاطبي (۱۹۸/٤) أصول الفقة الإسلامي للدكتور وهبه زحيلي (۸۷۳/۲)]

مثلاً عورتوں کی طرف دیکھنا حرام ہے کیونکہ یہ زنا کا پیش خیمہ بنتا ہے۔شراب پینا حرام ہے کیونکہ یہ عقل اور دین کے نقصان اور عبادات میں کوتاہی کا باعث بنتا ہے۔اسی طرح مسلمانوں کے راستے میں کنواں کھود دینا یا ان کے کھانوں میں زہر ملا دینا بھی جائز نہیں کیونکہ یہ افعال نقصان کا ذریعہ ہیں۔

سد الذرائع کی حجیت

امام احمدؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک حجت ہے اور یہی بات برحق ہے جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ اسے حجت نہیں مانتے حالانکہ اگر شریعت کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے بے شمار مسائل میں اس اصول کو مدنظر رکھا ہے۔ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

(1) ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا﴾ [البقرة : ١٠٤] ''اے ایمان والو! راعنا نہ کہو۔'' اس سے روکنے کا سبب یہ تھا کہ یہودی اس لفظ کے ذریعے آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ لفظ کہنے سے ہی روک دیا۔

(2) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ یہودیوں پر لعنت کرے' ان پر چربیوں کو حرام کیا گیا لیکن انہوں نے چربیوں کو پگھلایا' انہیں فروخت کیا' اور پھر ان کی قیمت کھا گئے۔'' (١)

(3) حدیث نبوی ہے کہ ﴿دع ما يريبك إلى ما لا يريبك﴾ ''شک وشبہ والی چیزوں کو چھوڑ کے ان اشیاء کو اپناؤ جن میں شک نہ ہو۔'' (٢)

(4) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ﴿من وقع في الشبهات وقع في الحرام كالراعي يرعى حول الحمى يوشك أن يقع فيه﴾ ''جو شخص شبہات میں واقع ہو گیا وہ اس طرح حرام میں واقع ہو گیا جیسا کہ کوئی چرواہا باڑ کے اردگرد (اپنے جانور) چراتا ہے' قریب ہے کہ وہ اس (باڑ) میں واقع ہو جائے۔'' (٣)

(5) آپ ﷺ نے فرمایا کبیرہ گناہوں میں سے ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ کو گالی دے۔صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا کوئی آدمی اپنے ماں باپ کو بھی گالی دیتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں' وہ کسی کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے تو جواب میں وہ اس کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے۔'' (٤)

---

(١) [بخاری (٢٢٣٦) كتاب البيوع : باب بيع الميتة والأصنام' مسلم (١٥٨١) أحمد (٣٢٤/٣) أبو داود (٧٥٦/٣) ترمذی (١٢٩٧) نسائی (٣٠٩/٧) ابن ماجة (٢١٦٧) أبو يعلى (١٨٧٣) ابن الجارود (٥٧٨) بيهقى (١٢/٦) شرح السنة (٢١٨/٤)]

(٢) [**صحيح** : صحيح نسائی (٥٢٦٩) كتاب الأشربة : باب الحث على ترك الشبهات' ترمذی (٢٥١٨) نسائی (٥٧١٤) أحمد (٢٠٠/١) حاكم (٩٩/٤) أبو يعلى (١٣٢/١٢) ابن حبان (٥١٢۔ الموارد) الحلية لأبي نعيم (٢٦٤/٨)]

(٣) [بخاری (٥٢) كتاب الإيمان : باب فضل من استبرأ لدينه' مسلم (١٥٩٩) أبو داود (٣٣٢٩) نسائی (٢٤١/٧) ترمذی (١٢٠٥) ابن ماجة (٣٩٨٤) أحمد (٢٦٩/٤) دارمی (٢٤٥/٢) حميدی (٩١٨)]

(٤) [بخاری (٥٩٧٣) كتاب الأدب : باب لا يسب الرجل والديه' مسلم (١٣٠) أحمد (٦٥٤٥)]

(6) نبی ﷺ نے منافقین کو اس لیے قتل نہیں کیا کہ کہیں لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔(۱)

8 عرف

عرف کی تعریف

عرف سے مراد ایسا قول یا فعل ہے جس سے معاشرہ مانوس ہو اس کا عادی ہو یا اس کا ان میں رواج ہو۔ عرف، رواج اور عادت تقریباً ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ جیسا کہ تعریف سے واضح ہے کہ عرف کبھی قول ہوتا ہے اور کبھی فعل، اسی طرح کبھی عام ہوتا ہے اور کبھی خاص۔

عرف قولی کی مثال لفظ "دابة" ہے جسے چوپائے پر تو بولا جاتا ہے لیکن انسان پر نہیں۔ اسی طرح لفظ "طلاق" ازدواجی تعلقات کے خاتمے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

عرف فعلی کی مثال عام لوگوں کے لیے بنائے گئے حماموں میں غسل کے لیے داخل ہونا ہے۔

عرف عام وہ ہوتا ہے کہ جو قول یا فعل تمام معاشروں میں رواج پذیر ہو اور عرف خاص اسے کہتے ہیں جو کسی خاص ملک یا شہر یا طبقے میں ہی مروج ہو۔

عرف کی حجیت

یقیناً اسلام نے عرف و رواج کا لحاظ رکھا ہے اور عدل و انصاف، جرم و سزا کے قوانین میں اسے معتبر سمجھا ہے یہی وجہ ہے کہ تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ کتاب و سنت میں دلیل نہ ملے تو عرف کو دلیل بنایا جا سکتا ہے۔ فی الحقیقت عرف بذات خود کوئی مستقل ماخذ شریعت نہیں ہے بلکہ یہ ان مآخذ کی طرف لوٹتا ہے جن کا شریعت نے اعتبار کیا ہے۔ اور یہ بات بدیہی ہے کہ عرف ایک ایسی حقیقت ہے جس کا کوئی بھی دانشمند انکار نہیں کر سکتا۔ مثلاً اگر کسی علاقے میں لفظ "دابة" صرف گھوڑے کے لیے استعمال ہوتا ہو۔ اور کوئی کہے کہ فلاں شخص نے میرا "دابة" چرایا ہے تو قاضی فیصلہ کرتے وقت یہ نہیں کہے گا کہ چونکہ دابہ چوپائے کے لیے استعمال ہوتا ہے اس لیے اسے بدلے میں کوئی بھی جانور دے دیا جائے بلکہ اس پر ضروری ہے کہ اس معاشرے کے رواج کے مطابق گھوڑا لوٹانے کا ہی فیصلہ کرے۔

مزید برآں عرف کی حجیت کے لیے مندرجہ ذیل دلائل بھی پیش کیے جاتے ہیں:

(1) ﴿وَمَنْ كَانَ فَقِيراً فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [النساء : ٦] "یتیم کے والی کے لیے رخصت دی گئی ہے کہ اگر وہ فقیر ہو تو معروف طریقے سے کھا سکتا ہے۔" یہاں یقیناً معروف کا معنی عرف و رواج ہی ہے۔

(2) قسم کے کفارے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ﴿مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ﴾ [المائدة : ۸۹] "ایسا متوسط کھانا جسے تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو۔" اس آیت میں بھی متوسط کھانے کو عرف پر ہی چھوڑ دیا گیا ہے۔

(3) حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے جب اپنے شوہر (حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ) کے بخیل ہونے کی شکایت کی تو نبی ﷺ نے فرمایا "تم

(۱) [بخاری (۴۹۰۷) کتاب التفسیر: باب یقولون لئن رجعنا إلى المدينة، مسلم (۴۶۸۲)]

اس کے مال سے بغیر اجازت اتنا لے لو جتنا معروف طریقے سے تمہارے اور تمہارے بیٹوں کے لیے کافی ہو جائے۔''(۱)

حجیت عرف کی شرائط

(1) عرف نص کے مخالف نہ ہو۔

(2) عرف اکثر مقامات پر مروج ہو اور لوگوں کی اکثریت اس سے واقف ہو۔

(3) جس مسئلے کے لیے عرف کو حجت بنایا جا رہا ہو' ضروری ہے کہ عرف اس مسئلے سے پہلے موجود ہو۔

⑨ پہلی شریعتوں کے احکام

پہلی شریعتوں سے مراد وہ احکام ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے سابقہ امتوں پر ان کے نبیوں کے ذریعے بھیجا۔ ان احکام کی چار قسمیں ہیں:

(1) پہلی قسم میں وہ احکام شامل ہیں جن کا ذکر ہماری شریعت میں ہوا اور پھر یہ بھی بتلا دیا گیا کہ ہم پر بھی لازم ہے کہ ان احکام پر عمل کریں۔ ایسے احکام پر عمل کرنا بالاتفاق لازم ہے مثلاً قرآن مجید میں ہے ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾[البقرة : ١٨٣] ''تم پر روزے اسی طرح فرض کیے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے۔''

(2) دوسری قسم ان احکام کی ہے جنہیں ہماری شریعت میں بیان تو کیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا گیا ہے کہ ان پر عمل کرنا ہمارے لیے جائز نہیں مثلاً سجدہ تعظیمی کرنا' مال غنیمت حرام سمجھنا وغیرہ۔ بالاتفاق ایسے احکام پر عمل کرنا ہمارے لیے جائز نہیں۔

(3) تیسری قسم میں وہ احکام شامل ہیں جن کا ذکر نہ تو ہماری کتاب میں ہے اور نہ ہی سنت نبوی میں ہے۔ احکام کی یہ قسم بالاتفاق ہمارے لیے شریعت نہیں۔

(4) چوتھی قسم ان احکام پر مشتمل ہے جن کا ذکر تو ہماری شریعت میں موجود ہے لیکن یہ نہیں بتلایا گیا کہ ان پر عمل کرنا ہمارے لیے بھی درست ہے یا نہیں مثلاً قرآن مجید میں ہے کہ ﴿ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ ...... الخ ﴾ [المائدة : ٤٥] ''ہم نے ان (یہودیوں) پر تورات میں یہ بات فرض کی تھی کہ جان کے بدلے جان' آنکھ کے بدلے آنکھ' ناک کے بدلے ناک' کان کے بدلے کان' دانت کے بدلے دانت' اور اسی طرح خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے۔''

ایسے احکام کے متعلق فقہا نے اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ احکام ہمارے لیے بھی اسی طرح شرعی حیثیت رکھتے ہیں جیسے پہلے لوگوں کے لیے مشروع تھے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ ہمارے حق میں مشروع نہیں کیونکہ پہلی شریعتیں ہماری شریعت کی طرح ابدی اور ہمیشہ کے لیے نہیں تھیں۔ اور ایک تیسری رائے یہ بھی ہے کہ سابقہ شریعتوں کا ہر وہ حکم جو کتاب وسنت میں مذکور ہے اسکے متعلق یہ بھی لازماً موجود ہے کہ وہ ہمارے لیے بھی مشروع ہے یا نہیں مثلاً گذشتہ آیت میں قصاص کے متعلق جو احکامات بتلائے گئے ہیں یہ تمام احکام متعدد احادیث سے ثابت ہیں اور ہمارے لیے بھی مشروع ہیں۔

---

(۱) [بخاری (٥٣٥٩) کتاب النفقات : باب نفقة المرأة إذا غاب عنها زوجها و نفقة الولد]

مختلف ادوار میں فقہ اسلامی کا ارتقاء

چونکہ فقہ احکامِ شریعت کے فہم اور عملی زندگی میں ان کے انطباق واستعمال کا نام ہے اس لیے یہ کہنا یقیناً بے جا نہ ہوگا کہ فقہ اسلامی کا آغاز نزولِ قرآن اور بعثت نبوی کے آغاز سے ہی ہو گیا تھا۔ اور یہ بات بھی حتمی ہے کہ علاقائی تنوع اور گردشِ زمانہ نئے نئے مسائل وجزئیات کی تخلیق کا پیش خیمہ ثابت ہوتے ہیں۔ پھر ہر دور میں ان مسائل کو وقت کی ضرورت کے مطابق حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ ہر کوئی اپنی زندگی میں حالات کے مطابق مسائل کا صحیح فہم حاصل کر سکے اور پھر ان پر عمل بھی کر سکے۔ لہٰذا فقہ کے تاریخی ارتقاء وتدوین کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے مختلف ادوار میں تقسیم کر دیا جائے سو اس لیے فقہ اسلامی کو آئندہ چھ ادوار میں تقسیم کر کے ان پر مختصر بحث کی جا رہی ہے۔

① عہدِ رسالت ② عہد کبار صحابہ ③ عہد صغار صحابہ وتابعین

④ عہد تدوین فقہ وحدیث اور دورِ ائمہ ⑤ عہد مناظرہ وبحث وتمحیص ⑥ عہد تقلید محض اور اس کی تردید

❶ عہدِ رسالت

اس دور کی انفرادیت یہ تھی کہ اس میں ہر مسئلے کے حل، قانون سازی اور فتاویٰ کے لیے رسول اللہ ﷺ خود موجود تھے۔

اس دور میں فقہ کے دو ہی بنیادی ماخذ تھے: (1) قرآن (2) حدیث

(1) قرآن

قرآن کریم نبی ﷺ پر تیئیس (23) برس کے عرصے میں نازل ہوا۔ تیرہ سال آپ ﷺ کی مکی زندگی کے دوران اور دس سال آپ ﷺ کی مدنی زندگی کے دوران حالات وواقعات کی ضرورت کے مطابق بتدریج نازل ہوتا رہا۔ قرآن کی سورتوں کی کل تعداد ایک سو چودہ (114) ہے جن میں سے تیئیس (23) مدنی اور باقی مکی ہیں۔ مکی آیات میں زیادہ تر توحید، رسالت، آخرت، اخلاقیات اور گذشتہ اقوام کے قصص وواقعات موجود ہیں جبکہ مدنی آیات زیادہ تر معاملات اور معاشرتی احکام مثلاً عائلی زندگی، نکاح، طلاق، خرید وفروخت، جہاد اور بین الاقوامی تعلقات وغیرہ پر مشتمل ہیں۔

عہدِ رسالت میں فقہ کے تین بنیادی اصولوں کو مدنظر رکھا گیا:

(1) عدم حرج (2) قلت تکلیف (3) تدریج

عدم حرج

عدم حرج سے مراد تنگی نہ ہونا ہے یعنی فقہی قوانین وضع کرتے ہوئے یہ اصول پیش نظر رکھا جائے تاکہ احکامات ایسے ہوں جن سے لوگوں کو تنگی نہ ہو جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات میں یہی وضاحت کی گئی ہے:

(1) ﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ﴾ [المائدة : ٦] ''اللہ تعالیٰ تم پر تنگی نہیں کرنا چاہتے۔''

(2) ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ [البقرة : ١٨٥] ''اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتے ہیں

تنگی و دشواری نہیں چاہتے۔“

(3) ﴿ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ﴾ [الحج : ٧٨] ”اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملے میں تمہارے لیے کوئی تنگی نہیں رکھی۔“

قلت تکلیف

فی الحقیقت یہ عدم حرج کا لازمی نتیجہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ احکام کا زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ﴾ [البقرة : ٢٨٦] ”اللہ تعالیٰ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔“ ایک اور مقام پر فرمایا ﴿يُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ﴾ [النساء : ٢٨] ”اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تمہارا بوجھ ہلکا کر دیں۔“

تدریج

تدریج کا مطلب ہے کہ ٹھہر ٹھہر کے' آہستہ آہستہ کسی کام کا حکم دینا۔ چونکہ جاہلی معاشرے کے عرب کی حالت اس قدر بگڑ چکی تھی کہ انہیں دین سکھانے اور بری عادات کی اصلاح کے لیے ضروری تھا کہ آہستہ آہستہ حکمت کے ساتھ احکام نازل کیے جائیں چنانچہ قرآنی احکام تیئس (23) سال کے عرصے میں حالات و تقاضے کے لحاظ سے نازل ہوئے۔ اس کی واضح مثال حرمت شراب ہے جس کے متعلق نازل ہونے والی پہلی آیت یہ تھی ﴿ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا ﴾ [البقرة : ٢١٩] ”آپ فرما دیجیے کہ ان دونوں (یعنی شراب اور جوئے) میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے فوائد بھی ہیں لیکن ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ بڑا ہے۔“

اس آیت میں شراب کی قباحت تو بیان کی گئی لیکن صریح حرمت بیان نہیں کی گئی پھر اس کے بعد نشے کی حالت میں نماز کے قریب جانے سے روک کر مزید اس کی برائی ثابت کی گئی ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى ﴾ [النساء : ٤٣] ”اے ایمان والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔“

اس کے بعد تیسری مرتبہ حرمت شراب کا قطعی حکم نازل فرما دیا گیا ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾ [المائدة : ٩٠] ”اے ایمان والو! شراب' جوا' بت اور جوئے کے تیر روحانی ناپاکی اور شیطان کے کام ہیں اس لیے ان سے بچو تا کہ تم فلاح پا جاؤ۔“

(2) حدیث

ہر ایسا قول' فعل یا تقریر جس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کی جائے حدیث کہلاتی ہے۔ حدیث کی تین قسمیں کی جاتی ہیں:

قولی حدیث: جس میں آپ ﷺ کا کوئی قول بیان کیا گیا ہو۔

فعلی حدیث: جس میں آپ ﷺ کا کوئی فعل مذکور ہو۔

تقریری حدیث: جس میں یہ مذکور ہو کہ آپ ﷺ کے سامنے کوئی کام کیا گیا یا آپ ﷺ کے علم میں آیا لیکن آپ ﷺ نے اس پر خاموشی اختیار فرمائی۔

قرآن میں بار ہا اطاعتِ الٰہی کے بعد اطاعتِ رسول کا حکم دیا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے رسول اللہ ﷺ کی ذمہ

داری قرآن کی تشریح وتفسیر کر کے امت کی مشکلات حل کرنا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:

(1) ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ [النساء : ٥٩] ''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔''

(2) ﴿وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ [الحشر: ٧] ''اور جو کچھ رسول تمہیں دے اسے لے لو اور جس سے روکے اس سے باز آ جاؤ۔''

(3) ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ [النحل : ٤٤] ''ہم نے آپ کی طرف اس لیے ذکر نازل فرمایا تاکہ آپ لوگوں کی طرف نازل شدہ احکامات کو واضح کر دیں۔''

(4) رسول اللہ ﷺ نے "**غير المغضوب عليهم ولا الضالين**" کے متعلق بتلایا کہ اس سے یہود و نصاری مراد ہیں۔''(١)

(5) قرآن میں ہے کہ مردار اور خون حرام ہے لیکن رسول اللہ ﷺ نے بتلایا کہ دو مردار ''مچھلی اور ٹڈی'' اور دو خون ''جگر اور تلی'' حلال ہیں۔(٢)

علاوہ ازیں حدیث میں بعض ایسے احکام بھی موجود ہیں جن کا سرے سے قرآن میں ذکر ہی نہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ''پھوپھی اور بھتیجی' خالہ اور بھانجی کو نکاح میں جمع نہ کیا جائے۔''(٣)

قرآن اور سنت کے متعلق مزید معلومات کے لیے گذشتہ مآخذ فقہ کا مطالعہ کیجیے۔

عہد رسالت میں صحابہ کے اجتہاد کی چند مثالیں

عہد رسالت میں صحابہ کے اجتہاد کی بھی چند مثالیں ملتی ہیں لیکن یہ اجتہاد اس قسم کا تھا کہ اس کی تصدیق یا تکذیب رسول اللہ ﷺ خود ہی فرما دیا کرتے تھے۔

(1) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ سخت سردی میں جنبی ہو گئے تو انہوں نے بیمار ہونے کے خدشے سے اس آیت کو سامنے رکھا ﴿وَلَا تُلْقُوْا بِأَيْدِيْكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ [البقرة : ١٩٥] ''اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔'' اور تیمم کر کے نماز پڑھ لی جب نبی ﷺ کو علم ہوا تو آپ ﷺ نے کچھ نہیں فرمایا۔''(٤)

(2) ایک دفعہ دو صحابہ سفر پر تھے نماز کا وقت ہوا تو پانی میسر نہ تھا اس لیے انہوں نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی۔ بعد ازاں نماز کے وقت میں ہی پانی مل گیا تو ایک نے وضوء کر کے دوبارہ نماز پڑھ لی اور دوسرے نے نہ پڑھی۔ جب انہوں نے یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیان کیا تو آپ ﷺ نے دوبارہ نماز پڑھنے والے کے لیے کہا: تجھے دوہرا اجر ملے گا۔ لیکن جس نے نماز دوبارہ نہیں پڑھی تھی آپ ﷺ نے اس سے کہا: ﴿أصبت السنة﴾ ''تم سنت کو پہنچے ہو۔''(٥)

---

(١) [**حسن** : بیهقی (٤٣٢٩) عبدالرزاق (فی التفسیر) أحمد (٣٢/٥) طبری (١٩٨)]

(٢) [**صحیح** : صحیح ابن ماجة (٢٦٧٩) کتاب الأطعمة : باب الکبد والطحال ' ابن ماجة (٣٣١٤)]

(٣) [مسلم (٢٥١٦) کتاب النکاح : باب تحریم الجمع بین المرأة وعمتها ...... ' أبو داود (٢٠٦٥)]

(٤) [**صحیح** : صحیح أبو داود (٣٢٣) کتاب الطهارة : باب إذا خاف الجنب البرد أیتیمم؟ ' أبو داود (٣٣٤)]

(٥) [**صحیح** : صحیح أبوداود (٣٢٧) کتاب الطهارة : باب المتیمم یجد الماء بعد مایصلی فی الوقت ' أبو داود (٣٣٨)]

(3) نبی ﷺ نے صحابہ کو روانہ کرتے وقت فرمایا: عصر کی نماز بنوقریظہ پہنچ کر پڑھیں۔ وہاں پہنچنے میں تاخیر ہوگئی اور اگر صحابہ بنوقریظہ پہنچنے کا انتظار کرتے رہتے تو یقیناً نماز وقت سے مؤخر ہوجاتی اس لیے کچھ نے تو راستے میں ہی یہ کہتے ہوئے نماز پڑھ لی کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ مقصد نہیں تھا کہ راستے میں نماز ادا نہ کرنا اور کچھ نے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے نہ پڑھی۔ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا میرا مقصد یہ نہیں تھا کہ تم راستے میں نماز نہ پڑھنا تاہم دونوں کی نماز صحیح ہے۔(۱)

❷ عہد کبار صحابہ

یہ دور 11ھ سے 40ھ تک ہے۔ اس دور میں صحابہ قرآن وسنت کے علاوہ اجماع وقیاس کے ذریعے بھی مسائل کا استنباط کرنے لگے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اسلامی سلطنت کی روز افزوں وسعت کے پیش نظر نت نئے اور پیچیدہ مسائل پیش آجاتے جن کے لیے احکام موجود نہیں ہوتے تھے۔ اس صورت حال میں صحابہ کو مجبوراً مشورے اور رائے سے کام لینا پڑتا۔

جن مسائل پر صحابہ نے اجماع کیا

اس دور میں بعض مسائل پر صحابہ میں اجماع بھی ہوا مثلاً مرتدین کے خلاف جنگ' منکرین زکوۃ کے خلاف جہاد' جمع وتدوین قرآن' خوارج اور باغیوں کے خلاف جنگ' غیر مسلموں سے معاہدات اور باجماعت نماز تراویح کا اہتمام وغیرہ۔

استنباط احکام کے طریقے

اس دور میں مسائل کے استنباط کی دو ہی صورتیں تھیں:

(1) قرآن وحدیث میں موجود ظاہری نصوص سے احکام مستنبط کیے جاتے۔

(2) جو مسائل قرآن وحدیث میں موجود نہ ہوتے ان کا حکم تلاش کرنے کے لیے قرآن وحدیث کی کوئی ایسی نص تلاش کی جاتی جس میں وہی علت ہوتی جو اس مسئلے میں پائی جاتی۔ پھر علت مشترک ہونے کے باعث نص کا حکم مطلوبہ مسئلے پر لگا دیا جاتا۔ اس طریقے کو رائے اور قیاس کہتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ طریقہ بہت محدود اور نادر تھا۔ اسے صرف اُس وقت استعمال کیا جاتا تھا جب اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا۔

خلفائے اربعہ کا طریقہ کار

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معمول یہ تھا کہ جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو اسے قرآن میں تلاش کرتے۔ اگر قرآن میں نہ ملتا تو حدیث میں تلاش کرتے اور اگر حدیث میں بھی نہ ملتا تو اہل علم صحابہ سے مشورہ کرتے پھر وہ سب جس پر متفق ہوجاتے تو اس کے مطابق فیصلہ فرما دیتے۔

عہد صحابہ میں اجتہاد کی چند مثالیں

(1) ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا لیکن اس کا حق مہر مقرر نہیں کیا اور پھر اس سے ہم بستری سے پہلے وفات پا گیا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عورت کے لیے مہر مثل کا فتوی دیا اور فرمایا ''اگر یہ فیصلہ صحیح ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور خطا

(۱) [بخاری (۹٤٦) کتاب الجمعة : باب صلاة الطالب والمطلوب راکبا وإیماء]

ہوتو میری اور شیطان کی طرف سے ہے' اللہ اور اس کا رسول دونوں اس سے بری ہیں۔'' یہ فیصلہ سن کر اس مجلس میں موجود صحابی حضرت معقل بن سنان اشجعی رضی اللہ عنہ نے کہا'' آپ نے وہی فیصلہ کیا ہے جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بروع بنت واشق اشجعیہ کے لیے کیا تھا۔'' یہ سن کر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس قدر خوش ہوئے کہ اس سے پہلے کبھی اتنے خوش نہ ہوئے تھے۔(۱)

(2) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بعض قبائل نے زکوۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا' حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف جہاد کا ارادہ کیا جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان کے خلاف جہاد کیسے ہوسکتا ہے کیونکہ وہ مسلمان ہیں۔لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اجتہاد سے کام لیتے ہوئے کہا کہ ان کے خلاف جہاد اس لیے ضروری ہے کیونکہ یہ نماز اور زکوۃ میں فرق کرتے ہیں ﴿لأقاتلن من فرق بين الصلاة و الزكوة﴾ ''میں اس سے ضرور قتال کروں گا جو نماز اور زکاۃ کے درمیان فرق کرے گا۔'' (۲)

(3) سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورت کی عدت چار ماہ دس دن مقرر فرمائی ہے جبکہ سورۂ طلاق میں حاملہ کی عدت وضع حمل بتائی گئی ہے۔اس بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مؤقف یہ ہے کہ دونوں میں سے جو مدت طویل ہے وہ عدت ہے (یعنی أبعد الأجلين) اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حاملہ عورت کی عدت صرف وضع حمل ہی ہے (یہی قول راجح ہے)۔(۳)

اجتہاد صحابہ میں اختلاف کی وجوہات

واضح رہے کہ صحابۂ کرام کے مابین استنباطِ احکام میں اختلاف تو ہوا لیکن بہت کم اور جو اختلاف ہوا اس میں انہیں صرف حق مطلوب ہوتا تھا نہ کہ تعصب و تنگ نظری۔اختلاف صحابہ کے تجزیے سے مندرجہ ذیل وجوہات سامنے آتی ہیں:

(1) لفظ کے ایک سے زیادہ معانی ہوں:

جیسا کہ قرآن میں مطلقہ عورت کی عدت ﴿ثلاثة قروء﴾ [البقرة : ۲۲۸] ''تین قروء' بیان ہوئی ہے۔لفظ قرء حیض کے لیے بھی آتا ہے اور طہر کے لیے بھی۔اس لیے اس کے معنی کی تعیین میں صحابہ کے درمیان اختلاف ہو گیا۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس سے حیض مراد لیتے ہیں جبکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ طہر مراد لیتے ہیں۔(٤)

(2) حدیث کا عدم سماع:

یعنی ایک صحابی نے حدیث سن لی اور دوسرے نے نہ سنی بلکہ اپنے اجتہاد کے ذریعے فیصلہ کر دیا جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما غسل کے وقت خواتین کو سر کے بال کھولنے کا حکم دیا کرتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس پر اظہار تعجب کرتے ہوئے کہا کرتی تھیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے اور میں صرف اپنے سر پر تین چلو ڈال لیا کرتی تھی (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات برحق ہے)۔(٥)

---

(۱) [صحيح : صحيح أبو داود (۱۸۵۷) كتاب النكاح : باب فيمن تزوج ولم يسم صدا قاحتى مات' أبو داود (۲۱۱٤)]

(۲) [بخاری (۱۳۹۹' ۱٤۰۰) كتاب الزكاة : باب وجوب الزكاة]

(۳) [تفسیر ابن کثیر (۱/۵۷۰)]

(٤) [تفسیر ابن کثیر (۱/٥٤۲)]

(٥) [الإنصاف فى معرفة الراجح من الخلاف (ص/۷) مسلم (۱/۲٦۰)]

(3) فعل کا حکم سمجھنے میں فرق:

یعنی لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو کوئی کام کرتے ہوئے دیکھا تو بعض نے اسے سنت سمجھ لیا اور بعض نے محض مباح وجائز۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے حج سے واپسی پر ابطح مقام پر قیام فرمایا۔(۱)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اسے حج کی سنت قرار دیتے ہیں جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اسے محض ایک اتفاقی عمل قرار دیتے ہیں۔

(4) سہو ونسیان:

مراد یہ ہے کہ کوئی صحابی نبی ﷺ کا کوئی فعل بیان کرے اور اس میں بھول کر غلط حکم لگا دے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ نبی ﷺ نے ماہ رجب میں عمرہ کیا۔(۲)

لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر کہا کہ ابن عمر نے بھول کر یہ بات کہہ دی ہے فی الحقیقت آپ ﷺ نے رجب میں کوئی عمرہ نہیں کیا۔

(5) ضبط کا مختلف ہونا:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ "میت کو اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب دیا جاتا ہے۔" جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسے وہم شمار کیا کرتی تھیں۔(۳)

(6) حکم کی علت میں اختلاف:

مثلاً جنازے کے لیے کھڑا ہونا۔ بعض صحابہ کا موقف تھا کہ اس کی علت فرشتوں کی تعظیم ہے اس لیے مومن اور کافر دونوں کے لیے کھڑا ہونا چاہیے۔ بعض کا موقف تھا کہ یہ حکم موت کی ہولناکی کے باعث ہے اس لیے انہوں نے بھی مومن اور کافر دونوں کے لیے کھڑا ہونا ثابت کیا۔ اور بعض کہتے تھے کہ نبی ﷺ یہودی کے جنازے کے لیے اس لیے کھڑے ہوئے تھے کہ کہیں وہ آپ ﷺ کے سر سے بھی اونچا نہ ہو جائے اس لیے صرف کافر کے جنازے کے لیے کھڑا ہونا چاہیے مسلمان کے جنازے کے لیے نہیں (فی الحقیقت یہ قیام ہر ایک کے لیے منسوخ ہو چکا ہے)۔

(7) مختلف روایات کو جمع کرنے میں اختلاف:

جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبلہ رخ ہو کر قضائے حاجت کی۔ بعض نے آپ ﷺ کے عمل کو ممانعت کے لیے ناسخ قرار دیا ہے اور بعض نے ممانعت کو صحراء کے ساتھ خاص کیا ہے اور عمارت یا بیت الخلاء میں قبلہ رخ ہو کر قضائے حاجت کی اجازت دی ہے۔

---

(۱) [بخاری مع الفتح (۳/۳۹۱)]

(۲) [بخاری مع الفتح (۳/۱۵۱) مسلم (۲/۶۴۲)]

(۳) [**صحیح** : صحیح أبو داود (۲۶۸۳) کتاب الجنائز : باب فی النوح ' أبو داود (۳۱۲۹)]

اس دور میں فقہ کی خصوصیات

یہ دور چونکہ بالکل نبی ﷺ سے متصل تھا اور اس کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا تھا ﴿خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم﴾ ''زمانوں میں بہترین میرا زمانہ ہے پھر اُن کا جو ان کے قریب ہوں گے اور پھر اُن کا جو ان کے قریب ہوں گے۔'' (۱)

اس لیے اس میں دینداری، تقویٰ، خدا پرستی، خشوع وخضوع اور عجز وانکساری زیادہ تھی۔ صحابہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے تھے۔ کسی بھی مسئلہ کے استنباط میں بہت زیادہ احتیاط کیا کرتے تھے اور انہیں آپ ﷺ کا وہ فرمان بھی ہر لمحہ یاد رہتا تھا ﴿من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار﴾ ''جس شخص نے جان بوجھ کر کوئی جھوٹی بات میری طرف منسوب کی وہ اپنا ٹھکانہ آگ بنا لے۔'' (۲)

اور اگرچہ ان میں اختلاف ہوتا لیکن ایک دوسرے کا بے حد احترام کرتے تھے جیسا کہ قرآن نے بھی اس کی تصدیق کی ہے ﴿رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ [الفتح : ۲۹] ''صحابہ آپس میں نہایت رحمدل ہیں۔'' ان میں ایک یہ بھی خصوصیت موجود تھی کہ اگر کوئی حدیث مل جاتی تو پھر اپنے اجتہاد پر مصر نہ رہتے بلکہ فوراً اپنی بات چھوڑ کر حدیث کے مسئلے کو تسلیم کر لیتے۔

اس دور کے فقیہ صحابہ

اس دور میں شرعی احکام کے استنباط اور تفقہ واجتہاد میں جن صحابہ کے نام سرفہرست نظر آتے ہیں ان میں حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کثرت سے فتوے دیا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ حضرت ابوبکر، حضرت عثمان، حضرت انس، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوسعید خدری، حضرت سعد بن أبی وقاص، حضرت سلمان فارسی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت معاذ بن جبل، حضرت جابر، حضرت عبادہ بن صامت، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم بھی فتوے دیا کرتے تھے۔

③ عہد صغار صحابہ وتابعین

یہ دور 41ھ سے دوسری صدی ہجری کے آغاز تک ہے۔ اس دور کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں صحابہ کرام مدینہ سے نکل کر دور دراز علاقوں میں چلے گئے اور لوگوں کو دین کی تعلیم دینے لگے۔ صحابہ کی علمی وعملی بصیرت کے باعث تشنگانِ علم کثرت کے ساتھ ان کے گرد جمع ہو گئے۔ اس طرح جہاں وسیع پیمانے پر دین کی نشر واشاعت ہوئی وہاں صاحب علم تابعین کی ایک ایسی جماعت بھی تیار ہو گئی کہ لوگ جن سے استفادے کے محتاج ہو گئے۔

عہد صحابہ میں چونکہ کتاب وسنت ہی احکام کا مرجع تھا اور قیاس کی بہت کم ضرورت پیش آتی تھی اس لیے قیاس یا رائے کے متعلق زیادہ بحث وتمحیص اور اختلاف وجود میں نہ آیا لیکن اس دور میں مسائل کی کثرت کے باعث کثرت قیاس کی ضرورت پیش آئی تو یہ مسئلہ کھڑا ہو گیا کہ کیا قیاس جائز ہے یا نہیں؟ ان حالات میں فقہا ومفتیان کے دو طبقے ابھرے:

(۱) [بخاری (۲۶۵۱) کتاب الشھادات : باب لا یشھد علی شھادة جور إذا أشھد]

(۲) [صحیح : صحیح أبو داود (۳۱۰۲) کتاب العلم : باب التشدید فی الکذب علی رسول الله ' أبو داود (۳۶۵۰)]

(1) اہل حدیث (2) اہل رائے

اہل حدیث

یہ وہ لوگ تھے جو ہر مسئلے میں فیصلہ کرتے وقت صرف نصوص شرعیہ یعنی کتاب وسنت تک محدود رہتے۔ اگر انہیں ان میں کوئی مسئلہ نہ ملتا تو توقف وسکوت اختیار کر لیتے اور رائے وقیاس سے حتی الوسع اجتناب کی ہی کوشش کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں اس قدر مسائل واحکام مدون نہ ہو سکے جتنے اہل الرائے کے پاس ہو گئے۔

اہل رائے

اس گروہ میں شامل لوگ مسائل کا حقیقی مصدر وسرچشمہ تو کتاب وسنت کو ہی تسلیم کرتے تھے لیکن جب انہیں کتاب وسنت میں کوئی واضح حکم نہ ملتا تو قیاس ورائے کے ذریعے فتوی دیتے۔ شرعی احکام کے علل واسباب اور اغراض ومقاصد کو استنباط مسائل میں ملحوظ رکھتے اور اصول وقوانین کی روشنی میں مسائل کا حل تلاش کرتے۔ ایسے لوگ اکثر اہل عراق ہیں اور اہل حدیث زیادہ اہل حجاز ہیں۔

مفتیان مدینہ

اس علاقے کے مشہور فقیہ صحابہ کے نام یہ ہیں:

(1) اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

(2) حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

(3) حضرت ابو ہریرۃ عبدالرحمٰن بن صخر الدوسی رضی اللہ عنہ

ان صحابہ سے علم حاصل کرنے والے کبار تابعین مندرجہ ذیل ہیں:

(1) سعید بن مسیب مخزومیؒ (2) عروہ بن زبیرؒ

(3) ابو بکر بن عبدالرحمٰن مخزومیؒ (4) زین العابدین بن حسینؒ

(5) عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہؒ (6) سالم بن عبداللہ بن عمرؒ

(7) سلیمان بن یسارؒ (8) قاسم بن محمد أبی بکرؒ

(9) نافع مولی عبداللہ بن عمرؒ (10) محمد بن مسلمؒ

(11) ابو جعفر محمد بن علی بن حسینؒ (12) ابوالزنادؒ

(13) یحیی بن سعید انصاریؒ (14) ربیع بن أبی عبدالرحمٰنؒ

مفتیان مکہ

صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تھے۔ ان سے علم حاصل کرنے والے چند نمایاں تابعین مندرجہ ذیل ہیں:

(1) مجاہد بن جبیرؒ (2) عطاء بن ابی رباحؒ

(3) عکرمہ مولی ابن عباسؒ (4) ابوالزبیر محمد بن مسلمؒ

مفتیان کوفہ

اس علاقے کے فقیہ صحابہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ، حضرت علی رضی اللہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ شامل ہیں۔ ان صحابہ سے کسب فیض کرنے والے تابعین مندرجہ ذیل ہیں:

(1) علقمہ بن قیسؒ
(2) ابراہیم نخعیؒ
(3) مسروقؒ
(4) سعید بن جبیرؒ
(5) عبیدہ بن عمرو السلمانیؒ
(6) عامر بن شراحیلؒ
(7) شریح بن حارث کندیؒ

مفتیان بصرہ

صحابہ میں سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ اس علاقے میں اشاعت دین کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اور تابعین میں مندرجہ ذیل حضرات شامل ہیں:

(1) ابوالعالیہ رفیع بن مہران الریاحیؒ
(2) قتادہ بن دعامہؒ
(3) حسن بن ابی الحسن یسارؒ
(4) ابوالشعثاء جابر بن زیدؒ
(5) محمد بن سیرینؒ

مفتیان یمن

اس علاقے میں مندرجہ ذیل تابعین موجود تھے:

(1) طاؤس بن کیسانؒ
(2) یحییٰ بن ابی کثیرؒ
(3) وھب بن منبہؒ

مفتیان مصر

قاری قرآن صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ اس علاقے کے مفتی تھے اور تابعین میں سے چند ایک یہ ہیں۔

(1) ابوالخیر مرشد بن عبداللہؒ
(2) یزید بن ابی حبیبؒ

مفتیان شام

حضرت عبدالرحمٰن بن غنم اشعری رضی اللہ کو حضرت عمر رضی اللہ نے اس علاقے میں علم فقہ کی تعلیم کے لیے روانہ کیا۔ اس علاقے کے فقیہ تابعین مندرجہ ذیل ہیں:

(1) رجاء بن حیاۃ کندیؒ
(2) قبیصہ بن ذویبؒ
(3) مکحول بن ابی مسلمؒ
(4) ابوادریس خولانیؒ
(5) عمر بن عبدالعزیزؒ

○ یہی وہ دور ہے جس میں دو متعصب اور غالی قسم کے فرقوں کا ظہور ہوا۔ ان میں سے ایک شیعہ حضرات ہیں

اور دوسرے خوارج ہیں۔

شیعہ حضرات

اس فرقے کی بنیاد حب اہل بیت یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کی محبت میں غلو کاری اور بزرگ و برتر صحابہ کی شان میں گستاخی پر رکھی گئی۔ انہوں نے پہلے تینوں خلفائے راشدین کو غاصب خلافت قرار دے کر ہدف لعن طعن بنایا اور دیگر صحابہ سے بھی بیزاری کا اظہار کیا یہی وجہ ہے کہ صحابہ سے حاصل ہونے والی احادیث کا ایک بہت بڑا ذخیرہ انہوں نے ضائع ورد کر دیا اور من گھڑت خیالات واوہام کو کذب وافتراء کے ذریعے روایات کا درجہ دے دیا۔ یہی نہیں بلکہ قرآن مجید کو بھی محرف قرار دیا۔ اسی لیے علمائے حدیث نے ایسے شیعہ حضرات کی روایات کو قبول کرنے میں بہت زیادہ توقف سے ہی کام لیا۔

خوارج

انہوں نے اپنے عقائد کی بنیاد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بغض وعداوت پر رکھی۔ یہ دین سے خارج ایسے لوگ تھے جو بظاہر اسلام کا ہی لبادہ اوڑھے ہوئے تھے لیکن ان کا یہ تعصب ونفرت شرعی احکام کے استنباط میں بھی گہرا اثر کر چکا تھا۔ چونکہ ان کے عقائد ونظریات بعید از اسلام اور محض تشدد وجارحیت پر مبنی تھے اس لیے مختلف جنگوں کے ذریعے ان کی قوت کا خاتمہ ہوتا گیا' بالآخر دور عباسیہ کی ابتداء تک ان کا نام ونشان بھی مٹ گیا۔

❹ عہد تدوین فقہ وحدیث اور دور ائمہ

اس دور کا عرصہ حیات دوسری صدی ہجری کے آغاز سے چوتھی صدی ہجری کے نصف تک ہے۔ اس دور میں کثرت فتوحات' دیگر اقوام سے روابط وتعلقات اور یونانی ورومی کتب کے عربی میں تراجم کے باعث مسلمانوں کی علمی حیثیت کو جہاں ارتقاء حاصل ہوا وہاں متعدد مسائل نے بھی جنم لیا جن میں سے چند نمایاں مسائل مندرجہ ذیل ہیں:

(1) ایسے لوگ رونما ہوئے جنہوں نے دین کو عقل کے تابع بنانے کی مذموم کوششیں کیں' ثابت شدہ عقائد میں بھی شکوک وشبہات پیدا کر دیے' حجیت حدیث پر ضرب لگانے کی کوشش کی اور بے حد سعی وجدوجہد کے ذریعے نئے نئے دقیق مسائل پیدا کر دیے۔ جیسا کہ مسئلہ خلق قرآن وغیرہ۔ یہ لوگ اہل یونان کے فلاسفر سے متاثر تھے ان میں معتزلہ ومتکلمین شامل ہیں۔

چونکہ حق کے مقابلے میں باطل بالآخر مٹ کر ہی رہتا ہے لہذا علمائے اسلام اور محدثین کرام کی ان سازشوں کے خلاف سرتوڑ کوشش کے نتیجے میں ان لوگوں کی حیلہ کاریوں اور فتنہ پردازیوں کا خاتمہ ہوا اور یہی مؤقف غالب رہا کہ کتاب وسنت ہی شرعی احکام کے اصلی بنیادی مآخذ ہیں۔

(2) وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ رفتہ رفتہ مسلمان دور دراز علاقوں تک پھیلتے گئے' ان کے تہذیب وتمدن میں وسعت ہوتی گئی اور ان کی سیاست ومعاشرت میں ارتقاء ہوتا گیا۔ حالات وواقعات میں تبدیلی' جدید ضروریات وتقاضوں کے باعث ہر شعبے میں نئے نئے مختلف مسائل پیدا ہو گئے۔ پھر ضرورت پیش آئی کہ ان متنوع مسائل کو از حد سعی وجدوجہد کے ذریعے قرآن وسنت اور اجتہاد سے حل کیا جائے۔

ان حالات کے پیش نظر مسلمانوں کے حاذق و باشعور اور نکتہ دان و متبحر العلوم علما و مفتیان نے قرآن وسنت سے ان مسائل کو استنباط کر کے عملی زندگی میں ان کے انطباق کے لیے اپنے تمام اوقات قربان کر دیے اور شب وروز بے پایاں محنت وجفاکشی

میں مصروف ہو گئے اس محنت و کاوش نے علوم فقہ میں وسعت و فراخی پیدا کر دی اور پھر اس کے نتیجے میں تدوین حدیث وفقہ کا عمل بھی وجود میں آیا۔

تدوین حدیث

تدوین حدیث کے اعتبار سے بھی اس دور کو سنہری دور کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں تدوین حدیث پر ہر شہر میں خصوصی توجہ دی گئی۔ اس سلسلے میں سبقت لے جانے والے حضرات مندرجہ ذیل ہیں:

(1) مدینہ میں امام مالک بن انسؒ
(2) مکہ میں عبدالملک بن عبدالعزیزؒ
(3) کوفہ میں سفیان ثوریؒ
(4) بصرہ میں حماد بن سلمہؒ اور سعید بن ابی عروبہؒ
(5) شام میں عبدالرحمٰن اوزاعیؒ
(6) خراسان میں عبداللہ بن مبارکؒ
(7) یمن میں معمر بن راشدؒ

ان لوگوں کا زمانہ 140 ھ کے قریب قریب اور 160 ھ تک تھا۔ اس دور میں حدیث پر کام تین مراحل میں ہوا۔

(1) اس زمانے میں جو کتابیں مرتب ہوئیں ان میں احادیث نبوی کے ساتھ ساتھ صحابہ و تابعین کے اقوال بھی درج کر دیے جاتے جیسا کہ مؤطا امام مالک ہے۔

(2) پھر اقوال صحابہ و تابعین اور احادیث رسول دونوں کو الگ الگ کر دیا گیا۔

(3) اس کے بعد محدثین کا دور آیا جنہوں نے بڑے ذخیرے سے چھان بین کر کے کتابیں مرتب کیں۔

صحاح ستہ

اس طبقے کے محدثین اور ان کی تصنیف کردہ کتب حسب ذیل ہیں:

(1) ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ (194 ھ تا 256 ھ): انہوں نے صحیح بخاری تالیف فرمائی۔

(2) ابو الحسین مسلم بن حجاج نیشا پوریؒ (204 ھ تا 261 ھ): انہوں نے صحیح مسلم تالیف فرمائی۔ ان دونوں محدثین کو شیخین اور ان کی کتب کو صحیحین کہا جاتا ہے۔

(3) ابو داود سلیمان بن اشعث السجستانیؒ (202 ھ تا 275 ھ): انہوں نے سنن ابی داود مرتب کی۔

(4) ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائیؒ (214 ھ تا 303 ھ): انہوں نے سنن نسائی تصنیف کی۔

(5) ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ القزوینیؒ (209 ھ تا 273 ھ): انہوں نے سنن ابن ماجہ تالیف فرمائی۔

ان تینوں کتابوں میں صرف احکام کی احادیث جمع کی گئی ہیں اسی لیے انہیں سنن کا نام دیا گیا۔

(6) ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذیؒ (200 ھ تا 279 ھ): ان کی ترتیب شدہ کتاب کو جامع ترمذی کہا جاتا ہے۔

ان چھ کتابوں کو صحاح ستہ کہا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ بھی دیگر محدثین نے احادیث کی کتب تصنیف کیں لیکن جو قبولیت ان کو حاصل ہوئی وہ دوسری کتب کو نہ ہو سکی۔

علم اسماء الرجال

اس فن کا مقصد یہ تھا کہ احادیث کو کذب و افتراء سے محفوظ کیا جا سکے اور صحیح اور ضعیف و من گھڑت روایات میں واضح

امتیاز کیا جا سکے۔ جو لوگ یہ عظیم خدمت سرانجام دیتے انہیں رجال جرح وتعدیل کہا جاتا۔ اس فن کو ''فن اسماء الرجال'' کہتے ہیں۔ محدثین نے احادیث کے راویوں کے حالات' ان کی عدالت' حفظ وضبط' امانت ودیانت' اخلاق وعادات' اوصاف وخصائل' شب وروز کی مصروفیت اور لوگوں سے تعلقات الغرض ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو اظہر من الشمس کر کے ساری دنیا کے سامنے واضح کر دیا تا کہ کسی بھی راوی کے درجہ ثقاہت وقبولیت کو جاننے میں مشکل پیش نہ آئے۔ یقیناً حدیث کی تدوین اور جمع وترتیب کے بعد اس کے تحفظ کے لیے اس علم وفن کا معرض وجود میں آنا نہایت ضروری تھا یہی وجہ ہے کہ اس علم کو اس دور کا ایک بہت بڑا اقدام وکارنامہ تصور کیا جاتا ہے۔

اہل حدیث واہل رائے

سابقہ دور کی طرح اس دور میں بھی مسائل شریعت کے استنباط اور اجتہاد کرنے والے علماء کے یہ دونوں طبقات موجود تھے۔ اہل حدیث استنباط احکام کے لیے صرف کتاب وسنت کو مرجع ومصدر گردانتے اور اہل الرائے قرآن وسنت سے اصول مستنبط کر کے اور نصوص کی علل پر نظر دوڑا کر احکام مستنبط کرتے۔

تدوین فقہ

اس دور میں فقہ کی تدوین اس طرح ہوئی کہ اس دور میں ایسے مجتہد افراد پیدا ہوئے جنہوں نے ساری زندگی انتھک محنت وکوشش کے ذریعے اجتہاد واستنباط کا کام کیا پھر بعد ازاں ان کے مستنبط مسائل واحکام کو مدون کیا گیا۔ ان کے شاگردوں نے ان کے اقوال کو مختلف کتب کی صورت میں جمع کر لیا اور لوگ ان مجتہدین کو فقہ میں اپنا امام تسلیم کرنے لگے حتی کہ ان کے مذہب وموقف کو سیکھ کر اس پر عمل کرنا ہی راہ عمل سمجھا جاتا۔ جن مجتہدین کی فقہ مدون ہوئی اور آج تک متعدد ممالک میں ان کے کثرت کے ساتھ تابع فرمان موجود ہیں وہ چار ہیں۔

① امام ابوحنیفہؒ ② امام مالکؒ ③ امام شافعیؒ ④ امام احمدؒ

انہیں ائمہ اربعہ کہا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ بعض اور فقہاء ومجتہدین نے بھی فقہ کے میدان میں محنت کی لیکن انہیں وہ مقام ومرتبہ اور قبولیت حاصل نہ ہو سکی جو ائمہ اربعہ کو ہوئی۔ ان اماموں کے مختصر حالات مندرجہ ذیل ہیں:

① امام ابوحنیفہؒ

ابتدائی حالات

آپ کا نام نعمان بن ثابت اور کنیت ابوحنیفہ ہے۔ آپ کی پیدائش 80ھ میں کوفہ شہر میں ہوئی۔ جب جوان ہوئے تو اسی شہر میں اپنے والد کے ساتھ کپڑے کا کاروبار کرنے لگے۔

تعلیم وتربیت

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ایک دن بازار سے گزر رہے تھے کہ اس وقت کے مشہور محدث وفقیہ امام شعبیؒ سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے دریافت کیا کہ کیا پڑھتے ہو؟ آپ نے جواب میں کہا کہ کچھ نہیں۔ امام شعبیؒ نے کہا کہ تعلیم حاصل کرو' تمہارے

چہرے سے نور ٹپک رہا ہے۔ اس دن سے آپ نے تعلیم کی طرف رغبت وتوجہ شروع کر دی۔

امام شعبیؒ، امام عطاء بن ابی رباحؒ، حضرت نافعؒ اور حضرت عبداللہ بن دینارؒ وغیرہ تابعین سے آپ نے علم حدیث حاصل کیا اور کوفہ کے بہت مشہور و نامور فقیہ حماد بن سلیمانؒ سے علم فقہ کا اکتساب کیا۔ آپ کو نہایت ذکاوت وذہانت کے باعث امام حمادؒ کے شاگردوں میں اس قدر مقام حاصل ہوا کہ 120ھ میں امام حمادؒ کی وفات کے بعد آپ کو ان کا جانشین مقرر کر دیا گیا۔

کیا امام ابوحنیفہؒ تابعی تھے؟

بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زیارت کی اور بعض نے تو چند اور صحابہ کی زیارت کا بھی دعویٰ کیا ہے مثلاً حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ، حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہ وغیرہ لیکن تحقیق شدہ دراجح بات یہ ہے کہ امام صاحب نے کسی صحابی کو نہیں دیکھا کیونکہ جن حضرات نے بھی یہ دعویٰ کیا ہے کہ آپ نے صحابہ کی زیارت کی ان کے پاس سوائے دعوے کے کوئی صحیح وثابت دلیل نہیں۔

اجتہاد کا طریقۂ کار

امام ابوحنیفہؒ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے خود فرمایا جب مجھے قرآن میں کوئی حکم مل جائے تو اسے لے لیتا ہوں۔ اگر قرآن میں نہ ملے تو اس کے متعلق حدیث رسول لے لیتا ہوں۔ اگر قرآن وحدیث دونوں میں نہ ملے تو صحابہ کے اقوال وآثار سے اخذ کرتا ہوں اور ان کے مقابلے میں کسی کے قول کو ترجیح نہیں دیتا لیکن امام ابراھیمؒ، امام شعبیؒ، امام ابن سیرینؒ، امام عطاءؒ اور حضرت سعید بن جبیرؒ نے جیسے اجتہاد کیا ہے اس طرح میں اجتہاد بھی کرتا ہوں۔ علاوہ ازیں آپ متواتر دلائل کو قطعی اور اخبار آحاد کو ظنی قرار دیتے ہیں۔

آپ کے متعلق علماء کے اقوال

(1) امام مالکؒ سے روایت کی جاتی ہے کہ انہوں نے فرمایا ''آپ اگر چاہیں تو بزور دلیل پتھر کے ستون کو سونے کا ثابت کر دکھائیں۔

(2) امام شافعیؒ سے روایت بیان کی جاتی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ ''علم فقہ سیکھنے والا امام ابوحنیفہؒ کا محتاج ہے۔''

(3) امام ابو یوسفؒ سے بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا ''جب کسی مسئلے میں ہمارا باہمی اختلاف ہوتا تو ہم اسے امام ابوحنیفہؒ کے سامنے پیش کرتے۔ آپ اتنی جلدی جواب دیتے جیسے اپنی آستین سے نکالا ہو۔

آپ کے معاصر فقہاء

آپ کے ہم عصر فقہاء جو اس وقت کوفہ میں نامور تھے تین ہیں:

(1) محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ (2) شریک بن عبداللہ النخعیؒ (3) سفیان بن سعید ثوریؒ

آپ کے تلامذہ

آپ سے فیض یافتہ بہت زیادہ شاگرد تھے ان میں سے چند مشہور حسب ذیل ہیں:

(1) امام ابو یوسف یعقوب بن ابراھیم انصاریؒ
(2) امام محمد بن حسن الشیبانیؒ
(3) امام زفر بن ہذیل بن قیس کوفیؒ
(4) امام حسن بن زیاد اللؤلوی کوفیؒ

وفات

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو کئی مرتبہ قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا گیا لیکن آپ ہر مرتبہ انکار کر دیتے۔ اس انکار کے باعث آپ کو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں بالآخر 150ھ میں آپ قید خانہ میں ہی وفات پا گئے۔(۱)

② امام مالکؒ

نام و پیدائش

آپ کا نام مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر اور کنیت ابو عبداللہ ہے۔ آپ 93ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت

امام مالکؒ نے جب ہوش سنبھالا تو اس وقت آپ ﷺ کے جلیل القدر صحابہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ کی محنتوں سے مدینہ علم و حکمت کے خزانوں سے مالا مال تھا۔ ان صحابہ سے علم حاصل کرنے والے کبار تابعین مدینہ میں موجود تھے۔ امام مالکؒ نے ان ہی سے علم حاصل کیا۔ امام عبدالرحمٰن بن ہرمزؒ، امام نافعؒ، امام ابن شہابؒ زہری اور امام ربیعہؒ آپ کے اساتذہ میں شامل ہیں۔ بعد ازاں آپ ایک عظیم محدث اور بلند پایہ فقیہ کی حیثیت سے ابھرے۔ آپ کی جلالت قدر کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ امام محمد بن حسن الشیبانیؒ اور امام شافعیؒ جیسے عظیم فقہا بھی آپ کے شاگردوں میں شامل تھے۔

اجتہاد کا طریقۂ کار

استنباط احکام کے لیے آپ پہلے قرآن میں اور پھر حدیث میں تلاش کرتے۔ آپ کے نزدیک اہل مدینہ اور بالخصوص حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل بہت اہمیت رکھتا تھا حتی کہ جو حدیث اہل مدینہ کے عمل کے خلاف ہوتی اسے تسلیم نہ کرتے۔ اگر قرآن و حدیث میں کوئی مسئلہ نہ ملتا تو اجتہاد و قیاس سے کام لیتے۔ آپ مصالح مرسلہ کو بھی معتبر سمجھتے تھے جیسا کہ احناف استحسان کو معتبر سمجھتے ہیں۔

حدیث قبول کرنے کی شرائط

آپ روایتِ حدیث کے سلسلے میں انتہائی احتیاط سے کام لیتے تھے اور جب تک کسی حدیث کی صحت کا یقین نہ ہو جاتا ہرگز قبول نہ کرتے۔ آپ نے حدیث قبول کرنے کی جو شرائط لگائی تھیں وہ حسب ذیل ہیں:

(1) قرآن کریم کے خلاف نہ ہو۔

---

(۱) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: میزان الاعتدال (٤/٢٦٥) تاریخ الکبیر (٨/٨١) کتاب الجرح و التعدیل (٨/٤٤٩) تهذیب الکمال فی أسماء الرجال (١٩/١٠٨) الأعلام (٨/٣٦) الکامل فی ضعفاء الرجال (٨/٢٣٥) کتاب الضعفاء الکبیر (٤/٢٨٠) حاشیة کتاب الضعفاء الکبیر للعقیلی (٤/٢٧٩) طبقات علماء الحدیث (١/٢٦٠) سیر أعلام النبلاء (٦/٣٩٠) کتاب الضعفاء و المتروکین (ص/٢٣٣) العبر فی خبر من غبر (١/١٦٤) تاریخ بغداد (١٣/٤١١)]

(2) اہل مدینہ کے اجماع کے برخلاف نہ ہو۔

(3) راوی کا حافظہ قوی ہو۔

(4) راوی کتاب وسنت کا ماہر اور ارباب اہل علم کا ہم نشیں ہو اور اس کی عملی زندگی بے داغ ہو۔

(5) روایت بالمعنی صرف اس وقت قبول ہوگی جب الفاظ کا معمولی فرق ہو۔

استقامت واستقلال

آپ ہمیشہ حق بات پر ڈٹ جاتے خواہ اس کی پاداش میں آپ کو سزاؤں سے ہی کیوں نہ دوچار ہونا پڑتا۔ آپ نے خلیفہ منصور کی جبری بیعت کے خلاف فتوی دیا اور مجبورا دلوائی گئی طلاق کو مردود قرار دیا۔ یہ دونوں مسئلے حکام کے خلاف تھے لہٰذا انہوں نے آپ کو بے پناہ سزائیں دیں لیکن آپ صبر واستقامت کے غیر متزلزل پہاڑ کی طرح حق پر ڈٹے رہے۔

ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید نے آپ سے درخواست کی کہ شاہی محل میں آکر اسے تعلیم دیں لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ پھر ہارون خلیفۂ وقت خود مدینہ میں آکر آپ سے تعلیم حاصل کرتا رہا۔

وفات

آپ تقریبا ساری زندگی مدینہ شہر میں ہی مقیم رہے اور یہیں درس وتدریس کا کام کرتے رہے لہٰذا آپ کی وفات بھی 179ھ میں اسی شہر میں ہوئی اور آپ کو وہیں دفن کر دیا گیا۔

③ امام شافعیؒ

نام وپیدائش

آپ کا نام محمد بن ادریس شافعی اور کنیت ابو عبداللہ ہے۔ آپ 150ھ میں غزہ کے شہر میں پیدا ہوئے۔ جب آپ کی عمر دو سال ہوئی تو والد محترم کی وفات ہوگئی اس لیے آپ کی والدہ آپ کو لے کر اپنے آبائی شہر مکہ میں آگئیں۔

تعلیم وتربیت

بے حد ذہانت وفطانت کے باعث نو سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا۔ پھر علوم شریعت میں مہارت حاصل کرنے کے لیے محنت وکوشش شروع کر دی حتی کہ اس میں بھی کامیاب ہوئے۔ بعد ازاں مدینہ پہنچ کر امام مالکؒ سے تعلیم حاصل کی' علاوہ ازیں چند اور اہل علم سے بھی آپ نے کسب فیض کیا۔ یہاں سے آپ عراق تشریف لے گئے جہاں آپ نے امام ابو حنیفہؒ کے مایہ ناز شاگرد امام محمدؒ کی شاگردی اختیار کی اور آپ کی اجتہادی فکر ونظر نے ایک نیا رنگ حاصل کیا۔ پھر واپس آکر درس وتدریس کے کام میں مصروف ہو گئے۔

195ھ میں آپ دوبارہ عراق تشریف لے گئے اور دو سال تک وہاں مقیم رہے۔ دریں اثنا بہت سے لوگوں نے آپ سے علم حاصل کیا اور آپ کے فقہی طریقۂ کار کو قبول کیا۔ دو سال بعد پھر آپ حجاز واپس آ گئے۔

198ھ میں پھر تیسری مرتبہ آپ عراق گئے اور چند ماہ قیام کے بعد مصر تشریف لے گئے اور بقیہ تمام زندگی وہیں مقیم

رہے۔ یہاں آپ کی بہت زیادہ شہرت ہوئی اور بہت زیادہ شاگرد بھی آپ کے حلقۂ درس میں جمع ہوگئے کہ جنہیں آپ نے کتابیں بھی لکھوائیں۔

اجتہاد کا طریقۂ کار

آپ بھی پہلے کتاب وسنت کو ہی احکام شریعت کا مصدر تصور کرتے۔ پھر اجماع وقیاس کے بھی قائل تھے۔ خبر واحد اگر ثقہ راویوں اور متصل سند والی ہوتی تو اسے قبول کرتے' اس کے علاوہ کسی شرط کے قائل نہ تھے۔ مزید برآں آپ فقہ حنفی کے استحسان اور فقہ مالکی کے مصالح مرسلہ کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔

تصانیف

(1) **مسند شافعی:** جو آپ کے شاگرد محمد بن یعقوب نے مرتب کی۔

(2) **الرسالۃ فی أدلۃ الأحکام:** اس میں اصول فقہ کی ابحاث موجود ہیں۔

(3) **کتاب الأم:** اس میں فقہی مسائل واحکام بیان کیے گئے ہیں۔

وفات

آپ کی وفات مصر میں 204ھ میں طبعی موت کے ذریعے ہوئی۔

④ امام احمدؒ

نام وپیدائش

آپ کا نام احمد بن محمد بن حنبل اور کنیت ابوعبداللہ ہے۔ آپ دادا کی نسبت سے ابن حنبل مشہور ہوئے۔ آپ کی پیدائش 164ھ میں بغداد میں ہوئی۔ بچپن میں ہی والد کے انتقال کے باعث والدہ نے ہی آپ کی تربیت کی۔

تعلیم وتربیت

چودہ برس کی عمر میں علم حدیث کی طرف متوجہ ہوئے چنانچہ آپ نے امام ابو یوسفؒ کی شاگردی اختیار کی۔ پھر جب امام شافعیؒ بغداد آئے تو ان سے بھی تعلیم حاصل کی۔ حدیث وفقہ دونوں علوم میں آپ نے بلند مقام حاصل کیا جیسا کہ امام شافعیؒ کا قول بیان کیا جاتا ہے کہ ''جب میں نے بغداد چھوڑا تو علم وفضل میں احمد بن حنبل کے مرتبے کا کوئی دوسرا آدمی نہیں دیکھا۔

آپ کو حدیث سے بہت زیادہ محبت تھی یہی وجہ ہے کہ آپ نے احادیث کا ایک بہت بڑا ذخیرہ حفظ کرلیا تھا اور پھر آپ نے حدیث کی ایک کتاب بھی مرتب کی جو کہ مسند احمد کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس میں چالیس ہزار سے زائد احادیث موجود ہیں۔

اجتہاد کا طریقۂ کار

آپ ایک عظیم محدث ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند پایہ فقیہ بھی تھے۔ آپ استنباط احکام میں پہلے قرآن پھر سنت پر اعتماد کرتے۔ خبر واحد کو متصل السند اور ثقہ راویوں کے باعث بغیر کسی شرط کے قبول فرماتے۔ حدیث کے بعد اجماع اور اجماع کے بعد ان اقوال صحابہ کو لیتے جو قرآن وحدیث کے مطابق ہوتے پھر ان کے بعد قیاس کو درجہ دیتے۔

استقامت واستقلال

جو مسئلہ آپ پر حکام کے بے حد مظالم ومصائب کا سبب بنا وہ مسئلہ خلق قرآن تھا۔فرقہ معتزلہ سے متاثر ہو کر حکام اس مسئلے کو رواج دینا چاہتے تھے لیکن امام احمدؒ ایک مضبوط چٹان کی طرح ان کے راستے کی رکاوٹ بن گئے۔ پھر اس سلسلے میں آپ کو کبھی زنجیروں میں جکڑا گیا' کبھی کوڑے لگائے گئے' کبھی قید تنہائی میں ڈالا گیا اور کبھی جلاوطن کر دیا گیا لیکن یہ تمام سزائیں آپ کی ثابت قدمی میں ذرہ برابر بھی لچک نہ پیدا کر سکیں۔

وفات

ایک عرصہ تک مسلسل مشکلات وتکالیف کے باعث آپ نہایت کمزور اور بیمار رہنے لگے تھے۔ بالآخر بغداد میں 241ھ بروز جمعہ آپ اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔

5 عہد مناظرہ وبحث وتمحیص

سیاسی بدحالی

یہ دور چوتھی صدی ہجری کی ابتداء سے خلافت عباسیہ کے زوال تک رہا۔اس دور میں مسلمانوں کی خلافت وسلطنت نہایت سیاسی کمزوری وانتشار کے باعث محض بغداد تک ہی محدود ہو گئی تھی۔ مسلمان چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور امارتوں میں تقسیم ہو کر اپنی گذشتہ وحدت ملی وہم آہنگی کھو چکے تھے۔ ربط وتعلق' اتحاد واتفاق اور توافق وتطابق کی جگہ افتراق وانحراف' بگاڑ وفساد اور ذہنی وقلبی تصادم وخلفشار نے لے لی تھی۔

آغاز تقلید

اگرچہ اس دور میں بھی علمی حرکت باقی تھی' علماء وفضلاء فقہ اسلامی کی تدوین واشاعت اور کمی کو پورا کرنے کے لیے بہت زیادہ کوششیں کر رہے تھے۔لیکن اس دور میں استنباط مسائل کا وہ اسلوب وطریقۂ کار جو پہلے ادوار میں موجود تھا آہستہ آہستہ ختم ہوتا چلا گیا۔ کتاب وسنت کے ذریعے مسائل کا استنباط اور اجتہاد ترک کر لوگ اپنے اپنے ائمہ فقہ کی تقلید پر ہی تکیہ کرنے لگے تھے حالانکہ ائمہ فقہ نے تو اپنی اپنی زندگی میں ہی یہ بات واضح کر دی تھی کہ اگر ہماری بات کتاب وسنت کے خلاف پاؤ تو دیوار پر دے مارو اور کتاب وسنت پر عمل کرو جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا تھا کہ ''جب کوئی صحیح حدیث موجود ہو تو میرا بھی وہی مذہب ہے۔'' ان کے علاوہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ سے بھی اس طرح کے اقوال صحیح ثابت ہیں۔

بحث ومناظرہ

اس تقلید کے نتیجے میں جہاں کتاب وسنت کا علم سیکھنے کا رجحان ختم ہوتا جا رہا تھا اور ائمہ کی کتابوں کی طرف ہی رجوع شروع ہو چکا تھا وہاں اپنے اپنے مسلک ومذہب کی تائید وحمایت اور اختلافی مسائل میں دوسرے مسالک کی تردید کے لیے مناظرہ ومجادلہ کا بھی رواج عام ہو رہا تھا۔مزید برآں ان مناظروں کو سرکاری سرپرستی بھی حاصل ہوتی جس بنا پر مسلمانوں میں انتشار کی افزائش ایک یقینی امر تھا۔ بالآخر صورتحال یہاں تک پہنچی کہ مدمقابل کی حق بات کو بھی تسلیم نہ کیا جاتا اور اپنے غلط

مؤقف کو بھی من گھڑت روایات و عقلی دلائل کے ذریعے صرف مناظرہ جیتنے کی غرض سے ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی۔

اگرچہ اختلاف صحابہ میں بھی ہوا لیکن انہوں نے احترام' انصاف' محبت' اتحاد اور اتفاق کا دامن ہرگز نہ چھوڑا بلکہ جس سے اختلاف ہوتا اس سے گفت و شنید یا خط و کتابت کے ذریعے حل کی کوشش کی جاتی' کسی کے لیے تعصب و نفرت کی کبھی نوبت نہ آتی۔

اسباب تقلید

جن ائمہ فقہ کے فتاوی و اقوال پر اعتماد کیا گیا انہیں ایسے ہونہار محنتی شاگرد مل گئے کہ جنہوں نے اپنے اپنے اساتذہ کی فقہ کو مدون کیا' اسے مختلف کتب اور ابواب کی شکل میں ترتیب دیا' جس کے ذریعے احکام شریعت کے حصول میں آسانی پیدا ہو گئی اس لیے اصل مآخذ کو چھوڑ کر ان فقہی کتب کی طرف ہی رجوع کا رواج عام ہوتا چلا گیا حتی کہ حکام بھی انہی پر اعتماد کرنے لگے اور کوشش کرتے کہ قاضی بھی اپنے پسندیدہ مذہب کے عالم کو ہی مقرر کیا جائے۔ اس طرح رفتہ رفتہ اجتہاد کا دروازہ بند ہوتا چلا گیا اور آسانی پسند فطرت انسانی تقلید کی خوگر ہوتی چلی گئی۔

اس دور کے مشہور فقہاء

(1) ابوالحسن عبیداللہ کرخیؒ
(2) ابوبکر احمد الرازی الجصاصؒ
(3) ابوعبداللہ یوسف الجرجانیؒ
(4) ابوالحسن احمد بن محمد القدوریؒ
(5) ابوزید عبیداللہ السمر قندیؒ
(6) شمس الائمہ عبدالعزیز الحلوانی البخاریؒ
(7) شمس الائمہ محمد بن احمد السرخسیؒ
(8) علی بن محمد البزدویؒ
(9) فخرالدین حسن بن منصور الآ ذرجندی الفرغانی قاضی خانؒ
(10) علی بن ابی بکر عبدالجلیل الفرغانی الرغینانیؒ
(11) قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیؒ
(12) امام الحرمین الجوینیؒ
(13) امام غزالیؒ
(14) امام ماوردیؒ
(15) امام نوویؒ

⑥ عہد تقلید محض اور اس کی تردید

اس دور کا آغاز سقوط بغداد سے شروع ہوا اور آج تک جاری ہے۔ اس دور میں گذشتہ دور کی باقی کچھ اجتہادی رمق کو بھی یکسر مٹا دیا گیا۔ اجتہاد کا دروازہ یکسر بند کر دیا گیا اور صرف فقہی کتب پر ہی انحصار کر لیا گیا۔ علماء و مفتیان نے بھی اجتہاد کے بجائے چند مخصوص کتب کو ہی سامنے رکھا۔ یہ جاننا کسی نے بھی ضروری خیال نہ کیا کہ ان کتب میں موجود مسائل کہاں سے لیے گئے ہیں' ان کے کیا دلائل ہیں' ان میں اختلاف کے کیا اسباب ہیں اور دوسرے ائمہ کے دلائل کیا ہیں؟ حالانکہ ان کے اماموں نے بھی انہیں اس لائحہ عمل کو اپنانے سے یوں روکا تھا کہ تقلید نہ کرو بلکہ وہیں سے احکام حاصل کرو جہاں سے ائمہ نے حاصل کیے ہیں۔ امام احمدؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، اور امام محمدؒ وغیرہ سب سے اس طرح کے اقوال منقول ہیں۔

تقلید محض کی مخالفت

چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات طے ہے کہ ایک جماعت کو قیامت تک حق پر غالب رہنا ہے لہٰذا وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ ایسے علما و مجتہدین اور ائمہ وفقہا کو پیدا کرتے رہے جنھوں نے اپنے اپنے دور میں قاطع دلائل و براهین کے ذریعے تقلید محض کا طلسم توڑا' بدعات وخرافات کا قلع قمع کیا اور ازسرنو تجدید واحیائے دین کے لیے اپنی زندگیاں وقف کردیں۔ نتیجۃً لوگوں کے ذہن پھر تبدیل ہونا شروع ہوئے اور نصوصِ اصلیہ کی طرف رجوع کیا جانے لگا۔ ان ائمہ ومجتہدین میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ، امام ابن قیمؒ، امام شوکانیؒ، امام صنعانیؒ، سید جمال الدین افغانیؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ جیسے قابل قدر لوگ شامل ہیں۔ لیکن اس تبدیلی کے ساتھ ساتھ اندھی تقلید کا سلسلہ بھی مختلف علاقوں میں جاری رہا جو کہ آج تک جاری ہے۔

عصرِ حاضر میں ضرورتِ اجتہاد

اجتہاد کی ضرورت ہمیشہ سے رہی ہے لیکن عصر حاضر میں کثیر متنوع ومختلف الجہات مسائل پیدا ہو جانے کے باعث اس کی ضرورت دو چند ہو گئی ہے۔ چنانچہ اہل علم پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ دور حاضر کے جدید چیلنجز کو قبول کرتے ہوئے نہایت محنت وعرق ریزی سے اپنی مجتہدانہ صلاحیتیں پیش کریں اور امت کے نئے نئے پیدا ہونے والے اقتصادی' معاشی' معاشرتی' سیاسی اور اخلاقی ہر قسم کے مسائل شرعی تقاضوں کے مطابق حل کرنے کے لیے کمربستہ ہو جائیں۔ علاوہ ازیں اس دور میں ازحد سائنسی ترقی کی وجہ سے بین الاقوامی روابط وتعلقات اور ذرائع مواصلات میں اس قدر جدت پیدا ہو چکی ہے جس کے باعث دنیا ایک گلوبل ویلج (Globel Village) بن کے رہ گئی ہے۔ انسان جب چاہے پوری دنیا میں کہیں بھی رابطہ قائم کر سکتا ہے اور یقیناً یہ ایک ایسا ذریعہ ہے جس کے باعث کسی مسئلے کے متعلق پوری دنیا کے علماء کی یا محض دنیا کے بڑے بڑے علماء وفضلا کی رائے بھی بآسانی معلوم کی جا سکتی ہے۔ اور اس طرح کسی مسئلے کے متعلق بھی حتمی فیصلہ کرنا نہایت آسان ہے۔(۱)

(۱) تدوین فقہ کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ''تاریخ التشریع الاسلامی'' از شیخ محمد خضری بک

مذاہب اربعہ اوران کا مختصر تعارف

مذاہب اربعہ میں یہ مذاہب شامل ہیں۔

① مذہب حنفی ② مذہب مالکی ③ مذہب شافعی ④ مذہب حنبلی

ان چاروں مذاہب کی کچھ تفصیل حسب ذیل ہے:

❶ مذہب حنفی

تعارف

مذاہب اربعہ میں سب سے قدیم مذہب مذہب حنفی ہے۔اس کی نشو ونما کوفہ میں ہوئی کیونکہ اس کے امام''ابوحنیفہؒ''اس علاقے سے تعلق رکھتے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ یہ مذہب پورے عراق میں اور پھر مصر' فارس' بخارا' بلخ' روم' فرغانہ اور ہندوستان کے اکثر حصے اور یمن کے کچھ حصے میں پھیل گیا۔اس مذہب کے پیروکار اہل الرائے کہلاتے ہیں کیونکہ عراق میں حدیثیں کم پہنچنے کی وجہ سے انہوں نے بہت زیادہ قیاس کرنا شروع کر دیا یوں یہ لوگ اہل قیاس یا اہل الرائے کہلانے لگے۔ نیز ان کے امام بھی قیاس کے بہت بڑے ماہر تھے۔

کتب احناف میں موجود ہے کہ فقہ حنفی کو کتابی شکل میں جمع کرنے والا پہلا شخص 'اسد بن عمرو' تھا اور ایک قول کے مطابق ''نوح بن ابی مریم'' تھا' اور فقہ حنفی کو مدون کرنے والے فقہا کی تعداد چالیس تھی جن میں امام ابو یوسفؒ اور امام زفرؒ وغیرہ بھی شامل تھے۔

احناف منصب قضا پر

ہارون الرشید کے دور خلافت میں امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد رشید امام ابو یوسفؒ کو قاضی القضاۃ مقرر کر دیا گیا۔ چنانچہ پوری سلطنت کے ہر علاقے میں قاضی کا تقرر انہی کے حکم سے ہوتا اور وہ صرف اپنے ہم مسلک شخص کو ہی قاضی مقرر فرماتے۔ نیز ان کے بعد بھی احناف کی ہمیشہ کوشش رہی کہ عہدۂ قضا صرف احناف کے پاس ہی رہے چنانچہ وہ ہر دوسرے مسلک کے قاضی کو معزول کرانے کے لیے خفیہ چالیں اور سازشیں کرتے رہتے۔ لہٰذا اس زمانے کے تمام مسلمانوں کو حنفی احکام وفتاوی پر مجبوراً عمل کرنا پڑتا اور یوں اس مسلک کی بہت زیادہ ترویج واشاعت ہوئی۔

مختلف ممالک میں ترویج واشاعت

شمالی افریقہ کا وہ علاقہ جو لیبیا' تیونس اور الجزائر پر مشتمل ہے مذہب حنفی سے پہلے کسی خاص مذہب کا پیروکار نہیں تھا۔ پھر اس علاقے میں سب سے پہلے مذہب حنفی لانے والے 'ابو محمد عبداللہ بن فروح الفاسی' حنفی تھے لیکن اس مذہب کو غلبہ اس وقت حاصل ہوا جب 'اسد بن فرات بن سنان' اس علاقے کے قاضی مقرر ہوئے۔ ایک عرصے تک وہاں یہی مذہب غالب رہا لیکن جب اقتدار معز بن بادیس کے ہاتھ آیا تو اس نے مالکی مذہب کی اشاعت کی چنانچہ آج بھی اس علاقے کی اکثریت مالکی مذہب پر ہی ہے۔

مصر میں سب سے پہلے حنفی مذہب پہنچانے والا 'قاضی اسمٰعیل بن الیسع' ہے جسے عباسی دور میں 164ھ میں مصر کا قاضی مقرر کیا گیا بعد ازاں عوام سے بعض مسائل میں اختلاف رائے کے پیش نظر اسے معزول کر دیا گیا لیکن دیگر علما وفقہا

کے ذریعے یہ مذہب مصر میں فروغ پاتا رہا۔

فاطمی عہد میں انہوں نے اپنے ہم مذہب اسماعیلی شیعہ حضرات کو قاضی مقرر کیا اور تمام فیصلے اسی مذہب کے مطابق ہونے لگے تاہم احناف کو عبادات میں آزادی دی گئی کہ وہ جیسے چاہیں عبادت کرتے رہیں۔ مصر میں ایوبی سلطنت قائم ہوئی تو انہوں نے شافعی المذہب ہونے کی وجہ سے اس مذہب کو ترویج دی اور اس کے لیے بیشتر علاقوں میں مدارس قائم کیے۔ جب مصر پر عثمانی غالب آئے تو انہوں نے منصب قضا صرف احناف کے لیے خاص کر دیا جس وجہ سے امراء و حکام تک کو اس کے مطابق چلنا پڑا اور آج تک وہاں یہی صورتحال ہے۔

مذہب حنفی عصر حاضر میں

علاوہ ازیں عراق' خراسان' سجستان' جرجان' طبرستان' افغانستان' فارس' شام' ترکی' بنگلہ دیش' ترکمانستان' تاجکستان' قازقستان' بوسنیا' البانیہ اور برصغیر پاک وہند میں اس مذہب کے پیروکار کثرت سے موجود ہیں۔ اور ایران' انڈونیشیا' سری لنکا' تھائی لینڈ' ملائیشیا' برما' سعودی عرب اور برازیل وغیرہ میں بہت کم ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق احناف دنیا کے کل مسلمانوں کا دو تہائی حصہ ہیں۔

❷ مذہب مالکی

تعارف

یہ مذہب امام مالکؒ کی طرف سے منسوب ہے۔ چونکہ آپ ہمیشہ مدینہ میں ہی مقیم رہے اس لیے اس کی نشو ونما مدینہ میں ہی ہوئی پھر آہستہ آہستہ پورے حجاز' یمن' شام' بصرہ' مصر' اندلس' مراکش' سسلی اور سوڈان وغیرہ میں بھی پھیل گیا۔ اس مذہب کے پیروکار اہل حدیث کہلاتے ہیں کیونکہ انہوں نے استنباط احکام کے لیے زیادہ تر اعتماد صرف کتاب وسنت پر ہی کیا' قیاس ورائے کی طرف بہت کم متوجہ ہوئے۔ تاہم انہوں نے کتاب وسنت کے علاوہ اہل مدینہ کے عمل کو بہت زیادہ ترجیح دی اور معتبر سمجھا۔

مختلف ممالک میں ترویج واشاعت

مصر میں اس مذہب کی ترویج کرنے والے امام مالکؒ کے دو شاگرد عثمان بن الحکم اور عبد الرحیم بن خالد بن یزید ہیں۔ یہ دونوں امام مالکؒ سے علم حاصل کر کے ایک ساتھ مصر لوٹے اور فقہ مالکی کی اشاعت کی۔ دور ایوبیہ میں اس مذہب کے لیے مدارس قائم کیے گئے تو اس کی مزید تشہیر وترویج ہوئی۔ لیبیا' تیونس اور الجزائر وغیرہ میں اس مذہب کو غلبہ اس وقت حاصل ہوا جب 407ھ میں معز بن بادیس نے اس علاقے کا اقتدار سنبھالا اور یہاں کے لوگوں کو مذہب مالکی پر عمل کے لیے مجبور کر دیا۔

اندلس میں یہ مذہب یحییٰ بن یحییٰ بن کثیر' زیاد بن عبد الرحمن اور عیسیٰ بن دینار کی کوششوں سے نشر ہوا اور جب اندلس کے حکمران ہشام بن عبد الرحمن نے اس مذہب کو قبول کیا تو لوگوں سے بزور شمشیر اس مذہب کو قبول کروا لیا۔

مراکش میں جب 'علی بن یوسف بن تاشفین' صاحب اقتدار ہوا تو اس نے فقہا ومجتہدین کو اس قدر اہمیت واکرام سے نوازا کہ حکومت کا کوئی فیصلہ ان سے مشورہ لیے بغیر نہ کرتا۔ چونکہ اس کے دربار میں تقرب ومرتبہ اسی کو حاصل ہوتا جو فقہ مالکی کا عالم ہوتا اس لیے مذہب مالکی کی طرف رجحان بہت زیادہ ہو گیا اور یوں رفتہ رفتہ کتاب وسنت کے بجائے استنباط احکام کے لیے صرف مذہب مالکی کی کتب پر ہی انحصار کیا جانے لگا۔ تاہم جب اسی شاہی خاندان کے سپوت 'یعقوب بن یوسف بن عبد المومن' کو اقتدار نصیب ہوا تو اس نے فقہ کا خاتمہ کر کے دوبارہ کتاب وسنت کے ظاہر پر عمل کو لازم قرار دے دیا۔

مذہب مالکی عصر حاضر میں

آج یہ مذہب مراکش' موریطانیہ' تیونس' الجزائر اور لیبیا میں موجود ہے اور ان علاقوں میں اس مذہب کے پیروکار کثرت سے ہیں۔ تاہم مصر' سوڈان' لبنان اور حجاز میں بھی ان کی اقلیت موجود ہے۔ 1930ء میں لگائے گئے اندازے کے مطابق اس مذہب کے پیروکاروں کی تعداد چار کروڑ تھی۔

❸ مذہب شافعی

تعارف

یہ مذہب امام شافعیؒ کی طرف منسوب ہے جو غزہ میں پیدا ہوئے اور مصر میں فوت ہوئے۔ اس مذہب کے پیروکاروں کو بھی مالکیوں کی طرح ''اہلحدیث'' کہا جاتا ہے اور بعض علاقوں میں تو اہل حدیث کے نام سے مراد صرف شوافع ہی ہوتے تھے مثلاً خراسان وغیرہ میں۔ فی الحقیقت امام شافعیؒ پہلے امام مالکؒ کے شاگرد تھے اور پھر اہل عراق سے تعلیم حاصل کی۔ اس طرح انہوں نے ان دونوں مذاہب کے امتزاج سے ایک تیسرا اپنا مذہب بنا لیا۔ سب سے پہلے یہ مذہب مصر میں متعارف ہوا پھر بغداد' شام' خراسان' توران اور بلاد فارس تک جا پہنچا۔

مختلف ممالک میں ترویج واشاعت

مصر میں مذہب حنفی اور مذہب مالکی غالب تھے لیکن جب امام شافعیؒ مصر پہنچے تو ان کا مذہب بھی پھیلنے لگا۔ مذہب شافعی کو مصر میں عروج دور ایوبیہ میں ہوا کیونکہ اس خاندان کے تمام افراد شافعی المذہب تھے سوائے 'سلطان شام عیسیٰ بن عادل ابو بکر' کے صرف یہی حنفی تھے۔ مصر میں اقتدار کے باعث یہ مذہب خوب پھیلا۔

شام میں پہلے مذہب اوزاعی رائج تھا لیکن جب امام ابو زرعہ شافعیؒ مصر کے عہدۂ قضاء سے دستبردار ہو کر دمشق کے قاضی مقرر ہوئے تو تمام فیصلے' احکام اور فتاوی شافعی مذہب کے مطابق ہونے لگے۔ اس طرح اس علاقے میں شافعی مذہب کی ترویج ہوئی اور اس کام کو سرانجام دینے والے پہلے شخص یہی تھے۔

بغداد میں اگرچہ اکثریت احناف کی تھی' جب مذہب شافعی وہاں پہنچا تو ان دونوں مذاہب کی باہمی کشمکش شروع ہو گئی تھی اور عباسی حکومت کا مذہب بھی حنفی تھا لیکن بعض خلفاء نے شافعی مذہب کو بھی قبول کیا جیسا کہ خلیفہ متوکل نے کیا۔

علاوہ ازیں خراسان' رے اور ہمدان میں بھی یہ مذہب کشاں کشاں پھیلا۔ لیکن بلاد مغرب میں مالکیوں کی کثرت کے باعث نہ پھیل سکا اور کچھ اس وجہ سے بھی کہ مالکی مذہب کے لوگ امام شافعیؒ سے بغض رکھنے لگے تھے کیونکہ انہوں نے پہلے امام مالکؒ سے علم سیکھا اور پھر انہی سے اختلاف کیا۔

بعض تاریخی کتب میں موجود ہے کہ اندلس کے حکمران 'یعقوب بن یوسف' نے پہلے تو اعلانیہ ظاہریت اپنائی تھی لیکن پھر اپنے آخری دور میں مذہب شافعی کی طرف مائل ہو گیا تھا اور بعض شہروں میں اسی مذہب کے قاضی بھی مقرر کر دیے تھے۔

عصر حاضر میں مذہب شافعی

اس مذہب کے اکثر پیروکار فلپائن' ملائیشیا' انڈونیشیا' تھائی لینڈ' سری لنکا' مصر' سوڈان' اردن' لیبیا' لبنان اور فلسطین میں

15048

آباد ہیں۔ان کی کچھ تعداد شمالی افریقہ' سعودی عرب' عراق' شام' یمن اور برصغیر کے ساحلی علاقوں میں بھی موجود ہے۔1930ء کے اندازے کے مطابق دنیا میں شوافع کی تعداد کم وبیش دس کروڑ تھی۔

❹ مذہب حنبلی

تعارف

یہ مذہب امام احمد بن حنبل کی طرف منسوب ہے جو بغداد میں پیدا ہوئے اور وہیں وفات پائی۔آپ امام شافعیؒ کے خاص تلامذہ میں سے تھے۔آپ کا مذہب پہلے بغداد میں ابھرا پھر شام کے شہروں سے ہوتا ہوا دیگر علاقوں تک پھیل گیا لیکن اس مذہب کو وہ فروغ وعروج حاصل نہ ہوا جو پہلے تینوں مذاہب کو حاصل ہوا۔

اس مذہب کے پیروکار بہت کم تعداد میں ہیں کیونکہ انہوں نے حتی الوسع اجتہاد سے اجتناب کیا اور خالص کتاب وسنت کے مطابق ہی فیصلے کرتے رہے۔یہ لوگ دوسروں کی نسبت حدیث وسنت نبوی سے بہت زیادہ وابسطہ رہے غالبا یہی وجہ ہے کہ یہ مذہب ظاہریت کے بہت زیادہ قریب ہے۔

مختلف ممالک میں ترویج واشاعت

مصر میں حنبلی مذہب ایک عرصے کے بعد پہنچا۔سب سے پہلے مصر میں داخل ہونے والے حنبلی امام مصنف عمدۃ الأحکام' حافظ عبدالغنی مقدسی' تھے۔دور ایوبیہ کے آخر میں اس مذہب کو مصر میں فروغ حاصل ہوا۔عراق وشام کے علاوہ موصل' آذربائیجان' آرمینا وغیرہ میں بھی یہ مذہب پہنچا لیکن یہ یاد رہے کہ کسی دور میں بھی ایسا نہ ہوا کہ اس مذہب کو کسی ملک میں غلبہ واقتدار نصیب ہوا ہو۔

جلیل القدر ائمہ اور مذہب حنبلی

یہی وہ مذہب ہے جس کے اقرب الی الحق ہونے کے باعث اس امت کے عظیم پیشوا ومجتہد' فقیہ ودانشمند اور فقید المثال امام شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس سے از حد متاثر تھے اور بعض علماء نے تو انہیں حنبلی ہی قرار دیا ہے۔امام ابن تیمیہؒ کے شاگرد امام ابن قیمؒ بھی اسی مذہب سے تعلق رکھتے تھے کہ جن کی تصنیفات آج تک علمی مراکز ودفاتر میں نہایت اہمیت حاصل کیے ہوئے ہیں۔

تاہم یہاں یہ یاد رہے کہ یہ ائمہ اگرچہ اس مذہب سے متاثر تو تھے لیکن مسائل کے استنباط کے لیے اس مسلک کو نہیں بلکہ کتاب وسنت کو ہی پیش نظر رکھتے تھے۔شیخ محمد بن عبدالوھاب نجدیؒ بھی اسی مسلک کے پیروکار تھے۔

عصر حاضر میں مذہب حنبلی

شیخ محمد بن عبدالوھابؒ کی اصلاحی تحریک کو چونکہ سعودی حکومت کے موسس وبانی عبدالعزیز آل سعود کی حمایت حاصل تھی اس لیے اس کے عہد میں اس مذہب کو بہت عروج وغلبہ حاصل ہوا اور آج تک یہی مذہب حکومت سعودیہ کا سرکاری مذہب ہے۔فلسطین' شام' اور عراق وغیرہ میں بھی اس مذہب کے پیروکار موجود ہیں۔1930ء کے اندازے کے مطابق اس مذہب کے پیروکاروں کی تعداد کم وبیش تیس چالیس لاکھ تھی۔(۱)

---

(۱) [مذاہب اربعہ کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ''اسلامی دنیا میں فقہی مذاہب اربعہ کا فروغ'' از علامہ احمد تیمور پاشا]

اختلاف فقہاء کے اسباب

اختلاف کسی چیز پر متفق نہ ہونے کو کہتے ہیں یعنی اقوال وافعال میں دوسروں سے الگ اور مختلف راہ اختیار کرنا۔ اور یہ اختلاف فطرت انسانی میں شامل ہے جیسے تمام بنی نوع انسان اپنی شکل وشباہت اور رنگت میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں بعینہ اپنی ذہنی وعقلی قوت میں بھی مختلف ہیں۔ چنانچہ آج تک فقہائے امت میں جو بھی اختلاف رونما ہوتا آیا ہے یا جو ہمیشہ ہوتا رہے گا اس کے پیچھے یہی فطری جذبہ کارفرما ہے۔ اگر اس اختلاف میں اصول وضوابط اور اخلاق وآداب کا لحاظ رکھا جائے اور ہر مسئلے میں اختلاف کے حل کے لیے کتاب وسنت کی طرف ہی رجوع کیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اگر یہی اختلاف محض تعصب، تقلیدی جمود اور مسلکی تائید وحمایت کی غرض سے ہو تو یقیناً ملت اسلامیہ میں تخریب وانتشار پر منتج ہوگا۔

عہد رسالت میں کوئی بھی اختلاف موجود نہیں تھا کیونکہ ہر اختلاف میں راہ ہدایت دکھانے کے لیے نبی کریم ﷺ خود موجود ہوتے تھے البتہ بعد ازاں صحابہ وتابعین اور فقہا وائمہ میں جس اختلاف کا ظہور ہوا اس کے بڑے بڑے اسباب ہمارے علم کے مطابق تین ہیں۔

① لغوی تفاوت ② اصول استنباط ③ طریق استنباط

بالترتیب ان تینوں کی کچھ تفصیل حسب ذیل ہے:

❶ لغوی تفاوت

اس میں حسب ذیل صورتیں شامل ہیں:

(1) لفظی اشتراک:

کوئی مشترک لفظ بغیر کسی قرینہ کے عبارت میں یوں واقع ہو کہ ان میں ہر معنی مراد لیا جا سکتا ہو جیسا کہ قرآن میں لفظ ''قروء'' حیض اور طہر کے معانی میں مشترک ہے۔ اور بغیر قرینہ کے واقع ہوا ہے اسی لیے فقہاء کے مابین اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

(2) حقیقت ومجاز:

بعض الفاظ حقیقت ومجاز دونوں کا احتمال رکھتے ہیں اس لیے ان کے مدلول کے تعین میں بعض اوقات اختلاف ہو جاتا ہے جیسا کہ ''میزان'' کا معنی حقیقی طور پر ترازو ہے لیکن مجازاً عدل وانصاف کے لیے بھی استعمال ہو جاتا ہے۔

(3) عموم وخصوص:

بعض کلمات عموم وخصوص دونوں کا احتمال رکھتے ہوئے اختلاف کا باعث بن جاتے ہیں۔ جیسے ایک آیت میں ہے ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾ [البقرۃ : ۳۲] ''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام نام سکھا دیے۔'' اگر عموم پر محمول کیا جائے تو قیامت تک کی ہر چیز کے نام مراد ہوں گے اور اگر خصوص سامنے رکھیں تو مراد اللہ تعالیٰ کے نام بھی ہو سکتے ہیں اور کائنات کی مختلف اشیاء کے بھی ہو سکتے ہیں جیسا کہ مفسرین نے یہ وضاحت کی ہے۔

(4) صیغۂ امرونہی کا حکم:

بعض کے نزدیک صیغۂ امر وجوب کے لیے اور بعض کے نزدیک استحباب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض کے نزدیک صیغۂ نہی تحریم کے لیے اور بعض کے نزدیک کراہت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

❷ اصولِ استنباط

اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(1) روایت:

① بعض اوقات ایک مجتہد کسی روایت کو ضعیف کہتا ہے لیکن دوسرا اسی روایت کو صحیح کہتا ہے کیونکہ پہلے کو وہ روایت صحیح متصل سند کے ساتھ نہیں ملی ہوتی لیکن دوسرے کو وہ روایت صحیح سند کے ساتھ پہنچی ہوتی ہے۔

② کبھی کسی مجتہد کو کوئی ایسی دلیل مل جاتی ہے جو کسی عام حکم کے لیے تخصیص، مطلق حکم کے لیے تقیید یا نسخ کا فائدہ دے رہی ہوتی ہے لیکن دوسرے کو ایسی کوئی دلیل نہیں ملتی۔

③ بسا اوقات روایت کے معانی میں اختلاف ہو جاتا ہے مثلاً بیوع کی ان اقسام کی تشریح وتعبیر میں: مزابنة، محاقلة، مزارعت، ملامسة اور مخابرة وغیرہ۔

④ احناف مشہور حدیث کو متواتر کے حکم میں سمجھتے ہیں جبکہ دیگر فقہاء اس کے قائل نہیں۔

⑤ ایسی مرسل حدیث جسے صحابی ''أمر رسول الله بکذا'' جیسے الفاظ سے روایت کرے، بعض اسے قابل احتجاج تصور کرتے ہیں اور بعض اسے رد کرتے ہیں۔

(2) اقوالِ صحابہ:

صحابہ کے اجتہادی اقوال کی حیثیت میں اختلاف ہے۔ احناف اسے مطلق حجت سمجھتے ہیں جبکہ شافعیہ اس کا انکار کرتے ہیں۔

(3) قیاس:

بعض اہل ظاہر تو اسے مطلقاً حجت ہی نہیں سمجھتے جبکہ جمہور اسے کتاب وسنت اور اجماع کے بعد ماخذ شریعت مانتے ہیں۔

❸ طریقِ استنباط

یقیناً کتاب وسنت کی بعض نصوص قطعی الدلالة اور بعض ظنی الدلالة ہیں۔ چونکہ انسان فہم وفراست کے درجات میں باہم مختلف ہیں اس لیے ظنی الدلالة نصوص میں مختلف آراء کا سامنے آنا لازمی امر ہے جیسا کہ امام ابن قیمؒ نے یہی وضاحت فرمائی ہے۔

ان اسباب کے بیان سے ثابت ہوا کہ فقہا کا اختلاف محض فطری استعداد وصلاحیتوں کے مختلف ہونے پر مبنی تھا نہ کہ ذاتی بنیادوں پر تھا لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ فقہاء کے اس اجتہادی نوعیت کے اختلاف کو مسلکی گروہ بندی، باہمی تعصب وبغض اور افتراق وانتشار کا ذریعہ نہ بنائیں بلکہ تقلیدی جمود سے نکل کر کتاب وسنت سے مسائل کے استنباط کی جدوجہد وسعی کو فروغ دینے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ یہی منشاء الٰہی ہے اور یہی آج وقت کی ضرورت بھی ہے۔ (والله الموفق)

اجتہاد

اجتہاد کی تعریف

لغوی اعتبار سے اجتہاد کسی کام کو سرانجام دینے میں بھرپور محنت و مشقت کو کہتے ہیں۔ اور اصطلاحی اعتبار سے علما اجتہاد کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں ((بذل المجتهد وسعه في طلب العلم بالأحكام الشرعية بطريق الاستنباط)) ''شرعی احکام کے علم کی تلاش میں ایک مجتہد کا استنباطِ احکام کے طریقے سے اپنی بھرپور کوشش کرنا (اجتہاد کہلاتا ہے)۔''(۱)

مجتہد کی تعریف

((من قامت فيه ملكة الاجتهاد أي القدرة على استنباط الأحكام الشرعية العملية من أدلتها التفصيلية)) ''مجتہد وہ ہے جس میں اجتہاد کا ملکہ موجود ہو یعنی اس میں تفصیلی مآخذ سے شریعت کے عملی احکام مستنبط کرنے کی پوری قدرت موجود ہو۔''(۲)

اجتہاد کی شرائط:

(1) مجتہد عقیدے کے اعتبار سے صحیح ہو کسی شخص یا گروہ کی تقلید میں جکڑا ہوا نہ ہو۔
(2) عربی زبان اس قدر سمجھ سکتا ہو کہ اسے عربی عبارتوں کے الفاظ' کلام کے مختلف اسلوب جاننے میں مشکل پیش نہ آئے۔
(3) اسے قرآن مجید کا علم ہو۔ یعنی اسباب نزول' ناسخ منسوخ اور علم تفسیر وغیرہ کا ماہر ہو۔
(4) وہ سنت کا علم بھی رکھتا ہو۔ یعنی صحیح ضعیف کا علم' علم رجال' علم اصول حدیث اور ناسخ منسوخ وغیرہ۔
(5) اسے علم ہونا چاہیے کہ کن مسائل میں اجماع ہو چکا ہے اور کن میں اختلاف ہے۔
(6) مقاصدِ شریعت' احکام کی علتوں اور نصوص کی حکمتوں کا علم رکھتا ہو۔
(7) علم اصول فقہ اور مآخذ شریعت سے احکام مستنبط کرنے کے طریقے جانتا ہو۔
(8) اس میں اجتہاد کی فطری استعداد بھی موجود ہو۔

کن مسائل میں اجتہاد ہو سکتا ہے؟

جن مسائل کے متعلق شریعت میں قطعی الثبوت دلائل موجود ہوں ان میں اجتہاد کی گنجائش نہیں مثلاً نماز' روزہ' زکوۃ اور حج وغیرہ۔ اجتہاد صرف ان مسائل میں کیا جا سکتا ہے جن کے متعلق دلائل ظنی الدلالت ہوں یا جن کے متعلق سرے سے کوئی نص موجود ہی نہ ہو۔

---

(۱) [الوجيز (ص/۴۰۱) الموافقات للشاطبي (۵۷/۴) المستصفى للغزالي (۱۰۳/۲)]
(۲) [أيضا]

اجتہاد کسی زمانے کے ساتھ خاص نہیں

اگرچہ بعض فقہا یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے ائمہ کے گزر جانے کے ساتھ ہی اجتہاد کا دروازہ بھی بند ہو چکا ہے لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں ہے بلکہ اجتہاد کسی بھی زمانے یا وقت میں کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس کا تعلق کسی شخص میں شروط اجتہاد موجود ہونے اور مسائل پیدا ہونے کے ساتھ ہے۔

چونکہ یہ دونوں چیزیں قیامت تک رہیں گی (یعنی کہ ایسے لوگوں کا ایک گروہ جو دین پر ہمیشہ قائم رہے گا اور وقت بدلنے کے ساتھ نئے نئے مسائل کا رونما ہونا) اس لیے اجتہاد کی بھی تا قیامت ضرورت پیش آتی رہے گی۔

اجتہاد میں تبدیلی

اجتہاد بحث ونظر اور شرعی احکام کے استنباط کے لیے سخت کوشش کرنے پر منحصر ہے۔ اب اگر کوئی از حد محنت کے بعد کسی نتیجے پر پہنچے تو اسے چاہیے کہ اس پر عمل کرے اور اسی کے مطابق فتوی دے۔ لیکن اگر بعد میں اسے کوئی اور رائے (اپنی رائے سے) کتاب وسنت کے زیادہ قریب معلوم ہو تو پھر وہ اپنی پہلی رائے پر نہیں بلکہ دوسری رائے پر عمل کرے گا اور اسی پر فتوی دے گا۔

تاہم ایک ہی مجتہد کے ایک وقت میں دو متضاد اقوال ہونا کسی طور پر جائز نہیں۔ اگر مجتہد زیادہ ہوں اور پھر ان کے اقوال میں اختلاف ہو تو لوگوں کو اختیار ہوگا کہ وہ جس رائے کو کتاب وسنت کے زیادہ قریب پائیں اس پر عمل کریں۔ ایسی صورت میں یہ ہرگز نہیں ہوگا کہ ہر ایک کی رائے برحق ہو کیونکہ اجتہاد مختلف ہونے سے حق زیادہ نہیں ہو جاتے بلکہ حق کسی ایک کے ساتھ ہی ہوگا جسے تحقیق وتفتیش کے ذریعے حاصل کرنا لوگوں پر لازم ہے۔

اجتہاد کا اجر وثواب

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ﴿إذا حكم الحاكم فاجتهد ثم أصاب فله أجران وإذا حكم فاجتهد ثم أخطأ فله أجر﴾ "اگر حاکم کسی فیصلے کے لیے اجتہاد کرے اور اس کا اجتہاد صحیح ہو تو اسے دو اجر ملیں گے اور اگر وہ کسی فیصلے کے لیے اجتہاد کرے پھر اجتہاد میں غلطی کرے تو اسے (پھر بھی صرف اجتہاد کا) ایک اجر ملے گا۔ (۱)

اجتہاد کا طریقہ کار

مجتہد کو چاہیے کہ کسی بھی مسئلے کا حل تلاش کرنے کے لیے سب سے پہلے کتاب وسنت میں دیکھے۔ اگر ان میں اسے مطلوبہ مسئلہ مل جائے تو کسی اور طرف رخ نہ کرے۔ اگر نہ ملے تو اسے کتاب وسنت کے ظواہر اور منطوق ومفہوم میں تلاش کرے۔ اگر ان میں بھی نہ ملے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور امت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوڑی ہوئی تقریرات پر نظر دوڑائے۔ پھر اگر اجماع کو حجت سمجھتا ہے تو اس کی طرف آئے اور پھر قیاس (اور دیگر ذیلی مآخذ) کی طرف رجوع کرے۔ (۲)

(۱) [بخاری (۷۳۵۲) کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة : باب أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ، مسلم (۳۲۴۰) أحمد (۱۷۱۰۶)]

(۲) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: إرشاد الفحول (ص/۳۵۸)]

تقلید

تقلید کی تعریف

لغوی اعتبار سے تقلید لفظ قلادہ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ''پٹہ'' ہے جسے انسان جانوروں کے گلے میں ڈالتا ہے۔

اصطلاحی اعتبار سے اس کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں:

(1) امام شوکانی ؒ نے یہ تعریف کی ہے ((هو العمل بقول الغير من غير حجة)) ''تقلید یہ ہے کہ کسی دوسرے کی بات پر بلا دلیل عمل کیا جائے۔''

(2) امام غزالی ؒ نے اس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے ((هو قبول قول بلا حجة)) ''کسی کی بات بلا دلیل قبول کر لینا۔''

(3) امام ابن ہمام ؒ نے اس کی تعریف یوں کی ہے ((العمل بقول من ليس قوله إحدى الحجج بلا حجة)) ''کسی ایسے شخص کے قول پر بلا دلیل عمل کرنا جس کا قول حجت نہ ہو۔'' امام شوکانی ؒ نے اس تعریف کو احسن کہا ہے۔(۱)

تقلید کا حکم

اصول وفروع میں تقلید حرام ہے کیونکہ ہر مکلّف شخص سے اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول مطلوب ہے نہ کہ کسی شخص کی اندھی تقلید۔ مزید مذمتِ تقلید کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) تمام تنازعات میں صرف کتاب وسنت کی طرف ہی رجوع کا حکم ہے ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ [النساء : ۵۹] ''اگر کسی چیز میں تم اختلاف کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ۔''

(2) کتاب وسنت سے، یا کسی صحابی، تابعی اور امام سے تقلید شخصی کی اجازت ثابت نہیں۔

(3) لفظ تقلید انسانوں کے لیے نہیں بلکہ جانوروں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے ﴿وَلَا الْقَلَائِدَ﴾ [المائدة : ۲] ''اور پٹے پہنائے گئے جانوروں کی (بے حرمتی نہ کرو)۔'' اور حدیث میں ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے ایک قاصد کو یہ کہہ کر بھیجا کہ ﴿لا تبقين في رقبة بعير قلادة من وتر أو قلادة إلا قطعت﴾ ''کسی بھی اونٹ کی گردن میں مضبوط دھاگے کا پٹہ، یا کہا کہ کوئی بھی پٹہ، ہرگز نہ چھوڑنا اِلا کہ اسے کاٹ دیا گیا ہو۔''(۲)

اور لغت کی معتبر کتابوں میں موجود ہے کہ لفظ "تقلید" کا معنی ''کسی کے گلے میں پٹہ ڈال دینا یا کسی کی بات کو بغیر سوچے سمجھے اپنا لینا'' ہے۔(۳)

(4) مشرکین یہ بات کہا کرتے تھے ﴿إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَى أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَى آثَارِهِمْ مُهْتَدُونَ﴾ [الزخرف : ۲۲] ''ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک مذہب پر پایا اور ہم انہی کے نقش قدم پر چل کر راہ یافتہ ہیں۔'' معلوم ہوا کہ اپنے بڑوں کی اندھی

---

(۱) [إرشاد الفحول (ص/۳۷۸) المستصفى للغزالى (۳۸۷/۲) الإحكام للآمدى (۱۹۲/٤) تيسير التحرير (۲٤۲/٤) الوجيز (ص/۳۱۰)]

(۲) [بخارى (۳۰۰۵) كتاب الجهاد والسير : باب ما قيل في الجرس ونحوه في أعناق الإبل]

(۳) [المعجم الوسيط (ص/۷۵٤) القاموس المحيط (ص/۲۹٦)]

تقلید کرنا مشرکین کا عمل تھا۔

(5) ﴿اِتَّخَذُوْا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ [التوبة : ۳۱] ''انہوں (یعنی یہودونصاری) نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنالیا۔''

علماء کو رب بنانے کا مطلب رسول اللہ ﷺ نے یہ بتلایا کہ جس چیز کو علما حلال کہیں اسے حلال قرار دیا جائے اور جسے وہ حرام کہیں اسے حرام قرار دے دیا جائے۔(۱)

(6) جہنمی لوگ آگ میں یہ صدا لگائیں گے ﴿رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ٥ رَبَّنَا آتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ﴾ [الأحزاب : ٦٧ ـ ٦٨] ''اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی مانی جنہوں نے ہمیں راہ راست سے بھٹکا دیا۔ پروردگار تو انہیں دگنا عذاب دے۔''

(7) رسول اللہ ﷺ نے امت کو گمراہی سے بچانے کے لیے صرف دو ہی چیزیں پیچھے چھوڑی ہیں ایک قرآن اور دوسری سنت جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ﴿ تركت فيكم أمرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما :كتاب الله و سنة نبيه﴾ (۲)

(8) ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾ [الإسراء : ٣٦] ''جس بات کا تمہیں علم ہی نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑو۔'' اور تقلید علم نہیں بلکہ جہالت ہے جیسا کہ امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ: اہل علم کا اتفاق ہے کہ تقلید علم نہیں ہے۔(۳)

(9) ﴿اِتَّبِعُوْا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهِ أَوْلِيَاءَ﴾ [الأعراف:۳] ''تم لوگ اس کی پیروی کرو جسے تمہارے رب کی طرف نازل کیا گیا ہے اور اسے چھوڑ کر من گھڑت سرپرستوں کی پیروی نہ کرو۔''

(10) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ﴿ لا يقلدن أحدكم دينه رجلا إن آمن آمن وإن كفر كفر، فإنه لا أسوة في الشر﴾ ''تم میں سے ہرگز کوئی کسی آدمی کی (اس طرح) تقلید نہ کرے کہ اگر وہ ایمان لائے تو یہ بھی ایمان لائے اور اگر وہ کفر کرے تو یہ بھی کفر کرے (کیونکہ) بلاشبہ برائی میں تو کوئی بھی شخص نمونہ نہیں ہوتا۔''(٤)

جب کسی صحابی یا تابعی کی تقلید جائز نہیں تو کسی امام کی تقلید کیسے مباح ہو سکتی ہے۔ جو لوگ اماموں کی بالخصوص ائمہ اربعہ کی تقلید کرتے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ ایسی کوئی دلیل پیش کریں کہ ان کے اماموں نے انہیں تقلید کا کہا ہو حالانکہ ایسی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ اس کے برخلاف ائمہ سے اقوال مروی ہیں جیسا کہ چند حسب ذیل ہیں:

(ابوحنیفہؒ) (1) ((إذا صح الحديث فهو مذهبي)) ''جو صحیح حدیث میں ہو وہی میرا مذہب ہے۔''

(2) ((حرام على من لم يعرف دليلي أن يفتي بكلامي)) ''جسے میری دلیل کا علم نہ ہو اسے میرے قول پر فتوی دینا حرام ہے۔''(٥)

(۱) [**صحيح** : صحيح ترمذی (۲٤٧١) كتاب تفسير القرآن : باب ومن سورة التوبة، ترمذی (۳۰۹٥)]

(۲) [مؤطا (۱۸۷٤) كتاب الجامع : باب النهي عن القول بالقدر]

(۳) [أعلام الموقعين (۱٦٥/۲)]

(٤) [أعلام الموقعين (۱۷۲/۲)]

(٥) [حاشية ابن عابدين (٦٣/١) أعلام الموقعين (٣٠٩/٢) الانتقاء في فضائل الثلاثة الأئمة الفقهاء لابن عبدالبر (ص/١٤٥)]

(شافعیؒ) (1) ((إذا وجدتم في كتابي خلاف سنة رسول الله فقولوا بسنة رسول الله ودعوا ماقلت)) ''جب تمہیں میری کتاب میں حدیث کے خلاف کوئی بات ملے تو تم حدیث کو لو اور میری بات کو چھوڑ دو۔''

(2) ((كل ما قلت فكان عن النبي ﷺ خلاف قولي مما يصح فحديث النبي أولى فلا تقلدوني)) ''میرا قول جو بھی ہو لیکن اگر نبی ﷺ سے اس کے خلاف ثابت ہو جائے تو نبی ﷺ کی حدیث واجب الاتباع ہوگی اور میری تقلید ناجائز ہوگی۔'' (۱)

(مالکؒ) ((إنما أنا بشر أخطئ وأصيب فانظروا في رأيي فكل ما وافق الكتاب والسنة فخذوه وكل مالم يوافق الكتاب والسنة فاتركوه)) ''میں صرف ایک انسان ہوں مجھ سے خطا اور درستگی دونوں کا امکان ہے لہذا تم میری رائے میں غور و فکر سے کام لو۔ جو قرآن وحدیث کے مطابق ہو اسے قبول کر لو اور جو قرآن وحدیث کے مطابق نہ ہو اسے چھوڑ دو۔'' (۲)

(احمدؒ) ((لاتقلدني ولاتقلد مالكا ولا الشافعي ولا الأوزاعي ولاالثوري وخذ من حيث أخذوا)) ''میری تقلید نہ کرو اور نہ مالک' شافعی' اوزاعی' اور ثوری کی تقلید کرو بلکہ وہاں سے مسائل اخذ کرو جہاں سے انہوں نے اخذ کیے ہیں۔'' (۳)

مقلدین کے دلائل اور ان کے جوابات

(1) ﴿لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ﴾ [التوبة: ۱۲۲] ''تاکہ دین کا فہم حاصل کریں اور اپنی قوم کو ڈرائیں۔''

(2) ﴿فَاسْئَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [النحل: ۴۳] ''اگر تمہیں علم نہ ہو تو اہل علم سے پوچھ لو۔''

مقلدین ان آیات سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن میں کفار کی تقلید سے منع کیا گیا ہے' ہدایت یافتہ علماء کی تقلید سے منع نہیں کیا گیا بلکہ اس کا حکم دیا گیا ہے۔

تو اس کا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ ان آیات میں یہ کہیں مذکور نہیں ہے کہ اہل علم سے ان کی اپنی رائے یا ائمہ کی رائے دریافت کی جائے اور پھر آنکھیں بند کر کے اس کی پیروی کر لی جائے بلکہ اہل علم سے صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی بات ہی دریافت کی جائیگی کیونکہ یہی دین ہے اس کے علاوہ کوئی اور چیز دین کا حصہ نہیں۔

مسئلہ دریافت کرنے کا طریقہ

جب کسی شخص کو کوئی مسئلہ درپیش ہو اور وہ اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہو تو اسے سب سے پہلے چاہیے کہ کسی ایسے عالم دین سے دریافت کرے جو کتاب وسنت اور فقہی مسائل کا ماہر ہو۔ پھر جب وہ عالم فتوی دے تو اس سے پوچھے کہ کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے اس طرح فرمایا ہے؟ اگر عالم جواب میں ہاں کہے تو اسے اپنا لے اور تاحیات اس پر کاربند رہے۔ لیکن اگر کہے کہ یہ میری رائے ہے یا کسی امام وفقیہ کا نام لے کر کہے کہ یہ اس کا قول ہے تو ہرگز اسے اختیار نہ کرے بلکہ کسی اور سے مسئلہ دریافت کر لے۔

---

(۱) [زم الكلام للهروى (۴۷/۳) ابن عساكر (۱۰/۹/۱۵) المجموع (۶۳/۱) أعلام الموقعين (۳۶۱/۲) الحلية لأبي نعيم (۱۰۷/۹)]

(۲) [الجامع لابن عبد البر (۳۲/۲) الأحكام لابن حزم (۱۴۹/۶)]

(۳) [أعلام الموقعين (۱۷۸/۲)]

تعارض اور اس کا حل

شرعی دلائل میں تعارض کا مطلب یہ ہے کہ کسی مسئلے میں ایک دلیل کسی حکم کی متقاضی ہو اور اسی مسئلے میں دوسری دلیل اس کے مخالف حکم چاہتی ہو۔ واضح رہے کہ ایسا تعارض فی الواقع شریعت میں موجود ہی نہیں البتہ مجتہد علماء کی نظر وفکر میں تعارض ممکن ہے کہ کوئی مجتہد اپنی کم فہمی اور مکمل دلائل سے ناواقفیت کی وجہ سے ایک دلیل کو دوسرے کے مخالف خیال کرے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ شرعی دلائل میں تعارض حقیقی نہیں بلکہ ظاہری ہوتا ہے اور اس تعارض کو رفع کرنے کے لیے علماء نے چند اصول مقرر کیے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) جمع وتوفیق

سب سے پہلے یہ کوشش کی جائے گی کہ دونوں متعارض دلائل کے درمیان اس طرح تطبیق دی جائے کہ دونوں پر عمل ممکن ہو جائے جیسا کہ ایک حدیث میں نبی ﷺ سے قبلہ رخ بیٹھ کر قضائے حاجت کی ممانعت منقول ہے۔(۱)

اور دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے خود قبلہ رخ ہو کر قضائے حاجت کی۔(۲)

ان دونوں احادیث میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ ممانعت کی احادیث فضا کے ساتھ خاص ہیں اور رخصت کی احادیث اوٹ، دیوار یا پختہ بنے ہوئے بیت الخلاء کے متعلق ہیں۔ اس طرح دونوں قسم کے دلائل پر عمل ممکن بنا دیا گیا ہے۔

(2) ترجیح

جمع وتوفیق ممکن نہ ہو تو دونوں دلیلوں میں سے ایک کو دوسری پر ترجیح وفوقیت دی جائیگی اور پھر اس پر عمل کیا جائیگا جیسا کہ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ''پیشاب سے اجتناب کرو۔''(۳)

اور دوسری میں ہے کہ نبی ﷺ نے عرنیین کو اونٹوں کا پیشاب بطور دوا پلایا۔(٤) تو بعض حضرات پہلی حدیث کو دوسری پر اس لیے ترجیح دیتے ہیں کیونکہ حرمت اباحت پر مقدم ہے اور فائدہ حاصل کرنے سے نقصان دور کرنا زیادہ بہتر ہے۔

وجوہ ترجیح

اس کی تین قسمیں بنائی جاتی ہیں:

① سند کے اعتبار سے ② متن کے اعتبار سے ③ خارجی دلائل کے اعتبار سے

❶ سند کے اعتبار سے ترجیح کی وجوہات

سند کے اعتبار سے ترجیح کی وجوہات حسب ذیل ہیں:

(۱) [صحیح : صحیح أبو داود (٥) کتاب الطهارة : باب کراهية استقبال القبلة عند قضاء الحاجة ' أبو داود (٧)]

(۲) [حسن : أبو داود (١٠) کتاب الطهارة : باب الرخصة في ذلك ' أبو داود (١٣)]

(۳) [صحیح : صحیح أبو داود (١٠) أبو داود (٢٠)]

(٤) [بخاری (٢٣٣)]

(1) کثیر راویوں والی سند کو کم راویوں والی سند پر ترجیح دی جائیں گی۔

(2) جس سند کے راوی زیادہ عادل ہوں اسے ترجیح دی جائیگی۔

(3) جس کے راوی دوسری سند کے راویوں سے زیادہ ثقہ ہوں۔

(4) جس کے راوی عمر میں بڑے ہوں۔

(5) جس کے راوی زیادہ حافظ ہوں۔

(6) مسند روایت کو مرسل پر۔

(7) صحیحین یا ان میں سے ایک کی احادیث کو باقی کتب کی احادیث پر۔

(8) شیخین یا ان میں سے کسی ایک کی شرط پر ہو تو اسے دیگر احادیث پر۔

(9) متواتر حدیث کو مشہور پر۔

(10) مشہور کو عزیز پر۔

(11) اسی طرح عزیز کو غریب پر۔

(12) مرسلِ صحابی کو مرسلِ تابعی پر۔

❷ متن کے اعتبار سے ترجیح کی وجوہات

(1) خاص کو عام پر ترجیح دی جائے گی۔

(2) ایسے عام کو جو مخصوص نہیں اس عام پر ترجیح دی جائے گی جس کی تخصیص کی گئی ہو۔

(3) حقیقت کو مجاز پر۔

(4) حقیقتِ شرعیہ یا عرفیہ کو حقیقتِ لغویہ پر۔

(5) مجاز کو مشترک پر۔

(6) صریح کو محتمل پر۔

(7) مفسر کو مجمل پر۔

(8) حرمت کو اباحت پر۔

(9) وجوب واستحباب کو اباحت پر۔

(10) نص کو ظاہر پر۔

(11) قول کو فعل پر۔

(12) فعل کو تقریر پر۔

(13) منطوق کو مفہوم پر۔

(14) مثبت کو نافی پر۔

(15) مقید کو مطلق پر (ترجیح دی جائیگی)۔

❸ **خارجی دلائل کے اعتبار سے ترجیح کی وجوہات**

(1) جسے کوئی دوسری دلیل قوت پہنچاتی ہو اُسے اُس پر ترجیح دی جائیگی جسے کوئی دوسری دلیل مضبوط نہ کرتی ہو۔

(2) جس پر نبی ﷺ نے مداومت اختیار کی ہو۔

(3) جسے اجماع کی موافقت حاصل ہو۔

(4) جسے قیاس کی موافقت حاصل ہو۔

(5) جس پر اہل مدینہ یا خلفائے راشدین کا عمل ہو۔

(6) جس حکم کی علت بھی بیان کی گئی ہو اسے اس پر ترجیح ہوگی جس کی علت نہ بیان کی گئی ہو۔

(3) نسخ

لغوی اعتبار سے نسخ ''نقل اور ازالے'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔اور اصطلاحی اعتبار سے اس کی تعریف یہ ہے ((رفع الحکم الشرعی بدلیل شرعی متأخر)) ''ایک شرعی حکم کو متاخر شرعی دلیل کے ذریعے ختم کر دینا۔'' (۱)

مطلب یہ ہے کہ اگر ترجیح کی بھی کوئی صورت نہ ہو اور دونوں متعارض دلائل کے وقوع کی تاریخ معلوم ہو جائے تو بعد والے حکم کو ناسخ سمجھتے ہوئے اس پر عمل کیا جائیگا اور پہلے حکم کو منسوخ قرار دے کر چھوڑ دیا جائیگا۔مثلاً سورۂ بقرہ کی ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ متوفی عنھا زوجھا کی عدت ایک سال ہے [۲٤۰] اور اسی سورت کی دوسری آیت سے متوفی عنھا زوجھا کی عدت چار ماہ اور دس دن ثابت ہوتی ہے [۲۳٤] چونکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ دوسری آیت پہلی کے بعد نازل ہوئی اس لیے پہلی کو منسوخ اور دوسری کو ناسخ سمجھا جائیگا اور دوسری پر ہی عمل برقرار رکھا جائیگا۔

(4) توقف

اگر ناسخ منسوخ کا بھی علم نہ ہو سکے تو دونوں دلائل پر عمل اس طرح چھوڑ دیا جائے گا جیسے اس کے متعلق کوئی نص ہے ہی نہیں اور کسی ایسے قرینے یا دلیل کو تلاش کیا جائے گا جس کے ذریعے گذشتہ تینوں صورتوں میں سے کسی ایک صورت کو اختیار کیا جا سکے گا۔

سختی و نرمی

شریعت اسلامیہ کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ آسان ہے۔یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ کرتے وقت فرمایا ﴿یسرا و لا تعسرا ' بشرا و لا تنفرا﴾

(۱) [الموافقات للشاطبی (۱۰۲/۳) الرسالة للشافعی (ص/۱۳۹) الأحکام للآمدی (۵۵/۳) الأحکام لابن حزم (٤/ ٤٦۳) أعلام الموقعین (۲۹/۱)]

''تم دونوں آسانی کرنا' مشکل میں نہ ڈالنا اور خوشخبری دینا' متنفر نہ کرنا۔'' (١)

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿یسروا و لا تعسروا و سکنوا و لا تنفروا﴾ ''آسانی پیدا کرو' تنگی پیدا نہ کرو' لوگوں کو تسلی دو اور نفرت نہ دلاؤ۔'' (٢)

رسول اللہ ﷺ کا بھی یہی عمل تھا کہ ہمیشہ آسان معاملات کو ہی اختیار فرماتے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ﴿ماخير رسول الله بين أمرين قط إلا أخذ أيسرهما مالم يكن إثما﴾ ''جب بھی رسول اللہ ﷺ کو دو چیزوں میں سے ایک چننے کا اختیار دیا گیا تو آپ نے ہمیشہ ان میں آسان کو اختیار فرمایا' بشرطیکہ اس میں گناہ کا کوئی پہلو نہ ہوتا۔'' (٣)

اسی طرح حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ بھی بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو آسان صورتیں اختیار کرتے دیکھا ہے۔ (٤)

ایک مرتبہ کسی دیہاتی نے مسجد میں پیشاب شروع کر دیا۔ لوگوں نے اسے ڈانٹنے کی کوشش کی تو نبی ﷺ نے فرمایا اسے چھوڑ دو...... ﴿فإنما بعثتم ميسرين ولم تبعثو معسرين﴾ ''بلاشبہ تم آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو اور تنگی کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے۔'' (٥)

قرآن میں بھی اس بات کے شواہد موجود ہیں جیسا کہ چند حسب ذیل ہیں:

(1) ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ [البقرة: ١٨٥] ''اللہ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے' سختی کا نہیں۔''

(2) ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ [الحج: ٧٨] ''اللہ تعالیٰ نے تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں ڈالی۔''

ثابت ہوا کہ شریعت اسلامیہ آسان ہے اور آسانی چاہتی ہے۔ تنگی' مشقت' سختی اور بے جا شدت پسندی نہیں چاہتی نیز اس آسانی کا مطلب یہ بھی ہے کہ ہر انسان کو صرف وہی حکم دیا گیا ہے جس کا نفسِ انسانی متحمل ہے ورنہ تھوڑی بہت محنت و مشقت تو ہر کام میں ہی اٹھانی پڑتی ہے۔

یاد رہے کہ اس آسانی کا مفہوم یہ ہرگز نہیں ہے کہ مسائل میں اس قدر تساہل برتا جائے کہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنا لیا جائے۔ اور ایسے علماء جو ہر مسئلے میں بے حد تنگی و تحریم کی کوشش کرتے ہیں انہیں بھی چاہیے کہ معتدل و متوسط راہ اختیار کرتے ہوئے آسانی کی طرف میلان رکھیں۔ صحابہ کرام کا بھی یہی عمل تھا جیسا کہ عمر بن اسحاق فرماتے ہیں کہ ﴿فما رأيت قوما أيسر سيرة و لا أقل تشديدا منهم﴾ ''میں نے کوئی قوم نرمی کے اعتبار سے صحابہ سے زیادہ نرم اور سختی کے اعتبار سے ان سے کم سخت نہیں دیکھی۔'' (٦)

---

(١) [بخاری (٦١٢٤) كتاب الأدب : باب قول النبی : يسروا ولاتعسروا]
(٢) [بخاری (٦١٢٥) أيضاً]
(٣) [بخاری (٦١٢٦) أيضاً]
(٤) [بخاری (٦١٢٧) أيضاً]
(٥) [بخاری (٦١٢٧) أيضاً]
(٦) [دارمی (٥١/١)]

اس لیے اگر کوئی قاضی و مفتی ہے تو اسے چاہیے کہ شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے سوال کرنے والوں کے لیے آسانی پیدا کرے۔ اگر کوئی حاکم ہے تو اسے چاہیے کہ اپنی رعایا پر مشقت نہ ڈالے' لوگوں پر ان کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے۔ اور اگر کوئی عام فرد ہے تو اسے بھی چاہیے کہ تمام مسلمانوں سے ان کے معاملات میں نرمی کرنے کی کوشش کرے۔ (واللہ اعلم)

حلال وحرام قرار دینے میں جلد بازی سے اجتناب

اللہ تعالیٰ نے بہت جلد حلال وحرام کا حکم لگانے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ﴾ [النحل : ۱۱٦] ''کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ موٹ نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان باندھ لو۔ سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ پر بہتان بازی کرنے والے کامیابی سے محروم ہی رہتے ہیں۔''

اس آیت کی تفسیر میں امام ابن کثیرؒ رقمطراز ہیں کہ ''اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جس نے کوئی بدعت ایجاد کی اور اس کے پاس اس کے متعلق کوئی شرعی ثبوت موجود نہ ہو' یا جس نے کسی ایسی چیز کو حلال قرار دے دیا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہو' یا جس نے کسی ایسی چیز کو حرام قرار دے دیا جسے اللہ تعالیٰ نے مباح کہا ہو اور یہ سب کچھ وہ شخص محض اپنی رائے اور خواہش کے ذریعے کرے (نہ کہ کسی ثبوت کے تحت)۔(۱)

اس الٰہی تخویف وتحذیر اور انتباہ وسرزنش کی بدولت سلف صالحین ایسے مسائل کے متعلق بالجزم حکم لگانے سے اجتناب کرتے تھے کہ جن کی حرمت وحلت کے بارے میں صریح نصوص موجود نہیں ہوتی تھیں۔ اور یقیناً یہ ان کے تقوی و پرہیز گاری فقاہت وانابت' خشوع وخضوع اور کمال حق پرستی کی علامت تھی۔ سلف سے بہت زیادہ اس قسم کے اقوال و واقعات منقول ہیں جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

(1) امام اعمشؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیمؒ کو کبھی بھی کسی مسئلے کے متعلق حلال یا حرام کہتے ہوئے نہیں سنا بلکہ وہ صرف یہی کہا کرتے تھے کہ ''صحابہ اسے مکروہ خیال کرتے تھے یا کہتے کہ وہ اسے مستحب سمجھتے تھے۔''(۲)

(2) امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ''لوگوں کا اور گذشتہ سلف کا یہ معمول نہیں تھا اور نہ ہی میں نے کسی امام و مفتی کو کسی چیز کے متعلق یہ کہتے ہوئے پایا کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔ وہ یہ کہنے کی جرات نہیں کرتے تھے بلکہ صرف یہی کہتے تھے کہ ہم اسے ناپسند کرتے ہیں' ہم اسے اچھا سمجھتے ہیں' ہم اس سے بچتے ہیں۔ اور حلال یا حرام کا فتوی نہیں لگاتے تھے۔''(۳)

(3) امام احمدؒ بھی بہت زیادہ مسائل میں محض توقف سے ہی کام لیتے تھے اور صریح حکم لگانے سے اجتناب کرتے تھے۔(٤)

---

(۱) [تفسیر ابن کثیر (۲/۲۳۲)]

(۲) [دارمی (۱/٦٤)]

(۳) [جامع بیان العلم (۲/١٤٦)]

(٤) [الإتجاهات الفقهية عند أصحاب الحديث (ص/٤١٦)]

اگرچہ سلف سے اس طرح کے بہت زیادہ آثار مروی ہیں لیکن بعض علماء کا خیال ہے کہ چند صورتوں میں واضح حکم لگانا ہی بہتر ہے۔

(1) جب کسی حکم کے متعلق حرمت و حلت کتاب و سنت کی صحیح صریح نصوص سے ثابت ہو۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابن عبد البرؒ امام مالکؒ کے قول کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''ان کا قول ایسے شخص کے متعلق ہے جو محض رائے و استحسان کے ذریعے کسی ایسے مسئلے میں حلت و حرمت کا حکم لگائے جس کے متعلق واضح حلال و حرام کا حکم شریعت میں منقول نہ ہو۔ (واللہ اعلم)''(۱)

(2) جب کوئی محقق دلیل کے ذریعے کسی کام کی حرمت تک پہنچ جائے اور لوگ اس مسئلے میں بے خوفی کا شکار ہونے کے باعث کثرت سے اس میں مبتلا ہوں اور یہ بات طے ہو کہ اگر اس مسئلے میں واضح حرمت کا حکم نہ لگایا گیا تو لوگ مداہنت و سستی کرتے ہوئے بہت زیادہ اس میں مفتون و اسیر ہو جائیں گے تو اس وقت صرف صریح حرمت کا حکم لگانا چاہیے۔

شرعی دلائل کی ترتیب

جمہور فقہا کے نزدیک شرعی دلائل کی ترتیب یوں ہے کہ کسی بھی شرعی حکم کو جاننے کے لیے سب سے پہلے قرآن کی طرف رجوع کیا جائے کیونکہ یہ تمام دلائل کا مرجع ہے۔ اگر مطلوبہ حکم قرآن میں نہ ملے تو پھر سنت کی طرف رجوع کیا جائے کیونکہ سنت قرآن مجید کے احکام کی وضاحت کرتی ہے۔ اگر سنت میں بھی وہ حکم نہ ملے تو اجماع کی طرف رجوع کیا جائے کیونکہ اجماع کسی نہ کسی نص پر ہی منعقد ہوتا ہے۔ اگر اس مسئلے میں اجماع بھی نہ ہو تو پھر قیاس کی طرف رجوع کرنا لازم ہوگا۔ معلوم ہوا کہ شرعی دلائل کی ترتیب یوں ہے۔ سب سے پہلے قرآن' اس کے بعد سنت' اس کے بعد اجماع' اور آخر میں قیاس۔ جمہور فقہاء نے مندرجہ ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے:

(1) رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ کرتے وقت فرمایا: اگر تمہارے پاس فیصلے کے لیے کوئی مسئلہ پیش ہو تو اس کا فیصلہ کیسے کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ میں اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تمہیں اس میں وہ حکم نہ ملے تو کیا کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں سنتِ رسول سے فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہیں سنت سے بھی حکم نہ ملے تو کیا کرو گے؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا نبی ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا۔ ''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اللہ کے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسول راضی ہے۔''(۲)

(2) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب کوئی مقدمہ پیش کیا جاتا تو وہ سب سے پہلے قرآن میں تلاش کرتے۔ اگر قرآن میں مل جاتا تو اس سے فیصلہ فرما دیتے۔ اگر نہ ملتا تو فضیلت مآب اور گرامی قدر لوگوں سے مشورہ کرتے۔ پھر مشورے کے بعد وہ

---

(۱) [جامع بیان العلم (۱٤٦/۲)]

(۲) [**ضعیف** : ضعیف أبو داود (۷۷۰) کتاب القضاء : باب اجتهاد الرأی فی القضاء' الضعیفة (۸۸۱)' (۲/ ۲۸٦) أبو داود (۳۵۹۲) دارمی (٦۰/۱) أحمد (۲۳۰/۵) بیهقی فی السنن الکبری (۱۱٤/۱۰) طیالسی (۲۸٦/۱) ابن سعد فی الطبقات (۳٤۷/۲)] امام ابن قیمؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ [أعلام الموقعین (۲۰۲/۱)] شیخ عبد القادر ارنؤوط نے بھی اسی کو برقرار رکھا ہے۔ [تخریج جامع الأصول (۱۷۸/۱۰)] شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور امام ابن کثیرؒ نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔ [دقائق التفسیر (۱۱۰/۱) تفسیر ابن کثیر (٤/۱)]

سب جس مسئلے پر متفق ہو جاتے اس کے مطابق فیصلہ کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔(۱)

(3) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح سے کہا کہ ''پہلے کتاب اللہ سے فیصلہ کرو۔ اگر اس میں حکم نہ ملے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر اس میں بھی نہ ملے تو اُس فتوے کے مطابق فیصلہ کرو جو تمہیں ہدایت یافتہ ائمہ کی طرف سے حاصل ہو۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی یہی کہا کرتے تھے۔(۲)

تاہم بعض علماء اس ترتیب کے قائل نہیں بلکہ ان کا کہنا ہے کہ قرآن وسنت ایک ہی درجے میں ہیں اس لیے سب سے پہلے ان دونوں میں معاً (اکٹھا) مسئلہ تلاش کیا جائے جیسا کہ شیخ البانی ؒ اسی کے قائل ہیں اور فرماتے ہیں کہ ''کتاب وسنت میں اکٹھا دیکھنا اور ان دونوں میں تفریق نہ کرنا واجب ہے۔(۳)

چند ضروری قواعد

کچھ قواعد فی الحقیقت نصوص ہی ہیں کہ جنہیں قواعد کا درجہ دے دیا گیا ہے اور بعض قواعد استنباط واستقراء کے ذریعے وضع کیے گئے ہیں جن میں سے چند اہم حسب ذیل ہیں:

(1) ((الخراج بالضمان)) ''فائدہ ضمان کی وجہ سے ہے۔''

(2) ((لاضرر ولاضرار)) ''نہ نقصان اٹھاؤ اور نہ کسی کو نقصان میں مبتلا کرو۔''

(3) ((ليس لعرق ظالم حق)) ''ظالم کی جڑ کے لیے کوئی حق نہیں ہے۔''

(4) ((البينة على المدعي واليمين على من أنكر)) ''دلیل مدعی پر ہے اور قسم انکار کرنے والے پر ہے۔''

(5) ((كل معروف صدقة)) ''ہر نیکی صدقہ ہے۔''

(6) ((الزعيم غارم)) ''ضمانت دینے والا چٹی بھرے گا۔''

(7) ((إنما الولاء لمن أعتق)) ''ولاء صرف اسی کے لیے ہے کہ جس نے (غلام) آزاد کیا۔''

(8) ((الولد للفراش وللعاهر حجر)) ''بچہ صاحب فراش کے لیے ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں۔''

(9) ((البيعان بالخيار مالم يتفرقا)) ''دو بیع کرنے والوں کو جدا ہونے تک اختیار ہے۔''

(10) ((من وقع في الشبهات وقع في الحرام)) ''جو شبہات میں واقع ہوگا وہ حرام میں واقع ہو جائے گا۔''

(11) ((من حسن إسلام المرء تركه ما لا يعنيه)) ''بے مقصد اشیاء کو چھوڑ دینا آدمی کے اسلام کی خوبی سے ہے۔''

(12) ((إنما الأعمال بالنيات)) ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔''

(13) ((الأمور بمقاصدها)) ''معاملات کا اعتبار اپنے مقاصد کے ساتھ ہے۔''

(14) ((اليقين لايزول بالشك)) ''یقین شک کے ساتھ زائل نہیں ہوتا۔''

(15) ((المشقة تجلب التيسير)) ''مشقت آسانی لاتی ہے۔''

---

(۱) [أعلام الموقعين (۵۱/۱)]

(۲) [أعلام الموقعين (۱/۱۷۱-۵۲) الوجيز (ص/۱۵۰)]

(۳) [الضعيفة (۲۸۶/۲) تحت الحديث (۸۸۱/٤)]

(16) ((العادة محكّمة)) ''عادت حاکم بنائی گئی ہے۔''

(17) ((الضرر یزال)) ''نقصان زائل کر دیا جاتا ہے۔''

(18) ((الاجتهاد لاینقض بالاجتهاد)) ''اجتہاد اجتہاد کے ذریعے نہیں ٹوٹتا۔''

(19) ((إذا اجتمع الحلال والحرام غُلّب الحرام)) ''جب حلال وحرام جمع ہو جائیں تو حرام کو ترجیح وفوقیت دی جائے گی۔''

(20) ((الإیثار فی القرب مکروہ وفی غیرها محبوب)) ''قرب وعبادت کے کاموں میں ایثار کرنا مکروہ ہے جبکہ اس کے علاوہ دوسرے کاموں میں پسندیدہ ہے۔''

(21) ((الحدود تسقط بالشبهات)) ''شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں۔''

(22) ((الفرض أفضل من النفل)) ''فرض نفل سے افضل ہے۔''

(23) ((ماحرم أخذه حرم إعطائه)) ''جس کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے۔''

(24) ((ماحرم استعماله حرم اتخاذه)) ''جس کا استعمال حرام ہے اس کا رکھنا بھی حرام ہے۔''

(25) ((الواجب لایترك إلا لواجب)) ''واجب صرف کسی واجب کے لیے ہی چھوڑا جا سکتا ہے۔''

(26) ((النفل أوسع من الفرض)) ''نفل فرض سے زیادہ وسیع ہوتا ہے۔''

(27) ((الرضا بالشیئ رضاً بما یتولد منه)) ''کسی چیز سے رضامندی اس چیز سے بھی رضامندی ہے جو اس سے پیدا ہوتی ہے۔''

(28) ((ماکان أکثر فعلا کان أکثر فضلا)) ''جو کام فعل کے اعتبار سے زیادہ ہو وہ فضیلت کے اعتبار سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔''

(29) ((الضرورات تبیح المحظورات)) ''ضرورتیں ممنوعہ افعال کو مباح کر دیتی ہیں۔''

(30) ((الخروج من الخلاف مستحب)) ''اختلاف سے نکلنا مستحب ہے۔''

(31) ((السؤال معاد فی الجواب)) ''جواب میں سوال کا اعادہ ہوتا ہے۔''

(32) ((لاینسب للساکت قول)) ''خاموش کی طرف قول منسوب نہیں کیا جاتا۔''

(33) ((الدفع أقوی من الرفع)) ''دور کر دینا کسی چیز کو ختم کرنے سے زیادہ قوی ہے۔''

(34) ((الرخص لاتناط بالمعاصی)) ''رخصتیں گناہوں کے ساتھ معلق نہیں ہوتیں۔''

(35) ((إعمال الکلام أولی من إهماله)) ''کلام کو کام میں لانا اسے مہمل کر دینے سے زیادہ بہتر ہے۔''

(36) ((الضرورة تقدر بقدرها)) ''ضرورت کا اس کی مقدار کے مطابق اندازہ کیا جائے گا۔''

(37) ((الأصل براءة الذمة)) ''اصل میں انسان تمام ذمہ داریوں سے بری ہے۔''

(38) ((إذا سقط الأصل سقط الفرع)) ''جب اصل ساقط ہو جائے گی تو فرع بھی ساقط ہو جائے گی۔''

(39) ((لایثبت حکم الشیئ قبل وجوده)) ''کسی چیز کے وجود سے پہلے اس کا حکم ثابت نہیں ہوتا۔''

(40) ((ماجاز لعذر بطل بزواله)) ''جو کام کسی عذر کی وجہ سے جائز ہوا ہو وہ اس عذر کے زائل ہو جانے سے باطل ہو جائے گا۔''(۱)

(۱) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: القواعد الفقهیة للدکتور یعقوب بن عبدالوهاب الباحسین]

امام شوکانیؒ کے سوانح حیات اور علمی خدمات

یہاں امام شوکانیؒ کے وہی حالات تحریر کیے جا رہے ہیں جو انہوں نے خود اپنے متعلق تحریر فرمائے ہیں۔(۱)

نام ونسب

امام صاحب کا مکمل نام ''محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی 'الصنعانی'' ہے۔آپ کا لقب شوکانی شوکان کی طرف نسبت ہے جو کہ سحامیہ کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے خولان کے قبائل میں سے ایک قبیلہ ہے۔صنعاء اور اس علاقے کے درمیان ایک دن کے سفر کا فاصلہ ہے۔فی الحقیقت آپ اور آپ کے اقرباء کا مسکن شوکان کے جنوب میں ایک علاقہ ہے۔شوکان اور اس کے درمیان ایک طویل وعریض پہاڑی سلسلہ ہے جسے ''ھجرۃ'' کہا جاتا ہے اور بعض نے تو اسے ''ھجرۃ شوکان'' کا نام دیا ہے سو اسی وجہ سے آپ کا لقب شوکانی پڑا۔اور صنعانی شہر صنعاء کی طرف نسبت ہے جسے آپ کے والد نے آپ کی ''ھجرہ'' علاقے میں پیدائش کے بعد اپنا وطن بنالیا تھا۔

تاریخ پیدائش

امام شوکانیؒ اٹھائیس (28) ذی القعدہ 1173ھ بروز سوموار دو پہر کے وقت پیدا ہوئے۔چونکہ یہ تاریخ پیدائش آپ کے والد کی بیان کردہ ہے اس لیے اس میں کسی تردد کی گنجائش نہیں۔(۲)

ابتدائی حالات

آپ اپنے والد سے بہت متاثر تھے کیونکہ آپ کے والد قابل قدر بزرگ' سیرت حمیدہ کے مالک اور دینی معاملات پر کار بند تھے۔آپ شروع سے ہی نہایت ذکی' سمجھدار' محنتی اور قوت حافظہ کے مالک تھے۔آپ کی عمر ابھی دس سال نہ ہوئی تھی کہ آپ نے قرآن حفظ کرلیا' علم تجوید حاصل کرلیا اور احادیث کے متون کا ایک بہت بڑا ذخیرہ از بر کرلیا تھا۔پھر آپ نے بڑے مشائخ سے رابطہ کیا اور ان سے علم حاصل کیا۔آپ تاریخ اور ادب کا بہت زیادہ مطالعہ کیا کرتے تھے۔ایک عرصہ اس طرح گزرا کہ آپ شب وروز میں تقریباً تیرہ دروس میں شرکت کرتے' جن میں سے کچھ درس ایسے تھے کہ ان میں آپ اپنے اساتذہ سے تعلیم حاصل کرتے اور کچھ ایسے تھے جن میں آپ کے شاگرد آپ سے فیض یاب ہوتے۔آپ نے اپنے اساتذہ سے فقہ' حدیث' لغت' تفسیر' ادب' منطق اور اس طرح کے متعدد دیگر علوم وفنون سیکھے۔

علمی زندگی

امام شوکانیؒ پہلے زیدی مذہب پر تھے لیکن بعد ازاں تقلیدی جمود سے نکل کر آپ نے خالص کتاب وسنت کو استنباطِ مسائل کا مرجع بنالیا۔آپ نے علوم قرآن' علوم حدیث' علم وفقہ' علم اصول فقہ اور اجتہاد واستنباط کے طریقے سیکھے۔اس طرح آپ بالآخر ایک عظیم مجتہد بن کر ابھرے اور اُن لوگوں میں شامل ہو گئے جنہوں نے اپنے اپنے دور میں تجدید واحیائے دین کے لیے

---

(۱) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (البدر الطالع)]

(۲) [مقدمة كتاب قطر الولي للدكتور إبراهيم هلال (ص/۱۵)]

انتھک کوششیں کیں۔ یاد رہے کہ اس وقت آپ کی عمر تیس (30) برس سے کم تھی۔

جس مسئلے کے سبب امام صاحب کی شہرت ہوئی

چوتھی صدی ہجری کے بعد ایسا تقلیدی دور شروع ہوا جس نے امت اسلامیہ کو زنگ آلود کر دیا' لوگوں کو جہالت کی طرف دھکیل دیا اور انہیں کسی نہ کسی امام کا مقلد و پیروکار بنا دیا۔ ان حالات کے پیش نظر امام شوکانیؒ نے ایک رسالہ ''**القول المفید فی أدلة الاجتهاد والتقلید**'' کے عنوان سے تحریر کیا جس کے باعث آپ کی بہت شہرت ہوئی۔ البتہ اہل علم کا ایک گروہ بالخصوص مقلدین آپ پر شدید غضبناک ہو گئے کیونکہ آپ نے اس رسالے میں مطلقاً تقلید کو حرام اور اجتہاد کو واجب قرار دیا تھا۔

امام شوکانیؒ منصب قضا پر

1209ھ میں یمن کا ایک بہت بڑا قاضی' قاضی یحیی ابن صالح الشجری السحولی' وفات پا گیا۔ ان ایام میں امام شوکانیؒ اجتہاد وافتاء اور تالیف وتصنیف کی سرگرمیوں میں اس قدر مصروف تھے کہ لوگوں سے بالخصوص امراء وحکومتی اہلکاروں سے یکسر بے تعلق رہتے اور کسی سے نہ ملتے خواہ کوئی بھی ہوتا۔ قاضی یمن کی وفات کا علم بھی آپ کو تقریباً ایک ہفتہ بعد اپنے ایک شاگرد کے ذریعے ہوا۔

خلیفۂ وقت نے اس منصب کے لیے امام شوکانیؒ کو پیشکش کی۔ آپ نے پہلے تو انکار کیا لیکن پھر خلیفہ کے اصرار پر استخارے اور اہل علم سے مشورے کی اجازت طلب کی اور چند ایام کے بعد آپ نے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اس منصب کو قبول کر لیا' پھر جب تک آپ زندہ رہے آپ کو معزول نہیں کیا گیا۔ اس دوران آپ نے حق وعدل کے قیام کے لیے گرانقدر خدمات سرانجام دیں' مظلوم کو ظالم سے انصاف دلایا' رشوت خوری کا خاتمہ کیا' تعصبی غلوکاری میں تخفیف کر دی اور لوگوں کو صرف کتاب وسنت کی اتباع کی دعوت دی۔

امام صاحب کے اساتذہ

(1) آپ کے والد: قاضی علی بن محمد شوکانیؒ
(2) أحمد بن عامر الحدائیؒ
(3) أحمد بن محمد بن أحمد بن مطہر القابلیؒ
(4) أحمد بن محمد الحرازیؒ
(5) إسماعیل بن حسین بن أحمد بن حسن ابن الامام القاسمؒ
(6) حسن بن اسماعیل المغربیؒ
(7) عبدالرحمن بن حسن الاکوعؒ
(8) عبدالرحمن بن قاسم المدانیؒ
(9) عبدالقادر بن احمد کوکبانیؒ
(10) عبداللہ بن اسماعیل نھمیؒ
(11) عبداللہ بن حسن بن علی متوکل علی اللہؒ
(12) علی بن ابراہیم بن احمد بن عامرؒ
(13) علی بن محمد حوثیؒ
(14) علی بن حادی عرھبؒ
(15) قاسم بن یحیی خولانیؒ
(16) ھادی بن حسین قارنیؒ
(17) یوسف بن محمد بن علاء مزجاجیؒ

آپ کے شاگرد

(1) ابراہیم بن احمد بن یوسف الریاعیؒ
(2) احمد بن حسین الوزان الصنعانیؒ

(3) احمد بن زید کبسی صنعانیؒ
(4) احمد بن عبداللہ العمری الضمدیؒ
(5) متوکل علی اللہ رب العالمین احمد ابن امام المنصورؒ
(6) احمد بن علی بن محسن بن متوکل علی اللہؒ
(7) احمد بن علی عودیؒ
(8) احمد بن علی بن محمد احمد طشی معدیؒ
(9) احمد بن لطف الباری بن احمد بن عبدالقادر وردؒ
(10) احمد بن محمد بن احمد بن مطہر قابلی حرازیؒ
(11) احمد بن محمد بن حسین بن حسین بن علیؒ
(12) احمد بن محمد بن علی شوکانیؒ
(13) احمد بن ناصر کبسیؒ
(14) احمد بن یوسف رباعیؒ
(15) اسماعیل بن ابراہیم بن حسنؒ
(16) اسماعیل بن احمد کبسیؒ
(17) حسن بن احمد بن یوسف رباعی صنعانیؒ
(18) حسن محمد بن صالح سحولیؒ
(19) حسین بن علی عماری صنعانیؒ
(20) حسین بن قاسم مجاہدؒ

آپ کی تصنیفات

(1) نيل الأوطار' من أسرار منتقى الأخبار
(2) اتحاف الأكابر' باسناد الدفاتر
(3) البدر الطالع' بمحاسن من بعد القرن السابع
(4) الفوائد المجموعه' في الأحاديث الموضوعة
(5) الدر البهيه' في المسائل الفقهيه
(6) فتح القدير' الجامع بين فني الرواية والدراية من علم التفسير
(7) إرشاد الفحول ' في علم الأصول
(8) السيل الجرار' المتدفق على حدائق الأزهار
(9) إرشاد الثقات ' إلى إتقان الشرائع على التوحيد والمعاد والنبوات
(10) تحفة الذاكرين' بعدة الحصن الحصين
(11) الدر النضيد' في إخلاص كلمة التوحيد
(12) رسالة في الكلام على حديث' ((حب الدنيا رأس كل خطئية))
(13) إبطال دعوى الاجماع على مطلق السماع
(14) الإبطال' لدعوى الاختلال في حل الإشكال
(15) اتحاف المهره في الكلام على حديث'((لاعدوى ولا طيرة))
(16) أدب الطلب ومنتهى الارب
(17) إرشاد الاعيان إلى تصحيح مافي عقود الجمان
(18) إرشاد السائل إلى دلائل المسائل

(19) إرشاد الغبی فی مذهب آل البیت فی صحب نبی الله ﷺ

(20) إرشاد المستفید إلی دفع کلام ابن دقیق العید فی الإطلاق والتقیید

(21) إشراق النیرین فی بیان الحکم إذا تخلف عن الوعد أحد الخصمین

(22) امنیة المتشوق إلی معرفة حکم المنطق

(23) إیضاح القول فی إثبات الصول

(24) البحث المسفر عن تحریم کل مسکر ومفتر

(25) البحث الملم المتعلق بقوله تعالی﴿إِلَّا مَن ظَلَمَ﴾ [النمل : ۱۱]

(26) بغیة الأریب عن مغنی اللبیب

(27) البغیه فی مسائل الرؤیه

(28) بغیة المستفید فی الرد علی من أنکر الاجتهاد من أهل التقلید

(29) تحریر الدلائل علی مقدار ما یجوز بین الإمام والمؤتم من الارتفاع والانخفاض والبعد والحائل

(30) رسالة فی التشکیک علی التفکیک

(31) تشنیف السمع بإبطال أدلة الجمع

(32) تنبیه الاعلام علی تفسیر المشتبهات بین الحلال والحرام

(33) تنبیه الامثال علی عدم جواز الاستعانة من خالی المال

(34) تنبیه ذوی الحجا علی حکم بیان الرجا

(35) جواب السائل' فی تفسیر قوله تعالی﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ﴾ [یٰس : ۳۹]

(36) جید النقد فی عبارة الکاشف والسعد

(37) حل الإشکال فی أحبار الیهود علی التقاط الأذیال

(38) الدراری المضیه' فی شرح الدرر البهیه

(39) درر السحاب فی مناقب القرابة والأصحاب

(40) دفع الاعتراضات علی إیضاح الدلالات

(41) الدواء العاجل فی دفع العدو الصائل

(42) رسالة فی الاتصال بالسلاطین

(43) رسالة اختلاف العلماء فی تقدیر مدة النفاس

(44) رسالة فی رضاع الکبیر' هل یثبت التحریم أم لا؟

(45) رسالة فی التحلی بالذهب للرجال

(46) رسالة فی الرد علی القائل بوجوب التحیة

(47) رسالة فی رفع المظالم والمآثم
(48) رسالة فی الطلاق
(49) رسالة فی الطلاق البدعی' هل یقع أم لا؟
(50) رسالة فی حد السفر الذی یجب معه قصر الصلاۃ
(51) رسالة فی وحوب التوحید
(52) الرسالة المکمنلہ فی أدلة البسمله
(53) رفع الجناح عن نافی المباح' هل هومامور به أم لا؟
(54) رفع الخصام فی الحکم بالعلم من الأحکام
(55) رفع الریبه عما یجوز ومالا یجوز من الغیبة
(56) الروض الوسیع فی الدلیل المنیع
(57) شرح الصدور فی تحریم رفع القبور
(58) شفاء العلل فی زیادۃ الثمن لمجرد الأجل
(59) الصوارم الهندیه المسلولة علی الریاض الندیة
(60) الطود المنیف فی الانتصاف للسعد علی الشریف
(61) طیب النشر فی المسائل العشر
(62) العقد الثمین فی إثبات وصایه أمیر المؤمنین
(63) عقود الجمان فی بیان حدود البلدان ومایتعلق بها من الضمان
(64) عقود الزبرجد فی جید مسائل علامة ضمد
(65) فتح الخلاق فی جواب مسائل عبد الرزاق
(66) الفتح الربانی' فی فتاوی الشوکانی
(67) القول الجلی فی حل لبس النساء للحلی
(68) قطر الولی علی حدیث الولی
(69) القول الصادق' فی حکم إمامة الفاسق
(70) القول المحرر فی لبس المعصفر وسائر انواع الاحمر
(71) القول المفید فی أدلة الاجتهاد والتقلید
(72) القول المقبول فی رد خبر المجهول من غیر صحابة الرسول
(73) کشف الأسرار عن حکم الشفعة بالجوار
(74) رسالة فی کشف الیدین عن حدیث ذی الیدین

(75) المختصر البديع فى الخلق الوسيع

(76) مطلع البدرين

(77) مجمع البحرين' فى التفسير

(78) المختصر الكافى من الجواب الشافى

(79) المقالة الفاخره فى اتفاق الشرائع على إثبات الدار الآخرة

(80) منحة المنان فى أجرة القاضى السجان والأعوان

(81) الدرايه فى مسئلة الوصايه

(82) الروض الوسيع فى الدليل المنيع على عدم انحصار علم البديع

(83) رسالة فى إثبات أن الرسول لله أوصى عليا عليه بعد موته

(84) رسالة فى حكم الاستجمار

(85) رسالة فى كون تطهير الثياب والبدن' هل هو من شرائط الصلاة أم لا؟

(86) رسالة فى وجوب الصلاة على النبى لله

(87) رسالة فى الرد على القائل بوجوب صلاة التحية

(88) رسالة فى أسباب سجود السهو

(89) رسالة فى وجوب الصيام على من لم يفطر إذا وقع الاشعار فى دخول رمضان فى النهار

(90) رسالة فى كون أجرة الحج من الثلث

(91) رسالة فى زيادة ثواب من أدى العبادة بمشقة

(92) رسالة فى كون الخلع طلاقاً أو فسخاً

(93) رسالة فى حكم الطلاق ثلاثاً

(94) رسالة فى نفقة المطلقة ثلاثاً

(95) رسالة فيمن حلف ليقضين دينه غداً إن شاء الله

(96) رسالة فى الهبة لبعض الأفراد

(97) رسالة فى بيع الشيئ قبل قبضه

(98) رسالة فى جواز استناد الحاكم فى حكمه إلى تقويم العدول

(99) رسالة فى الوصية بالثلث قاصداً حرمان الوارث

(100) رسالة فى القيام للواصل لمجرد التعظيم

(101) رسالة فى حكم المخابرة

(102) رسالة فى حكم لبس الحرير

(103) رسالة فی حكم بيع الماء

(104) رسالة فی حكم صبيان الذميين إذا مات أبواهم

(105) رسالة علی مسائل من السيد العلامة علي بن إسماعيل

(106) رسالة فی حكم طلاق المكره

(107) حكم الجهر بالذكر

(108) زهر النسرين الفائح بفضائل العمرين

(109) رسالة فی الكسوف، هل تكون فی وقت معين أم لا؟

(110) رسالة فی مسائل لبعض علماء الحجاز

(111) لحوق ثواب القراء ة من الإحياء إلی الأموات

(112) رسالة رفع الغمامة فی تفسير قوله سبحانه وتعالی ﴿وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا إِلَى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ [آل عمران : ٥٥]

(113) العرف الندی فی جواز إطلاق لفظ "سيدی"

(114) بلوغ السائل امانيه بالتكلم علی أطراف الثمانيه

(115) الاثبات لا لتقاء أرواح الأحياء والأموات

(116) تشنيف السمع بجواب المسائل السبع

(117) رفع منار حق الجار بالاجبار علی البيع مع الضرار

(118) رفع الباس عن حديث النفس والهم والوسواس

ان کتابوں کے علاوہ امام شوکانیؒ کی اور بھی مختلف بہت زیادہ تصانیف ہیں جن کی تعداد کم وبیش دوسواٹھہتر (278) کے قریب ہے لیکن ان میں سے صرف اہم کتب کا ہی تذکرہ کیا گیا ہے۔

سانحہ وفات

آپ کی وفات کا سانحہ ستائیس (27) جمادی الثانیہ 1250 ھ بدھ کی رات کو پیش آیا اس وقت آپ شہر صنعاء کے قاضی تھے۔ اسی شہر کی بڑی جامع مسجد میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور پھر ''خزیمہ'' کے نام سے مشہور قبرستان میں آپ کو دفن کر دیا گیا۔

[فرحمه الله رحمة واسعة وجزاء عما قدم خير الجزاء]

شیخ البانیؒ کے سوانح حیات اور علمی و تحقیقی خدمات

چونکہ اس کتاب میں احادیث کی تحقیق کے لیے سب سے زیادہ اعتماد شیخ البانیؒ کی تحقیقات پر کیا گیا ہے اس لیے راقم نے یہ مناسب سمجھا کہ قارئین کے لیے شیخ کی شخصیت' علمی مرتبہ اور گراں قدر خدمات کو مختصر الفاظ میں واضح کر دیا جائے۔ اس ضمن میں یہ یاد رہے کہ شیخ شب و روز اپنی علمی و تصنیفی مصروفیت کے باعث خود تو اپنے حالات زندگی نہ لکھ پائے لیکن آپ کے بعض شاگردوں نے یہ کام کیا مثلاً شیخ محمد بن ابراہیم شیبانی نے "حياة الألباني و آثاره وثناء العلماء عليه" کے نام سے مقالہ تحریر کیا' اسی طرح شیخ مجذوب وغیرہ نے "موجزة عن حياة الشيخ ناصر الدين" کے عنوان سے ایک رسالے میں آپ کے سوانح حیات قلم بند کیے۔ علاوہ ازیں مختلف عربی و اردو رسائل و جرائد میں بھی شیخ کے حالات زندگی شائع کیے جا چکے ہیں جنہیں کچھ تلاش و جستجو کے ذریعے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

پیدائش اور ابتدائی حالات

شیخ محمد ناصر الدینؒ 1914ء میں البانیہ کے دارالخلافہ ''اشقودرہ'' میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام 'الحاج نوح نجاتی' تھا جو کہ ایک حنفی عالم تھے اور اپنی دعوتی خدمات' دروس اور تقاریر کے باعث لوگوں میں عزت و شرف اور بلند مقام حاصل کر چکے تھے۔ شیخ کا گھرانہ اگرچہ غریب تھا مگر دین پر قائم اور علمی اشتیاق کا حامل تھا۔ البانیہ کا اقتدار جب 'ملک احمد زوغو' کے ہاتھ آیا تو پوری سلطنت پر بے دینی اور مغربیت رفتہ رفتہ رواج پا گئی' لوگوں نے انگلش لباس زیب تن کر لیا' عورتوں نے پردہ اتار دیا۔ ان حالات میں شیخ کے والد نے اپنے دین کی حفاظت اور اخروی نجات کی غرض سے ہجرت کر کے شام کے دارالخلافہ دمشق کو اپنا مسکن بنا لیا۔

تعلیم و تربیت

شیخ کچھ دیر دمشق کے مدرسہ ''الاسعاف الخیریۃ الابتدائیۃ'' میں تعلیم حاصل کرتے رہے لیکن پھر اس مدرسے میں آگ لگ جانے کے باعث ''سوقِ سارو جۃ'' کے ایک مدرسے میں داخل ہو گئے۔ مدارس کے مروجہ تعلیمی نظام پر غیر مطمئن ہونے کے باعث شیخ کے والد نے خود آپ کے لیے ایک تعلیمی پروگرام بنایا جو کہ صرف' نحو' قرآن' تجوید اور فقہ حنفی پر مشتمل تھا۔ شیخ نے اپنے والد کے رفقاء' جو کہ اپنے زمانے کے شیوخ تھے' سے بھی تعلیم حاصل کی مثلاً شیخ راغب طباخؒ سے آپ نے ان کی تمام مرویات کی اجازت حاصل کی تھی۔ اس طرح شیخ سعید برہانیؒ سے آپ نے فقہ حنفی کی معروف کتاب "مراقی الفلاح" پڑھی تھی۔

شیخ کی عمر جب بیس (20) سال ہوئی تو 'مجلۃ المنار' جو کہ شیخ محمد رشید رضا کی زیر نگرانی شائع ہوتا تھا' آپ کے مطالعہ سے گزرا یہی وہ علمی و تحقیقی رسالہ ہے جس کے ذریعے آپ علم حدیث کی طرف متوجہ ہوئے۔

ابتدائی دور میں شیخ نے گھریلو ضروریات کی تکمیل کے لیے گھڑیوں کی مرمت کا پیشہ اختیار کر رکھا تھا لیکن علم حدیث میں رغبت کے بعد جمعہ اور منگل کے سوا روزانہ صرف تین گھنٹے گھڑیوں کی مرمت کا کام کرتے باقی مکمل دن تقریباً چھ گھنٹے علم حدیث کے حصول اور تالیف و تصنیف کے لیے "المكتبة الظاهرية" میں موجود مختلف کتب و مخطوطات کا مطالعہ کرتے رہتے۔

یہ مکتبہ آپ کے لیے بہت بڑی نعمت ثابت ہوا کیونکہ جب بھی آپ کو کسی کتاب کی ضرورت ہوتی اور وہ آپ کو اپنے والد کے ذاتی کتب خانے (جو کہ اکثر حنفی مسلک کی کتب پر مشتمل تھا) سے نہ ملتی اور آپ کے پاس اسے خریدنے کی بھی طاقت نہ ہوتی تو اس مکتبے میں تلاش کرنے سے آپ کو مل جاتی۔ آپ کی محنت وجد وجہد اور علمی شوق کو دیکھتے ہوئے اس مکتبے کے علاوہ بعض دیگر مکتبات بھی آپ کو کچھ مدت کے لیے ادھار بلا اجرت کتابیں دے دیا کرتے تھے جس سے آپ اپنی ضرورت پوری کر لیتے۔ حدیث پر شیخ کی اس قدر محنت اور شغف کو دیکھ کر آپ کے والد اکثر خائف رہتے اور یہ کہتے رہتے کہ ''علم حدیث تو مفلس لوگوں کا فن ہے۔''

لیکن شیخؒ کا شوقِ حدیث روز بروز بڑھتا ہی چلا گیا حتی کہ آپ 'المکتبۃ الظاہریۃ' میں روزانہ بارہ بارہ گھنٹے مطالعہ میں ہی مصروف رہتے۔ دریں اثنا صرف نمازوں کے لیے ہی باہر نکلتے۔ اکثر اوقات تو آپ تھوڑا بہت کھانا مکتبہ میں ہی تناول فرما لیتے۔ آپ کا یہ شوق دیکھ کر مکتبہ کی انتظامیہ نے آپ کے لیے ایک کمرہ مخصوص کر دیا جس میں آپ کے لیے ضروری کتب بھی فراہم کر دی گئیں۔ آپ صبح سویرے ملازمین سے بھی پہلے مکتبہ میں پہنچ جاتے اور پھر عشاء کے بعد واپس جاتے۔ آپ ہر وقت کتاب پر نظر رکھتے اگر کوئی آپ سے مسئلہ دریافت کرتا تو اکثر اوقات کتاب سے نظر ہٹائے بغیر ہی جواب دے کر فارغ کر دیتے۔

اس محنت وجد وجہد کے نتیجے میں سب سے پہلے آپ نے حدیث پر جو کام کر کے امت کو نفع پہنچایا وہ کتاب **"المغنی عن حمل الأسفار فی تخریج ما فی الإحیاء من الأخبار"** از حافظ عراقی پر تعلیقات لکھنا تھا۔

دعوۃِ حق اور علمی پروگرام

چونکہ آپ کے والد حنفی مسلک سے تعلق رکھتے تھے اور اکثر مسائل میں آپ کے مخالف ہوتے تھے اس لیے آپ کی دعوت اس مسلک پر تنقید سے شروع ہوئی۔ آپ بے خوف وخطر یہ بات واضح کر دیتے کہ جب کسی مسئلے میں حدیث ثابت ہو جائے تو پھر کسی امام کی اتباع جائز نہیں۔ دعوت الی اللہ کے سلسلے میں شیخؒ اپنے دوستوں اور میل جول رکھنے والوں کے ساتھ ایک جگہ پر مخصوص دن میں جمع ہوتے اور شرعی مسائل پر گفتگو کرتے۔ جس طرح لوگ بڑھتے گئے اس طرح جگہ بھی تبدیل کی جاتی رہی بالآخر ایک گھر کرائے پر لیا گیا لیکن وہ بھی بعد میں کم پڑ گیا۔

رفتہ رفتہ علاقے میں شیخؒ کی کافی شہرت ہوگئی لیکن اس کے ساتھ ساتھ حاسدین کی ایک جماعت بھی تیار ہوگئی جن کے من گھڑت الزامات اور جھوٹی گواہیوں کے باعث شیخؒ کو دو بار جیل کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ اس دوران اگر کوئی اختلافی مسئلہ پیش آ جاتا تو کسی متعصب مسلکی عالم کے پاس سوائے شور وغوغا اور گستاخ وھابی کہنے کے شیخؒ کے مقابلے میں کوئی ثبوت و دلیل نہ ہوتی۔

شیخؒ نے مختلف علمی مجالس کا بھی انعقاد کیا جن میں مدارس کے طلباء واساتذہ سمیت خواتین بھی شرکت کرتیں۔ ان مجالس میں جن کتب کے دروس دیے جاتے وہ یہ ہیں: فقہ السنۃ از سید سابق، الترغیب والترھیب از حافظ منذری، الروضۃ الندیۃ از نواب صدیق حسن خان، مصطلح التاریخ از اسد رستم، اصول الفقہ از عبدالوھاب خلاف، منھاج الاسلام فی الحکم از محمد اسد، الحلال والحرام از یوسف قرضاوی، فتح المجید شرح کتاب التوحید از عبدالرحمن بن حسن آل شیخ، الباعث الحثیث از احمد شاکر، ریاض

الصالحین از امام نووی' الإلمام فی احادیث الأحکام از ابن دقیق العید' الأدب المفرد از امام بخاری اور اقتضاء الصراط المستقیم از امام ابن تیمیہ وغیرہ۔

مدینہ یونیورسٹی میں تقرری

شیخ ؒ کی تصنیفات بہت زیادہ آپ کی شہرت کا باعث بنیں بالخصوص اس لیے کہ آپ نے اپنی تالیفات میں جو منہج اپنایا تھا وہ خالص کتاب وسنت ہی تھا۔ ہر مسئلے میں صرف انہی دونوں کو معیار ومیزان بنایا گیا تھا۔ اس لیے جب مدینہ یونیورسٹی ''الجامعۃ الاسلامیۃ'' تعمیر کی گئی تو اس کے چانسلر اور مفتی عام برائے سعودی عرب شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ نے جامعہ میں علوم حدیث پڑھانے کے لیے آپ کو منتخب کیا۔ چنانچہ آپ 1961ء سے 1964ء تک تین سال جامعہ میں فرائضِ تدریس سرانجام دیتے رہے۔

دوران تدریس شیخ ؒ فارغ اوقات میں اور پیریڈوں کے وقفوں میں بھی طلباء کے درمیان بیٹھ کر علمی مباحث میں مشغول رہتے جبکہ دوسرے اساتذہ سٹاف روم میں استراحت کر رہے ہوتے۔ اس قدر محنت اور طلباء سے نہایت شفقت کے باعث اکثر طلباء آپ سے نہایت والہانہ محبت کرنے لگے اور ہر وقت آپ کے اردگرد جمع رہتے لیکن آپ کے معاصر اساتذہ میں سے بعض ان تمام چیزوں سے محروم ہونے کی وجہ سے آپ سے حسد کرنے لگے اور بالآخر آپ پر بہتان وافتراء اور جھوٹی گواہیوں کے ذریعے آپ کو جامعہ سے سبکدوش کرانے میں کامیاب ہو گئے اور آپ نے بھی اس فیصلے کو اللہ کا حکم سمجھ کر تسلیم کر لیا۔

اس کے بعد مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری ؒ صاحب مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح نے شیخ ؒ کو جامعہ سلفیہ بنارس میں استاذ الحدیث کی حیثیت سے تشریف لانے کی دعوت دی لیکن آپ نے کچھ وجوہات کی بنا پر معذرت کر لی اور دمشق واپس چلے گئے۔ پھر آپ کے شب وروز تالیف وتصنیف کے کام میں ہی گزرے۔

مقام ومرتبہ اور علماء کی آراء

علم حدیث میں شیخ ؒ کی گراں قدر اور ناقابل فراموش مساعی کے نتیجے میں مختلف ممالک میں آپ کا شہرہ ہو گیا۔ جس بنا پر آپ کو مختلف ممالک مثلاً' مصر' مراکش' انگلینڈ' قطر' متحدہ عرب امارات اور متعدد یورپی ممالک میں دروس وخطابات اور کانفرنسز میں شرکت کے لیے مدعو کیا گیا۔ شیخ مختلف مجالس اور کمیٹیوں کے رکن بھی رہے مثلاً نشر واشاعت کے لیے مصر وشام کی مشترکہ کمیٹی ''لجنۃ الحدیث'' کے رکن تھے۔ مدینہ یونیورسٹی کی مختلف کمیٹیوں کے رکن تھے۔ سعودی فرمانروا ملک خالد بن عبد العزیز ؒ نے مدینہ یونیورسٹی کی سپریم کونسل کے لیے آپ کو بطور عضو منتخب کیا تھا۔ اور جامعۃ مکۃ المکرمۃ میں ''قسم الدراسات العلیا للحدیث' کی نگرانی وسرپرستی کے لیے بھی آپ کو دعوت دی گئی۔

شیخ ؒ کے پاس دور دراز کے علاقوں اور بیشتر ممالک سے بڑے بڑے علما ومفتیان اور مشائخ ودکتورا اپنے مسائل کے حل کے لیے آتے اور آپ انہیں ایسے تسلی بخش جواب فراہم کرتے کہ کتب کے جلد نمبر اور صفحہ نمبر تک کی وضاحت کر دیتے۔

شیخ البانی ؒ کو اپنے ہم عصر علما میں ممتاز مقام حاصل تھا۔ فی الحقیقت شیخ ؒ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں لیکن علمی اضافے کے لیے شیخ ؒ کے متعلق چند معاصر علما کی آراء حسب ذیل ہیں:

(ابن باز ؒ) میں نے موجودہ زمانے میں روئے زمین پر علامہ محمد ناصر الدین البانی جیسا محدث نہیں دیکھا۔

(ابن عثیمین ؒ) شیخ سے میری ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ آپ حدیث پر عمل اور بدعت کے خلاف جنگ کے کافی شوقین ہیں اور آپ کی تالیفات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ علم حدیث میں بہت ماہر ہیں۔

(سید محب الدین خطیب ؒ) جن عظیم لوگوں نے احیائے سنت کے لیے اپنی زندگیوں کو وقف کر دیا ان میں سے ایک ہمارے قابل احترام بھائی شیخ ابو عبدالرحمٰن محمد ناصر الدین نوح نجاتی البانی ہیں۔

(عمر سلیمان الأشقر) انہوں نے شیخ ؒ کو اپنی کتاب 'تاریخ الفقہ الإسلامی' میں ''محدث العصر'' کا نام دیا۔

(شیخ شنقیطی ؒ) شیخ شنقیطی ؒ شیخ البانی ؒ کا بے حد احترام و اکرام کرتے۔ جب آپ مسجد نبوی میں درس دے رہے ہوتے اور شیخ البانی ؒ کا گزر ہوتا تو درس روک کر شیخ کے لیے کھڑے ہوتے اور انہیں سلام کرتے۔

(شیخ مقبل الوداعی) علم حدیث میں 'شیخ محمد ناصر الدین البانی ؒ جیسا کوئی نہیں۔

(شیخ عبدالصمد شرف الدین ؒ) اس صدی کے سب سے بڑے محدث شیخ البانی ؒ ہیں۔

(شیخ زید بن عبدالعزیز الفیاض) شیخ محمد ناصر الدین البانی ؒ کا شمار اس زمانے کی مشہور علمی شخصیتوں میں ہوتا ہے۔

(شیخ حسن البناء مصری ؒ) انہوں نے شیخ البانی ؒ کو خط لکھ کر اپنے درست منہج پر ڈٹے رہنے کی تاکید کی اور شیخ ؒ کی 'فقہ السنۃ' پر بعض تعلیقات کو اپنے مجلّہ ''الإخوان المسلمون'' میں شائع کیا۔

شیخ البانی ؒ کو سعودی عرب کی تنظیم 'مؤسسۃ الملک فیصل الخیریۃ' کی طرف سے ''تحقیقات اسلامی و خدمات حدیث'' کے لیے بین الاقوامی شاہ فیصل ایوارڈ کے لیے نامزد کیا گیا۔

شیخ کے چند مشہور شاگرد

(1) شیخ محمد بن جمیل زینو
(2) شیخ خلیل عراقی الحیانی
(3) ڈاکٹر عمر سلیمان الاشقر
(4) شیخ مصطفیٰ الزربول
(5) شیخ عبدالرحمٰن البانی
(6) شیخ مقبل بن ہادی الوداعی
(7) شیخ زہیر شاویش
(8) شیخ علی خشان
(9) شیخ خیر الدین وائلی
(10) شیخ عبدالرحمٰن عبدالصمد
(11) شیخ عبدالرحمٰن عبدالخالق
(12) شیخ محمد عید عباسی

(13) شیخ حمدی عبدالمجید سلفی

(14) شیخ محمد ابراہیم شقرۃ

شیخؒ کی تصنیفات' تعلیقات اور تخریجات

(1) التعقیب علی کتاب الجواب للمودودی

(2) التعلیق الممجد علی التعلیق علی موطأ الإمام محمد للکنوی

(3) التعلیق علی کتاب سبل السلام شرح بلوغ المرام

(4) التعلیق علی کتاب مسائل جعفر بن عثمان بن أبی شیبة

(5) التعلیقات الجیار علی زاد المعاد

(6) التعلیقات الرضیة علی الروضة الندیة

(7) التوسل' أحکامه و أنواعه

(8) الثمر المستطاب فی فقه السنة والکتاب

(9) الجمع بین میزان الاعتدال للذهبی ولسان المیزان لابن حجر

(10) الحدیث حجة بنفسه فی العقائد و الأحکام

(11) الحوض المودود فی زوائد منتقی ابن الجارود

(12) الذب الأحمد عن مسند الإمام أحمد

(13) الرد علی رسالة الشیخ التویجری فی بحوث من صفة الصلاة

(14) الرد علی کتاب المراجعات لعبد الحسین شرف الدین

(15) الرد علی رسالة التعقب الحیثیت

(16) الرد علی رسالة أرشد السلفی

(17) الروض النضیر فی ترتیب وتخریج معجم الطبرانی الصغیر

(18) السفر الموجب للقصر

(19) اللحیة فی نظر الدین

(20) المحو والإثبات

(21) المسیح الدجال ونزول عیسی علیه الصلاة والسلام

(22) المنتخب من مخطوطات الحدیث

(23) الأحاديث الضعيفة والموضوعة التى ضعفها أوأشار إلى ضعفها ابن تيمية فى مجموع الفتاوى

(24) مقدمة الأحاديث الضعيفة والموضوعة فى أمهات الكتب الفقهية

(25) الأحاديث المختارة

(26) الأمثال النبوية

(27) بغية الحازم فى فهارس مستدرك الحاكم

(28) تاريخ دمشق لأبى زرعة رواية أبى الميمون

(29) تحذير الساجد من اتخاذ القبور مساجد

(30) تحقيق كتاب حول أسباب الاختلاف للحميدى

(31) تحقيق كتاب ديوان أسماء الضعفاء والمتروكين للذهبى

(32) تحقيق كتاب مساوئ الأخلاق للخرائطى

(33) تحقيق كتاب أصول السنة واعتقاد الدين

(34) تسديد الإصابة إلى من زعم نصرة الخلفاء الراشدين والصحابة

(35) تسهيل الانتقاع بكتاب ثقات ابن حبان

(36) تعليق وتحقيق كتاب زهرا رياض فى رد ماشنعه القاضى عياض على من أوجب الصلاة على البشير النذير فى التشهد الأخير

(37) تلخيص صفة صلاة النبى ﷺ

(38) تلخيص كتاب تحفة المودود فى أحكام المولود

(39) تلخيص أحكام الجنائز

(40) تمام المنة فى التعليق على كتاب فقه السنة للسيد سابق

(41) حجاب المرأة المسلمة فى الكتاب والسنة

(42) خطبة الحاجة

(43) دفاع عن الحديث النبوى والسيرة

(44) سلسلة الأحاديث الصحيحة وشيئ من فقهها

(45) سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيى فى الأمة

(46) صحيح ابن ماجة

(47) صحيح الترغيب والترهيب

(48) صحيح الأدب المفرد

(49) صحيح الإسراء والمعراج

(50) صحيح سنن أبي داود

(51) صفة الصلاة الكبير

(52) صفة صلاة النبي ﷺ لصلاة الكسوف

(53) صفة صلاة النبي ﷺ من التكبير إلى التسليم كأنك تراها

(54) صلاة الاستسقاء

(55) صلاة العيدين في المصلى هي السنة

(56) ضعيف ابن ماجة

(57) ضعيف الترغيب الترهيب

(58) ضعيف سنن أبي داود

(59) فهرس المخطوطات الحديثية في مكتبة الأوقاف بحلب

(60) فهرس كتاب الكواكب الدراري

(61) فهرس مخطوطات دار الكتب الظاهرية

(62) فهرس مسند الإمام أحمد بن حنبل في مقدمة المسند

(63) فهرس أحاديث كتاب التاريخ الكبير

(64) فهرس أحاديث كتاب الشريعة للآجري

(65) فهرس أسماء الصحابة الذين أسندوا الأحاديث في معجم الطبراني الأوسط

(66) قاموس البدع

(67) قيام رمضان وبحث عن الاعتكاف

(68) كشف النقاب عما في كلمات أبي غدة من الأباطيل والافتراءات

(69) ماصح من سيرة رسول الله ﷺ

(70) مختصر تعليق الشيخ محمد كنعان

(71) مختصر صحيح البخاري

(72) مختصر صحيح مسلم

(73) معجم الحديث النبوى

(74) مناسک الحج والعمرة فى الكتاب والسنة و آثار السلف

(75) مناظرة كتابية مسجلة مع طائفة من أتباع الطائفة القاديانية

(76) منزلة السنة فى الإسلام

(77) نصب المجانيق فى نسف قصة الغرانيق

(78) نقد نصوص حديثية فى الثقافة العامة

(79) وجوب الأخذ بحديث الأحاد فى العقيده

(80) وصف الرحلة الأولى إلى الحجاز والرياض مرشداً للجيش السعودى

(81) وضع الأصار فى ترتيب أحاديث مشكل الأثار

(82) آداب الزفاف فى السنة المطهرة

(83) أحاديث البيوع وآثاره

(84) أحكام الجنائز

(85) أحكام الركاز

(86) إزالة الشكوک عن حديث البروک

(87) الكلم الطيب لإبن تيمية

(88) تحقيق مشكاة المصابيح للتبريزى

(89) تصحيح حديث إفطار الصائم قبل سفرة بعد الفجر

(90) رياض الصالحين للنووى

(91) صحيح الكلم الطيب لابن تيمية

(92) فضل الصلاة على النبى ﷺ لإسماعيل بن إسحق

(93) كتاب اقتضاء العلم والعمل للخطيب البغدارى

(94) كتاب العلم للحافظ أبى خيثمة

(95) لفتة الكبد فى تربية الولد لا بن الجوزى

(96) مختصر صحيح مسلم للمنذرى

(97) مساجلة علمية بين الامامين الجليلين العز بن عبد السلام وابن الصلاح

(98) المرأة السلمة للشيخ حسن البناء

(99) الآيات البينات فی عدم سماع الأموات عند الحنيفة السادات لمحمود الآلوسی

(100) تخريج الايمان لابن أبی شيبة

(101) تخريج الإيمان لأبی عبيد القاسم بن سلام

(102) تخريج فضائل الشام للربعی

(103) تخريج كتاب الرد علی جهمية للدارمی

(104) تخريج كتاب المصطلحات الأربعة فی القرآن

(105) تخريج كتاب إصلاح المساجد من البدع والعوائد لجمال الدين القاسمی

(106) تخريج كلمة الإخلاص وتحقيق معناها لابن رجب الحنبلی

(107) تخريج أحاديث مشكلة الفقر وكيف عالجها الإسلام للقرضاوی

(108) حجاب المرأة المسلمة ولباسها فی الصلاة لشيخ الإسلام ابن تيمية

(109) حقيقة الصيام لا بن تيمية

(110) شرح العقيده الطحاوية لأبی جعفر الطحاوی

(111) صحيح الجامع الصغير وزيادة (الفتح الكبير) للسيوطی

(112) ضعيف الجامع الصغير وزيادته(الفتح الكبير) للسيوطی

(113) غاية المرام فی تخريج أحاديث الحلال والحرام للقرضاوی

(114) كتاب السنة ومعه ظلال الجنة فی تخريج السنة لأبی عاصم الضحاک

(115) مادل عليه القرآن مما يعضد الهيئة الجديدية القوية البرهان لمحمود الآلوسی

(116) إرواء الغليل فی تخريج أحاديث منار السبيل لابن ضويان

(117) التعليق علی كتاب الباعث الحثيث شرح اختصار علوم الحديث لابن كثير بتحقيق أحمد شاكر

(118) التعليقات علی صفة الفتوی والمفتی والمستفتی لابن شبيب بن حمدان

(119) صحيح ابن خزيمة بتحقيق دكتورمصطفی الأعظمی

(120) مختصر الشمائل المحمدية للترمذی

(121) مختصر شرح العقيده الطحاوية

(122) مختصر کتاب العلوّ للعلی العظیم للحافظ الذھبی

(123) مدارک النظر فی السیاسة بین التطبیقات الشرعیة والا نفعالات الحماسیة لعبد الملک الجزائری

سانحہ وفات

ایک عرصہ سے مسلسل بیمار رہنے کے باعث شیخؒ بے حد کمزور ونحیف ہو گئے۔ لیکن حدیث سے والہانہ محبت کی وجہ سے آپ اپنی تصنیفی سرگرمیوں سے پھر بھی باز نہ آئے اور جب خود لکھنے کی طاقت نہ ہوتی تو اپنے بیٹوں اور پوتوں سے لکھوا لیتے۔ شیخؒ کے ایک شاگرد علی بن حسن حلبی کے بقول ''آخری ایام میں اگرچہ شیخؒ کا جسم بہت کمزور پڑ گیا تھا لیکن آپ ابھی تک سلیم العقل اور پختہ قوت حافظہ کے مالک تھے۔''

بالآخر علمی بصیرت کا یہ روشن ستارہ بھی دیگر چمکتے ستاروں کی طرح تین (3) اکتوبر 1999ء کو اردن میں گل ہو گیا۔ شیخؒ کے سانحہ ارتحال کے بعد آج ساری دنیا میں ان کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو ان کے لیے باعث نجات بنائے۔

[فرحمه الله رحمة واسعة وجزاء عما قدم خير الجزاء]

كتاب الطهارة
طہارت کے مسائل

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ [المدثر:٤-٥]

''اپنے کپڑوں کو پاک رکھا کرو اور ناپاکی کو چھوڑ دو۔''

حدیث نبوی ہے کہ

﴿الطهور شطر الإيمان﴾

''طہارت نصف ایمان ہے۔''

[مسلم (٥٣٤) كتاب الطهارة : باب فضل الوضوء]

کتاب الطهارة ❷

طہارت کے مسائل

باب ❹ اقسام المیاه ❹ پانیوں کی اقسام کا بیان

اَلْمَاءُ طَاهِرٌ مُطَهِّرٌ	پانی پاک ہے اور پاک کرنے والا ہے۔ ❺

❶ **لغوی وضاحت:** لفظ کتاب' جمع کرنا' ملانا' جس میں لکھا جائے' صحیفہ' فرض اور حکم کے معانی میں مستعمل ہے اور باب کتب یکتب (نصر) کا مصدر ہے۔

اصطلاحی تعریف: کتاب مستقل حیثیت کے حامل مسائل کے مجموعے کو کہتے ہیں خواہ وہ کئی انواع (یعنی ابواب) پر مشتمل ہو یا نہ ہو۔ (۱)

❷ **لغوی وضاحت:** پاکیزگی' صفائی ستھرائی' پاک ہونا' پاک کرنا سب اس کے معانی ہیں اور یہ باب طہر یطہر (نصر' کرم) کا مصدر ہے۔ لفظ طُهُور (طاء کے ضمہ کے ساتھ) ''پاک کرنا'' باب طَهُر سے مصدر ہے۔ اور لفظ طَهُور (طاء کے فتحہ کے ساتھ) ''پاک یا پاک کرنے والا'' بروزن فعول صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ طُهْر'' حالت حیض کے خلاف حالت کو کہتے ہیں۔ ''تطهیر (تفعیل) کا معنی ''پاک کرنا'' ہے۔ (۲)

اصطلاحی وشرعی تعریف: (شافعیؒ، نوویؒ) حدث کو رفع کرنا اور نجاست کو زائل کرنا طہارت کہلاتا ہے۔ (۳)

(حنابلہ، مالکیہ) طہارت ایسی حکمی صفت ہے جو اپنے موصوف کے ساتھ یا اس میں یا اس کے لیے نماز کے جواز کو ثابت کر دیتی ہے۔ (٤)

(حنفیہ) طہارت سے مراد نجاست سے پاکیزگی حاصل کرنا ہے خواہ نجاست حقیقی ہو (مثلاً گندگی و پاخانہ وغیرہ) یا حکمی ہو (مثلاً حدث و بے وضگی وغیرہ)۔ (٥)

❸ جس میں ایک ہی نوع سے متعلقہ مسائل بیان کیے جائیں۔ (٦)

---

(۱) [القاموس المحيط (ص/١١٩) الدرر (٦/١) الصحاح (٢٠٨/١) أنيس الفقهاء (ص/٤٥)]

(۲) [القاموس المحيط (ص/٣٨٩) الصحاح (٢٢٧/٢) المصباح المنير (٥٧٩/٢) الجواهر المضية (١٩٠/٢)]

(۳) [المجموع (١٢٤/١) مغنى المحتاج (١٦/١)]

(٤) [المغنى (١٣/١) الشرح الكبير (٣٠/١) الشرح الصغير (٢٥/١)]

(٥) [اللباب شرح الكتاب (١٠/١) الدر المختار (٧٩/١) الكليات لأبى البقاء (ص/٢٣٤) حدود ابن عرفة (ص/١٢) المطلع للبعلى (ص/٥)]

(٦) [تحفة الأحوذى (١٩/١) نيل الأوطار (٤٣/١)]

❹ لفظِ میاہ ماء (پانی) کی جمع ہے اس کے جنس ہونے کے باوجود اسے اختلاف انواع (مثلاً کوئیں کا پانی' سمندر کا پانی' چشمے کا پانی وغیرہ) پر دلالت کے لیے جمع لایا گیا ہے۔(۱)

❺ (1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُورًا ﴾ [الفرقان:٤٨] ''اور ہم نے آسمان سے پاک پانی نازل کیا۔''

(2) ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا ﴿ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ ﴾ [الأنفال:١١] ''اور وہ تم پر آسمان سے پانی نازل کرتا ہے تا کہ اس کے ذریعے تمہیں پاک کرے۔''

(3) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿إنّ الماء طهورٌ لا ينجّسه شيئٌ﴾ ''پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔''(۲)

(4) سمندر کے پانی کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا ﴿هو الطهور مائه والحل ميتته﴾ ''اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔''(۳)

(5) سادے پانی کے طاہر و مطہر ہونے پر اجماع ہے۔(٤)

لَا يُخْرِجُهُ عَنِ الْوَصْفَيْنِ إِلَّا مَا غَيَّرَ رِيحَهُ أَوْ لَوْنَهُ أَوْ طَعْمَهُ مِنَ النَّجَاسَاتِ	ان دونوں اوصاف سے اسے کوئی چیز خارج نہیں کرتی مگر صرف ایسی نجاست جو اس کی بو یا اس کا رنگ یا اس کا ذائقہ تبدیل کر دے۔ ❶

❶ (1) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا' کیا ہم بئر بضاعہ کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں؟ (بئر بضاعہ ایک قدیم کنواں تھا جس میں حیض آلود کپڑے' کتے کے گوشت کے ٹکڑے اور بدبودار اشیاء ڈالی جاتی تھیں) آپ ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا ﴿الماء طهور لا ينجسه شيئ﴾ ''پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔''(۵)

---

(۱) [نيل الأوطار (٤٣/١)]

(۲) [صحيح : صحيح أبو داود (٦٠) كتاب الطهارة : باب ماجآء في بئر بضاعة ' أبوداود (٧٦) مسند شافعي (٣٥) أبوداود طيالسي (٢٩٢) أحمد (٣١/٣) ترمذي (٦٦) نسائي (١٧٤/١) شرح معاني الآثار (١١/١) دار قطني (٢٩/١)]

(۳) [صحيح : صحيح أبو داود (٧٦) كتاب الطهارة: باب الوضوء بمآء البحر ' أبوداود (٨٣) موطا (٢٢/١) ابن أبي شيبة (١٣١/١٠) أحمد (٣٦١/٢) دارمي (١٨٦/١) ترمذي (٦٩) نسائي (١٧٦/١) ابن ماجة (٣٨٦) ابن خزيمة (١١١) ابن حبان (١١٩ ـ الموارد) ابن الجارود (ص٢٥) دار قطني (٣٦/١) حاكم (١٤٠/١) بيهقي (٣/١) معرفة السنن والآثار (١٥٠/١)]

(٤) [الفقه الإسلامي وأدلته (٢٦٥/١)]

(٥) [صحيح : صحيح أبو داود (٦٠) كتاب الطهارة : باب ما جآء في بئر بضاعة ' أبوداود (٦٧) ترمذي (٦٦) نسائي (١٧٤/١) أحمد (٣١/٣) مسند شافعي (٣٥) ابن الجارود (٤٧) شرح معاني الآثار (١١/١) دار قطني (٢٩/١) بيهقي (٢٥٧/١)]

(2) حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿إن الماء لا ینجسه شیئ إلا ما غلب علی ریحه وطعمه ولونه﴾ ''یقیناً پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی الا کہ پانی پر اس ناپاک چیز کی بو، ذائقہ اور رنگ غالب ہو جائے۔''(۱)

(3) بیہقی کی روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿الماء طهور إلا إن تغیر ریحه أو طعمه أو لونه بنجاسة تحدث فیه﴾ ''پانی پاک ہے سوائے اس کے کہ نجاست گرنے کی وجہ سے اس کی بو یا اس کا ذائقہ یا اس کا رنگ بدل جائے۔''(۲)

(راجح) اگرچہ استثناء والی روایات ضعیف ہیں لیکن ان کے معنی ومفہوم کے صحیح وقابل عمل ہونے پر اجماع ہے جیسا کہ امام بن منذر، امام نووی، امام ابن قدامہ اور امام ابن ملقن رحمہم اللہ اجمعین نے اس مسئلے پر اجماع نقل کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت حسن بصری، حضرت سعید بن مسیب، امام عکرمہ، امام ابن ابی لیلی، امام ثوری، امام داود ظاہری، امام نخعی، امام جابر بن زید، امام مالک، امام غزالی، امام قاسم اور امام یحیی رحمہم اللہ اجمعین بھی یہی موقف رکھتے ہیں۔(۳)

وَعَنِ الثَّانِيْ مَا أَخْرَجَهُ عَنِ اسْمِ الْمَاءِ الْمُطْلَقِ مِنَ الْمُغَيِّرَاتِ الطَّاهِرَةِ	اور دوسرے وصف (پاک کرنے والا) سے اسے ایسی پاک اشیاء بھی خارج کر دیتی ہیں جو اسے سادہ (یعنی مطلق) پانی نہ رہنے دیں۔ ❶

❶ کیونکہ جس پانی کو بطور طہارت استعمال کرنے کا شریعت نے ہمیں حکم دیا ہے وہ محض وہی ہے جس پر مطلق طور پر لفظ مآء (پانی) بولا جا سکتا ہو جیسا کہ قرآن مجید میں ہے ﴿ مَاءً طَهُوْرًا ﴾ [الفرقان : ٤٨] اور حدیث میں ہے ((إن الماء طهورٌ......))(٤)

(جمہور، مالکؒ، شافعیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٥)

(ابن قدامہ حنبلیؒ) جمہور کے موقف کو ترجیح حاصل ہے۔(٦)

(ابن حزمؒ) جب تک پانی پر لفظ مآء (پانی) بولا جا سکتا ہے اس وقت تک وہ طاہر ومطہر ہے۔(٧)

(۱) [ضعیف : ضعیف ابن ماجة (۱۱۷) کتاب الطهارة : باب الحیاض، الضعیفة (۲٦٤٤) ابن ماجة (٥۲۱) دار قطنی (۱/۲۰۸) طبرانی کبیر (۸/۱۲۳)] حافظ بوصیریؒ بیان کرتے ہیں کہ رشدین کے ضعف کی بنا پر اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔[الزوائد (۱/۱۷۰)]

(۲) [بیهقی (۱/۲۰۹) دار قطنی (۱/۲۸)] اس کی سند میں بھی رشدین بن سعد راوی متروک ہے لہٰذا یہ حدیث بھی قابل حجت نہیں۔ [فیض القدیر (۲/۳۸۳) نیل الأوطار (۱/٦۷)] امام ابو حاتمؒ نے اس کے مرسل ہونے کو صحیح قرار دیا ہے۔ [علل الحدیث (۱/٤٤)] امام دار قطنیؒ کا موقف یہ ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں۔ [دار قطنی (۱/۲۹)] امام نوویؒ نے اس حدیث کے ضعف پر محدثین کا اتفاق نقل کیا ہے۔ [المجموع (۱/۱۱۰)] امام ابن ملقنؒ کا کہنا ہے کہ مذکورہ استثناء کمزور ہے۔ [البدر المنیر (۲/۸۳)] امام ہیثمیؒ نے بھی رشدین بن سعد کو ضعیف قرار دیا ہے۔[المجمع (۱/۲۱٤)]

(۳) [الإجماع لابن المنذر (۱۰)، (ص/۳۳) المجموع للنووی (۱/۱۱۰) المغنی لابن قدامة (۱/٥۳) البدر المنیر لابن الملقن (۲/۸۳) نیل الأوطار (۱/٦۹)]

(٤) [صحیح : صحیح أبوداود (٦۰) أبوداود (٦۷)]

(٥) [المجموع (۱/۹٥) بدایة المجتهد (۱/٥٤)]

(٦) [المغنی لابن قدامة (۱/۲٥)]

(٧) [المحلی بالآثار (۱/۹۳)]

(شوکانیؒ) کسی پاک چیز کے ملنے کی وجہ سے جس پانی پر مائے مطلق کا نام نہ بولا جاسکے بلکہ اس پر کوئی خاص نام بولا جاتا ہو مثلاً گلاب کا پانی وغیرہ تو وہ صرف فی نفسہ طاہر ہوگا دوسروں کے لیے مطہر نہیں ہوگا۔(۱)

(احناف) پاک چیز ملنے کی وجہ سے متغیر پانی مطہر بھی ہوگا جب تک کہ یہ تغیر پکانے کی وجہ سے نہ ہوا ہو۔(۲)

(راجح) جمہور کا موقف راجح ہے۔(۳)

اس مسئلے کو سمجھنے کے لیے قدرے تفصیل کی ضرورت ہے اور وہ یہ ہے کہ ''ایسا پانی جس میں زعفران' صابن یا آٹے وغیرہ کی مثل کوئی ایسی چیز مل جائے جو غالباً جدا ہو سکتی ہو اور اس پانی پر مائے مطلق کا لفظ بھی بولا جاسکے تو وہ پانی پاک ہونے کے ساتھ ساتھ پاک کرنے والا بھی ہے۔ لیکن اگر وہ چیز پانی کو مائے مطلق (سادہ پانی) کے نام سے خارج کر دے تو پانی فی نفسہ تو پاک ہوگا لیکن دوسری اشیاء کے لیے پاک کرنے والا نہیں ہوگا جیسا کہ مندرجہ ذیل دلائل اس پر شاھد ہیں:

(1) ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً﴾ [النساء : ٤٣] قرآن نے طہارت کے لیے مائے مطلق کا ہی ذکر کیا ہے۔

(2) حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ہمارے پاس اس وقت تشریف لائے جب ہم آپ ﷺ کی بیٹی کو غسل دے رہی تھیں آپ ﷺ نے فرمایا ''اسے تین یا پانچ مرتبہ یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ غسل دو اگر تم ضرورت محسوس کرو ﴿بماء و سدر واجعلن في الأخيرة كافورا﴾ ''پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو اور آخر میں کافور ڈالو۔''(٤)

(3) حضرت اُم ہانی بنت اَبی طالب رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں فتح مکہ کے روز آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ ﷺ ایک گنبد میں تشریف فرما تھے۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے ایک ٹب میں غسل کیا جس میں آٹے کے آثار نمایاں تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ ﴿إغتسل ﷺ و ميمونة من إناء واحد في قصعة فيها أثر العجين﴾ ''آپ ﷺ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے ایک ایسے ٹب میں غسل کیا جس میں آٹے کے نشانات موجود تھے۔''(٥)

ان احادیث میں پانی اور کافور کے درمیان' اور پانی اور آٹے کے درمیان آمیزش و ملاوٹ اور اس سے آپ ﷺ کا غسل کروانا اور خود کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ ایسی پاک اَشیاء کی ملاوٹ کے بعد بھی اگر مائے مطلق کا نام باقی رہے تو اس پانی سے طہارت حاصل کرنا درست ہے۔(٦)

وَلَا فَرْقَ بَيْنَ قَلِيْلٍ وَكَثِيْرٍ وَمَا فَوْقَ الْقُلَّتَيْنِ وَمَا دُوْنَهُمَا	(اس مسئلہ میں) قلیل اور کثیر پانی کے درمیان اور دو مٹکوں سے زیادہ یا کم پانی کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ ❶

(۱) [السيل الجرار (٥٦/١)]
(۲) [بداية المجتهد (٥٤/١)]
(۳) [المغني (٢٥/١) السيل الجرار (٥٦/١)]
(٤) [مسلم (٩٣٩) كتاب الجنائز: باب في غسل الميت' بخاري مع الفتح (١٢٥/٣) مؤطا (٢٢٢/١) مسند شافعي (٢٠٣/١) أحمد (٤٠٧/٦) أبو داود (٣١٤٢) ترمذي (٩٩٠) نسائي (٢٨/٤) ابن ماجة (١٤٥٨)]
(٥) [صحيح : صحيح ابن ماجة (٣٠٣) كتاب الطهارة وسننها : باب الرجل والمرأة يغتسلان من إناء واحد' ابن ماجة (٣٧٨) نسائي (١٣١/١) أحمد (٣٤٢/٦) إرواء الغليل (٦٤/١) المشكاة (٤٨٥)]
(٦) [فقه السنة (١٤/١) السيل الجرار (٥٦/١)]

❶ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت حسن بصری، حضرت سعید بن مسیب، امام عکرمہ، امام ابن ابی لیلیٰ، امام ثوری، امام داود ظاہری، امام نخعی، امام جابر بن زید، امام مالک، امام غزالی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، امام ابن قیم اور شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہم اللہ اجمعین کا یہی موقف ہے۔

لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، امام مجاہد، امام شافعی، امام احمد، احناف اور امام اسحاق رحمہم اللہ اجمعین قلیل اور کثیر پانی کے درمیان فرق و امتیاز کے قائل ہیں۔ (یعنی اگر پانی کثیر ہوگا تو اوصاف ثلاثہ میں سے کسی ایک کے بدل جانے پر اس کے نجس ہونے کا حکم لگانے والا اصول و قانون کارفرما ہوگا لیکن اگر پانی قلیل ہوگا تو مجرد نجاست گرنے سے ہی نجس ہو جائے گا اگرچہ اوصاف ثلاثہ میں سے کوئی ایک بھی وصف تبدیل ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔)(۱)

انہوں نے مندرجہ ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے:

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ [المدثر:٥] ''اور پلیدگی و گندگی سے بچو۔''

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو اپنا ہاتھ تین مرتبہ دھونے سے پہلے پانی کے برتن میں نہ ڈالے کیونکہ اسے معلوم نہیں رات بھر اس کا ہاتھ کہاں کہاں گردش کرتا رہا۔''(۲)

(3) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم میں سے کسی کے برتن میں جب کتا منہ ڈال جائے تو اسے (یعنی اس کے پانی کو) بہا دینا چاہیے پھر اسے سات مرتبہ دھونا چاہیے۔''(۳)

(4) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم میں سے کوئی بھی کھڑے پانی میں پیشاب نہ کرے اور پھر اس میں غسل کرے۔''(٤)

(5) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب پانی کی مقدار دو بڑے مٹکوں کے برابر ہو تو وہ نجاست کو قبول ہی نہیں کرتا۔(٥)

(6) ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اپنے دل سے پوچھو نیکی وہ ہے جس پر نفس اور دل مطمئن ہو جائے اور

---

(۱) [نیل الأوطار (٦٩/١) السیل الجرار (٥٤/١) التعلیق علی سبل السلام للشیخ عبدالله بسّام (١٨/١) الروضة الندية (٦١/١-٦٣)]

(۲) [مسلم (٢٧٨) كتاب الطهارة : باب كراهة غمس المتوضئ......، مسند أبی عوانة (٢٦٣/١) بيهقی (٤٥/١) مؤطا (٢١/١) أحمد (٤٦٥/٢) بخاری مع الفتح (٣٦٣/١)]

(۳) [مسلم (٢٧٩) كتاب الطهارة : باب حكم ولوغ الكلب، نسائی (١٧٦/١) ابن الجارود (٥١) دار قطنی (٦٤/١) بيهقی (١٨/١) أحمد (٢٥٣/٢) ابن خزيمة (٩٨/١) ابن حبان (١٢٩٦) طبرانی أوسط (٩٣/١)]

(٤) [بخاری (٢٣٩) كتاب الوضوء : باب البول فی الماء الدائم، مسلم (٢٨٢) أبو داود (٦٩) نسائی (٤٩/١) ترمذی (٦٨) شرح معانی الآثار (١٤/١) بيهقی (٢٥٦/١) ابن حبان (١٢٥١) ابن خزيمة (٦٦) مصنف عبدالرزاق (٢٩٩) مسند أبی عوانة (٢٧٦/١) دارمی (١٨٦/١) مصنف ابن أبی شيبة (١٤١/١) أحمد (٤٩٢/٢)]

(٥) [صحيح : صحيح أبو داود (٥٦) كتاب الطهارة : باب ما ينجس الماء، أبو داود (٦٣) ترمذی (٦٧) أحمد (٢٧/٢) نسائی (١٧٥/١) ابن ماجة (٥١٧) ابن خزيمة (٩٢)]

گناہ وہ ہے جو نفس میں کھٹکتا ہے اور سینے میں متردد ہوتا ہے اگر چہ لوگ تمہیں اس کا فتوی دیں یا تم انہیں اسکا فتوی دو۔(۱)

(7) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس کام میں شک ہوا سے چھوڑ کر ایسے کام کو اختیار کرو جس میں شک نہ ہو۔'' (۲)

حقیقت یہ ہے کہ اگر چہ گذشتہ دلائل سے امام احمدؒ اور احناف وغیرہ نے قلیل وکثیر پانی کے درمیان فرق کی کوشش کی ہے لیکن ان میں ان کے مطلوب ومقصود کے لیے کوئی واضح دلالت ورہنمائی موجود نہیں۔(۳)

قلیل وکثیر پانی کی تعیین میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے۔

(شافعیہ، حنابلہ) قلیل وکثیر کے درمیان حد فاصل حدیث قلتین ہے۔(٤)

حدیث قلتین سے مراد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿إذا كان الماء قلتين لم يحمل الخبث﴾ ''جب پانی دو مٹکوں کے برابر ہو تو نجاست کو قبول نہیں کرتا۔'' (٥)

جس روایت میں قلتین کو قبیلہ ھجر کے مٹکوں کے ساتھ مقید کیا گیا ہے وہ ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں مغیرہ بن سقلاب راوی منکر الحدیث ہے۔(٦) بالفرض اگر قبیلہ ھجر کے مٹکوں کے پانی کا حساب لگایا جائے تو دو مٹکوں کے پانی کی مقدار پانچ سو رطل بنتی ہے۔(۷)

علاوہ ازیں اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب پانی قلتین (یعنی دو مٹکوں) تک پہنچ جائے تو نجس نہیں ہوتا اور جب قلتین سے کم ہو تو نجس ہو جاتا ہے۔

(ابو حنیفہؒ) کثیر پانی وہ ہے کہ جس کی ایک طرف کو حرکت دی جائے تو دوسری طرف متحرک نہ ہو۔

(ابو یوسفؒ، محمدؒ) دس ہاتھ چوڑے اور دس ہاتھ لمبے حوض میں موجود پانی کثیر ہے اور جو اس سے کم جگہ میں ہے وہ قلیل ہے۔(۸)

---

(۱) [حسن : صحيح الجامع الصغير (٩٤٨) دارمی (٢٤٦/٢) فيض القدير (٤٩٢/١) التاريخ الكبير للبخاری (١٤٤/١)]

(۲) [صحيح : إرواء الغليل (١٢) ترمذی (٢٥١٩) كتاب صفة القيامة والرقائق والورع : باب منه' نسائی (٣٢٧/٨) أحمد (٢٠٠/١) حاكم (١٣/٢) ابن حبان (٥١٢ـ الموارد) الحلية لأبی نعيم (٢٦٤/٨) شرح السنة للبغوی (٢١٠/٤) عبدالرزاق (١١٧/٣)]

(۳) [الروضة الندية (٦٢/١)]

(٤) [الأم للشافعی (٥٤/١) نيل الأوطار (٧٠/١) سبل السلام (١٨/١)]

(٥) [صحيح : إرواء الغليل (٦٠/١)' (٢٣) ترمذی (٦٧) كتاب الطهارة : باب منه آخر' شرح السنة (٣٦٩/١) ابن الجارود (٤٦) شرح معانی الآثار (١٥/١) مشكل الآثار (٢٦٦/٣) مصنف ابن أبی شيبة (١٤٤/١) بيهقی (٢٦٠/١) دار قطنی (١٣/١ـ٢٣) حاكم (١٣٢/١) ابن خزيمة (٩٢) ابن ماجة (٥١٧) نسائی (١٧٥/١) أحمد (٢٧/٢)]
بعض حضرات نے اس حدیث کی سند اور متن کو مضطرب کہا ہے لیکن یہ حدیث صحیح ہے جیسا کہ شیخ عبدالقادر ارنؤوط' حافظ ابن حجر' امام حاکم' امام ابن مندہ' امام ابن خزیمہ' امام ابن حبان' امام طحاوی' امام نووی اور امام ذہبی رحمہم اللہ اجمعین نے اسے صحیح کہا ہے۔ [تخريج جامع الأصول (٦٥/٧) فتح الباری (٢٧٧/١) التعليقات الرضية على الروضة الندية للألبانی (٩٢/١) البدر المنير (٩١/٢) نصب الراية (١٠٧/١)]

(٦) [تلخيص الحبير (٢٠/١)]

(۷) [سبل السلام (١٣/١)]

(۸) [فتح القدير (٥٥/١) المبسوط (٦١/١) الهداية (١٨/١)]

(بغویؒ) (تالاب کے پانی کو) حرکت دینے والی بات تو انتہائی جہالت پر مبنی ہے کیونکہ حرکت دینے والوں کی حالت قوت وضعف میں مختلف ہوتی ہے۔ (یعنی اگر کوئی کمزور شخص حرکت دے گا تو ممکن ہے کہ دوسرا کنارہ متحرک نہ ہو اور اگر کوئی قوی و طاقتور حرکت دے تو دوسرا کنارہ متحرک ہو جائے گا لہذا یہ قاعدہ ناقابل قبول ہے) اور دہ دردہ والا مسئلہ بھی محض عقلی ہے شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔(۱)

(ابن حزمؒ) حنفیہ کا یہ قول بڑا عجیب ہے کہ پانی کا حوض اتنا بڑا ہو کہ ایک طرف کو حرکت دیں تو دوسری جانب متحرک ہو جائے۔ اے کاش! ہمیں پتہ ہوتا کہ یہ حرکت کیسے دی جائے گی؟ آیا بچے کی انگلی سے؟ کسی تنکے سے' دھاگے سے' تیراک کے تیرنے سے' ہاتھی کے گرنے سے' چھوٹی کنکری سے' منجنیق کے پتھر سے یا حوض کے گر جانے سے۔ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم کو ان غلط فہمیوں سے محفوظ رکھا۔(۲)

(راجح) اس حدیث کو اجماع یعنی ﴿إلا أن تغير ريحه أو طعمه أو لونه﴾ کے ساتھ اُسی طرح مقید کیا جائے گا جیسے حدیث ﴿الماء طهور لا ينجسه شيء﴾ کو اجماع کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔ پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جب پانی دو مٹکوں کے برابر ہو تو نجس نہیں ہوتا لیکن اگر اوصاف ثلثہ میں سے کوئی وصف نجاست گرنے کی وجہ سے متغیر ہو جائے تو بالا جماع نجس ہو جائے گا اور اگر دو مٹکوں سے کم ہو اور کوئی وصف متغیر نہ ہو تو حدیث ﴿لا ينجسه شيء﴾ کی وجہ سے محض نجاست گرنے سے نجس نہیں ہوگا بلکہ اپنی اصل (طہارت) پر باقی رہے گا۔(۳)

علاوہ ازیں حدیث قلتین سے یہ استدلال کرنا کہ دو مٹکوں سے کم پانی مجرد گندگی گرنے سے نجس ہو جاتا ہے مفہوم ہے جو کہ صریح منطوق ﴿إلا أن تغير ريحه أو طعمه أو لونه﴾ کے خلاف ہے اور اصول میں یہ بات مسلم ہے کہ جب مفہوم منطوق کے مخالف ہو تو قابل حجت نہیں ہوتا۔

وَ مُتَحَرِّكٍ وَ سَاكِنٍ	متحرک وساکن (پانی کے درمیان کوئی فرق نہیں)۔ ❶

❶ جمہور علماء اسی کے قائل ہیں۔(٤)

جن علماء نے مندرجہ ذیل حدیث سے استدلال کرتے ہوئے متحرک اور ساکن پانی کے درمیان فرق کیا ہے اور کہا ہے کہ کھڑا پانی مجرد نجاست گرنے سے ہی ناپاک ہو جاتا ہے اگرچہ اس کے اوصاف ثلثہ میں سے کوئی تبدیل ہو یا نہ ہو اور یہ کہ اس حدیث میں منع کا سبب یہ ہے کہ جب کھڑے پانی میں غسل کیا جائے گا تو وہ مستعمل ہو جائے گا اور مستعمل پانی مطہر نہیں ہوتا' ان کی یہ بات درست نہیں بلکہ باطل و بے بنیاد ہے کیونکہ اس کے اثبات میں کوئی شرعی دلیل موجود نہیں۔ لہٰذا پانی اپنی اصل (طہارت) پر ہی باقی رہے گا جب تک کہ اس کے اوصاف ثلثہ میں سے کوئی متغیر نہ ہو جائے اور باقی رہی یہ حدیث تو اس میں صرف کھڑے پانی میں پیشاب یا غسل کی ممانعت ہے اور پیشاب کرنے والے کے لیے اس سے غسل یا وضوء کی ممانعت ہے۔

(۱) [شرح السنة (۲/۵۹۔۶۰) الروضة الندية (۱/٦٤)]
(۲) [المحلى بالآثار (۱/۱۵۰)]
(۳) [نيل الأوطار (۱/۷۰) الروضة الندية (۱/۵۹)]
(٤) [الروضة الندية (۱/٦٦)]

اس کے علاوہ وہ شخص اس پانی سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے اور پیشاب کرنے والے کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے لیے اس سے غسل اور وضو کرنا جائز و مباح ہے۔(۱)

کھڑے پانی سے غسل کا طریقہ یہ ہوگا کہ کسی برتن کے ذریعے پانی باہر نکال کر اس سے غسل کیا جائے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔ ﴿يتناوله تناولاً﴾(۲)

(البانیؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ حدیث میں صرف جنبی کے لیے کھڑے پانی میں غوطہ (لگا کر غسل کرنے) کی ممانعت ہے جبکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ پانی کو باہر نکال کر اس سے طہارت حاصل کرنا درست ہے۔(۳) مطلوبہ احادیث درج ذیل ہیں:

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا يبولن أحدكم في الماء الدائم الذي لا يجري ثم يغتسل فيه﴾ ''تم میں سے کوئی بھی کھڑے پانی میں پیشاب نہ کرے اور پھر اس میں غسل کرے۔''(٤)

(2) جامع ترمذی میں یہ لفظ ہیں ﴿ثم يتوضأ منه﴾ ''پھر اس سے وضو کرے''۔(٥)

(3) سنن ابی داود اور مسند احمد میں ہے ﴿لا يبولن أحدكم في المآء الدائم ولا يغتسل فيه من جنابة﴾ ''تم میں سے کوئی بھی کھڑے پانی میں پیشاب نہ کرے اور نہ ہی اس میں غسل جنابت کرے۔''(٦)

(4) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن النبي ﷺ نهى عن البول في المآء الراكد﴾ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے پانی میں پیشاب سے منع فرمایا ہے۔''(٧)

(5) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں مرفوعاً یہ الفاظ بھی موجود ہیں ﴿لا يغتسل أحدكم في الماء الدائم وهو جنب﴾ ''تم میں سے کوئی بھی حالت جنابت میں کھڑے پانی میں غسل نہ کرے۔''(٨)

(علامہ عینیؒ) فرماتے ہیں کہ یہ حدیث عام ہے اور اسے بالاتفاق خاص کرنا ضروری ہے (یا تو) ایسے وسیع الظرف پانی کے ساتھ جس کے ایک کنارے کو حرکت دینے سے دوسرا کنارہ متحرک نہ ہو یا حدیث قلتین کے ساتھ جیسا کہ امام شافعیؒ اسی کے قائل

---

(۱) [المحلى بالآثار (۱۸٦/۱) الاحكام لابن حزم (۲۱/۱)]

(۲) [مسلم (۲۸۳) كتاب الطهارة : باب النهي عن الاغتسال في المآء الراكد]

(۳) [التعليقات الرضية على الروضة الندية (۹۸/۱)]

(٤) [بخاری (۲۳۹) كتاب الوضوء : باب البول في المآء الدائم]

(٥) [صحيح : صحيح ترمذی (٥٨) كتاب الطهارة : باب ما جاء في كراهية البول في المآء الراكد، ترمذی (٦٨)]

(٦) [حسن : صحيح أبو داود (٦٣) كتاب الطهارة : باب البول في المآء الراكد، أبو داود (٧٠) أحمد (٣١٦/٢)]

(٧) [مسلم (٢٨١) كتاب الطهارة : باب النهي عن البول في المآء الراكد، نسائی (٣٤/١) كتاب الطهارة : باب النهي عن البول في المآء الراكد، ابن ماجة (٣٤٣)]

(٨) [مسلم (٢٨٣) كتاب الطهارة : باب النهي عن الاغتسال في المآء الراكد، نسائی (١٢٤/١) ابن ماجة (٦٠٥) بيهقی (٢٥٦/١) ابن حبان (١٢٥١) ابن خزيمه (٦٦) مصنف عبدالرزاق (٢٩٩) أبو عوانة (٢٧٦/١) مصنف ابن أبي شيبة (١٤١/١) شرح معاني الآثار (١٤/١)]

ہیں یا ایسی عمومات کے ساتھ جو پانی کے اس وقت تک پاک ہونے پر دلالت کرتی ہیں جب تک کہ اس کے اوصاف ثلثہ میں سے کوئی تبدیل نہ ہو جائے جیسا کہ امام مالکؒ کا یہی مؤقف ہے۔(۱)

(شوکانیؒ) اس حدیث میں شارع علیہ السلام کی طرف سے ایسا کوئی بیان نہیں ہے کہ ممانعت کا سبب یہ ہے کہ پانی مستعمل ہو جائے گا اور مستعمل پانی مطہر نہیں ہوتا۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ اس سے جو اخذ کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس میں منع کا سبب (اس میں پیشاب یا غسل کرنے کے ساتھ) اس کے کھڑا رہنے کی وجہ سے اس کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔(۲)

(ابن حزمؒ) ان لوگوں کا یہ کہنا کہ نبی ﷺ نے جنبی کو کھڑے پانی میں داخل ہونے سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ کہیں پانی مستعمل نہ ہو جائے' باطل ہے۔(۳)

(نوویؒ) کھڑے پانی میں داخل ہو کر جنبی شخص کے غسل کرنے سے ممانعت کی حدیث اس عمل کے مکروہ تنزیہی ہونے کی دلیل ہے۔(٤)

○ جاری پانی کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔

(1) جسے عرف میں جاری تسلیم کیا جاتا ہو۔

(2) جس میں خشک تنکے بہ جائیں۔

(3) پانی اس قدر ہو کہ وضو کرنے والے کے دوبارہ چلو بھرنے پر پہلے پانی کے بجائے (چلنے کی وجہ سے) نیا پانی ہاتھ لگے۔(٥)

(راجح) پہلا قول راجح ہے۔

وَ مُسْتَعْمَلٍ وَ غَيْرِ مُسْتَعْمَلٍ	مستعمل اور غیر مستعمل (پانی میں کوئی فرق نہیں)۔ ❶

❶ مستعمل (استعمال شدہ) پانی طاہر (پاک) ہے اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت عروہ اور حضرت مسور رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ﴿أن النبي ﷺ كان إذا توضأ كادوا يقتتلون على وضوئه﴾ ''نبی ﷺ جب وضوء کرتے تھے تو (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) قریب ہوتے کہ کہیں وہ آپ ﷺ کے وضوء سے (بچے ہوئے) پانی کو لینے میں جھگڑا نہ شروع کر دیں۔''(٦)

(2) حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''اللہ کے رسول ﷺ کے پاس وضوء کا پانی لایا گیا اور آپ ﷺ نے اس سے وضوء کیا تو لوگوں کی یہ حالت تھی کہ وہ آپ ﷺ کے وضوء سے بچے پانی کو حاصل کر کے اسے (اپنے جسموں پر)

(۱) [عمدة القاري (۳/۵۰)]

(۲) [السيل الجرار (۱/۵۷)]

(۳) [المحلى (۱/۱۸٦)]

(٤) [شرح مسلم (۳/۱۸۹)]

(٥) [فتح القدير (۱/۸۳)]

(٦) [بخاري (۱۸۲) كتاب الوضوء : باب استعمال فضل وضوء الناس ' أحمد (٤/۳۲۹ ـ ۳۳۰)]

رگائے تھے۔'' (۱)

(3) جب جابر رضی اللہ عنہ مریض تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وضوء کا پانی ان پر بہایا۔(۲)

مستعمل پانی مطہر (یعنی پاک کرنے والا) بھی ہے۔ اگرچہ اس مسئلے کے اثبات کے لیے علماء کی طرف سے پیش کیے جانے والے مندرجہ ذیل دلائل سے استدلال کرنا تو محل نظر ہے لیکن یہ مسئلہ صحیح ثابت ہے۔

(1) حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ﴿أن النبي ﷺ مسح برأسه من فضل ماء كان في يده﴾ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کا مسح اسی زائد پانی سے کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں موجود تھا۔'' (۳)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیوی نے ایک ٹب میں غسل کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس ٹب سے وضوء یا غسل کرنے کے لیے آئے تو انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! بلاشبہ میں جنبی تھی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إن الماء لا يجنب﴾ ''بے شک پانی ناپاک نہیں ہوتا۔'' (٤)

واضح رہے کہ مستعمل پانی سے مراد فقہاء کے نزدیک ایسا پانی ہے جسے جنابت رفع کرنے کے لیے' یا رفع حدث (یعنی وضوء یا غسل) کے لیے' یا ازالہ نجاست کے لیے' یا تقرب کی نیت سے اجر و ثواب کے کاموں (مثلاً وضوء پر وضوء کرنا یا نماز جنازہ کے لیے' مسجد میں داخلے کے لیے' قرآن پکڑنے کے لیے وضوء کرنا وغیرہ) میں استعمال کیا گیا ہو۔(٥)

مستعمل پانی کے حکم میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے۔

(ابوحنیفہؒ، شافعیؒ) کسی حال میں بھی ایسے پانی کے ذریعے طہارت حاصل کرنا جائز نہیں۔ امام لیثؒ، امام اوزاعیؒ اور امام احمدؒ اور ایک روایت کے مطابق امام مالکؒ سے بھی یہی مذہب منقول ہے۔

(مالکیہ) مستعمل پانی کی موجودگی میں تیمم جائز نہیں۔

(ابو یوسفؒ) مستعمل پانی نجس ہے (یاد رہے کہ یہ اپنے قول میں منفرد ہیں)۔

(اہل ظاہر) مستعمل پانی اور مطلق پانی میں کوئی فرق نہیں (یعنی جیسے مطلق پانی طاہر و مطہر ہے اسی طرح مستعمل پانی بھی طاہر و مطہر ہے) امام حسنؒ امام عطاءؒ امام نخعیؒ امام زہریؒ امام مکحول اور امام احمد رحمہم اللہ اجمعین سے ایک روایت میں یہی مذہب مروی ہے۔(٦)

(راجح) مستعمل پانی طاہر و مطہر ہے جیسا کہ ابتدا میں دلائل ذکر کر دیے گئے ہیں۔

---

(۱) [بخاری (۱۸۱) كتاب الوضوء : باب استعمال فضل وضوء الناس]

(۲) [بخاری (٥٢٤٤) كتاب المرضى : باب وضوء العائد للمريض]

(۳) [**حسن** : صحيح أبو داود (۱۲۰) كتاب الطهارة : باب صفة وضوء النبي ' أبو داود (۱۳۰) ترمذی (۳۳)]

(٤) [**صحيح** : صحيح أبو داود (۱٦) كتاب الطهارة : باب الماء لا يجنب ' أبو داود (٦٨) ابن ماجة (٣٦٤) عارضة الأحوذی (۸۲/۱)]

(٥) [كشاف القناع (۳۱/۱-۳۷) المغني (۱۰/۱) بداية المجتهد (۲٦/۱) بدائع الصنائع (٦٩/۱) الدر المختار (۱۸۲/۱) فتح القدير (٥٨/۱)]

(٦) [المجموع (۱٥۱/۱) المبسوط (٤٦/۱) بدائع الصنائع (٦٦/۱) مختصر الطحاوی (۱٦) المغنی (٤٧/۱) قوانين الأحكام الشرعيه (ص/٤٠) اللباب (٧٦/۱) الأصل (٢٥/۱)]

(شوکانیؒ) مستعمل پانی سے طہارت حاصل کرنا درست ہے۔(۱)

(ابن رشدؒ) مستعمل پانی حکم میں مطلق پانی کی طرح ہی ہے۔(۲)

(صدیق حسن خانؒ) حق بات یہی ہے کہ مجرد استعمال کی وجہ سے پانی پاک کرنے والی صفت سے خارج نہیں ہوتا۔(۳)

(ابن حزمؒ) استعمال شدہ پانی کے ساتھ غسل جنابت اور وضوء جائز ہے قطع نظر اس سے کہ دوسرا پانی موجود ہو یا نہ ہو۔(٤)

استعمال شدہ پانی کو مطہر نہ کہنے والوں کے دلائل اور ان پر حرف تنقید:

(1) رسول اللہ ﷺ نے مرد و عورت کو ایک دوسرے کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرنے سے منع فرمایا ہے لیکن اگر وہ دونوں اکٹھے چلو بھریں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔(۵) اس کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ جواز کی احادیث کے قرینہ کی وجہ سے اس حدیث کی ممانعت کو نہی تنزیہی پر محمول کیا جائے گا۔(٦) جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ اپنی اہلیہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے بچے ہوئے پانی سے غسل کر لیا کرتے تھے۔(۷)

(2) نبی ﷺ نے کھڑے پانی میں پیشاب اور غسل کرنے سے منع فرمایا ہے۔(۸) ان کے نزدیک (مذکورہ حدیث میں) ممانعت کا سبب یہ ہے کہ کہیں پانی مستعمل ہو کر غیر مطہر نہ ہو جائے اس لیے آپ ﷺ نے منع فرما دیا' لیکن اس بات کا کوئی ثبوت موجود نہیں بلکہ منع کا سبب زیادہ سے زیادہ صرف یہی ہے کہ کہیں پانی خراب نہ ہو جائے اور اس کا نفع جاتا رہے اس بات کی تائید حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول سے ہوتی ہے کہ ''وہ شخص اسے (یعنی پانی کو) باہر نکال کر استعمال کرلے۔''(۹)

- امام ابن حزمؒ رقمطراز ہیں کہ ہم نے احناف کے جو اقوال نقل کیے ہیں ان میں سے عجیب ترین قول یہ ہے کہ ایک صاف ستھرے طاہر مسلمان کے وضوء کا مستعمل پانی مردہ چوہے سے زیادہ نجس ہے۔(۱۰)

---

(۱) [نیل الأوطار (۱/۵۸)]

(۲) [بدایة المجتهد (۱/۵۵)]

(۳) [الروضة الندیة (۱/٦۸)]

(٤) [المحلی بالآثار (۱/۱۸۲)]

(۵) [**صحیح** : صحیح ابن ماجة (۳۰۰) کتاب الطهارة و سننها : باب النهي عن ذلك' ابن ماجة (۳۷٤) طحاوی (۱/۲٤) دار قطنی (۱/۱۱٦)]

(٦) [سبل السلام (۱/۲٦)]

(۷) [مسلم (۳۲۳) کتاب الحیض : باب القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة..... ' أحمد (۱/۳٦٦) بیهقی (۱/۱۸۸)]

(۸) [بخاری (۲۳۹)]

(۹) [نیل الأوطار (۱/۵۸) السیل الجرار (۱/۵۷) المحلی (۱/۱۸٦)]

(۱۰) [المحلی بالآثار (۱/۱۵۰)]

متفرقات

1- نبیذ کے ساتھ وضو کا حکم

(ابوحنیفہؒ) نبیذ کے ساتھ وضوء کرنا جائز ودرست ہے۔(۱)

ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شب جن (جس رات آپ ﷺ نے جنوں کے ساتھ ملاقات کی) مجھ سے دریافت کیا کہ کیا تمھارے پاس پانی ہے، میں نے عرض کیا میرے پاس پانی نہیں ہے البتہ میرے پاس ایک برتن ہے جس میں نبیذ ہے یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿اصبب فتوضأ به وقال : شراب وطهور﴾ ''اسے انڈیل کر اس کے ساتھ وضوء کرو اور یہ بھی فرمایا یہ پینے کی چیز اور پاک کرنے والا ہے۔''(۲)

(2) اسی معنی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا ﴿تمرة طيبة وماء طهور﴾ ''(یہ تو) عمدہ کھجور اور پاک کرنے والا پانی ہے۔''(۳)

(3) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كان لا يرى باساً بالوضوء من النبيذ﴾ ''وہ نبیذ سے وضوء کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔''(٤)

(4) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿إذا لم يجد أحدكم ماء ووجد النبيذ فليتوضأ به﴾ ''جب تم میں سے کسی کو پانی میسر نہ ہو لیکن اسے نبیذ مل جائے تو وہ اسی کے ساتھ وضوء کرے۔''(٥)

---

(۱) [بداية المجتهد (۶۵/۱)]

(۲) [ضعیف : ضعيف ابن ماجة (۸۵) كتاب الطهارة وسننها : باب الوضوء بالنبيذ ' ابن ماجة (۳۸۵) أحمد (۳۹۸/۱) دار قطني (۷۶/۱۱) المعجم الكبير (۶۵/۱۰)] اس کی سند میں ابن لھیعہ راوی ضعیف ہے۔[الضعفاء والمتروكين (۱۹۲/۱) ميزان الاعتدال (۶۵/۲) المغني (۲۶۶/۱)]

(۳) [ضعیف : ضعيف ابن ماجة (۸٤) أيضا ' ابن ماجة (۳۸٤) أبو داود (۸٤) ترمذي (۸۸) أحمد (٤۰۲/۱) المعجم الكبير (۶۵/۱۰) دار قطني (۷۷/۱)] حافظ ابن حجرؒ رقمطراز ہیں کہ علمائے سلف نے اس حدیث کے ضعیف ہونے پر اتفاق کیا ہے۔[فتح الباري (٤۷۱/۱)] امام طحاویؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث مختلف اسناد سے مروی ہے لیکن کوئی بھی قابل حجت نہیں۔[شرح معاني الآثار (۹٤/۱)] ملا علی قاریؒ نے سید جمال کا قول نقل کیا ہے کہ اس حدیث کے ضعیف ہونے پر محدثین نے اجماع کیا ہے۔[مرقاة المفاتيح (۱۸۲/۲)] امام ابوزرعہؒ کہتے ہیں کہ ابوفزارہ کی نبیذ والی حدیث صحیح نہیں ہے۔[العلل لابن أبي حاتم (۱۷/۱)] نیز اس کی سند میں ابوزید راوی مجہول ہے جیسا کہ امام زیلعیؒ، امام ابن حبانؒ، امام بخاریؒ اور امام ترمذیؒ نے اسے مجہول قرار دیا ہے۔[نصب الراية (۱٤۷/۱) المجروحين لابن حبان (۱۵۸/۳) تحفة الأحوذي (۳۰۷/۱) سنن ترمذي (۸۸)]

(٤) [ضعیف : دار قطني (۷۸/۱)] امام دارقطنیؒ نے اسے دو سندوں سے روایت کیا ہے ایک میں حجاج بن أرطاۃ راوی ضعیف ہے۔[تقريب التهذيب (۱۱۱۹)] اور دوسری سند میں ابولیلیٰ خراسانی راوی مجہول ہے۔[التقريب (۸۳۳۳)]

(٥) [ضعیف : دارقطني (۷۶/۱)] امام دارقطنیؒ بیان کرتے ہیں کہ اس کی سند میں أبان بن أبي عیاش راوی متروک الحدیث ہے اور مجاعہ ضعیف ہے۔

(جمہور، اہلحدیث، شافعیؒ، احمدؒ) نبیذ کے ساتھ وضوء کرنا جائز نہیں۔(۱)

ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) نبیذ پانی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے صرف مطلق پانی کے ساتھ طہارت حاصل کرنے کا حکم دیا ہے اور پانی کے دستیاب نہ ہونے کی صورت میں نبیذ نہیں بلکہ مٹی سے تیمّم کا حکم دیا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے کہ ﴿ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا ﴾ [النساء/ ٤٣] ' [المائدة/٦] اور حدیث میں ہے کہ ''مٹی مومن کا وضوء ہے خواہ دس سال تک اسے پانی میسر نہ آئے مگر جب پانی دستیاب ہو جائے تو پھر اللہ سے ڈرنا چاہیے اور اپنے جسم پر پانی پہنچانا چاہیے۔''(۲)

(2) گذشتہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی روایت جس میں نبیذ سے وضوء کا جواز موجود ہے وہ ضعیف ہے۔

(3) بلکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف حدیث مروی ہے کہ ﴿إنی لم أكن ليلة الجن مع النبي ﷺ ووددت أني كنت معه﴾ ''میں شب جن نبی ﷺ کے ساتھ موجود نہیں تھا حالانکہ میری یہ خواہش تھی کہ میں آپ ﷺ کے ساتھ ہوتا۔''(۳)

(نوویؒ) یہ حدیث سنن ابی داود میں مروی حدیث ''کہ جس میں نبیذ سے وضوء اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا شب جن آپ ﷺ کے ساتھ حاضر ہونا مذکور ہے'' کے بطلان میں واضح (ثبوت) ہے کیونکہ یہ حدیث صحیح ہے اور روایتِ نبیذ محدثین کے اتفاق کے ساتھ ضعیف ہے۔(٤)

4) ابوعبیدہؒ سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کے والد شب جن میں نبی ﷺ کے ساتھ موجود تھے؟ تو انہوں نے کہا ''نہیں۔''(٥)

5) امام ترمذیؒ نے بھی اسی موقف کو ترجیح دی ہے۔(٦)

(راجح) جمہور اہلحدیث کا موقف راجح ہے جیسا کہ گذشتہ بحث اسی کی متقاضی ہے اور اس لیے بھی کہ پانی میں پاک چیز ملنے کی وجہ سے اگر اس پر مائے مطلق (یعنی سادے پانی) کا نام نہ بولا جا سکتا ہو تو وہ پانی طاہر تو ہوتا ہے لیکن مطہر نہیں ہوتا۔(۷)

2- پانی کے متعلق اگر نجس ہونے کا شبہ ہو؟

جس پانی کے متعلق پلید و نجس ہونے کا شبہ ہو اسے ترک کر دینا ہی اَولی و افضل ہے جیسا کہ امام شوکانیؒ نے یہی موقف

---

۱) [بداية المجتهد (٦٦/١)]

۲) [صحيح : إرواء الغليل (١٥٣) أبو داود (٣٣٢) كتاب الطهارة : باب الجنب يتيمم' ترمذی (١٢٤) نسائی (١٧١/١) ابن حبان (١٣١١/٤) دار قطنی (١٨٦/١) بيهقی (٢١٢/١)]

۳) [صحيح : بداية المجتهد (٦٦/١) مسلم (٤٥٠) كتاب الصلاة : باب الجهر بالقراءة من الصبح ...... ' ترمذی (٣٢٥٨) أبو داود (٨٥) أحمد (٤٣٦/١) ابن خزيمة (٨٢)]

٤) [شرح مسلم (٣٠٧/٢)]

٥) [دار قطنی (٧٧/١) كتاب الطهارة : باب الوضوء بالنبيذ ' بيهقی (١٠/١)]

٦) [ترمذی (بعد الحديث/ ٧٧)]

۷) [المجموع (٩٠/١) بداية المجتهد (٥٤/١) المغنی (٢٥/١) السيل الجرار (٥٦/١) المحلی بالآثار (١٩٣/١) فقه السنة (١٤/١)]

اختیار کیا ہے۔(۱)

3- ایسے پانی کا حکم جو کسی جگہ زیادہ دیر ٹھہرنے کی وجہ سے متغیر ہو جائے

ایسا پانی جو نجاست گرنے کی وجہ سے نہیں بلکہ زیادہ دیر ٹھہرنے کی بنا پر متغیر ہو جائے (یعنی اوصاف ثلثہ میں سے کوئی وصف بدل جائے) تو اس کے ساتھ وضوء کرنا درست ہے۔ جمہور کا یہی موقف ہے اور امام ابن منذرؒ نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ علاوہ ازیں نبی ﷺ کے متعلق بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ایسے کنوئیں سے وضوء کیا جس کا پانی مہندی رنگ کے مشابہ تھا۔ عین ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے اس سے اس لیے وضو کیا ہو کہ اس کا تغیر نجاست کی وجہ سے نہیں تھا۔(۲)

4- سمندر کے پانی سے طہارت حاصل کرنا

سمندر کے پانی کو بطور طہارت (یعنی وضوء یا غسل وغیرہ کے لیے) استعمال کرنا جائز و درست ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے سمندر کے پانی سے وضو کرنے کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿هو الطهور مائه والحل ميتته﴾ ''اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار بھی حلال ہے۔''(۳)

5- جس پانی میں بلی منہ ڈال جائے اس کا حکم

ایسے پانی سے وضو کرنا مباح و درست ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل دلائل اس پر شاہد ہیں:

(1) حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ ان کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے لیے وضوء کا پانی ڈالا۔ (اچانک) ایک بلی آئی اور اس برتن سے پینے لگی۔ اس پر حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے مزید اس برتن کو بلی کے لیے ٹیڑھا کر دیا حتی کہ بلی نے اس سے پی لیا۔ حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس وقت مجھے دیکھ لیا جب میں انہیں دیکھ رہی تھی تو انہوں نے کہا ''اے بھتیجی! کیا تو تعجب کرتی ہے؟ تو میں نے کہا ''ہاں'' پھر انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ﴿إنها ليست بنجس، إنها من الطوافين عليكم﴾ ''یہ نجس و پلید نہیں ہے یہ تو تم پر پھرنے والی ہے۔''(٤)

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿وقد رأيت رسول الله ﷺ يتوضأ بفضلها﴾ ''بے شک میں نے اللہ کے

---

(۱) [السيل الجرار (۵۸/۱)]

(۲) [المغني لابن قدامة (۲٤/۱)]

(۳) [**صحيح** : صحيح أبو داود (۷٦) كتاب الطهارة : باب الوضوء بماء البحر، أبو داود (۸۳) ترمذي (٦۹) مؤطا (۲۲/۱) ابن ماجة (۳۸٦) ابن خزيمة (۱۱۱) أحمد (۳٦۱/۲) ابن حبان (۱۱۹ - الموارد) ابن الجارود (ص/۲۵) دار قطني (۳٦/۱) دارمي (۱۸٦/۱) ابن أبي شيبة (۱۳۱/۱۰) مسند شافعي (۱٦/۱) حاكم (۱٤۰/۱) بيهقي (۳/۱) معرفة السنن والآثار (۱۵۰/۱)]

(٤) [**حسن** : صحيح أبو داود (٦۸) كتاب الطهارة : باب سؤر الهرة، أبو داود (۸۵) ترمذي (۹۲) ابن ماجة (۳٦۷) نسائي (۵۵/۱) مؤطا (۲۳/۱) مسند شافعي (۳۹) أحمد (۳۰۳/۵) ابن خزيمة (۱۰٤) دار قطني (۷۰/۱) حاكم (۱٦۰/۱) بيهقي (۲٤۰/۱) عبدالرزاق (۳۵۳) ابن أبي شيبة (۳۱/۱) شرح السنة (۳۷٦/۱) شرح معاني الآثار (۱۸/۱) مشكل الآثار (۲۷۰/۳)]

رسول ﷺ کو دیکھا کہ آپ اس کے (یعنی بلی کے) بچے ہوئے پانی سے وضوء کر لیتے تھے۔'' (۱)

(شافعیؒ، احمدؒ، مالکؒ) بلی کا جوٹھا پانی پاک ہے۔ امام لیث' امام ثوری' امام اوزاعی' امام اسحاق' امام ابو ثور' امام ابو عبید' امام علقمہ' امام ابراہیم' امام عطاء' امام حسن' امام ابن عبد البر اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ اجمعین کا بھی یہی موقف ہے۔

(ابو حنیفہؒ) بلی کا جوٹھا درندے کے جوٹھے کی طرح نجس ہے لیکن اس میں کچھ تخفیف کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ بلی کا بچا ہوا کراہت کے ساتھ پاک ہے۔ (۲) ان کی دلیل یہ حدیث ہے ﴿السنور سبع﴾ ''بلی درندہ ہے۔'' (۳)

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے:

(1) گذشتہ صحیح حدیث سے اس کی تخصیص ہو جاتی ہے۔

(2) درندگی نجاست کو مستلزم نہیں یعنی یہ ضروری نہیں کہ جو درندہ ہو وہ نجس بھی ہو۔ (٤)

(راجح) ائمہ ثلاثہ کا موقف برحق ہے۔ (٥)

6- ایک من گھڑت روایت

جس روایت میں مذکور ہے ﴿حب الهرة من الإيمان﴾ ''بلی سے محبت کرنا ایمان سے ہے۔'' وہ موضوع و من گھڑت ہے۔ (٦)

7- برف وغیرہ سے پگھلے ہوئے پانی کا حکم

برف اور اولوں سے پگھلا ہوا پانی پاک ہے (اور پاک کرنے والا بھی ہے)۔ (۷) جیسا کہ نبی ﷺ نے دعا فرمائی کہ ﴿اللهم طهرني بالماء والثلج والبرد﴾ ''اے اللہ تعالیٰ! مجھے پانی' برف اور اولے کے ساتھ پاک کر دے۔'' (۸)

8- ایسے پانی کا حکم جس میں حشرات اور کیڑے مکوڑے گر جائیں

مکھی' بچھو یا خنفس (گبریلا) وغیرہ جیسے جانور کہ جن کا خون بہنے والا نہیں ہوتا اگر پانی میں مر جائیں تو پانی کو نجس نہیں کرتے۔ امام ابن منذرؒ بیان کرتے ہیں کہ مجھے اس مسئلہ میں کسی اختلاف کا علم نہیں بجز امام شافعیؒ کے دو اقوال میں سے ایک کے۔ وہ یہ ہے کہ قلیل پانی نجس ہو جاتا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ نجس نہیں ہوتا اور یہی بات زیادہ صحیح و درست ہے۔ (۹)

---

(۱) [**صحيح** : صحيح أبو داود (٦٩) كتاب الطهارة : باب سور الهرة ' أبو داود (٧٦) طبراني أوسط (٣٦/١) دار قطني (٧٠/١) مشكل الآثار (٢٧٠/٣) بيهقي (٢٤٦/١)]

(۲) [المجموع (٢٢٤/١) المبسوط (٣٨/١)]

(۳) [أحمد (٣٢٧/٢) دار قطني (٦٣/١) حاكم (١٨٣/١)]

(٤) [نيل الأوطار (٧٩/١)]

(٥) [تحفة الأحوذي (٣٢٦/١)]

(٦) [تحفة الأحوذي (٣٢٧/١) مرقاة المفاتيح (١٨٨/٢) كشف الخفاء (٤١٥/١)]

(٧) [المغني (٣٠/١)]

(٨) [بخاري (١٠٠) كتاب الآذان : باب ما يقول بعد التكبير ' مسلم (٢٠٧٨) أبو داود (١٨٠) عارضة الأحوذي (٢٩/١٣) نسائي (٢٣٠ ' ٢٣٤) ابن ماجة (١٢٦٢) دارمي (٢٨٣/١) أحمد (٢٣١/٢)]

(٩) [المغني (٥٩/١) بدائع الصنائع (٢٦/١) المبسوط (٥١/١) المحلى (١٤٨/١) الإفصاح (٧٣/١)]

باب النجاسات ❶ نجاستوں کا بیان

پہلی فصل

نجاستوں کے احکام

وَالنَّجَاسَاتُ هِيَ غَائِطُ الْإِنْسَانِ مُطْلَقًا وَ بَوْلُهُ	اور نجاستیں یہ ہیں: مطلق طور پر انسان کا پیشاب اور پاخانہ۔ ❷

❶ **لغوی وضاحت:** یہ لفظ نجاست کی جمع ہے جس کا معنی پلیدگی وگندگی ہے۔ باب نَجَسَ، تَنَجَّسَ (سمع، تفعل) ''ناپاک ہونا'' اور باب نَجَّسَ، أَنْجَسَ (تفعیل، إفعال) ''ناپاک کرنا'' کے معنی میں مستعمل ہے۔(۱)

اصطلاحی تعریف: ہر ایسی چیز نجاست ہے جسے عمدہ طبیعتوں کے حامل افراد برا گردانتے ہیں اور اس سے حتی الوسع اجتناب کی کوشش کرتے ہیں اور اگر کپڑوں کو لگ جائے تو انہیں دھوتے ہیں اور ہر وہ چیز جو پاک نہیں ہوتی مثلاً پاخانہ و پیشاب وغیرہ۔(۲)

براءت اصلیہ (یعنی ہر نفع بخش چیز میں اصل اباحت ہے اور ہر ضرر رساں چیز میں اصل حرمت ہے) اور طہارت کی مضبوطی کو اپنانے کا حق یہ ہے کہ جو شخص کسی بھی چیز کے نجس ہونے کا گمان کرے اس سے دلیل طلب کی جائے۔ اگر تو وہ اسے قائم کر دے جیسا کہ انسان کے پیشاب و پاخانے اور گوبر وغیرہ میں ہے تو ٹھیک ورنہ اگر وہ اس سے عاجز ہو یا کوئی ایسی دلیل پیش کرے جو قابل احتجاج نہ ہو تو ہم پر واجب ہے کہ اصل اور براءت کے مقتضی (اباحت وطہارت) پر ہی توقف کریں۔(۳)

❷ (1) اس پر امت کا اجماع ہے۔(٤)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا وطئ أحدكم بنعله الأذى فان التراب له طهور﴾ ''جب تم میں سے کوئی (چلتے ہوئے) اپنی جوتی کو گندگی لگا دے تو مٹی اسے پاک کر دیتی ہے۔''

ایک روایت میں یہ الفاظ مرفوعا مروی ہیں ﴿إذا وطئ الأذى بخفيه فطهورهما التراب﴾ ''جب کوئی اپنے موزوں کو گندگی لگا دے تو انہیں پاک کرنے والی مٹی ہے۔''(٥)

(3) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں پیشاب کرنے والے دیہاتی کے پیشاب پر پانی کا ڈول بہا دینے کا حکم دیا۔(٦)

---

(۱) [القاموس المحيط (ص/٥١٩) المعجم الوسيط (ص/٩٠٣) الصحاح (٩٨١/٣) معجم مقاييس اللغة (٣٩٣/٥)]

(۲) [الروضة الندية (٦٩/١) الحدود (ص/٢٢) المصباح المنير (٩١٦/٢)]

(۳) [السيل الجرار (٣١/١)]

(٤) [بداية المجتهد (٧٣/١) المغني (٥٢/١) فتح القدير (١٣٥/١) كشاف القناع (٢١٣/١) مغني المحتاج (٧٧/١) اللباب (٥٥/١) الشرح الصغير (٤٩/١)]

(٥) [**صحيح**: صحيح أبو داود (٣٧١، ٣٧٢) كتاب الطهارة: باب في الأذى يصيب النعل، بيهقى (٤٣٠/٢) ابن حبان (ص/٨٥- الموارد) حاكم (١٦٦/١) ابن خزيمة (١٤٨/١) شرح معاني الآثار (٥١١/١) أبو داود (٣٨٥، ٣٨٦)]

(٦) [بخارى (٢٢١) كتاب الوضوء: باب صب الماء على البول في المسجد، مسلم (٢٨٤) ترمذى (١٤٨) نسائى (١٧٥/١) ابن ماجة (٥٢٨) شرح معاني الآثار (١٣/١) أبو عوانة (٢١٣/١) عبدالرزاق (١٦٦٠) بيهقى (٣٢٧/٢) أحمد (١١٠/٣) دارمى (١٨٩/١)]

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ انسان کا پیشاب نجس ہے اور یہ متفق علیہ مسئلہ ہے۔(۱)

إِلَّا الذَّكَرَ الرَّضِيعَ	مگر دودھ پیتے بچے کا پیشاب (نجس نہیں)۔ ❶

❶ جیسا کہ دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت ابو السمح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿يغسل من بول الجارية و يرش من بول الغلام﴾ ''لڑکے کے پیشاب سے آلودہ کپڑا دھویا جائے گا اور لڑکی کے پیشاب سے آلودہ کپڑے پر پانی کے چھینٹے مارے جائیں گے۔''(۲)

(2) اس معنی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوع روایت مروی ہے ﴿بول الغلام الرضيع ينضح و بول الجارية يغسل﴾(۳)

(3) حضرت ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ اپنے چھوٹے بچے کو لے کر' جو کہ ابھی کھانا نہیں کھاتا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں۔ اس بچے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے پر پیشاب کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا اور ﴿فنضحه ولم يغسله﴾ اس کپڑے پر پانی کے چھینٹے مارے اور اسے دھویا نہیں۔''(٤)

(4) حضرت ام فضل رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پیشاب کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دھویا نہیں (بلکہ چھینٹے مارنے پر ہی اکتفاء کیا)۔(٥)

(5) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بچہ لایا گیا' اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیشاب کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوا کر اس پر پھینک دیا ﴿ولم يغسله﴾ ''اور اسے دھویا نہیں۔''(٦)

اس مسئلہ میں علماء نے تین مذاہب اختیار کیے ہیں۔

---

(۱) [نيل الأوطار (۸۸/۱)]

(۲) [صحيح : صحيح أبو داود (۳٦۲) كتاب الطهارة : باب بول الصبي يصيب الثوب ' أبو داود (۳۷٦) نسائی (۱۵۸/۱) ابن ماجة (۵٦٦) ابن خزيمة (۲۸۳) بيهقی (٤۱۵/۲) دار قطنی (۱۳۰/۱) حاكم (۱٦٦/۱)]

(۳) [صحيح : صحيح أبو داود (۳٦٤) كتاب الطهارة : باب بول الصبي يصيب الثوب' أبو داود (۳۷۸) ترمذی (٦۱۰) ابن ماجة (۵۲۵) أحمد (۷٦/۱) شرح معاني الآثار (۹۲/۱) دار قطنی (۱۲۹/۱) حاكم (۱٦۰/۱) بيهقی (٤۱۵/۲) ابن خزيمة (۲۸٤) ابن حبان (۲٤۷)]

(٤) [بخاری (۲۲۳) كتاب الوضوء : باب بول الصبيان ' مسلم (۲۸۷) أحمد (۳۵۵/٦) أبو داود (۳۷٤) ترمذی (۷۱) نسائی (۱۵۷/۱) ابن ماجة (۵۲٤) حميدی (۳٤۳) ابن الجارود (۱۳۹) أبو عوانة (۲۰۲/۱) ابن خزيمة (۱٤٤/۱) شرح معاني الآثار (۹۲/۱) بيهقی (٤۱٤/۲) شرح السنة (۳۸٤/۱)]

(٥) [صحيح : صحيح أبو داود (۳٦۱) كتاب الطهارة : باب بول الصبي يصيب الثوب' أبو داود (۳۷۵) ابن ماجة (۵۲۲) شرح معاني الآثار (۹۲/۱) حاكم (۱٦٦/۱) بيهقی (٤۱٤/۲) ابن خزيمة (۲۸۲) شرح السنة (۳۸۵/۱) طبرانی كبير (۵/۳)]

(٦) [مسلم (۲۸٦) كتاب الطهارة : باب حكم بول الطفل الرضيع و كيفية غسله ' بخاری (۲۲۲) ابن ماجة (۵۲۳) أحمد (۵۲/٦)]

(1) (علیؓ، احمدؒ، اسحاقؒ، زہریؒ) ان کا موقف حدیث کے ظاہری مفہوم کے مطابق ہی ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا' امام ثوری' امام نخعی' امام داود' امام عطاء' امام ابن وہب' امام حسن اور امام مالک رحمہم اللہ اجمعین سے ایک روایت میں یہی مذہب منقول ہے)۔(۱)

(2) (اوزاعیؒ) لڑکا اور لڑکی دونوں کے پیشاب میں صرف چھینٹے مارنا ہی کافی ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ سے بھی اسی طرح کی ایک روایت منقول ہے۔(۲)

(3) (حنفیہ، مالکیہ) دونوں کے پیشاب کو دھونا ضروری ہے۔(۳)

(راجح) پہلا موقف راجح ہے۔ تیسرے مذہب والوں نے اُن احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں بالعموم پیشاب کے نجس ہونے کا ذکر ہے۔ حالانکہ ''مطلق کو مقید پر محمول کرنا واجب ہے'' اور اسی طرح ''عام کو خاص پر محمول کرنا بھی واجب ہے۔'' علاوہ ازیں لڑکی کے پیشاب پر (لڑکے کے پیشاب کو) قیاس کرنا بھی فاسد ہے کیونکہ یہ واضح نص کے خلاف ہے نیز گذشتہ صریح احادیث آخری دونوں مذاہب کو رد کرتی ہیں۔(٤)

(ابن حزمؒ) اپنے قول میں منفرد ہیں کہ مذکر خواہ کوئی بھی ہو (یعنی اگرچہ جوان بھی ہو) اس کے پیشاب پر صرف چھینٹے ہی مارے جائیں گے۔ (حالانکہ حدیث میں صرف دودھ پینے والے بچے کا ہی ذکر ہے)۔(٥)

9- ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب پاک ہے

اگرچہ راجح بات یہی ہے لیکن اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف بہر حال موجود ہے۔

(مالکیہ، حنابلہ) ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب پاک ہے۔ امام نخعی' امام اوزاعی' امام زہری' امام محمد' امام زفر' امام ابن خزیمہ' امام ابن منذر اور امام ابن حبان رحمہم اللہ اجمعین کا بھی یہی موقف ہے۔(٦)

ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرنیین کو اونٹوں کا دودھ اور پیشاب (بطور دواء) پینے کا حکم دیا۔(۷)

---

(۱) [شرح زرقانی علی مؤطا (۱۲۹/۱) الکافی (۹۱/۱) قوانین الأحکام الشرعیة (ص/٤٧) مغنی المحتاج (٨٤/١) کشاف القناع (٢١٧/١) المهذب (٤٩/١)]

(۲) [المجموع (٥٤٨/٢) مغنی المحتاج (٨٤/١) شرح زرقانی علی مؤطا (١٢٩/١)]

(۳) [روضة الطالبین (١٤١/١) شرح المهذب (٦٠٩/٢) بدایة المجتهد (٧٧/١) فتح القدیر (١٤٠/١) الدر المختار (٢٩٣/١)]

(٤) [نیل الأوطار (٩٦/١) تلخیص الحبیر (٣٧/١) فتح الباری (٣٩٠/١) عون المعبود (٣٣/٢) قفو الأثر (٦٢/١) الفقه الإسلامی وأدلته (٣١١/١) سبل السلام (٦٩/١)]

(٥) [نیل الأوطار (٩٥/١) الروضة الندیة (٧٦/١)]

(٦) [المغنی (٤٩٠/٢) القوانین الفقهیة (ص/٣٣) کشاف القناع (٢٢٠/١) الشرح الصغیر (٤٧/١)]

(٧) [بخاری (٢٣٣) کتاب الوضوء : باب أبوال الإبل والدواب والغنم' مسلم (١٦٧١) أبو داود (٤٣٦٤) نسائی (١٦٠/١) ترمذی (٧٢) ابن ماجة (٢٥٧٨) ابن أبی شیبة (٧٥/٧) أحمد (١٠٧/٣) ابن حبان (١٣٨٦) دار قطنی (١٣١/١) بیهقی (٤/١٠)]

(2) نبی ﷺ نے بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے (درآں حالیکہ وہاں کی اکثر جگہ کا ان کے پیشاب و پاخانہ سے آلودہ ہونا لازمی امر ہے)۔(۱)

(3) حرام اشیاء میں شفا نہیں ہے جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ﴿إن الله لم يجعل شفائكم فيما حرم عليكم﴾ ''بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری شفا ان اشیاء میں نہیں رکھی جنہیں تم پر حرام کیا ہے۔''(۲)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿نهى رسول الله ﷺ عن كل دواء خبيث﴾ ''اللہ کے رسول ﷺ نے ہر خبیث دوا (کے استعمال) سے منع فرمایا ہے۔''(۲)

عرنیین نے نبی ﷺ کے حکم سے اونٹوں کا پیشاب بطور دوا استعمال کیا اور انہیں شفا ہوئی جو کہ اس کی حلت وطہارت کا منہ بولتا ثبوت ہے کیونکہ حرام میں شفا نہیں ہے۔

(شافعیہ، حنفیہ) پیشاب حیوان کا ہو یا انسان کا مطلق طور پر نجس و پلید ہے۔(۳)

(ابن حجرؒ) انہوں نے جمہور سے بھی یہی قول نقل کیا ہے۔(٤)

ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ان دونوں قبروں میں عذاب ہو رہا ہے...... ان میں سے ایک شخص کو اس لیے عذاب ہو رہا ہے کہ ﴿فكان لا يستتر من البول﴾ ''وہ پیشاب (کے چھینٹوں) سے اجتناب نہیں کرتا تھا۔''(٥)

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ اس حدیث میں مذکور پیشاب سے مراد صرف انسان کا پیشاب ہے نہ کہ تمام حیوانات کا بھی جیسا کہ امام بخاریؒ رقمطراز ہیں کہ ''نبی ﷺ نے صاحب قبر کے متعلق کہا تھا کہ ''وہ اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔'' اور آپ ﷺ نے انسانوں کے پیشاب کے علاوہ کسی چیز کا ذکر نہیں کیا۔(٦)

(راجح) حنابلہ و مالکیہ کا موقف راجح ہے کیونکہ ہر چیز میں اصل طہارت ہے جب تک کہ شرعی دلیل کے ذریعے کسی چیز کا نجس ہونا ثابت نہ ہو جائے۔(۷)

---

(۱) [**صحيح** : ترمذی (۳۱۷) كتاب الصلاة : باب ما جآء في الصلاة في مرابض الغنم ......' مسلم (۸۱۷)]

(۲) [بخاری (قبل الحديث / ٥٦١٤) كتاب الأشربة : باب شراب الحلوا، والعسل]

(۲) [**صحيح** : صحيح أبو داود (۳۲۷۸) كتاب الطب : باب الأدوية المكروهة ' أبو داود (۳۸۷۰) ترمذی (۲۰٤۰) ابن ماجة (۳٤٥۹) أحمد (۳۰٥/۲)]

(۳) [فتح القدير (۱٤۲/۱) الدر المختار (۲۹٥/۱) مراقى الفلاح (ص/۲٥) مغنى المحتاج (۷۹/۱) المبسوط (٥٤/۱) الهداية (۳٦/۱)]

(٤) [فتح البارى (۲۹۱/۱)]

(٥) [بخارى (۲۱٦ ' ۲۱۸) كتاب الوضوء : باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله ' مسلم (۲۹۲) أبو داود (۲۰) ترمذی (۷۰) نسائی (۲۸/۱) ابن ماجة (۳٤۷) بيهقى (۱۰٤/۱) ابن خزيمة (٥٦) ابن حبان (۳۱۱۸) ابن الجارود (۱۳۰)]

(٦) [بخاری (قبل الحديث / ۲۱۷) كتاب الوضوء : باب ما جآء في غسل البول]

(۷) [نيل الأوطار (۱۰۰/۱) الروضة الندية (۷۳/۱) فتح البارى (۳۸٤/۱)]

10- تمام غیر ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب کو نجس قرار دینا درست نہیں

(1) کیونکہ اس کی کوئی واضح دلیل موجود نہیں۔

(2) اور جو روایت اس ضمن میں پیش کی جاتی ہے ﴿لا بأس ببول ما أكل لحمه﴾ "ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب میں کوئی حرج نہیں ہے۔" وہ ضعیف و ناقابل حجت ہے کیونکہ اس کی سند میں سوار بن مصعب راوی ضعیف ہے جیسا کہ امام بخاریؒ نے اسے منکر الحدیث اور امام نسائیؒ نے اسے متروک قرار دیا ہے۔(۱)

لہٰذا راجح بات یہی ہے کہ یقینی طور پر صرف انسان کے بول و براز کی نجاست پر ہی اکتفا کیا جائے علاوہ ازیں بقیہ حیوانات میں سے جس کے بول و براز کے متعلق طہارت یا نجاست کا حکم صریح نص سے ثابت ہو جائے اسے اسی حکم کے ساتھ ملحق کر دیا جائے اور اگر ایسی کوئی دلیل نہ ملے تو اصل (طہارت) کی طرف رجوع کرنا ہی زیادہ درست اور قرین قیاس ہے۔(۲)

وَ لُعَابُ كَلْبٍ	اور کتے کا لعاب دہن (نجس ہے)۔ ❶

❶ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا ولغ الكلب في إناء أحدكم فليرقه ثم ليغسله سبع مرات أولاهن بالتراب﴾ "جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا منہ ڈال جائے تو اسے (یعنی پانی کو) بہا دینا چاہیے اور برتن کو سات مرتبہ دھونا چاہیے البتہ پہلی مرتبہ مٹی کے ساتھ دھویا جائے۔" اور جامع ترمذی میں یہ لفظ ہیں ﴿أخراهن أو أولاهن﴾ "آخری مرتبہ یا پہلی مرتبہ (مٹی کے ساتھ دھویا جائے)۔"(۳)

کتا بذات خود اور اس کا لعاب دہن نجس ہے یا نہیں اس میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے۔

(شافعیہ، حنابلہ) کتا اور اس سے خارج ہونے والی ہر چیز مثلاً اس کا لعاب اور پسینہ وغیرہ سب نجس ہے۔ (ان کی دلیل گذشتہ حدیث ہے)۔(٤)

(مالکیہ) نہ تو کتا بذات خود نجس ہے اور نہ ہی اس کا لعاب۔ اور جس برتن میں کتا منہ ڈال جائے اسے دھونے کا حکم تعبدی ہے نہ کہ نجاست کی وجہ سے۔(٥)

(احناف) صرف کتے کا منہ، اس کا لعاب اور اس کا پاخانہ وغیرہ نجس ہے، کتا بذات خود نجس نہیں کیونکہ اس سے پہرے اور

---

(۱) [ضعیف : دار قطنی (۱۲۸/۱) میزان الاعتدال (۲٤٦/۲)] امام ابن حزمؒ رقمطراز ہیں کہ یہ خبر باطل و موضوع ہے۔ [المحلی بالآثار (۱۸۰/۱)]

(۲) [نيل الأوطار (۱۰۱/۱) السيل الجرار (۳۱/۱) الروضة الندية (۷٤/۱)]

(۳) [بخاری (۱۷۲) كتاب الوضوء : باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان ......، مسلم (۲۷۹) نسائی (٦۳) شرح السنة (۳۷۸/۱) أحمد (٤۲۷/۲) أبو داود (۷۱) ترمذی (۹۱) شرح معانی الآثار (۲۱/۱) دار قطنی (٦٤/۱) بيهقی (۲٤۰/۱) عبدالرزاق (۳۳۰) ابن أبی شيبة (۱۷۳/۱) ابن خزيمة (۹۰) ابن حبان (۱۲۹۷) مؤطا (۳٤/۱)]

(٤) [المغنی (٥۲/۱) مغنی المحتاج (۷۸/۱) كشاف القناع (۲۰۸/۱)]

(٥) [المنتقی للباجی (۷۳/۱) الشرح الصغير (٤۳/۱) الشرح الكبير (۸۳/۱)]

شکار کا کام لیا جاتا ہے۔(۱)

(جمہور فقہاء) کتے کا لعاب گذشتہ حدیث کی بنا پر نجس ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس کا منہ بھی نجس ہے کیونکہ لعاب منہ کا ایک جز ہے اور جب جسم کا سب سے اشرف جز (منہ) نجس ہے تو بقیہ جسم کا نجس ہونا تو بالأ ولی ضروری ہے۔(۲)

(ابن تیمیہؒ) کتے کا لعاب نص کی وجہ سے نجس ہے اور اس کے بقیہ تمام اجزا قیاس کی وجہ سے نجس ہیں البتہ اس کے بال پاک ہیں۔(۳)

(شوکانیؒ) حدیث کی وجہ سے صرف کتے کا لعاب نجس ہے۔ علاوہ ازیں اس کی بقیہ مکمل ذات (یعنی گوشت' ہڈیاں' خون' بال اور پسینہ وغیرہ) پاک ہے کیونکہ اصل طہارت ہے اور اس کی ذات کی نجاست کے متعلق کوئی دلیل موجود نہیں۔(۴)

(راجح) امام شوکانیؒ کا موقف راجح معلوم ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)

○ جس برتن میں کتا منہ ڈال جائے اسے سات مرتبہ دھونا واجب ہے جیسا کہ گذشتہ حدیث میں آپ ﷺ کا یہ حکم موجود ہے۔

(احمدؒ، شافعیؒ، مالکؒ) اسی کے قائل ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ' حضرت عروہ رضی اللہ عنہ' امام ابن سیرینؒ' امام طاوسؒ' امام عمرو بن دینارؒ' امام اوزاعیؒ' امام اسحاقؒ' امام ابو ثورؒ' امام ابو عبیدؒ' امام داود وغیرہ رحمہم اللہ اجمعین سب کا اسی طرف میلان و رجحان ہے۔

(احناف) سات مرتبہ دھونا مستحب ہے اور اگر تین مرتبہ ہی دھولیا جائے تو کافی ہے۔(۵)

(1) ان کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے ﴿ثم اغسله ثلاث مرات﴾ ''پھر برتن کو تین مرتبہ دھولو۔''(۶)

یعنی راوی حدیث کا عمل اپنی ہی روایت کردہ مرفوع حدیث کے مخالف ہے لہٰذا اس پر عمل کرنا واجب نہیں۔

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان کے مقابلے میں کسی کی بات قبول نہیں کی جائے گی نیز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سات مرتبہ دھونے کا فتویٰ بھی منقول ہے۔(۷)

(2) احناف کا مستدل یہ بھی ہے کہ پاخانہ کتے کے جوٹھے سے زیادہ نجس ہے لیکن جب اُسے سات مرتبہ دھونے کی قید نہیں لگائی گئی تو اِس میں بالاولی ضروری نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس صریح نص کے مقابلے میں ہے لہٰذا اس کا اعتبار فاسد ہے۔(۸)

(علامہ عینیؒ) انہوں نے بھی اس قیاس کو فاسد قرار دیا ہے۔(۹)

---

(۱) [فتح القدير (٦٤/١) رد المحتار لابن عابدين (١٩٢/١) بدائع الصنائع (٦٣/١)]

(۲) [المجموع للنووی (٥٦٧/٢) الروض النضير (٢٤٤/١)]

(۳) [مجموع الفتاوی (٢١٦/٢١ ـ ٢٢٠)]

(٤) [المنتقى للباجی (٧٣/١) السيل الجرار (٣٧/١)]

(٥) [المغنی (٥٢/١) كشاف القناع (٢٠٨/١) المجموع (١٨٨/١) بداية المجتهد (٨٣/١) بدائع الصنائع (٨٧/١) الدر المختار (٣٠٣/١)]

(٦) [دار قطنی (٨٣/١) كتاب الطهارة : باب ولوغ الكلب فی الإناء]

(٧) [نيل الأوطار (٧٦/١) سبل السلام (٢٨/١)]

(٨) [فتح الباری (٣٧١/١) تحفة الأحوذی (٣١٧/١)]

(٩) [عمدة القاری (٣٤٠/٢)]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ برتن کو سات مرتبہ دھونا ہی واجب ہے جیسا کہ ابتدا میں حدیث بیان کر دی گئی ہے۔

وَ رَوْثٌ وَ دَمُ حَيْضٍ	گوبر ❶ اور حیض کا خون ❷ (نجس ہے)۔

❶ جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے چلے تو مجھے حکم دیا کہ میں ان کے لیے تین پتھر لے کر آؤں۔ مجھے دو پتھر ملے تیسرا نہ مل سکا تو میں (مجبوراً) گوبر کا ایک خشک ٹکڑا لے آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں پتھر لے لیے اور گوبر کے ٹکڑے کو دور پھینک کر فرمایا ﴿إنها ركس﴾ "یہ تو بذات خود نجس و پلید ہے۔"(۱)

(حنابلہ، مالکیہ) جانوروں کا گوبر اور پیشاب ان کے گوشت کے تابع ہے۔ یعنی جن کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا پیشاب و گوبر پاک ہے اور جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا ان کا پیشاب و گوبر نجس ہے۔ (انہوں نے حدیث عرنیین اور بکریوں کے باڑوں میں نماز کی اجازت والی حدیث سے استدلال کیا ہے اور تمام ماکول اللحم جانوروں کو اونٹوں اور بکریوں پر قیاس کیا ہے۔)(۲)

(شافعیہ، حنفیہ) ہر جانور کا گوبر اور پیشاب مطلق طور پر نجس ہے خواہ وہ جانور ماکول اللحم ہو یا غیر ماکول اللحم۔ (انہوں نے گذشتہ حدیث ﴿إنها ركس﴾ اور اونٹوں کے باڑوں میں نماز کی ممانعت والی حدیث سے استدلال کیا ہے اور جانوروں کے گوبر و پیشاب کو انسان کے بول و براز پر قیاس کیا ہے)۔(۳)

(راجح) گذشتہ صحیح حدیث سے صرف گوبر کی نجاست ثابت ہوتی ہے علاوہ ازیں اصل اباحت و طہارت ہے جب تک کہ کسی چیز کی نجاست نص شرعی سے نہ ثابت ہو جائے۔

(شوکانی رحمہ اللہ) اسی کے قائل ہیں۔(۴)

❷ (1) حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑے کو لگ جانے والے حیض کے خون کے متعلق فرمایا ﴿تحته ثم تقرصه بالماء ثم تنضحه ثم تصلي فيه﴾ "پہلے اسے کھرچو پھر پانی کے ساتھ مل کر دھولو پھر اس میں پانی بہا کر اس میں نماز پڑھ لو۔"(۵)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت خولہ بنت یسار رضی اللہ عنہا نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میرے پاس ایک ہی کپڑا ہے اور میں اس میں حائضہ ہو جاتی ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿فاذا طهرت فاغسلي موضع الدم ثم صلي فيه﴾ "جب تو پاک ہو جائے تو خون کی جگہ کو دھو لے پھر اس میں نماز پڑھ لے۔" تو انہوں نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول!

(۱) [بخاری (۱۵۲) کتاب الوضوء : باب لا يستنجي بروث ' ترمذی (۱۷) نسائی (۴۲) بیهقی (۱۰۲/۱) أبو عوانة (۱۹۵/۱) ابن حبان (۱۴۴۲) ابن خزيمة (۸۵'۸۶) دارمی (۱۳۸/۱) أحمد (۲۵۰/۲) ابن ماجة (۳۱۳) شرح معانی الآثار (۱۲۳/۱)]

(۲) [بداية المجتهد (۷۷/۱) قوانين الأحكام الشرعية (ص ۴۸) كشاف القناع (۲۲۰/۱)]

(۳) [المغني (۴۹۰/۲) المبسوط (۵۴/۱) الهداية (۳۶/۱) المهذب (۵۶۷/۲)]

(۴) [السيل الجرار (۳۱/۱) نيل الأوطار (۱۰۰/۱)]

(۵) [بخاری (۳۰۷) كتاب الحيض : باب غسل دم الحيض ' مسلم (۲۹۱) ابن أبي شيبة (۹۵/۱) مؤطا (۶۰/۱) أبو داود (۳۶۰) ترمذی (۱۳۸) نسائی (۱۵۵/۱) ابن ماجة (۶۲۹) دارمی (۲۳۹/۱) ابن خزيمة (۲۷۵) بيهقی (۱۳/۱) ابن حبان (۱۳۸۳) أبو عوانة (۲۰۶/۱)]

خواہ اس کا نشان ختم نہ ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿إنما يكفيك الماء و لا يضرك أثره﴾ ''تمہیں صرف پانی ہی کافی ہو جائے گا اس کا نشان تمہیں کچھ نقصان نہیں دے گا۔'' (١)

(3) حضرت اُم قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿حكيه بضلع و اغسليه بماء و سدر﴾ ''اسے کسی ٹیڑھی لکڑی کے ساتھ کھرچو پھر اسے پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ دھو ڈالو۔'' (٢)

مذکورہ احادیث میں موجود حیض کے خون کو دھونے اور کھرچنے کا حکم اس کے نجس و پلید ہونے کی واضح دلیل ہے۔ (٣)

11- مطلقاً خون کا حکم

حیض کے خون کے علاوہ بقیہ تمام خونوں کے نجس و پلید ہونے کے دلائل واضح و مضبوط نہیں ہیں بلکہ مضطرب، ضعیف ہیں اس لیے اصل (طہارت) کی طرف رجوع کرنا ہی بہتر ہے تاوقتیکہ کوئی واضح دلیل مل جائے۔ نیز اس آیت ﴿قُلْ لَّا أَجِدُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا...... أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ﴾ [الأنعام: ١٤٠] سے استدلال کرتے ہوئے خون کو نجس قرار دینا درست نہیں کیونکہ اس آیت میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ لفظ رجس سے مراد صرف خنزیر کا گوشت ہی ہے یا بقیہ تمام اشیاء بھی۔ اس کے برخلاف صحیح و قوی دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ بقیہ تمام خون پاک ہیں۔

(1) نبی ﷺ نے ایک گھاٹی میں اتر کر صحابہ سے کہا ''آج رات کون ہمارا پہرہ دے گا؟ تو مہاجرین و انصار میں سے ایک ایک آدمی کھڑا ہو گیا پھر انہوں نے گھاٹی کے دہانے پر رات گزاری۔ انہوں نے رات کا وقت پہرے کے لیے تقسیم کر لیا لہذا مہاجر سو گیا اور انصاری کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ اچانک دشمن کے ایک آدمی نے انصاری کو دیکھا اور اسے تیر مار دیا۔ انصاری نے تیر نکال دیا اور اپنی نماز جاری رکھی۔ پھر اس نے دوسرا تیر مارا تو انصاری نے پھر اسی طرح کیا۔ پھر اس نے تیسرا تیر مارا تو اس نے تیر نکال کر رکوع و سجدہ کیا اور اپنی نماز کو مکمل کر لیا۔ پھر اس نے اپنے ساتھی کو جگایا جب اس نے اسے ایسی (خون آلود) حالت میں دیکھا تو کہا جب پہلی مرتبہ اس نے تمہیں تیر مارا تو تم نے مجھے کیوں نہیں جگایا؟ تو اس نے کہا میں ایک سورت کی تلاوت کر رہا تھا کہ جسے کاٹنا میں نے پسند نہیں کیا۔ (٤)

(2) امام حسنؒ بیان کرتے ہیں کہ ﴿ما زال المسلمون يصلون في جراحاتهم﴾ ''ہمیشہ سے مسلمان اپنے زخموں میں نماز پڑھتے چلے آ رہے ہیں۔'' امام بخاریؒ نے اسے معلق بیان کیا ہے جبکہ امام ابن ابی شیبہؒ نے اسے صحیح سند کے ساتھ موصول بیان کیا ہے۔ (٥)

---

(١) [صحيح: إرواء الغليل (١٩٠/١) أبو داود (٣٦٥) كتاب الطهارة: باب المرأة تغسل ثوبها ......، بيهقي (٤٠٨/٢) أحمد (٣٦٠/٢)]

(٢) [صحيح: صحيح أبو داود (٣٤٩) أيضا، أبو داود (٣٦٣) نسائي (١٥٤/١) أحمد (٣٥٥/٦) ابن ماجة (٦٢٨) ابن خزيمة (١٤١/١)]

(٣) [السيل اجرار (٤٥/١)]

(٤) [صحيح: صحيح أبو داود (١٩٣) كتاب الطهارة: باب الوضوء من الدم، أبو داود (١٩٨) أحمد (٣٤٣/٣) دار قطنى (٢٢٢/١) ابن خزيمة (٣٦) حاكم (١٥٧/١) بيهقي (١٤٠/١)]

(٥) [فتح الباري (٢٨١/١)]

(البانیؒ) یہ حدیث (یعنی جس میں صحابی کو تیر لگنے کا قصہ ہے) حکماً مرفوع ہے کیونکہ یہ عادۃ ناممکن ہے کہ آپ ﷺ کو اس کی اطلاع نہ ہوئی ہو اگر کثیر خون ناقض ہوتا تو اللہ کے رسول ﷺ اسے بیان کر دیتے کیونکہ ((تاخیر البیان عن وقت الحاجة لا یجوز)) ''ضرورت کے وقت سے وضاحت کو مؤخر کر دینا جائز نہیں'' جیسا کہ علم الأصول میں یہ بات معروف ہے۔ اور اگر بالفرض یہ بات نبی ﷺ پر مخفی رہ گئی ہو تو اللہ تعالیٰ پر یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی تھی کہ جس پر زمین و آسمان کی کوئی چیز مخفی نہیں لہٰذا اگر خون ناقض یا نجس ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی طرف وحی نازل فرما دیتے جیسا کہ یہ بات ظاہر ہے کسی پر مخفی نہیں ہے۔ امام بخاریؒ بھی اسی کے قائل ہیں جیسا کہ ان کا بعض (گزشتہ مذکور) آثار کو معلق بیان کرنا اس کی دلیل ہے۔ (۱)

(ابن حزمؒ) اسی کے قائل ہیں۔ (۲)

فقہی اعتبار سے حیض کے خون اور بقیہ خونوں کو برابر قرار دینا دو وجوہ کی بنا پر واضح غلطی ہے۔

(1) اس پر کتاب و سنت میں کوئی دلیل نہیں ہے اور اصل براءت ذمہ ہے اِلا کہ کوئی نص مل جائے۔

(2) یہ سنت کے مخالف ہے جیسا کہ گزشتہ انصاری صحابی کی حدیث (انسان کے خون کے متعلق) بیان کر دی گئی ہے۔ علاوہ ازیں حیوان کے خون کے متعلق حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح حدیث میں مروی ہے کہ انہوں نے اونٹ کو نحر کیا تو اس کا خون اور اوجھ کا گوبر انہیں لگ گیا دریں اثناء نماز قائم کر دی گئی۔ انہوں نے بھی نماز پڑھی لیکن وضو نہیں کیا۔ (۳)

(شوکانیؒ) حیض کے خون پر بقیہ خونوں کو قیاس کرنا صحیح نہیں نیز بقیہ خونوں کے نجس ہونے کے متعلق کوئی صریح دلیل موجود نہیں۔ (٤)

(صدیق حسن خانؒ) بقیہ تمام خونوں کے نجس ہونے کے دلائل مختلف و مضطرب ہیں۔ (٥)

اس مسئلے میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے۔

(قرطبیؒ) خون کے نجس ہونے پر علماء کا اتفاق ہے۔ (٦)

اس کے جواب میں شیخ البانیؒ رقمطراز ہیں کہ یہ بات محل نظر ہے جیسا کہ ابھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی گئی ہے۔ (۷)

(احناف) خون پیشاب اور شراب کی طرح پلید ہے۔ اگر ایک درہم سے زائد کپڑے کو لگا ہو تو اس میں نماز جائز نہیں لیکن اگر درہم یا اس سے کم مقدار میں لگا ہو تو نماز درست ہے کیونکہ یہ اتنی قلیل مقدار ہے کہ جس سے بچنا ناممکن ہے۔ (۸) انہوں نے

---

(۱) [تمام المنة (ص/٥٢)]

(۲) [المحلی (١/٢٥٥)]

(۳) [صحیح : تمام المنه (ص/٥٢) عبدالرزاق (١/١٢٥) ابن أبی شیبة (١/٣٩٢) طبرانی کبیر (٩/٢٨٤) الجعدیات للبغوی (٢/٨٨٧)]

(٤) [السیل الجرار (١/٤٠)]

(٥) [الروضة الندیة (١/٨٢)]

(٦) [تفسیر قرطبی (٢/٢٢١)]

(۷) [التعلیقات الرضیة علی الروضة الندیة (١/١١٠)]

(۸) [عمدة القاری (١/٩٠٣)]

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی روایات سے استدلال کیا ہے لیکن وہ ضعیف ہیں۔(۱)

(احمدؒ، اسحاقؒ) اگر مقدار درہم سے زائد خون بھی کپڑے کو لگا ہو تب بھی نماز کو نہیں دہرایا جائے گا۔ (کیونکہ یہ نجس نہیں ہے) جیسا کہ گذشتہ احادیث اس پر شاہد ہیں۔(۲)

(راجح) امام احمدؒ کا موقف راجح ہے کیونکہ گذشتہ صریح دلائل اسی کے متقاضی ہیں۔

وَلَحْمُ خِنْزِيرٍ وَ فِيمَا عَدَا ذٰلِكَ خِلَافٌ	خنزیر کا گوشت ❶ (نجس ہے) اور ان کے علاوہ باقی اشیاء میں اختلاف ہے۔ ❷

❶ (1) جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿قُلْ لَّا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ ...... أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ﴾ [الأنعام: ١٤٠]

(2) خنزیر کی نجاست پر فقہاء نے اجماع کیا ہے خواہ اسے ذبح ہی کیوں نہ کیا گیا ہو۔(۳)

❷ اختلافی مسائل میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

12- مردہ انسان کے طاہر یا نجس ہونے میں اختلاف ہے

(احناف) انہوں نے بعض صحابہ مثلاً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ کے فتاوی پر عمل کرتے ہوئے مردہ انسان کو نجس قرار دیا ہے۔

(جمہور) مردہ انسان پاک ہے کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إن المسلم لا ینجس﴾ ''مسلمان نجس نہیں ہوتا۔''(٤)

(راجح) مردار آدمی نجس نہیں ہوتا کیونکہ حدیث میں ہے ﴿المسلم لا ینجس حیا و لا میتا﴾ ''مسلمان نہ تو زندہ حالت میں نجس ہوتا ہے اور نہ ہی مردہ حالت میں۔''(٥)

اور جن دلائل سے مردار کا نجس ہونا ثابت کیا جاتا ہے ان سے زیادہ سے زیادہ صرف مردار کھانے کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ﴾ [المائدة: ٣١] اور یہ ضروری نہیں جو چیز حرام ہے وہ نجس و پلید بھی ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ﴾ [النساء: ٢٣] ''تمہاری مائیں تم پر حرام کر دی گئیں ہیں۔''(٦)

13- کیا منی پاک ہے؟

اس میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے۔

(۱) [تحفة الأحوذي (٤٤٧/١)]

(۲) [تحفة الأحوذي (٤٤٧/١)]

(۳) [بداية المجتهد (٧٣/١) اللباب (٥٥/١) المغني (٥٢/١) الشرح الصغير (٤٩/١) كشاف القناع (٢١٣/١) القوانين الفقهية (ص/٣٤) مراقي الفلاح (ص/٢٥)]

(٤) [فتح القدير (٧٢/١) الشرح الصغير (٤٤/١) مغني المحتاج (٧٨/١) كشاف القناع (٢٢٢/١) المهذب (٤٧/١)]

(٥) [بخاري مع الفتح (١٢٧/٣) المغني لابن قدامة (٦٣/١)]

(٦) [السيل الجرار (٤٠/١)]

(شافعیؒ، احمدؒ) منی پاک ہے۔ ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو کھرچ دیا کرتی تھی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کپڑے میں نماز ادا فرما لیتے تھے۔(۱)

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو دھویا کرتی تھی پھر آپ نماز کے لیے نکلتے لیکن پانی سے دھونے کے نشانات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے میں موجود ہوتے۔(۲)

(3) دار قطنی کی روایت میں ہے کہ ''جب منی خشک ہوتی تو میں اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے کھرچ دیتی تھی اور جب تر ہوتی تو اسے دھو دیتی تھی۔''(۳)

ان احادیث کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا (ذاتی) عمل تھا' رسول اللہ کو اس کی اطلاع نہیں ہوتی تھی۔ لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی کپڑے میں نماز پڑھ لیتے تھے (حالانکہ کھرچنے سے صحیح طور پر صفائی نہیں ہوتی) اور اگر منی نجس ہوتی تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی اطلاع دے دیتے جیسا کہ جوتیوں کی گندگی کے متعلق اطلاع دی تھی۔(٤)

اور مزید برآں ایک روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی موجود ہے جیسا کہ اس میں ہے ﴿یحته من ثوبه یا بسا ثم یصلی فیه﴾ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم خشک منی کو اپنے کپڑے سے کھرچ دیتے پھر اسی میں نماز پڑھ لیتے تھے۔''(۵)

(4) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿إنما هو بمنزلة المخاط والبصاق﴾ ''منی ناک کی رطوبت اور تھوک کی مانند ہے۔'' اور تمہیں صرف اتنا ہی کافی ہے کہ اسے کسی کپڑے یا اذخر گھاس سے صاف کر لو۔(٦)

(5) انسان جسے اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنا کر عزت بخشی ہے اس کی تخلیق کا انحصار اسی پر ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کی اصل ہی نجاست ہو۔

(6) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسے دھونے میں جلدی نہ کرنا اور اسے خشک ہونے تک چھوڑے رکھنا اس کی طہارت کی دلیل ہے کیونکہ نجاستوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً انہیں دھونے کا حکم دیتے جیسا کہ دیہاتی کے پیشاب پر پانی کا ڈول بہانے کا حکم دیا۔(۷)

(ابوحنیفہؒ، مالکؒ) منی نجس ہے (لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک منی اگر خشک ہو اور اسے کھرچ لیا جائے تو کپڑا بغیر دھونے

---

(۱) [مسلم (۲۸۸) کتاب الطهارة : باب حکم المنی' أحمد (۱۳۲/٦) أبو داود (۳۷۱) نسائی (۱٥٦/۱) ترمذی (۱۱٦) ابن ماجة (٥۳۷) طحاوی (۲۹/۱) ابن الجارود (۱۳۷) أبو عوانة (۲۰٤/۱) ابن خزیمة (۱٤٦/۱) شرح السنة (۳۸۷/۱)]

(۲) [بخاری (۲۲۹) کتاب الوضوء : باب غسل المنی و فرکه ...... مسلم (۲۸۹) أبو عوانة (۲۰٥/۱) أبو داود (۳۷۳) ترمذی (۱۱۷) نسائی (۱٥٦/۱) ابن ماجة (٥۳٦)]

(۳) [دار قطنی (۱۲٥/۱)]

(٤) [نیل الأوطار (۱۰٦/۱)]

(٥) [أحمد (۲٤۳/٦)]

(٦) [**صحیح موقوف** : الضعیفة (۹٤۸) دار قطنی (۱۲٤/۱) بیهقی (٤۱۸/۲) طبرانی کبیر (۱٤۸/۱۱)]

(۷) [الأم للشافعی (۱۲٤/۱) المغنی (٤۹۷/۲) المهذب (٤۷/۱) مغنی المحتاج (۷۹/۱) کشاف القناع (۲۲٤/۱)]

کے پاک ہو جائے گا۔) ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) وہ تمام احادیث جن میں منی کو دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔(۱)

یہ نجس ہے اسی لیے اسے دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ صرف دھونے کے عمل سے کسی چیز کا نجس ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ جن اشیاء کی طہارت پر اتفاق ہے مثلاً خوشبو، مٹی وغیرہ انہیں بھی دھونا سب کے نزدیک جائز ہے لہٰذا جسے برا محسوس کیا جاتا ہے اسے بالآخر دھونے میں کیا قباحت ہے؟(۲)

(2) حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "ہم پاخانہ، پیشاب، مذی، منی، خون اور قے (لگ جانے) سے کپڑا دھویا کرتے تھے۔"(۳)

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہونے کی بنا پر قابل حجت نہیں جیسا کہ امام دار قطنیؒ، امام عقیلیؒ، امام بزارؒ، امام ابن عدیؒ اور امام ابو نعیمؒ وغیرہ سب نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔(٤)

(3) چونکہ یہ پیشاب کی جگہ سے خارج ہوتی ہے لہٰذا اس پر اسی کا حکم لگایا جائے گا۔ لیکن یہ بات بلا دلیل ہے۔

(4) بدن کے گندے فضلات مثلاً پیشاب اور پاخانہ پر قیاس کرتے ہوئے اسے بھی نجس کہا جائے گا کیونکہ یہ بھی ان کی طرح غذا سے تیار ہوتی ہے۔(٥)

(شوکانیؒ) منی نجس و پلید ہے۔(٦)

(راجح) امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا موقف راجح معلوم ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)

(ابن تیمیہؒ) منی پاک ہے۔(٧)

(امیر صنعانیؒ) حق بات یہ ہے کہ اصل طہارت ہے اور نجس کہنے والوں پر دلیل پیش کرنا لازم ہے اور ہم اصل پر ہی باقی رہنے والے ہیں۔(٨)

(وھبہ زحیلیؒ) منی کی طہارت کا قول زیادہ راجح ہے۔(٩)

(اسحاقؒ، داودؒ) منی طاہر ہے نجس نہیں۔(١٠)

---

(١) [بخاری (٢٢٩) کتاب الوضوء : باب غسل المنی و فرکه ......، مسلم (٢٨٩) أبو عوانة (٢٠٥/١) أبو داود (٣٧٣) ترمذی (١١٧) نسائی (١٥٦/١) ابن ماجة (٥٣٦)]

(٢) [نيل الأوطار (١٠٥/١)]

(٣) [**ضعيف** : بزار (٢٣٤/٤) أبو يعلى (١٨٥/٣)، (١٦١١)]

(٤) [دارقطنی (١٢٧/١) الضعفاء للعقيلی (١٧٦/١) الكامل لابن عدی (٩٨/٢) بيهقی (١٤/١) نيل الأوطار (١٠٥/١)]

(٥) [الدر المختار (٢٨٧/١) اللباب (٥٥/١) مراقی الفلاح (ص/٢٦) بداية المجتهد (٧٩/١) الشرح الصغير (٥٤/١) فتح القدير (١٧٢/١)]

(٦) [نيل الأوطار (١٠٦/١)]

(٧) [التعليق على سبل السلام للشيخ عبدالله بسام (٦٥/١)]

(٨) [سبل السلام (٧٩/١-٨٠)]

(٩) [الفقه الإسلامی وأدلته (٣١٦/١)]

(١٠) [عمدة القاری (٢١/٣)]

(ابن حزمؒ) منی پاک ہے خواہ پانی میں ہو یا جسم پر یا کپڑے پر۔(۱)
(شیخ حسن حلاق) زیادہ راجح یہی ہے کہ منی طاہر ہے۔(۲)

وَالْأَصْلُ الطَّهَارَةُ فَلَا يَنْقُلُ عَنْهَا إِلَّا نَاقِلٌ صَحِيحٌ لَمْ يُعَارِضْهُ مَا يُسَاوِيهِ أَوْ يُقَدَّمُ عَلَيْهِ	(ہر چیز میں) اصل طہارت ہے اور اس وصف سے اسے کوئی چیز خارج نہیں کرتی مگر صرف ایسی صحیح دلیل جو اس کے مساوی ہو یا اس سے زیادہ صحیح ہو۔ ❶

❶ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿الحلال ما أحل الله فی کتابه و الحرام ما حرم الله فی کتابه و ما سکت عنه فهو مما عفا عنه﴾ ''حلال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال قرار دیا ہے' حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام کہا ہے اور جس سے خاموشی اختیار کی ہے وہ ایسی اشیاء سے ہے جنہیں اس نے معاف کر دیا ہے۔(۳)

اللہ تعالیٰ نے جن اشیاء پر حکم لگانے سے سکوت اختیار فرمایا ہے ان پر بعینہ خاموشی اختیار کرنا ہی ضروری ہے اور کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جس چیز کی نجاست کے متعلق کوئی واضح دلیل موجود نہ ہو محض اپنی فاسد رائے اور غلط استدلال سے اس پر نجاست کا حکم لگا دے جیسا کہ بعض اہل علم نے یہ گمان کرتے ہوئے کہ تحریم اور نجاست لازم و ملزوم ہیں ان اشیاء کی نجاست کا دعویٰ کیا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے حالانکہ یہ گمان انتہائی باطل و بے بنیاد ہے اور کسی چیز کی حرمت دلالت کی کسی بھی قسم (مطابقی، تضمنی، التزامی) سے اس کے نجس ہونے پر ثبوت فراہم نہیں کرتی مثلاً شراب' مردار اور خون کا حرام ہونا ان کے نجس ہونے کا ثبوت نہیں ہے غالباً یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس اشکال کو رفع کرنے کے لیے فرمادیا تھا ﴿إنما حرم من المیته أکلها﴾ ''مردار سے صرف اس کا کھانا ہی حرام کیا گیا ہے۔''(٤)

اور اگر بالفرض یہ قاعدہ مسلم ہوتا کہ ہر حرام چیز نجس بھی ہے تو یہ آیت ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ﴾ [النساء : ۲۳] ماؤں کے نجس ہونے کا ثبوت ہوتی حالانکہ اس کا کوئی بھی دعویدار نہیں۔

متفرقات

14- مذی اور ودی کا حکم

ان دونوں کے نجس ہونے پر اجماع ہے۔(٥)

(۱) [المحلی بالآثار (۱/۱۳٤)]
(۲) [التعلیق علی الروضة الندیة (۱/۸۳)]
(۳) [حسن : صحیح ابن ماجة (٥/۲۷) ترمذی (۱۷۲٦) کتاب اللباس : باب ما جآء فی لبس الفراء' ابن ماجة (۳۳٦۷) المستدرك علی الصحیحین (۷۱۱٥)]
(٤) [بخاری (٥٥۳۱) کتاب الذبائح و الصید : باب جلود المیتة ' مسلم (٥٤۲) کتاب الحیض : باب طهارة جلود المیتة بالدباغ ' أحمد (۱/۲۲٥)]
(٥) [المجموع (۲/٥٥۲) نیل الأوطار (۱/۱۰۳) بدایة المجتهد (۱/۷۳) اللباب (۱/٥٥) فتح القدیر (۱/۱۳٥)]

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے بہت زیادہ مذی آنے کی وجہ سے اکثر غسل کرنا پڑتا تھا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کرتے ہوئے اس کے متعلق سوال کیا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تمہیں تو صرف وضوء ہی کافی ہے۔'' پھر میں نے کہا اے اللہ کے رسول! میرے کپڑے کو جہاں مذی لگ گئی ہو اس کا کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿يكفيك أن تأخذ كفا من ماء فتنضح به ثوبك حيث ترى أنه قد أصاب منه﴾ ''تمہیں اتنا ہی کافی ہے کہ پانی کا ایک چلو لے کر اپنے کپڑے پر اس جگہ بہا دو جہاں تم مذی کو لگا ہوا دیکھتے ہو۔'' (۱)

صحیحین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی معنی میں حدیث مروی ہے اور اس میں یہ لفظ ہیں ﴿فيه الوضوء﴾ ''اس میں وضوء ہے۔'' اور صحیح مسلم میں ہے ﴿يغسل ذكره و يتوضأ﴾ ''وہ اپنے ذکر کو دھوتے اور وضوء کر لیتے۔'' (۲)

(مذی) ایسا رقیق پانی ہے جو کمزور شہوت کے وقت' یا اپنی بیوی سے کھیلتے وقت' یا اسی کی مثل کسی کام میں بغیر اچھلنے کے خارج ہو۔

(ودی) ایسا سفید' گدلا' بغیر بدبو کے پانی جو پیشاب کے بعد خارج ہو۔ (۳)

15- مردار کا چمڑا نجس ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿أيما إهاب دُبغ فقد طهر﴾ ''جس چمڑے کو رنگ دیا جائے وہ پاک ہو جاتا ہے۔'' (٤)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رنگنے سے پہلے چمڑا نجس ہوتا ہے۔

(مالکیہ، حنابلہ، شافعیہ، حنفیہ) یہی موقف رکھتے ہیں۔ (٥)

(شوکانیؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ (٦)

(البانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔ (٧)

---

(۱) [حسن : صحيح أبو داود (۱۹۰) كتاب الطهارة : باب في المذى ' أبو داود (۲۱۰) أحمد (٤٨٥/٣) دارمی (١٨٤/١) ترمذی (١١٥) ابن ماجة (٥٠٦) ابن خزيمة (٢٩١)]

(۲) [بخاری (١٧٨) كتاب الوضوء : باب من لم ير الوضوء ...... ' مسلم (٣٠٣) أبو داود (٢٠٦) نسائی (١١١/١) ابن ماجة (٥٠٤) موطا (٤٠/١) أحمد (١٢٩/١) بيهقی (١١٥/١) ابن خزيمة (١٨' ١٩) أبو يعلى (٣١٤) ابن حبان (١٠٨٧)]

(۳) [تحفة الأحوذی (٣٨٨/١) فتح الباری (٤٥١/١) شرح مسلم للنووی (٢١٦/٢)]

(٤) [صحيح : صحيح ابن ماجة (٢٩٠٧) كتاب اللباس : باب لبس جلود الميتة إذا دبغت ' ابن ماجة (٣٦٠٩) أبو داود (٢١٤٣) ترمذی (١٧٢٨) نسائی (١٧٣/٧) شرح معانی الآثار (٤٦٩/١) دار قطنی (٤٦/١) بيهقی (٢٠/١) موطا (٤٩٨/٢) طبرانی كبير (٢٣٥/١٢) ترتيب المسند للشافعی (٢٦/١) أحمد (٢١٩/١) دارمی (٨٦/٢)]

(٥) [بداية المجتهد (٧٦/١) بدائع الصنائع (٨٥/١) المغنی (٦٦/١) مغنی المحتاج (٨٢/١) الشرح الصغير (٥١/١)]

(٦) [السيل الجرار (٤٠/١)]

(٧) [تمام المنة (ص/٤٩)]

16- سونے والے شخص کے منہ سے بہنے والے پانی کا حکم

یہ پانی پاک ہے کیونکہ اس کے نجس ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔

(حنابلہ، شافعیہ) اسی کے قائل ہیں۔(۱)

17- کتے کے علاوہ دیگر جانوروں کے لعاب کا حکم

تمام حیوانات یعنی گھوڑا، کھچر، گدھا، درندے ماکول اللحم ہوں یا غیر ماکول اللحم ان سب کا لعاب پاک ہے۔

(شافعیہ، حنابلہ) یہی موقف رکھتے ہیں۔(۲)

اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی سواری پر مقام منیٰ میں ہمیں خطاب فرمایا ﴿ولعابها يسيل على كتفي﴾ ''اور اس (اونٹنی) کا لعاب دہن میرے کندے پر بہہ رہا تھا۔''(۳)

(امیر صنعانیؒ) یہ حدیث اس بات کا ثبوت ہے کہ ماکول اللحم جانوروں کا لعاب پاک ہے۔(٤)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے ان حوضوں کے متعلق سوال کیا گیا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان تھے اور کتے اور درندے ان پر وارد ہوا کرتے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿لها ما أخذت في بطونها و لنا ما بقي شراب وطهور﴾ ''ان کے لیے ہے جو انہوں نے اپنے پیٹوں میں داخل کر لیا اور جو باقی رہ گیا وہ ہمارے لیے پینے کی چیز اور پاک کرنے والا ہے۔''(٥)

(3) ایک روایت میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا ہم ایسے پانی سے وضو کر لیں جسے گدھوں نے (استعمال کے بعد) باقی چھوڑا ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿نعم، وبما أفضلت السباع كلها﴾ ''ہاں اور ایسے پانی کے ساتھ بھی وضوء درست ہے جسے تمام درندوں نے باقی چھوڑا ہو۔''(٦)

ان احادیث میں وضاحت ہے کہ درندوں (جو کہ غیر ماکول اللحم ہیں) نے جس پانی (میں منہ ڈال کر اس) کو باقی چھوڑ دیا ہو وہ پاک ہے۔(۷)

---

(۱) [مغنى المحتاج (۷۹/۱) كشاف القناع (۲۲۰/۱)]

(۲) [المجموع (۲۲۷/۱) المغنى (٤٦/۱) مغنى المحتاج (۸۳/۱) كشاف القناع (۲۲۱/۱) فقه السنة (۱٦/۱)]

(۳) [**صحيح** : صحيح ترمذى (۱۷۲۲) كتاب الوصايا : باب ما جآء لا وصية لوارث، ترمذى (۲۱۲۰) نسائى (۳٥۸۲) أحمد (۱۸٦/٤)]

(٤) [سبل السلام (٦۳/۱)]

(٥) [دار قطنى (۳۱/۱)]

(٦) [معرفة السنن والآثار (۳۱۳/۱)، (۳٦۸)]

(۷) [نيل الأوطار (۷۹/۱)]

18- قے کے نجس ہونے پر اجماع کا دعویٰ باطل ہے

(ابن حزمؒ) مسلمان کی قے پاک ہے۔(۱)

الدرر البھیہ میں امام شوکانیؒ اور اس کی شرح ''الروضۃ الندیہ'' میں نواب صدیق حسن خانؒ کا بھی موقف یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے نجاستوں کے بیان میں اس کا ذکر نہیں کیا۔

(البانیؒ) یہی بات برحق ہے۔(۲)

(شوکانیؒ) انہوں نے اس اصول " والأصل الطهارة فلا ينقل عنها إلا ناقل صحيح لم يعارضه ما يساويه أو يقدم عليه" کے تحت قے کو نجس کہنے والوں کا رد کیا ہے۔(۳)

اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے مروی جس روایت میں یہ ذکر ہے کہ ''ہم پاخانے' پیشاب' مذی' منی' خون اور قے سے کپڑے کو دھویا کرتے تھے۔'' وہ ضعیف ہے جیسا کہ امام دار قطنیؒ ، امام عقیلیؒ ، امام بزارؒ ، امام ابن عدیؒ اور امام ابو نعیمؒ وغیرہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔(٤)

نیز ابو القاسم لالکائیؒ نے اس حدیث کو چھوڑ دینے پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔

شراب کی نجاست معنوی ہے حسی نہیں

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ﴾ [المائدة: ۹۰] اس آیت میں لفظ رجس صرف شراب کے لیے نہیں بلکہ انصاب (تھان' آستانوں) اور ازلام (فال کے تیروں) کے لیے بھی استعمال ہوا ہے اور یہ بات معلوم و معروف ہے کہ انہیں چھونے سے انسان نجس نہیں ہوتا۔

(2) ایک اور آیت میں ہے ﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ﴾ [الحج: ۳۰] اس آیت میں مذکور لفظِ اوثان یعنی بت بھی معنوی طور پہ نجس ہیں کیونکہ انہیں بھی چھونے سے آپ یقیناً نجس نہیں ہوں گے۔(٦) یہی وجہ ہے کہ بعض ائمہ نے شراب کی طہارت کا فتویٰ دیا ہے جن میں سے چند یہ ہیں:

(1) (ربیعہ بن ابی عبد الرحمٰن المعروف بربیعہ الرائےؒ) تہذیب التہذیب میں ہے کہ انہوں نے بعض صحابہ اور کبار تابعین کے عہد کو پایا ہے اور مدینہ میں صاحب فتویٰ تھے۔(۷)

(2) (لیث بن سعد مصری الفقیہؒ) مشہور امام ہیں اور کبار ائمہ نے ان کے فضل و شرف کا اعتراف کیا ہے جن میں امام مالکؒ اور امام شافعیؒ بھی ہیں۔

---

(۱) [المحلی (۱/۱۸۳)]

(۲) [تمام المنة (ص/۵۳)]

(۳) [السیل الجرار (۱/٤۵)]

(٤) [دار قطنی (۱/۱۲۷) الضعفاء للعقیلی (۱/۱۷٦) الکامل لابن عدی (۲/۹۸) بیهقی (۱/۱٤)]

(۵) [نیل الأوطار (۱/۱۰۵)]

(٦) [تفسیر طبری (۱۰/۱۵۵)]

(۷) [تهذیب التهذیب (۳/۲۲۳)]

(3) (اسماعیل بن یحییٰ مزنیؒ) امام شافعیؒ کے ساتھی اور مجتہد امام ہیں۔(۱)

ان کے علاوہ بھی بہت زیادہ متاخر بغدادی اور قروی علماء نے شراب کو پاک کہا ہے اور صرف اس کا پینا ہی حرام قرار دیا ہے۔(۲)

(البانیؒ) یہی بات راجح ہے۔(۳)

19- شرک کی نجاست حسی نہیں بلکہ حکمی و معنوی ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ﴾ [التوبة : ۲۸] ''بے شک مشرکین نجس ہیں۔''
اس آیت سے استدلال کیا جاتا ہے کہ مشرکین بھی بقیہ نجاستوں کی طرح نجس و پلید ہیں۔

(ابن حزمؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٤)

لیکن مندرجہ ذیل دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ مشرک کی نجاست حسی نہیں بلکہ شراب کی طرح معنوی ہے:

(1) اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو ایک مشرکہ عورت کے مشکیزے سے پانی پینے اور وضوء کرنے کا حکم دیا۔(٥)

(2) اللہ کے رسول ﷺ نے جب وفد ثقیف کو مسجد میں ٹھہرایا تو بعض صحابہ نے کہا اے اللہ کے رسول! آپ انہیں مسجد میں ٹھہرا رہے ہیں حالانکہ یہ تو پلید ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿ليس على الأرض من أنجاس القوم شئ إنما أنجاس القوم على أنفسهم﴾ ''ان لوگوں کا پلید ہونا زمین پر کچھ مؤثر نہیں ہے بلکہ ان کا نجس ہونا صرف ان کے اپنے نفسوں پر ہی ہے۔''(٦)

(3) اللہ کے رسول ﷺ نے مشرکین کا کھانا تناول فرمایا جیسا کہ حدیث میں ہے ﴿أنه ﷺ أكل من الشاة التى أهدتها له يهودية من خيبر وهى مسمومة﴾ (٧)

(4) اللہ کے رسول ﷺ نے قیدی مشرکہ عورتوں کے اسلام لانے سے پہلے ان کے ساتھ وطی و جماع درست قرار دیا۔(٨)

(5) اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کا کھانا اور ان کی عورتوں سے نکاح حلال قرار دیا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے کہ ﴿وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ .... وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ﴾ [المائدة :٥]

(6) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کرتے اور مشرکین کے برتن اور مشکیزے ہمارے ہاتھ آتے تو ہم ان سے فائدہ اٹھاتے اور یہ عمل لوگوں پر معیوب نہیں ہوتا تھا۔(٩)

---

(۱) [المجموع (۷۲/۱)]

(۲) [تفسیر قرطبی (۸۸/٦)]

(۳) [تمام المنة (ص/٥٥)]

(٤) [المحلى بالآثار (۱۳۷/۱)]

(٥) [بخاری (۳٤٤) کتاب التیمم : باب الصعید الطیب وضوء المسلم ......' مسلم (٦۸۲)]

(٦) [شرح معانی الآثار (۱۳/۱) عن الحسن مرسلا' زاد المعاد (٤۹۹/۳) طبقات ابن سعد (۳۱۲/۱)]

(٧) [بخاری (٥۷۷۷) کتاب الطب : باب ما یذکر فی سم النبی ......' دلائل النبوة للبیهقی (۲٥٦/٤)]

(٨) [فتح الباری (٤۱٦/۹) الاستذکار لابن عبدالبر (۲٦۲/۱٦) الناسخ والمنسوخ للنحاس (البقرة/ ۲۲۱)]

(٩) [صحیح : إرواء الغلیل (۷٦/۱) أبو داود (۳۸۳۸) کتاب الأطعمة : باب الأکل فی آنیة أهل الکتاب' أحمد (۳۷۹/۳)] شیخ عبدالقادر ارنؤوط اور شیخ شعیب ارنؤوط نے اسے صحیح کہا ہے۔[تخریج جامع الأصول (۳۸۷/۱) شرح السنة (۲۰۱/۱۱)]

البتہ حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ سے مروی جس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب کے برتنوں کو دھونے کا حکم دیا تھا' وہ اس وجہ سے تھا کہ وہ اس میں شراب پیتے تھے اور خنزیر کا گوشت پکاتے تھے۔(۱)

ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ مشرک دیگر نجاستوں (مثلاً پیشاب وغیرہ) کی طرح نجس نہیں ہے کہ جسے ہاتھ لگ جانے سے ہاتھ نجس ہو جائے گا بلکہ اس کی نجاست معنوی ہے۔

(شوکانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۲)

(صدیق حسن خانؒ) یہی موقف رکھتے ہیں۔(۳)

(امیر صنعانیؒ) حق بات یہی ہے کہ تمام اعیان (ذوات واجسام وغیرہ) میں اصل طہارت ہے اور تحریم نجاست کو مستلزم نہیں۔ لہذا بھنگ حرام ہے لیکن پاک ہے۔ نیز تمام نشہ آور اشیاء اور قتل کر دینے والے زہروں کے نجس ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ تاہم نجاست حرمت کو مستلزم ہے یعنی ہر نجس شے حرام ہے لیکن ہر حرام نجس نہیں کیونکہ نجاست میں یہ حکم ہوتا ہے کہ اسے چھونا ہر حال میں منع ہے اس لیے نجس عین کا حکم تحریم کا ہوتا ہے جبکہ حرام میں ایسا نہیں ہوتا جیسا کہ ریشم اور سونا پہننا (مردوں کے لیے) حرام ہے لیکن بالاتفاق پاک ہے۔(۴)

20- زندہ جانوروں سے کاٹے ہوئے گوشت کا حکم

زندہ جانوروں سے کاٹا ہوا جزء (مثلاً بکری کی پشت' اونٹ کی کوہان' بیل کے خصیتین یا اس کے کان وغیرہ) علماء کے اجماع کے ساتھ نجس و پلید ہے۔(۵)

اس کے لیے بطور دلیل یہ حدیث پیش کی جاتی ہے۔ حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ما قطع من البهيمة و هي حية فهو ميت﴾ ''زندہ جانور سے جو کچھ کاٹ لیا جائے وہ مردار ہے۔''(۶)

(شوکانیؒ) اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ اس (کٹے ہوئے حصے کا) مردار ہونا ہی ثابت ہوتا ہے کہ محض جس کا کھانا حرام ہے اور رہی بات یہ کہ وہ نجس ہے حدیث میں اس کی کوئی دلیل نہیں۔(۷)

21- مچھلی اور ٹڈی مردار بھی حلال اور پاک ہیں

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿أحل لكم ميتتان: السمك و الجراد﴾

---

(۱) [أبو داود مع عون المعبود (۳۱٤/۱۰) ترمذی مع تحفة الأحوذی (۵۱۵/۵) مستدرك حاكم (۱٤٤/۱)]

(۲) [السيل الجرار (۳۸/۱)]

(۳) [الروضة الندية (۸۷/۱)]

(٤) [سبل السلام (۷٦/۱)]

(۵) [المجموع (۵٦۲/۲) بداية المجتهد (۷۳/۱) المغنی (۵۲/۱)]

(٦) [حسن : غاية المرام (٤۱) أبو داود (۲۸۵۸) كتاب الصيد : باب في صيد قطع منه قطعة' ترمذی (۱٤۸۰) أحمد (۲۱۸/۵) ابن الجارود (۸۷٦) دار قطنی (۲۹۲/٤) حاكم (۲۳۹/٤) بيهقی (۲٤۵/۹)]

(۷) [السيل الجرار (۳۹/۱)]

''تمہارے لیے دو مردار حلال کیے گئے' مچھلی اور ٹڈی۔'' (۱)

22- جو نمازی لاعلمی کی وجہ سے نجاست لگے کپڑوں میں نماز پڑھ لے؟

ایسے شخص کو چاہیے کہ نجاست کا علم ہونے پر اسے دھو لے۔ اس پر نماز دہرانا ضروری نہیں ہے جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو نماز پڑھاتے ہوئے اچانک اپنے جوتے بائیں جانب اتار دیے۔ لوگوں نے جب یہ دیکھا تو انہوں نے بھی اپنے جوتے اُتار دیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مکمل کر لی تو فرمایا ''تمہیں اپنے جوتے اُتارنے پر کس چیز نے اُبھارا؟'' انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے اپنے جوتے اتار دیے ہیں تو ہم نے بھی اپنے جوتے اتار دیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إن جبرئيل أتاني فأخبرني أن فيهما قذرا﴾ ''جبرئیل علیہ السلام نے آ کر مجھے خبر دی تھی کہ ان جوتوں میں گندگی ہے'' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا ''جب تم میں سے کوئی مسجد کی طرف آئے تو اسے چاہیے کہ وہ (اپنے جوتے) دیکھے اگر ان میں گندگی پائے تو انہیں زمین پر رگڑے اور پھر ان میں نماز پڑھ لے۔'' (۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لاعلمی میں گندگی کے ساتھ جتنی نماز پڑھی اسے دہرایا نہیں لہٰذا ایسا کرنا بھی ضروری نہیں۔

❁❁❁

(۱) [صحیح : الصحيحة (۱۱۱۸) ابن ماجة (۳۳۱٤) كتاب الأطعمة : باب الكبد والطحال' أحمد (۹۷/۲) دار قطني (۲۷۲/٤) بيهقي (۲٥٤/۱) شرح السنة (۲٤٤/۱۱)]

(۲) [صحیح : إرواء الغليل (۲۸٤) أبو داود (٦٥٠) كتاب الصلاة : باب الصلاة في النعل' أحمد (۲۰/۳) طيالسي (۳٦۰) ابن ابي شيبة (٤۱۷/۲) دارمي (۳۲۰/۱) أبو يعلى (۱۱۹٤) ابن خزيمة (۱۰۱۷) حاكم (۲٦۰/۱) بيهقي (٤۳۱/۲)]

دوسری فصل

نجاستوں کی تطہیر

وَ يُطَهَّرُ مَا يَتَنَجَّسُ بِغَسْلِهِ حَتَّى لَا يَبْقَى لَهَا عَيْنٌ وَلَا لَوْنٌ وَلَا رِيحٌ وَلَا طَعْمٌ	جو چیز ناپاک ہو جائے وہ اس قدر دھونے سے پاک ہو جاتی ہے ❶ کہ اس کی ذات، رنگ، بد بو اور ذائقہ باقی نہ رہے۔ ❷

❶ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم﴾ [الأنفال: ۱۱] ''اللہ تعالیٰ تم پر آسمان سے پانی برسا رہے تھے تاکہ اس کے ذریعے تمہیں پاک کر دیں۔'' اس آیت سے ثابت ہوا کہ پانی کو اللہ تعالیٰ نے طہارت حاصل کرنے کے لیے نازل فرمایا ہے۔ لہٰذا جہاں گندگی و نجاست لگی ہو اس جگہ کو اچھی طرح پانی سے دھو دیا جائے۔ لیکن جن اشیاء کو پاک کرنے کا کوئی خاص طریقہ و کیفیت شریعت نے مقرر کر دیا ہے انہیں اسی طریقے سے پاک کرنا لازم ہے جیسے جوتی پر لگی نجاست کو زمین پر رگڑ کر پاک کرنا۔(۱) جس برتن میں کتا منہ ڈال جائے اسے سات مرتبہ دھونا۔(۲) لڑکے کے پیشاب پر چھینٹے مارنا۔(۳) اور جس کپڑے کو منی یا حیض کا خون لگا ہو اسے پاک کرنے کا طریقہ شریعت سے نصاً ہمیں ملتا ہے۔(٤)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر ایسی چیز جسے پاک کرنے کا طریقہ شارع علیہ السلام نے ہمیں بتلا دیا ہے ہم پر لازم ہے کہ اسے اسی طریقے سے پاک کریں اور جس چیز کا نجس ہونا تو شارع علیہ السلام سے منقول ہے لیکن اسے پاک کرنے کا طریقہ منقول نہیں تو اس پلید چیز کی ذات (جسم و حجم) کو ختم کر دینا ہم پر واجب ہے (تاکہ وہ پاک ہو جائے)۔(٥)

❷ کسی نجاست کا ذائقہ یا بد بو باقی رہنا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس نجس چیز کی ذات کا کوئی جزء ابھی موجود ہے اگرچہ اس کا جسم اور اس کا رنگ ختم ہو چکا ہو کیونکہ بد بو کے لیے اس چیز کا ہونا ضروری ہے جس کی وہ بد بو ہے اور اسی طرح ذائقے کے لیے بھی اس چیز کا وجود ضروری ہے جس کا وہ ذائقہ ہے۔ لہٰذا ان کے ختم ہونے تک نجس چیز کو دھونا یا کسی اور طریقے سے پاک کرنا ضروری ہے۔(٦)

وَالنَّعْلُ بِالْمَسْحِ	جوتا (زمین پر) رگڑنے سے پاک ہو جاتا ہے۔ ❶

❶ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا وطئ أحدكم بنعله الأذى فإن التراب له طهور﴾ ''جب تم میں سے کوئی اپنی جوتی کو (چلتے ہوئے) گندگی لگا دے تو مٹی اسے پاک کر دیتی ہے۔'' ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ﴿إذا وطئ الأذى بخفيه فطهورهما التراب﴾ ''جب کوئی اپنے موزوں کے ساتھ گندگی لگا دے تو مٹی انہیں

(۱) [صحيح: إرواء الغليل (۲۸٤) أبو داود (٦٥٠)]
(۲) [مسلم (۲۷۹) نسائي (۱۷٦/۱) ابن خزيمة (۹۸/۱)]
(۳) [بخاري (۲۲۳) مسلم (۲۸۷)]
(٤) [بخاري (۳۷، ۲۹۹) مسلم (۲۸۸، ۲۹۱)]
(٥) [الروضة الندية (۹۰/۱)]
(٦) [الروضة الندية (۹۰/۱)]

پاک کرنے والی ہے۔''(۱)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مسجد آئے تو اپنے جوتوں کو پھیر کر دیکھے ﴿فإن رأى خبثا فليمسحه بالأرض ثم ليصل فيهما﴾ ''اگر کسی میں گندگی دیکھے تو اسے زمین کے ساتھ رگڑ کر ان میں نماز پڑھ لے۔''(۲)

ابن رسلان ؒ ''شرح السنن'' میں بیان کرتے ہیں کہ لفظ اَذی لغت میں ہر ایسی چیز کو کہتے ہیں جو گندی (قابل نفرت) سمجھی جاتی ہو خواہ وہ طاہر ہو یا نجس۔(۳)

(شوکانی ؒ) ان روایات سے ثابت ہوا کہ جوتی زمین پر رگڑنے سے پاک ہو جاتی ہے۔(٤)

(ابوحنیفہ ؒ، ابو یوسف ؒ) یہی موقف رکھتے ہیں۔ امام اوزاعی، امام ابوثور، امام اسحاق، اہل ظاہر اور امام شافعی و امام احمد رحمہم اللہ اجمعین ایک ایک روایت میں اسی کے قائل ہیں۔

(محمد ؒ، شافعی ؒ) زمین پر رگڑنے سے جوتی پاک نہیں ہوتی۔(٥)

گزشتہ صریح احادیث اس مذہب کا رد کرتی ہیں۔

جوتوں کی طرح موزوں کو پاک کرنے کا بھی یہی طریقہ ہے جیسا کہ گزشتہ پہلی حدیث میں اس کی وضاحت موجود ہے۔

وَالْاِسْتِحَالَةُ مُطَهِّرَةٌ لِعَدَمِ وُجُوْدِ الْوَصْفِ الْمَحْكُوْمِ عَلَيْهِ	نجاست کی حالت کا بدل جانا باعث طہارت ہے کیونکہ جس وصف کی بنا پر اس پر نجاست کا حکم لگایا گیا تھا اب وہ موجود نہیں ہے۔ ❶

❶ جب ایک چیز کسی دوسری چیز میں تبدیل ہو جائے حتی کہ دوسری چیز پہلی چیز کے رنگ، ذائقے اور بو میں بالکل مختلف ہو مثلاً پاخانے کا مٹی یا راکھ بن جانا، شراب کا سرکہ بن جانا، تو وہ پاک ہو جاتی ہے کیونکہ جس نجاست کی وجہ سے اس پر پلید ہونے کا حکم لگایا گیا تھا اب وہ ختم ہو چکی ہے، نہ تو اس پر وہ نام باقی ہے جس وجہ سے نجس ہونے کا حکم لگایا گیا تھا اور نہ ہی وہ صفت باقی ہے۔ لہٰذا جب وہ چیز تبدیل ہو گئی ہے تو اس کا حکم بھی تبدیل ہو جائے گا۔ اس تمام بحث سے ثابت ہوا کہ نجاست کی حالت بدل جانا (استحالہ) اسے پاک کرنے کا باعث ہے۔

جو لوگ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے ان کی دلیل یہ حدیث ہے ﴿نهى عن أكل الجلالة و شرب لبنها﴾ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاست خور جانور کھانے اور اس کا دودھ پینے سے منع فرمایا ہے۔''(٦)

(۱) [**صحيح** : صحيح أبو داود (٣٧١، ٣٧٢) كتاب الطهارة : باب فى الأذى يصيب النعل، أبو داود (٣٨٥، ٣٨٦) شرح معانى الآثار (٥١١/١) حاكم (١٦٦/١) بيهقى (٤٠٦/٢) ابن خزيمة (٢٩٢)]

(۲) [**صحيح** : إرواء الغليل (٢٨٤) أبو داود (٦٥٠) كتاب الصلاة : باب الصلاة فى النعل، ابن خزيمة (١٠١٧) ابن حبان (٣٦٠) بيهقى (٤٣١/٢) دارمى (٣٢٠/١)]

(۳) [شرح مسلم للنووى (١٩٦/٢)]

(٤) [نيل الأوطار (٩٢/١)]

(٥) [نيل الأوطار (٩٢/١) المحلى بالآثار (١٠٥/١)]

(٦) [**صحيح** : صحيح أبو داود (٣٢١٥، ٣٢١٦) كتاب الأطعمة : باب النهى عن أكل الجلالة و ألبانها، أبو داود (٣٧٨٥)]

اگر استحالہ باعث طہارت ہوتا تو گندگی سے بنا ہوا دودھ پینا ممنوع نہ ہوتا کیونکہ اس کی حالت تبدیل ہو چکی ہے۔اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ اس حدیث میں صرف جلالہ (نجاست خور) جانور کا دودھ پینے کی حرمت موجود ہے نہ کہ اس کے نجس ہونے کا ثبوت ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ جو چیز حرام ہو نجس بھی ہو (جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے)۔(۱)

(ابن حزمؒ) جب پاخانہ گوبر اور مردار جل جائے یا متغیر ہو کر راکھ یا مٹی بن جائے تو وہ پاک ہے اور اس کے ساتھ تیمّم جائز ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اب وہ نام باقی نہیں رہا جس پر شرعی احکام وارد ہوتے ہیں۔(۲)

وَمَا لَا يُمْكِنُ غَسْلُهُ فَبِالصَّبِّ عَلَيْهِ أَوِ النَّزْحِ مِنْهُ حَتّٰى لَا يَبْقٰى لِلنَّجَاسَةِ أَثَرٌ	اور جس چیز کو دھونا ممکن نہ ہو (مثلاً زمین اور کنواں وغیرہ) اس پر اتنا پانی بہا دیا جائے یا اس سے اتنا پانی نکال لیا جائے حتی کہ نجاست کا کوئی اثر باقی نہ رہے (تو وہ پاک ہو جائے گی)۔ ❶

❶ زمین کو پاک کرنے کے دو طریقے ہیں:

(1) اس پر پانی بہا دیا جائے۔

(شافعیؒ، احمدؒ، مالکؒ، زفرؒ) اسی کے قائل ہیں۔ان کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ ایک دیہاتی نے مسجد کے ایک کونے میں پیشاب کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس پر پانی کا ایک ڈول بہانے کا حکم دیا۔(۳)

(شوکانیؒ) یہ حدیث اس بات کا ثبوت ہے کہ پانی بہانے سے زمین پاک ہو جاتی ہے اسے کھودنا ضروری نہیں۔(٤)

(احناف) یہ عمل سخت زمین کے ساتھ خاص ہے اگر زمین نرم ہو تو پیشاب کی جگہ سے مٹی کھود کر اس پر پانی بہانا واجب ہے۔

ان کے دلائل ضعیف روایات پر مبنی ہیں جیسا کہ ایک روایت میں ہے ﴿احفروا مكانه ثم صبوا عليه﴾ ''اس کی جگہ کو کھود کر اس پر پانی بہا دو'' یہ روایت ضعیف ہے۔(٥)

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ ﴿فأمر رسول الله بمكانه فاحتفر وصب عليه دلو من ماء﴾ ''لیکن یہ روایت بھی ضعیف ہے جیسا کہ امام دارقطنیؒ نے بیان کیا ہے کہ اس کی سند میں سمعان راوی مجہول ہے۔(٦)

معلوم ہوا کہ احناف کے دلائل کمزور ہونے کی بنا پر ان کا موقف درست نہیں ہے۔(٧)

(2) زمین سورج یا ہوا کی وجہ سے خشک ہو جائے حتی کہ نجاست کا اثر بھی زائل ہو جائے تو پاک ہو جاتی ہے۔

---

(۱) [ضوء النهار (۱۲٤/۱) السيل الجرار (٥٢/۱) الروضة الندية (۹٤/۱)]

(۲) [المحلى بالآثار (۱۳٦/۱)]

(۳) [بخاری (۲۲۱) كتاب الوضوء : باب صب الماء على البول في المسجد، مسلم (۲۸٤) أحمد (۱۱۰/۳) ترمذی (۱٤۸) ابن ماجة (٥۲۸) نسائی (۱۷٥/۱) دارمی (۱۸۹/۱) أبو عوانة (۲۱۳/۱) حمیدی (۱۱۹٦)]

(٤) [نيل الأوطار (۸۸/۱)]

(٥) [**ضعيف** : نصب الراية (۲۱۲/۱) العلل المتناهية (۳۳۳/۱) البدر المنير (۲۹٤/۲)]

(٦) [دار قطنی (۳۱/۱) شرح معانی الآثار (۱٤/۱) أبو يعلى (۳۱۰/٦)]

(۷) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: نيل الأوطار (۸۸/۱) شرح مسلم للنووی (۱۹٤/۲) الأم للشافعی (۱۱۸/۱) المغنی (٤۹۹/۲) عون المعبود (٤۳/۲) فتح الباری (۲٤۷/۱)]

(ابوحنیفہؒ، ابو یوسفؒ، محمدؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۱)

ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد میں رات گزارتا تھا ﴿وكانت الكلاب تبول و تقبل وتدبر في المسجد فلم يكونوا يرشون شيئا من ذلك﴾ ''کتے مسجد میں پیشاب کرتے اور آتے جاتے تھے لیکن وہ اس وجہ سے کچھ چھینٹے نہیں مارتے تھے (یعنی پیشاب کی جگہ کو پاک کرنے کے لیے پانی نہیں بہاتے تھے)۔(۲)

(ابن حجرؒ) فرماتے ہیں کہ امام ابوداودؒ نے حدیث کے ان الفاظ ﴿فلم يكونوا يرشون﴾ سے استدلال کیا ہے کہ نجاست لگی زمین خشک ہونے سے پاک ہو جاتی ہے کیونکہ اگر زمین خشک ہونے سے پاک نہ ہوتی تو وہ لوگ اسے ایسے ہی نہ چھوڑتے۔(۳)

(شمس الحق عظیم آبادیؒ) یہ استدلال بالکل واضح ہے۔(٤)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) اس حدیث سے امام ابوداودؒ کا یہ استدلال کہ ''زمین خشک ہونے سے پاک ہو جاتی ہے'' صحیح ہے اور مجھے اس میں کوئی خدشہ نہیں۔(٥)

(راجح) زیادہ صحیح طریقہ وہی ہے جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے اور وہ پانی بہانا ہے لیکن اگر پانی نہ بہایا جا سکے اور زمین خشک ہو جائے تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ زمین ناپاک ہے بلکہ پاک ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت سے یہ مسئلہ ثابت ہے اور امام ابوداودؒ، شمس الحق عظیم آبادیؒ اور عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ کے قول سے اس موقف کی مزید تائید ہوتی ہے۔ (واللہ اعلم)

اگر کنوئیں میں نجاست گر جائے تو گذشتہ بیان کردہ مسلم اصول اس کا فیصل ہوگا یعنی اوصاف ثلثہ میں سے کوئی تبدیل ہو جائے تو پانی نجس ہے ورنہ پاک ہے جیسا کہ اس اصول پر اجماع ہو چکا ہے۔(٦)

اس لیے اگر نجاست گرنے کی وجہ سے کنوئیں کا پانی متغیر ہو جائے تو اسے پاک کرنے کے لیے اس وقت تک پانی نکالا جائے گا جب تک کہ تغیر ختم نہ ہو جائے کیونکہ پانی کے نجس ہونے کا سبب یہی ہے۔ یہاں یہ یاد رہے کہ اصل مقصود پانی میں واقع تغیر کا زائل ہونا ہے وہ کم پانی نکالنے سے ہو یا زیادہ نکالنے سے یا بغیر نکالے ہی زائل ہو جائے تو پانی پاک ہے اور کنوئیں کا پانی کم یا زیادہ ہونے میں بھی کوئی فرق نہیں ہے لہذا جب تغیر زائل ہو جائے تو پانی پاک ہو جائے گا۔(۷)

اس ضمن میں کوئی حد متعین کرنا (مثلاً اگر کنوئیں میں چڑیا یا چوہیا گر کر مر جائے تو اسے نکالنے کے بعد پانی پاک کرنے کے لیے مزید بیس ڈول پانی نکالا جائے گا۔ اگر مرغی یا بلی گر کر مر جائے تو اسے نکالنے کے بعد پانی سے چالیس ڈول نکالے جائیں

---

(۱) [فتح القدير (۱۷۲/۱) شرح المهذب (٦١٦) الأم (۱۱۹/۱)]

(۲) [صحيح: صحيح أبو داود (۳٦٨) كتاب الطهارة: باب في طهور الأرض إذا يبست، أبو داود (۳۸۲) بخاری تعليقا (۱۷٤) ابن خزيمة (۳۰۰) شرح السنة (۸۲/۲) بيهقي (۲٤۳/۱)]

(۳) [فتح الباری (۲۷۹/۱)]

(٤) [عون المعبود (٤۳/۱)]

(٥) [تحفة الأحوذي (٤٦۲/۱)]

(٦) [الإجماع لابن المنذر (ص/۳۳) المجموع للنووي (۱۱۰/۱) المغني لابن قدامة (٥۳/۱)]

(۷) [السيل الجرار (٥۱/۱)]

گے۔ اگر بکری کنوئیں میں گر کر مر جائے اور مرنے کے بعد اسے نکالا جائے یا اس وقت نکالا جائے جبکہ وہ پانی میں پھول گئی یا پھٹ گئی ہو یا چوہے' چڑیا' مرغی اور بلے کو پھول جانے یا پھٹ جانے کے بعد نکالا جائے تو سارا پانی نکالنے سے کنواں پاک ہوگا اور کنوئیں کا سارا پانی نکالنے کی حد امام ابو حنیفہؒ اور قاضی ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ ہے کہ پانی کا اکثر حصہ نکال لیا جائے اور امام محمد بن حسنؒ کے نزدیک دو سو ڈول ہے۔ اگر بلا' چوہا یا چھپکلی کنوئیں میں گر جائے اور اسے زندہ نکال لیا جائے تو پانی پاک ہے۔ اگر کتا یا گدھا گر جائے اور اسے زندہ نکال لیا جائے تو سارا پانی نکالنا ضروری ہے اور اگر بکری کنوئیں میں پیشاب کر دے تو بھی کنوئیں کا سارا پانی نکالنا ضروری ہے خواہ پیشاب کم ہو یا زیادہ) محض قیاس و آراء ہیں جن کا (شرعی) علم سے کوئی تعلق نہیں۔ (۱)

وَالْمَاءُ هُوَ الاَصْلُ فِي التَّطْهِيرِ فَلَا يَقُومُ غَيْرُهُ مَقَامَهُ إِلَّا بِإِذْنٍ مِنَ الشَّارِعِ	طہارت حاصل کرنے کا اصل ذریعہ پانی ہے کوئی چیز اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتی الا کہ شارع نے کسی چیز کی اجازت دی ہو۔ ❶

❶ جیسا کہ کتاب وسنت میں پانی کے ساتھ ہی اس وصف کو مختص کیا گیا ہے۔

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا﴾ [الفرقان: ٤٨]

(2) حدیث نبوی ہے کہ ﴿الماء طهور لا ينجسه شئ﴾ "پانی پاک ہے' اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔" (۲)

(جمہور، احمدؒ، شافعیؒ، مالکؒ) نجاستوں سے طہارت حاصل کرنے کے لیے صرف پانی کو استعمال کیا جائے گا۔ امام محمدؒ، امام زفرؒ اور امام اسحاق بن راھویہؒ کا بھی یہی موقف ہے۔ انہوں نے حدیث اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا (کہ جس میں کپڑے سے حیض کا خون دھونے کا ذکر ہے) اور حدیث علی رضی اللہ عنہ (جس میں مذی دھونے کا ذکر ہے) سے استدلال کیا ہے۔

(ابو حنیفہؒ، ابو یوسفؒ) صرف پانی سے نہیں بلکہ ہر پاک مائع چیز کے ذریعے نجاستوں سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے۔ انہوں نے ان تمام احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں پانی کے علاوہ دیگر اشیاء سے طہارت حاصل کرنے کا ذکر ہے مثلاً حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا (جس میں حیض کے خون کو کپڑے سے کھرچنے کا حکم ہے) اور اسی طرح جن احادیث میں چمڑے کو رنگنے اور جوتی کو رگڑنے کے ساتھ پاک کرنے کا ذکر ہے۔ (۳)

(راجح) حق بات یہ ہے کہ اشیاء کو پاک کرنے کے لیے اصل پانی ہے کیونکہ کتاب وسنت میں اسی کو اس وصف کے ساتھ متصف کیا گیا ہے تاہم ہر نجاست کو پاک کرنے کے لیے صرف اسی کو متعین کر لینا اس لیے درست نہیں کیونکہ وہ احادیث جن میں منی اور حیض کے خون کو کھرچنے اور جوتی کو زمین پر رگڑنے اور پانی کے علاوہ دیگر طریقوں کا ذکر ہے اس کا رد کرتی ہیں اور اگر ہر پاک مائع چیز کے ذریعے تطہیر کی اجازت دی جائے تو شارع علیہ السلام نے اس کا کہیں ذکر نہیں کیا (اس وجہ سے بھی یہ درست نہیں) لہٰذا ﴿خير الأمور أوسطها﴾ کے تحت متوسط و معتدل راہ یہی ہے کہ شریعت میں جن اشیاء کو پانی کے علاوہ کسی اور طریقے سے پاک

---

(۱) [المحلى بالآثار (۱۴۷/۱۔۱۵۰) السيل الجرار (۵۱/۱)]

(۲) [صحيح : إرواء الغليل (۱٤) أبو داود (٦٧) كتاب الطهارة : باب ما جاء فى بئر بضاعة ' ترمذى (٦٦) نسائى (۱۷٤/۱) أحمد (۱٥/۳) الأم (۲۳/۱) ابن أبى شيبة (۱٤۲/۱) بيهقى (٤/۱) دار قطنى (۲۹/۱)] امام نوویؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [المجموع (۸۲/۱)]

(۳) [المجموع (۱٤۳/۱) المغنى (۹/۱) الأوسط لابن المنذر (۱۷۰/۲) الهداية (۳٤/۱) بدائع الصنائع (۸۳/۱) المبسوط (۹٦/۱)]

کرنا منقول ہے انہیں اسی طرح پاک کیا جائے (مثلاً جوتی کو زمین پر رگڑ نا وغیرہ) اور جن اشیاء کو پاک کرنے کا حکم تو موجود ہے لیکن شارع علیہ السلام نے ان کی تطہیر کا کوئی طریقہ و کیفیت نہیں بتلائی تو انہیں پانی کے ساتھ ہی پاک کیا جائے کیونکہ تطہیر میں اصل یہی ہے۔(۱)

متفرقات

23- مردار کا چمڑا رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے

جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا دُبغ الإهاب فقد طهر﴾ ''جب چمڑے کو رنگ دیا جاتا ہے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔''(۲)

ایک روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں ﴿أيما إهاب دبغ فقد طهر﴾ ''جونسا چمڑا بھی رنگ دیا جائے پاک ہو جاتا ہے۔''(۳)

اس مسئلے میں سات مذاہب مشہور ہیں:

(1) ہر مردار کا چمڑا (خنزیر کا ہو یا کتے کا) رنگنے سے ظاہری و باطنی طور پر پاک ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ﴿أيما﴾ کا لفظ اسی عموم پر دلالت کرتا ہے۔ یہ امام داودؒ اور اہل ظاہر کا مذہب ہے۔

(2) رنگنے سے کوئی بھی چمڑا پاک نہیں ہوتا کیونکہ ایک صحیح حدیث میں ہے ﴿لا تنتفعوا من الميتة بإهاب ولا عصب﴾ ''مردار کے چمڑے اور ہڈی کے ساتھ فائدہ حاصل نہ کرو۔''(٤)

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ لفظ ''إهاب'' ایک قول کے مطابق صرف اس چمڑے کو کہتے ہیں جو رنگا ہوا نہ ہو اور رنگنے کے بعد اس پر شن' قربة اور جلد کا لفظ بولا جاتا ہے اس لیے متعارض احادیث کو جمع کرنے کے لیے ممانعت والی حدیث کو اس چمڑے پر محمول کیا جائے گا جو ابھی رنگا نہ گیا ہو۔(٥)

یہ مؤقف حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' امام احمدؒ اور ایک روایت کے مطابق امام مالکؒ سے منقول ہے۔

(3) کتے اور خنزیر کے علاوہ ہر مردار کا چمڑا رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے جیسا کہ قرآن میں خنزیر کے متعلق ہے ﴿فَإِنَّهُ رِجْسٌ﴾ [الأنعام: ١٤٥] کتے کو بھی نجاست پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اسی پر قیاس کیا گیا ہے۔ یہ امام شافعیؒ اور امام نوویؒ کے قول کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔

---

(۱) [نيل الأوطار (٨٤/١) السيل الجرار (٤٩/١) الروضة الندية (٩٦/١)]

(۲) [مسلم (٣٦٦) كتاب الحيض : باب طهارة جلود الميتة بالدباغ ' ابن ماجة (٣٦٠٩) دارمي (١٩٨٦) أبو عوانة (٢١٢/١) دار قطني (٤٦/١) أبو يعلى (٢٣٨٥) ابن حبان (١٢٨٧)]

(۳) [صحيح : صحيح ابن ماجة (٢٩٠٧) كتاب اللباس : باب لبس جلود الميتة إذا دبغت' ابن ماجة (٣٦٠٩) ترمذي (١٧٢٨) أبو داود (٤١٢٣) نسائي (٤٢٤١) مؤطا (٤٩٨/٢) أحمد (٢١٩/١) دارمي (٨٥/٢)]

(٤) [صحيح : إرواء الغليل (٣٨١) ترمذي (١٧٢٩) كتاب اللباس : باب ماجاء في جلود الميتة إذا دبغت]

(٥) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: سبل السلام (٤٥/١) نيل الأوطار (١١٩/١) المحلي بالآثار (١٣٠/١)]

(4) خنزیر کے علاوہ تمام مرداروں کا چمڑا پاک ہو جاتا ہے کیونکہ قرآن میں خنزیر کے متعلق ہے ﴿فَإِنَّهُ رِجْسٌ﴾ [الأنعام: ١٤٥] یہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے۔

(5) رنگنے سے ماکول اللحم جانوروں کا چمڑا پاک ہوتا ہے غیر ماکول اللحم کا نہیں کیونکہ احادیث میں بکری وغیرہ (یعنی صرف ماکول اللحم) کا ہی ذکر ہے۔ یہ امام اوزاعیؒ، امام ابن مبارکؒ، امام ابوثورؒ اور امام اسحاق بن راھویہؒ کا مذہب ہے۔

(6) ہر مردار کا چمڑا پاک ہو جاتا ہے لیکن صرف ظاہری طور پر، باطنی طور پر نہیں۔ یہ مذہب امام مالکؒ کے متعلق مشہور ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔

(7) مردار کے چمڑے سے رنگنے کے بغیر بھی فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یہ امام زہریؒ کا شاذ مذہب ہے۔ تمام احادیث اس کا رد کرتی ہیں۔ (غالباً ان کے پاس احادیث نہیں پہنچی ہوں گی)۔(١)

(راجح) پہلا موقف راجح معلوم ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)

(شوکانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٢)

(عبدالرحمن مبارکپوریؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(٣)

(امیر صنعانیؒ) حدیث میں ﴿أیما﴾ کا لفظ ہر مردار کا چمڑا پاک ہونے کی دلیل ہے۔(٤)

(ابن حزمؒ) کسی بھی مردار کا چمڑا ہو یعنی خنزیر، کتا، درندہ یا اس کے علاوہ کسی کا رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے۔(٥)

24- مردار کا چمڑا کھانا بالاتفاق حرام ہے

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے مردار کے چمڑے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ﴿قُلْ لَّا أَجِدُ فِيْ مَا أُوْحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا......﴾ [الأنعام: ١٤٥] پھر آپ ﷺ نے فرمایا ﴿وأنتم لا تطعمونه أن تدبغوه فتنتفعوا به﴾ ''اور تم اسے کھا نہیں سکتے ہو البتہ اسے رنگنے کے بعد اس سے فائدہ حاصل کر سکتے ہو۔''(٦)

اور حدیث نبوی میں ہے کہ ﴿إنما حرم من الميتة أكلها﴾ ''مردار کو صرف کھانا ہی حرام ہے۔''(٧)

---

(١) [شرح مسلم للنووی (٢٩٠/٢) نیل الأوطار (١١٥/١) سبل السلام (٤٤/١) قفوالأثر (٤٩/١) الأم (٩/١) المجموع (٢٧١/١) بدائع الصنائع (٨٥/١) حاشية الدسوقي (٥٤/١) المغنی (٦٦/١)]

(٢) [نیل الأوطار (١١٥/١)]

(٣) [تحفة الأحوذي (٤٠١/٥)]

(٤) [سبل السلام (٤٣/١)]

(٥) [المحلی بالآثار (١٢٨/١)]

(٦) [أحمد (٣٢٧/١) أبو يعلى (٢٣٣٤) ابن حبان (١٢٨١) طبرانی کبیر (١١٧٦٥) بیهقی (١٨/١)] امام ابن ملقنؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ [البدر المنیر (٣٨٥/٢)]

(٧) [موطا (٤٩٨/٢) بخاری (١٤٩٢) كتاب الزكاة: باب الصدقة على موالى أزواج النبى، مسلم (٣٦٣) أبو داود (٤١٢١) نسائی (١٧٢/٧) ابن ماجة (٣٦١٠) دار قطنی (٤١/١) مشكل الآثار (٤٩٧/١) أبو عوانة (٢١١/١) شرح معانی الآثار (٤٦٩/١)]

25- ایسے گھی کو پاک کرنے کا طریقہ جس میں چوہا گر گیا ہو

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایسے گھی کے متعلق سوال کیا گیا جس میں چوہیا گر گئی ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿ألقوها وما حولها و کلوه﴾ ''چوہیا کو اور اس کے اردگرد جگہ سے گھی کو پھینک دو اور اسے (یعنی بقیہ گھی کو) کھالو۔'' (۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس گھی میں چوہیا گر جائے اسے پاک کرنے کے لیے چوہیا اور اس کے اردگرد حصے کے گھی کو پھینک دیا جائے تو گھی پاک ہو جائے گا۔ یاد رہے کہ اس گھی سے مراد جامد گھی ہے اور اگر گھی مائع ہو تو مکمل نجس ہو جائے گا۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب گھی میں چوہیا گر جائے تو ﴿فإن كان جامدا فألقوها وما حولها وإن كان مائعا فلا تقربوه﴾ ''اگر گھی جامد ہو تو چوہیا اور اس کے اردگرد حصے کے گھی کو پھینک دو اور اگر مائع ہو تو اس کے قریب بھی مت جاؤ۔'' (۲)

امام بخاریؒ اور امام ابو حاتمؒ نے اس حدیث پر وہم کا حکم لگایا ہے (یعنی یہ حدیث مسند میمونہ کی ہے مسند ابو ہریرہ کی نہیں)۔ (۳)

اس (حدیث کے کمزور ہونے کے) باوجود یہ حکم صحیح بخاری کی حدیث سے ہی ثابت ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں موجود ہے کہ چوہیا اور اس کے اردگرد کے حصے کو پھینک دو تو اردگرد کے حصے کو پھینکنا صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ گھی جامد ہو۔ (٤)

شرح السنہ میں ہے کہ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ پانی کے علاوہ دیگر مائع اشیاء میں اگر نجاست گر جائے تو وہ نجس ہو جاتی ہیں خواہ مائع کم ہو یا زیادہ۔ (٥) لیکن حدیث ''إن الماء طهور لا ينجسه شيئ'' سے اس کی تردید ہوتی ہے۔

26- ایسی اشیاء کی تطہیر کا طریقہ جن میں مسام نہ ہوں

شیشہ، چھری، تلوار، ناخن، ہڈی، رنگ کیے ہوئے برتن اور ہر ایسی صاف چیز جس میں مسام (یعنی سوراخ و اجزاء وغیرہ) نہ ہوں وہ اس قدر رگڑنے سے پاک ہو جاتی ہے کہ نجاست کا اثر زائل ہو جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی پر کاربند تھے۔ (٦)

---

(١) [بخاري (٥٥٣٨، ٥٥٤٠) كتاب الذبائح والصيد : باب إذا وقعت الفارة في السمن الجامد والذائب، مؤطا (٩٧١/٢) أبو داود (٣٨٤١) ترمذي (١٧٩٩) نسائي (١٨٧/٧)]

(٢) [شاذ : الضعيفة (١٠٣٢) أبو داود (٣٨٤٢) كتاب الأطعمة : باب في الفارة تقع في السمن، أحمد (٢٣٢/٢) بيهقي (٣٥٢/٩)]

(٣) [بلوغ المرام (٦٠٠)]

(٤) [فتح الباري (٥٨٧/٩) سبل السلام (١٠٥٠/٣)]

(٥) [شرح السنة (٥٠/٦)]

(٦) [فقه السنة (٢٣/١)]

27- مشرکین کے برتن نجس نہیں

اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو ایک مشرکہ عورت کے مشکیزے سے پانی پینے اور وضوء کرنے کا حکم دیا۔(۱)

(2) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کرتے اور مشرکین کے برتن اور مشکیزے ہمارے ہاتھ آتے تو ہم ان سے فائدہ اٹھاتے اور یہ عمل صحابہ پر معیوب نہیں ہوتا تھا۔(۲)

(3) رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کے برتنوں میں اُن کا کھانا کھایا۔(۳)

(4) اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کا کھانا حلال قرار دیا ہے۔[المائدۃ:۵]

واضح رہے کہ حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے مروی جس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل کتاب کے برتنوں کو دھونے کا حکم دیا تھا وہ اس لیے تھا کیونکہ وہ ان میں شراب پیتے اور خنزیر کا گوشت پکاتے تھے۔(٤)

❁❁❁

---

(۱) [بخاری (۳٤٤) کتاب التیمم : باب الصعید الطیب وضوء المسلم ......، مسلم (٦٨٢)]

(۲) [**صحیح** : إرواء الغلیل (۱/۷٦) أبو داود (۳۸۳۸) کتاب الأطعمة : باب الأکل فی آنیة أهل الکتاب]

(۳) [بخاری (٥٧٧٧) کتاب الطب : باب ما یذکر فی سم النبی ......، دلائل النبوة للبیهقی (٤/٢٥٦)]

(٤) [أبو داود مع العون (١٠/٣١٤) ترمذی مع التحفة (٥/٥١٥) حاکم (١/١٤٤) نیل الأوطار (١/١٢٧)]

باب قضاء الحاجة ❶ قضائے حاجت کا بیان

عَلَى الْمُتَخَلِّيِ الْاِسْتِتَارُ حَتّٰى يَدْنُوَ مِنَ الْاَرْضِ	جسے ضروری حاجت ہو اس پر لازم ہے کہ زمین کے قریب ہونے سے پہلے کپڑا نہ اٹھائے۔ ❷

❶ اس کا معنی ضرورت پوری کرنا یا حاجت سے فارغ ہونا ہے۔ لفظ قضاء مصدر ہے باب قَضَى يَقْضِي (ضرب) سے جبکہ حاجت پیشاب اور پاخانہ خارج ہونے سے کنایہ ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے ﴿إذا قعد أحدكم لحاجته﴾۔(۱) اور فقہا اسے "باب الاستطابة" سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کا مستدل یہ حدیث ہے ﴿ولا يستطيب بيمينه﴾۔(۲) اور محدثین اسے "باب التخلی" سے تعبیر کرتے ہیں جو کہ آپ ﷺ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے ﴿إذا دخل أحدكم الخلاء﴾۔(۳) اور "باب التبرز" آپ ﷺ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے ﴿البراز في الموارد﴾۔(٤) یہ تمام عبارتیں صحیح و درست ہیں۔(٥)

❷ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كان النبي ﷺ اذا أراد الحاجة لم يرفع ثوبه حتى يدنو من الأرض﴾ "نبی ﷺ جب رفع حاجت کا ارادہ فرماتے تو زمین کے قریب ہونے سے پہلے اپنا کپڑا نہیں اٹھاتے تھے۔"(٦)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ﴿من أتى الغائط فليستتر﴾ "جو قضائے حاجت کے لیے جائے اسے پردہ کر کے بیٹھنا چاہیے۔"(٧)

(3) حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قضائے حاجت کے وقت چھپنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کو جو چیز سب

(۱) [مسلم (٢٦٥) عن ابی هريرة]

(۲) [مسلم (٢٦٧) عن أبي قتادة]

(۳) [مسلم (٢٧١) عن أنس]

(٤) [**صحيح**: صحيح ابن ماجة (٢٦٢) أبو داود (٢٦) ابن ماجة (٣٢٨) عن معاذ]

(٥) [سبل السلام (١٥٦/١) روضة الندية (٩٨/١)]

(٦) [**صحيح**: صحيح أبو داود (١١) كتاب الطهارة : باب كيف التكشف عند الحاجة ' ترمذی (١٤)] امام ترمذیؒ نے اسے مرسل کہا ہے۔[ترمذی (١٤)] جبکہ شیخ مناویؒ بیان کرتے ہیں کہ اس کی بعض سندیں صحیح بھی ہیں۔[فيض القدير (٩٢/٥)]

(٧) [**ضعيف** : الضعيفة (١٠٢٨) ضعيف الجامع الصغير (٥٤٦٨) أبو داود (٣٥) كتاب الطهارة : باب الاستتار في الخلاء' ابن ماجة (٣٣٧) أحمد (٣٧١/٢) بيهقى (٩٤/١) دارمى (١٦٩/١) ابن حبان (١٢٢ ۔ الموارد)] شیخ حازم علی قاضی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔[التعليق على سبل السلام (١٦٩/١)] اور صاحب البدر المنیر کہتے ہیں کہ حق بات یہی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اسے ایک جماعت نے صحیح کہا ہے جن میں امام ابن حبان' امام حاکم اور امام نوویؒ قابل ذکر ہیں۔[مختصر البدر المنير (ص/٢٨) السيل الجرار (٦٣/١)] جبکہ حافظ ابن حجرؒ سے اس حدیث کے متعلق حسن [فتح الباری (٢٥٧/١)] اور ضعیف [تلخيص الحبير (١٠٣/١)] دونوں حکم منقول ہیں۔

سے زیادہ پسند تھی وہ زمین سے بلند جگہ اور کھجور کے درختوں کا جھنڈ تھا۔(۱)

ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ قضائے حاجت کے وقت چھپنے کی ہر ممکن کوشش کرنا مشروع ہے۔(اگرچہ بعض احادیث میں کچھ ضعف ہے لیکن) ستر پوشی میں اصل وجوب ہی ہے اور ستر کی کسی چیز کو بھی ننگا کرنا جائز نہیں ہے اِلا کہ کوئی ضرورت ہو جیسا کہ قضائے حاجت کے وقت۔اس لیے قضائے حاجت کے وقت سے پہلے ستر پوشی واجب ہے اور کوئی بھی شخص قضائے حاجت کے لیے جھکتے ہوئے اپنا ستر ننگا نہ کرے نہ ہی کھڑے ہونے کی حالت میں اور نہ ہی قضائے حاجت کے لیے جاتے ہوئے۔(۲)

وَالْبُعْدُ أَوْ دُخُولُ الْكَنِيفِ	آبادی سے دور چلا جائے ❶ یا بیت الخلا میں داخل ہو جائے۔ ❷

❶ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كان إذا ذهب لحاجته أبعد في المذهب﴾ ''جب آپ ﷺ قضائے حاجت کے لیے جاتے تو بہت دور چلے جاتے۔''(۳)

(2) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے ﴿فانطلق حتى توارى عني فقضى حاجته﴾ ''آپ ﷺ قضائے حاجت کے لیے (اتنی دور) چلے گئے کہ میری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ وہاں آپ ﷺ اپنی حاجت سے فارغ ہوئے۔''(٤)

(3) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ کے ساتھ سفر میں نکلے ﴿فكان لا يأتي البراز حتى يغيب فلا يرى﴾ ''آپ ﷺ قضائے حاجت کے لیے جب بھی جاتے تو غائب ہو جاتے اور آپ ﷺ کو دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔''

سنن ابی داود کی روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿كان إذا أراد البراز انطلق حتى لا يراه أحد﴾(٥)

❷ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک دن میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر (کی چھت) پر چڑھا تو میں نے نبی ﷺ کو (گھر میں) شام کی طرف منہ کیے ہوئے اور کعبہ کی طرف پشت کیے ہوئے قضائے حاجت کرتے دیکھا۔(٦)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر گھر میں قضائے حاجت کا بندوبست ہو (یعنی بیت الخلاء موجود ہو) تو اسی میں حاجت کے لیے

---

(۱) [مسلم (۷٤۳) كتاب الحيض : باب ما يستتر به لقضاء الحاجة ' ابن ماجة (۳٤۰) أبو داود (۲۰٤۹) أحمد (۲۰٤/۱) ابن خزيمة (٥۳)]

(۲) [السيل الجرار (٦٤/۱)]

(۳) [حسن : صحيح أبو داود (۱) كتاب الطهارة : باب التخلي عند قضاء الحاجة ' أبو داود (۱) نسائي (۱۸/۱) ترمذي (۲۰) ابن ماجة (۳۳۱) دارمي (۱٦۹/۱) ابن خزيمة (۳۰/۱) أحمد (۲٤۸/٤) حاكم (۱٤۰/۱) بيهقي (۹۳/۱)]

(٤) [بخاري (۳٦۳) كتاب الصلاة : باب الصلاة في الجبة الشامية ' مسلم (٤۰٤) أبو داود (۱۲۸) نسائي (۸۱)]

(٥) [صحيح : صحيح أبو داود (۲) كتاب الطهارة : باب التخلي عند قضاء الحاجة ' ابن ماجة (۳۳٥) حاكم (۱٤۰/۱) بيهقي (۹۳/۱) ترمذي (۲۰) نسائي (۱۸/۱)]

(٦) [بخاري (۱٤۸) كتاب الوضوء : باب التبرز في البيوت ' مسلم (۲٦٦) أبو داود (۱۲) ترمذي (۱۱) نسائي (۲۳/۱) ابن ماجة (۳۲۲) أحمد (٤۱/۲) ابن خزيمة (٥۹) ابن حبان (۱٤۱۸)]

چلا جائے اور اس وقت اگر چہ لوگ اس کے قریب ہی کیوں نہ ہوں اس پر کوئی گناہ نہیں۔ مزید اس حدیث کی وضاحت اسی باب میں آگے آئے گی۔

وَتَرْكُ الْكَلَامِ وَالْمُلَابَسَةِ لِمَالَهُ حُرْمَةٌ	اس دوران باتیں نہ کرے ❶ اور قابل احترام تمام اشیاء اپنے آپ سے علیحدہ کر دے۔ ❷

❶ (1) حدیث نبوی ہے کہ ﴿لا يتناجى اثنان على غائطهما فان الله يمقت على ذلك﴾ ”دوران قضائے حاجت دو شخص باہم گفتگو نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس فعل پر ناراض ہوتے ہیں۔“ (۱)

(2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کر رہے تھے کہ ایک آدمی نے گزرتے ہوئے سلام کہا ﴿فلم يرد عليه﴾ ”لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جواب نہیں دیا۔“ (۲)

(3) ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمم کرنے کے بعد اسے سلام کا جواب دیا۔ (۳)

(4) حضرت مہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب نہ دینے کا یہ سبب مذکور ہے کہ ﴿إني كرهت أن أذكر الله إلا على طهر﴾ ”(میں نے جواب اس لیے نہیں دیا کیونکہ) میں نے حالت طہارت کے سوا ذکر الٰہی کرنا پسند نہیں کیا۔“ (٤)

❷ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كان النبي ﷺ إذا دخل الخلاء نزع خاتمه﴾ ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو اپنی انگوٹھی اتار دیتے تھے۔“ (٥)

(انگوٹھی اتارنے کا سبب یہ تھا کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی میں محمد رسول اللہ کا نقش موجود تھا۔ (٦)

اس لیے جن اشیاء میں ذکر الٰہی یا مقدس نام ہوں انہیں قضائے حاجت کے مقام سے علیحدہ کر لینا چاہیے کیونکہ ان کی تعظیم وتقدیس کا یہی تقاضا ہے۔ (۷)

---

(۱) [**صحيح لغيره** : الصحيحة (۳۱۲۰) صحيح الترغيب (۱۰۰) أبو داود : كتاب الطهارة : باب كراهية الكلام عند الخلاء، أحمد (۳۶/۳) ابن ماجة (۳٤۲) حاكم (۱۵۷/۱) ابن خزيمة (۳۹/۱)]

(۲) [مسلم (۳۷۰) كتاب الحيض : باب التيمم، أبو داود (۱٦) ترمذى (۹۰) ابن ماجة (۳۵۳) نسائى (۳۵/۱) أبو عوانة (۲۱٦/۱) شرح معانى الآثار (۸۵/۱)]

(۳) [**صحيح** : صحيح أبو داود (۳۱۹) كتاب الطهارة : باب التيمم فى الحضر، أبو داود (۳۲۹) دار قطنى (۱۷۷/۱) شرح معانى الآثار (۸۵/۱) بيهقى (۲۰٦/۱)]

(٤) [**صحيح** : صحيح أبو داود (۱۳) كتاب الطهارة : باب فى الرجل يرد السلام وهو يبول، أبو داود (۱۷) ابن ماجة (۳۵۰) نسائى (۳۷/۱) أحمد (۳٤٥/٤) ابن خزيمة (۲۰٦) طبرانى كبير (۳۲۹/۲۰) بيهقى (۹۰/۱) شرح السنة (۳٦۱/۱)]

(٥) [**ضعيف** : إرواء الغليل (٤۸) أبو داود (۱۹) كتاب الطهارة : باب الخاتم يكون فيه ذكر الله ......، ترمذى (۱۷٤٦) ابن ماجة (۳۰۳) نسائى (۱۷۸/۸) حاكم (۱۸۷/۱) أبو يعلى (۳٥٤۳)]

(٦) [حاكم (۱۸۷/۱) بيهقى (۹٥/۱) تلخيص الحبير (۱۹۱/۱)]

(۷) [المغنى (۱٦۲/۱) مغنى المحتاج (۳۹/۱) الشرح الصغير (۸۷/۱) الدر المختار (۳۱٦/۱)]

قرآن کو تو بالاولی الگ کر لینا چاہیے لیکن اگر ایسا کرنے سے قرآن (یا مقدس اشیاء) کے چوری یا ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو تو انہیں اپنے لباس میں ہی کہیں چھپا لینا چاہیے۔ (کیونکہ بیت الخلاء میں جاتے وقت حافظ قرآن کے سینے سے قرآن کو علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔)(۱)

وَ تَجَنُّبُ الْاَمْكِنَةِ الَّتِي مَنَعَ عَنِ التَّخَلِّي فِيهَا شَرْعٌ أَوْ عُرْفٌ	ایسی جگہوں میں قضائے حاجت سے اجتناب کرے جن سے شریعت نے منع کیا ہے یا عام لوگ جہاں قضائے حاجت کے لیے بیٹھنا برا سمجھتے ہیں۔ ❶

❶ (1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿اتقوا اللاعنين الذي يتخلى في طريق الناس أو في ظلهم﴾ ”دو لعنت کا سبب بننے والی جگہوں سے اجتناب کرو: ایک لوگوں کے راستے میں، دوسرا (ان کے بیٹھنے آرام کرنے کی) سایہ دار جگہ میں قضائے حاجت سے۔(۲)

(2) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿اتقوا الملاعن الثلاثة البراز في الموارد، وقارعة الطريق، والظل﴾ ”لعنت کے تین اسباب سے اجتناب کرو: گھاٹوں پر، شاہراہ عام پر اور سائے کے نیچے قضائے حاجت سے۔“(۳)

28- غسل خانے میں پیشاب کرنا جائز نہیں

(1) حدیث نبوی ہے کہ ﴿نهى رسول الله أن يمتشط أحدنا كل يوم أو يبول في مغتسله﴾ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزانہ کنگھی کرنے اور نہانے کی جگہ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔“(٤)

29- کسی جانور کی بل میں پیشاب کرنا

حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿نهى رسول الله ﷺ أن يبال في الجحر﴾ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (کسی جانور کی) بل میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔“(٥)

ابن سرجس سے قتادہ کے سماع میں اختلاف ہے جیسا کہ امام احمدؒ بیان کرتے ہیں کہ میرے علم کے مطابق قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی صحابی سے روایت نہیں کی۔(٦) لیکن امام علی بن مدینیؒ نے اس کا سماع ثابت کیا ہے اور امام ابن

(١) [فتاوى اللجنة الدائمة (٤٠/٤)]

(٢) [مسلم (٢٦٩) كتاب الطهارة: باب النهي عن التخلي في الطرق والظلال، أبو داود (٢٥) أبو عوانه (١٩٤/١) ابن خزيمة (٦٧) ابن حبان (١٤١٥) حاكم (١٨٥/١) بيهقي (٩٧/١) أحمد (٣٧٢/٢)]

(٣) [حسن: إرواء الغليل (٦٢) أبو داود (٢٦) كتاب الطهارة: باب المواضع التي نهى النبي عن البول فيها، ابن ماجة (٣٢٨) حاكم (١٦٧/١) بيهقي (٩٧/١)]

(٤) [صحيح: صحيح أبو داود (٢١) كتاب الطهارة: باب في البول في المستحم، أبو داود (٢٨) أحمد (١١٠/٤) نسائي (١٣٠/١)]

(٥) [ضعيف: إرواء الغليل (٥٥) أبو داود (٢٩) كتاب الطهارة: باب النهي عن البول في الجحر، نسائي (٣٣/١) أحمد (٨٢/٥) حاكم (١٨٦/١) بيهقي (٩٩/١) شرح السنة (٢٨٩/١)]

(٦) [المراسيل لابن أبي حاتم (ص/١٦٨-١٦٩)]

خزیمہ اور امام ابن سکنؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔(۱)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس روایت کے ضعیف ہونے کی بنا پر اس سے جانور کی بل میں پیشاب سے ممانعت اخذ کرنا درست نہیں البتہ اگر کوئی احتیاطی طور پر بچتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

30- کھڑے پانی میں پیشاب کرنا جائز نہیں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن النبی ﷺ نهى أن يبال فی الماء الراكد﴾ ''نبی ﷺ نے کھڑے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔''(۲)

31- جاری پانی میں پیشاب کرنا کسی صحیح حدیث میں منع نہیں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿ أن النبی ﷺ نهى أن يبال فی الماء الجاری﴾ ''نبی ﷺ نے جاری پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔''(۳)

چونکہ مذکورہ روایت ضعیف ہے لہذا جاری پانی میں پیشاب کرنا ممنوع و ناجائز نہیں۔

32- بوقت ضرورت برتن میں پیشاب کرنا جائز ہے

حضرت رقیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿كان للنبی ﷺ قدح من عيدان تحت سريره يبول فيه بالليل﴾ ''نبی ﷺ کے پاس لکڑی کا ایک پیالہ تھا جو آپ ﷺ کی چارپائی کے نیچے ہوتا۔ آپ ﷺ رات کو اس میں پیشاب کرتے۔''(۴)

علاوہ ازیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿لقد دعا بالطست ليبول فيها﴾ ''آپ ﷺ نے ایک تھال منگوایا تاکہ اس میں پیشاب کریں۔''(۵)

وَعَدَمُ الاِسْتِقْبَالِ وَالاِسْتِدْبَارِ لِلْقِبْلَةِ	قبلے کی طرف منہ یا پشت نہ کرے۔ ❶

❶ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿إذا أتيتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها ولكن شرقوا أو غربوا﴾ ''قضائے حاجت کے وقت قبلہ رخ مت بیٹھو اور نہ ہی اس کی طرف پشت کرو بلکہ مشرق یا مغرب کی جانب پھر جاؤ۔'' حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم شام آئے تو ہم نے ایسے بیت الخلاء دیکھے جو

---

(۱) [تلخيص الحبير (۱۸۷/۱)]

(۲) [مسلم (۲۸۱) كتاب الطهارة : باب النهى عن البول فى الماء الراكد، ابن ماجة (۳٤۳) أبو عوانة (۲۱٦/۱) أحمد (۳۵۰/۳) نسائى (۳٤/۱) ابن حبان (۱۲٤۷) بيهقى (۹۷/۱)]

(۳) [**ضعيف** : الضعيفة (۵۲۲۷) تمام المنة (ص/٦۳) مجمع الزوائد (۲۰٤/۱)]

(٤) [**حسن** : صحيح أبو داود (۱۹) كتاب الطهارة : باب فى الرجل يبول بالليل فى الإناء..... أبو داود (۲٤) نسائى (۳۱/۱) حاكم (۱٦۷/۱) بيهقى (۹۹/۱)]

(۵) [**صحيح** : نسائى (۲۳/۱) كتاب الوصايا : باب هل أوصى النبى، بخارى (۲۷٤۱) مسلم (۱٦۳٦) ابن خزيمة (۳٦/۱) بيهقى (۹۹/۱)]

کعبہ کی جانب بنے ہوئے تھے تو ہم کعبہ سے انحراف کرتے اور اللہ سے استغفار کرتے تھے۔(۱)

(مشرق یا مغرب کی جانب رخ کرنے کا حکم اہل مدینہ کو ہے کیونکہ ان کا قبلہ بجانب جنوب تھا۔ اس کے علاوہ مقصود صرف یہ ہے کہ قبلے کی طرف منہ یا پشت نہ ہو خواہ انہیں شمال یا جنوب کی طرف ہی کیوں نہ کرنا پڑے)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی معنی میں حدیث مروی ہے۔(۲)

مندرجہ ذیل احادیث گذشتہ حدیث کے مخالف معلوم ہوتی ہیں:

(1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ایک دن میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر (کی چھت) پر چڑھا تو ﴿فرأيت النبي على حاجته مستقبل الشام ومستدبر الكعبة﴾ ''میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شام کی طرف منہ اور کعبہ کی طرف پشت کر کے قضائے حاجت کرتے ہوئے دیکھا۔''(۳)

(2) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پیشاب کے وقت قبلہ رخ ہونے سے منع فرمایا ﴿فرأيته قبل أن يقبض بعام يستقبلها﴾ ''لیکن میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی وفات سے ایک سال پہلے قبلے کی طرف رخ کرتے ہوئے دیکھا۔''(٤)

(3) مروان اصفرؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا انہوں نے قبلے کی جانب اپنی سواری بٹھائی پھر اس کی طرف پیشاب کرنے لگے تو میں نے کہا اے ابو عبد الرحمٰن! کیا اس سے منع نہیں کیا گیا؟ تو انہوں نے کہا کیوں نہیں ﴿إنما نهي عن هذا في الفضاء فإذا كان بينك وبين القبلة شيئ يسترك فلا بأس﴾ ''اس عمل سے صرف فضاء میں منع کیا گیا ہے اور جب تمہارے اور قبلے کے درمیان کوئی اوٹ حائل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔''(٥)

اس مسئلے میں فقہاء کے مختلف مذاہب ہیں۔

(مالکؒ، شافعیؒ) قضائے حاجت کے وقت قبلہ رخ ہونا صحرا میں منع ہے آبادی یا عمارتوں میں منع نہیں ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، امام شعبیؒ، امام اسحاقؒ اور ایک روایت میں امام احمدؒ کا بھی یہی موقف ہے۔

(نخعیؒ، ثوریؒ) یہ عمل نہ تو صحرا میں جائز ہے اور نہ ہی عمارتوں میں۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ، امام مجاہدؒ، امام ابو ثورؒ اور ایک روایت میں امام احمدؒ سے بھی یہ مذہب منقول ہے۔

---

(۱) [بخاری (۳۹٤) كتاب الصلاة : باب قبلة أهل المدينة وأهل الشام والمشرق، مسلم (۲٦٤) أبو داود (۹) ترمذی (۸) ابن ماجة (۳۱۸) نسائی (۲۳/۱) أبو عوانة (۱۹۹/۱) ابن خزيمة (٥٧) ابن حبان (١٤١٤) حميدی (۳۷۸) ابن أبي شيبة (۱۵۰/۱)]

(۲) [مسلم (۲٦٥) كتاب الطهارة : باب الاستطابة، أبو عوانة (۲۰۰/۱) أحمد (۲٤۸/۲)]

(۳) [بخاری (١٤٥) كتاب الوضوء : باب من تبرز على لبنتين، مسلم (٢٦٦) أحمد (١٢/٢) أبو داود (١٢) ترمذی (١١) نسائی (٢٣/١) ابن ماجة (٣٢٢) ابن خزيمة (٥٩) ابن حبان (١٤١٨) شرح السنة (٢٧٤/١) بيهقی (٦١/١) ابن أبي شيبة (١٥١/١)]

(٤) [حسن : صحيح أبو داود (١٠) كتاب الطهارة : باب الرخصة في استقبال القبلة عنه قضاء الحاجة، أبو داود (١٣) ترمذی (٩) ابن ماجة (٣٢٥) ابن خزيمة (٣٤/١) حاكم (١٥٤/١) أحمد (٣٦٠/٣) بيهقی (٩٢/١) شرح معاني الآثار (٢٣٤/٤)]

(٥) [حسن : صحيح أبو داود (٨) كتاب الطهارة : باب الرخصة في ذلك، أبو داود (١١)]

(داود ظاہریؒ) صحرا ہو یا عمارت ہر جگہ جائز ہے۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ اور امام مالکؒ کے شیخ امام ربیعہؒ سے بھی یہی مذہب منقول ہے۔

(ابوحنیفہؒ، احمدؒ) ان دونوں ائمہ سے ایک روایت میں یہ منقول ہے کہ قبلہ کی طرف منہ کرنا نہ تو صحرا میں جائز ہے اور نہ ہی عمارتوں میں لیکن پشت کرنا دونوں جگہوں میں جائز ہے۔(۱)

(شوکانیؒ) انصاف کی بات یہ ہے کہ مطلق طور پر منع ہے (کیونکہ آپ ﷺ کا اپنا فعل امت کو دیے ہوئے خاص حکم کے مخالف نہیں ہے)۔(۲)

(صدیق حسن خانؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(۳)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٤)

(البانیؒ) ہر جگہ مطلق طور پر منع ہے۔(٥)

(ابن حزمؒ) بول و براز کے وقت (مطلقا) قبلہ کی جانب منہ یا پشت کرنا جائز نہیں قطع نظر اس سے کہ کوئی شخص مکان کے اندر ہو یا کھلے صحرا میں ہو۔(٦)

(راجح) ممانعت صرف فضاء میں ہے عمارتوں میں نہیں جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث بیان کر دی گئی ہے۔

(ابن حجرؒ) انہوں نے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے مذہب کو ترجیح دی ہے۔(۷)

(نوویؒ) انہوں نے اسی کو راجح کہا ہے۔(۸)

(امیر صنعانیؒ) یہ عمل صحراؤں میں حرام ہے آبادی میں نہیں کیونکہ جواز کی احادیث آبادی کے متعلق ہی ہیں اس لیے اسی پر محمول کی جائیں گی اور ممانعت کی احادیث عام ہیں لہٰذا آپ ﷺ کے فعل کی احادیث سے آبادی کی تخصیص کے بعد صحرا ہی حرمت پر باقی رہ جاتے ہیں۔(۹)

وَعَلَيْهِ الْاِسْتِجْمَارُ بِثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ طَاهِرَةٍ أَوْ مَا يَقُوْمُ مَقَامَهَا	اس پر تین پتھروں (یعنی ڈھیلوں) ❶ یا ان کے قائم مقام ❷ کسی پاک چیز سے استنجاء کرنا لازم ہے۔

❶ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) [شرح مسلم للنووی (۲/۱۵٦ـ۱۵۷) نیل الأوطار (۱/۱۳٦ـ۱۳۷) تحفة الأحوذی (۱/٦۱ـ٦۲)]

(۲) [نیل الأوطار (۱/۱٤۲)]

(۳) [الروضة الندية (۱/۱۰۵)]

(٤) [تحفة الأحوذی (۱/٦٤)]

(٥) [تمام المنة (ص/٦۰)]

(٦) [المحلی بالآثار (۱/۱۸۹)]

(۷) [فتح الباری (۱/۳۳۱)]

(۸) [شرح مسلم (۲/۱۵٦)]

(۹) [سبل السلام (۱/۱٦۷)]

(1) حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿نهانا أن نستنجي بأقل من ثلاثة أحجار﴾ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تین پتھروں سے کم کے ساتھ استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے۔'' (١)

(2) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم كان يأمر بثلاثة أحجار﴾ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم تین پتھروں کے ساتھ (استنجاء کرنے کا) حکم دیتے تھے۔'' (٢)

(3) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی معنی میں حدیث مروی ہے۔ (٣)

(4) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قضائے حاجت کے لیے جاتے وقت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو تین پتھر لانے کا حکم دیا۔ (٤)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ استنجاء کرنا واجب ہے اور تین پتھروں یا تین مرتبہ رگڑنے کے ساتھ (خواہ ایک ہی پتھر سے ہو جس کے تین مختلف اطراف ہوں) واجب ہے۔ تین پتھروں سے کم استعمال کرنا جائز نہیں (اگرچہ کم کے ساتھ ہی طہارت و صفائی حاصل ہو جائے) البتہ حسب ضرورت تین سے زائد استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(شافعیؒ، احمدؒ) اسی کے قائل ہیں۔

(مالکؒ، داودؒ) واجب صرف صفائی کرنا ہے خواہ ایک پتھر سے ہی ہو جائے۔

(ابوحنیفہؒ) استنجاء کرنا واجب نہیں بلکہ سنت ہے اور اس سے مراد صرف صفائی کرنا ہے خواہ کتنے ہی پتھروں سے حاصل ہو۔ (٥)

جنہوں نے تین پتھروں کے استعمال کو واجب نہیں کہا۔ ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

(1) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من استجمر فليوتر من فعل فقد أحسن و من لا فلا حرج﴾ ''جو شخص پتھر استعمال کرے تو وتر (یعنی طاق) کرے، جس نے ایسا کیا بے شک اس نے اچھا کیا اور جس نے ایسا نہ کیا تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔'' (٦)

(2) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، دو پتھر اور ایک گوبر کا خشک ٹکڑا لے آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں پتھر لے لیے اور گوبر کا ٹکڑا پھینک دیا۔ (٧)

---

(١) [مسلم (٢٦٢) كتاب الطهارة : باب الاستطابة، أبو داود (٧) أحمد (٤٣٧/٥) ترمذی (١٦) ابن ماجة (٣١٦) شرح معانی الآثار (١٢٣/١) دار قطنی (٥٤/١) بیهقی (١٠٢/١)]

(٢) [حسن : صحيح أبو داود (٦) كتاب الطهارة : باب كراهية استقبال القبلة عند قضاء الحاجة، أبو داود (٨) نسائی (٤٠) ابن ماجة (٣١٣) أحمد (٢٤٧/٢)]

(٣) [صحيح : صحيح أبو داود (٣١) كتاب الطهارة : باب الاستنجاء بالأحجار، أبو داود (٤٠) نسائی (٤١/١) أحمد (١٠٨/٦) دارمی (١٧٠/١) دار قطنی (٥٤/١) بیهقی (١٠٣/١)]

(٤) [بخاری (١٥٢) كتاب الوضوء : باب لا يستنجي بروث، ترمذی (١٧) ابن ماجة (٣١٣) نسائی (٣٩/١) أحمد (٤١٨/١) أبو يعلی (٥١٢٧) بیهقی (٤١٣/٢) طبرانی كبير (٩٩٥٣)]

(٥) [نيل الأوطار (١٣٨/١) سبل السلام (١٦٨/١) الروضة الندية (١٠٩/١)]

(٦) [ضعيف : الضعيفة (١٠٢٨) أبو داود (٣٥) كتاب الطهارة : باب الاستتار في الخلاء، ابن ماجة (٣٣٧) أحمد (٣٧١/٢) بیهقی (٩٤/١) دارمی (١٦٩/١) ابن حبان (١٣٢ ـ الموارد) شرح معانی الآثار (١٢٢/١)] حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ [تلخيص الحبير (١٠٣/١)] اس کی سند میں دو راوی حصین صبرانی اور ابوسعید مجہول ہیں۔

(٧) [بخاری (١٥٦) كتاب الوضوء : باب لا يستنجي بروث، نسائی (٣٩/١) طبرانی كبير (٩٩٥٣) ترمذی (١٧)]

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے امام طحاویؒ نے کہا ہے کہ اگر تین پتھر ضروری ہوتے تو رسول اللہ ﷺ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو تیسرا پتھر تلاش کرنے کا حکم دیتے جبکہ آپ نے ایسا نہیں کیا۔

اس کا کئی طرح سے جواب دیا گیا ہے:

(1) مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ﴿ائتنی بحجر ثالث﴾ ''میرے پاس کوئی تیسرا پتھر لاؤ۔''(۱)

اس روایت پر منقطع ہونے کا اعتراض کیا گیا ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ میں نے اسے موصول پایا ہے۔(۲)

(2) اگر ہم اس روایت کا ضعیف ہونا اور تیسرے پتھر کا عدم ذکر تسلیم کر بھی لیں تب بھی یہ ان کی دلیل نہیں بنتی۔ کیونکہ اس میں مجرد احتمال ہے اور حدیث سلمان رضی اللہ عنہ میں نص ہے کہ تین سے کم پتھر استعمال نہ کیے جائیں لہذا نص کے مقابلے میں احتمال قابل حجت نہیں۔(۳)

(3) قول اور فعل کے باہم تعارض کے وقت قول کو ترجیح ہوتی ہے۔(٤)

(راجح) امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا موقف راجح ہے۔(٥)

○ امام نوویؒ رقمطراز ہیں کہ قبل اور دبر کے استنجے میں چھ مرتبہ ملنا یعنی ہر ایک کو تین تین مرتبہ ملنا ضروری ہے اور افضل یہی ہے کہ چھ پتھر ہوں لیکن اگر ایک ہی ایسا پتھر استعمال کر لیا جائے کہ جس کے چھ اطراف ہوں تو جائز ہے۔(٦)

امام صنعانیؒ بیان کرتے ہیں کہ احادیث میں ایسا کوئی ذکر موجود نہیں اگر ایسا ہوتا تو نبی ﷺ بھی کسی وقت چھ پتھر طلب فرما لیتے۔(حالانکہ ایسا کچھ ثابت نہیں۔)(۷)

❷ **(1)** حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ سے استنجاء کرنے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿بثلاثة أحجار ليس فيها رجيع﴾ ''ایسے تین پتھروں کے ساتھ جن میں گوبر نہ ہو۔''(۸)

(2) حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ''گوبر اور ہڈی سے استنجاء نہ کیا جائے۔''(۹)

ان احادیث اور اس معنی کی دیگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گوبر لید یا ہڈی وغیرہ کے ساتھ استنجاء کرنے سے آپ

---

(۱) [نيل الأوطار (۱/۱٦٠) مسند أحمد (۱/٤٥٠)]

(۲) [فتح الباری (۱/۳٤٦)]

(۳) [أيضا]

(٤) [أيضا]

(٥) [نيل الأوطار (۱/۱۳۸)]

(٦) [شرح مسلم (۱/۱۳۱) شرح المهذب (۲/۱٠۳) العرف الشذى (۱/۱٠)]

(۷) [سبل السلام (۱/۱٦۸)]

(۸) [صحيح : صحيح أبو داود (۳۲) كتاب الطهارة : باب الاستنجاء بالحجارة ' أبو داود (٤۱) أحمد (٥/۲۱۳) ابن ماجة (۳۱٥) ابن أبی شيبة (۱/۱٥٤) حميدی (٤۳۳) طبرانی كبير (۳۷۲۳) بيهقی (۱/۱٠۳)]

(۹) [صحيح : صحيح ابن ماجة (۲٥٥) كتاب الطهارة : باب الاستنجاء بالحجارة والنهي عن الروث والرمة ' ابن ماجة (۳۱٦) أحمد (٥/٤۳۷) دار قطنی (۱/٥٤) بيهقی (۱/۱٠۲)]

ﷺ کا منع فرمانا اس بات کا ثبوت ہے کہ پتھر یا اس کی مثل پاک اشیاء سے استنجاء کرنا درست ہے۔(۱)

(جمہور) پتھر کے قائم مقام ہر ایسی چیز کے ساتھ استنجاء کرنا جائز ہے جو جامد' طاہر' نجاست کی ذات کو زائل کر دینے والی ہو اور جس کی کوئی حرمت و تقدیس نہ ہو اور نہ ہی کسی حیوان کا کوئی جزء ہو مثلاً لکڑی' کپڑے کا ٹکڑا' اینٹ اور ٹھیکری وغیرہ۔(ان کے دلائل گذشتہ احادیث ہیں۔)

(داود ظاہریؒ) استنجاء صرف پتھروں کے ساتھ ہی جائز ہے جیسا کہ حدیث میں اس کا حکم مذکور ہے۔ امام احمدؒ سے بھی ایک روایت میں یہی مذہب منقول ہے۔(۲)

(راجح) جمہور کا قول راجح ہے۔(۳)

33- پانی سے استنجاء کرنے کا حکم

پانی کے ساتھ استنجاء کرنا جائز ہی نہیں بلکہ افضل ہے کیونکہ طہارت میں اصل پانی ہی ہے۔

(1) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لیے بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو میں اور میرا ہم عمر ایک لڑکا پانی کا ایک برتن اور ایک چھوٹا سا نیزہ لے کر ہمراہ جاتے پھر اس پانی سے آپ ﷺ استنجاء فرماتے۔(٤)

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے خواتین سے کہا ﴿مرن أزواجكن أن يستطيبوا بالماء فإني أستحييهم وإن رسول الله كان يفعله﴾ ''اپنے شوہروں کو پانی کے ساتھ استنجاء کرنے کا حکم دو کیونکہ میں ان سے حیا کرتی ہوں اور بلاشبہ رسول اللہ ﷺ ایسا کرتے تھے۔''(٥)

(3) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا یہ آیت ﴿فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ﴾ [التوبة : ١٠٨] اہل قباء کے بارے میں نازل ہوئی۔(کیونکہ) ﴿كانوا يستنجون بالماء﴾ ''وہ پانی کے ساتھ استنجاء کرتے تھے۔''(٦)

پانی سے استنجاء کرنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا اظہار محبت کرتے ہوئے آیت نازل فرما دینا اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ پانی سے استنجاء کرنا افضل ہے۔

---

(١) [نيل الأوطار (١٦٠/١)]

(٢) [المجموع (١١٢/٢ـ ١١٣) المغني لابن قدامة (١٧٨/١ـ١٧٩)]

(٣) [سبل السلام (١٦٨/١)]

(٤) [بخاري (١٥٠) كتاب الوضوء : باب الاستنجاء بالماء' مسلم (٢٧٠) أحمد (١١٢/٣) نسائي (٤٢/١) دارمي (١٣٨/١) ابن حبان (١٤٤٢) أبو عوانة (١٩٥/١) بيهقي (١٠٥/١)]

(٥) [صحيح : صحيح ترمذي (١٨) كتاب الطهارة : باب ما جاء في الاستنجاء بالماء' ترمذي (١٩) إرواء الغليل (٤٢) نسائي (٤٢/١) أحمد (٩٥/٦) ابن أبي شيبة (١٥٢/١) أبو يعلى (٤٥١٤) بيهقي (١٠٥/١)] امام نوویؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[المجموع (١٠١/٢)]

(٦) [صحيح : صحيح ابن ماجة (٢٨٢) أبو داود (٤٤) كتاب الطهارة : باب في الاستنجاء بالماء' ترمذي (٣١٠٠) ابن ماجة (٣٥٧) بيهقي (١٠٥/١)]

(علامہ عینیؒ) پانی (سے استنجاء) افضل ہے کیونکہ یہ نجاست کی ذات اور اثر کو زائل کر دیتا ہے جبکہ پتھر یا ڈھیلہ نجاست کی ذات کو زائل نہیں کرتا جس وجہ سے اس کا کچھ نہ کچھ اثر باقی رہ جاتا ہے۔(۱)

(شافعیؒ، احمدؒ) اسی کے قائل ہیں۔ امام اسحاقؒ، امام ابن مبارکؒ اور امام ثوریؒ سے بھی یہی مذہب منقول ہے۔(۲)

اگرچہ بعض آثار و روایات میں پانی کے استعمال کی کراہت بھی موجود ہے لیکن گذشتہ صحیح احادیث کے مقابلے میں ان کی کچھ حیثیت نہیں۔ ان آثار میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

(1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿کان لا یستحی بالماء﴾ ''وہ پانی کے ساتھ استنجاء نہیں کرتے تھے۔''(۳)

(2) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ﴿ماکنا نفعله﴾ ''یعنی ہم پانی کے ساتھ استنجاء نہیں کرتے تھے۔''(٤)

مالکیہ میں سے ابن حبیب نے بھی پانی کے ساتھ استنجاء کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ یہ خوراک ہے۔(٥)

34- پانی کی موجودگی میں پتھروں سے استنجاء

اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے۔

(شافعیہ، حنفیہ) پانی کے ساتھ استنجاء کرنا واجب نہیں ہے بلکہ پتھروں سے بھی کفایت کر جاتا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے ﴿فإنها تجزی عنه﴾ ''یعنی تین پتھر اس سے کفایت کر جائیں گے۔''(٦)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، سعید بن مسیبؒ اور عطاؒ کا بھی یہی موقف ہے۔

(حسن بصریؒ، ابن ابی لیلیٰؒ) اگر نماز بھی ادا کرنی ہے تو پھر کفایت نہیں کریں گے بلکہ پانی استعمال کرنا ہی واجب و متعین ہے۔ ان کی دلیل یہ آیت ہے ﴿ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا ﴾ [النساء: ٤٣](٧)

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے:

(1) یہ آیت وضوء کے متعلق ہے استنجاء کے متعلق نہیں۔

(2) نبی ﷺ کے مجرد فعل سے وجوب ثابت نہیں ہوتا اگر ایسا ہے تو پھر انہیں پتھر استعمال کرنے کا وجوب بھی تسلیم کرنا پڑے گا کیونکہ وہ بھی آپ ﷺ کے فعل سے ثابت ہے۔(٨)

(راجح) مذہب شافعیہ احادیث کے زیادہ قریب ہے۔(٩)

---

(١) [عمدة القاری (٢٧٦/٢)]

(٢) [ترمذی (بعد الحدیث ١٩/) کتاب الطهارة : باب ماجآء فی الاستنجاء بالماء]

(٣) [ابن أبی شیبة (١٦٤٧)]

(٤) [ابن أبی شیبة (١٦٤١)]

(٥) [فتح الباری (٣٢/١)]

(٦) [صحیح : صحیح أبو داود (٣١) أبو داود (٤٠)]

(٧) [المجموع (١١١/٢) بدائع الصنائع (٧٩/١) الأصل (٦١/١) فتح القدیر (١٧٧/١) حاشیة الدسوقی (١٠٩/١) الأم (١٩/١)]

(٨) [نیل الأوطار (١٦٥/١)]

(٩) [نیل الأوطار (١٦٥/١) الروضة الندیة (١١٢/١)]

35- پانی اور پتھر دونوں سے استنجاء کرنا

اس ضمن میں کوئی حدیث صحیح نہیں البتہ اگر کوئی مزید طہارت کے لیے ڈھیلوں کے بعد پانی استعمال کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل قباء سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھاری پاکیزگی کے بارے میں بڑی تعریف فرمائی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا ﴿إنا نتبع الحجارة الماء﴾ ''ہم ڈھیلوں کے بعد مزید طہارت کی غرض سے پانی بھی استعمال کرتے ہیں۔'' (۱)

امام ہیثمی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ اس میں محمد بن عبد العزیز بن عمر زہری راوی کو امام بخاری رحمہ اللہ اور امام نسائی رحمہ اللہ نے ضعیف کہا ہے۔

(البانی رحمہ اللہ) انہوں نے اس حدیث کے ضعیف ہونے کی بنا پر اس عمل کو اختیار کرنے پر ''غلو فی الدین'' کا اندیشہ ظاہر کیا ہے۔ (۲)

(علامہ عینی رحمہ اللہ) رقمطراز ہیں کہ جمہور سلف وخلف کا مذہب اور اہل فتویٰ کا جس پر اجماع ہے وہ یہی ہے کہ پانی اور پتھروں کو جمع کرنا افضل ہے لہذا پتھروں کو پہلے اور پھر پانی کو استعمال کیا جائے۔ (۳)

وَتُنْدَبُ الْإِسْتِعَاذَةُ عِنْدَ الشُّرُوْعِ وَالْإِسْتِغْفَارُ وَالْحَمْدُ بَعْدَ الْفَرَاغِ	قضائے حاجت کی ابتداء میں پناہ مانگنا ❶ اور فراغت کے بعد استغفار وحمد کرنا مستحب ہے۔ ❷

❶ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے ﴿اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ﴾ ''اے اللہ میں خبیث جنوں اور خبیث چڑیلوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔'' (٤)

سنن سعید بن منصور کی ایک روایت میں اس دعا کی ابتدا میں ''بسم اللہ'' بھی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو مسلم کی شرط پر کہا ہے جبکہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے شاذ قرار دیا ہے۔ (٥)

اگر اس دعا کے ساتھ بسم اللہ کے الفاظ ثابت نہ بھی ہوں لیکن ایک دوسری صحیح حدیث سے مطلقا ''بسم اللہ'' کہنے کا ثبوت ملتا ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ''بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت اگر کوئی ''بسم اللہ'' پڑھ لے تو جنوں کی آنکھوں اور اولاد آدم کے ستروں کے مابین پردہ حائل ہو جاتا ہے۔'' (٦)

❷ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ جب بیت الخلاء سے خارج ہوتے تو کہتے ﴿غُفْرَانَكَ﴾ ''اے باری

---

(۱) [ضعیف : تمام المنة (ص/٦٥) بزار (١٣٠/١) مجمع الزوائد (٢١٥/١)]

(۲) [تمام المنة (ص/٦٥)]

(۳) [عمدة القاری (٢٧٦/٢)]

(٤) [بخاری (١٤٢) كتاب الصلاة : باب ما يقول عندالخلاء' الأدب المفرد (٦٩٢) مسلم (٣٧٥) أبو داود (٤) نسائی (٢٠/١) ترمذی (٥'٦) ابن ماجة (٢٩٨) دارمی (١٧١/١) ابن أبی شيبة (١/١) أبو يعلی (٣٩٠٢) ابن حبان (١٤٠٤) بيهقی (٩٥/١)]

(٥) [فتح الباری (٢٤٤/١) تمام المنة (ص/٥٧)]

(٦) [صحيح : إرواء الغليل (٥٠) تمام المنة (ص/٥٨) صحيح الجامع الصغير (٣٦١١)]

تعالیٰ! تیری بخشش مطلوب ہے۔'' (۱)

جس روایت میں ہے کہ نبی ﷺ بیت الخلاء سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھتے تھے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ﴾ ''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھ سے تکلیف دور کر دی اور مجھے عافیت دی۔'' وہ ضعیف ہے۔ (۲)

متفرقات

36- کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا حکم

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس کے چھینٹوں سے بچاؤ ممکن ہو اور جن روایات میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی ممانعت ہے وہ تمام ضعیف ہیں۔ (۳)

اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی لوگوں کے گندگی کے ڈھیر پر آئے ﴿فبال قائما﴾ ''اور کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔'' (٤)

(2) حضرت عبداللہ بن دینار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ﴿رأیت عبدالله بن عمر یبول قائما﴾ ''میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا۔'' (٥)

(3) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ کے ساتھ مسجد میں تھے کہ ﴿إذ جاء أعرابی فقام یبول فی المسجد﴾ ''ایک دیہاتی نے مسجد میں آ کر کھڑے ہو کر پیشاب شروع کر دیا۔'' (٦)

اس حدیث سے اس طرح استدلال کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے دیہاتی کو کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے منع نہیں فرمایا

---

(۱) [**صحیح** : إرواء الغلیل (٥٢) أبو داود (٣٠) کتاب الطهارة : باب ما یقول الرجل إذا خرج من الخلاء' ترمذی (٧) نسائی (٢٤/٦) ابن ماجة (٣٠٠) أحمد (١٥٥/٦) دارمی (١٧٤/١) الأدب المفرد (٦٩٣) ابن خزیمة (٤٨/١) حاکم (١٥٨/١) ابن الجارود (٤٢) بیهقی (٩٧/١)] امام نوویؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[المجموع (٩٠/٢) الأذکار (ص/٥٦)]

(۲) [**ضعیف** : إرواء الغلیل (٥٣) تخریج الأذکار (٢١٨/١) ابن ماجة (٣٠١) کتاب الطهارة : باب ما یقول إذا خرج من الخلاء' نتائج الأفکار (٢١٩/١)] حافظ بوصیریؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[الزوائد (١٢٩/١)]

(۳) [التعلیق علی السیل الجرار للشیخ صبحی حلاق (١٩٣/١)]

(٤) [بخاری (٢٢٤) کتاب الوضوء : باب البول قائما وقاعدا' مسلم (٢٧٣) أبو داود (٢٣) نسائی (١٩/١) ابن ماجة (٣٠٥) أحمد (٣٨٢/٥) أبو عوانة (١٩٧/١) ابن خزیمة (٣٥/١) ابن حبان (١٤٢٤) حمیدی (٤٤٢) ابن ابی شیبة (١٧٦/١) بیهقی (١٠٠/١)]

(٥) [مؤطا (٥٠/١)]

(٦) [بخاری (٢٢٠) کتاب الوضوء : باب صب الماء علی البول فی المسجد' أبو داود (٣٨٠) ترمذی (١٤٧) ابن ماجة (٥٢٩) نسائی (١٧٥/١) أحمد (٢٨٢/٢) حمیدی (٩٣٨) أبو یعلی (٥٨٧٦) ابن خزیمة (٢٩٨) ابن حبان (١٣٩٦) بیهقی (٤٢٨/٢) شرح السنة (٣٨١/١)]

اور بعد میں بھی کچھ نہیں کہا۔

حضرت عمر بن خطاب' حضرت زید بن ثابت' حضرت ابن عمر' حضرت سھل بن سعد' حضرت انس بن مالک' حضرت علی' حضرت ابو ہریرہ' حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اور امام ابن سیرینؒ سے بھی کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مروی ہے جبکہ صرف حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ' امام شعبیؒ اور امام ابراہیم بن سعدؒ نے اس سے کراہت کا اظہار کیا ہے۔

(ابن منذرؒ) بیٹھ کر پیشاب کرنا مجھے پسند ہے لیکن کھڑے ہو کر بھی جائز ہے اور یہ سب رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔(۱)

(البانیؒ) یہی بات راجح ہے۔(۲)

(شوکانیؒ) اللہ کے رسول ﷺ سے کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر دونوں طرح پیشاب کرنا ثابت ہے اور ہر طریقہ سنت ہے۔(۳)

لیکن امام شوکانیؒ نے ایک اور جگہ بیان کیا ہے کہ ''کھڑے ہو کر پیشاب کرنا حرام نہیں تو کم از کم شدید مکروہ ہے۔''(٤)

شیخ البانیؒ اس بات کی تردید میں رقمطراز ہیں کہ یہ قول قابل توجہ باتوں میں سے نہیں ہے۔(٥)

(ابن حجرؒ) زیادہ ظاہر یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فعل اس طریقے کے جواز کی وضاحت کے لیے تھا۔(٦)

(عبدالرحمن مبارکپوریؒ) یہ رخصت آج بھی اسی طرح موجود ہے۔(۷)

ممانعت کی ضعیف روایات:

(1) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿نهى رسول الله أن يبول الرجل قائما﴾ ''رسول اللہ نے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔(۸)

(2) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے کھڑے ہو کر پیشاب کرتے دیکھا تو فرمایا ﴿يا عمر لا تبل قائما﴾ ''اے عمر! کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرو۔'' پھر میں نے اس کے بعد کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔(۹)

---

(۱) [شرح مسلم للنووی (۱۳۳/۱)]

(۲) [تمام المنة (ص/٦٤) إرواء الغليل (۹٥/۱)]

(۳) [نيل الأوطار (۱۰۰/۱)]

(٤) [السيل الجرار (٦۷/۱)]

(٥) [تمام المنة (ص/٦٥)]

(٦) [فتح الباری (۳۹٤/۱)]

(۷) [تحفة الأحوذی (۷۸/۱)]

(۸) [**ضعیف**: ضعیف ابن ماجة (٦٤) كتاب الطهارة وسننها: باب فی البول قاعدا' بیهقی (۱۰۲/۱) ابن ماجة (۳۰۹) الضعيفة (۹۳۸)] حافظ بوصیریؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[مصباح الزجاجة (۹۳/۱)]

(۹) [**ضعیف**: ضعیف ابن ماجة (٦۳) كتاب الطهارة وسننها: باب فی البول قاعدا' الضعيفة (۹۳٤) ابن ماجة (۳۰۸) حاكم (۱۸٥/۱) بیهقی (۱۰۲/۱) ابن حبان (۱٤۲۳)] حافظ بوصیریؒ بیان کرتے ہیں کہ اس کی سند میں عبدالکریم راوی کے ضعف پر اتفاق ہے۔امام ترمذیؒ کا کہنا ہے کہ یہ راوی اہل الحدیث کے نزدیک ضعیف ہے۔[ترمذی (بعد الحدیث/ ۱۲) كتاب الطهارة: باب ما جآء في النهي عن البول قائما] اور حافظ ابن حجرؒ نے اسے متروک کہا ہے۔[هدی الساری (ص/٤٤۲)] امام نوویؒ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔[المجموع (۸٤/۲)]

ملاحظات اوران کے جوابات:

(1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی مندرجہ ذیل حدیث بظاہر ہمارے موقف کے خلاف معلوم ہوتی ہے کہ ﴿ما کان رسول الله یبول إلا قاعدا﴾ ''رسول اللہ صرف بیٹھ کر ہی پیشاب کرتے تھے۔'' مسند ابی عوانہ میں یہ لفظ ہیں۔ ﴿ما بال رسول الله قائما منذ أنزل علیه القرآن﴾ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت سے کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا جب سے آپؐ پر قرآن نازل کیا گیا۔''(۱)

فی الحقیقت یہ حدیث ہمارے موقف کے مخالف نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جس قدر علم تھا انہوں نے اتنا ہی بیان کر دیا لہذا انہیں گھر کے معاملات کا تو علم تھا لیکن گھر کے باہر کے معاملات کی انہیں اطلاع نہیں ہوئی (اور کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا واقعہ گھر سے باہر پیش آیا)۔(۲)

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نافی ہے جبکہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مثبت اور یہ بات اصول میں معروف ہے کہ مثبت کو نافی پر ترجیح حاصل ہوتی ہے کیونکہ اس میں علم کی زیادتی ہوتی ہے اس لیے (ثابت ہوا کہ) دونوں طرح پیشاب کرنا جائز ہے البتہ پیشاب کے قطروں سے اجتناب واجب ہے۔ اور یہ مقصد پیشاب کے دونوں طریقوں میں سے جس کے ساتھ بھی حاصل ہو جائے درست ہے۔(۳)

(2) جس روایت میں ہے کہ'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھٹنے میں زخم کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیشاب کیا تھا'' وہ ضعیف ہے۔(٤)

حافظ ابن حجرؒ بیان کرتے ہیں کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو اسی میں (مسئلہ کی) کفایت تھی لیکن امام دارقطنیؒ اور امام بیہقیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔(٥)

(3) اور جس حدیث میں یہ لفظ ہیں ﴿من الجفاء أن تبول قائما﴾ ''تمہارا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا بے کار و رائیگاں ہے۔'' وہ موقوف ہے' مرفوع ثابت نہیں ہے۔(٦)

گذشتہ تمام دلائل اس بات کا قطعی ثبوت ہیں کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا بعینہ اسی طرح جائز و درست ہے جیسے بیٹھ کر درست ہے البتہ پیشاب کے قطروں اور چھینٹوں سے اجتناب کی ہر ممکن کوشش کرنا واجب ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ'' پیشاب کے قطروں سے پرہیز نہ کرنے کی وجہ سے ایک شخص کو قبر میں عذاب دیا جا رہا تھا۔''(۷)

37- خوراک یا کسی قابل احترام چیز سے استنجاء کرنا جائز نہیں

(1) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی جس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جنوں سے ملاقات کا تذکرہ ہے اس میں آپ

---

(۱) [**صحیح** : الصحیحة (۲۰۱) ترمذی (۱۲) کتاب الطهارة : باب ما جاء فی النهی عن البول قائما' ابن ماجة (۳۰۷) نسائی (۲٦/۱) ابن أبی شیبة (۱۲۳/۱) أحمد (۱۳٦/٦) أبو عوانة (۱۹۸/۱) حاکم (۱۸۱/۱) بیهقی (۱۰۱/۱)]

(۲) [نیل الأوطار (۱۵۱/۱) تحفة الأحوذی (۷٦/۱)]

(۳) [تمام المنة (ص/٦٤) الصحیحة (۲۰۱) إرواء الغلیل (۹۵/۱)]

(٤) [**ضعیف** : حاکم (۱۸۲/۱) بیهقی (۱۰۱/۱)]

(٥) [فتح الباری (٤٤۲/۱)]

(٦) [**صحیح موقوف** : إرواء الغلیل (۵۹) بیهقی (۲۸۵/۲) ابن أبی شیبة (۱۲٤/۱)]

(۷) [مسلم (۲۹۲) کتاب الطهارة : باب الدلیل علی نجاسة البول......]

ﷺ نے ہڈی کو جنوں کا زادِ راہ اور گوبر کو جانوروں کا چارہ قرار دینے کے بعد فرمایا ﴿فلا تستنجوا بهما فإنهما طعام خوانكم﴾ ''تم ان دونوں سے استنجاء نہ کرو کیونکہ یہ تمھارے بھائیوں کی خوراک ہے۔'' (۱)

جب جنوں اور جانوروں کی خوراک سے استنجاء کرنا جائز نہیں ہے تو انسانوں کی خوراک سے بالاولی جائز نہیں ہے اسی طرح مقدس ومحترم اشیاء سے بھی استنجاء کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ یہ ان کی حرمت کے خلاف ہے۔

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی معنی میں حدیث مروی ہے۔ (۲)

38- پیشاب کے چھینٹوں سے اجتناب ضروری ہے

(1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ دو قبروں کے قریب سے گزرے تو فرمایا ''انہیں عذاب دیا جا رہا ہے اور ان میں سے ایک کو عذاب دیے جانے کا سبب یہ ہے ﴿فكان لا يستنزه من بوله﴾ ''وہ اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔'' (۳)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿أكثر عذاب القبر من البول﴾ ''قبر کا اکثر عذاب پیشاب کی وجہ سے ہوتا ہے۔'' (٤)

39- دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا حرام ہے

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿ولا يستطب بيمينه﴾ ''اور (کوئی شخص) اپنے دائیں ہاتھ سے استنجا نہ کرے۔'' (٥)

(2) حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے ﴿ولا يستنجي بيمينه﴾ ''اور (کوئی شخص) اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ استنجاء نہ کرے۔'' (٦)

---

(۱) [مسلم (٤٥٠) كتاب الصلاة : باب الجهر بالقرائة في الصبح والقرائة على الجن' أحمد (٤٣٦/١) أبو داود (٨٥) ترمذى (١٨) ابن أبى شيبة (١٥٥/١) أبو عوانة (٢١٩/١) ابن حبان (١٤٣٢) دار قطنى (٧٧/١) بيهقى (١٠٨/١)]

(۲) [بخارى (١٥٥ ' ٣٨٦٠) أحمد (٥٠/٢) بيهقى (١٠٢/١)]

(۳) [مسلم (٢٩٢) كتاب الطهارة : باب الدليل على نجاسة البول و وجوب الاستبراء منه ' بخارى (٢١٦) ابن أبى شيبة (١٢٢/١) أحمد (٢٢٥/١) دارمى (١٨٨/١) أبو داود (٢٠) ترمذى (٧٠) نسائى (٢٨/١) ابن ماجة (٣٤٧) بيهقى (١٠٤/١) ابن خزيمة (٥٦)]

(٤) [صحيح : صحيح ابن ماجة (٢٧٨) كتاب الطهارة وسننها : باب التشديد فى البول' إرواء الغليل (٢٨٠) ابن ماجة (٣٤٨) أحمد (٣٢٦/٢) ابن أبى شيبة (١٢١/١) حاكم (١٨٣/١) دار قطنى (١٢٨/١) بيهقى (٤١٢/٢)] حافظ بوصیریؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[الزوائد (١٤٦/١)]

(٥) [صحيح : صحيح أبو داود (٦) كتاب الطهارة : باب كراهية استقبال القبلة عند قضاء الحاجة ' أبو داود (٨) ابن ماجة (٣١٣) نسائى (٤٠) أحمد (٢٤٧/٢) أبو عوانة (٢٠٠/١) مسند شافعى (٦٤) حميدى (٤٣٤/٢) ابن خزيمة (٤٣/١)]

(٦) [بخارى (١٥٤) كتاب الوضوء : باب لا يمسك ذكره بيمينه إذا بال' مسلم (٢٦٧) أبو عوانة (٢٢٠/١) أبو داود (٣١) ترمذى (١٥) ابن ماجة (٣١٠) نسائى (٢٤) دارمى (١٣٧/١) أحمد (٣٨٣/٤)]

(نوویؒ) دائیں ہاتھ سے استنجے کی ممانعت پر علماء کا اجماع ہے۔(۱)

(شوکانیؒ) نہی حرمت کا تقاضا کرتی ہے۔(۲)

(بعض اہل ظاہر) دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا حرام ہے البتہ جمہور اسے نہی تنزیہی پر محمول کرتے ہیں۔(۳)

(راجح) ممانعت حرمت کے لیے ہے جب تک کہ کوئی قرینہ صارفہ نہ مل جائے۔

40- بلا ضرورت شرمگاہ کو دیکھنا درست نہیں

ایک آدمی کے سوال پر آپ ﷺ نے فرمایا ﴿إن استطعت أن لا يراها أحد فافعل﴾ ''اگر تو طاقت رکھتا ہے کہ اسے کوئی نہ دیکھے تو ایسا ہی کر۔''(٤)

اس حدیث کے عموم میں انسان بذات خود بھی شامل ہے (یعنی وہ اپنی شرمگاہ کو خود بھی نہ دیکھے)۔(٥)

41- سورج اور چاند کی طرف منہ کر کے قضائے حاجت

اس سے ممانعت کا قول اہل فروع کی تعجب خیز باتوں میں سے ہے کہ جس پر نہ تو کوئی صحیح' نہ کوئی حسن اور نہ ہی کوئی ضعیف روایت بطور ثبوت موجود ہے اور اس بارے میں جو کچھ بھی روایت کیا جاتا ہے وہ رسول اللہ ﷺ پر کذب وافتراء ہے۔(٦)

42- دوران قضائے حاجت بائیں پاؤں پر وزن دینا

حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی جس روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے قضائے حاجت کے متعلق سکھلایا کہ ''ہم بائیں پاؤں پر وزن دے کر بیٹھیں اور دائیں کو کھڑا رکھیں۔'' وہ ضعیف ہے۔(٧)

43- بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت پہلے کون سا قدم رکھا جائے؟

بیت الخلاء میں داخل ہوتے ہوئے بایاں پاؤں اور اس سے خارج ہوتے ہوئے پہلے دایاں پاؤں آگے کرنے میں ایک سبب ہے اور وہ یہ ہے کہ (ہر) معزز ومحترم کام کو دائیں طرف سے شروع کیا جاتا ہے اور (ہر) غیر محترم کام کو بائیں جانب سے شروع کیا جاتا ہے۔(٨)

---

(١) [شرح مسلم (١٥٩/٢)]

(٢) [السيل الجرار (٦٩/١)]

(٣) [نيل الأوطار (١٣٨/١)]

(٤) [حسن : صحيح أبو داود (٣٣٩٠) كتاب الحمام : باب ما جآء في التعرى' أبو داود (٤٠١٧) ابن ماجة (١٩٢٠) ترمذی (٢٧٦٩) حاكم (١٨٠/٤)]

(٥) [السيل الجرار (٦٨/١)]

(٦) [السيل الجرار (٦٩/١)]

(٧) [ضعيف : بيهقى (٩٦/١)] جیسا کہ شیخ حازم علی قاضی اور شیخ محمد صبحی حسن حلاق نے اسے ضعیف کہا ہے۔[التعليق على سبل السلام للحازم (١٧٦/١) التعليق على السيل الجرار للحلاق (١٨٧/١)]

(٨) [السيل الجرار (٦٤/١)]

باب الوضوء ❶ وضوء کا بیان

پہلی فصل

وضوء کے فرائض

يَجِبُ عَلٰى كُلِّ مُكَلَّفٍ أَنْ يُسَمِّيَ إِذَا ذَكَرَ	ہر مکلف پر واجب ہے کہ اگر اسے یاد ہو تو (ابتدائے وضوء میں) بسم اللہ پڑھے۔ ❷

❶ **لغوی وضاحت:** لفظ ''وُضُوء'' واو کے ضمہ کے ساتھ ہو تو مصدر ہے جس کا معنی ''وضوء کرنا'' ہے اور ''وَضُوء'' واؤ کے فتحہ کے ساتھ ہو تو ایسے پانی کے لیے بولا جاتا ہے جس سے وضوء کیا جاتا ہے اور اگر واؤ کے کسرہ کے ساتھ ہو یعنی ''وِضُو'' تو اس برتن کو کہتے ہیں جس سے وضوء کیا جاتا ہے۔ اصل میں وضوء ''وضاءة'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی خوبصورتی و نظافت ہے اور نماز کے وضوء پر (یہ لفظ) اسی لیے بولا جاتا ہے کیونکہ یہ وضوء کرنے والے کو صاف اور خوبصورت بنا دیتا ہے۔

شرعی تعریف: جسم کے مخصوص اعضاء کو دھونا اور ملنا۔(۱)

مشروعیت: وضوء نماز کے لیے شرط ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل دلائل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے:

(1) ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ [المائدة: ٦] ''اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے جانے کا ارادہ کرو تو اپنے چہروں اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے قدموں کو ٹخنوں تک دھو لو۔''

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿إن الله لا يقبل صلاة أحدكم إذا أحدث حتى يتوضأ﴾ ''بے شک اللہ تعالیٰ تم میں سے بے وضوء شخص کی نماز قبول نہیں فرماتے تاوقتیکہ وہ وضوء نہ کر لے۔''(۲)

(3) ایک روایت میں ہے کہ ﴿الوضوء شطر الايمان﴾ ''وضوء نصف ایمان ہے۔''(۳)

محققین کے نزدیک وضوء مدینہ میں فرض کیا گیا کیونکہ اس کے خلاف کوئی نص موجود نہیں اور یہ اس امت کی خصوصیات میں سے نہیں ہے بلکہ اس کی خصوصیات سے صرف ''**غرہ و تحجیل**'' (اعضائے وضوء کی چمک) ہی ہے۔(٤)

لیکن نواب صدیق حسن خانؒ بیان کرتے ہیں کہ (وضوء کو) ہجرت سے ایک سال پہلے نماز کے ساتھ ہی فرض کر دیا گیا تھا اور یہ بقیہ امتوں کی نسبت اس امت کی خصوصیات میں شامل ہے۔(٥)

شیخ وھبہ زحیلی نے بھی مکہ ہی میں وضوء کی مشروعیت کا ذکر کیا ہے۔(٦)

---

(۱) [القاموس المحيط (ص/٥٣) النهاية (١٥٩/٥) الصحاح (٨١/١)]

(۲) [بخاری (١٣٥) كتاب الوضوء: باب لا تقبل صلاة بغير طهور' مسلم (٢٣٠)]

(۳) [**صحيح** : صحيح ترمذى (٢٧٩١) كتاب الدعوات : باب ......' ترمذى (٣٥١٧)]

(٤) [سبل السلام (٧٤/١)]

(٥) [روضة الندية (١١٧/١)]

(٦) [الفقه الإسلامى وأدلته (٣٦٠/١)]

❷ حدیث نبوی ہے کہ ﴿لا وضوء لمن لم یذکر اسم الله علیه﴾ ”جو شخص وضوء کے وقت بسم اللہ نہیں پڑھتا اس کا وضوء نہیں ہوتا۔“ یہ حدیث مندرجہ ذیل صحابہ سے مروی ہے۔

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (۱) (2) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ (۲)
(3) حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ (۳) (4) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (۴)
(5) حضرت سھل بن سعد رضی اللہ عنہ (۵) (6) حضرت ابو سبرۃ رضی اللہ عنہ (۶)
(7) حضرت ام سبرہ رضی اللہ عنہا (۷) (8) حضرت علی رضی اللہ عنہ (۸)
(9) حضرت انس رضی اللہ عنہ (۹)

اس حدیث کی صحت کے متعلق علماء کی رائے:

(ابن حجرؒ) ظاہر بات یہی ہے کہ احادیث کے مجموعہ سے قوت پیدا ہو جاتی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی کوئی نہ کوئی اصل لامحالہ موجود ہے۔(۱۰)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۱۱)

(شوکانیؒ) یہ حدیث صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے اور یہ اسناد ایک دوسرے کو قوی و مضبوط کر دیتی ہیں (جس بنا پر)

---

(۱) [صحیح : صحیح أبو داود (۹۲) کتاب الطهارة : باب فی التسمیة علی الوضوء' أبو داود (۱۰۱) أحمد (۴۱۸/۲) ابن ماجة (۳۹۹) دار قطنی (۷۲/۱) بیهقی (۴۳/۱)]

(۲) [حسن : صحیح ابن ماجة (۳۱۸) کتاب الطهارة : باب ما جاء فی التسمیة' إرواء الغلیل (۸۱) ابن ماجة (۳۹۷) أبو یعلی (۳۲۴/۲) أحمد (۴۱/۳) دار قطنی (۷۱/۱) حاکم (۱۴۷/۱) ابن أبی شیبة (۳۰۲/۱) دارمی (۱۷۶/۱)]

(۳) [حسن : صحیح ابن ماجة (۳۱۹) کتاب الطهارة : باب ما جاء فی التسمیة' ابن ماجة (۳۹۸) ترمذی (۲۵) ابن أبی شیبة (۳/۱) طیالسی (۲۴۳) أحمد (۷۰/۴) مشکل الآثار (۶۲/۱) دار قطنی (۷۲/۱) حاکم (۶۰/۴) بیهقی (۴۳/۱)]

(۴) [حسن : کشف الأستار للبزار (۱۳۷/۱) أبو یعلی (۱۴۲/۸) دار قطنی (۷۲/۱) ابن أبی شیبة (۳/۱) مجمع الزوائد (۲۲۰/۱)]

(۵) [حسن : صحیح ابن ماجة (۳۲۱) کتاب الطهارة : باب ما جاء فی التسمیة' ابن ماجة (۴۰۰) حاکم (۲۶۹/۱) المعجم الکبیر (۱۲۱/۶)]

(۶) [حسن : الدولابی فی الکنی (۳۶/۱) مجمع الزوائد (۲۲۸/۱)]

(۷) [حسن : الدولابی فی الکنی (۸۶/۱)]

(۸) [حسن : الکامل لابن عدی (۱۸۸۳/۵)]

(۹) [حسن : دار قطنی (۷۱/۱)]

(۱۰) [تلخیص الحبیر (۲۵۷/۱)]

(۱۱) [تحفة الأحوذی (۱۱۶/۱)]

ان سے حجت لینا درست ہے۔(۱)

(ابوبکر بن اُبی شیبہؒ) ہمارے لیے یہ بات ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے یہ فرمایا ہے (یعنی گذشتہ حدیث)۔(۲)

(ابن کثیرؒ) ''الارشاد'' میں رقمطراز ہیں کہ اس کی اسناد ایک دوسرے کو مضبوط کر دیتی ہیں اور یہ حدیث حسن یا صحیح ہے۔(۳)

(صدیق حسن خانؒ) اس میں شک کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ (تمام اسناد) قابل حجت ہیں بلکہ مجرد پہلی حدیث ہی قابل حجت ہے کیونکہ وہ حسن ہے۔(٤)

(سید سابقؒ) وضوء کے لیے بسم اللہ پڑھنے کے متعلق چند ضعیف روایات وارد ہوئی ہیں لیکن ان کا مجموعہ انہیں تقویت پہنچاتا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی کوئی اصل بہر حال موجود ہے۔(٥)

(ابن قیمؒ) وضوء کرتے وقت بسم اللہ پڑھنے کی احادیث حسن درجہ کی ہیں۔(٦)

نیز موصوف ایک اور جگہ رقمطراز ہیں کہ ''وضوء کے وقت اذکار کی تمام احادیث کذب و افتراء ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کچھ بھی نہیں فرمایا' نہ ہی اپنی امت کو سکھایا اور نہ ہی آپ ﷺ سے ثابت ہے سوائے ابتدائے وضوء میں بسم اللہ پڑھنے کے۔(٧)

(احمد شاکرؒ) اس حدیث کی سند حسن ہے۔(٨)

(منذریؒ) اس مسئلہ میں احادیث تو بہت زیادہ ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی مقال سے خالی نہیں ہے..... لیکن کثرت اسناد کی وجہ سے یہ ایک دوسرے کو مضبوط کر دیتی ہیں اور ان میں قوت پیدا ہو جاتی ہے۔(٩)

(ابن صلاح ابوعمروؒ) احادیث کے مجموعہ کی وجہ سے یہ حدیث حسن ثابت ہو جاتی ہے۔ (واللہ اعلم)(۱۰)

(حافظ عراقیؒ) اس مسئلہ میں بہترین چیز حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے (یعنی مذکورہ روایت)۔(۱۱)

(البانیؒ) اس مسئلہ میں سب سے زیادہ قوی حدیث وہ ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔(۱۲)

---

(۱) [السيل الجرار (۷٦/۱)]

(۲) [أيضا]

(۳) [أيضا]

(٤) [الروضة الندية (۱۱۹/۱)]

(٥) [فقه السنة (٤۰/۱)]

(٦) [المنار المنيف (ص/٤٥)]

(٧) [زاد المعاد (۱۹٥/۱)]

(٨) [شرح ترمذی (۳۸/۱)]

(٩) [الترغيب و الترهيب (۱۰۰/۱)]

(۱۰) [نتائج الأفكار (۲۳۷/۱)]

(۱۱) [المغنى عن حمل الأسفار فى الأسفار (۱۳۳/۱)]

(۱۲) [تمام المنة (ص/۸۹)]

(صحیح حسن حلاق) یہ حدیث حسن ہے۔(۱)
(اسحاق بن راہویہؒ) اس مسئلے میں کثیر بن زید کی حدیث (یعنی مذکورہ حدیث) سب سے زیادہ صحیح ہے۔(۲)
جب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ علی الأقل یہ حدیث حسن بہر حال ضرور ہے تو یہ یاد رہے کہ حسن حدیث محدثین کے نزدیک قابل حجت و قابل عمل ہے۔(۳)

مذاہب فقہاء:

امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ مستحب بھی نہیں ہے اور امام مالکؒ سے دو روایات منقول ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ (بسم اللہ پڑھنا) بدعت ہے اور دوسری روایت جواز کی ہے یعنی نہ تو اس کے پڑھنے میں کوئی فضیلت و اجر ہے اور نہ ہی اسے ترک کرنے میں کوئی قباحت و کراہت ہے۔(٤)

جمہور فقہاء کے نزدیک بسم اللہ پڑھنا مشروع ہے لیکن انہوں نے اس کے شرعی حکم میں اختلاف کیا ہے۔

(1) یہ رکن یا شرط ہے۔ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس کے قائل ہیں۔(٥)

(2) مطلقاً واجب ہے۔ یعنی جس نے اسے چھوڑا اس کا وضوء صحیح نہیں ہوگا خواہ وہ عمداً چھوڑے یا سہواً اور بسم اللہ کا حکم نسیان کی وجہ سے رفع نہیں ہوگا کیونکہ جو چیز نسیان کی وجہ سے رفع ہو جاتی ہے وہ گناہ ہے لیکن جو شخص وضوء یا نماز سے کوئی شرط یا رکن بھول کر چھوڑ دے تو اسے بہر حال بجالانا ضروری ہے الا کہ جس کے متعلق کوئی خاص دلیل ہو جیسا کہ حالت روزہ میں کھانا یا بھول کر نماز میں کلام کرنا۔ یہ امام احمدؒ سے ایک روایت میں مروی ہے نیز اہل ظاہر اور امام شوکانیؒ کا یہی مذہب ہے۔(٦)

(3) بسم اللہ پڑھنا صرف اسی پر واجب ہے جسے یاد ہو۔ یہ ہادویہ کا مذہب ہے اور مذہب حنابلہ میں ایک قول یہی ہے۔(۷)

(4) بسم اللہ پڑھنا سنت ہے۔ یہ جمہور فقہاء کا موقف ہے۔(۸)

(راجح) بسم اللہ پڑھنا واجب ہے۔
اگرچہ حدیث کے بظاہر الفاظ بسم اللہ کے وضوء کے لیے شرط ہونے کو ثابت کر رہے ہیں جیسا کہ شرط کی تعریف یہ ہے کہ ''جس کے انتفاء سے حکم کا انتفاء لازم ہو جبکہ اس کے وجود سے حکم کا وجود لازم نہ ہو۔''(۹)

---

(۱) [التعليق على سبل السلام (۲۷۸/۱)]
(۲) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: كشف المخبوء لثبوت حديث التسمية عند الوضوء لأبي اسحاق الحويني الأثري]
(۳) [نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر (ص/٤١) المنهل الروى في مختصر علوم حديث النبوى (ص/٤٤) منهج النقد في علوم الحديث (ص/۲۷۱) تدريب الراوى (۱٦٠/۱) جواهر الأصول (ص/۲۲) الباعث الحثيث (ص/٤٥) تيسير مصطلح الحديث (ص/٥١)]
(٤) [المجموع (۳٤٦/۱)]
(٥) [تحفة الأحوذى (۱۱۹/۱) حجة الله البالغة (۱۷٥/۱)]
(٦) [المجموع (۳٤٦/۱) السيل الجرار (۷٦/۱) الإنصاف للمرداوى (۱۲۸/۱)]
(۷) [التاج المذهب (۳۸/۱) الكافى (۲٤/۱)]
(۸) [المجموع (۳٤٦/۱) المغنى (۱۱٤/۱-۱۱٥)]
(۹) [الوجيز (ص/٥۹) إرشاد الفحول (ص/٦۲) البحر المحيط (۳۰۹/۱) الإحكام للآمدى (۱۲۱/۱)]

اور اس حدیث میں وضوء کی نفی کو بسم اللہ کی نفی پر محمول و موقوف کیا گیا ہے' لیکن میں اس کے حکم اصلی یعنی شرط کو اس کی اسناد میں ضعف اور مقال و کلام کے پیش نظر کم از کم وجوب کی طرف پھیرتے ہوئے اسی کو راجح قرار دیتا ہوں۔ (واللہ اعلم)

(البانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۱)

(شوکانیؒ) یہ صیغہ یعنی آپ ﷺ کا فرمان ﴿لا وضوء لمن لم یذکر اسم الله علیه﴾ اگر اس میں نفی (یعنی لا) سے مراد نفی الذات ہے جیسا کہ یہی حقیقت ہے تو یہ بات اس کی دلیل ہے کہ بسم اللہ کے نہ ہونے سے وضوء بھی نہیں ہوگا۔ یعنی شریعت میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی اور اگر یہاں نفی سے مراد نفی الصحت ہے (یعنی وضوء بسم اللہ کے بغیر صحیح نہیں ہوتا) جیسا کہ حقیقت کے زیادہ قریب مجاز یہی ہے (کیونکہ نفی الصحت نفی الذات کو مستلزم ہے) تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جس نے بسم اللہ نہ پڑھی اس کا وضوء صحیح نہیں ہوگا اور اگر یہاں نفی سے مراد نفی کمال ہے (یعنی وضوء بسم اللہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتا) جو کہ حقیقت سے اَبعد المجازین ہے کیونکہ نہ تو نفی الذات پر دلالت کرتا ہے اور نہ ہی نفی الصحت پر بلکہ صحت وضوء پر دلالت کرتا ہے لیکن صرف اتنا ہے کہ وہ مکمل نہیں ہے لہذا اسے حقیقی معنی پر محمول کرنا ہی واجب ہے اِلا کہ کوئی قرینہ صارفہ مل جائے۔(۲)

(صدیق حسن خانؒ) بلاشبہ حدیث نے ایسے شخص کے وضوء کی نفی کر دی ہے جس نے بسم اللہ نہیں پڑھی اور یہ ایسی شرطیت کا فائدہ دیتی ہے جس کا عدم عدم کو مستلزم ہے اور یہ بات اس کے وجوب سے زائد ہے کیونکہ وجوب تو کم از کم ہے جو اس حدیث سے ثابت ہو ہی جاتا ہے۔(۳)

مزید ایک دوسری جگہ بیان کرتے ہیں کہ ''نفی جب ذات کی طرف متوجہ ہو یعنی شرعی وضوء بذاتہ ہوتا ہی نہیں یا صحت کی طرف متوجہ ہو تو بسم اللہ کے وجوب کی دلیل ہوگی۔(٤)

اگر کوئی بسم اللہ پڑھنا بھول جائے:

تو یقینا اس پر کوئی حرج نہیں ہے کہ اسے جب یاد آئے اسی وقت پڑھ لے کیونکہ بھول چوک کے گناہ میں معافی ہے جیسا کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے ﴿رفع عن أمتی الخطا والنسیان وما استکر هوا علیه﴾ ''میری امت سے خطا' بھول اور جس کام پر مجبور کیا گیا ہو کے گناہ کو معاف کر دیا گیا ہے۔''(٥)

امام ابوداودؒ نے امام احمدؒ سے دریافت کیا کہ جب کوئی وضوء میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے (تو اس کا کیا حکم ہے)؟ تو امام احمدؒ نے جواب دیا کہ ''مجھے امید ہے کہ اس پر کچھ نہیں ہے۔''(٦)

---

(۱) [تمام المنة (ص/۸۹)]

(۲) [السیل الجرار (۷۷/۱)]

(۳) [الروضة الندیة (۱۱۹/۱)]

(٤) [الروضة الندیة (۱۲۱/۱)]

(٥) [صحیح : صحیح الجامع الصغیر (۳۵۱۵) إرواء الغلیل (۸۲) ابن ماجه (۲۰٤۳' ۲۰٤٥) کتاب الطلاق : باب طلاق المکره والناسی]

(٦) [المغنی لابن قدامة (۱٤٦/۱)]

(ابن قدامہؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۱)

بسم اللہ کے الفاظ:

ابتدائے وضوء میں صرف ''بسم اللہ'' کہنا ہی نبی ﷺ سے صحیح احادیث میں ثابت ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں ہے ﴿توضؤا بسم الله﴾ ''بسم اللہ کہتے ہوئے وضوء شروع کرو۔''(۲)

علاوہ ازیں نبی ﷺ کے فعل سے بھی صرف ''بسم اللہ'' کہنا ہی ثابت ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ پانی کے برتن میں رکھا پھر فرمایا ''بسم اللہ'' پھر کہا اچھی طرح وضوء کرو۔''(۳)

معلوم ہوا کہ ابتدائے وضوء میں بسم اللہ کے ساتھ ''الرحمٰن الرحیم'' کے الفاظ ثابت نہیں ہیں جیسا کہ ذبح کے وقت بھی ''بسم اللہ'' کہنا مشروع ہے اور ہم انہی الفاظ پر اکتفاء کرتے ہوئے ''الرحمٰن الرحیم'' کا اضافہ نہیں کرتے بعینہ ابتدائے وضوء میں بھی ان الفاظ کا اضافہ نہ ہی کرنا زیادہ قرین قیاس ہے اور اسی موقف کو صاحب مغنی نے اختیار کیا ہے۔(٤)

وَيَتَمَضْمَضُ وَيَسْتَنْشِقُ	کلی کرے اور ناک میں پانی چڑھائے۔ ❶

❶ **لغوی وضاحت:** مضمضہ ''منہ میں پانی کو حرکت دینا۔'' استنشاق ''ناک میں پانی داخل کرنا۔'' استنثار ''ناک سے پانی خارج کرنا۔''(٥)

مضمضہ واستنشاق کے وجوب میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن راجح وجوب ہی ہے اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) ﴿فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ﴾ [المائدة :٦] ''(دوران وضوء) اپنے چہروں کو دھولو۔'' چہرے میں مضمضہ اور استنشاق کی جگہ بھی شامل ہے جیسا کہ شیخ البانیؒ نے یہ وضاحت فرمائی ہے۔(٦)

(2) رسول اللہ ﷺ سے اسی پر مداومت ثابت ہے۔

(3) حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿إذا توضأت فمضمض﴾ ''جب تم وضوء کرو تو کلی کرو۔''(۷)

(4) حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿ وبالغ في الاستنشاق إلا أن تكون

---

(۱) [أيضا]

(۲) [عبدالرزاق (۲۷٦/۱۱) أحمد (۱٦٥/۳) نسائى (۷۸)]

(۳) [أحمد (۲۹۲/۳) دارمى (۲۱/۱) البداية والنهاية (۸٥/٦)]

(٤) [المغنى لابن قدامة (۱۱٥/۱)]

(٥) [القاموس المحيط (ص/٥۸۸) أنيس الفقهاء (ص/٥٤) الفوائد البهية (ص/۱٤۹)]

(٦) [تمام المنة (ص/۹۳)]

(۷) [**صحيح** : صحيح أبو داود (۱۳۱) كتاب الطهارة : باب الاستنثار، أبو دود (۱٤٤)] حافظ ابن حجرؒ اور امام نوویؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔[فتح البارى (۳٤۹/۱) شرح مسلم (۱۰۸/۲)]

صائما﴾ ''ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ کرو الا کہ تم روزے دار ہو۔'' (۱)

(5) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿إذا توضا أحدكم فليجعل فى أنفه ماء ثم لينتثر﴾ ''تم میں سے جب کوئی وضوء کرے تو اپنے ناک میں پانی داخل کرے پھر اسے جھاڑے۔'' (۲)

(احمدؒ، اسحاقؒ) مضمضہ اور استنشاق دونوں واجب ہیں۔ (۳)

(شوکانیؒ) وجوب کا قول ہی برحق ہے۔ (٤)

(البانیؒ) یہی بات راجح ہے۔ (٥)

(صدیق حسن خانؒ) یہ بھی وجوب کے ہی قائل ہیں۔ (٦)

امام ابو ثورؒ، امام ابو عبیدؒ، امام داود ظاہریؒ، امام ابو بکر بن منذرؒ اور امام احمد رحمہم اللہ اجمعین سے ایک روایت کے مطابق غسل اور وضوء میں ناک میں پانی داخل کرنا واجب ہے جبکہ کلی کرنا سنت ہے۔ (۷)

(ابو حنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ) مضمضہ اور استنشاق دونوں واجب نہیں ہیں۔ (البتہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غسل جنابت میں فرض ہیں) امام اوزاعیؒ، امام لیثؒ، امام حسن بصریؒ، امام زہریؒ، امام ربیعہؒ، امام یحیی بن سعیدؒ، امام قتادہؒ، امام حکم بن عتیبہؒ، امام محمد بن جریر طبری رحمہم اللہ اجمعین بھی اسی کے قائل ہیں۔ (۸)

ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حدیث نبوی ہے کہ ﴿عشر من سنن المسلمين﴾ ''دس اشیاء مسلمانوں کی سنتوں سے ہیں۔''

حافظ ابن حجرؒ ان کا رد کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ یہ نہیں ہیں بلکہ یہ ہیں ﴿عشر من الفطرة﴾ ''دس اشیاء فطرت سے ہیں۔'' (۹)

---

(۱) [**صحيح** : صحيح أبو داود (۱۲۹) أيضا ' أبو داود (۱٤۲) ترمذى (۳۸) نسائى (۸۷) ابن ماجة (٤۰۷) دارمى (۱۷۹/۱) أحمد (۳۲/٤) ابن أبى شيبة (۱۱/۱) عبدالرزاق (۸۰) ابن خزيمة (۱٥۰) حاكم (۱٤۷/۱) بيهقى (٥۱/۱) شرح السنة (٤۹۰/۳)]

(۲) [بخارى (۱٦۲) كتاب الوضوء : باب الاستجمار وترا ' مسلم (۲۳۷) موطا (۱۹/۱) أحمد (۲٤۲/۲) أبو داود (۱٤۰) نسائى (٦٥/۱) بيهقى (٤۹/۱) أبو عوانة (۲٤۷/۱) حميدى (۹٥۷) أبو يعلى (٦۲٥٥) ابن حبان (۱٤٦٦ ـ الإحسان)]

(۳) [المجموع (۳٦۳/۱) الروض النضير (۲۰٥/۱)]

(٤) [السيل الجرار (۸۱/۱)]

(٥) [تمام المنة (ص/۹۳)]

(٦) [الروضة الندية (۱۲۱/۱ـ۱۲۳)]

(۷) [شرح مسلم للنووى (۱۰۸/۲) نيل الأوطار (۲۱۹/۱)]

(۸) [الدر المختار (۱۰۸/۱) المجموع (۳٦۳/۱) قوانين الأحكام الشرعية (ص/۳٦)]

(۹) [**صحيح** : صحيح ابن ماجة (۲۳۸) كتاب الطهارة وسننها : باب الفطرة ' ابن ماجة (۲۹۳) أبو داود (٥۳) ترمذى (۲۷٥۷)]

اور اگر پہلے الفاظ بھی منقول ہوتے تب بھی یہ حدیث عدم وجوب کی دلیل نہیں تھی کیونکہ یہاں سنت سے مراد طریقہ ہے نہ کہ اصطلاحی واصولی معنی مراد ہے۔(۱)

(2) ایک روایت میں ہے کہ ﴿المضمضة والاستنشاق سنة﴾ ''کلی کرنا اور ناک میں پانی داخل کرنا سنت ہے۔''(۲)

ثُمَّ يَغْسِلُ جَمِيعَ وَجْهِهِ ثُمَّ يَدَيْهِ مَعَ مِرْفَقَيْهِ	پھر اپنے سارے چہرے کو دھوئے ❶ اور پھر کہنیوں سمیت اپنے بازو دھوئے۔❷

❶ (1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ﴾ ''اپنے چہرے دھولو۔'' [المائدۃ: ٦]

(2) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے وضوء کے طریقے کے متعلق مروی حدیث میں یہ لفظ ہیں ﴿ثم غسل وجهه﴾ ''پھر انہوں نے اپنا چہرہ دھویا۔''(۳)

(3) مکمل چہرہ دھونے کے وجوب پر اجماع ہے۔(٤)

واضح رہے کہ چہرے سے مراد وہ تمام حصہ ہے جس پر اہل لغت وشرع کے نزدیک ''وجہ'' کا لفظ بولا جاتا ہے (یعنی ایک کان سے دوسرے کان تک اور پیشانی کے اوپر بالوں کی ابتدا سے ٹھوڑی تک کا حصہ)۔(٥)

❷ (1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ﴾ [المائدۃ: ٦] ''اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو۔''

(2) اس کے وجوب پر بھی اجماع ہے۔(٦)

اختلاف اس بات میں ہے کہ کیا کہنیاں بھی دھونے کے وجوب میں شامل ہیں یا نہیں؟ جن کے نزدیک کہنیاں بھی وجوب میں شامل ہیں ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے وضوء کیا تو ﴿غسل يده اليمنى حتى أشرع في العضد، ثم غسل يده اليسرى حتى أشرع في العضد﴾ ''اپنے دائیں بازو کو بغل تک دھویا پھر اسی طرح اپنے بائیں بازو کو بغل تک دھویا۔''...... پھر کہا میں نے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا ہے۔(۷)

---

(۱) [تلخیص الحبیر (۱/۱۳۰۔۱۳۲)]

(۲) [**ضعیف** : دار قطنی (۱/۸۵) کتاب الطھارۃ : باب ما روی فی الحث علی المضمضة والاستنشاق] حافظ ابن حجرؒ نے اسے ضعیف کہا ہے کیونکہ اس کی سند میں اسماعیل بن مسلم راوی ضعیف ہے۔[تلخیص الحبیر (۱/۱۳۲)]

(۳) [بخاری (۱٦٤) کتاب الوضوء : باب المضمضة فی الوضوء]

(٤) [المغنی (۱/۱۱٤) المهذب (۱/۱٦) بدایة المجتهد (۱/۱۰) بدائع الصنائع (۱/۳) الدر المختار (۱/۸۸) مغنی المحتاج (۱/۵۰)]

(٥) [الروضة الندية (۱/۱۲٤)]

(٦) [بدایة المجتهد (۱/۱۰) المغنی (۱/۱۲۲) بدائع الصنائع (۱/٤) کشاف القناع (۱/۱۰۸) المهذب (۱/۱٦) فتح القدیر (۱/۱۰)]

(۷) [مسلم (۲٤٦) کتاب الطهارة : باب استحباب إطالة الغرة والتحجيل في الوضوء، أبو عوانة (۱/۲٤۳) بیهقی (۱/۵۷)]

(2) نبی ﷺ نے اپنی کہنیوں پر پانی ڈالا پھر فرمایا یہ وہ وضوء ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں فرماتے۔(۱)

(3) لفظ "إلی" یہاں مع (ساتھ) کے معنی میں ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:

☆ ﴿وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ﴾ [هود: ٥٢] "تمھاری طاقت پر اور طاقت وقوت بڑھادے۔"

☆ ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ﴾ [النساء: ٢] "اپنے مالوں کے ساتھ انکے مالوں کو ملا کر نہ کھا جاؤ۔"

(4) لفظ "ید" دراصل پورے ہاتھ پر بولا جاتا ہے لیکن مرافق کے لفظ نے اس کی تحدید کرتے ہوئے کہنیوں سے آگے کے حصے کو ساقط کر دیا ہے۔(۲)

(جمہور، ائمہ اربعہؒ) کہنیاں بھی وجوب میں شامل ہیں۔(۳)

(زفرؒ، ابوبکر ظاہریؒ) کہنیاں وجوب میں شامل نہیں ہیں۔ ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) ان کا کہنا ہے کہ شمولیت کی روایات ضعیف ہیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح مسلم کی جس حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے وہ صرف فعل ہے اور فعل سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ مجمل کے بیان کے لیے ہے (جس کا وجوب قرآن کے حکم سے ثابت ہوتا ہے)۔(٤)

(2) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ﴾ [البقرة: ١٨٧] "پھر رات تک روزے کو پورا کرو۔"

ان کا کہنا ہے کہ یہ آیت اس بات کا ثبوت ہے کہ رات روزے کی انتہاء میں شامل نہیں لہذا کہنیاں بھی ہاتھوں کو دھونے کی انتہاء میں شامل نہیں۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ بات ایک نحوی قاعدہ پر مبنی ہے یعنی "إلی" کا مابعد اگر ماقبل کی جنس سے ہو تو یہ "مع" کے معنی میں ہوگا جیسے آیت ﴿وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ﴾ میں ہے اور اگر مابعد ماقبل کی جنس سے نہ ہو تو یہ انتہائے غایت کے لیے ہوگا جیسا کہ آیت ﴿ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ﴾ میں ہے اب چونکہ اس آیت ﴿أَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ﴾ میں إلیٰ کا مابعد (کہنیاں) ماقبل (ہاتھوں) کی جنس سے ہے لہذا یہاں إلیٰ مع کے معنی میں ہے چنانچہ یہ بات ثابت ہوگئی کہ کہنیاں بھی وجوب میں شامل ہیں۔

ثُمَّ يَمْسَحُ رَأْسَهُ مَعَ أُذُنَيْهِ	پھر اپنے سر ❶ اور کانوں کا مسح کرے۔❷

❶ ﴿وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ﴾ [المائدة: ٦] "اور اپنے سروں کا مسح کرو۔"

مسح الرأس کے وجوب میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ محل نزاع بات یہ ہے کہ کیا مکمل سر کا مسح کرنا واجب ہے یا سر کے کچھ حصے کا مسح بھی کفایت کر جاتا ہے۔ مکمل سر کے مسح کو واجب کہنے والوں کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) [ضعیف : إرواء الغليل (٨٥) دار قطنی (٨٣/١) بیهقی (٥٦/١)] یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں قاسم بن محمد اور عباد بن یعقوب دونوں راوی ضعیف ہیں۔

(۲) [الفقه الإسلامي وأدلته (٣٧٠/١)]

(۳) [نيل الأوطار (٢٢٣/١)]

(٤) [الفقه الإسلامي وأدلته (٣٧٠/١)]

(1) مسح کے لیے قرآن میں لفظ ''رأس'' استعمال ہوا ہے اور رأس مکمل سر کو کہتے ہیں۔

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ یہاں مطلقا سر کا مسح کرنا مراد ہے اور بعض حصے کا مسح بھی مسح ہی کہلاتا ہے جیسے کوئی کہے ''میں نے سر پر مارا'' اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مکمل سر پر مارا بلکہ کسی ایک جزء پر مارنا بھی مارنا ہی کہلائے گا۔ (یاد رہے کہ اگرچہ بظاہر عقلاً یہ بات درست معلوم ہوتی ہے لیکن آئندہ صحیح حدیث اس کا رد کر رہی ہے۔)

(2) حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کا مسح اس طرح کیا کہ ﴿فأقبل بيديه وأدبر﴾ ''اپنے دونوں ہاتھ سر کے آگے سے پیچھے کی طرف لے گئے اور پھر پیچھے سے آگے کی جانب واپس لے آئے۔'' اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿بدأ بمقدم رأسه حتى ذهب بهما إلى قفاه ثم ردهما حتى رجع إلى مكان الذي بدأ منه﴾ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھوں کو سر کے اگلے حصے سے شروع کر کے سر کے پچھلے حصے یعنی گدی تک لے گئے اور پھر اسی طرح دونوں ہاتھوں کو سر کے بالوں کا مسح کرتے ہوئے اسی جگہ واپس لے گئے جہاں سے مسح کا آغاز کیا تھا۔'' (۱)

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مجرد فعل سے وجوب ثابت نہیں ہوتا لیکن اس بات کا رد اس طرح کیا جاتا ہے کہ حدیث میں اجمالِ واجب کا بیان ہے اور واجب مجمل کا بیان بھی واجب ہوتا ہے۔

جن حضرات نے سر کے بعض حصہ کے مسح کو بھی درست قرار دیا ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے ﴿أنه توضأ ومسح بناصيته﴾ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء کیا اور اپنی پیشانی کے بالوں پر مسح کیا۔'' (۲)

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے مکمل الفاظ یہ ہیں ﴿مسح بناصيته وعلى العمامة﴾ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیشانی کے بالوں اور پگڑی پر مسح کیا۔''

اس سے ثابت ہوا کہ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشانی کے بالوں پر مسح کیا تھا اس وقت پگڑی پر بھی مسح کیا تھا جو کہ مکمل سر کے حکم میں ہی ہے نہ کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ محض پیشانی کے بالوں کے بقدر سر کا مسح کافی ہے۔

(شافعیؒ) کم از کم جتنے حصے پر مسح کا لفظ صادق آتا ہے اتنے حصے کا مسح فرض ہے۔

(ابو حنیفہؒ) سر کے چوتھائی حصے کا مسح واجب ہے۔

(مالکؒ) مکمل سر کا مسح واجب ہے۔

(احمدؒ) مرد کے لیے مکمل سر کا مسح واجب ہے جبکہ عورت کے لیے صرف سر کے سامنے والے حصے کا مسح کر لینا ہی کافی ہے۔ (۳)

(شوکانیؒ) مکمل سر کے مسح کے وجوب کی کوئی دلیل نہیں۔ (٤)

---

(۱) [بخاری (۱۸۵) کتاب الوضوء : باب مسح الرأس كله' مسلم (۲۳۵) أبو داود (۱۸) ترمذی (۳۲) نسائی (۷۲/۱) ابن ماجة (٤۳٤) حمیدی (۲۰۲/۱) شرح السنة (۳۱٦/۱) مؤطا (۱۸/۱) عبدالرزاق (٥) أحمد (۳۸/٤)]

(۲) [مسلم (۲۷٤) كتاب الطهارة : باب المسح على الناصية والعمامة]

(۳) [المغنی (۱۷٦/۱) كشاف القناع (۱۰۹/۱) مغنی المحتاج (٥۳/۱) فتح القدير (۱۰/۱) بدائع الصنائع (٤/۱) بداية المجتهد (۱۱/۱)]

(٤) [السيل الجرار (۸٥/۱)]

(نوویؒ) مکمل سر کا مسح علماء کے اتفاق کے ساتھ مستحب ہے۔(۱)

(راجح) مکمل سر کا مسح واجب ہے۔کیونکہ کسی ایک حدیث میں بھی یہ نہیں ملتا کہ نبی ﷺ نے سر کے کچھ حصے پر کبھی مسح کیا ہو اور جب آپ ﷺ پیشانی کے بالوں پر مسح کرتے تھے تو اسے پگڑی پر مکمل کرتے تھے جیسا کہ حدیث مغیرہ رضی اللہ عنہ میں ہے۔(واضح رہے) کہ آپ ﷺ کبھی اپنے (مکمل) سر کا مسح کرتے تھے' کبھی صرف پگڑی پر مسح کرتے تھے اور کبھی پیشانی کے بالوں اور پگڑی (دونوں) پر کرتے تھے۔(لہذا ثابت ہوا کہ قرآن کے حکم کی وضاحت نبی ﷺ کے عمل سے مکمل مسح الرأس پر مداومت کے ساتھ ہوتی ہے اس لیے یہی راجح ہے۔) جیسا کہ امام ابن قیمؒ نے بیان کیا ہے۔(۲)

(ابن قدامہ حنبلیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۳)

(بخاریؒ) باب قائم کیا ہے ﴿مسح الرأس كله﴾ ''مکمل سر کا مسح کرنا'' اس کے تحت سعید بن میبب کا قول نقل کیا ہے کہ عورت بھی (اس عمل میں) مرد کے درجہ میں ہونے کی بنا پر اپنے سر کا مسح کرے گی۔(٤)

○ سر کے مسح کے لیے ہاتھوں کے بچے پانی کے علاوہ نیا پانی لینا ضروری نہیں کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ سے دونوں طرح ثابت ہے جیسا کہ احادیث میں ہے:

(1) ﴿مسح برأسه بماء غير فضل يديه﴾ ''آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں کے بچے ہوئے پانی کے علاوہ (نئے) پانی سے اپنے سر کا مسح کیا۔''(٥)

(2) ﴿أن النبي ﷺ مسح برأسه من فضل ماء كان في يده﴾ ''نبی ﷺ نے اپنے سر کا مسح اسی زائد پانی سے کیا جو آپ ﷺ کے ہاتھ میں موجود تھا۔''(٦)

❷ کانوں کے مسح کے وجوب کی دلیل حضرت ابو اُمامہ' حضرت ابن عمر' حضرت ابن عباس' حضرت عائشہ' حضرت ابو موسیٰ' حضرت انس' حضرت سمرۃ بن جندب اور حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہم سے مروی صحیح حدیث ہے ﴿الأذنان من الرأس﴾ ''دونوں کان سر سے ہیں۔''(۷)

جب دونوں کان سر میں شامل ہیں تو چونکہ سر کا مسح فرض ہے لہذا کانوں کا مسح بھی فرض ہوا۔اسی بنا پر نبی ﷺ سر کے ساتھ کانوں کا مسح بھی کر لیا کرتے تھے جیسا کہ حدیث میں ہے ﴿فمسح برأسه وأذنيه﴾ ''آپ ﷺ نے اپنے سر اور دونوں کانوں کا مسح کیا۔(۸)

---

(۱) [شرح مسلم (۱۲۵/۲)]
(۲) [نيل الأوطار (۲٤٤/۱) سبل السلام (۹۷/۱)]
(۳) [المغنى (۱۷٦/۱)]
(٤) [بخاری (قبل الحديث ۱۸۵) كتاب الوضوء : باب مسح الرأس كله]
(٥) [مسلم (۲٤۷) كتاب الطهارة : باب في وضوء النبي' أحمد (۱٥۸٤٥) دارمی (۷۰۳)]
(٦) [حسن : صحيح أبو داود (۱۲۰) كتاب الطهارة : باب صفة وضوء النبي' أبو داود (۱۳۰) ترمذی (۳۳)]
(۷) [صحيح : الصحيحة (۳٦)]
(۸) [حسن : صحيح أبو داود (۹۹) كتاب الطهارة : باب صفة وضوء النبي' أبو داود (۱۰۸)]

44- کانوں کے مسح کا طریقہ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کا مسح کیا اور اپنے ہاتھوں کی دونوں انگشت ہائے شہادت کو کانوں میں داخل کیا اور انگوٹھوں سے کانوں کے باہر والے حصے کا مسح کیا۔“ (۱)

45- کانوں کے مسح کے لیے نیا پانی لینا

یہ عمل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ (۲)

46- کیا مسح صرف ایک مرتبہ کرنا ضروری ہے؟

اس ضمن میں دو مختلف احادیث ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

(1) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿مسح برأسه مرة﴾ ”انہوں نے ایک مرتبہ سر کا مسح کیا“...... پھر کہا کہ میں نے یہ مناسب سمجھا کہ تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء کا طریقہ بتلا دوں۔ (۳)

(2) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ﴿أن النبی ﷺ مسح رأسه ثلاثا﴾ ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ اپنے سر کا مسح کیا۔“ (٤)

حافظ ابن حجرؒ بیان کرتے ہیں کہ امام ابوداودؒ نے اسے دو سندوں سے روایت کیا ہے جن میں سے ایک کو تین مرتبہ سر کے مسح کے متعلق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں صحیح کہا ہے اور (واضح رہے کہ) ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔ (٥)

امام ابن جوزیؒ بھی ”کشف المشکل“ میں تکرار کی تصحیح کی طرف مائل ہیں۔ (٦)

(شافعیؒ) مسح بھی بقیہ اعضاء کی طرح تین مرتبہ کرنا مستحب ہے۔

(ابوحنیفہؒ، حسن بصریؒ) سر کے مسح میں تکرار مستحب نہیں ہے۔ (۷)

(شوکانیؒ) انصاف اسی میں ہے کہ تین مرتبہ مسح کرنے کی احادیث درجہ اعتبار کو نہیں پہنچتیں لہذا صحیحین کی احادیث سے ثابت ایک مرتبہ ہی مسح کیا جائے۔ (۸)

---

(۱) [**صحیح** : صحیح أبو داود (۱۲۳) کتاب الطهارة : باب الوضوء ثلاثا ثلاثا ' أبو داود (۱۳۵) نسائی (۸۸/۱) ابن خزیمة (۱۷٤)]

(۲) [زاد المعاد (۱۹٥/۱)]

(۳) [**صحیح** : صحیح ترمذی (٤٤) کتاب الطهارة : باب وضوء النبی کیف کان ' أبو داود (۱۱٦) أحمد (۱۲۰/۱) نسائی (۷۰/۱) ابن ماجة (٤٥٦) ترمذی (٤۸)]

(٤) [**صحیح** : صحیح أبو داود (۱۰۱) کتاب الطهارة : باب صفة وضوء النبی ' أبو داود (۱۱۰)]

(٥) [فتح الباری (۳۱۲/۱)]

(٦) [بیهقی (۷۸/۱) تلخیص الحبیر (۱٤٦/۱)]

(۷) [الأم (۲٦/۱) المجموع (٤۲٦/۱) روضة الطالبین (٥۹/۱) المبسوط (٥/۱-۷) حاشیة الدسوقی (۹۸/۱)]

(۸) [نیل الأوطار (۲٤۸/۱)]

(ابن حجرؒ) تین مرتبہ مسح کی احادیث اگر صحیح ہوں تو ان کا معنی یہ ہوگا کہ جو شخص زیادہ مسح کرنا چاہے وہ زیادہ سے زیادہ تین مرتبہ مسح کر سکتا ہے اور اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ تین مرتبہ مسح کرنا بہر صورت لازم ہے۔(۱)

(راجح) وضوء میں ایک مرتبہ مسح کرنا واجب ہے جبکہ تین مرتبہ مسح کرنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث کی وجہ سے سنت و مستحب ہے۔ (واللہ اعلم)

(البانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۲)

(امیر صنعانیؒ) ایک سے زیادہ مرتبہ مسح کرنا سنت ہے واجب نہیں یعنی اسے کبھی آپ کر سکتے ہیں اور کبھی چھوڑ سکتے ہیں۔(۳)

ہدایہ میں ہے کہ تین مرتبہ مسح کرنا مشروع ہے۔(٤)

47- گردن کا مسح

(ابن تیمیہؒ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وضوء میں گردن کے مسح کے متعلق کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں یہی وجہ ہے کہ جن احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء کا بیان ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گردن کا مسح نہیں کرتے تھے۔(٥)

(ابن قیمؒ) گردن کے مسح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بھی صحیح حدیث ثابت نہیں ہے۔(٦)

(نوویؒ) گردن کا مسح بدعت ہے۔(۷)

(جمہور، مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ) گردن کا مسح مسنون نہیں۔(۸)

(صدیق حسن خانؒ) قریب تھا کہ اس کے بدعت ہونے پر اہل مذاہب کے درمیان اجماع ہو جاتا۔(۹)

بایں ہمہ اس ضمن میں پیش کی جانے والی چند ایک روایات اور ان کا سبب ضعف حسب ذیل ہے:

(1) حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل مرفوع روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿مسح رقبته﴾ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی گردن کا مسح کیا۔''(۱۰)

یہ روایت تین راویوں کی بنا پر ضعیف ہے:

---

(۱) [فتح الباری (۳۹۹/۱)]
(۲) [تمام المنة (ص/۹۱)]
(۳) [سبل السلام (۸۲/۱)]
(٤) [(۲۱/۱)]
(٥) [مجموع الفتاوی (۱۲۷/۲۱)]
(٦) [زاد المعاد (۱۹٥/۱)]
(۷) [المجموع (٤۸۹/۱)]
(۸) [الفتاوی الکبری لابن تیمیة (٤۱۸/۱)]
(۹) [الروضة الندیة (۱۳۷/۱)]
(۱۰) [کشف الأستار للبزار (۱٤۰/۱)]

① محمد بن حجر: امام بخاریؒ نے اسے محل نظر کہا ہے اور امام ذہبیؒ نے کہا ہے کہ اس کے لیے مناکیر ہیں۔(۱)

② سعید بن عبدالجبار: امام نسائیؒ نے اسے غیر قوی کہا ہے۔(۲)

③ ام عبدالجبار: ابن ترکمانیؒ بیان کرتے ہیں کہ مجھے اس کے حال اور نام کا کچھ علم نہیں۔(۳)

(2) طلحہ بن مصرف رضی اللہ عنہ عن ابیہ عن جدہ مروی ایک روایت میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گردن کے مسح کا ذکر ملتا ہے۔(٤)

یہ روایت بھی تین راویوں کی بنا پر ضعیف ہے:

① ابوسلمۃ کندی عثمان بن مقسم البری: امام جوزجانیؒ نے اسے کذاب اور امام نسائی و دارقطنیؒ نے اسے متروک کہا ہے۔(٥)

② لیث بن أبی سلیم: صدوق ہے لیکن اسے اختلاط ہو گیا تھا اور اس کی حدیث متمیز نہیں ہے لہذا اسے چھوڑ دیا گیا۔(٦)

③ طلحہ بن مصرف: یہ مجہول ہے۔(۷)

(3) ایک روایت میں ہے ﴿مسح الرقبة أمان من الغل﴾ ”گردن کا مسح خیانت سے امان (کا باعث) ہے۔“(۸)

وَيُجْزِئُ مَسْحُ بَعْضِهِ وَالْمَسْحُ عَلَى الْعِمَامَةِ	سر کے کچھ حصے اور پگڑی پر مسح کفایت کر جاتا ہے۔ ❶

❶ (1) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أنه توضا ومسح بناصيته وعلى العمامة﴾ ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء کیا اور پیشانی اور پگڑی پر مسح کیا۔“(۹)

(2) حضرت عمرو بن أمیہ ضمری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ﴿رأيت رسول الله يمسح على عمامته وخفيه﴾ ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ اپنی پگڑی اور اپنے موزوں پر مسح کرتے تھے۔“(۱۰)

(3) جامع ترمذی میں حضرت مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یہ الفاظ ہیں ﴿مسح على الخفين والعمامة﴾

---

(۱) [ميزان الإعتدال (٥١١/٣)]

(۲) [ميزان الإعتدال (١٤٧/٢)]

(۳) ["الجوهر النقي" ذيل السنن الكبرى للبيهقي (٣٠/٢)]

(٤) [طبراني كبير (١٨٠/١٩)]

(٥) [ميزان الاعتدال (٥٦/٣)]

(٦) [تقريب التهذيب (١٣٨/٢)]

(٧) [تقريب التهذيب (٣٨٠/١)]

(٨) [امام ابن صلاحؒ بیان کرتے ہیں کہ یہ خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تو معروف نہیں ہے البتہ بعض سلف کا قول ہے۔[نيل الأوطار (٢٠٤/١)] اور امام نوویؒ نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔[المجموع (٤٨٩/٢)]

(٩) [مسلم (٢٧٤) كتاب الطهارة : باب المسح على الناصية والعمامة' أبو داود (١٥٠) أبو عوانة (٢٥٩/١) ابن الجارود (٨٣) بيهقي (٥٨/١) أحمد (٢٤٤/٤)]

(١٠) [بخاري (٢٠٥) كتاب الوضوء : باب المسح على الخفين' أحمد (١٧٩/٤) ابن أبي شيبة (١٧٨/١) نسائي (٨١/١) ابن ماجة (٥٦٢)]

”آپ ﷺ نے موزوں اور پگڑی پر مسح کیا۔“ (۱)

اس مسئلہ میں اختلاف کیا گیا ہے کہ پگڑی یا ٹوپی وغیرہ پر مسح کرتے ہوئے سر کے کچھ حصے پر مسح کرنا ضروری ہے یا پگڑی کا مسح ہی کافی ہے۔

(جمہور، مالکؒ، شافعیؒ، ابوحنیفہؒ) صرف پگڑی پر مسح کر لینا جائز نہیں ہے۔

(نوویؒ) اسی کے قائل ہیں۔ امام سفیان ثوریؒ اور امام ابن مبارکؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔

(احمدؒ) صرف پگڑی پر مسح کرنا کافی ہے۔(۲)

(راجح) صرف سر پر، صرف پگڑی پر، یا سر اور پگڑی دونوں پر اکٹھا مسح کر لینا سب صحیح ثابت ہے۔

(شوکانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۳)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(٤)

(صدیق حسن خانؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٥)

(ابن قدامہ حنبلیؒ) (صرف) پگڑی پر مسح جائز ہے۔(٦)

امام ابن منذرؒ بیان کرتے ہیں کہ پگڑی پر مسح کرنے والوں میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت انسؓ، حضرت ابوامامہؓ، حضرت سعید بن مالکؓ اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہم ہیں نیز حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، امام حسنؒ، امام قتادہؒ، امام مکحولؒ، امام اوزاعیؒ اور امام ابوثورؒ وغیرہ رحمہم اللہ اجمعین کا بھی یہی موقف ہے۔(۷)

ثُمَّ يَغْسِلُ رِجْلَيْهِ مَعَ الْكَعْبَيْنِ	پھر ٹخنوں سمیت اپنے پاؤں دھوئے۔ ❶

❶ (1) ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ [المائدة: ٦] ”اور اپنے قدموں کو ٹخنوں تک دھولو۔“

(2) رسول اللہ سے ثابت وضوء کے بیان میں تمام احادیث اس بات کا ثبوت ہیں کہ آپ ﷺ ہمیشہ پاؤں دھویا کرتے تھے۔(۸)

(3) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جس نے اپنی ایڑھی کو نہیں دھویا تھا تو فرمایا

(۱) [صحيح: صحيح أبو داود (١٣٦) ترمذى (١٠٠) كتاب الطهارة: باب ما جاء فى المسح على العمامة، أحمد (٢٤٤/٤) مسلم (٢٧٤) أبو داود (١٥٠) نسائى (٧٦/١) ابن ماجة (٥٤٥) أبو عوانة (٢٥٩/١) دار قطنى (١٩٢/١) بيهقى (٥٨/١)]

(۲) [شرح مسلم للنووى (١٧٢/٢) فتح البارى (٣٨٨/١)]

(۳) [نيل الأوطار (٢٥٧/١)]

(٤) [تحفة الأحوذى (٣٥٨/١)]

(٥) [الروضة الندية (١٢٩/١)]

(٦) [المغنى (١٧٦/١)]

(٧) [فتح البارى (٣٦٩/١) تحفة الأحوذى (٣٦٣/١)]

(٨) [جامع الأصول لابن الأثير (١٤٩/٧)]

﴿ویل للأعقاب من النار﴾ ”ان ٹخنوں کے لیے آگ سے ہلاکت ہے۔“ (۱)

(4) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک دیہاتی سے ارشاد فرمایا ﴿توضأ كما أمرك الله﴾ ”اس طرح وضوء کرو جیسے اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔“ پھر آپ ﷺ نے اسے وضوء کا طریقہ بتلایا اور اس میں پاؤں بھی دھوئے۔ (۲)

(جمہورؒ) وضوء میں پاؤں دھونا واجب ہے۔ (۳)

(نوویؒ) کسی بھی ایسے شخص سے اس کی مخالفت ثابت نہیں ہے جس کا اجماع میں کوئی شمار ہو۔ (٤)

(ابن حجرؒ) کسی ایک صحابی سے بھی اس کی مخالفت ثابت نہیں ہے سوائے حضرت علی، حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنہم کے۔ لیکن ان سے بھی اس بات سے رجوع ثابت ہے...... اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے پاؤں دھونے پر اجماع کیا ہے۔ (٥)

(ابن جریرؒ، حسن بصریؒ) قدموں کو دھونے اور ان پر مسح کرنے میں اختیار ہے۔ (٦)

(بعض اہل ظاہر) دھونا اور مسح کرنا دونوں ہی واجب ہیں۔ (۷)

جن لوگوں نے مسح کو لازم قرار دیا ہے ان کے پاس صرف قراءتِ جر کی ہی دلیل ہے۔ یعنی ” اَرْجُلِكُمْ“ لیکن یہ بھی اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ صرف مسح ہی ضروری ہے کیونکہ دوسری قراءت اس کا رد کرتی ہے لہذا اگر رسول اللہ ﷺ سے صرف پاؤں دھونا ہی منقول نہ ہوتا تو اس سے زیادہ سے زیادہ صرف دونوں کے درمیان اختیار ہی ثابت کیا جا سکتا تھا۔ (۸)

(راجح) پاؤں دھونا فرض ہے جیسا کہ گذشتہ تمام دلائل اسی کے متقاضی ہیں۔ (۹)

○ واضح رہے کہ ٹخنے پنڈلی اور پاؤں کے جوڑ کے پاس ابھری ہوئی دو ہڈیاں ہیں۔ انہیں دھونے کا نبی ﷺ سے کسی حدیث میں واضح ذکر تو موجود نہیں ہے لیکن پاؤں دھونے کے فرض میں یہ بھی اسی طرح شامل ہیں جیسے بازو دھونے کے فرض میں کہنیاں شامل ہیں۔

---

(۱) [بخاری (۱٦٥) كتاب الوضوء : باب غسل الأعقاب ، مسلم (۲٤۲) عبدالرزاق (٦۲) نسائی (۷۷/۱) دارمی (۱۷۹/۱) أحمد (۲۲۸/۲) ابن الجارود (۷۸) شرح معاني الآثار (۳۸/۱) أبو عوانة (۲٥۱/۱) بيهقى (٦۹/۱) ترمذی (٤۱) ابن ماجة (٤٥۳)]

(۲) [صحيح : صحيح ابن ماجة (٥۳۹) كتاب الطهارة : باب من توضأ فترك موضعا لم يصبه الماء، ابن ماجة (٦٦٥) أبو عوانة (۲٥۳/۱) بيهقى (۸۳/۱) إرواء الغليل (۸٦)]

(۳) [نيل الأوطار (۲٦۱/۱)]

(٤) [المجموع (٤۱۷/۱)]

(٥) [فتح البارى (۲٦٦/۱)]

(٦) [المجموع (٤۱۷/۱)]

(۷) [بداية المجتهد (۱۰/۱)]

(۸) [نيل الأوطار (۲٦۲/۱) الروضة الندية (۱۳۱/۱)]

(۹) [أيضا]

وَلَهُ الْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ	اوراس کے لیے موزوں پر مسح کرنا بھی جائز ہے۔ ❶

❶ (1) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء کیا ﴿ومسح على الخفين والعمامة﴾ ''اور موزوں اور پگڑی پر مسح کیا۔'' (۱)

(2) حضرت بلال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ﴿مسح رسول الله على الخفين والخمار﴾ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں اور پگڑی پر مسح کیا۔'' (۲)

(3) حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے اپنے موزوں پر مسح کیا اور پھر کسی کے پوچھنے پر بتلایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (۳)

(نوویؒ) موزوں پر مسح کرنا اتنے صحابہ سے مروی ہے کہ جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ (٤)

(ابن حجرؒ) حفاظ کی ایک جماعت نے وضاحت کی ہے کہ موزوں پر مسح کرنا متواتر (دلائل سے ثابت) ہے۔ (٥)

(احمدؒ) اس مسئلہ میں صحابہ سے چالیس مرفوع احادیث مروی ہیں۔ (٦)

(ابن ابی حاتمؒ) اس مسئلہ میں اکتالیس صحابہ سے مروی ہے۔ (۷)

یاد رہے کہ مسح کے انکار میں حضرت عائشہ' حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی روایت صحیح نہیں ہے۔ (۸)

جیسا کہ امام ابن عبدالبرؒ اور امام احمدؒ نے (انکار والی) احادیث کے باطل و غیر ثابت ہونے کی صراحت کی ہے۔ (۹)

(۱) [ترمذی (۱۰۰) کتاب الطهارة : باب ما جاء فی المسح علی الجوربین والعمامة ' مسلم (۲۷٤) أحمد (٢٤٤/٤) أبو داود (۱٥۰) نسائی (۷٦/۱) ابن ماجة (٥٤٥) أبو عوانة (۲٥۹۳۱) طیالسی (٦۹۹) شرح معانی الآثار (۳۰/۱)]

(۲) [مسلم (۲۷٥) کتاب الطهارة : باب المسح علی الناصية والعمامة ' أبو داود (۱٥۳) ترمذی (۱۰۱) نسائی (۷٥/۱) ابن ماجة (٥٦۱) أحمد (۱۲/٦)]

(۳) [بخاری (۳۸۷) کتاب الصلاة : باب الصلاة فی الخفاف ' مسلم (۲۷۲) أبو داود (۱٥٤) ترمذی (۹۳) نسائی (۸۱/۱) ابن ماجة (٥٤۳) ابن خزيمة (۱۸٦)]

(٤) [شرح مسلم (۱۷۰/۲)]

(٥) [فتح الباری (٤۰۸/۱)]

(٦) [نیل الأوطار (۲۷٥/۱)]

(۷) [أيضا]

(۸) [المجموع (٤۷۸/۱)]

(۹) [التمهيد (۱۳۸/۱۱) نیل الأوطار (۲۷٥/۱)]

48- موزوں پر مسح کے لیے انہیں پہنتے وقت باوضو ہونا شرط ہے

جیسا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿دعهما فإني أدخلتهما طاهرتين﴾ ”انہیں چھوڑ دو کیونکہ میں نے جب یہ موزے پہنے تھے تو میں باوضوء تھا۔“ (۱)

(جمہور، مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ) اسی کے قائل ہیں۔

(ابوحنیفہؒ) حالت حدث میں بھی موزے پہننا جائز ہے اس کے بعد وہ اپنا وضوء مکمل کر لے۔ (۲)

(راجح) جمہور کا موقف راجح ہے۔ (۳)

49- موزے کے کس حصے پر مسح کیا جائے؟

اس مسئلے میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے۔

(مالکؒ، شافعیؒ) موزے کے اوپر مسح کرنا فرض ہے اور نیچے کرنا سنت ہے۔ (٤)

(احمدؒ، ابوحنیفہؒ) مسح صرف موزے کے اوپر والے حصے پر ہی کیا جائے گا۔ (٥)

علاوہ ازیں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسح ہاتھ کی تین انگلیوں کے برابر کرنا واجب ہے۔ امام احمدؒ موزے کے اکثر حصے پر مسح کے قائل ہیں جبکہ امام شافعیؒ کا کہنا ہے کہ اتنے حصے پر واجب ہے جتنے پر مسح کا لفظ بولا جا سکتا ہے۔ (٦)

(راجح) صرف موزے کے اوپر والے حصے پر مسح کیا جائے گا جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”اگر دین کا دارومدار رائے اور عقل پر ہوتا تو پھر موزوں کی نچلی سطح پر مسح اوپر کی بہ نسبت زیادہ قرین قیاس تھا۔ میں نے خود رسول اللہ کو موزے کے بالائی حصے پر مسح کرتے دیکھا ہے۔“ (۷)

علاوہ ازیں مسح کی کیفیت کے متعلق کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے لہذا اتنے حصے کا مسح کرنا جسے لغت میں مسح کہا جا سکتا ہے کفایت کر جائے گا۔ (۸)

---

(۱) [بخاری (۲۰٦) کتاب الوضوء : باب إذا أدخل رجليه وهما طاهرتان، مسلم (٤٠٤) أحمد (٢٥١/٤) بیهقی (٣٠٩/١) تحفة الأشراف (٤٨٣/٨)]

(۲) [المغنی (٢٨٢/١) المحلی (١٠٠/٢) المجموع (٥٤٠/١) بدائع الصنائع (٩/١)]

(۳) [شرح مسلم للنووی (١٧٣/٢) المجموع (٥٤٠/١)]

(٤) [الأم (٤٨/١)]

(٥) [اللباب (١٦٠/١)]

(٦) [المجموع (٥٥١/١) المغنی (٢٩٧/١) المحلی (١/٢) بدائع الصنائع (١٢/١)]

(۷) [**صحیح** : صحیح أبو داود (١٤٧) کتاب الطهارة : باب کیف المسح، أبو داود (١٦٢) ابن أبي شيبة (١٨١/١) دارمی (١٨١/١) دار قطنی (١٩٩/١) بیهقی (٢٩٢/١)] حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ [تلخیص الحبیر (٢٨٢/١)]

(۸) [سبل السلام (١٤/١)]

50- مقیم اور مسافر کے لیے مدت مسح

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مدت مسح کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ﴿للمسافر ثلاثة أيام ولياليهن وللمقيم يوم وليلة﴾ ''مسافر کے لیے تین شب و روز اور مقیم کے لیے ایک دن رات (مسح کی مدت ہے)۔ (۱)

(مالکؒ) مسح کی کوئی مدت مقرر نہیں اس لیے ہمیشہ مسح کیا جا سکتا ہے۔ (۲)

امام مالکؒ کا یہ مذہب درست نہیں کیونکہ جس روایت سے تین دنوں سے زیادہ مسح کا جواز نکالا جاتا ہے ﴿نعم وما شئت﴾ وہ ضعیف ہے۔ (۳)

اور جس حدیث میں مطلقا مسح کا ذکر ہے ﴿إذا توضأ أحدكم ولبس خفيه فليصل فيهما وليمسح عليهما ثم لا يخلعهما إن شاء إلا من جنابة﴾ ''جب تم میں سے کوئی وضوء کرے اور اس نے اپنے دونوں موزے پہنے ہوئے ہوں تو ان دونوں میں نماز پڑھ لے اور ان دونوں پر مسح کر لے' پھر اگر چاہے تو انہیں مت اتارے مگر جنابت کی وجہ سے اتار دے۔'' (٤)

اسے مقید (یعنی مسافر کے لیے تین دن وغیرہ) پر محمول کیا جائے گا یہی جمہور کا مذہب ہے۔ (٥)

51- مدتِ مسح میں جنابت کی وجہ سے موزے اتار دیے جائیں لیکن بول و براز یا نیند کی وجہ سے اتارنا ضروری نہیں

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیتے کہ ﴿أن لا ننزع خفافنا ثلثة أيام إلا من جنابة لكن من غائط وبول ونوم﴾ ''ہم تین دن تک اپنے موزے نہ اتاریں الا کہ حالت جنابت لاحق ہو جائے' البتہ بیت الخلاء جانے کی صورت میں' پیشاب اور نیند کی وجہ سے اتارنے کی ضرورت نہیں۔'' (٦)

52- جرابوں اور جوتیوں پر مسح کا حکم

ان دونوں پر مسح کرنا جائز ہے جیسا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء کیا

---

(۱) [مسلم (٦٧٦) كتاب الطهارة : باب التوقيت في المسح على الخفين' ابن ماجة (٥٥٢) نسائی (٨٤/١) ابن أبي شيبة (١٧٩/١) ابن خزيمة (١٩٢) ابن حبان (١٨٤_الموارد) شرح معاني الآثار (٨٢/١) دار قطنی (١٩٤/١) بیهقی (٦٧٦٣١)]

(۲) [المنتقى للباجی (٧٨/١)]

(۳) [**ضعیف** : ضعيف أبو داود (٢٨) كتاب الطهارة : باب التوقيت في المسح' أبو داود (١٥٨) ابن ماجة (٥٥٧)]

(٤) [**صحیح** : صحيح الجامع الصغير (٤٤٧)]

(٥) [أعلام الموقعين (٢٨١/٤)]

(٦) [**حسن** : صحيح ابن ماجة (٣٨٧) كتاب الطهارة وسننها : باب الوضوء من النوم' إرواء الغليل (١٠٤) ابن ماجة ٤٧٨) ترمذی (٩٦) نسائی (٨٣/١) ابن أبي شيبة (١٧٧/١) أحمد (٢٣٩/٤) ابن خزيمة (١٩٣) ابن حبان (١٧٩_ الموارد)]

﴿ومسح علی الجوربین والنعلین﴾ ''اور جرابوں اور جوتیوں پر مسح کیا۔'' (١)

مندرجہ ذیل صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی جرابوں اور جوتیوں پر مسح کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔

(1) حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ (٢) (2) حضرت انس رضی اللہ عنہ (٣)

(3) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ (٤) (4) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ (٥)

(ابن قدامہ حنبلیؒ) صحابہ نے جرابوں پر مسح کیا ہے اور ان کے زمانے میں کوئی بھی ان کا مخالف ظاہر نہیں ہوا لہذا یہ اجماع (کی مانند ہی) ہے۔ (٦)

(ابن قیمؒ) جرابوں پر مسح جائز ہے کیونکہ صحابہ کا یہی عمل تھا۔ (٧)

(ابن بازؒ) موزوں اور جرابوں پر مسح جائز ہے۔ (٨)

وَلَا يَكُوْنُ وُضُوْءٌ شَرْعِيًّا إِلَّا بِالنِّيَّةِ لِاسْتِبَاحَةِ الصَّلَاةِ	اور شرعی وضوء نماز پڑھنے کی نیت کے بغیر نہیں ہوتا۔ ❶

❶ کیونکہ نیت تمام اعمال صالحہ کی طرح وضوء میں بھی واجب ہے اس بنا پر کہ یہ بھی ایک نیک عمل ہے۔

(1) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إنما الأعمال بالنيات﴾ ''تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔'' (٩)

(2) ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿لا عمل ولا قول إلا بالنية﴾ ''کوئی بھی عمل اور کوئی بھی قول نیت کے بغیر قبول نہیں۔'' (١٠)

''إنما الاعمال'' اس ترکیب میں دو وجوہ سے حصر پایا جاتا ہے۔ ① ''إنما'' کلمہ حصر ہے یعنی سوائے اس کے نہیں یا

(١) [**صحيح** : صحيح أبو داود (١٤٧، ١٤٨) كتاب الطهارة : باب المسح على الجوربين، إرواء الغليل (١٠١) تمام المنة (ص/١١٣) ترمذي (٩٩) ابن ماجة (٥٥٩) نسائي (٩٢/١) ابن حبان (١٧٦) شرح معاني الآثار (٩٧/١) بيهقي (٢٨٣/١)]

(٢) [**صحيح** : مصنف عبدالرزاق (٧٧٧) طبراني كبير (٩٢٣٩) أحمد في كتاب العلل و معرفة الرجال (٢٢٢/٣) بيهقي (٢٨٥/١) ابن أبي شيبة (١٧٢/١)]

(٣) [**صحيح** : أحمد في كتاب العلل (٣٧٥/٣) طبراني كبير (٢٤٤/١) عبدالرزاق (٧٧٩) ابن أبي شيبة (١٩٧٨)]

(٤) [**حسن** : ابن أبي شيبة (١٩٨٤) عبدالرزاق (٧٧٨)]

(٥) [**حسن** : ابن أبي شيبة (١٧٢/١)]

(٦) [المغني (٣٧٤/١)]

(٧) [تهذيب السنن (١٢٣/١)]

(٨) [فتاوى ابن باز مترجم (٤٦/١)]

(٩) [بخاري (١) كتاب بدء الوحي: باب بدء الوحي، مسلم (١٩٠٧) أبو داود (٢٢٠١) نسائي (٥٨/١) ترمذي (١٦٤٧) ابن ماجة (٤٢٢٧) أحمد (٢٥/١) حميدي (٢٨) ابن خزيمة (١٤٢)]

(١٠) [**صحيح بالشواهد** : العلل المتناهية لابن الجوزي (٣٤٦/٢)]

صرف کے معنی میں۔ ② ''الأعمال'' جمع ہے اور الف لام استغراق اس پر لگا ہوا ہے جو حصر کے معنی کو مستلزم ہے۔(۱)
لہذا اس کا معنی یہ ہوا کہ ہر عمل نیت پر ہی منحصر ہے اور یہ بھی کہ کوئی عمل (شرعی قبول) نہیں ہے مگر صرف نیت کے ساتھ ہی۔(۲)

(ابن حجرؒ) علماء کا اتفاق ہے کہ تمام مقاصد میں نیت شرط ہے۔(۳)

(مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ) وضوء میں بھی بقیہ اعمال کی طرح نیت فرض ہے۔ امام لیثؒ، امام ربیعہؒ اور امام اسحاق بن راھویہؒ کا بھی یہی موقف ہے۔

(ابوحنیفہؒ) وضوء کے لیے نیت ضروری نہیں ہے۔(۴)

امام ابوحنیفہؒ کا کہنا ہے کہ چونکہ صرف جسم کے بعض اعضاء کو دھونے کا ہی حکم دیا گیا ہے لہذا جب انہیں دھو دیا گیا تو نیت کی ضرورت نہیں لیکن ان کی یہ بات اس لیے درست نہیں کیونکہ جہاں بعض مخصوص اعضاء کو دھونے کا حکم ہے وہاں پر عبادت کو خالص نیت کے ساتھ کرنے کا بھی حکم ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَمَا أُمِرُوْا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ [البينة : ٥](۵)

(ابن قیمؒ) انہوں نے اکاون (51) جہات سے احناف کا رد کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ وضوء میں نیت ضروری ہے۔(۶)

(ابن حزمؒ) نماز فرض ہو یا نفل' طہارت کی نیت کے بغیر وضوء نہیں ہوتا۔(۷)

(شوکانیؒ) اس حدیث ﴿إنما الأعمال بالنيات﴾ میں تمام نیک اعمال کے لیے نیت کے شرط ہونے کا ثبوت ہے۔(۸)

(صدیق حسن خانؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۹)

53- زبانی الفاظ کے ساتھ نیت کا حکم

یہ عمل کسی حدیث سے ثابت نہیں۔

(ابن تیمیہؒ) الفاظ کے ساتھ نیت کرنا بدعت ہے۔(۱۰) نیت کی جگہ علماء کے اتفاق کے ساتھ صرف دل ہی

(۱) [البحر المحيط للزركشي (٥٠/٤) الإحكام في أصول الأحكام للآمدي (٢٦٧/٣)]
(۲) [نيل الأوطار (٢٠٨/١)]
(۳) [فتح الباري (١٤/١)]
(۴) [الأم (١٢٩/١) الكافي (١٦٤/١) حاشية الدسوقي (٩٣/١) المغني (١١٠/١) المبسوط (٧٢/١) البحر الرائق (٢٤/١)]
(۵) [المحلى (١٣١/١)]
(۶) [أعلام الموقعين (١١١/٣)]
(۷) [المحلى (١٣١/١)]
(۸) [نيل الأوطار (٢١٠/١)]
(۹) [الروضة الندية (١٣٨/١)]
(۱۰) [الفتاوى الكبرى (٢١٤/١)]

ہے۔(۱) اور اگر کوئی حضرت نوح علیہ السلام کی عمر (950 سال) کے برابر بھی رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے زبان کے ساتھ نیت کرنا تلاش کرتا رہے تب بھی سوائے سفید جھوٹ کے کامیاب نہیں ہوگا۔(۲)

البتہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ اجمعین کے ساتھیوں میں سے ایک گروہ نے اسے مستحب اس لیے کہا ہے کیونکہ یہ مزید تاکید کا باعث ہے۔ جبکہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے ساتھیوں میں سے ایک گروہ نے اسے غیر مستحب اور بدعت کہا ہے کیونکہ یہ عمل رسول اللہ ﷺ اور صحابہ میں سے کسی سے بھی منقول نہیں اور نہ تو نبی ﷺ نے کسی کو اس کا حکم دیا ہے اور نہ ہی کسی ایک کو بھی سکھایا ہے اور یہی دوسرا قول ہی راجح ہے۔(۳)

(ابن قیمؒ) زبان سے نیت کرنا بدعت ہے اور نیت کسی کام کے ارادے کا نام ہے جس کی جگہ صرف دل ہے اس کا اصلا زبان سے کوئی تعلق ہی نہیں۔(٤)

(نوویؒ) نیت صرف دل کے ارادے کو ہی کہتے ہیں۔(٥)

حنفی علماء نے بھی اس کے بدعت ہونے کا اعتراف کیا ہے:

(ابن عابدینؒ) زبان سے نیت کرنا بدعت ہے۔(٦)

(ملا علی قاریؒ) الفاظ کے ساتھ نیت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ بدعت ہے۔(۷)

(ابن ہمامؒ) رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک سے بھی زبان کے ساتھ نیت کرنا منقول نہیں۔(۸)

(انور شاہ کاشمیریؒ) نیت صرف دل کا معاملہ ہے۔(۹)

اور بھی مختلف کتب میں اس عمل کو بدعت ہی شمار کیا گیا ہے۔(۱۰)

علاوہ ازیں اس کے بدعت ہونے کا یہ بھی ثبوت ہے کہ اگر نبی ﷺ نے زبانی نیت سکھلائی ہوتی تو عربی زبان میں ہوتی جبکہ ہمارے ہاں اردو میں نیت سکھائی جاتی ہے۔

---

(۱) [مجموع الفتاوی (۱۸/۲٦۲)]

(۲) [إغاثة اللهفان (۱/۱٥۸)]

(۳) [الفتاوی الکبری (۱/۲۱٤)]

(٤) [زاد المعاد (۱/٦۹) إغاثة اللهفان (۱/۱۳٦)]

(٥) [شرح المهذب (۱/۳٥۲)]

(٦) [ردالمحتار (۱/۲۷۹)]

(۷) [مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح (۱/٤۱)]

(۸) [فتح القدیر (۱/۲۳۲)]

(۹) [فیض الباری (۱/۸)]

(۱۰) [عمدة الرعاية حاشية شرح الوقاية (۱/۱٥۹) السنن والمبتدعات (۱/۲۸)]

متفرقات

54- ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال واجب ہے

(1) حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿وخلل بین الأصابع﴾ ''اور انگلیوں کے درمیان خلال کرو۔''(۱)

اس مطلق حکم میں ہاتھ اور پاؤں دونوں کی انگلیاں شامل ہیں۔

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا توضأت فخلل أصابع يديك و رجليك﴾ ''جب تم وضوء کرو تو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرو۔''(۲)

(شوکانیؒ) ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال واجب ہے۔(۳)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٤)

(امیر صنعانیؒ) یہی موقف رکھتے ہیں۔(٥)

(البانیؒ) ہاتھوں کی انگلیوں کا خلال حضرت لقیط رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے واجب ہے۔(٦)

واضح رہے کہ پاؤں کی انگلیوں کا خلال چھوٹی انگلی سے کرنا چاہیے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی عمل تھا۔(۷)

55- داڑھی کا خلال واجب ہے

(1) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب وضوء کرتے تو پانی کا ایک چلو بھر کے اپنی ٹھوڑی کے نیچے داخل کرتے اور اس کے ساتھ اپنی داڑھی کا خلال کرتے اور فرماتے ﴿هكذا أمرني ربي﴾ ''میرے رب نے مجھے اسی طرح حکم دیا ہے۔''(۸)

(۱) [**صحيح** : صحيح أبو داود (۱۲۹) كتاب الطهارة : باب في الاستنثار' أبو داود (۱٤۲) ترمذی (۳۸) نسائی (۸۷) ابن ماجة (٤۰۷) دارمی (۱۷۹/۱) أحمد (۳۲/٤)]

(۲) [**حسن** : صحيح ابن ماجة (۳٦۱) ترمذی (۳۹) كتاب الطهارة : باب ما جاء في تخليل الأصابع' ابن ماجة (٤٤۷) أحمد (۲۸۷/۱)]

(۳) [نيل الأوطار (۲٤۱/۱)]

(٤) [تحفة الأحوذی (۱٥٦/۱)]

(٥) [سبل السلام (۸۹/۱)]

(٦) [تمام المنة (ص/۹۳)]

(۷) [**صحيح** : صحيح ابن ماجة (۳٦۰) كتاب الطهارة وسننها : باب تخيل الأصابع' ابن ماجة (٤٤٦) ترمذی (٤۰) أبو داود (۱٤۸)]

(۸) [**صحيح** : صحيح أبو داود (۱۳۳) كتاب الطهارة : باب تخليل اللحية' أبو داود (۱٤٥) بيهقی (٥٤/۱) شرح السنة (۳۰۹/۱) إرواء الغليل (۱۳۰/۱)]

(2) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن النبی ﷺ کان یخلل لحیته﴾ ''نبی ﷺ اپنی داڑھی کا خلال کیا کرتے تھے۔'' (۱)

(حسن بن صالحؒ ، ابوثورؒ، اہل ظاہر) وجوب کے قائل ہیں۔

(شافعیؒ ، ابوحنیفہؒ، احمدؒ) غسل جنابت میں داڑھی کا خلال واجب ہے لیکن وضوء میں نہیں۔ امام ابو یوسف، امام محمد بن حسن، امام ثوری، امام اوزاعی، امام لیث، امام اسحاق، امام داود، امام طبری رحمہم اللہ اجمعین اور اکثر اہل علم اسی کے قائل ہیں۔

(مالکؒ) وضوء کی طرح غسل جنابت میں بھی داڑھی کا خلال واجب نہیں۔ (۲)

(شوکانیؒ) داڑھی کا خلال فرض نہیں ہے اور حدیث ﴿هکذا أمرنی ربی﴾ نبی ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔ (۳)

(راجح) نبی ﷺ کو دیا گیا ہر حکم امت کے لیے بھی فرض ہے تاوقتیکہ تخصیص کی کوئی واضح دلیل نہ مل جائے جیسا کہ چار سے زائد خواتین سے ایک وقت میں نکاح آپ ﷺ کے خصائص سے ہے۔ نیز علماء نے نبی ﷺ کے جو خصائص شمار کیے ہیں ان میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ کو دیا گیا خلال کا حکم امت کے لیے بھی فرض ہے۔

حضرت عمار بن یاسر، حضرت ابن عمر، حضرت انس، حضرت علی، حضرت ابو امامہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم، امام ابن سیرینؒ اور امام ابراہیمؒ سے مروی ہے کہ (داڑھی کے) خلال کو مجرد بعض لوگوں کے فتوے کی بنا پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ (۴)

56- دائیں جانب سے وضوء کی ابتدا کرنا واجب ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿إذا لبستم وإذا توضأتم فابدؤا بمیامنکم﴾ ''جب تم لباس پہنو اور جب تم وضوء کرو تو اپنی دائیں جوانب سے شروع کرو۔'' (۵)

(امیر صنعانیؒ) حدیث میں موجود حکم اور آپ ﷺ کا اسی پر استمرار وجوب کی واضح دلیل ہے۔ (۶)

(نوویؒ، شوکانیؒ) یہ عمل واجب نہیں ہے بلکہ سنت و مستحب ہے۔ (۷)

---

(۱) [صحیح : صحیح ابن ماجة (۳٤٥) ترمذی (۳۱) کتاب الطهارة : باب ماجاء فی تخلیل اللحیة، ابن ماجة (٤۳۰) ابن خزیمة (۱۰۱، ۱۰۲) دارمی (۱۷۸/۱) عبدالرزاق (۱۲٥) ابن أبی شیبة (۱۳/۱) حاکم (۱٤۹/۱) بیهقی (٥٤/۱)] امام بیہقیؒ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے جبکہ شیخ احمد شاکر اس کی تصحیح کی طرف مائل ہیں۔ [خلافیات للبیهقی (۳۰۹/۱) التعلیق علی الترمذی لأحمد شاکر (٤٦/۱)]

(۲) [نیل الأوطار (۲۳٥/۱)]

(۳) [أیضا]

(٤) [ابن أبی شیبة (۱۲/۱)]

(٥) [صحیح : صحیح أبو داود (۳٤۸۸) کتاب اللباس : باب فی الانتعال، أبو داود (٤۱٤۱) أحمد (۳٥٤/۲) ابن خزیمة (۱۷۸/۱) ابن ماجة (٤۰۲)]

(٦) [سبل السلام (۹٦/۱)]

(۷) [شرح مسلم (۱٦۳/۲) نیل الأوطار (۲٦٥/۱)]

امام نوویؒ نے تو علمائے اہل سنت کا اسی پر (یعنی عدم وجوب پر) اجماع بھی نقل کیا ہے لیکن راجح بات یہی ہے کہ صریح حدیث میں آپ ﷺ کا حکم محض وجوب پر ہی دلالت کرتا ہے۔

57- وضوء میں موالاۃ (پے در پے اعضاء کو دھونا) واجب ہے

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے وضوء کیا تو اس کے قدم پر ایک ناخن کے برابر جگہ خشک رہ گئی چنانچہ نبی ﷺ نے اسے دیکھا تو فرمایا ﴿ارجع فأحسن وضوء﴾ ''واپس جاؤ اور اپنا وضوء درست کرو۔'' وہ واپس گیا اور وضوء کرنے کے بعد نماز پڑھی۔(۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موالاۃ ضروری ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اسے وضوء کرنے کا حکم دیا نہ کہ صرف خشک جگہ کو دھونے کا۔

(نوویؒ) گزشتہ بات کا رد کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ اس حدیث میں احتمال ہے کہ آپ ﷺ نے اسے دوبارہ وضوء کا کہا یا اسی وضوء کو مکمل کرنے کا حکم دیا اور احتمال سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔(۲)

واضح رہے کہ دوسری حدیث کے الفاظ امام نوویؒ کی اس بات کا رد کرتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے ﴿فأمره رسول الله أن يعيد الوضوء﴾ ''نبی ﷺ نے اسے دوبارہ وضوء کرنے کا حکم دیا۔''(۳)

(شمس الحق عظیم آبادیؒ) اس حدیث میں موالاۃ کے وجوب پر صریح دلیل موجود ہے۔(٤)

(مالکؒ، احمدؒ) موالاۃ واجب ہے۔(٥)

(شافعیؒ، ابوحنیفہؒ) موالاۃ ضروری نہیں۔(٦)

(راجح) موالاۃ واجب ہے۔(٧)

(صالح عثیمینؒ) انہوں نے اسی کے مطابق فتوی دیا ہے۔(٨)

---

(۱) [أحمد (۲۱/۱) مسلم (۲٤۳) كتاب الطهارة : باب وجوب استيعاب جميع أجزاء محل الطهارة ' ابن ماجة (٦٦٦)]

(۲) [شرح مسلم (۳۳/۳)]

(۳) [**صحيح** : صحيح أبو داود (۱٦۱) كتاب الطهارة : باب تفريق الوضوء ' أبو داود (۱۷٥) أحمد (۱٤٦/۳)]

(٤) [عون المعبود (٦۸/۱)]

(٥) [المدونة الكبرى (۱٥/۱) حاشية الدسوقي (۹۰/۱) الكافي (۳۲/۱) الإنصاف (۱۳۹/۱) كشاف القناع (۹۳/۱) المحرر (۱۲/۱)]

(٦) [الأم (۳۰/۱) المجموع (٤٥۱/۱) روضة الطالبين (٦٤/۱) مغني المحتاج (٦۱/۱) المبسوط (٥٦/۱) الهداية (۱۳/۱) حاشية ابن عابدين (۱۲۲/۱)]

(۷) [السيل الجرار (۹۲/۱) المغني لابن قدامة (۱٥۸/۱)]

(۸) [فتاوى ابن عثيمين (۱٤۱/٤)]

58- وضوء میں ترتیب واجب ہے

(1) کیونکہ نبی ﷺ نے ہمیشہ مرتب وضوء کیا اور اسی کا دوسروں کو حکم دیا۔

(2) حدیث نبوی ہے ﴿إذا توضأتم فابدأوا بميانكم﴾ ''جب وضوء کرو تو اپنی دائیں اطراف سے شروع کرو۔''(۱)
اس حدیث میں بھی مرتب وضوء کے وجوب کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔

(3) نبی ﷺ نے ایک دیہاتی سے کہا ﴿توضا كما أمرك الله﴾ ''اسی طرح وضوء کرو جیسے اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے''
پھر آپ ﷺ نے اسے مرتب وضوء سکھایا۔(۲)

(شوکانیؒ) وضوء میں ترتیب واجب ہے اور غیر مرتب وضوء کفایت نہیں کرتا۔(۳)

(صدیق حسن خانؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٤)

(سید سابقؒ) ترتیب واجب ہے۔(٥)

❁❁❁

---

(۱) [صحيح : صحيح ابن ماجة (۳۲۳) أبو داود (٤١٤١) كتاب اللباس : باب في الانتعال ' ترمذى (١٧٦٦) ابن خزيمة (١٧٨)]

(۲) [صحيح : أبو عوانة (٢٥٣/١) بيهقى (٨٣/١)]

(۳) [السيل الجرار (٨٧/١)]

(٤) [الروضة الندية (١٤٠/١)]

(٥) [فقه السنة (٣٣/١)]

دوسری فصل

وضوء کی سنتیں

سر کے علاوہ بقیہ اعضاء تین تین مرتبہ دھونا مستحب ہے۔ ❶	وَيُسْتَحَبُّ التَّثْلِيثُ فِي غَيْرِ الرَّأْسِ

❶ نبی ﷺ سے ایک ایک مرتبہ، دو دو مرتبہ اور تین تین مرتبہ سب طرح سے وضوء کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔

(1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿توضأ رسول الله مرة مرة﴾ ''رسول اللہ ﷺ نے ایک ایک مرتبہ (اعضاء دھوکر) وضوء کیا۔''(۱)

(2) حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ﴿أن النبي ﷺ توضأ مرتين مرتين﴾ ''نبی ﷺ نے دو دو مرتبہ وضوء کیا۔''(۲)

(3) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن النبي ﷺ توضا ثلاثا ثلاثا﴾ ''نبی ﷺ نے تین تین بار وضوء کیا۔''(۳)

ایک ایک مرتبہ وضوء کرنا فرض ہے جبکہ تین تین مرتبہ وضوء کرنا بالا جماع سنت ہے۔(٤) لیکن یاد رہے کہ تین مرتبہ سے تجاوز کرنا جائز نہیں جیسا کہ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ روایت ہے کہ ایک دیہاتی رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر سوال کرنے لگا تو آپ ﷺ نے اسے تین تین مرتبہ (وضوء کر کے) دکھایا اور فرمایا ﴿هذا الوضوء فمن زاد على هذا فقد أساء وتعدى وظلم﴾ ''یہ وضوء ہے اور جس نے اس پر زیادتی کی تو بے شک اس نے برا کیا' حد سے تجاوز کیا اور ظلم کیا۔''(٥)

(2) حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''عنقریب اس امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو وضوء اور دعا میں حد سے تجاوز کریں گے اور بلا شبہ ایسا شخص برائی کرنے والا اور ظالم ہے۔''(٦)

سر کا مسح ایک سے زیادہ مرتبہ بھی کیا جا سکتا ہے جیسا کہ گذشتہ صفحات میں سر کے مسح کے بیان میں وضاحت کی جا چکی ہے۔

---

(۱) [بخاری (۱٥۷) کتاب الوضوء : باب الوضوء مرة مرة' ترمذی (٤۲) أبو داود (۱۳۸) ابن ماجة (٤۱۱) نسائی (٦۲/۱)]

(۲) [بخاری (۱٥۸) کتاب الوضوء : باب الوضوء مرتين مرتين' أبو داود (۱۸) مسلم (۱۸) ترمذی (۳۲) موطا (۱۸/۱) دار قطنی (۹۳/۱) بیهقی (۷۹/۱) أحمد (٤۱/٤)]

(۳) [مسلم (۲۳۰) کتاب الطهارة : باب فضل الوضوء والصلاة عقبه' أبو داود (۱۰٦) ابن ماجة (۲۸٥) نسائی (٦٤/۱) بیهقی (٤۹/۱) دار قطنی (۸۳/۱) أحمد (٥۷/۱)]

(٤) [المجموع (٤٦٥/۱) شرح مسلم للنووی (۱۰۸/۲) نیل الأوطار (۲٦۷/۱)]

(٥) [**حسن** : صحيح أبو داود (۱۲۳) کتاب الطهارة : باب الوضوء ثلاثا ثلاثا' أبو داود (۱۳٥) أحمد (۱۸۰/۲) نسائی (۸۸/۱) ابن ماجة (٤۲۲) ابن خزيمة (۱۷٤) ابن الجارود (۸٥) بيهقی (۷۹/۱)]

(٦) [**صحيح** : صحيح أبو داود (۸۷) کتاب الطهارة : باب الإسراف فی الوضوء' أبو داود (۹٦) ابن ماجة (۳۸٦٤) أحمد (۸٦/٤)]

وَإِطَالَةُ الْغُرَّةِ وَالتَّحْجِيلِ وَتَقْدِيمُ السِّوَاكِ اِسْتِحْبَابًا	چمک اور سفیدی کو لمبا کرنا ❶ (یعنی مقررہ حد سے اعضاء کو زیادہ دھونا) اور ابتدائے وضوء میں مسواک کرنا (مستحب ہے)۔ ❷

❶ ''غرۃ'' دراصل اس سفیدی و چمک کو کہتے ہیں جو گھوڑے کی پیشانی میں ہوتی ہے اور ''تحجیل'' اس سفیدی کو کہتے ہیں جو گھوڑے کے قدموں میں ہوتی ہے۔(۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إن أمتي يأتون يوم القيمه غرا محجلين من أثر الوضوء فمن استطاع منكم أن يطيل غرته فليفعل﴾ ''قیامت کے روز میری امت کے لوگ ایسی حالت میں آئیں گے کہ وضوء کے اثرات کی وجہ سے ان کے ہاتھ پاؤں چمکتے ہوں گے تم میں سے جو شخص اس چمک اور روشنی کو زیادہ بڑھا سکتا ہے تو اسے ضرور ایسا کرنا چاہیے۔'' (۲)

اس حدیث کی وجہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے بازوؤں کو کندھوں تک اور اپنے قدموں کو گھٹنوں تک دھولیا کرتے تھے۔(۳)

❷ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لو لا أن أشق على أمتي لأمرتهم بالسواك عند كل صلاة﴾ ''اگر مجھے اپنی امت کو مشقت و تکلیف میں مبتلا کرنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دے دیتا۔ اور بخاری میں تعلیقا یہ لفظ مذکور ہیں ﴿مع كل وضوء﴾ ''ہر وضوء کے ساتھ مسواک کا حکم دے دیتا۔'' (٤)

حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے بھی اسی معنی میں حدیث مروی ہے۔(٥)

یہ حدیث اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم وجوب کے لیے کافی ہوتا ہے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم نہیں دیا تو استحباب کا حکم ہی باقی رہ جاتا ہے اور مستحب پر عمل ضروری نہیں ہوتا۔(٦)

اور یہ بھی ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اجتہاد کے ساتھ حکم دینا درست تھا لیکن اس مسئلہ میں چار مختلف مذاہب ہیں:

(1) مطلق طور پر جائز تھا۔ یہ امام مالک' امام شافعی' امام احمد' امام ابو یوسف' امام عبد الجبار' امام ابو الحسین البصری' جمہور' امام غزالی' امام آمدی' امام رازی' امام قاضی بیضاوی' امام ابن حاجب' امام ابن سبکی اور احناف رحمہم اللہ اجمعین کا مذہب ہے اِلا کہ

---

(۱) [المعجم الوسيط (ص/٦٤٨۔ ٦٥٨)]

(۲) [مسلم (٢٤٦) كتاب الطهارة : باب استحباب إطالة الغرة والتحجيل في الوضوء' بخاری مع الفتح (٢٣٥/١) أبو عوانة (٢٤٣/١) بيهقي (٥٧/١) أحمد (٤٠٠/٢) تحفة الأشراف (٣٨٣/١٠)]

(۳) [سبل السلام (٩٤/١) نيل الأوطار (٢٣٩/١) تلخيص الحبير (١٥٥/١)]

(٤) [بخاري (٨٨٧) كتاب الجمعة : باب السواك يوم الجمعة ' مسلم (٢٥٢) مؤطا (١٦٦٣١) أبو داود (٤٦) ابن ماجة (٢٨٧) ترمذي (٢٢) نسائي (١٢/١) أحمد (٢٤٥/٢) ابن خزيمة (١٣٩) ابن حبان (١٥٣١) شرح معاني الآثار (٤٤/١) بيهقي (٣٥/١)]

(٥) [**صحيح** : صحيح أبو داود (٣٧) كتاب الطهارة : باب السواك ' أبو داود (٤٧) أحمد (١١٤/٤) ترمذي (٢٣) نسائي (١٩٧/٢) ابن أبي شيبة (١٦٨/١)]

(٦) [نيل الأوطار (١٧٢/١)]

احناف نے اجتہاد کے ساتھ تعبد کی شرط لگائی ہے۔

(2) مطلقاً منع تھا۔ یہ امام ابوعلی جبائیؒ 'اس کے بیٹے ابو ہاشمؒ اور امام ابن حزمؒ وغیرہ کا موقف ہے۔

(3) صرف جنگی معاملات اور دنیاوی مصالح میں جائز تھا اس کے علاوہ نہیں۔

(4) ان تینوں مذاہب میں توقف ہی بہتر ہے۔(۱)

امام نوویؒ بیان کرتے ہیں کہ مسواک تمام اوقات میں مستحب ہے لیکن پانچ اوقات میں بہت ہی زیادہ مستحب ہے:

① نماز کے وقت ② وضوء کے وقت

③ قراءت قرآن کے وقت ④ نیند سے بیدار ہونے کے وقت

⑤ منہ کے (کسی بھی وجہ سے) متغیر ہو جانے کے وقت(۲)

مسواک کے متعلق چند احادیث مندرجہ ذیل ہیں:

(1) نبی ﷺ جب رات کو اٹھتے تو منہ کو مسواک سے ملتے۔(۳)

(2) نبی ﷺ گھر میں داخل ہونے کے بعد پہلا کام مسواک کرتے۔(٤)

(3) نبی ﷺ نے فرمایا مسواک منہ کی طہارت اور رب کی رضامندی کا باعث ہے۔(٥)

وَغَسْلُ الْيَدَيْنِ إِلَى الرُّسْغَيْنِ ثَلَاثًا قَبْلَ الشُّرُوْعِ فِيْ غَسْلِ الْأَعْضَاءِ الْمُتَقَدِّمَةِ	اور ابتدائے وضوء میں تین مرتبہ کلائیوں تک ہاتھ دھونا بھی مستحب ہے۔❶

❶ جیسا کہ دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈالا ﴿فغسلهما ثلاث مرات﴾ ''پھر انہیں تین مرتبہ دھویا۔''(٦)

(۱) [منهاج العقول للبدخشي (۲٦۰/۳) غاية الوصول للشيخ زكريا الأنصاري (۳۲٥) التحصيل من المحصول للأرموي (۲۸۱/۲)]

(۲) [شرح مسلم للنووي (۱٤٦/۲)]

(۳) [بخاري (۲٤٥) كتاب الوضوء: باب السواك، مسلم (۲٥٥) أبو عوانة (۱۹۲/۱) أبو داود (٥٥) ابن ماجة (۲۸٦) ابن أبي شيبة (۱٦۸/۱) أحمد (۳۸۲/٥) دارمي (۱٤۰/۱)]

(٤) [مسلم (۲٥۳) كتاب الطهارة: باب السواك، نسائي (۱۳/۱) أبو داود (٥۱) ابن ماجة (۲۹۰) أحمد (۱۱۰/٦) ابن خزيمة (۷۰/۱) ابن حبان (۱۰۷۱)]

(٥) [صحيح: صحيح الترغيب (۲۰۹) إرواء الغليل (٦٦) نسائي (۱۰/۱) أحمد (۱۲٤/٦) أبو يعلى (۳۱٥/۸) ابن حبان (۱٤۳ ـ الموارد) حميدي (۱٦۲) بيهقي (۳٤/۱) ابن خزيمة (۱۳٥)] اس حدیث کو امام نوویؒ نے صحیح جبکہ امام بغویؒ نے حسن قرار دیا ہے۔[المجموع (۳۲٤/۱) شرح السنة (۲۹٤/۱)]

(٦) [بخاري (۱٦٤) كتاب الوضوء: باب المضمضة في الوضوء، مسلم (۲۲٦)]

(2) حضرت عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے وضوء کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے پانی منگوایا ﴿فغسل کفیه ثلاثا﴾ ''اور اپنے دونوں ہاتھوں کو تین مرتبہ دھویا'' پھر اپنے چہرے اور پھر بازوؤں کو تین تین مرتبہ دھویا۔(۱)

(3) حضرت أوس بن أوس ثقفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ﴿توضأ فاستوكف ثلاثا﴾ ''آپ ﷺ نے وضوء کیا تو اپنے ہاتھوں کو تین مرتبہ دھویا۔''(۲)

متفرقات

59- ہر نماز کے لیے الگ وضوء کرنا مستحب ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿کان النبی ﷺ یتوضأ عند کل صلاة﴾ ''نبی ﷺ ہر نماز کے ساتھ وضوء کرتے تھے۔''(۳)

لیکن ایک وضوء سے کئی نمازیں پڑھنا بھی بالاتفاق درست ہے۔

(1) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿صلی رسول الله یوم الفتح خمس صلوات بوضوء واحد﴾ ''رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن ایک ہی وضوء سے پانچ نمازیں ادا کیں۔''(٤)

(2) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ ہر نماز کے لیے وضوء فرماتے ﴿و کنا نصلی الصلوات بوضوء واحد﴾ ''اور ہم ایک ہی وضوء سے کئی نمازیں پڑھ لیتے۔''(٥)

(3) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿لا وضوء إلا من حدث﴾ ''وضوء صرف بے وضوء ہونے کی صورت میں ہی (کرنا پڑتا) ہے۔''(٦)

---

(۱) [**صحیح** : صحیح أبو داود (۱۲۳) کتاب الطهارة : باب الوضوء ثلاثا ثلاثا ' أبو داود (۱۳۵) نسائی (۱٤۰) ابن ماجة (٤۲۲)]

(۲) [**صحیح** : صحیح نسائی (۸۱) کتاب الطهارة : باب کم تغسلان ' نسائی (۸۳) أحمد (۲۱/۲)]

(۳) [بخاری (۲۱٤) کتاب الوضوء : باب الوضوء من غیر حدث ' ترمذی (٦۰) نسائی (۳۱) أبو داود (۱۷۱) ابن ماجة (۵۰۹)]

(٤) [مسلم (۲۷۷) أبو داود (۱۷۲) کتاب الطهارة : باب الرجل یصل الصلوات بوضوء واحد' ترمذی (٦۱) ابن ماجة (۵۱۰) نسائی (۱۳۳)]

(٥) [بخاری (۲۱٤) کتاب الوضوء : باب الوضوء من غیر حدث ' ترمذی (٦۰) نسائی (۳۱) أبو داود (۱۷۱) ابن ماجة (۵۰۹)]

(٦) [**صحیح** : صحیح ابن ماجة (٤۱٦) إرواء الغلیل (۱٤٥/۱) أحمد (۹۲٤۱) ترمذی (۷٤) کتاب الطهارة : باب ماجاء فی الوضوء من الریح' دارمی (۱۸۳/۱) ابن ماجة (۵۱۵)]

60- وضوء سے فراغت کے بعد کی دعائیں

(1) ﴿أشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمدا عبده ورسوله﴾
''حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص وضوء مکمل کرنے کے بعد یہ کلمات کہے گا اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جائیں گے کہ وہ جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔(۱)

(2) گذشتہ دعا کے بعد جامع ترمذی میں یہ لفظ زائد ہیں ﴿اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِىْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِىْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾(۲)

(3) ﴿سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ﴾(۳)

61- وضوء کے بعد آسمان کی طرف دیکھنا اور انگلی اٹھانا

کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں اسی لیے علماء نے اس عمل کو بدعات میں شمار کیا ہے۔ نیز جس روایت میں رفع بصر کا ذکر ملتا ہے اس میں ابن عم ابی عقیل راوی مجہول ہے اس لیے وہ ضعیف ہے۔(٤)

62- وضوء کے بعد تولیے کا استعمال

وضوء کے بعد تولیہ یا کوئی کپڑا استعمال کرنا جائز ہے جیسا کہ دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿كان للنبى صلی اللہ علیہ وسلم خرقة ينشف بها بعد الوضوء﴾ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک کپڑے کا ٹکڑا تھا جس سے وضوء کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم (پانی کو) خشک کرتے تھے۔''(٥)

(2) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے متعلق بیان کرتی ہیں کہ (جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کر لیا تو) ﴿فناولته ثوبا فلم يأخذه فانطلق وهو ينفض يديه﴾ ''میں نے ایک کپڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نہ پکڑا اور اپنے ہاتھوں کو جھاڑتے ہوئے چل پڑے۔''(٦)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کپڑا استعمال کیا کرتے تھے اسی لیے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے پیش کیا۔

---

(۱) [مسلم (٢٣٤) كتاب الطهارة : باب الذكر المستحب عقب الوضوء، أحمد (١٩/١) أبو داود (١٦٩) نسائی (٩٢/١) دارمی (١٨٢/١) أبو يعلى (١٨٠)]

(۲) [صحیح : تمام المنة (ص/٩٧) ترمذی (٥٥) كتاب الطهارة: باب فيما يقال بعد الوضوء] شیخ احمد شاکرؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور امام ابن قیمؒ نے بھی بالجزم اس زیادتی کے اثبات کو ہی ترجیح دی ہے۔ [التعليق على الترمذى للشاكر (٧٧/١) زاد المعاد (٦٩/١)]

(۳) [صحیح : صحيح الترغيب (٢٢٥) نسائی (٢٥/٦)]

(٤) [ضعيف : ضعيف أبو داود (٣١) كتاب الطهارة : باب ما يقول الرجل إذا توضأ، أبو داود (١٧٠) ابن السنى (٣١) أحمد (١٥٠/٤) دارمی (١٤٨٣١)] حافظ ابن حجرؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [تلخيص الحبير (١٣٠/١)]

(٥) [حسن : الصحيحة (٢٠٩٩) ترمذی (٥٣) كتاب الطهارة : باب ما جاء فى المنديل بعد الوضوء، حاكم (١٥٤/١)] حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ [تلخيص الحبير (١٧١/١)]

(٦) [بخاری (٢٦٧) كتاب الغسل : باب نفض اليدين من الغسل عن الجنابة، مسلم (٤٧٦)]

(مالکؒ، احمدؒ، ابوحنیفہؒ) وضوء کے بعد تولیہ استعمال کرنا جائز ہے۔ امام ثوری، امام ابو یوسف، امام محمد بن حسن، امام ابن سیرین، امام حسن، امام علقمہ، امام اسود، امام مسروق اور امام ضحاک رحمہم اللہ اجمعین بھی اسی کے قائل ہیں۔ تاہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت بشیر بن أبی مسعود رضی اللہ عنہ اس سے کراہت کرتے تھے۔ (۱)

(عبدالرحمن مبارکپوریؒ) اس کا جواز ہی راجح ہے۔ (۲)

63- دوران وضوء کلام جائز ہے

(1) کیونکہ ممانعت کی کوئی دلیل موجود نہیں۔

(2) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موزے اتارنے کے لیے جھکا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿دعهما فإني أدخلتهما طاهرتين﴾ ''انہیں چھوڑ دو میں نے جب انہیں پہنا تھا اس وقت میں وضوء سے تھا۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر مسح کر لیا۔ (۳)

معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے جب کلام کیا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضوء مکمل نہیں ہوا تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح بعد میں کیا لہٰذا ثابت ہوا کہ دوران وضوء کلام جائز و درست ہے۔

(۱) [عمدة القاری (۸۰/۳) تحفة الأحوذی (۱۸۳/۱)]

(۲) [تحفة الأحوذی (۱۸۵/۱)]

(۳) [بخاری (۲۰۶) کتاب الوضوء : باب إذا أدخل رجليه وهما طاهرتان، مسلم (۴۰۸) أبو داود (۱۵۰) ترمذی (۱۰۰) نسائی (۷۶/۱) ابن ماجة (۵۴۵) أبو عوانه (۲۵۹/۱) دار قطنی (۱۹۲/۱) بیهقی (۵۸/۱) أحمد (۲۴۴/۴)]

تیسری فصل

وضوتوڑنے والی اشیاء

وَيَنْتَقِضُ الْوُضُوءُ بِمَا خَرجَ مِنَ الْفَرْجَيْنِ مِنْ عَيْنٍ أَوْ رِيحٍ وَبِمَا يُوجِبُ الْغُسْلَ	وضوء بول و براز یا ہوا خارج ہونے سے❶ یا غسل واجب کر دینے والے اسباب سے ٹوٹ جاتا ہے۔❷

❶ (1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا يقبل الله صلاة أحدكم إذا أحدث حتى يتوضأ﴾ "اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کی نماز قبول نہیں فرماتے جبکہ اسے حدث لاحق ہوحتی کہ وہ وضوء کرلے۔" ایک آدمی نے عرض کیا اے ابو ہریرہ! یہ حدث کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا ﴿فساء أو ضراط﴾ "بلا آواز ہوا خارج ہونا یا آواز کے ساتھ (یعنی گوز)۔"(۱) حدث سے مراد (ہر وہ چیز ہے) جو پیشاب و پاخانے کے راستے خارج ہو۔(۲) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان ہلکی اشیاء کو حدث شمار کر کے بول و براز وغیرہ سے بالأ ولی وضوء کرنے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(2) ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿لا وضوء إلا من صوت أو ريح﴾ "وضوء صرف آواز یا ہوا کے خارج ہونے کی وجہ سے ہے۔"(۳)

(3) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿فلا يخرجن من المسجد حتى يسمع صوتا أو يجد ريحا﴾ "ہرگز کوئی شخص مسجد سے باہر مت جائے تاوقتیکہ (ہوا خارج ہونے کی) آواز سنے یا بدبو پائے۔"(٤)

(ابن رشدؒ) بول و براز یا ہوا خارج ہونے یا مذی و ودی وغیرہ سے وضوء ٹوٹنے پر اجماع ہے۔(٥)

❷ مثلاً جماع وغیرہ اس کی مثل اشیاء کی وجہ سے وضوء ٹوٹنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔(٦)

وَنَوْمُ الْمُضْطَجِعِ	اور لیٹ کر سونے سے۔❶

❶ (1) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿العينان وكاء السه فمن نام فليتوضأ﴾ "آنکھیں

(۱) [بخاري (۱۳۵) كتاب الوضوء : باب لا تقبل صلاة بغير طهور' مسلم (۲۲۵) أبو داود (٦٠) ترمذي (٧٦) أحمد (۳۰۸/۲) ابن خزيمة (۱۱)]

(۲) [نيل الأوطار (۲۸۷/۱)]

(۳) [صحيح : صحيح ابن ماجة (٤١٦) كتاب الطهارة وسننها : باب لا وضوء إلا من حدث ' ابن ماجة (٥١٦) دارمي (۱۸۳/۱) ترمذي (٧٤)]

(٤) [بخاري (۱۳۷) كتاب الوضوء : باب من لا يتوضأ من الشك حتى يستيقن' مسلم (٣٦١) ابن ماجة (٥١٣) نسائي (١٦٠) ترمذي (٧٥)]

(٥) [بداية المجتهد (٢٤/١)]

(٦) [الروضة الندية (١٤٣/١)]

دبر کا تسمہ ہیں لہٰذا جو سو جائے وہ وضوء کرے۔'' (۱)

(2) حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جنابت کی وجہ سے موزے اتارے جائیں گے'' ﴿لكن من غائط و بول و نوم﴾ ''لیکن بول و براز اور نیند کی وجہ سے اتارنے کی ضرورت نہیں۔'' (۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیند بھی جملہ احداث میں سے ہے۔ بالخصوص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسے بول و براز کے ساتھ ذکر فرمانا نیند کے ناقض وضوء ہونے کا قطعی ثبوت ہے۔

(3) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عہد رسالت مآب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز عشاء کا اتنا انتظار کرتے کہ غلبہ نیند کی وجہ سے ان کے سر جھک جاتے مگر وہ از سر نو وضوء کیے بغیر نماز پڑھ لیتے تھے۔ (۳)

اس مسئلہ میں علماء کے آٹھ مذاہب معروف ہیں:

① نیند کسی حال میں بھی وضوء کے لیے ناقض نہیں۔ یہ قول حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ' سعید بن مسیب' ابو مجلز اور حمید اعرج رحمہم اللہ وغیرہ سے منقول ہے۔

② نیند ہر حال میں ناقض وضوء ہے (خواہ قلیل ہو یا کثیر) یہ امام حسن بصری' امام مزنی' امام ابو عبید' امام قاسم اور امام اسحاق بن راھویہ رحمہم اللہ وغیرہ کا مذہب ہے۔

③ نیند اگر بہت زیادہ ہو تو ہر حال میں وضوء کے لیے ناقض ہے لیکن اگر کم ہے تو کسی حال میں بھی ناقض نہیں ہے۔ یہ امام زہری' امام ربیعہ' امام اوزاعی' امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کا موقف ہے۔

④ جب انسان نماز کی حالتوں میں سے کسی حالت مثلاً رکوع' سجدہ' قیام' قعود وغیرہ میں سو جائے تو وضوء نہیں ٹوٹتا قطع نظر اس بات سے کہ وہ نماز میں ہو یا نہ ہو اور اگر لیٹ کر سو جائے تو ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ' امام داود اور ایک غریب قول امام شافعی رحمہم اللہ سے منقول ہے۔

⑤ رکوع کرنے والے یا سجدہ کرنے والے شخص کی نیند ہی ناقض وضوء ہے۔ اس طرح کا قول امام احمدؒ سے مروی ہے۔

⑥ صرف سجدہ کرنے والے کی نیند ناقض وضوء ہے۔ یہ بھی امام احمدؒ سے ہی مروی ہے۔

⑦ نماز میں کسی حال میں بھی نیند ناقض وضوء نہیں بلکہ صرف نماز کے علاوہ ناقض وضوء ہے۔

⑧ جب انسان زمین پر اپنی پشت کے بل بیٹھا ہوا سو جائے تو نیند کم ہو یا زیادہ' وہ نماز میں ہو یا اس سے خارج' ناقض وضوء

---

(۱) [حسن : صحيح ابن ماجة (٤٨٦) أبو داود (٢٠٣) كتاب الطهارة : باب في الوضوء من النوم' ابن ماجة (٤٧٧)]

(۲) [حسن : صحيح ابن ماجة (٣٨٧) ترمذى (٩٦) كتاب الطهارة : باب المسح على الخفين للمسافر و المقيم' ابن أبي شيبة (١٧٧٣١) أحمد (٢٣٩/٤) نسائي (٨٣/١) ابن ماجة (٤٧٨) ابن خزيمة (١٩٣) ابن حبان (١٧٩۔ الموارد) بيهقي (٢٧٦/١)]

(۳) [صحيح : صحيح أبو داود (١٨٤) كتاب الطهارة : باب في الوضوء من النوم' أبو داود (٢٠٠) ترمذى (٧٨) بيهقي (١١٩/١) دار قطني (٣١/١) مسلم (٣٧٦) أحمد (٢٦٨/٣)]

نہیں۔ یہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے۔(۱)

(شوکانیؒ) نیند کے ناقض ہونے کے متعلق مروی مطلق احادیث کو لیٹ کر سونے کی مقید احادیث پر محمول کیا جائے گا۔(۲)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(۳)

(صدیق حسن خانؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٤)

(راجح) نیند مطلق طور پر ناقض وضوء ہے۔

(ابن حزمؒ، البانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٥)

(ابن بازؒ) نیند ناقض وضوء ہے جبکہ گہری ہو اور شعور کو زائل کر دے۔(٦)

جن روایات میں صرف لیٹ کر سونے والے کی نیند کو ناقض کہا گیا ہے وہ ضعیف ہیں۔(۷) لہذا مطلق حدیث ﴿فمن نام فليتوضأ﴾ کی وجہ سے مطلق ہی حکم مستنبط کیا جائے گا۔ اور لیٹ کر سونے کے باوجود بھی وضوء کا قائم رہنا صرف رسول اللہ ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔(۸)

○ البتہ نیند اور نعاس میں فرق سمجھنا ضروری ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہے:

نیند ایسا ثقیل پردہ ہے جس کا دل پر اچانک آ جانا اسے ظاہری امور کی معرفت سے کاٹ دیتا ہے اور نعاس (اونگھ) ایسا ثقل ہے جو انسان کو باطنی احوال کی معرفت سے کاٹ دیتا ہے۔(۹)

اس لیے جس حدیث میں صحابہ کا ہلکی نیند سے وضوء نہ کرنے کا ذکر ہے اسے حقیقی نیند شمار ہی نہیں کیا جائے گا بلکہ نیند سے مراد وہ نیند ہے جس سے انسان کا شعور باقی نہ رہے خواہ وہ کسی حالت میں بھی اس پر واقع ہو جائے۔

وَأَكْلُ لَحْمِ الْإِبِلِ وَالْقَيْئُ	اونٹ کا گوشت کھانے سے ❶ اور قے کرنے سے۔ ❷

❶ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ سے دریافت کیا کہ ہم بھیڑ بکریوں کا گوشت کھانے کے بعد وضوء کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''اگر چاہو تو وضوء کر لو اور اگر چاہو تو نہ کرو۔'' پھر اس نے دریافت کیا کہ کیا ہم اونٹ کا

(۱) [شرح مسلم للنووی (۳۱۰/۲) المجموع (۲۰/۲) الأم (۲٦/۱) المغنی (۱۷۲/۱) المحلی (۲۲۲/۱) سبل السلام (۱۲۳/۱) نیل الأوطار (۲۹۲/۱)]

(۲) [نیل الأوطار (۲۹۳/۱)]

(۳) [تحفة الأحوذی (۲٦٤/۱)]

(٤) [روضة الندية (١٤٤/١)]

(٥) [المحلی بالآثار (۲۱۲/۱) تمام المنة (ص/۱۰۱)]

(٦) [فتاوی ابن باز مترجم (٤٩/١)]

(۷) [تمام المنة (ص/۱۰۲)]

(۸) [شرح مسلم للنووی (۳۱۰/۲)]

(۹) [غریب الحدیث للخطابی (۲/۳۲)]

گوشت کھانے کے بعد وضوء کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿نعم ' توضأ من لحوم الإبل﴾ ''ہاں! تم اونٹ کا گوشت کھا کر وضوء کرو۔'' (۱)

جو لوگ اسے ناقضِ وضوء شمار نہیں کرتے وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ ''نبی ﷺ کا آخری معاملہ یہی تھا کہ آپ آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضوء نہیں فرماتے تھے۔'' (۲)

لیکن یہ حدیث عام ہے جبکہ اونٹ کے گوشت سے وضوء والی حدیث خاص ہے لہذا خاص کو عام پر ترجیح دی جائے گی اور یہی بات برحق ہے۔ (۳)

(ابن قیمؒ) انہوں نے اسے ناقض ثابت کرنے کے لیے طویل بحث کی ہے۔ (٤)

(البانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔ (٥)

❷ (1) حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن النبي ﷺ قاء فتوضأ﴾ ''نبی ﷺ نے قے کی اور وضوء کیا۔'' (٦)

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿من أصابه قيء أو رعاف أو قلس أو مذي فلينصرف ' فليتوضأ﴾ ''جسے (نماز میں) قے آجائے' یا نکسیر پھوٹ پڑے' یا پیٹ کے اندر کی کوئی چیز منہ تک آن پہنچے' یا مذی آجائے تو اسے (نماز سے) نکل کر وضوء کرنا چاہیے۔'' (۷)

(ابوحنیفہؒ) قے ناقض وضوء ہے (جبکہ معدے سے آئے' منہ بھر کے آئے اور ایک ہی مرتبہ آئے)۔

(شافعیؒ) قے ناقض وضوء نہیں ہے (حدیث میں موجود وضوء کے حکم کا مطلب ہاتھ دھونا ہے۔) (۸)

---

(۱) [أحمد (٨٦/٥) مسلم (٣٦٠) كتاب الحيض : باب الوضوء من لحوم الإبل ' ابن ماجة (٤٩٠) ابن خزيمة (٢١/١) شرح معاني الآثار (٧٠/١) بيهقي (١٥٨/١)]

(۲) [صحيح : صحيح أبو داود (١٧٧) كتاب الطهارة : باب في ترك الوضوء مما مست النار' أبو داود (١٩٢)]

(۳) [شرح مسلم للنووي (١٠٥/٢)]

(٤) [أعلام الموقعين (٩٧/٢-١٠٠)]

(٥) [تمام المنة (ص/١٠٦)]

(٦) [صحيح : صحيح ترمذي (٧٦) كتاب الطهارة : باب الوضوء من القيء والرعاف ' ترمذي (٨٧) أحمد (٤٤٣/٦) أبو داود (٢٣٨١) دارمي (١٤/٢) دار قطني (١٠٨/١) ابن الجارود (٨) ابن خزيمة (١٩٥٧) بيهقي (١٤٤/١)]

(۷) [ضعيف : ضعيف ابن ماجة (٢٥٢) كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها : باب ماجاء في البناء على الصلاة ' ابن ماجة (١٢٢١) بيهقي (١٤٧/١) دار قطني (١٥٤/١)] امام زیلعیؒ اور حافظ بوصیریؒ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ [نصب الراية (٣٨/١) مصباح الزجاجة (٣٩٩/١)] اس کی سند میں اسماعیل بن عیاش راوی ضعیف ہے۔ [المجروحين (١٢٤٣١) الجرح والتعديل (١٩١/٢) الكاشف (٧٦/١) المغني (٨٥/١) الميزان (٢٤٠/١) التقريب (٧٣/١)]

(۸) [بدائع الصنائع (٢٤/١) المحلي (٢٥٥/١) المغني (١٨٤/١) المجموع (٦٢/٢) نيل الأوطار (٢٨٨/١)]

(راجح) قے کی وجہ سے وضوء کرنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے کیونکہ پہلی صحیح حدیث میں نبی ﷺ کا مجرد فعل مذکور ہے اور یہ بات اصول میں ثابت ہے کہ آپ ﷺ کا مجرد فعل وجوب پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اس کے لیے خاص دلیل کی ضرورت ہے اور جس روایت میں وجوب کی وضاحت ہے وہ ضعیف ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر محققین نے اسے نواقض وضوء میں شمار نہیں کیا۔

(ابن تیمیہؒ) قے کی وجہ سے وضوء کرنا مستحب ہے۔(۱)

(البانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۲)

وَنَحْوَهُ	اور اس کی مثل سے۔ ❶

❶ مثلاً قلس اور رعاف وغیرہ کی وجہ سے۔

"قلس" اس چیز کو کہتے ہیں جو پیٹ سے منہ کے راستے منہ بھر کے یا اس سے کم باہر آئے لیکن قے نہ ہو۔(۳) اس میں بھی قے کی مثل ہی اختلاف ہے۔(٤)

لیکن راجح بات یہی ہے کہ یہ ناقض وضوء نہیں کیونکہ جس روایت میں اس کی وجہ سے وضوء کا حکم ہے وہ ضعیف ہے جیسا کہ گذشتہ مسئلہ میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

"رعاف" وہ خون جو ناک کے راستے نکلتا ہے (یعنی نکسیر)۔(٥)

نکسیر اور اس کے علاوہ وہ تمام اشیاء جو بول و براز کے راستوں کے علاوہ دیگر جگہوں سے خارج ہوتی ہیں ان کے ناقض ہونے میں اختلاف ہے۔

(مالکؒ، شافعیؒ) یہ اشیاء ناقض وضوء نہیں۔

(بغویؒ) اکثر صحابہ و تابعین کا یہی مذہب ہے۔

(نوویؒ) ایسا قطعاً ثابت نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے ان اشیاء کی وجہ سے وضوء واجب قرار دیا ہو۔

(ابن تیمیہؒ) خون اور پیپ وغیرہ ناقض وضوء نہیں خواہ زیادہ مقدار میں ہی ہو۔

(عبدالرحمٰن سعدیؒ) صحیح بات یہی ہے کہ یہ اشیاء ناقض وضوء نہیں خواہ قلیل ہوں یا کثیر کیونکہ اس کی کوئی دلیل موجود نہیں اور اصل بقاء طہارت ہے۔

ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) قاعدہ براءۃ اصلیہ : یعنی اصل میں انسان ہر کام سے بری ہے جب تک کہ اس کے مکلف ہونے کی کوئی دلیل نہ مل جائے۔

---

(۱) [مجموع الفتاوی (۲/۲۳٤)]

(۲) [تمام المنة (ص/۱۱۱)]

(۳) [النهاية (٤/۱۰۰)]

(٤) [نيل الأوطار (۲۸۹۳۱)]

(٥) [المعجم الوسيط (ص/۳٥٤)]

(2) یہاں قیاس بھی درست نہیں کیونکہ حکم کی علت ایک نہیں ہے۔

(3) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شہید ہوتے وقت نماز پڑھی اور ان کے جسم سے خون بہہ رہا تھا۔

(4) حسن بصریؒ بیان کرتے ہیں کہ مسلمان ہمیشہ اپنے زخموں میں نماز پڑھتے رہے ہیں۔

(5) ایک صحابی کو دوران پہرہ نماز پڑھتے ہوئے تیر لگا لیکن اس نے اپنی نماز کو جاری رکھا (اور خون بہتا رہا)۔

(6) حدیث نبوی ہے ﴿لا وضوء إلا من صوت أو ريح﴾ ''وضوء صرف آواز یا ہوا خارج ہونے کی وجہ سے ہی لازم ہوتا ہے۔'' (۱)

(ابوحنیفہؒ، احمدؒ) یہ اشیاء ناقض وضوء ہیں جبکہ کثیر ہوں البتہ ان کی کم مقدار ناقض نہیں۔ ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے قے کے بعد وضوء کیا لیکن بیان کیا جا چکا ہے کہ مجرد فعل سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ (۲)

(راجح) امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا موقف راجح ہے۔

(شوکانیؒ) خون کو ناقض کہنے والوں کے پاس کوئی بھی صحیح دلیل موجود نہیں۔ (۳)

(صدیق حسن خانؒ) اسی کے قائل ہیں۔ (٤)

(البانیؒ) خون نواقض وضوء سے نہیں ہے۔ (٥)

وَمَسُّ الذَّكَرِ	اور شرمگاہ کو چھونے (سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے)۔ ❶

❶ حضرت بسرۃ بنت صفوان رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿من مس ذكره فليتوضأ﴾ ''جس شخص نے اپنے آلہ تناسل کو چھوا اسے چاہیے کہ وضوء کرے۔'' (٦)

معلوم ہوا کہ آلہ تناسل کو چھونے سے وضوء کرنا ضروری ہے لیکن مندرجہ ذیل حدیث بظاہر اس کے مخالف ہے۔

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! ایسے شخص کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جس نے وضوء کرنے کے بعد اپنے آلہ تناسل کو چھو لیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿هل هو إلا بضعة منه﴾ ''وہ تو

(۱) [ترمذی (٦٧٤)]

(۲) [التعليق على سبل السلام للشيخ عبدالله بسّام (١٤٣/١) نيل الأوطار (٢٨٩/١) الهداية (١٤/١) المبدع شرح المقنع (١٥٧/١) المجموع (٥٤/٢)]

(۳) [السيل الجرار (٩٨/١)]

(٤) [الروضة الندية (١٤٩/١)]

(٥) [تمام المنة (ص/٥٢)]

(٦) [صحيح : صحيح أبو داود (١٦٦) كتاب الطهارة : باب الوضوء من مس الذكر، أبو داود (١٨١) ترمذی (٨٢) أحمد (٢٢٣/٢) نسائی (١٠٠/١) ابن ماجة (٤٧٦) ابن خزيمة (٣٣) ابن حبان (٢١١) دارمی (١٨٥/١) مؤطا (٤٢/١)]

صرف اس کے جسم کا ایک ٹکڑا ہے۔'' (۱)

اس مسئلہ میں سلف وخلف کے درمیان اختلاف ہے۔

(1) حضرت عمرؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت عائشہؓ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم 'امام عطاءؒ امام زہریؒ حضرت سعید بن مسیبؒ امام مجاہدؒ امام اَبان بن عثمانؒ حضرت سلیمان بن یسارؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ امام مالک اور امام اسحاق رحمہم اللہ اجمعین کے نزدیک آلہ تناسل کو چھونے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ ان کی دلیل حدیث بسرۃ ہے۔

(2) حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت عمار رضی اللہ عنہم 'امام حسن بصریؒ امام ربیعہؒ امام ثوریؒ امام ابو حنیفہؒ امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن رحمہم اللہ کے نزدیک آلہ تناسل چھونے سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔ ان کی دلیل حدیث طلق ہے۔ (۲)

(ابن حزمؒ) وضوء ٹوٹ جاتا ہے اور حدیث طلق منسوخ ہے۔ (۳)

(صدیق حسن خانؒ) حق بات یہی ہے کہ وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ (٤)

(راجح) آلہ تناسل کو چھونے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے بشرطیکہ بغیر کسی حائل (یعنی کپڑے یا پردے وغیرہ) کے چھوا جائے۔ (٥)

جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿من أفضى بيده إلىٰ ذكره ليس دونه ستر فقد وجب عليه الوضوء﴾ ''جو شخص اپنے آلہ تناسل کو بغیر کسی پردے کے چھوے تو اس پر وضوء واجب ہے۔'' مسند شافعی کی روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿إذا أفضى أحدكم إلى ذكره ليس بينها و بينه شئ فليتوضأ﴾ (٦)

ناقض وضوء ہونے میں مرد و عورت کی شرمگاہ (اور قبل و دبر) میں کوئی فرق نہیں

(1) حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿من مس فرجه فليتوضأ﴾ ''جو شخص اپنی شرمگاہ کو چھوئے وہ وضوء کرے۔'' (۷)

---

(۱) [صحيح : صحيح أبو داود (۱٦۷) كتاب الطهارة : باب الرخصة في ذلك' أبو داود (۱۸۲) ترمذى (۸٥) طيالسى (۱۰۹٦) نسائى (۱۰۱/۱) أحمد (۲۳/٤) ابن ماجة (٤۸۳) شرح معاني الآثار (۷٦/۱) دار قطنى (۱٤۹/۱) بيهقى (۱۳٤/۱)]

(۲) [نيل الأوطار (۳۰۳/۱) المجموع (٤٦/۲) المبسوط (٦٦/۱) المغنى (۱۷۸/۱) المحلى (۲۳٥/۱)]

(۳) [المحلى (۲۳۹/۱)]

(٤) [الروضة الندية (۱٥۲/۱)]

(٥) [نيل الأوطار (۳۰٤۳۱) تحفة الأحوذى (۲۸۲/۱)]

(٦) [صحيح : أحمد (۳۳۳/۲) طحاوى (۷٤/۱) الأم للشافعى (۳٤۳۱) مسند شافعى (۳٤/۱) ابن حبان (۲۱۰۔ الموارد) دار قطنى (۱٤۷/۱) حاكم (۱۳۸/۱) طبرانى صغير (٤۲/۱) بيهقى (۱۳۱/۱) شرح السنة (۲٦۳/۱)] شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔ [التعليق على سبل السلام (۱۳۹۳۱)]

(۷) [صحيح : صحيح ابن ماجة (۳۹۰) كتاب الطهارة و سننها : باب الوضوء من مس الذكر' إرواء الغليل (۱۱۷) ابن ماجة (٤۸۱) شرح معاني الآثار (۷٥/۱) بيهقى (۱۳۰/۱)]

لفظ فرج قبل اور دبر دونوں کو شامل ہے۔(۱)

(2) حضرت عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿أيما رجل مس فرجه فليتوضأ وأيما امرأة مست فرجها فلتتوضأ﴾ ''جو کوئی مرد اپنی شرمگاہ کو چھوئے اسے چاہیے کہ وضوء کرے اور جو کوئی عورت اپنی شرمگاہ کو چھوئے وہ بھی وضوء کرے۔''(۲)

امام ترمذیؒ نے امام بخاریؒ کا قول نقل کیا ہے کہ ''یہ حدیث میرے نزدیک صحیح ہے۔''(۳)

متفرقات

64- عورت کا بوسہ لینے یا مجرد چھونے سے وضوء نہیں ٹوٹتا

(1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿أن النبي ﷺ قبل بعض نسائه ثم خرج إلى الصلاة ولم يتوضأ﴾ ''نبی ﷺ نے اپنی کسی اہلیہ کا بوسہ لیا اور نماز کے لیے نکل گئے اور آپ ﷺ نے وضوء نہیں کیا۔''(٤)

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے تھے اور میں آپ کے سامنے جنازے کی طرح لیٹی ہوتی تھی حتی کہ جب آپ ﷺ وتر پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو مجھے پاؤں لگا دیتے۔(٥)

(3) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک رات میں نے رسول اللہ ﷺ کو بستر سے غائب پایا تو آپ ﷺ کو تلاش کرنا شروع کر دیا (حتی کہ) میں نے اپنا ہاتھ آپ ﷺ کے قدموں کی اندرونی جانب رکھا اس وقت آپ ﷺ مسجد میں تھے اور آپ کے قدم کھڑے تھے (یعنی آپ ﷺ حالت سجدہ میں تھے) اور یہ کہہ رہے تھے ﴿اللهم إني أعوذ برضاك من سخطك ...... الخ﴾(٦)

جن لوگوں نے مجرد عورت کو چھونا ہی ناقض وضوء شمار کیا ہے ان کی دلیل یہ آیت ہے ﴿أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ﴾ [النساء: ٤٣] لیکن یہ آیت ان کے موقف کی دلیل نہیں بنتی کیونکہ آیت میں ''مس'' (چھونے) سے مراد جماع وہم بستری ہے۔(٧)

---

(۱) [القاموس المحيط (ص/١٨٤)]

(۲) [حسن : إرواء الغليل (تحت الحديث ١١٧) أحمد (٢٢٣/٢) دار قطني (١٤٧/١) ابن الجارود (١٩) شرح معاني الآثار (٧٥/١) بيهقي (١٣٢/١) الإعتبار للحازمي (ص/٤٤)]

(۳) [العلل الكبير (ص/٤٩)]

(٤) [صحيح : صحيح ابن ماجة (٤٠٦) ترمذي (٧٦) كتاب الطهارة : باب ما جآء في ترك الوضوء من القبلة ' ابن ماجة (٥٠٢) أبو داود (١٨٧) نسائي (١٧٠) أحمد (٢١٠/٦) دار قطني (١٣٩/١) بيهقي (١٢٦/١)]

(٥) [صحيح : صحيح نسائي (١٦٠) كتاب الطهارة : باب ترك الوضوء من مس الرجل امرأته من غير شهوة ' صحيح أبو داود (٧٠٧) نسائي (١٠١٣١)] حافظ ابن حجرؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔[تلخيص الحبير (٢٢٩/١)]

(٦) [مسلم (٤٧٦) كتاب الصلاة : باب ما يقال في الركوع والسجود ' ترمذي (٣٤٩٣) بيهقي (١٢٧/١)]

(٧) [تفسير فتح القدير (٦٠٢/١) تيسير العلي القدير (٣٩٣/١) نيل الأوطار (٢٩٧/١) تلخيص الحبير (٢٢٩/١)]

65- محض شک کی بنا پر دوبارہ وضوء کرنا ضروری نہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی اپنے پیٹ میں ہوا کی حرکت محسوس کرے اور فیصلہ کرنا مشکل ہو جائے کہ آیا پیٹ سے کوئی چیز خارج ہوئی ہے یا نہیں؟ تو ایسی صورت میں (وضوء کے لیے) ﴿فلا يخرجن من المسجد حتى يسمع صوتا أو يجد ريحا﴾ ''وہ مسجد سے ہرگز باہر نہ نکلے حتی کہ آواز سن لے یا بدبو محسوس کرے۔'' (١)

امام نوویؒ رقمطراز ہیں کہ اس حدیث سے دین کے قواعد میں سے ایک عظیم قاعدہ حاصل ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر چیز اپنی اصل پر باقی رہتی ہے تاوقتیکہ اس کے خلاف یقین ووثوق نہ ہو جائے اور شک وتردد کوئی قابل اعتبار چیز نہیں ہے۔(٢)

66- آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضوء نہیں ٹوٹتا

(1) حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو بکری کے کندھے کا گوشت کاٹ کر کھاتے ہوئے دیکھا ''پھر نماز کے لیے بلایا گیا تو آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور چھری کو پھینک دیا ﴿وصلى ولم يتوضأ﴾ ''آپ ﷺ نے نماز پڑھی لیکن وضوء نہیں کیا۔'' (٣)

(2) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ﴿كان آخر الأمرين من رسول الله ترك الوضوء مما مست النار﴾ ''آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضوء ترک کر دینا ہی رسول اللہ ﷺ کے دونوں معاملات میں سے آخری تھا۔'' (٤)

ان احادیث سے وہ تمام احادیث منسوخ ہو چکی ہیں جن میں آگ سے پکی چیز کھا کر وضوء کا حکم ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے ﴿توضؤوا مما مست النار﴾ ''آگ پر پکی ہوئی چیز کھا کر وضوء کرو۔'' (٥)

67- قہقہہ سے وضوء نہیں ٹوٹتا

کیونکہ اس کی کوئی واضح صحیح دلیل موجود نہیں۔ اور جس روایت سے استدلال کرتے ہوئے قہقہہ کو ناقض وضوء شمار کیا

---

(١) [مسلم (٣٦٢) كتاب الحيض: باب الدليل على أن من تيقن الطهارة ثم شك في الحدث' أبو داود (١٧٧) ترمذي (٧٥) أحمد (٤١٤/٢) ابن خزيمة (٢٤' ٢٨)]

(٢) [شرح مسلم للنووي (٢٨٥/٢)]

(٣) [بخاري (٢٠٨) كتاب الوضوء: باب من لم يتوضأ من لحم الشاة والسويق' مسلم (٣٥٥) ابن ماجة (٤٩٠) ابن الجارود (٢٣) شرح معاني الآثار (٦٦/١) بيهقي (١٥٣/١) ابن حبان (١١٤١) أحمد (١٣٩/٤)]

(٤) [صحيح: صحيح أبو داود (١٧٧) كتاب الطهارة: باب في ترك الوضوء مما مست النار' أبو داود (١٩٢) نسائي (١٠٨/١) ابن الجارود (٢٤) شرح معاني الآثار (٦٧/١) بيهقي (١٥٥/١)] امام نوویؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔[شرح مسلم (٢٧٩/٢)]

(٥) [مسلم (٣٥٢) كتاب الحيض: باب الوضوء مما مست النار' أحمد (٢٦٥/٢) أبو داود (١٩٤) ترمذي (٧٩) نسائي (١٠٦/١) ابن ماجة (٤٨٥)]

جاتا ہے وہ ضعیف ہے جیسا کہ حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک آدمی جس کی آنکھوں میں کچھ تکلیف تھی مسجد میں داخل ہوتے وقت گڑھے میں گر گیا (یہ دیکھ کر) حالت نماز میں بہت زیادہ لوگ ہنسنے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم ارشاد فرمایا ﴿من ضحك أن يعيدوا الوضوء والصلاة﴾ ''جو ہنسے ہیں وہ وضوء اور نماز دہرائیں۔''(۱) علاوہ ازیں اس معنی کی دیگر تمام روایات بھی ضعیف و ناقابل احتجاج ہیں۔(۲)

68- گناہ کے ارتکاب سے وضوء کا ٹوٹنا

کسی بھی معصیت کے ارتکاب کی وجہ سے وضوء نہیں ٹوٹتا (خواہ کبیرہ ہو یا صغیرہ) جیسا کہ امام شوکانی رحمہ اللہ نے اسی کو ترجیح دی ہے اور امام ابن منذر رحمہ اللہ سے بھی یہی قول مروی ہے۔(۳)

69- شلوار ٹخنوں سے نیچے لٹکانے سے وضوء نہیں ٹوٹتا

(1) کسی بھی محدث و فقیہ نے کتب حدیث و فقہ کے تراجم و ابواب میں اسے نواقض وضوء میں شمار نہیں کیا۔

(2) اس ضمن میں پیش کی جانے والی روایت ضعیف ہے جس میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو اس حال میں نماز پڑھتے دیکھا کہ اس کا کپڑا ٹخنوں سے نیچے تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم ارشاد فرمایا ﴿اذهب فتوضأ﴾ ''جاؤ اور وضوء کرو۔''(٤)

معلوم ہوا کہ شلوار لٹکانا ناقض وضوء تو نہیں تاہم شریعت میں اس گناہ کی جو سزا مقرر ہے وہ بہر حال اسے لازماً مل کر رہے گی۔

70- جن افعال کے لیے وضوء کرنا مستحب ہے

① ذکر اللہ کے لیے:

جیسا کہ حضرت مہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إني كرهت أن أذكر الله إلا على طهر﴾ ''مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ میں اللہ کا ذکر کروں مگر صرف پاکی کی حالت میں۔''(٥)

---

(۱) [مجمع الزوائد (۲٤٦/۱)] اس کی سند منقطع ہے جیسا کہ شیخ محمد صبحی حسن حلاق نے بیان کیا ہے کہ ابو العالیہ کا حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہے لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے۔[التعليق على السيل الجرار (۲٦٤/۱)] مزید برآں اس کی سند میں محمد بن عبد الملک بن مروان بن حکم ابو جعفر واسطی دقیقی راوی مختلف فیہ ہے۔[ميزان الاعتدال (۲۳۲/۳)]

(۲) [السيل الجرار (۱۰۰/۱ ـ ۱۰۱)]

(۳) [السيل الجرار (۹۹/۱) الأوسط لابن المنذر (۲۳۰/۱)]

(٤) [ضعيف : المشكاة (۲۳۸/۱) ضعيف أبو داود (۱۲٤) كتاب الصلاة : باب الإسبال في الصلاة] اس کی سند میں ابو جعفر راوی مجہول ہے جیسا کہ امام منذری رحمہ اللہ اور امام شوکانی رحمہ اللہ نے اسے غیر معروف قرار دیا ہے۔[مختصر سنن ابی داود (۳۲٤/۱) نيل الأوطار (۱۱۸/۳)]

(٥) [صحيح : صحيح أبو داود (۱۳) كتاب الطهارة : باب أيرد السلام وهو يبول ' أبو داود (۱۷) ابن ماجة (۳۵۰) نسائي (۳۷/۱) أحمد (۳٥٤/٤) ابن خزيمة (۲۰٦) ابن حبان (۱۸۹) شرح معاني الآثار (۸٥/۱) طبراني كبير (۷۸۱)]

② ہر حدث کے وقت:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح کے وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا اے بلال! کس عمل کی وجہ سے تو مجھ سے جنت میں سبقت لے گیا ہے؟ بلاشبہ گذشتہ شب میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے اپنے سامنے تمہارے چلنے کی آواز سنی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں نے ہمیشہ آذان دینے کے بعد دو رکعتیں ادا کی ہیں ﴿ولا أصابني حدث قط إلا توضأت عنده﴾ ''اور جب بھی بے وضوء ہوا اسی وقت وضوء کر لیا۔'' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اسی کے بدلے'' (مجھے تمہاری آواز سنائی گئی ہے)۔(۱)

③ غسل جنابت سے پہلے:

جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل جنابت کا ارادہ فرماتے تو پہلے اپنے ہاتھ دھوتے ﴿ثم توضأ كما يتوضأ للصلاة﴾ ''پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح وضوء کرتے جیسے نماز کے لیے وضوء کرتے تھے......الخ۔''(۲)

④ سونے سے پہلے:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا ﴿إذا أتيت مضجعك فتوضأ وضوئك للصلاة......﴾ ''جب تم اپنے بستر پر لیٹنے کا ارادہ کرو تو نماز کے وضوء کی طرح وضوء کر لیا کرو۔''(۳)

⑤ حالت جنابت میں کھانے یا سونے سے پہلے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم حالت جنابت میں کچھ کھانا چاہتے یا سونے کا ارادہ فرماتے تو وضوء کر لیتے۔''(٤)

⑥ ایک ہی رات دوسری مرتبہ مباشرت سے پہلے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی اپنی اہلیہ سے مباشرت وہم بستری کرے' پھر دوبارہ لوٹنے (جماع کرنے) کا ارادہ کرے تو اسے وضوء کر لینا چاہیے۔''(٥)

⑦ میت کو اٹھانے کی وجہ سے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من غسل ميتا فليغتسل ومن حمله فليتوضأ﴾ ''جو شخص میت کو غسل دے وہ غسل

---

(۱) [صحیح : صحيح الترغيب (۲۰۱) كتاب الطهارة : باب الترغيب في المحافظة على الوضوء وتجديده' أحمد (۳٦۰/٥)]

(۲) [بخاری (۲٤۸) كتاب الغسل : باب الوضوء قبل الغسل]

(۳) [بخاری (۲٤۷) كتاب الوضوء : باب فضل من بات على الوضوء]

(٤) [صحیح : أبو داود (۲۲٤) كتاب الطهارة : باب من قال يتوضأ الجنب' مسلم (۳۰٥) نسائی (۱۳۸/۱) ابن ماجة (٥۹۱) صحيح أبو داود (۲۰۸)]

(٥) [مسلم (۳۰۸) كتاب الحيض: باب جواز نوم الجنب واستحباب الوضوء له......' أحمد (۲۸/۳) أبو داود (۲۲۰) ترمذی (۱٤۱) ابن ماجة (٥۸۷) حاکم (۱٥۲/۱) بیهقی (۲۰۳/۱)]

کرے اور جو اسے اٹھائے وہ وضوء کرے۔"(۱)

اس حدیث کی مزید وضاحت " باب الغسل " کے بیان میں آئے گی۔

⑧ قے کے بعد:

جیسا کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن النبی ﷺ قاء فتوضا﴾ "نبی ﷺ نے قے کی تو وضوء کرلیا۔"(۲)

71- تلاوت قرآن بغیر وضوء بھی درست ہے

(1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ سو رہے تھے حتی کہ جب بیدار ہوئے تو اپنی آنکھوں کو ہاتھ سے صاف کیا ﴿وقرأ العشر الآیات الخواتم من سورة آل عمران ثم قام إلی شن معلقة فتوضأ منها فأحسن الوضوء ثم قام یصلی﴾ "اور سورت آل عمران کی آخری دس آیات کی تلاوت فرمائی' پھر لٹکے ہوئے مشکیزے کی طرف بڑھے اور وضوء کیا' پھر نماز شروع کردی۔"(۳)

اس حدیث پر امام بخاریؒ نے یہ باب قائم کیا ہے ((قراءة القرآن بعد الحدث وغیره)) "بے وضوء ہونے کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کرنا۔"

معلوم ہوا کہ بے وضوء ہونے کے باوجود انسان قرآن کی تلاوت کرسکتا ہے۔ علاوہ ازیں مندرجہ ذیل حدیث سے بھی اس کا اشارہ ملتا ہے۔

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿کان رسول الله یذکر الله علی کل أحیانه﴾ "رسول اللہ ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھے۔"(٤)

72- کیا قرآن پکڑنے کے لیے وضوء ضروری ہے؟

حدیث نبوی ہے کہ ﴿لا یمس القرآن إلا طاهر﴾ "قرآن کو صرف طاہر ہی ہاتھ لگائے۔"(٥)

---

(۱) [صحیح : إرواء الغلیل (١٤٤) ترمذی (٩٩٣) کتاب الجنائز : باب ما جاء فی الغسل من غسل المیت' ابن ماجة (١٤٦٣) عبدالرزاق (٦١١١)]

(۲) [صحیح : صحیح ترمذی (٧٦) کتاب الطهارة : باب الوضوء من القیء والرعاف]

(۳) [بخاری (١٨٣) کتاب الوضوء' مسلم (١٢٧٤)]

(٤) [مسلم (٣٧٣) کتاب الحیض : باب ذکر الله تعالی فی حال الجنابة وغیرها' بخاری تعلیقا (٣٠٥/١) أبو داود (١٨) ترمذی (٣٣٨٤) ابن ماجة (٣٠٢) بیهقی (٩٠/١) أحمد (٧٠/٦) ابن خزیمة (٢٠٧) شرح السنة (٣٦١/١) أبو یعلی (٤٦٩٩)]

(٥) [صحیح : إرواء الغلیل (١٢٢) موطا (٤١٩) کتاب النداء للصلاة : باب الأمر بالوضوء لمن مس المصحف' نسائی (٥٧/٨) دارمی (١٦١/٢) ابن حبان (٧٩٣۔ الموارد) دار قطنی (١٢٢/١) بیهقی (٨٧/١) معرفة السنن والآثار (٢١١/٦)]

اس حدیث میں موجود لفظ طاہر کے معنی ومفہوم میں اختلاف کی وجہ سے اس مسئلہ میں بھی اختلاف کیا گیا ہے۔

① بعض کے نزدیک ہر مسلمان شخص ''خواہ وہ کسی بھی حالت میں ہو'' قرآن پکڑ سکتا ہے۔ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) عموم مشترک جائز نہیں: یعنی مذکورہ حدیث میں موجود لفظ طاہر سے مراد کیا صرف باوضوء ہے؟ اس کی کوئی واضح دلیل موجود نہیں کیونکہ لفظ طاہر عام ومشترک ہے اور یہ لفظ مومن' حدث اکبر سے طاہر' حدث اصغر سے طاہر اور جس کے بدن پر پلید گی نہ ہو سب پر بولا جاتا ہے......لہذا زیادہ راجح بات یہی ہے کہ جب تک اس کی تعیین نہیں ہو جاتی اس پر عمل نہ کیا جائے۔جیسا کہ امام شوکانیؒ نے نقل کیا ہے۔(۱)

(2) لفظ طاہر کی تعیین مندرجہ ذیل حدیث سے ہوتی ہے۔

مدینہ کے کسی راستے پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی۔اس وقت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حالت جنابت میں تھے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں پیچھے رہ کر لوٹ گیا اور غسل کر کے واپس آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا اے ابو ہریرہ! کہاں چلے گئے تھے۔انہوں نے جواب دیا کہ میں حالت جنابت میں تھا اس لیے میں نے آپ کے ساتھ بغیر غسل کے بیٹھنا برا سمجھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿سبحان الله إن المومن لا ينجس﴾ ''سبحان اللہ! بلاشبہ مومن نجس نہیں ہوتا۔''(۲)

معلوم ہوا کہ مومن ہر حال میں طاہر ہی رہتا ہے جبکہ اس کے برخلاف مشرک نجس ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ﴾ [التوبہ:۲۸] اس وضاحت سے ثابت ہوا کہ حدیث میں موجود لفظ طاہر سے مراد مومن ہے یعنی مومن ہر حال میں قرآن پکڑ سکتا ہے خواہ جنبی ہو یا بے وضوء جبکہ مشرک اسے کسی حال میں بھی نہیں چھو سکتا۔

(3) دشمن کے علاقے میں قرآن لے جانے سے بھی اسی لیے منع کیا گیا ہے تاکہ یہ کہیں دشمن (مشرکین) کے ہاتھ نہ لگ جائے جیسا کہ حدیث نبوی ہے کہ ﴿لا تسافروا بالقرآن فإني أخاف أن يناله العدو﴾ ''سفر میں قرآن لے کر مت جاؤ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اسے دشمن نہ پکڑ لے۔''(۳)

اس سے معلوم ہوا کہ اصل مقصود یہ ہے کہ کوئی مشرک قرآن کو نہ چھوئے۔

(البانیؒ) صرف مشرک قرآن کو نہیں چھو سکتا اس کے علاوہ مومن ہر حال میں قرآن پکڑ سکتا ہے جیسا کہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ لفظ طاہر کے معنی کی تعیین کے لیے کافی ہے۔(٤)

② بعض لوگوں کا خیال ہے کہ لفظ طاہر کے اشتراک میں جو بھی اشیاء شامل ہیں ان سب میں طہارت کا ہونا ضروری ہے یعنی

---

(۱) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: نیل الأوطار (۳۱٥/۱)]

(۲) [بخاری (۲۸۳) کتاب الغسل : باب عرق الجنب وأن المسلم لا ينجس' مسلم (۳۷۱) أبو داود (۲۳۱) ترمذی (۱۲۱) ابن ماجة (٥۳٤) أحمد (۲۳٥/۲) أبو عوانة (۲۷٥/۱) شرح معاني الآثار (۷/۱)]

(۳) [صحیح : مسند أحمد بتخريج أحمد شاكر (٤٥٠۷)]

(٤) [تمام المنة (ص/۱۱٦)]

قرآن پکڑنے کے لیے مومن ہونا' حدث اکبر سے پاک ہونا اور باوضوء ہونا وغیرہ سب لازم ہے۔ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حسب امکان عموم مشترک پر عمل ضروری ہے: یعنی اگر مشترک کے تمام معانی پر عمل کرنا ممکن ہو تو سب پر عمل کیا جائے گا جیسا کہ جمہور شافعیہ وغیرہ کا یہی مذہب ہے۔(۱)

(2) اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ جسے حدث اکبر لاحق ہو اس کے لیے قرآن پکڑنا جائز نہیں صرف امام داودؒ نے اس کی مخالفت کی ہے جیسا کہ امام شوکانیؒ نے نقل کیا ہے۔(۲)

(3) حدیث میں لفظ طاہر مطلقاً استعمال ہوا ہے اور جب یہ لفظ مطلق طور پر استعمال ہو تو عموماً باوضوء پر ہی بولا جاتا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث اس پر شاہد ہیں:

① حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ﴿ما عملت عملا أرجى عندي غير أني لم أتطهر طهورا في ساعة من ليل ولا نهار إلا صليت بذلك الطهور ما كتب لي أن أصلي﴾ ''میں نے ایسا کوئی عمل نہیں کیا جو مجھے اس سے زیادہ پر امید ہو کہ میں نے شب و روز میں جب بھی وضوء کیا تو اس وضوء کے ساتھ جس قدر میرے مقدر میں لکھی ہوئی تھی اتنی نماز پڑھی۔''(۳)

② نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوران قضائے حاجت سلام کا جواب نہ دیا پھر وضوء کرنے کے بعد جواب دیا اور فرمایا ﴿إني كرهت أن أذكر الله إلا على طهر﴾ ''بے شک میں نے یہ ناپسند کیا کہ پاکیزگی کی حالت کے علاوہ اللہ کا ذکر کروں۔''(٤)

③ ﴿أن رسول الله كان أمر بالوضوء لكل صلاة طاهرا كان أو غير طاهر﴾ ''بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر نماز کے لیے وضوء کا حکم دیا گیا تھا خواہ آپ (پہلے سے ہی) باوضوء ہوں یا بے وضوء ہوں۔''(٥)

④ ﴿ما من مسلم يبيت على ذكر طاهرا فيتعار من الليل فيسئال الله خيرا من الدنيا والآخرة إلا أعطاه الله إياه﴾ ''جو کوئی مسلمان ذکر کر کے' باوضوء ہو کر سوتا ہے پھر رات کو اٹھ کر اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت کی خیر مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ عطا فرما دیتے ہیں۔''(٦)

(4) متعدد محدثین نے کتب حدیث میں لفظ طاہر سے باوضوء ہی مراد لیا ہے۔

① امام بخاریؒ اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''صحیح بخاری'' میں باب نقل فرماتے ہیں کہ ''باب: إذا بات طاهرا '' اس کے تحت حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے کہا ﴿إذا أتيت مضجعك فتوضأ وضوئك للصلاة ...... الخ﴾(۷)

---

(۱) [أصول الفقه الإسلامي للدكتور وهبه الزحيلي (۲۸۷/۱) كشف الأسرار (۳۹/۱)]

(۲) [نيل الأوطار (۳۱٥/۱)]

(۳) [بخاري (۱۱٤۹) كتاب التهجد : باب فضل الطهور بالليل والنهار......]

(٤) **صحيح** : [صحيح أبو داود (۱۳) كتاب الطهارة : باب أيرد السلام وهو يبول ' أبو داود (۱۷)]

(٥) **حسن** : [صحيح أبو داود (۳۸) كتاب الطهارة : باب السواك ' أبو داود (٤۸)]

(٦) **صحيح** : [صحيح أبو داود (٤۲۱٦) كتاب النوم : باب في النوم على طهارة ' أبو داود (٥۰٤۲)]

(۷) [بخاري (٦۳۱۱) كتاب الدعوات]

② امام ترمذیؒ نے یہ باب قائم کیا ہے "باب ما جاء في فضل الطهور" اور اس کے تحت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث نقل کی ہے ﴿إذا توضأ العبد المسلم ـ أو المومن ـ فغسل وجهه......الخ﴾ (۱)

③ امام مالکؒ نے ان الفاظ میں باب قائم کیا ہے "باب: الأمر بالوضوء لمن مس القرآن" اور اس کے تحت یہ حدیث ذکر کی ہے ﴿لا يمس القرآن إلا طاهر﴾ (۲)

(5) بعض آثار صحابہ بھی اس کے مؤید ہیں۔

① حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے مصعب کو وضوء کر کے قرآن پکڑنے کا حکم دیا۔ (۳)

② حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے قضائے حاجت کے بعد بے وضگی کی حالت میں قرآن پکڑنے سے اجتناب کیا۔ (٤)

(6) ائمہ اربعہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ (٥)

(7) جب یہ بات مسلم ہے کہ لفظ طاہر میں باوضوء بھی شامل ہے تو بالآخر کس دلیل کی بنا پر اسے لفظ طاہر سے خارج کیا جاتا ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی جس حدیث سے لفظ طاہر کو صرف مومن کے لیے خاص کیا جاتا ہے اس میں یکسر ایسی کوئی بات موجود نہیں کہ لفظ طاہر سے مراد صرف مومن ہی ہے۔

(راجح) زیادہ مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پکڑنے کے لیے وضوء کیا جائے اور یہ بات یاد رہے کہ جب قرآن پکڑنے کے لیے وضوء ضروری ہے تو حالت جنابت یا حالت حیض سے پاک ہونا بالاولی ضروری ہے۔

(ابن تیمیہؒ) کسی نے سوال کیا کہ قرآن کو بغیر وضوء کیے پکڑنا جائز ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے جواب میں ائمہ اربعہ کا مذہب نقل کیا کہ قرآن کو صرف طاہر ہی پکڑ سکتا ہے اور مزید ذکر کیا کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کا بھی یہی موقف ہے نیز صحابہ میں ان کا کوئی مخالف بھی معروف نہیں۔ (٦)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) طاہر سے مراد باوضوء ہے۔ (٧)

(ملا علی قاریؒ) قرآن کو طاہر کے سوا جنبی یا بے وضوء نہ پکڑے۔ (٨)

---

(۱) [**صحیح** : صحیح ترمذی (۲) کتاب الطهارة]

(۲) [مؤطا : کتاب القرآن]

(۳) [**صحیح** : إرواء الغليل (۱٦۱/۱) مؤطا (٤٢/۱)]

(٤) [ذكره السيوطي في الدر المنثور (١٦٢/٦) وعزاه لسعيد بن منصور و ابن أبي شيبه في المصنف وابن المنذر والحاكم وصححه]

(٥) [المغني لابن قدامة (۲۰۲/۱ ، ۲۰۳)]

(٦) [الفتاوى الكبرى (۲۸۰/۱)]

(٧) [تحفة الأحوذي (٤٧٨٣۱)]

(٨) [أيضا]

باب الغسل ❶ غسل کا بیان

پہلی فصل

غسل کو واجب کر دینے والی اشیاء

يَجِبُ بِخُرُوجِ الْمَنِيِّ بِشَهْوَةٍ وَلَوْ بِتَفَكُّرٍ بِالْتِقَاءِ الْخِتَانَيْنِ	غسل شہوانی خیالات یا ختنے ملنے کی وجہ سے منی کے خارج ہونے سے واجب ہو جاتا ہے۔ ❷

❶ **لغوی وضاحت:** لفظ غسل اگر غین کے ضمہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد غسل (نہانا) ہے اور اگر غین کے فتحہ کے ساتھ ہو تو مصدر ہے باب غَسَلَ يَغْسِلُ (ضرب) سے جس کا معنی "دھونا" ہے اور اغتسل (افتعال) کا معنی "غسل کرنا" ہے۔(۱)

شرعی تعریف: نیت کے ساتھ مکمل بدن پر پاک پانی بہانا غسل کہلاتا ہے۔(۲)

❷ (1) ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا﴾ [المائدۃ: ٦] "اگر تم حالت جنابت میں ہو تو غسل کر لو۔" (واضح رہے کہ جنابت ایسی حالت کو کہتے ہیں جو احتلام یا بیوی سے ہم بستری کی وجہ سے انسان کو لاحق ہوتی ہے۔)

(2) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿وفي المني الغسل﴾ "اور منی (خارج ہونے کی صورت) میں غسل (واجب) ہے۔"(۳)

منی خارج ہونے کی صورت میں وجوب غسل میں کوئی اختلاف معروف نہیں ہے البتہ اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ اگر منی خارج نہ ہو بلکہ صرف شرمگاہوں کے ملتے ہی غسل واجب ہو جائے گا یا کہ وجوب غسل کے لیے منی کا خارج ہونا ضروری ہے۔(٤)

(خلفاء اربعہ، جمہور صحابہ و تابعین وفقہاء) انزال (منی کا خروج) ہونا ضروری نہیں بلکہ مجرد شرمگاہوں کے ملنے سے ہی غسل واجب ہو جاتا ہے جیسا کہ دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا جلس أحدكم بين شعبها الأربع ثم جهدها فقد وجب عليه الغسل﴾ "جب تم میں سے کوئی عورت کی چار شاخوں (دو بازو اور دو ٹانگوں) کے درمیان بیٹھے پھر

---

(١) [القاموس المحيط (ص/٩٣٥)]

(٢) [كشاف القناع (١٥١/١) مغني المحتاج (٦٨/١)]

(٣) [أحمد (١٢٩/١) بخاري (١٧٨) كتاب الوضوء : باب من لم يرالوضوء إلا من المخرجين من القبل والدبر، مسلم (٣٠٣) أبو داود (٢٠٦) نسائي (١١١/١) ابن ماجة (٥٠٤) مؤطا (٤٠/١) بيهقي (١١٥٫٣١) ابن خزيمة (١٨ـ ١٩) أبو يعلى (٣١٤)]

(٤) [الروضة الندية (١٥٦/١)]

اس سے (مباشرت کے لیے) کوشش کرے تو اس پر غسل واجب ہو جائے گا۔'' اور صحیح مسلم کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے ﴿وإن لم ينزل﴾ ''خواہ انزال نہ ہوا ہو (تب بھی غسل واجب ہو جائے گا)۔'' (۱)

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ سے ایسے شخص کے متعلق دریافت کیا کہ جو اپنی بیوی سے ہم بستری کرتا ہے پھر اس کا عضو تناسل (انزال سے پہلے ہی) سست پڑ جاتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہیں بیٹھی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إني لأفعل ذلك أنا وهذه ثم نغتسل﴾ ''بے شک میں اور یہ اسی طرح کرتے ہیں پھر ہم غسل کر لیتے ہیں۔'' (۲)

(نوویؒ) غسل کے وجوب پر اجماع ہے جبکہ حشفہ (مرد کے عضو تناسل کا وہ حصہ جہاں سے ختنہ کے وقت کاٹا جاتا ہے) شرمگاہ میں غائب ہو جائے۔ (۳)

جمہور علماء کا موقف یہ ہے کہ جس حدیث میں ہے کہ ﴿الماء من الماء﴾ ''پانی پانی سے ہے'' یعنی غسل کا وجوب انزال منی سے ہی ہے' وہ منسوخ ہو چکی ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث اس کا ثبوت ہے:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''بلا شبہ وہ فتوی جسے لوگ بیان کرتے تھے ﴿الماء من الماء﴾ ایسی رخصت تھی جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائے اسلام میں عنایت فرمایا تھا ﴿ثم أمرنا بالاغتسال بعدها﴾ ''پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں (مجرد دخول سے ہی) غسل کرنے کا حکم دے دیا۔'' (٤)

(صدیق حسن خانؒ) غسل جنابت دونوں میں سے ایک کام کے ساتھ واجب ہو جاتا ہے۔

(1) حشفہ کے شرمگاہ میں داخل کر دینے سے۔ (2) مرد یا عورت سے مائے دافق (منی) کے خارج ہونے سے۔ (٥)

مذکورہ مسئلے کی مخالفت کرنے والوں میں حضرت ابو سعید خدری' حضرت زید بن خالد' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت معاذ' حضرت رافع بن خدیج' حضرت علی رضی اللہ عنہم ' حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اور ظاہریہ شامل ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ غسل صرف انزال کی صورت میں ہی واجب ہوتا ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿الماء من الماء﴾ ''پانی کا استعمال خروج پانی سے ہے۔'' (٦)

---

(۱) [بخاری (۲۹۱) كتاب الغسل : باب إذا التقى الختانان ' مسلم (۳٤۸) أبو داود (۲۱٦) ابن ماجة (٦۰۸) دارمی (۱/۱۹٤) دار قطنی (۱/۱۱۳) بیهقی (۱/۱٦٤) أحمد (۲/۲٤۷) ابن حبان (۱۱۷۸)]

(۲) [مسلم (۳٥۰) كتاب الحيض : أيضا ' أحمد (٦/٦۸)]

(۳) [شرح مسلم (۲/۲۷٦)]

(٤) [صحيح : صحيح ابن ماجة (٤۹۳) أبو داود (۲۱٥) كتاب الطهارة : باب في الإكسال ' ابن أبي شيبة (۱/۸۹) أحمد (٥/۱۱٥) دارمی (۱/۱۹٤) ترمذی (۱۱۰) ابن ماجة (٦۰۹) شرح معانی الآثار (۱/٥۷) دار قطنی (۱/۱۲٦) بیهقی (۱/۱٦٥) ابن خزيمة (۲۲٥) ابن حبان (۲۲۸ ـ الموارد)] مذکورہ مسئلے کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فتح الباری (۱/۳۹۷) تلخيص الحبير (۱/۱۳٥) نصب الراية (۱/۸۲)]

(٥) [الروضة الندية (۱/۱٥۸)]

(٦) [مسلم (۳٤۳) كتاب الحيض : باب إنما الماء من الماء' ترمذی (۱۱۲) نسائی (۱۹۹)]

لیکن یہ حدیث منسوخ ہو چکی ہے جیسا کہ گذشتہ حدیث اُبی بن کعب اس پر شاہد ہے۔

(راجح) جمہور کا موقف راجح ہے۔(۱)

وَبِانْقِطَاعِ الْحَيْضِ وَالنِّفَاسِ	حیض یا نفاس کے ختم ہونے پر۔ ❶

❶ (1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ...... فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ﴾ [البقرة: ۲۲۲] ''وہ لوگ آپ سے حیض کے متعلق سوال کرتے ہیں تو کہہ دیجیے یہ گندگی ہے لہٰذا حالت حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جاؤ ہاں جب وہ پاک ہو جائیں (یعنی غسل کر لیں) تو ان کے پاس اس راستے سے جاؤ جہاں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں اجازت دی ہے۔''

امام شوکانیؒ بیان کرتے ہیں کہ آیت میں ﴿فإذا تطهرن﴾ سے مراد ہے ''جب وہ غسل کر لیں۔''(۲)

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت اُبی حبیش رضی اللہ عنہا سے کہا ''جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو'' ﴿وإذا أدبرت فاغتسلي وصلي﴾ ''اور جب وہ ختم ہو جائے تو غسل کرو اور نماز پڑھو۔''(۳)

حیض اور نفاس کا خون ختم ہونے کے بعد غسل کے وجوب پر اجماع ہے۔(٤)

وَبِالْإِحْتِلَامِ مَعَ وُجُودِ بَلَلٍ	اور احتلام کی وجہ سے جبکہ تری کا وجود ہو۔ ❶

❶ (1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے شخص کے متعلق دریافت کیا گیا جو تری کو تو دیکھتا ہے لیکن اسے احتلام یاد نہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿يغتسل﴾ ''وہ غسل کرے گا'' پھر ایسے شخص کے متعلق دریافت کیا گیا جسے اتنا تو معلوم ہے کہ اسے احتلام ہوا ہے لیکن وہ تری نہیں پاتا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا غسل عليه﴾ ''اس پر کوئی غسل نہیں۔''(٥)

(2) حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ سے سوال کیا کہ کیا جب عورت کو احتلام ہو

---

(۱) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: نيل الأوطار (۳۳۲/۱) سبل السلام (۱۸۲/۱) الروضة الندية (۱۵٦/۱) شرح مسلم للنووى (۲۷٦/۲)]

(۲) [السيل الجرار (۱٤۷/۱)]

(۳) [بخاری (۳۰٦) كتاب الحيض: باب الاستحاضة، مسلم (۳۳۳) مؤطا (٦۱/۱) أبو داود (۲۸۲) ترمذی (۱۲۵) نسائی (۱۸٦/۱) ابن ماجة (٦۲٤) أحمد (٤۲/٦) ابن أبي شيبة (۱۲۵/۱) عبدالرزاق (۱۱٦۵) أبو عوانة (۳۱۹/۱) دارمی (۱۹۹/۱) دار قطنی (۲۰٦/۱) بیهقی (۳۲۳/۱)]

(٤) [المجموع (۱٤۸/۲) الفقه الإسلامي وأدلته (۵۱۹/۱)]

(٥) [حسن: صحيح أبو داود (۲۱٦) كتاب الطهارة: باب في الرجل يجد البلة في منامه، أبو داود (۲۳٦) ترمذى (۱۱۳) ابن ماجة (٦۱۲) دارمی (۱٦۱/۱) أحمد (۲۵٦/٦) بیهقی (۱٦۸/۱)]

ائے تو اس پر غسل فرض ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿نعم إذا رأت الماء﴾ ''ہاں جب وہ پانی دیکھے۔'' (۱)

3) حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے ایسی عورت کے متعلق سوال کیا جو اپنی نیند میں وہ چیز دیکھتی ہے جو کہ مرد یکھتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿ليس عليها غسل حتى تنزل﴾ ''اس پر کوئی غسل نہیں ہے جب تک کہ اسے انزال نہ وجائے۔'' (۲)

4) اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ محتلم جب تری دیکھے تب اس پر غسل واجب ہوتا ہے۔ (۳)

وَبِالْمَوْتِ وَبِالْإِسْلَامِ	اور موت ❶ یا اسلام لانے سے۔ ❷

❶ اس سے مراد یہ ہے کہ زندوں پر واجب ہے کہ مردے کو غسل دیں اور ایسی تمام احادیث جن میں میت کو غسل دینے کا حکم ہے اس کی دلیل ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿اغسلوه بماء وسدر﴾ ''اسے نی اور بیری کے پتوں کے ساتھ غسل دو۔'' (٤)

امیر صنعانی رحمہ اللہ) یہ حدیث غسل میت کے وجوب کی دلیل ہے۔ (٥)

نووی رحمہ اللہ) غسل میت کے وجوب پر اجماع ہے۔ (٦)

❷ (1) حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نبی ﷺ کے پاس اسلام لانے کے ارادے سے گیا ﴿فأمرني ن أغتسل بماء و سدر﴾ ''تو آپ ﷺ نے مجھے پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ غسل کرنے کا حکم دیا۔'' (۷)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو نبی ﷺ نے فرمایا ﴿اذهبوا به إلى حائط بن فلان فمروه أن يغتسل﴾ ''اسے بنوفلاں کے باغ میں لے جا کر غسل کرنے کا حکم دو۔'' (۸)

---

۱) [بخاری (۲۸۲) كتاب الغسل : باب إذا احتلمت المرأة' مسلم (۳۱۳) مؤطا (۵۱/۱) نسائی (۱۱٤/۱) ابن ماجة (٦٠٠) إحمد (۳۰۲/٦) أبو عوانة (۲۹۱/۱) عبدالرزاق (۱۰٤۹) حمیدی (۲۹۸) ابن خزیمة (۲۳۵) أبو يعلى (٦٨٩٥) ابن حبان (۱۱٥۱۔ الإحسان)]

۲) [حسن : صحیح ابن ماجة (٤٨٦) كتاب الطهارة و سننها : باب ماجاء في المرأة ترى في منامها' ابن ماجة (٦٠٢) نسائی (۱۱٥/۱) أحمد (٤٠٩/٦)]

۳) [الإجماع لابن المنذر (ص/٣٦)]

٤) [بخاری (١٨٤٩) كتاب الحج : باب المحرم يموت بعرفة' مسلم (۲۰۹۲)]

٥) [سبل السلام (۷۲۸/۲)]

٦) [المجموع (۱۲۸/٥)]

۷) [صحيح : صحيح أبو داود (٣٤٢) كتاب الطهارة : باب في الرجل يسلم فيؤمر بالغسل' أبو داود (٣٥٥) ترمذی (٦٠٥) نسائی (۱۰۹/۱) أحمد (٦١/٥) ابن خزیمة (٢٥٤) ابن حبان (٢٣٤۔ الموارد) طبرانی کبیر (۳۳۸/۱۸)]

۸) [صحيح : إرواء الغليل (تحت الحديث/ ۱۲۸) أحمد (٤٨٣/٢) عبدالرزاق (۱۹۲۲٦) ابن خزیمة (۲٥٣) ابن حبان (۱۲۳۸) بیهقی (۱۷۱/۱)]

اس حدیث کی اصل صحیحین میں ہے لیکن اُس میں غسل کے حکم کا ذکر نہیں ہے بلکہ مجرد حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کے از خود غسل کرنے کا ذکر ہے۔(۱)

اس مسئلے میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے۔

(احمدؒ، مالکؒ) ہر مسلمان ہونے والے شخص پر غسل واجب ہے۔امام ابن منذرؒ اور امام ابو ثورؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔

(ابو حنیفہؒ، شافعیؒ) اگر انسان جنبی نہ ہو تو غسل صرف مستحب ہے اور وضوء بھی کفایت کر جائے گا۔(۲)

(راجح) گذشتہ احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح حکم وجوب کو ثابت کرتا ہے۔(۳)

متفرقات

73- حائضہ اور جنبی کے لیے قرآن پڑھنا حرام نہیں بلکہ مکروہ ہے

جیسا کہ دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) امام بخاریؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ﴿أنه لم یر فی القراءۃ للجنب باسا﴾ ''وہ جنبی کے لیے قراءت (قرآن) میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔''(٤)

حافظ ابن حجرؒ رقمطراز ہیں کہ امام ابن بطالؒ وغیرہ نے کہا ہے کہ امام بخاریؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث (یعنی **"غیر أن لا تطوفی بالبیت"**) کے ساتھ حائضہ اور جنبی کے لیے قرآن پڑھنے کے جواز پر استدلال کیا ہے کیونکہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مناسک حج میں سے صرف طواف کو ہی مستثنیٰ کیا ہے جبکہ طواف کے علاوہ مناسک حج میں ذکر، تلبیہ اور دعا وغیرہ سب شامل ہیں۔(٥)

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھے۔(٦)

(3) امام حماد بن أبی سلیمانؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے جنبی کی قراءت کے متعلق سوال کیا؟ تو انہوں نے اس میں کچھ حرج نہ محسوس کرتے ہوئے کہا ﴿ألیس فی جوفه القرآن؟﴾ ''کیا اس کے پیٹ میں قرآن نہیں ہے۔''(٧)

---

(١) [بخاری (٤٦٢) کتاب الصلاۃ : باب الاغتسال إذا أسلم...... مسلم (١٧٦٤) أبو داود (٢٦٧٩) نسائی (١٠٩/١) أحمد (٢٤٦/٢)]

(٢) [المغنی (٢٣٩/١) المجموع (١٥٣/٢) نیل الأوطار (٣٣٨/١) الفقه الإسلامی وأدلته (٥٢١/١)]

(٣) [نیل الأوطار (٣٣٨/١) الروضة الندیة (١٦٢/١)]

(٤) [بخاری تعلیقا (٤٨٥/١) کتاب الحیض : باب تقضی الحائض المناسك کلها إلا الطواف بالبیت]

(٥) [فتح الباری (٤٨٦/١)]

(٦) [مسلم (٣٧٣) أبو داود (١٨)]

(٧) [تمام المنة (ص/١١٨)]

(4) ''براء ۃ اصلیہ'' کا قاعدہ بھی اس کی دلیل ہے۔

حائضہ اور جنبی کے لیے قراءتِ قرآن کی حرمت میں پیش کیے جانے والے دلائل اور ان کا ناقدانہ تجزیہ حسب ذیل ہے:

(1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا تقرأ الحائض و لا الجنب شيئا من القرآن﴾ ''حائضہ اور جنبی قرآن سے کچھ نہ پڑھیں۔''(۱) یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس میں اسماعیل بن عیاش راوی ہے جو کہ اگر حجازیوں سے روایت بیان کرے تو ضعیف ہوتی ہے اور یہ روایت حجازیوں سے ہے۔(۲)

امام ابن ابی حاتمؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا انہوں نے اسماعیل بن عیاش کی حدیث بیان کی پھر کہا یہ خطا ہے یہ تو محض حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا قول ہے۔(۳)

(2) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا تقرأ الحائض و لا النفساء من القرآن شيئا﴾ ''حائضہ ورنفاس والی خواتین قرآن سے کچھ نہ پڑھیں۔''(٤) یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں محمد بن فضل راوی متروک ہے وراسے احادیث گھڑنے کا بھی موردالزام ٹھہرایا گیا ہے۔(٥)

یہی روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی مروی ہے لیکن اس کی سند میں یحییٰ بن ابی انیسہ راوی کذاب ہے اس لیے وہ بھی ضعیف ہے۔(٦)

امام شوکانیؒ ان دونوں احادیث کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ ''یہ دونوں احادیث اس مسئلے میں دلیل نہیں بن سکتیں اور بغیر دلیل کے اسے (حائضہ اور جنبی کی قراءت قرآن کو) حرام نہیں کہا جا سکتا۔(٧)

(3) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أنه لم يكن يحجزه عن القرآن شيئ سوى الجنابة﴾ ''بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن (پڑھنے) سے سوائے جنابت کے کوئی چیز نہیں روکتی تھی۔''(٨)

---

(١) [منكر : ضعيف ترمذى (١٨) كتاب الطهارة : باب ما جآء فى الجنب والحائض أنهما لا يقرآن القرآن ' ترمذى (١٣١) شرح السنة (٤٢/٢) ابن ماجة (٥٩٥) بيهقى (٨٩/١) دار قطنى (١١٧/١)]

(٢) [ميزان الاعتدال (٢٤٠/١)]

(٣) [العلل لابن أبى حاتم (٤٩/١)]

(٤) [ضعيف : دار قطنى (٨٧/٢) أبو نعيم فى الحلية (٢٢/٤)]

(٥) [تلخيص الحبير (٢٤٠/١)]

(٦) [دارقطنى (١٢١/١)]

(٧) [نيل الأوطار (٣٤١/١)]

(٨) [ضعيف : إرواء الغليل (٢٤٢/٢) تمام المنة (ص/١١٦) أحمد (٨٣/١) أبو داود (٢٢٩) ترمذى (١٤٦) نسائى (٢٦٦) ابن ماجة (٥٩٤) ابن خزيمة (٢٠٨) صحيح ابن حبان (٨٥/٢) حاكم (١٠٧/٤) دارقطنى (١١٩/١) بيهقى (٨٨/١) أبو يعلى (٢٤٧/١) شرح السنة (٤١/٢) حميدى (٣١/١) ابن أبى شيبة (١٠٤/١)]

(4) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ﴿کان رسول الله ﷺ یقرئنا القرآن مالم یکن جنبا﴾ ”رسول اللہ ﷺ ہمیں حالت جنابت کے علاوہ ہر حال میں قرآن پڑھا دیا کرتے تھے۔“(۱)

امام نوویؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔(۲)

بالفرض اگر اس حدیث کو صحیح یا حسن تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ اس میں صرف آپ ﷺ کے فعل کا بیان ہے اور مجرد فعل سے حرمت ثابت نہیں ہوتی جیسا کہ اصول میں یہ بات ثابت ہے۔(۳)

(5) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ نے وضوء کیا پھر قرآن کا کچھ حصہ تلاوت کرنے کے بعد فرمایا ﴿هکذا لمن لیس بجنب فأما الجنب فلا ولا آية﴾ ”اس طرح کرنا ایسے شخص کے لیے (جائز) ہے جو جنبی نہیں ہے اور جو جنبی ہے وہ ایسا نہیں کر سکتا بلکہ ایک آیت بھی تلاوت نہیں کر سکتا۔“(٤)

(البانیؒ) (ضعیف ہونے کی وجہ سے) اس حدیث سے قراءت قرآن کی حرمت پر استدلال ساقط ہو گیا لہذا اصل کی طرف رجوع کرنا واجب ہے اور وہ اباحت ہے۔(۵)

(داودؒ، ابن حزمؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٦)

(شافعیؒ) جنبی پر مطلق طور پر قراءت قرآن حرام ہے۔

(ابوحنیفہؒ) صرف ایک آیت سے کم تلاوت جائز ہے کیونکہ یہ قرآن نہیں ہے۔(۷)

(ابن تیمیہؒ) نفاس والی عورت کو اگر قرآن بھول جانے کا خدشہ لاحق ہو تو (علماء کے اقوال میں سے ایک کے مطابق) وہ قراءت کر سکتی ہے اس کے علاوہ نہیں کر سکتی۔(۸)

(شوکانیؒ) حدیث سے زیادہ سے زیادہ جنبی کے لیے قراءت کی کراہت ہی ثابت ہوتی ہے حرمت نہیں۔(۹)

(امیر صنعانیؒ) حق بات یہی ہے کہ یہ حدیث ﴿یقرئنا القرآن مالم یکن جنبا﴾ حرمت کے لیے دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ آپ ﷺ نے صرف حالت جنابت سے کراہت کرتے ہوئے قراءت ترک کر دی ہو۔(۱۰)

---

(۱) [ضعیف : إرواء الغلیل (۲٤۲/۱) ترمذی (۱٤٦) کتاب الطهارة : باب ما جاء فی الرجل یقرأ القرآن علی کل حال مالم یکن جنبا ' نسائی (۱٤٤/۱) ابن حبان (۸۰۰/۳) أحمد (۸۳/۱) ابن ماجة (۵۹٤)]

(۲) [إرواء الغلیل (۲٤۲/۱)]

(۳) [سبل السلام (۱۹۱/۱)]

(٤) [ضعیف : تمام المنة (ص/۱۱۷) أبو یعلی (٤۰۰/۱)]

(۵) [تمام المنة (ص/۱۱۷)]

(٦) [المحلی (۷۷/۱)]

(۷) [المجموع (۱۸۲/۲) بدائع الصنائع (۳۷/۱) المغنی (۱٤۳/۱) حاشیة الدسوقی (۱۷٤/۱)]

(۸) [الفتاوی الکبری (۳٤۰/۱)]

(۹) [السیل الجرار (۱۰۸/۱)]

(۱۰) [سبل السلام (۱۹۱/۱)]

(ابن بازؒ) علماء کے دو اقوال میں سے صحیح ترین قول یہ ہے کہ حیض اور نفاس والی عورت کے لیے قرآن پڑھنا جائز ہے.........رہا جنبی تو وہ جب تک غسل نہ کر لے قرآن کریم نہیں پڑھ سکتا۔(۱)

(خطابیؒ) جنبی اور حائضہ قرآن نہیں پڑھ سکتے۔(۲)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(۳)

(راجح) حائضہ اور جنبی کے لیے قراءت قرآن کی حرمت تو ثابت نہیں ہوتی کیونکہ حرمت کے اثبات میں پیش کیے جانے والی تمام روایات یا تو ضعیف ہیں یا ان میں حرمت کا واضح ثبوت موجود نہیں جیسا کہ بیان کر دیا گیا ہے۔ البتہ یہ امر کراہت سے خالی نہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿إني كرهت أن أذكر الله إلا على طهر﴾ "بیشک مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ پاکیزگی کی حالت کے سوا اللہ کا ذکر کروں۔" (٤)

74- کیا حائضہ اور جنبی قرآن پکڑ سکتے ہیں؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے کہا ﴿ناوليني الخمرة من المسجد﴾ "مجھے مسجد سے مصلی پکڑا دو۔" تو میں نے عرض کیا کہ میں حائضہ ہوں اس پر آپ ﷺ نے فرمایا ﴿إن حيضتك ليست في يدك﴾ "بلا شبہ تیرا حیض تیرے ہاتھ میں نہیں ہے۔" (٥)

معلوم ہوا کہ حالت حیض میں عورت کا ہاتھ پاک ہی ہوتا ہے۔ اگرچہ اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ حائضہ عورت قرآن پکڑ سکتی ہے لیکن راجح بات یہی ہے ایام ماہواری میں عورت اور حالت جنابت میں مرد و عورت دونوں قرآن نہیں پکڑ سکتے مزید تفصیل کے لیے دیکھیے گذشتہ متفرقات' مسئلہ نمبر (72)۔

75- کیا حائضہ اور جنبی مسجد میں قیام کر سکتے ہیں؟

حائضہ اور جنبی مسجد میں قیام نہیں کر سکتے البتہ بوقت ضرورت اس کا جواز موجود ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿إني لا أحل المسجد لحائض ولا جنب﴾ "بلا شبہ میں حائضہ اور جنبی کے لیے مسجد میں داخلہ جائز قرار نہیں دیتا۔" (٦)

---

(۱) [فتاوی ابن باز مترجم (۱/۵۰)]

(۲) [معالم السنن (۱/۷٦)]

(۳) [تحفة الأحوذي (۱/۴۳۰)]

(٤) [**صحيح** : الصحيحة (۸۳٤) تمام المنة (ص/۱۱۸)]

(٥) [مسلم (۲۹۸) كتاب الحيض : باب جواز غسل الحائض رأس زوجها......' أحمد (۳٥/٦) أبو داود (۲٦۱) ترمذي (۱۳٤) نسائي (۱۹۲/۱) ابن ماجة (٦۳۲) دارمي (۱۹۷) طيالسي (۱٤۳) بيهقي (۱۸٦/۱) أبو عوانة (۳۱٤/۱) التمهيد لابن عبدالبر (۱۷۱/۳) ابن أبي شيبة (۳٦٥/۲) عبدالرزاق (۱۲٥۸)]

(٦) [**ضعيف** : ضعيف أبو داود (۳۲) كتاب الطهارة : باب في الجنب يدخل المسجد' أبو داود (۲۳۲) بيهقي (٤٤۲/۲)] امام زیلعیؒ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ [نصب الراية (۱۹٤/۱)] شیخ حازم علی قاضیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [التعليق على سبل السلام (۲۰۱/۱)] اور شیخ محمد صبحی حسن حلاق نے اسے حسن کہا ہے۔ [التعليق على السيل الجرار (۲۸۰/۱)]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ اور جنبی کے لیے مسجد میں داخلہ ممنوع ہے لیکن انہیں بوقت ضرورت داخلے کی جو رخصت حاصل ہے وہ بھی اس کے منافی نہیں ہے جیسا کہ امام شوکانیؒ اسی کے قائل ہیں۔(۱)

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ علم ہونے کے باوجود کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حائضہ ہیں انہیں مسجد سے مصلّٰی لانے کو کہا۔(۲)

اور جنبی کی رخصت قرآن میں ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے ﴿وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ﴾ [النساء: ٤٣]

(طبریؒ) فرماتے ہیں کہ یزید بن أبی حبیبؒ سے مروی ہے کہ انصار کے کچھ آدمیوں کے دروازے مسجد کی طرف تھے لہٰذا جب انہیں جنابت لاحق ہوتی اور پانی نہ ملتا تو مسجد کے علاوہ اسے حاصل کرنے کا ان کے پاس کوئی اور راستہ نہ ہوتا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی ﴿وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ﴾ [النساء: ٤٣] (۳)

(شوکانیؒ) اس وضاحت کے بعد مطلوبہ مسئلہ میں کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا (یعنی حائضہ اور جنبی بوقت ضرورت مسجد میں داخل ہو سکتے ہیں۔)(٤)

(شافعیؒ، احمدؒ) اگر مسجد کے علاوہ کوئی راستہ نہ ہو تو ان کے لیے مسجد سے گزرنا جائز ہے اور امام احمدؒ تو بعض آثار صحابہ کی بنا پر وضوء کے بعد حالت جنابت میں ہی مسجد میں ٹھہرنے کو بھی جائز قرار دیتے ہیں۔

(مالکؒ، ابوحنیفہؒ) حائضہ و جنبی دونوں کا مسجد سے گزرنا (ہر حال میں) ممنوع ہے۔(٥)

(ابن تیمیہؒ) جنبی وضوء کے بعد مسجد میں سو سکتا ہے' ٹھہر سکتا ہے' لیکن حائضہ کے لیے یہ جائز نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے جنبی کے لیے وضوء کے بعد کھانا' سونا وغیرہ جائز قرار دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے اس کے حدث میں تخفیف ہو جاتی ہے تاہم حائضہ کے حدث میں دوام ہے لہٰذا اس کے لیے یہ جائز نہیں۔(٦)

(البانیؒ) جنبی کے مسجد میں ٹھہرنے کی حرمت کی کوئی دلیل نہیں۔(۷)

(راجح) حائضہ اور جنبی کے لیے مسجد میں قیام کرنا درست نہیں البتہ بوقت ضرورت داخلہ یا گزرنا جائز ہے۔

76- ایک ہی غسل کے ساتھ زیادہ بیویوں سے مباشرت

ایسا کرنا جائز ہے لیکن الگ الگ غسل کرنا مستحب و اَولیٰ ہے جیسا کہ دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) [السيل الجرار (۱/۱۸۲)]

(۲) [أحمد (٦/٣٥) مسلم (٢٩٨) كتاب الحيض : باب جواز غسل الحائض رأس زوجها......]

(۳) [تفسير طبرى (٤/١٠٢)]

(٤) [نيل الأوطار (١/٣٤٤)]

(٥) [الأم (١/١٢٠) المغنى (١/٢٠٠) الإنصاف فى معرفة الراجح من الخلاف (٢٤٤٣١) بداية المجتهد (١/٣٧) نيل الأوطار (١/٣٤٣، ٣٤٤)]

(٦) [الفتاوى الكبرى (١/٤٤٦)]

(۷) [تمام المنة (ص/١١٩)]

(1) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن النبي ﷺ كان يطوف على نسائه بغسل واحد﴾ ”نبی ﷺ ایک ہی غسل کے ساتھ اپنی بیویوں کے پاس چکر لگا آتے تھے (یعنی مباشرت کرتے)۔“

اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿في ليلة بغسل واحد﴾ ”ایک ہی رات میں ایک غسل کے ساتھ (سب عورتوں سے مباشرت کرتے)۔“ (۱)

(نوویؒ) اس عمل کے جواز پر اجماع ہے۔ (۲)

(2) حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک رات میں اپنی مختلف بیویوں کے قریب گئے (یعنی ہم بستری کی) ﴿فاغتسل عند كل امرأة منهن غسلا﴾ ”اور آپ ﷺ نے ہر بیوی کے قریب جاتے ہوئے غسل کیا۔“ تو میں نے کہا اے اللہ کے رسول! اگر آپ ایک ہی غسل فرما لیتے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا ﴿هذا أطهر و أطيب﴾ ”یہ زیادہ طہارت و پاکیزگی کا باعث ہے۔“ (۳)

(شوکانیؒ) یہ حدیث اس بات کا ثبوت ہے کہ دوبارہ قربت و مباشرت سے پہلے غسل کر لینا مستحب ہے اور اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں۔ (٤)

77- میاں بیوی کا اکٹھے غسل جنابت کرنا

مباح و درست ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿كنت أغتسل أنا و رسول الله من إناء واحد تختلف أيدينا فيه من الجنابة﴾ ”میں اور رسول اللہ ﷺ دونوں ایک ہی برتن سے غسل جنابت کر لیا کرتے تھے۔ اس برتن میں ہمارے ہاتھ یکے بعد دیگرے داخل ہوتے تھے۔“ (٥)

(١) [مسلم (٣٠٩) كتاب الحيض : باب جواز نوم الجنب واستحباب الوضوء له ......' أبو داود (١٢٨) ترمذي (١٤٠) نسائي (١٤٣/١) ابن ماجة (٥٨٨'٥٨٩) أحمد (٩٩/٣) ابن أبي شيبة (١٤٧/١) ابن حبان (١٢٠٧) شرح معاني الآثار (١٢٩/١)]

(٢) [شرح مسلم (٢٢٢/٢)]

(٣) [حسن : صحيح أبو داود (٢٠٣) كتاب الطهارة : باب في الوضوء لمن أراد أن يعود ' أبو داود (٢١٩) أحمد (٧/٦) ابن ماجة (٥٩٠) نسائي (٩٠٣٥)]

(٤) [نيل الأوطار (٣٤٦/١)]

(٥) [بخاري (٢٦١) كتاب الغسل : باب هل يدخل الجنب يده في الإناء......' مسلم (٤٧٤) ابن حبان (١١٩٣/٣) تحفة الأشراف (١٦٩/١٢)]

دوسری فصل

غسل کا طریقہ

وَالْغُسْلُ الْوَاجِبُ هُوَ أَنْ يُفِيضَ الْمَاءَ عَلَى جَمِيعِ بَدَنِهِ أَوْ يَنْغَمِسَ فِيهِ مَعَ الْمَضْمَضَةِ وَالِاسْتِنْشَاقِ وَالدَّلْكِ مَا يُمْكِنُ دَلْكُهُ	واجب غسل کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے مکمل جسم پر پانی بہائے یا پانی میں غوطہ لگائے ❶ نیز کلی کرے اور ناک میں پانی چڑھائے ❷ اور جن اعضاء کو ملنا ممکن ہو انہیں اچھی طرح ملے۔ ❸

❶ لغوی و شرعی اعتبار سے غسل اسی کو کہتے ہیں۔(۱)

علاوہ ازیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من ترك موضع شعرة من جنابة لم يغسلها فعل به كذا و كذا من النار﴾ ''جس شخص نے جنابت کی وجہ سے (غسل کرتے ہوئے) ایک بال برابر جگہ بھی بغیر دھوئے چھوڑ دی تو اس کے ساتھ آگ سے اس طرح اور اس طرح کیا جائے گا (یعنی اسے روز محشر سزا دی جائے گی)۔''(۲)

اگر یہ حدیث قابل حجت ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ غسل جنابت کی صورت میں مکمل جسم دھونا ضروری ہے۔

❷ دوران غسل کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے کے وجوب میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

(حنابلہؒ، حنفیہؒ) یہ دونوں عمل غسل میں واجب ہیں۔

(مالکیہؒ، شافعیہؒ) یہ وضوء کی طرح غسل میں بھی واجب نہیں ہیں۔(۳)

(راجح) وجوب کا قول راجح ہے۔ کیونکہ احادیث میں مکمل جسم دھونے کا حکم ہے اور مضمضہ واستنشاق (کلی اور ناک میں پانی چڑھانا) اگرچہ بدن کے ظاہری حصے نہیں ہیں لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وضوء اور غسل میں انہیں اختیار کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ دونوں بدن کے ظاہری حصوں کے ہی حکم میں ہیں۔(٤)

❸ تاکہ اچھی طرح طہارت و پاکیزگی حاصل ہو جائے۔

---

(۱) [الفقه الإسلامي وأدلته (۵۱۲/۱) كشاف القناع (۱۵۸/۱) مغنى المحتاج (٦٨/۱) الروضة الندية (۱٦٣/۱)]

(۲) [**ضعيف** : ضعيف أبو داود (٤٧) كتاب الطهارة : باب في الغسل من الجنابة' إرواء الغليل (۱۳۳) ابن ماجة (۵۹۹) بيهقى (۱۷۵/۱) أبو نعيم في الحلية (۲۰٤) دارمى (۱۹۲/۱) ابن أبي شيبة (۱۰۰/۱)] **حافظ ابن حجرؒ** نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔[تلخيص الحبير (۱۲٤/۱)] اور شیخ حازم علی قاضیؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔[التعليق على سبل السلام (۲۰۳/۱)]

(۳) [بداية المجتهد (٤٢/۱) المهذب (۳۱/۱) فتح القدير (۳۸/۱) الدر المختار (۱٤۰/۱) مراقى الفلاح (ص/۱۷) اللباب (۲۰/۱) الشرح الصغير (۱٦٦/۱) الشرح الكبير (۱۳۳/۱) القوانين الفقهية (ص/۲٦) مغنى المحتاج (۷۲/۱) سبل السلام (۲۰٤/۱)]

(٤) [السيل الجرار (۱۱۲/۱)]

وَلَا يَكُوْنُ شَرْعِيًّا إِلَّا بِالنِّيَّةِ لِرَفْعِ مُوْجِبِهِ	اور شرعی غسل اسے واجب کرنے والے سبب کو رفع کرنے کی نیت کے بغیر نہیں ہوتا۔ ❶

❶ جیسا کہ دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) ﴿وَمَا أُمِرُوْا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ [البينة:٥] ''انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اور اسی کے لیے دین کو خالص رکھیں۔''

(2) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿إنما الأعمال بالنيات﴾ ''بے شک عملوں کا دارومدار صرف نیتوں پر ہی ہے۔''(١)
مزید تفصیل کے لیے گذشتہ ''باب الوضوء'' دیکھا جا سکتا ہے۔

وَنُدِبَ تَقْدِيْمُ غَسْلِ أَعْضَاءِ الْوُضُوْءِ إِلَّا الْقَدَمَيْنِ ثُمَّ التَّيَامُنُ	غسل میں قدموں کے سوا وضوء کے بقیہ اعضاء پہلے دھو لینا ❶ اور دائیں اطراف سے شروع کرنا مستحب ہے۔ ❷

❶ جیسا کہ دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غسل جنابت فرماتے تو اس طرح آغاز کرتے' پہلے ہاتھ دھوتے پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے اور اپنا عضو مخصوص دھوتے ﴿ثم يتوضا﴾ ''پھر وضوء کرتے'' پھر پانی لے کر اپنی انگلیوں کے ذریعے سر کے بالوں کی تہ (جڑوں) میں داخل کرتے' پھر تین چلو بھر کے یکے بعد دیگرے سر پر ڈالتے' پھر باقی سارے بدن پر پانی بہاتے ﴿ثم غسل رجليه﴾ ''پھر (آخر میں) اپنے دونوں پاؤں دھوتے۔''(٢)

(2) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نبی ﷺ کے لیے پانی رکھتی اور آپ اس سے (اس طرح) غسل فرماتے: پہلے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈال کر انہیں دو یا تین مرتبہ دھوتے' پھر اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر اپنی شرمگاہ دھوتے' پھر اپنے ہاتھ کو زمین پر ملتے' پھر کلی کرتے اور ناک میں پانی چڑھا کر اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں کو دھوتے' پھر اپنے سر کو تین مرتبہ دھوتے' پھر اپنے سارے جسم پر پانی بہا دیتے' پھر اس جگہ سے علیحدہ ہوتے ﴿فغسل رجليه﴾ ''اور اپنے دونوں پاؤں دھو لیتے۔''(٣)

(3) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ﴿كان رسول الله لا يتوضأ بعد الغسل﴾ ''رسول اللہ ﷺ غسل کے بعد

(١) [بخاري (١) كتاب بدء الوحي : باب كيف كان بدء الوحي......]

(٢) [بخاري (٢٤٨ ' ٢٧٢) كتاب الغسل : باب الوضوء قبل الغسل ' موطا (٤٤/١) أحمد (٥٢/٦) مسلم (٣١٦) أبو داود (٢٤٢) ترمذي (١٠٤) نسائي (٢٠٥/١) ابن ماجة (٥٧٤) دارمي (١٩١/١) عبدالرزاق (٩٩٧) مسند حميدي (١٦٣) أبو يعلى (٤٤٣٠) بيهقي (١٦٥/١)]

(٣) [أحمد (٣٣٠/٦) بخاري (٢٥٧) كتاب الغسل : باب الغسل مرة واحدة ' مسلم (٣١٧) دارمي (١٩١/١) أبو داود (٢٥٠) ترمذي (١٠٣) نسائي (٢٠٤/١) ابن ماجة (٥٧٣) بيهقي (١٧٣/١)]

وضوء نہیں کرتے تھے۔'' (١)

(4) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ان سے غسل کے بعد وضوء کرنے کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب میں کہا ﴿وأی وضوء أعم من الغسل﴾ ''اور کون سا وضوء غسل سے زیادہ عام ہے (یعنی وضوء تو غسل میں ہی شامل ہے)۔'' (٢)

(نوویؒ) محدث کے لیے صرف غسل وضوء کی نیابت نہیں کر سکتا (بلکہ اسے الگ وضوء کرنا پڑے گا) اور غسل جنابت میں غسل سے پہلے اعضائے وضوء دھونا مستحب ہے' واجب نہیں کیونکہ یہ تمام اعضاء دوران غسل دھو لیے جاتے ہیں۔ (٣)

(شوکانیؒ) اسی قول کی مثل نقل کرنے کے بعد رقمطراز ہیں کہ امام ابن بطالؒ نے اجماع نقل کیا ہے کہ غسل کے ساتھ وضوء واجب نہیں' لیکن یہ (اجماع کا) دعویٰ درست نہیں۔ (٤)

اگرچہ علماء نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے۔ (٥) لیکن حقیقت یہی ہے کہ غسل سے پہلے وضوء واجب نہیں ہے کیونکہ وجوب کی کوئی دلیل ہمارے علم میں نہیں۔

(ابن حزمؒ) غسل کے ساتھ وضوء واجب نہیں۔ (٦)

(البانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔ (٧)

❷ (1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل جنابت کے متعلق بیان کرتی ہیں کہ ﴿فبدأ بشق رأسه الأيمن ثم الأيسر﴾ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کے دائیں حصے کو پہلے (دھونا) شروع کیا پھر بائیں کو شروع کیا۔'' (٨)

(شوکانیؒ) اس حدیث کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ (غسل کرتے ہوئے) دائیں اطراف سے ابتداء کرنا مستحب ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ (٩)

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿انه ﷺ كان يعجبه التيمن في تنعله وترجله وطهوره وفي شأنه كله﴾ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جوتا پہننے میں' کنگھی کرنے میں' وضوء کرنے میں اور دیگر تمام کاموں میں دائیں طرف سے شروع

---

(١) [صحيح : صحيح أبو داود (٢٢٥) كتاب الطهارة : باب في الوضوء بعد الغسل' أبو داود (٢٥٠) ترمذی (١٠٧) نسائی (٢٠٩/١) ابن ماجة (٥٧٩) أحمد (١٩/٦)]

(٢) [مصنف ابن أبی شیبة (٧٤٣)]

(٣) [المجموع (١٨٦/٢)]

(٤) [نيل الأوطار (٣٦٤/١)]

(٥) [المجموع (٢١٠/٢) المغنی (٢١٨/١) بدائع الصنائع (٣٤/١) الأصل (٢٣/١)]

(٦) [المحلی (٢٨/٢)]

(٧) [تمام المنة (ص/١٣٠)]

(٨) [بخاری (٢٥٨) كتاب الغسل : باب من بدأ بالحلاب أو الطيب عند الغسل' مسلم (٣١٨) أبو داود (٢٤٠) نسائی (٢٠٦/١)' (٤٢٤) ابن خزيمة (٢٤٥)]

(٩) [نيل الأوطار (٣٦٥/١)]

کرنا پسند تھا۔‘‘ (۱)

اس حدیث کے عموم سے بھی مذکورہ مسئلہ کے اثبات کے لیے استدلال کیا گیا ہے۔

(نوویؒ) ہر باعزت وباوقار کام کو دائیں طرف سے شروع کرنا اور اس کے مخالف ومتضاد کام کو بائیں طرف سے شروع کرنا شریعت کا مستقل قاعدہ ہے۔ (۲)

متفرقات

78- دوران غسل سر پر تین مرتبہ پانی بہانا مستحب ہے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كان النبي ﷺ يفرغ على رأسه ثلاثا﴾ ’’نبی ﷺ اپنے سر پر تین مرتبہ پانی ڈالتے تھے۔‘‘ (۳)

(نوویؒ) اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں۔ (٤)

البتہ واضح رہے کہ واجب صرف ایک مرتبہ پانی بہانا ہی ہے جیسا کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے۔ (٥)

79- غسل کے بعد تولیے کا استعمال اور ہاتھوں کو جھاڑنا

ایسا کرنا جائز و درست ہے جیسا کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿فناولته ثوبا فلم يأخذه فانطلق وهو ينفض يديه﴾ ’’میں نے آپ ﷺ کو (غسل کے بعد) کپڑا پیش کیا لیکن آپ ﷺ نے اسے نہ پکڑا اور چل پڑے نیز اپنے ہاتھوں کو جھاڑنا شروع کر دیا۔ (٦)

اس حدیث سے مندرجہ ذیل امور سامنے آتے ہیں:

(1) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا تولیہ پیش کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ ﷺ اسے استعمال کرتے تھے البتہ اس وقت آپ ﷺ نے اس سے گریز کیا۔

(2) اگر بالفرض ایسا نہ بھی ہو تب بھی مجرد آپ ﷺ کے کسی کام کو ترک کر دینے سے اس کی ممانعت لازم نہیں آتی تاوقتیکہ ممانعت کی کوئی واضح دلیل نہ مل جائے اور اصل اباحت وجواز ہی ہے۔

(3) اسی حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ غسل کے بعد ہاتھوں کو جھاڑنا درست ہے اور جس روایت میں اس عمل کی ممانعت

---

(۱) [بخاری (١٦٧، ٤٢٦) كتاب الوضوء : باب التيمن في الوضوء والغسل، مسلم (٦٢٨) أبو داود (٤١٤٠) ترمذی (٦٠٨) نسائی (٧٨/١) ابن ماجة (٤٠١) أبو عوانة (٢٢٢/١) شرح السنة (٣١٠/١)]

(۲) [شرح مسلم (١٦٣/٢)]

(۳) [بخاری (٢٥٥) كتاب الغسل : باب من أفاض على رأسه ثلاثا]

(٤) [شرح مسلم (٢٤٦/٢)]

(٥) [بخاری (٢٥٧) كتاب الغسل : باب الغسل مرة واحدة]

(٦) [بخاری (٢٧٦) كتاب الغسل : باب نفض اليدين من الغسل عن الجنابة]

موجود ہے وہ ضعیف ہے۔(۱)

جیسا کہ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿لا تنفضوا أيديكم في الوضوء فإنها مراوح الشيطان﴾ ''وضوء میں اپنے ہاتھوں کومت جھاڑو کیونکہ یہ شیطان کے پنکھے ہیں۔''(۲)

80- فرض غسل کے دوران عورت کا سر کی مینڈھیاں کھولنا

غسل جنابت یا غسل حیض کے دوران عورت پر ضروری نہیں کہ وہ اپنے سر کی مینڈھیاں کھولے جیسا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں اپنے سر کے بال (مینڈھیوں کی صورت میں) باندھ لیتی ہوں۔ کیا غسل جنابت کے لیے ان کو کھولوں؟ (ایک روایت میں غسل حیض کا ذکر ہے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا ، إنما يكفيك أن تحثي على رأسك ثلاث حثيات﴾ ''نہیں، بس تمہیں اتنا ہی کافی ہے کہ تم اپنے سر پر تین چلو پانی بہا دیا کرو۔''(۳)

(امیر صنعانیؒ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جس حدیث میں بال کھولنے کا حکم ہے وہ اس کے متعارض نہیں کیونکہ اس میں حکم استحباب کے لیے ہے۔(٤)

علاوہ ازیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ایک روایت سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ بال نہ کھولنا بھی جائز ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اطلاع ملی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ عورتوں کو غسل جنابت اور غسل حیض کے لیے سر کے بال کھولنے کا حکم دیتے ہیں۔ اس پر انہوں نے اظہار تعجب کیا کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کو تو (اس مسئلے کا) علم ہی نہیں ہے وہ کیسے عورتوں کو بال کھولنے کا حکم دیتے ہیں' اس سے تو بہتر ہے کہ وہ عورتوں کو سر منڈوانے کا حکم دے دیں۔ (اور یاد رکھو!) میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی ٹب نما برتن میں غسل کر لیا کرتے تھے اور میں صرف سر پر تین مرتبہ پانی ڈال لیتی تھی (یعنی سر کے بال کھول کر دھونے کی ضرورت نہیں سمجھتی تھی)۔(٥)

81- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کتنے پانی سے غسل فرماتے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً ایک صاع (تقریباً اڑھائی کلوگرام) پانی سے غسل کر لیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كان النبي يغتسل بالصاع إلى خمسة أمداد ويتوضأ بالمد﴾ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاع (یعنی چار مد

---

(۱) [سبل السلام (۱۹۷/۱)]

(۲) [امام شوکانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ نیل الأوطار (۳٦۲/۱)]

(۳) [أحمد (۳۱٥/٦) مسلم (۳۳۰) كتاب الحيض : باب حكم ضفائر المغتسلة ' أبو داود (۲٥۱) ترمذي (۱۰٥) نسائي (۱۳۱/۱) ابن ماجة (٦۰۳)]

(٤) [سبل السلام (۱۹۹/۱)]

(٥) [أحمد (٤۳/٦) مسلم (۳۳۱) كتاب الحيض : باب حكم ضفائر المغتسلة ' نسائي (۲۰۳/۱) ابن ماجة (٦۰٤) ابن خزيمة (۲٤۷)]

پانی) سے لے کر پانچ مد پانی تک سے غسل اور ایک مد پانی سے وضوء کر لیا کرتے تھے۔'' (۱)

چونکہ آپ ﷺ کا عموماً یہی فعل تھا لہٰذا حتی الوسع کوشش کر کے اتنا ہی پانی استعمال کرنا اور اسراف سے اجتناب کرنا ہی مستحب ہے تاہم اگر زائد پانی استعمال کر لیا جائے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ یہ حدیث پانی کی تعیین وتحدید کے لیے نہیں بلکہ محض آپ ﷺ کے فعل کے بیان کے لیے ہے۔

علاوہ ازیں آپ ﷺ سے ایک ''فرق'' (یعنی ایک بڑے برتن کہ جس میں تقریباً نوسیر پانی سما جاتا ہے) پانی سے بھی غسل کرنا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔(۲)

82- غسل کے وقت چھپنا اور ستر ڈھانپنا

غسل کے وقت چھپنا مستحب ہے جبکہ ستر ڈھانپنا بہر حال واجب ہے جیسا کہ حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ حیادار اور پوشیدہ و چھپے ہوئے ہیں اور حیا اور پردہ کو ہی پسند فرماتے ہیں لہٰذا ﴿فإذا اغتسل أحدكم فليستتر﴾ ''جب تم میں سے کوئی غسل کرے تو اسے چھپنا چاہیے۔'' (۳)

(شوکانیؒ) یہ حدیث بظاہر وجوب پر دلالت کرتی ہے لیکن بیشتر دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حکم وجوب کے لیے نہیں بلکہ استحباب کے لیے ہے۔(٤)

نیز ستر ڈھانپنے کا وجوب تو مسلم ہے اور اس کے دلائل میں مندرجہ ذیل حدیث ہی کافی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿احفظ عورتك إلا من زوجتك أو ما ملكت يمينك﴾ ''اپنی بیوی اور لونڈی کے علاوہ (ہر ایک سے) اپنے ستر کی حفاظت کرو۔'' (٥)

(۱) [بخاری (۲۰۱) كتاب الوضوء : باب الوضوء بالمد، مسلم (۳۲٥) أحمد (۱۱۲/۳) نسائی (٥٧/۱) دارمی (۱۷٥/۱) ابن أبی شيبة (٥٦/۱) ابن خزيمة (۱۱٦)]

(۲) [بخاری (۲٥۰) كتاب الغسل : باب غسل الرجل مع امرأته، مسلم (۳۱۹) أحمد (۳۷/٦) حميدی (۱٥۹) أبو داود (۲۳۸) نسائی (۱۲۷/۱) ابن ماجة (۳۷٦)]

(۳) [صحيح : صحيح أبو داود (۳۳۸۷) كتاب الحمام : باب النهی عن التعری، أبو داود (٤۰۱۲، ٤۰۱۳) نسائی (۲۰۰/۱) أحمد (۲۲٤/٤)]

(٤) [نيل الأوطار (۳۷٥/۱)]

(٥) [حسن : صحيح أبو داود (۳۳۹۰) كتاب الحمام : باب فی التعری، أبو داود (٤۰۱۷)]

تیسری فصل

مسنون غسلوں کا بیان

غسل مشروع ہے نماز جمعہ کے لیے۔ ❶	وَيُشْرَعُ لِصَلَاةِ الْجُمُعَةِ

❶ غسل جمعہ کی مشروعیت میں کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ اختلاف اس مسئلے میں ہے کہ کیا غسل جمعہ واجب ہے یا محض سنت مؤکدہ ہے۔

وجوب کے قائل حضرات کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿غسل يوم الجمعة واجب على كل محتلم﴾ "ہر بالغ شخص پر جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے۔" (۱)

(2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا جاء أحدكم إلى الجمعة فليغتسل﴾ "تم میں سے جب کوئی جمعہ کے لیے آئے تو غسل کرے۔" (۲)

(3) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿حق على كل مسلم أن يغتسل في كل سبعة أيام يوما يغسل فيه رأسه وجسده﴾ "ہر سات دنوں میں ایک دن غسل کرنا ہر مسلمان پر حق ہے وہ اس (غسل) میں اپنے سر اور جسم کو دھوئے۔" (۳)

(4) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صرف وضوء کر کے کچھ تاخیر سے جمعہ میں حاضر ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوران خطبہ انہیں ڈانٹا اور کہا ﴿أن رسول الله ﷺ كان يأمر بالغسل﴾ "کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو (جمعہ کے دن) غسل کا حکم دیا کرتے تھے۔" (٤)

(5) امام ابن حزمؒ نے حضرت عمرؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابو سعید خدریؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم حضرت عمرو بن سلیمؒ امام عطاءؒ امام کعب اور امام مسیب بن رافع رحمہم اللہ اجمعین سے وجوب کا

---

(۱) [بخاری (۸۵۸) کتاب الآذان : باب وضوء الصبيان و متى يجب عليهم الغسل والطهور، مسلم (۸٤٦) أبو داود (۳٤۱) نسائی (۹۳/۳) ابن ماجة (۱۰۸۹) أحمد (٦/۳)]

(۲) [بخاری (۸۷۷) کتاب الجمعة : باب فضل الغسل يوم الجمعة ...... مسلم (۸٤٤) أبو داود (۳٤۲) نسائی (۹۳/۳) ابن ماجة (۱۰۸۸) أحمد (۳۷/۲) حمیدی (٦۰۸) ابن خزيمة (۱۲٥/۳) ابن الجارود (۲۸۳) بیهقی (۱۸۸/۳)]

(۳) [بخاری (۸۹۷، ۸۹۸) کتاب الجمعة : باب هل على من لم يشهد الجمعة غسل من النساء والصبيان، مسلم (۸٤۹) بیهقی (۱۸۸/۳) عبدالرزاق (٥۲۹۷) ابن خزيمة (۱۷٦۱) ابن حبان (۱۲۳٤) طحاوی (۱۱۹/۱)]

(٤) [بخاری (۸۷۸) کتاب الجمعة : باب فضل الغسل يوم الجمعة ...... مسلم (۸٤٥) موطا (۱۰۱/۱) ترمذی (٤۹٤) عبدالرزاق (٥۲۹۲) ابن حبان (۱۲۳۰)]

قول نقل کیا ہے۔(١)

(6) حضرت عمرو بن سلیم انصاریؒ کا بیان ہے کہ ”میں گواہی دیتا ہوں کہ (جمعہ کا) غسل واجب ہے۔“(٢)

(ابن حجرؒ) غسل جمعہ فرض ہے۔(٣)

(ابن حزمؒ) جمعہ کے دن غسل فرض ولازم ہے۔(٤)

(ابن قیمؒ) جمعہ کے دن غسل کا حکم بہت زیادہ مؤکد ہے اور اس کا وجوب بقیہ مختلف اشیاء کے وجوب سے زیادہ قوی ہے۔(٥)

(البانیؒ) وجوب کا قول ہی برحق ہے۔(٦)

عدم وجوب کے قائل حضرات کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من توضأ يوم الجمعة فبها ونعمت ومن اغتسل فالغسل أفضل﴾ ”جمعہ کے دن جس نے وضوء کیا اس نے اچھا اور بہتر کیا اور جس نے غسل کیا تو غسل افضل و بہترین ہے۔(٧)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جس نے وضو کیا اور عمدہ وضو کیا پھر جمعہ کے لیے آیا اور توجہ سے سنتا رہا اور خاموش بھی رہا ﴿غفر له مابين الجمعة إلى الجمعة وزيادة ثلاثة أيام﴾ ”تو اس جمعہ سے اگلے جمعہ کے درمیان اور مزید تین دنوں (یعنی کل دس دنوں کے اس کے گناہوں) کو بخش دیا جائے گا۔“(٨)

(3) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی جس روایت میں ہر بالغ پر غسل جمعہ کے وجوب کا بیان ہے اس میں مزید یہ الفاظ بھی ہیں ”اور مسواک اور حسب استطاعت خوشبو لگانا (واجب ہے)۔“(٩)

ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ جمعہ کے دن مسواک اور خوشبو لگانا واجب نہیں ہے اس لیے غسل بھی واجب نہیں ہے کیونکہ ان سب کا عطف ایک ہی حکم کا متقاضی ہے۔

---

(١) [المحلى بالآثار (٢٥٦/١)]

(٢) [بخاری (٨٨٠) كتاب الجمعة : باب الطيب للجمعة]

(٣) [فتح الباری (١٣/٣)]

(٤) [المحلى بالآثار (٢٥٥/١)]

(٥) [زاد المعاد (٣٦٥/١)]

(٦) [تمام المنة (ص/١٢٠)]

(٧) [حسن : صحيح أبو داود (٣٤١) كتاب الطهارة : باب في الرخصة في ترك الغسل يوم الجمعة ' أبو داود (٣٥٤) ترمذی (٤٩٧) نسائی (٩٤/٣) بیهقی (١٩٠/٣) ابن خزيمة (١٧٥٧) أحمد (١١/٥)]

(٨) [مسلم (٧٥٧) كتاب الجمعة : باب فضل من استمع وأنصت في الخطبة ' ابن ماجة (١٠٩٠ ' ١٠٥٠) ترمذی (٤٩٨) أحمد (٤٢٤/٢) ابن خزيمة (١٧٥٦) بیهقی (٢٢٣/٣)]

(٩) [صحيح : صحيح أبو داود (٣٣٢) كتاب الطهارة : باب في الغسل يوم الجمعة ' أبو داود (٣٤٤)]

(4) بروز جمعہ وجوب غسل کا سبب یہ تھا کہ صحابہ مشکل حالات کی بنا پر موسم گرما میں بھی اونی لباس پہنے ہوتے تھے جس وجہ سے مسجد میں ان کے پسینہ کی بدبو پھیل جاتی تھی تو آپ ﷺ نے انہیں فرمایا ﴿لو أنكم تطهرتم ليومكم هذا﴾ ”اگر تم اس دن غسل کر لیا کرو (تو بہتر ہے)۔“ (۱)

معلوم ہوا کہ وجوب غسل کا ایک خاص سبب تھا جب وہ سبب زائل ہو گیا تو وجوب بھی زائل ہو گیا۔

(ابو حنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ) غسل جمعہ سنت مؤکدہ ہے واجب نہیں ہے۔ (۲)

(ابن تیمیہؒ) غسل جمعہ مستحب ہے البتہ جس میں پسینے کی وجہ سے بدبو ہو اور نمازی اور فرشتے اس سے تکلیف محسوس کر سکتے ہوں تو اس پر واجب ہے۔ (۳)

(جمہور) غسل جمعہ مستحب ہے۔ (٤)

(امیر صنعانیؒ) زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ غسل جمعہ چھوڑا نہ جائے۔ (٥)

(وھبہ زحیلیؒ) غسل جمعہ سنت مؤکدہ اور مستحب ہے۔ (٦)

(ترمذیؒ) اس حدیث ﴿من توضأ فبها ونعمت......﴾ کے بعد رقمطراز ہیں کہ ”صحابہ اور ان کے بعد میں آنے والے اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ انہوں نے جمعہ کے دن غسل کو پسند تو کیا ہے لیکن اس رائے کا بھی اظہار کیا ہے کہ جمعہ کے دن وضوء غسل سے کفایت کر جاتا ہے۔ (۷)

(شوکانیؒ) غسل جمعہ سنت مؤکدہ ہے۔ (۸)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) اسی کے قائل ہیں۔ (۹)

(خطابیؒ) جمعہ کے لیے وضوء بھی کافی ہے البتہ غسل افضل تو ہے فرض نہیں۔ (۱۰)

---

(۱) [بخاری (۹۰۳) کتاب الجمعة : باب وقت الجمعة إذا زالت الشمس' مسلم (۸٤۷) أبو داود (۳٥۲) بیهقی (۲۹٥/۱)]

(۲) [فتح القدیر (٤٤/۱) الدر المختار (۱٥٦/۱) القوانین الفقهیة (ص/۲٥) الشرح الصغیر (٥۰۳/۱) کشاف القناع (۱۷۱/۱) اللباب (۲۳/۱) مراقی الفلاح (ص/۱۸)]

(۳) [التعلیق علی سبل السلام للشیخ عبدالله بسام (۱۸٦/۱)]

(٤) [نیل الأوطار (۳٥۰/۱) المجموع (٥۳٥/٤)]

(٥) [سبل السلام (۱۸۹/۱)]

(٦) [الفقه الإسلامی وأدلته (٥٤۱/۱)]

(۷) [ترمذی (٤۹۷) کتاب الصلاة : باب ما جاء فی الوضوء یوم الجمعة]

(۸) [السیل الجرار (۱۱۷/۱)]

(۹) [تحفة الأحوذی (۲٤/۳)]

(۱۰) [کما فی قفو الأثر (۱٤۸/۱)]

(سید سابقؒ) غسل جمعہ مستحب ہے۔(۱)

(راجح) مختلف صحیح احادیث کو ایک دوسرے پر ترجیح دینے سے انہیں جمع کر لینا بہتر ہے اور اصول کے مطابق بھی ہے یعنی غسل جمعہ سنت مؤکدہ اور مستحب ہے۔(واللہ اعلم)

○ جمعہ کے دن کے غسل سے مراد نماز جمعہ کے لیے غسل ہے جیسا کہ گذشتہ صحیح احادیث اس پر شاہد ہیں مثلاً ﴿إذا جاء أحدكم إلى الجمعة فليغتسل﴾ ”جب تم میں سے کوئی (نماز) جمعہ کے لیے آئے تو اسے چاہیے کہ غسل کرے۔“(۲)

وَلِلْعِيدَيْنِ	عیدین کے لیے۔❶

❶ حضرت فاکہ بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن النبي ﷺ كان يغتسل يوم الجمعة ويوم الفطر ويوم النحر﴾ ”نبی ﷺ جمعہ کے دن، عید الفطر کے دن اور عید الاضحیٰ کے دن غسل کیا کرتے تھے۔“(۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی معنی میں روایت مروی ہے لیکن وہ بھی ضعیف ہے۔(٤)

امام بزارؒ نے حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔(٥)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ امام بزارؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ ”مجھے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن غسل کے متعلق کوئی صحیح حدیث یاد نہیں۔(٦)

گو کہ اس معنی میں جتنی روایات ہیں ان میں کچھ نہ کچھ ضعف بہر حال موجود ہے لیکن دیگر مختلف آثار صحابہ سے اس کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أنه كان يغتسل يوم الفطر قبل أن يغدو إلى المصلى﴾ ”آپ رضی اللہ عنہ عید الفطر کے دن عید گاہ کی جانب جانے سے پہلے غسل کر لیا کرتے تھے۔“(۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی معنی میں اثر منقول ہے لیکن وہ ضعیف ہے۔(۸)

اسی طرح حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ، حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعید بن مسیّبؒ سے بھی اس معنی کے آثار

---

(۱) [فقه السنة (۱/۵۱)]

(۲) [الروضة الندية (۱/۶۸)]

(۳) [موضوع : إرواء الغليل (۱٤٦) أحمد (٤/۷۸) ابن ماجة (۱۳۱٦) كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها : باب ما جاء في الاغتسال في العيدين] حافظ بوصیریؒ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔[الزوائد (۱/٤۳۱)]

(٤) [إرواء الغليل (۱٤٦) تلخيص الحبير (۲/۸۰) الدراية (۱/۵) ابن ماجة (۱۳۱۵)]

(٥) [كشف الأستار (٦٤۸)] اسے شیخ محمد صبحی حسن حلاقؒ نے تو صحیح کہا ہے۔[التعليق على السيل الجرار (۱/۲۹۸)] مگر امام ہیثمیؒ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔[المجمع (۲/۱۹۸)]

(٦) [تلخيص الحبير (۲/۸۱)]

(۷) [صحيح : مؤطا (۱/۱۷۷) كتاب العيدين : باب العمل في غسل العيدين، الأم للشافعي (۱/۲٦۵)] امام نوویؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[المجموع (۵/٦)]

(۸) [الأم للشافعي (۱/۲٦۵) بيهقي (۳/۲۷۸) المجموع للنووي (۵/٦)]

مروی ہیں لیکن وہ بھی نا قابل حجت وضعیف ہیں۔(۱)

(شوکانیؒ) اس مسئلہ میں کوئی ایسی دلیل موجود نہیں جس سے شرعی حکم ثابت ہو سکے۔(۲)

(صدیق حسن خانؒ) اس مسئلہ میں مروی تمام احادیث صحیح نہیں ہیں اور نہ ہی ان میں کوئی حسن لذاتہ یا حسن لغیرہ کے درجہ تک پہنچتی ہے۔(۳)

(ابن قیمؒ) (اگر چہ روایات ضعیف ہیں) لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ' جو بے حد شدت سے سنت کی پیروی کرتے تھے' (کے عمل سے) ثابت ہے کہ وہ عیدگاہ کی طرف نکلنے سے پہلے غسل کر لیا کرتے تھے۔(٤)

گذشتہ تفصیل اس بات کی متقاضی ہے کہ غسل عیدین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تو کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے البتہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر صحیح ہے لہذا فقدانِ احادیث کے وقت آثار صحابہ پر عمل کر لینا ہی زیادہ قرین قیاس ہے۔(واللہ اعلم)

وَلِمَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا	میت کو غسل دینے والے کے لیے۔ ❶

❶ (1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من غسل ميتا فليغتسل ومن حمله فليتوضأ﴾ ''جو شخص میت کو غسل دے اسے غسل کرنا چاہیے اور جو اسے اٹھائے وہ وضوء کرے۔''(٥)

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چار چیزوں کی وجہ سے غسل کر لیا کرتے تھے: ① جمعہ ② جنابت ③ سینگی لگوانا ④ میت کو غسل دینا۔(٦)

(علیؓ، ابو ہریرہؓ) میت کو غسل دینے والے پر غسل کرنا واجب ہے۔

(جمہور، مالکؒ، شافعیؒ) مستحب ہے۔

---

(۱) [الأم للشافعي (٢٦٥/١) بيهقي (٢٧٨/٣) المجموع للنووي (٦/٥-٧)]

(۲) [نيل الأوطار (٣٥٥/١)]

(۳) [الروضة الندية (١٦٩/١)]

(٤) [زاد المعاد (٤٤٢/١)]

(٥) [**صحيح** : إرواء الغليل (١٧٣/١) ترمذى (٩٩٣) كتاب الجنائز : باب ما جاء فى الغسل من غسل الميت ' ابن ماجة (١٤٦٣) عبدالرزاق (٦١١١) شرح السنة (١٦٨/٢) حاكم (٣٥٤/١)] حافظ ابن حجرؒ رقمطراز ہیں کہ کثرت طرق کی وجہ سے کم از کم یہ حدیث حسن درجہ کی ہے۔[تلخيص الحبير (١٣٧/١)] امام ابن قیمؒ نے اس حدیث کی گیارہ اسناد بیان کی ہیں۔[تهذيب السنن (٣٠٦/٤)]

(٦) [**ضعيف** : ضعيف أبو داود (٦٩٣) كتاب الجنائز : باب فى الغسل من غسل الميت ' أبو داود (٣١٦٠) ابن أبى شيبة (٢٦٩/٣) أحمد (١٥٢/٦) بيهقى (٢٩٩/١) دار قطنى (١١٣/١)] یہ حدیث ضعیف ہے۔[التعليق على السيل الجرار (٣٠٣/١)] کیونکہ اس کی سند میں ''مصعب بن شیبہ'' راوی ضعیف ہے۔[التقريب (٢٥١/٢) الضعفاء للعقيلى (١٩٦/٤) ميزان الاعتدال (١٢٠/٤) الجرح و التعديل (٣٠٥/٤)] امام دار قطنیؒ نے اس راوی کو غیر قوی و غیر حافظ کہا ہے جبکہ امام نسائیؒ نے اسے منکر الحدیث کہا ہے۔[سنن دار قطنى (١٥٧/١) تهذيب التهذيب (١٤٧/١٠)]

(احناف، لیث) یہ غسل نہ واجب ہے نہ مستحب ہے۔

(ابن قدامہ حنبلی) میت کو غسل دینے سے غسل واجب نہیں ہوتا۔(۱)

(راجح) یہ غسل مستحب ہے۔(۲)

اگرچہ گذشتہ احادیث وجوب کی متقاضی ہیں لیکن مندرجہ ذیل دلائل کی وجہ سے وجوب کا حکم استحباب کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

(1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ليس عليكم في غسل ميتكم غسل إذا غسلتموه إن ميتكم يموت طاهرا فحسبكم أن تغسلوا أيديكم﴾ ''جب تم اپنی میت کو غسل دے چکو تو تم پر غسل (ضروری) نہیں ہے کیونکہ تمہاری میت پاکیزگی کی حالت میں فوت ہوئی ہے لہٰذا تمہیں اتنا ہی کافی ہے کہ تم اپنے ہاتھ دھولو۔''(۳)

(2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كنا نغسل الميت فمنا من يغتسل ومنا من لا يغتسل﴾ ''ہم میت کو غسل دیتے تھے تو ہم میں سے کچھ غسل کر لیتے تھے اور کچھ غسل نہیں کرتے تھے۔(٤)

(3) حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو غسل دیا تو مہاجرین سے کہا ''آج شدید سردی ہے کیا مجھ پر غسل کرنا (اس حالت میں بھی) ضروری ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ﴿لا﴾ ''نہیں۔''(٥)

وَلِلْإِحْرَامِ وَلِدُخُولِ مَكَّةَ	احرام باندھنے کے لیے ❶ اور مکہ میں داخل ہونے کے لیے۔ ❷

❶ (1) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ﴿أنه رأى النبي صلی اللہ علیہ وسلم تجرد لإهلاله واغتسل﴾ ''انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم احرام باندھنے کے لیے علیحدہ ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا۔''(٦)

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ''حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ایک درخت کے قریب محمد بن ابی بکر کی وجہ سے نفاس والی ہوگئیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ وہ انہیں غسل کرنے اور پھر احرام باندھنے کا

---

(۱) [المجموع (١٤٣/٥) المغني (٢١١/١) الأصل (٦٣/١) حاشية الدسوقي (٤١٦/١) الروض النضير (٣٣٣/١)]

(۲) [نيل الأوطار (٣٥٧/١) الروضة الندية (١٧١/١) سبل السلام (١٤٩/١)]

(۳) [حسن : أحكام الجنائز (ص/٧٢) حاكم (٣٧٦/١) بيهقي (٣٠٦/١) دار قطني (٧٦/٢)] حافظ ابن حجرؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[تلخيص الحبير (١٣٨/١)]

(٤) [صحيح : تمام المنة (ص/١٢١) دار قطني (٧٢/٢)] حافظ ابن حجرؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ [تلخيص الحبير (١٣٨/١)]

(٥) [حسن : موطا (٢٢٣/١) بيهقي (٣٩٧/٣)] شیخ محمد صبحی حسن حلاق نے اسے حسن قرار دیا ہے۔[التعليق على السيل الجرار (٣٠٦/١)]

(٦) [حسن : إرواء الغليل (١٤٩) ترمذي (٨٣٠) كتاب الحج : باب ما جاء في الاغتسال عند الاحرام ' ابن خزيمة (٢٥٩٥) دار قطني (٢٢٠/٢) بيهقي (٣٢/٥)]

حکم دیں۔‘‘(۱)

جمہور کے نزدیک یہ غسل مستحب ہے اور یہی بات راجح ہے۔(۲)

❷ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ (ہمیشہ) مکہ میں داخل ہوتے وقت مقام ذی طوی میں رات ٹھہرتے حتی کہ صبح ہوتی تو ﴿يغتسل﴾ ’’غسل کرتے‘‘ پھر دن کو مکہ میں داخل ہوتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بیان کرتے کہ ﴿أنه فعله﴾ ’’آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔‘‘(۳)

(شوکانیؒ) یہ حدیث مکہ میں داخل ہوتے وقت غسل کے استحباب کی دلیل ہے۔(٤)

(ابن حجرؒ) انہوں نے امام ابن منذرؒ کا قول نقل کیا ہے کہ ’’مکہ میں داخل ہوتے وقت غسل کرنا تمام علماء کے نزدیک مستحب ہے اور اسے چھوڑنے میں ان کے نزدیک کوئی فدیہ نہیں ہے (یہی وجہ ہے کہ) ان میں سے اکثر نے کہا ہے کہ غسل کے سوا اگر وضوء بھی کر لیا جائے تو کافی ہو جاتا ہے۔(٥)

متفرقات

83- مستحاضہ عورت کے لیے غسل

استحاضہ کی بیماری میں مبتلا عورت کے لیے ہر نماز کے لیے الگ غسل کرنا یا ظہر و عصر دونوں کے لیے ایک غسل، مغرب و عشاء دونوں کے لیے ایک غسل اور فجر کے لیے ایک غسل کرنا مستحب ہے۔

(1) حضرت ام حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا استحاضہ کی بیماری میں مبتلا ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا کہ غسل کیجیے پھر نماز پڑھیے لہٰذا ﴿فكانت تغتسل عند كل صلاة﴾ ’’وہ ہر نماز کے لیے (الگ) غسل کرتی تھیں۔‘‘ اور ایک روایت میں یہ لفظ بھی ہیں ﴿فلتغتسل عند كل صلاة و لتصل﴾ ’’انہیں چاہیے کہ ہر نماز کے وقت غسل کریں اور (پھر) نماز پڑھیں۔‘‘(٦)

---

(۱) [مسلم (۱۲۰۹) کتاب الحج : باب إحرام النفساء واستحباب اغتسالها للإحرام ......، أبو داود (۱۷٤۳) ابن ماجة (۲۹۱۱) دارمی (۳۳/۲)]

(۲) [الروضة الندية (۱۷۲/۱)]

(۳) [مسلم (۱۲۵۹) كتاب الحج : باب استحباب المبيت بذى طوى ......، بخاری (۱۵۷۳) أبو داود (۱۸٦٥) نسائی (۲۸٦٥) مؤطا (۳۲٤/۱) بیهقی (۷۲/٥)]

(٤) [نيل الأوطار (۳٥۹/۱)]

(٥) [فتح الباری (۲۲٥/٤)]

(٦) [أحمد (۱٤۱/٦) بخاری (۳۲۷) کتاب الحيض : باب عرق الاستحاضة، مسلم (۳۳٤) أبو داود (۲۹۰) ترمذی (۱۲۹) نسائی (۱۸۱/۱)]

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سھلہ بنت سھیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کو حالت استحاضہ میں ظہر و عصر کو ایک غسل کے ساتھ اور مغرب و عشاء کو ایک غسل کے ساتھ جمع کرنے اور فجر کو ایک غسل کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا۔“ (۱)

(جمہور) مستحاضہ عورت پر کسی نماز یا کسی وقت میں بھی غسل واجب نہیں ہے سوائے حیض کے خون کے اختتام پر صرف ایک مرتبہ۔ (۲)

(نوویؒ) جمہور سلف و خلف کا یہی مؤقف ہے اور حضرت علی' حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عباس' حضرت عائشہ' حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہم' ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن' امام مالک' امام ابو حنیفہ اور امام احمد رحمہم اللہ اجمعین وغیرہ سے بھی یہی مذہب مروی ہے۔ (۳)

(شوکانیؒ) حق بات وہی ہے جسے جمہور نے اختیار کیا ہے۔ (٤)

84- جس پر غشی طاری ہو جائے......

ایسے شخص کے لیے افاقہ کے بعد غسل کرنا مستحب ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض بڑھ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ نہیں اے اللہ کے رسول! وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ضعوا لي ماء في المخضب﴾ ”میرے لیے ٹب میں پانی ڈالو۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم نے ایسا ہی کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکلیف کے باوجود اٹھنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری ہو گئی۔ جب افاقہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ تو ہم نے کہا نہیں اے اللہ کے رسول! وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹب میں پانی ڈالنے کو کہا' ہم نے ایسا ہی کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کیا لیکن پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری ہو گئی۔ پھر افاقہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ ہم نے کہا نہیں اے اللہ کے رسول! وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں...... الخ۔ (٥)

(شوکانیؒ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غشی سے افاقے پر تین مرتبہ غسل فرمایا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ غسل مستحب ہے۔ (٦)

---

(۱) [**صحیح** : صحیح أبو داود (۲۸۱) کتاب الطهارة : باب من قال تجمع بين الصلاتين و تغتسل لهما غسلا ' أبو داود (۲۹٤ ' ۲۹٥) أحمد (۱۹/٦ - ۱۷۲) نسائی (۱۲۲/۱ '۱۸٤)]

(۲) [المغنی (٤٤٨/١) نيل الأوطار (٣٦٠/١)]

(۳) [شرح مسلم (٢٥٧/٢)]

(٤) [نيل الأوطار (٣٦١/١)]

(٥) [بخاری (٦٨٧) کتاب الأذان : باب إنما جعل الإمام ليؤتم به ' مسلم (٣١١/١) کتاب الصلاة : باب استخلاف الإمام إذا عرض له عذر' نسائی (٧٨/٢) أحمد (٥٢/٢)]

(٦) [نيل الأوطار (٣٦٣/١)]

(ابن قدامہ حنبلیؒ) غشی سے افاقے پر غسل واجب نہیں (بلکہ مستحب) ہے اور امام ابن منذرؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔(۱)

(البانیؒ) غشی کے بعد غسل مستحب ہے۔(۲)

85- مشرک کو دفن کرنے کے بعد......

کسی مشرک کو دفن کرنے کے بعد غسل کر لینا بہتر و اولیٰ ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا کہ ابو طالب فوت ہو گئے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جاؤ انہیں دفن کر دو۔'' (حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ) جب میں دفن کر کے واپس گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا ﴿اغتسل﴾ ''غسل کرو۔''(۳)

86- ہر جماع کے وقت غسل کرنا مستحب ہے

جیسا کہ گذشتہ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کے متعلق فرمایا ﴿هــذا أطهر و أطيب﴾ ''یہی زیادہ پاکیزگی و صفائی کا باعث ہے۔''(٤)

87- کیا دو غسلوں سے ایک ہی غسل کفایت کر جاتا ہے؟

یعنی حیض اور جنابت' جمعہ اور عید' یا جنابت اور جمعہ کے لیے' اگر دونوں کی نیت کر کے ایک ہی غسل کر لیا جائے تو کیا کافی ہو جائے گا؟ تو راجح بات یہی ہے کہ ایک غسل کفایت نہیں کریگا بلکہ ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ غسل کرنا پڑے گا جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث اس پر شاہد ہے۔

حضرت عبد اللہ بن أبی قتادہؒ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد میرے پاس آئے تو میں جمعہ کے دن غسل کر رہا تھا۔ انہوں نے دریافت کیا کہ یہ غسل جنابت کا ہے یا جمعہ کے لیے۔ تو میں نے کہا یہ جنابت کا غسل ہے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ ایک دوسرا غسل کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے جمعہ کے دن غسل کیا وہ دوسرے جمعہ تک طہارت میں رہے گا۔(٥)

(ابن حزمؒ، البانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٦)

---

(۱) [المغنی (۲۷۹/۱ - ۲۸۰)]

(۲) [تمام المنة (ص/۱۲۳)]

(۳) [**صحيح** : تمام المنة (ص/۱۲۳) نسائی (۱۹۰) كتاب الطهارة : باب الغسل من مواراة المشرك]

(٤) [**حسن** : صحيح أبو داود (۲۰۳) كتاب الطهارة : باب فی الوضوء لمن أراد أن يعود' أبو داود (۲۱۹) أحمد (۸/٦) نسائی (۳۲۹/٥) ابن ماجة (٥٩٠)]

(٥) [**حسن** : تمام المنة (ص/۱۲۸) الصحيحة (۲۳۲۱) حاكم (۲۸۲/۱) مجمع الزوائد (۱۷٤/۲)]

(٦) [المحلى بالآثار (۲۸۹/۱) تمام المنة (ص/۱۲٦)]

واضح رہے کہ نیت کرنے سے دو کام ایک نہیں ہو جاتے مثلاً دو روزوں کی نیت ایک دن کرنے سے دونوں روزے نہیں ہو جائیں گے‘ اسی طرح دو نمازوں کی نیت ایک نماز میں دونوں سے کفایت نہیں کرے گی۔ (واللہ اعلم)

88- خواتین کے لیے حمام میں جا کر غسل کرنا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يدخل الحمام إلا بمئزر ومن كان يؤمن با لله واليوم الآخر فلا يدخل حليلته الحمام﴾ ”جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ تہبند کے بغیر حمام میں داخل نہ ہو اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنی بیوی کو حمام میں داخل نہ کرے۔“(۱)

(البانیؒ) خواتین کا حمام میں جانا حرام ہے۔(۲)

(شوکانیؒ) مردوں کا بغیر تہبند اور خواتین کا مطلقاً حماموں میں جانا حرام ہے۔(۳)

❀❀❀

(۱) [ترمذی (۲۸۰۱) کتاب الآدب : باب ماجاء فی دخول الحمام ، نسائی (۱۹۸/۱) دارمی (۱۱۲/۲) أحمد (۳۳۹/۳) ابن خزیمة (۲۴۹)]

(۲) [تمام المنة (ص/۱۳۰)]

(۳) [نیل الأوطار (۳۷۷/۱)]

باب التیمم ❶ — تیمم کا بیان

يُسْتَبَاحُ بِهِ مَا يُسْتَبَاحُ بِالْوُضُوْءِ وَالْغُسْلِ لِمَنْ لَا يَجِدُ الْمَآءَ	جس شخص کو پانی میسر نہ ہو ❷ اسکے لیے تیمّم کے ساتھ وہ کام جائز ہو جاتے ہیں جو وضوء ❸ اور غسل ❹ کے ساتھ جائز ہوتے ہیں۔

❶ **لغوی وضاحت:** لفظ ''تیمم'' باب تَيَمَّمَ يَتَيَمَّمُ (تفعّل) سے مصدر ہے اور اس کا معنی ارادہ وقصد کرنا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے ﴿وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ﴾ [البقرة: ٢٦٧] ''ان میں سے بری چیزوں کے خرچ کرنے کا قصد نہ کرنا۔''(١)

شرعی تعریف: مخصوص طریقے سے پاک مٹی کے ساتھ چہرے اور دونوں ہاتھوں کا مسح کرنا۔(٢)

مشروعیت: (1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَا مَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيْكُمْ مِنْهُ﴾ [المائدة: ٦] ''اگر تم بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی ضروری حاجت سے فارغ ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ملے ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمّم کر لو اسے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مل لو۔''

(2) حدیث نبوی ہے کہ ﴿جعلت لی الأرض مسجدا وطهورا﴾ ''میرے لیے زمین کو مسجد اور پاک کرنے والی (چیز) بنایا گیا ہے۔''(٣)

(3) تیمّم کے جواز پر امت کا اجماع ہے۔(٤)

تیمّم کی ابتدا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں نکلے جب بیداء یا ذات الجیش (مقام) پر پہنچے تو میرا ہار ٹوٹ کر گر پڑا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے تلاش کرنے کے لیے ٹھہر گئے اور لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ٹھہر گئے لیکن وہاں پانی نہ تھا اور نہ ہی لوگوں کے پاس پانی تھا۔ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر (انہیں) کہنے لگے کیا آپ کو معلوم ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا کیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگوں کے ساتھ آپ کو بھی ایسے مقام پر ٹھہرا دیا ہے جہاں پانی نہیں ہے اور نہ ہی لوگوں کے پاس پانی ہے یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ران پر سر رکھ کر سو رہے تھے۔ انہوں نے کہا تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگوں کو ایسے مقام پر روک دیا ہے جہاں پانی نہیں ہے اور نہ ہی ان کے پاس پانی ہے' اور مجھ سے ناراض ہو کر میری کوکھ پر کونچے (مارنے) لگے لیکن میں نے ہلچل نہیں کی' صرف اس وجہ سے کہ

---

(١) [القاموس المحيط (ص/١٠٥٧) المعجم الوسيط (ص/١٠٦٦) أنيس الفقهاء (ص/٥٧)]

(٢) [كشاف القناع (١٨٣/١) المغنى (٣١٠/١)]

(٣) [مسلم (٥٢٣) كتاب المساجد ومواضع الصلاة ' ترمذى (١٥٥٣) أحمد (٤١٢/٢) أبو عوانه (٣٩٥/١) بيهقى (٤٣٢/٢) دلائل النبوة (٤٧٢/٥) شرح السنة (٦/٧)]

(٤) [المغنى (٣١٠/١)]

رسول اللہ ﷺ کا سر میری ران پر تھا (آپ ﷺ سوئے رہے)۔ جب صبح کو اٹھے تو پانی نہ تھا (بعض صحابہ نے بغیر وضوء کے ہی نماز پڑھ لی جیسا کہ دوسری روایت میں ہے) تب اللہ تعالیٰ نے تیمّم کی آیت نازل فرما دی۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابوبکر کے گھر والو! یہ تمہاری پہلی برکت نہیں ہے (یعنی تمہاری وجہ سے بہت سی برکتیں اور راحتیں مسلمانوں کو نصیب ہوئی ہیں)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ پھر ہم نے اپنا وہ اونٹ اٹھایا جس پر میں سوار تھی تو میرا ہار بھی اس کے نیچے سے برآمد ہو گیا۔(۱)

❷ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا﴾ [النساء:٤٣' المائدة : ٤] ''تم پانی نہ پاؤ تو تیمّم کرلو۔''

یہ بات یاد رہے کہ اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ مجرد پانی کا وجود تیمّم کے لیے مانع ورکاوٹ ہے خواہ وہ ایسے کنوئیں کی گہرائی میں ہی کیوں نہ ہو کہ جہاں تک پہنچنا بالکل ناممکن ہو۔ (لہذا ایسا موجود پانی جسے کسی عذر کی وجہ سے استعمال کرنا ناممکن ہو مثلاً انسان بھول جائے کہ اس کے پاس پانی ہے یا کسی دوسرے کے پاس موجود ہے لیکن وہ دیتا نہیں وغیرہ وغیرہ تو وہ غیر موجود پانی کے حکم میں ہی ہوگا) جیسا کہ امام شوکانیؒ نے یہ وضاحت کی ہے۔(۲)

❸ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دو شخص سفر میں نکلے' نماز کا وقت آ گیا لیکن دونوں کے پاس پانی نہ تھا۔ ان دونوں نے پاک مٹی کے ساتھ تیمّم کیا اور نماز ادا کرلی۔ بعد ازاں انہوں نے نماز کے وقت میں ہی پانی پا لیا۔ ایک شخص نے وضوء کر کے دوبارہ نماز ادا کی جبکہ دوسرے نے نماز نہ دہرائی۔ اس کے بعد دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور (آپ ﷺ سے) اس کا تذکرہ کیا۔ آپ ﷺ نے اس شخص سے کہا جس نے نماز نہیں دہرائی تھی ﴿أصبت السنة وأجزأتك صلاتك﴾ ''تو نے سنت کی موافقت کی ہے اور تیری نماز تیرے لیے کافی ہو گئی ہے۔'' اور جس نے وضوء کر کے دوبارہ نماز ادا کی تھی اس سے فرمایا ﴿لك الأجر مرتين﴾ ''تجھے دوگنا ثواب ہے۔''(۳)

اس صحابی کا تیمّم کے ساتھ نماز ادا کرنا اور آپ ﷺ کا اسے سنت کے موافق قرار دینا جبکہ نماز کے لیے وضوء ضروری ہے اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ تیمّم وضوء کا بدل ہے۔

❹ (1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿أَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ [المائدة :٦] ''یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو (یعنی جماع کیا ہو تو تیمّم کرلو)۔''

(2) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو نماز پڑھائی تو ایک آدمی (جماعت سے) الگ تھا۔ آپ ﷺ نے (اسے) کہا ''تمہیں کس چیز نے نماز سے روکے رکھا۔''؟ اس نے کہا ﴿أصابتني جنابة ولا ماء﴾ ''مجھے حالت جنابت لاحق ہے اور مزید یہ کہ پانی بھی میسر نہیں ہے۔'' تو آپ ﷺ

(۱) [نسائی (۳۱۰) کتاب الطهارة : باب بدء التيمم ' بخاری (۳۳٤) مسلم (۳٦۷) أبو داود (۳۱۷)]

(۲) [السيل الجرار (۱/۱۲٤)]

(۳) [صحيح : صحيح أبو داود (۳۲۷) كتاب الطهارة : باب المتيمم يجد الماء بعد ما يصلي في الوقت ' أبو داود (۳۳۸) نسائی (۱/۲۱۳) دارمی (۱/۲۰۷) حاكم (۱/۱۷۸) دار قطنی (۱/۱۸۸)]

نے فرمایا ﴿علیك بالصعید فإنه یكفیك﴾ ''تم مٹی کو لازم پکڑو (یعنی تیمّم کر لو) بلاشبہ یہ تمہیں کفایت کر جائے گی۔'' (۱)
ثابت ہوا کہ جماع و مباشرت اور احتلام کے بعد اگرچہ غسل ضروری ہے لیکن پانی نہ ملنے پر تیمم بھی کافی ہو جاتا ہے۔

أَوْ خَشِيَ الضَّرَرَ مِنِ اسْتِعْمَالِهِ	یا اسے پانی کے استعمال سے نقصان کا اندیشہ ہو۔ ❶

❶ جیسا کہ دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَّرْضَىٰ ......﴾ [المائدة : ٦] ''اور اگر تم حالت مرض میں ہو......۔''

(2) ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ [التغابن : ١٦] ''جس قدر تم میں استطاعت ہے اللہ سے ڈرو۔''

(3) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا أمرتكم بأمر فاتوا منه ما استطعتم﴾ ''جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو اس پر حسب استطاعت عمل کرو۔'' (۲)

(4) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم سفر میں نکلے تو ہم میں سے ایک شخص کے سر پر پتھر لگ گیا جس سے اس کا سر زخمی ہو گیا (اسی رات) اسے احتلام ہو گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا کہ ﴿هل تجدون لي رخصة في التيمم؟﴾ ''کیا تم سمجھتے ہو کہ میرے لیے تیمّم کی اجازت ہے۔'' انہوں نے جواب دیا ہم تیرے لیے کوئی رخصت نہیں پاتے کیونکہ تم پانی (کے استعمال) پر قادر ہو ﴿فاغتسل فمات﴾ لہٰذا اس نے غسل کیا اور وہ فوت ہو گیا۔'' پھر جب ہم (واپس) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿قتلوه قتلهم الله﴾ ''انہوں نے اسے قتل کر دیا' اللہ تعالیٰ انہیں قتل کرے۔'' انہوں نے علم نہ ہونے پر سوال کیوں نہ کیا کیونکہ جہالت کا علاج سوال ہی تو ہے۔ (۳)

اس روایت میں مزید یہ الفاظ بھی موجود ہیں لیکن وہ ضعیف ہیں ﴿إنما كان يكفيه أن يتيمم و يعصب على جرحه خرقة ' ثم يمسح عليها و يغسل سائر جسده﴾ ''اسے تو تیمّم ہی کافی تھا اور وہ اپنے زخم پر پٹی باندھتا پھر اس پر مسح کرتا اور باقی جسم کا غسل کر لیتا۔''

(5) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو جب غزوہ ذات السلاسل میں بھیجا گیا تو کہتے ہیں کہ ایک سخت سرد رات کو مجھے احتلام ہو گیا۔ مجھے ڈر تھا کہ اگر میں نے غسل کیا تو کہیں ہلاک نہ ہو جاؤں لہٰذا میں نے تیمّم کر لیا پھر اپنے ساتھیوں کے ساتھ صبح کی نماز پڑھ لی۔ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو لوگوں نے اس بات کا ذکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے

---

(۱) [بخاری (٣٤٤) کتاب التیمم : باب الصعید الطیب وضوء المسلم یکفیه من الماء ' مسلم (٦٨٢) أحمد (٤٣٤/٤) نسائی (١٧١/١) شرح معانی الآثار (٤٦٦/١) دار قطنی (٢٠٢/١) بیهقی (٢١٨/١) ابن خزیمة (١٣٧/١) ابن حبان (٤٢٧/٢۔ الإحسان)]

(۲) [بخاری (٧٢٨٨) کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة : باب الاقتداء بسنن رسول الله ' مسلم (١٣٣٧) أحمد (٢٥٨/٢) حمیدی (١١٢٥) أبو یعلی (٦٣٠٥)]

(۳) [حسن : صحیح أبو داود (٣٢٥) کتاب الطهارة : باب فی المجروح یتیمم ' أبو داود (٣٣٦) دارقطنی (١٨٩/١) بیهقی (٢٢٧/١)]

عمرو! تم نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ حالت جنابت میں نماز ادا کر لی؟ میں نے کہا مجھے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان یاد آ گیا کہ ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾ [النساء : ٢٩] ''اور تم اپنے نفسوں کو قتل مت کرو بلا شبہ اللہ تعالیٰ تم پر نہایت مہربان ہیں۔'' اس لیے میں نے تیمّم کیا اور پھر نماز پڑھ لی۔ رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے اور کچھ نہ کہا۔(١)

(مالکؒ، شافعیؒ، ابوحنیفہؒ) اگر پانی کے استعمال سے کسی قسم کے نقصان کا اندیشہ ہو تو تیمّم درست ہے۔

(احمدؒ) ایسی صورت میں تیمّم درست نہیں کیونکہ ایسے شخص کو پانی میسر ہے۔ ایک قول کے مطابق امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔(٢)

(شوکانیؒ) (گذشتہ) حدیث اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى﴾ [النساء: ٤٣] امام احمدؒ وغیرہ کے موقف کا رد کرتے ہیں۔(٣)

(مالکؒ، ابوحنیفہؒ، ابن منذرؒ) سخت سردی کی وجہ سے اگر کوئی شخص تیمّم کر کے نماز پڑھ لے تو اس پر نماز دہرانا واجب نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے صحابی (حضرت عمرو رضی اللہ عنہ) کو اس کا حکم نہیں دیا۔

(حسنؒ، عطاءؒ) جس پر غسل واجب ہے وہ غسل ہی کرے گا خواہ فوت ہو جائے۔(٤)

(البانیؒ) سنت (نبوی) نے مسئلہ تیمّم میں وسعت کرتے ہوئے کسی مرض یا سخت سردی کی وجہ سے اسے جائز قرار دیا ہے۔(٥)

(ابن ارسلانؒ) سخت سردی میں ایسے شخص کے لیے تیمّم کرنا درست نہیں جو پانی کو گرم کر کے استعمال کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔(٦)

(راجح) کسی بھی عذر کی وجہ سے اگر انسان وضوء یا غسل نہ کر سکتا ہو تو اسے تیمّم کفایت کر جائے گا' یہی جمہور علماء کا موقف ہے۔(٧)

○ البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حالت جنابت میں پانی نہ ملنے پر تیمّم درست نہیں سمجھتے تھے۔(٨)

وَأَعْضَائُهُ الْوَجْهُ ثُمَّ الْكَفَّانِ يَمْسَحُهَا	اس کے ارکان چہرہ اور دونوں ہاتھ ہیں وہ شخص ان پر ہاتھ پھیرلے۔ ❶

❶ (1) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن النبي ﷺ أمره بالتيمم للوجه والكفين﴾ ''نبی ﷺ نے

(١) [بخاری تعليقا (٤٥٤/١) كتاب التيمم : باب إذا خاف الجنب على نفسه المرض' أحمد (٢٠٣/٤) أبو داود (٣٣٤) دار قطنی (١٧٨/١) حاكم (١٧٧/١) بيهقی (٢٢٥/١) صحيح أبو داود (٣٢٣)]

(٢) [الأم (٤٢/١) حاشية الدسوقی (١٦٠/١) المجموع (٣٢٩/٢) المغنی (٢٦١/١) المبسوط (١١٢/١)]

(٣) [نيل الأوطار (٣٨٠/١)]

(٤) [المجموع (٣٢٩/٢) الأم (١٤٥/١) المغنی (٢٦١٣١) بدائع الصنائع (٤٨/١) شرح فتح القدير (١٠٩/١)]

(٥) [تمام المنة (ص/١٣٢)]

(٦) [كما فی نيل الأوطار (٣٨٢/١)]

(٧) [الروضة الندية (١٧٨/١) السيل الجرار (١٢٥/١)]

(٨) [حجة الله البالغة (١٨٠/١)]

انہیں چہرے اور دونوں ہاتھوں کے لیے تیمّم کا حکم دیا۔‘‘ (۱)

(2) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں جنبی ہو گیا اور مجھے پانی نہ مل سکا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کو یاد ہو گا کہ میں اور آپ سفر میں تھے (ہم دونوں جنبی ہو گئے) آپ نے تو نماز ادا نہ کی لیکن میں مٹی میں لیٹ گیا اور نماز ادا کر لی پھر میں نے اس واقعہ کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إنما كان يكفيك هكذا﴾ ’’تمہیں تو صرف اس طرح کرنا ہی کافی تھا‘‘ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر مارا اور ان میں پھونکا ﴿ثم مسح بهما وجهه و كفيه﴾ ’’پھر ان دونوں کو اپنے چہرے اور ہتھیلیوں پر پھیر لیا۔‘‘

اور صحیح مسلم کی روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿إنما يكفيك أن تضرب بيديك الأرض ثم تنفخ ثم تمسح بهما وجهك و كفيك﴾ ’’تجھے صرف اتنا ہی کافی تھا کہ تو اپنی دونوں ہتھیلیاں زمین پر مارتا پھر ان میں پھونکتا اس کے بعد ان کے ساتھ اپنے چہرے اور اپنی ہتھیلیوں کا مسح کرتا۔‘‘ (۲)

(احمدؒ، اسحاقؒ، ابن منذرؒ) تیمّم کرتے ہوئے ہاتھوں کے مسح میں صرف ہتھیلیوں پر ہی اکتفاء کیا جائے گا۔ امام عطاءؒ، امام مکحولؒ، امام اوزاعیؒ اور عام اہل حدیث کا یہی مذہب ہے۔

(مالکؒ، ابوحنیفہؒ) کہنیوں تک ہاتھ پھیرنا واجب ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، امام حسن بصریؒ، امام شعبیؒ، حضرت سالمؒ، امام سفیان ثوریؒ اور اصحاب الرائے کا یہی مذہب ہے۔

(زہریؒ) بغلوں تک مسح کرنا واجب ہے۔

(خطابیؒ) علماء میں سے کسی نے بھی اس بات میں اختلاف نہیں کیا کہ کہنیوں سے آگے (مزید) مسح کرنا لازم نہیں ہے۔ (۳)

(راجح) صرف ہتھیلیوں پر ہی مسح کیا جائے گا۔ جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث میں ﴿کفیه﴾ کے لفظ موجود ہیں۔

(شوکانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔ (٤)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ (٥)

---

(۱) [**صحيح** : صحيح أبو داود (۳۱۸) كتاب الطهارة : باب التيمم، ترمذى (۱٤٤) أحمد (۲٦۳/٤) أبو داود (۳۲۷) دارمى (۱۹۰/۱) ابن خزيمة (۲٦۷)]

(۲) [بخارى (۳۳۸) كتاب التيمم : باب المتيمم هل ينفخ فيهما، مسلم (۳٦۸) أحمد (۲٦٥/٤) دارمى (۱۹۰/۱) أبو داود (۳۲۲) ترمذى (٤٤) نسائى (۱٦٥/۱) ابن ماجة (٥٦۹) شرح معانى الآثار (۱۲۲/۱) دارقطنى (۱۸۲/۱)]

(۳) [نيل الأوطار (۳۹۱/۱) شرح مسلم للنووى (٥٦/٤) الروضة الندية (۱۸۰/۱)]

(٤) [نيل الأوطار (۳۹۲/۱)]

(٥) [تحفة الأحوذى (٤۷۰/۱)]

(صدیق حسن خانؒ) یہی موقف رکھتے ہیں۔(۱)

جن روایات میں ﴿إلی المرفقین﴾ ''کہنیوں تک'' ﴿إلی الآباط﴾ ''بغلوں تک'' ﴿إلی نصف الذراع﴾ ''آدھے بازو تک'' ہاتھ پھیرنے کا ذکر ہے۔ وہ تمام روایات ضعیف و ناقابل احتجاج ہیں یا صرف موقوف ہیں۔ اور مرفوع و صحیح روایات میں صرف ﴿یدیه﴾ ''دونوں ہاتھ'' یا ﴿کفیه﴾ ''دونوں ہتھیلیوں'' کا ہی ذکر ہے جیسا کہ گذشتہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث اس پر شاہد ہے۔ لہذا مطلق ﴿یدیه﴾ کے الفاظ کو مقید ﴿کفیه﴾ پر محمول کیا جائے گا۔(۲)

مَرَّةً بِضَرْبَةٍ وَاحِدَةٍ	ایک مرتبہ مٹی پر ہاتھ مار کر ایک مرتبہ (چہرے اور ہاتھوں کا مسح کرنا)۔ ❶

❶ (1) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تیمّم کے متعلق سوال کیا تو ﴿فأمرنی ضربة واحدة للوجه والکفین﴾ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چہرے اور دونوں ہاتھوں کے لیے (زمین پر) ایک مرتبہ ہاتھ مارنے کا حکم دیا۔''(۳)

(2) صحیحین میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿ثم ضرب بیدیه الأرض ضربة واحدة﴾ ''پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں کو ایک مرتبہ زمین پر مارا۔''(٤)

جس روایت میں چہرے کے لیے الگ اور ہاتھوں کے لیے الگ زمین پر ہاتھ مارنے کا ذکر ہے وہ ضعیف ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿التیمم ضربتان: ضربة للوجه وضربة للیدین إلی المرفقین﴾ ''تیمّم یہ ہے کہ دو مرتبہ زمین پر ہاتھ مارا جائے' ایک مرتبہ چہرے کے لیے اور ایک مرتبہ کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کے لیے۔''(٥)

راجح بات یہی ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ رقمطراز ہیں کہ ''ائمہ نے اس کے موقوف ہونے کو ہی درست کہا ہے۔''(٦)

(جمہور، احمد، اسحاق) تیمّم' چہرے اور دونوں ہاتھوں کے لیے ایک ہی مرتبہ زمین پر ہاتھ مارنے کا نام ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت عمار رضی اللہ عنہ' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ' امام عطاءؒ' امام مکحولؒ' امام اوزاعیؒ اور امام شعبیؒ کا بھی یہی موقف ہے۔

(مالکؒ، شافعیؒ) تیمّم یہ ہے کہ زمین پر دو مرتبہ ہاتھ مارا جائے' ایک مرتبہ چہرے کے لیے اور ایک مرتبہ کہنیوں تک دونوں ہاتھوں

(۱) [الروضة الندية (۱/۱۸۰)]

(۲) [فتح الباری (۱/۵۳۰) نیل الأوطار (۱/۳۹۱) تحفة الأحوذی (۱/٤٦٤-٤٧٠) الروضة الندية (۱/۱۸۱)]

(۳) [**صحیح** : صحیح أبو داود (۳۱۸) کتاب الطهارة : باب التیمم' أبو داود (۳۲۷)]

(٤) [بخاری (۳۳۸) کتاب التیمم : باب المتیمم هل ینفخ فیهما' مسلم (۳٦۸) کتاب الحیض : باب التیمم]

(٥) [**ضعیف** : إرواء الغلیل (۱/۱۸٥) دارقطنی (۱/۱۸۰) حاکم (۱/۱۷۹) بیهقی (۱/۲۰۷)] اس کی سند میں علی بن ظبیان راوی ہے کہ جسے حافظ ابن حجرؒ امام ابن قطانؒ اور امام ابن معینؒ وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ [تلخیص الحبیر (۱/۱٥۱)]

(٦) [بلوغ المرام (۱۱۸)]

کے لیے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما' حضرت جابر رضی اللہ عنہ' امام ابراہیم' امام حسن اور امام سفیان ثوری کا بھی یہی موقف ہے۔

(سعید بن مسیبؒ، ابن سیرینؒ) تین مرتبہ زمین پر ہاتھ مارنا واجب ہے۔ ایک مرتبہ چہرے کے لیے' ایک مرتبہ دونوں ہاتھوں کے لیے اور ایک مرتبہ دونوں بازؤوں کے لیے۔(۱)

(راجح) جمہور کا موقف راجح ہے۔

(نوویؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(۲)

(شوکانیؒ) حق بات یہی ہے کہ صحیحین میں موجود حدیث عمار سے ثابت ایک ضرب پر ہی اکتفاء کیا جائے گا۔(۳)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٤)

(صدیق حسن خانؒ) یہی مؤقف رکھتے ہیں۔(٥)

نَاوِيًا مُسَمِّيًا وَنَوَاقِضُهُ نَوَاقِضُ الْوُضُوْءِ	طہارت کی نیت کرتے ہوئے' بسم اللہ پڑھ کے۔ ❶ اور اسے توڑنے والی اشیاء وہی ہیں جو وضوء توڑ دیتی ہیں۔ ❷

❶ نیت ہر عمل کی طرح اس میں بھی ضروری ہے اور بسم اللہ اس لیے کیونکہ یہ وضوء کا بدل ہے۔ مزید بسم اللہ کے مسئلہ میں تحقیق کے لیے گذشتہ "باب الوضوء" کا مطالعہ کیجیے۔

❷ بلاشبہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مٹی کے ساتھ طہارت حاصل کرنا پانی کے ساتھ طہارت حاصل کرنے کی طرح ہی ہے۔ تیمّم کرنے والا اس کے ذریعے وہ تمام کام سرانجام دے سکتا ہے جو پانی کے ذریعے طہارت حاصل کرنے والا کرتا ہے۔ اور اس کے خلاف نہ تو کتاب وسنت میں کوئی دلیل موجود ہے اور نہ ہی کسی (صائب الرائے کی) درست رائے میں۔ اس لیے اس کی نواقض صرف وہی اشیاء ہوں گی جو پانی کے ذریعے حاصل شدہ طہارت کی نواقض ہیں۔ یہ دعویٰ کرنا کہ جس کام کے لیے تیمّم کیا گیا ہے اس سے فراغت پر وہ ٹوٹ جاتا ہے یا اُس کے علاوہ کسی اور کام میں مشغولیت سے اس کے ٹوٹنے کا دعویٰ (یکسر) بے بنیاد ہے۔(٦)

89- اگر دوران نماز پانی مل جائے......

تو کیا تیمّم ٹوٹ جاتا ہے یا کہ نماز مکمل کر لی جائے گی؟ حقیقت یہی ہے کہ پانی مل جانے سے تیمّم ختم ہو جاتا ہے جبکہ انسان

(۱) [فتح الباری (٦٠٦/١) نیل الأوطار (٣٨٩/١) تحفة الأحوذی (٤٦٦/١) التاج المذهب (٥٥/١) مغنی المحتاج (٩٩/١) الهداية (٢٥/١) الإنصاف (٣٠١/١) الروض النضير (٤٦٣/١) المحلی لابن حزم ١٤٦/٢)]

(۲) [المجموع (٢١٠/٢)]

(۳) [نیل الأوطار (٣٩٠/١)]

(٤) [تحفة الأحوذی (٤٧٠/١)]

(٥) [الروضة الندية (١٨١/١)]

(٦) [السيل الجرار (١٤٠/١)]

اس کے استعمال پر قادر ہو۔ لہٰذا اگر حدث اصغر ہو تو وضوء اور اگر حدث اکبر ہو تو غسل کر کے دوبارہ نماز ادا کرنی چاہیے۔ اس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پاک مٹی مسلمان کو پاک کرنے والی ہے اگرچہ دس سال اسے پانی نہ ملے لیکن ﴿فإذا وجد الماء فليمسه بشرته ' فإن ذلك خير﴾ "جب پانی میسر آ جائے تو اسے اپنے جسم پر ملے کیونکہ بلاشبہ اسی میں خیر و بھلائی ہے۔" (۱)

(ابن قدامہ حنبلیؒ) جب تیمّم کرنے والے شخص کو پانی مل جائے اور وہ حالت نماز میں ہو تو وہ نماز چھوڑ کے وضوء کرے یا اگر حالت جنابت سے ہے تو غسل کرے اور پھر نماز ادا کرے۔ (۲)

(ابو حنیفہؒ، ثوریؒ) اسی کے قائل ہیں۔

(مالکؒ، شافعیؒ، ابن منذرؒ) اگر انسان نماز میں ہو تو پانی ملنے کے باوجود نماز مکمل کرلے۔ (۳)

(راجح) پہلا موقف ہی راجح ہے (کیونکہ اصل کی موجودگی سے نیابت ختم ہو جاتی ہے)۔ (٤)

○ البتہ گزشتہ حدیث ﴿فإذا وجد الماء فليمسه بشرته﴾ کے عموم سے ایک صورت خاص ہے وہ یہ کہ نماز سے فراغت کے بعد اگر نماز کے وقت میں ہی پانی مل جائے تو وضوء کر کے دوبارہ نماز ادا کرنا ضروری نہیں جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"دو آدمی سفر میں نکلے اور جب نماز کا وقت ہوا تو ان کے پاس پانی نہیں تھا لہٰذا انہوں نے پاک مٹی سے تیمّم کیا اور نماز ادا کر لی پھر انہیں (نماز کے) وقت میں ہی پانی مل گیا۔ ان میں سے ایک نے تو وضوء کر کے دوبارہ نماز ادا کی جبکہ دوسرے نے ایسا نہ کیا۔ پھر دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور اس بات کا تذکرہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس شخص سے "کہ جس نے نماز نہیں دہرائی تھی" فرمایا ﴿أصبت السنة و أجزأتك صلاتك﴾ "تم نے سنت کو حاصل کر لیا اور تمہیں تمہاری نماز کافی ہو گئی اور دوسرے شخص کے لیے فرمایا ﴿لك الأجر مرتين﴾ "تمہارے لیے دوگنا اجر ہے۔" (٥)

(ائمہ اربعہؒ) اسی کے قائل ہیں۔ (٦)

---

(۱) [**صحيح** : صحيح أبو داود (۳۲۱ ' ۳۲۲) كتاب الطهارة : باب الجنب يتيمم ' أبو داود (۳۳۲ ' ۳۳۳) أحمد (١٤٦/٥-١٤٧) ترمذی (١٢٤) نسائی (١٧١/١) دارقطنی (١٨٧/١) حاکم (١٧٦/١-١٧٧) بيهقی (٢١٢/١) ابن أبي شيبة (١٥٦/١)]

(۲) [المغنی لابن قدامة (٣٤٧/١)]

(۳) [بدائع الصنائع (٥٧/١) الأصل (١٠٥/١) المجموع (٣٦٤/٢) المحلی (١٢٢/٢) المغنی (٣٤٧/١)]

(٤) [نيل الأوطار (٣٩٣/١)]

(٥) [**صحيح** : صحيح أبو داود (٣٢٧) كتاب الطهارة : باب فی المتيمم يجد الماء بعد مايصل فی الوقت' أبو داود (٣٣٨) نسائی (٢١٣/١) حاکم (١٧٨/١) دارقطنی (١٨٨/١)]

(٦) [نيل الأوطار (٣٩٣/١)]

90- کیا نماز کا وقت ختم ہونے سے تیمّم ٹوٹ جاتا ہے؟

(شوکانیؒ) نماز کا وقت ختم ہو جانے سے تیمّم ٹوٹ جانے کے دعوے کی کوئی اصل نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی دلیل ہے۔(۱)

لیکن حنابلہ کے نزدیک وقت ختم ہونے پر تیمّم سے حاصل شدہ طہارت ختم ہو جاتی ہے۔(۲)

متفرقات

91- کیا تیمّم صرف مٹی سے کیا جائے گا؟

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ [المائدة :٦] ''پاکیزہ مٹی سے تیمّم کرو۔''

(2) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہمیں دیگر تمام لوگوں پر تین فضیلتیں حاصل ہیں۔ ہماری نماز کی صفیں فرشتوں کی صفوں کی مانند ہیں' ہمارے لیے زمین مسجد بنادی گئی ہے ﴿وجعلت تربتها لنا طهورا إذا لم نجد الماء﴾ ''اور زمین کی مٹی ہمارے لیے وضوء کے قائم مقام ہے جب ہمیں (وضوء کے لیے) پانی مہیا نہ ہو سکے۔''(۳)

(صاحب قاموس) لفظ ''صعید'' سے مراد مٹی یا زمین کا بالائی حصہ ہے۔(٤)

(صاحب منجد) ''صعید'' کا معنی مٹی' قبر' راستہ اور زمین کا بلند حصہ ہے۔(٥)

(علامہ احمد مقریؒ) ''صعید'' زمین کے بالائی حصے کو کہتے ہیں وہ مٹی ہو یا اس کے علاوہ کچھ اور۔(٦)

(امام ثعالبیؒ) ''صعید'' سے مراد زمین کے اوپر والے حصے کی مٹی ہے۔(۷)

(امام زجاجؒ) ''صعید'' زمین کے بالائی حصے کو کہتے ہیں وہ مٹی ہو یا کچھ اور۔ اس بات میں اہل لغت کا کوئی اختلاف میرے علم میں نہیں۔(۸)

(امام اَزہریؒ) اکثر علماء کا یہی مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿صعيدا طيبا﴾ میں صعید سے مراد مٹی ہے۔(۹)

(شافعیؒ، احمدؒ، داودؒ) تیمّم صرف مٹی سے ہی کیا جائے گا۔

---

(۱) [السيل الجرار (١٤١/١)]

(۲) [المغنى (٣٥٠/١)]

(۳) [مسلم (٥٢٢) كتاب المساجد ومواضع الصلاة ' ابن أبي شيبة (١٥٧/١) طيالسى (٤١٨) نسائى (١٥/٥) ابن خزيمة (٢٥٦) دارقطنى (١٧٥/١)]

(٤) [القاموس المحيط (ص/٢٦٦)]

(٥) [المنجد (ص/٤٧٠)]

(٦) [المصباح (ص/١٢٩)]

(۷) [فقه اللغة (ص/٢٨٧)]

(۸) [معانى القرآن وإعرابه (٥٢/٢)]

(۹) [نيل الأوطار (٣٨٦/١)]

(مالکؒ، ابوحنیفہؒ) زمین کا بالائی حصہ کچھ بھی ہو اس سے تیمّم درست ہے۔ امام عطاءؒ، امام اوزاعیؒ اور امام ثوریؒ کا بھی یہی موقف ہے۔(۱)

(ابن قدامہ حنبلیؒ) "صعید" سے مراد مٹی ہے۔(۲)

(سید سابقؒ) تیمّم' پاک مٹی اور زمین کی جنس کی ہر چیز سے درست ہے۔ مثلاً ریت' پتھر وغیرہ۔(۳)

(شوکانیؒ) اہل لغت نے لفظ "صعید" کا معنی مٹی یا زمین کا بالائی حصہ بتلایا ہے جیسا کہ صاحب قاموس وغیرہ۔ مختلف روایات ان دونوں معنوں میں سے ایک یعنی (مٹی) کی تعیین کر دیتی ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے ﴿وجعل التراب لی طهورا﴾ علاوہ ازیں زمانہ نبوت میں صرف مٹی کے ساتھ ہی تیمّم کیا جاتا تھا اس کے علاوہ کسی اور چیز کے ساتھ تیمّم معروف نہیں تھا۔(٤)

(صدیق حسن خانؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٥)

(راجح) چونکہ لفظ "صعید" کا معنی زمین کا بالائی و سطحی حصہ ہے جیسا کہ گذشتہ اکثر و بیشتر ائمہ لغت کے اقوال سے یہی ثابت ہوتا ہے اس لیے ہر اس چیز کے ساتھ تیمّم درست ہو گا جو زمین کی سطح ہے اور حدیث میں موجود مٹی کا ذکر قرآن کے لفظ "صعید" کی تخصیص نہیں کرتا بلکہ اس کے ایک فرد کی وضاحت کرتا ہے یعنی جس طرح صعید میں دیگر اشیاء شامل ہیں اسی طرح مٹی بھی شامل ہے اور بالخصوص حدیث میں مٹی کا ہی لفظ اس لیے بیان کیا گیا ہے کیونکہ عموماً زمین کا بالائی حصہ یہی ہوتی ہے لہذا اسی سے تیمّم کیا جائے گا' لیکن جہاں ریت ہو گی وہاں ریت سے تیمّم کیا جائے گا' اسی طرح جہاں زمین کی سطح کوئی اور چیز ہو گی وہاں اسی سے تیمّم کیا جائے۔ (واللہ اعلم)

92- نماز کا وقت ختم ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمّم

خواہ انسان پانی کے استعمال پر قادر ہی کیوں نہ ہو کیا ایسی صورت میں تیمّم کیا جائے گا یا کہ وضوء ہی کرنا ضروری ہے اگرچہ نماز کا وقت ختم ہو جائے۔

(شافعیہ، حنابلہ) ایسی صورت میں تیمّم جائز نہیں۔

(حنفیہ) نماز جنازہ اور نماز عید کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو پانی کی موجودگی میں بھی تیمّم کیا جا سکتا ہے اور اسی طرح اگر نماز کسوف اور فرائض کی سنتوں کے فوت ہونے کا خطرہ ہو تب بھی تیمّم کیا جا سکتا ہے۔(٦)

(راجح) شافعیہ کا موقف راجح ہے کیونکہ تیمّم کی اجازت صحت و تندرستی کی حالت میں صرف اسی وقت ہے جب پانی میسر نہ ہو

---

(۱) [المجموع (۲۷۹/۲) المغنی (۲۳٦/۱) بدائع الصنائع (٥٤/۱) حاشية الدسوقی (۱٥٦/۱) المحلی (۱۳۳/۲)]

(۲) [المغنی (۳۲٤/۱)]

(۳) [فقه السنة (۷۱/۱)]

(٤) [السيل الجرار (۱۳۱/۱)]

(٥) [الروضة الندية (۱۷٦/۱)]

(٦) [مغنی المحتاج (۸۸/۱) كشاف القناع (۲۰٦/۱) الدر المختار (۲۲۳/۱) مراقی الفلاح (ص/۱۹) بدائع الصنائع (٥۱/۱) فتح القدير (۹٦/۱)]

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا﴾ [المائدة : ٦]
(شوکانیؒ ،البانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(١)

93- اگر پانی میسر ہو لیکن نا کافی ہو؟

تو ایسی صورت میں اس شخص کو چاہیے کہ اوّلاً اپنے بدن اور کپڑوں سے نجاست دور کرے یا اس پانی کو قضائے حاجت وغیرہ میں استعمال کرے کیونکہ شریعت نے قبل از وضوء انہی افعال کا ذکر کیا ہے۔(٢)
حدیث نبوی ہے کہ ﴿إذا أمرتكم بأمر فأتوا منه ما استطعتم﴾ ''جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو حسب استطاعت اس پر عمل کرو۔''(٣)
اس لیے جہاں تک ممکن ہو طہارت کے لیے پانی استعمال کرنا ضروری ہے۔(ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ اگر پانی کم ہو تو اسے یکسر ترک کر کے محض تیمم ہی کر لیا جائے)۔(٤)

94- لاچار و بے بس مریض کیا کرے؟

یعنی نہ تو وہ خود حرکت کر کے پانی حاصل کر سکتا ہے اور نہ ہی کوئی ایسا شخص اس کے قریب ہے جو اسے پانی مہیا کر سکے تو ایسی صورت میں اس کے لیے تیمم کر لینا مباح و درست ہوگا کیونکہ وہ بعینہ ایسے شخص کی طرح ہے کہ جو کسی گہرے کنوئیں میں پانی دیکھتا ہے لیکن اسے حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ اس کے پاس نہیں۔
(ابن قدامہؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٥)

95- اگر کچھ بھی میسر نہ ہو تو کیا بغیر طہارت نماز درست ہے؟

تیمّم کی اجازت نازل ہونے سے پہلے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا تھا تو کچھ آدمیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تلاش کرنے کے لیے بھیجا اور پھر نماز کا وقت ہو گیا لیکن اس وقت ان کے پاس پانی موجود نہیں تھا اور تیمم بھی مشروع نہیں تھا ﴿فصلوا بغير وضوء﴾ ''لہٰذا انہوں نے بغیر وضوء کے ہی نماز پڑھ لی'' ۔پھر جب واپسی پر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی شکایت کی تو آیتِ تیمّم نازل ہوئی۔(٦)

---

(١) [السيل الجرار (١٢٦/١) تمام المنة (ص/١٣٢)]
(٢) [السيل الجرار (١٣٦/١)]
(٣) [بخاری (٧٢٨٨) كتاب الاعتصام بالكتاب و السنة : باب الاقتداء بسنن رسول الله ' مسلم (١٣٣٧) أحمد (٢٥٨/٢) حمیدی (١١٢٥) أبو يعلى (٦٣٠٥)]
(٤) [نيل الأوطار (٣٨٧/١)]
(٥) [المغنى (٣١٦/١)]
(٦) [**صحيح** : صحيح أبو داود (٣٠٩) كتاب الطهارة : باب التيمم ' أبو داود (٣١٧) بخاری (٣٣٤) ابن ماجة (٥٦٨) أحمد (٥٧/٦) نسائی (١٦٣/١) حمیدی (١٦٥)]

اس حدیث میں محل شاہد یہ ہے کہ اگر ایسی حالت میں نماز ممنوع ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اس کی ضرور وضاحت فرماتے حالانکہ ایسا کچھ منقول نہیں ہے اور اس وقت پانی کا نہ ہونا پانی اور تیمّم کے لیے مٹی وغیرہ دونوں کے نہ ہونے کے مترادف تھا کیونکہ اس وقت طہارت کا حکم صرف پانی کے ساتھ ہی خاص تھا۔

(شافعیؒ، احمدؒ، جمہور محدثین) ان سب نے ایسی حالت میں ادا کی ہوئی نماز کو درست قرار دیا ہے البتہ اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے کہ کیا دوبارہ نماز پڑھنا لازم ہے یا نہیں؟۔

(شافعیؒ) نماز دہرانا واجب ہے کیونکہ یہ نادر عذر ہے۔

(احمدؒ، ابن منذرؒ) واجب نہیں ہے کیونکہ اگر واجب ہوتا تو رسول اللہ ﷺ انہیں ضرور حکم دیتے۔

(مالکؒ، ابوحنیفہؒ) ایسی صورت میں وہ شخص نماز ہی ادا نہیں کرے گا (البتہ احناف کے نزدیک اس پر قضاء واجب ہے جبکہ امام مالکؒ کے نزدیک واجب نہیں)۔

(نوویؒ) ایسی حالت میں نماز پڑھ لینا بہتر ہے لیکن بعد میں (وضوء یا تیمّم کرکے) دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔(۱)

(راجح) امام احمدؒ کا موقف سنت کے زیادہ قریب ہے۔ (واللہ اعلم)

فی الحقیقت ایسا بہت کم واقع ہوتا ہے لیکن بہر حال اس کا امکان تو موجود ہے مثلاً اگر کوئی مسلمان مجاہد بطور جنگی قیدی دشمنوں کے ہاتھ آجائے اور اسے اس طرح جکڑا گیا ہو کہ اسے پانی اور مٹی دونوں میسر نہ ہوں' اس کے علاوہ ایسا شدید مریض جو حرکت پر قادر نہ ہو اور نہ ہی کوئی دوسرا شخص اس کے قریب ہو جو اسے پانی یا مٹی وغیرہ فراہم کر سکتا ہے تو ایسی صورت میں انہیں کیا کرنا چاہیے؟ یقیناً حسب استطاعت عمل کا حکم ہے اس لیے بغیر وضوء و تیمّم کے ہی نماز ادا کر لینی چاہیے۔

❀❀❀

(۱) [فتح الباری (۵۸۵/۱) نیل الأوطار (۳۹۴/۱) المجموع (۳۲۱/۲)]

باب الحیض ❶ والنفاس ❷ — حیض اور نفاس کا بیان

پہلی فصل

لَمْ يَأْتِ فِيْ تَقْدِيْرِ أَقَلِّهِ وَأَكْثَرِهِ مَا تَقُوْمُ بِهِ الْحُجَّةُ وَكَذٰلِكَ الطُّهْرُ	حیض کی کم از کم اور زیادہ سے زیادہ مدت کی تعیین کے متعلق کوئی قابل حجت دلیل نہیں ہے اور اسی طرح طہر کے متعلق بھی نہیں ہے۔ ❸

❶ **لغوی وضاحت:** اس کا معنی "بہنا اور ماہواری کا خون جاری ہونا" ہے۔ لفظ "حیض" باب حَاضَ یَحِیْضُ (ضرب) سے مصدر ہے اور اسی طرح لفظ "محیض" بھی اسی باب سے مصدر ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے ﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ﴾ [البقرۃ: ۲۲۲] "اور وہ لوگ آپ سے حیض کے متعلق سوال کرتے ہیں۔" (۱)

شرعی و اصطلاحی تعریف: ایسا خون جو عورت کے رحم سے ولادت یا امراض سے سلامتی کی حالت میں بلوغت کے بعد مخصوص ایام میں خارج ہو۔ (۲)

حیض کے خون کا رنگ: فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس خون کا رنگ سیاہ، سرخ، زرد اور خاکی (یعنی سفید اور سیاہ کے درمیان) ہوتا ہے۔ (۳)

(البانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔ (٤)

حیض کا وقت: حیض کے لیے کم از کم یا زیادہ سے زیادہ کوئی وقت یا عمر مقرر نہیں۔ (٥)

❷ **لغوی وضاحت:** لفظ "نفاس" مصدر ہے باب نَفِسَ یَنْفَسُ (سمع) سے۔ اس کا معنی "بچہ جننا اور حائضہ ہونا" مستعمل ہے اور اس کی جمع "نُفَسَاء" آتی ہے۔ (٦)

اصطلاحی تعریف: ایسا خون جو (پیدائش کے وقت) بچے کے ساتھ یا بعد میں خارج ہو۔ (۷)

(۱) [فتح الباری (۵۳۱/۱) القاموس المحیط (۵۷٦) المنجد (۱۸۹)]

(۲) [أنیس الفقهاء (ص/٦۳) الإختیار (۲٦/۱) الفقه الإسلامی وأدلته (٦۱۰/۱) تهذیب اللغة (۱۵۸/۵) لسان العرب (٤۱۹/۳)]

(۳) [فتح القدیر مع حاشیة العنایة (۱۱۲/۱) اللباب (٤۷/۱) الشرح الصغیر (۲۰۷/۱) مغنی المحتاج (۱۱۳/۱) حاشیة الباجوری (۱۱۲/۱) کشاف القناع (۲٤٦/۱) بدائع الصنائع (۳۹/۱)]

(٤) [تمام المنة (ص/۱۳٦)]

(٥) [فتاوی المرأة المسلمة (۲٦٦/۱)]

(٦) [القاموس المحیط (ص/۵۳٤) المنجد (ص/۹۱۳)]

(۷) [أنیس الفقهاء (ص/٦٤)]

❸ اس مسئلے میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے۔

(احناف) حیض کی کم از کم مدت تین (3) دن اور زیادہ سے زیادہ پندرہ (15) دن ہے۔

(مالکیہ) کم از کم کوئی مدت نہیں البتہ زیادہ سے زیادہ مدت مختلف عورتوں کی مختلف ہوتی ہے اور وہ چار ہیں "مبتدأۃ" (15 دن)' "معتادۃ" (3 دن سے زائد) "حاملۃ" (20 دن) اور "مختلطۃ" (15 دن)۔

(شافعیہ، حنابلہ) حیض کی کم از کم مدت ایک دن اور رات ہے' اس کی غالب مدت چھ (6) یا سات (7) دن ہے اور زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ (15) دن اور ان کی راتیں ہے۔(۱)

طہر کی تعریف: طہر ایسے وقت کو کہتے ہیں جب عورت حیض ونفاس سے پاک ہوتی ہے۔(۲)

طہر کی مدت: اس کی مدت میں بھی فقہائے اسلام نے اختلاف کیا ہے۔

(جمہور) طہر کی کم از کم مدت پندرہ (15) دن ہے اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں کیونکہ طہر بعض اوقات سال یا دو سال تک بھی لمبا ہو جاتا ہے۔(۳)

(حنابلہ) طہر کی کم از کم مدت تیرہ (13) دن ہے اور زیادہ سے زیادہ کی فقہاء کے اتفاق کے ساتھ کوئی مدت متعین نہیں ہے۔(٤)

(راجح) حیض کی کم از کم یا زیادہ سے زیادہ مدت کی تعیین میں کوئی قابل حجت دلیل منقول نہیں ہے بلکہ وہ تمام دلائل جو اس ضمن میں پیش کیے جاتے ہیں' یا موضوع ہیں یا ضعیف ہیں۔(٥)

حیض آنے کا علم بعض اوقات مقررہ عادت کی معرفت کے ذریعے ہوتا ہے' بعض اوقات حیض کے خون کی معرفت کے ذریعے ہوتا ہے اور بعض اوقات دونوں کے ساتھ ہوتا ہے۔(٦)

اور اسی طرح طہر کی بھی کوئی مدت متعین نہیں۔

فَذَاتُ الْعَادَةِ الْمُتَقَرِّرَةِ تَعْمَلُ عَلَيْهَا	جس عورت کی عادت کے کچھ ایام مقرر ہوں وہ انہی کے مطابق عمل کرے گی۔ ❶

❶ (1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا نے جب استحاضہ کی بیماری میں مبتلا

(۱) [بداية المجتهد (٤٨/١) القوانين الفقهية (ص/٣٩) بدائع الصنائع (٢٠٨/١) الدر المختار (٢٦٢/١) فتح القدير (١١١/١) مغنى المحتاج (١٠٩/١) حاشية الباجورى (١١٤/١) المغنى (٣٠٨/١) كشاف القناع (٢٣٣/١)]

(۲) [بداية المجتهد (٥٢/١) القوانين الفقهية (ص/٤١)]

(۳) [المهذب (٣٩/١) بداية المجتهد (٤٨/١) فتح القدير (١٢١/١) مراقى الفلاح (ص/٢٤) الشرح الصغير (٢٠٩/١) مغنى المحتاج (١٠٩/١) حاشية الباجورى (١١٦/١)]

(٤) [كشاف القناع (٢٣٤/١)]

(٥) [السيل الجرار (١٤٢/١) الروضة الندية (١٨٤/١)]

(٦) [نيل الأوطار (٣٩٦/١) المغنى (٣١١/١) الإفصاح (١٠٦/١) المجموع (٤٥٥/٢) بدائع الصنائع (٤١/١)]

ہونے کی شکایت کی تو نبی ﷺ نے فرمایا ﴿فإذا أقبلت حيضتك فدعى الصلاة وإذا أدبرت فاغسلي عنك الدم ثم صلي﴾ ''جب تمہیں حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب ختم ہو جائے تو جسم سے خون صاف کرو پھر نماز پڑھو۔'' (۱)

(2) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿لتنتظر عدد الليالي والأيام التي كانت تحيضهن من الشهر قبل أن يصيبها الذي أصابها فلتترك الصلاة قدر ذلك من الشهر﴾ ''اس بیماری (یعنی استحاضہ) کے لاحق ہونے سے پہلے وہ خواتین مہینے کی جن راتوں اور دنوں میں حیض والی ہوتی تھیں اس گنتی کے مطابق ہر ماہ نماز چھوڑ دیں۔'' (۲)

(3) حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے مستحاضہ عورت کے متعلق فرمایا ﴿تجلس أيام أقرائها﴾ ''ایسی عورت اپنے حیض کے دنوں میں بیٹھے گی (نماز اور روزے وغیرہ سے' یعنی طاہر خواتین کی طرح افعال سرانجام نہیں دے گی)۔'' (۳)

(4) حضرت ام حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ سے (استحاضہ کی بیماری کے) خون کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿امكثي قدر ما كانت تحبسك حيضتك ثم اغتسلي﴾ ''اتنی مدت انتظار کرو جتنی دیر تمہارا حیض تمہیں پہلے روکے رکھتا تھا پھر غسل کر لو۔'' (٤)

یہ تمام احادیث اس بات کا ثبوت ہیں کہ جس عورت کے ایام ماہواری مقرر ہوں وہ انہی کو پورا کرے گی۔

وَغَيْرُهَا تَرْجِعُ إِلَى الْقَرَائِنِ	اور جس کے ایام مقرر نہیں وہ قرائن کی طرف رجوع کرے گی۔ ❶

❶ (1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا استحاضہ کے مرض میں مبتلا تھیں تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں ارشاد فرمایا ﴿إن دم الحيض دم أسود يعرف فإذا كان ذلك فأمسكي عن الصلاة فإذا كان الآخر فتوضئ وصلي﴾ ''بلاشبہ حیض کا خون سیاہ رنگ کا ہوتا ہے جو پہچانا جاتا ہے' جب ایسا خون ہو تو نماز سے احتراز کرو اور جب کوئی دوسرا (خون) ہو تو وضوء کرو اور نماز ادا کرو۔'' (٥)

---

(۱) [بخاری (۳۰٦) کتاب الحیض : باب الاستحاضة' مسلم (۳۳۳) أبو داود (۲۸۲) نسائی (۱۲٤/۱) ترمذی (۱۲۵) ابن ماجة (٦۲۱) ابن أبي شيبة (۱۲۵/۱) عبدالرزاق (۱۱٦۵) أبو عوانة (۳۱۹/۱)]

(۲) [صحيح : صحيح نسائی (۳٤۳) أبو داود (۲۷٤) كتاب الطهارة : باب في المرأة تستحاض...... ' موطا (٦۲/۱) أحمد (۲۹۳/٦) نسائی (۱۸۲/۱) ابن ماجة (٦۲۳) دارمی (۱۹۹/۱) دار قطنی (۲۱۷/۱) بيهقی (۳۳۳/۱)]

(۳) [صحيح : صحيح نسائی (۳٤۹) صحيح أبو داود (۲۷٦) نسائی (۳٦۱) كتاب الحيض والاستحاضة : باب جمع المستحاضة بين الصلاتين و غسلها إذا جمعت]

(٤) [مسلم (۳۳٤) كتاب الحيض : باب المستحاضة وغسلها وصلاتها ' أحمد (۲۳۷/٦) دارمی (۱۹۸/۱) شرح معانی الآثار (۹۸/۱) نسائی (۱۸۱/۱)]

(٥) [حسن : صحيح أبو داود (۲٦۳) كتاب الطهارة : باب إذا أقبلت الحيضة تدع الصلاة ' أبو داود (۲۸٦) نسائی (۱۸۱/۱)' (۲۱٦)]

(2) ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿فإنما هو داء عرض أو ركضة من الشيطان أو عرق انقطع﴾ "بلاشبہ یہ ایک پیش آمدہ بیماری ہے' یا شیطان کا چوکہ ہے' یا ایک منقطع رگ ہے" (واضح رہے کہ یہ بات استحاضہ کے خون کے متعلق ہے)۔(۱)

فَدَمُ الْحَيْضِ يَتَمَيَّزُ عَنْ غَيْرِهِ فَتَكُونُ حَائِضًا إِذَا رَأَتْ دَمَ الْحَيْضِ	حیض کا خون دوسرے خون سے ممتاز (الگ) ہوتا ہے' جب عورت حیض کا خون دیکھے گی تب ہی حائضہ ہوگی۔ ❶

❶ (1) حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے ﴿إن دم الحيض دم أسود يعرف﴾ "بلاشبہ حیض کا خون سیاہ رنگ کا ہوتا ہے جو کہ پہچانا جاتا ہے۔"(۲)

(2) حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ہم زرد اور خاکی رنگ کے خون کو طہارت و پاکیزگی کے بعد کچھ شمار نہیں کرتی تھیں۔(۳)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا اور دیگر مسلم خواتین طہر سے پہلے اس رنگ کے خون کو حیض شمار کرتی تھیں۔

(3) ایک روایت میں ہے کہ خواتین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ڈبیہ (جس میں حیض کی روئی رکھی جاتی تھی) بھیجتی تھیں' اس میں ایسی روئی ہوتی جس میں زرد رنگ ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتیں کہ جلدی نہ کرو جب تک کہ چونے کی طرح سفیدی نہ دیکھو یعنی ایام ماہواری سے بالکل پاک نہ ہو جاؤ۔(٤)

ان دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ حیض کا خون سیاہ رنگ کے علاوہ' زرد اور خاکی رنگ کا بھی ہوتا ہے اس کے علاوہ حیض کے خون کا رنگ (بعض روایات سے) سرخ بھی ثابت ہے۔

(البانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٥)

(سید سابقؒ) انہوں نے حیض کے خون کے رنگوں میں سیاہ' سرخ' زرد اور خاکی رنگ شمار کیا ہے۔(٦)

(جمہور' شوکانیؒ) خاکی اور زرد رنگ کا خون حالت حیض کے دوران حیض ہی ہے۔(۷)

---

(۱) [صحيح : التعليقات الرضية على الروضة الندية (۲۱۳/۱) دارقطني (۲۰٦/۱) بيهقي (۳٤٤/۱) حاكم (۱۷٥/۱)]

(۲) [حسن : صحيح أبو داود (۲٦۳) كتاب الطهارة : باب إذا أقبلت الحيضة تدع الصلاة' أبو داود (۲۸٦)]

(۳) [صحيح : صحيح أبو داود (۳۲٥) كتاب الطهارة : باب في المرأة ترى الكدرة والصفرة بعد الطهر' أبو داود (۳۰۷)' بخاري (۳۲٦) عبدالرزاق (۱۲۱٦) دارمي (۲۱٥/۱) نسائي (۱۸٦/۱) ابن ماجة (٦٤۷) بيهقي (۳۳۷/۱) حاكم (۱۷٤/۱)]

(٤) [بخاري (قبل الحديث/ ۳۲۰) كتاب الحيض: باب إقبال المحيض وإدباره' مؤطا (٥۹/۱)]

(٥) [تمام المنة (ص/ ۱۳٦) التعليقات الرضية على الروضة الندية (۲۱٥/۱)]

(٦) [فقه السنة (۷٤/۱_۷٥)]

(۷) [نيل الأوطار (٤۰۲/۱)]

وَمُسْتَحَاضَةٌ إِذَا رَأَتْ غَيْرَهُ وَهِيَ كَالطَّاهِرَةِ وَتَغْسِلُ أَثَرَ الدَّمِ	جب اسے اس کے علاوہ کوئی اور خون نظر آئے تو وہ مستحاضہ ❶ ہوگی البتہ یہ پاکیزہ عورت کی طرح ہے ❷ اور خون کے نشانات کو دھوئے گی۔ ❸

❶ مستحاضہ ایسی عورت کو کہتے ہیں جو استحاضہ کی بیماری میں مبتلا ہو یعنی وہ عورت جس کا حیض کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی اور رگ کی وجہ سے (مسلسل) خون بہتا ہو۔ استحاضہ اس خون کو کہتے ہیں جو رحم کے علاوہ (عورت کی) شرمگاہ سے خارج ہو نیز یہ باب اِسْتَحَاضَ يَسْتَحِيْضُ (استفعال) سے مصدر ہے۔(۱)

❷ (1) جیسا کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا سے مروی ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا میں استحاضہ کی بیماری میں مبتلا خاتون ہوں اور میں پاک نہیں ہوتی لہذا کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إنما ذلك عرق وليس بالحيضة﴾ "یہ صرف ایک رگ ہے حیض نہیں ہے۔" اس لیے جب حیض کا خون آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب اس کی مقدار ختم ہو جائے تو ﴿فاغسلي عنك الدم وصلي﴾ "اپنے بدن سے خون دھو کر نماز ادا کر لو (اگرچہ استحاضہ کا خون ختم نہ ہوا ہو)۔"(۲)

(2) مستحاضہ عورت کے متعلق ایک دوسری روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان منقول ہے ﴿تصوم وتصلي﴾ "وہ روزہ رکھے گی اور نماز پڑھے گی۔"(۳)

یہ احادیث اور ان کے علاوہ گذشتہ اسی باب میں متعدد بیان کردہ احادیث اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ مستحاضہ عورت پاک ہے۔

❸ اس کی دلیل گذشتہ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا کی حدیث میں موجود یہ الفاظ ہیں ﴿فاغسلي عنك الدم وصلي﴾ "اپنے بدن سے خون دھو لو اور نماز ادا کرو۔"

وَتَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ	اور ہر نماز کے لیے وضوء کرے گی۔ ❶

❶ (1) حضرت عدی بن ثابت عن ابیہ عن جدہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مستحاضہ عورت کے متعلق فرمایا کہ "وہ اپنے ان ایام ماہواری میں نماز ترک کرے گی جن میں وہ (پہلے) حائضہ ہوتی تھی ﴿ثم تغتسل وتتوضأ عند كل صلاة﴾ "پھر وہ غسل کرے گی اور ہر نماز کے لیے وضوء کرے گی۔"(٤)

(۱) [أنيس الفقهاء (ص/٦٤) القاموس المحيط (ص/٥٧٦) فتح الباري (٤٨٧/١) تحفة الأحوذي (٤٠٩/١)]

(۲) [بخاري (٣٠٦) كتاب الحيض: باب الاستحاضة، مسلم (٣٣٣) أبو داود (٢٨٢) نسائي (١٢٤/١) ترمذي (١٢٥) ابن ماجة (٦٢١) ابن أبي شيبة (١٢٥/١) عبدالرزاق (١١٦٥) أبو عوانة (٣١٩/١)]

(۳) [**صحيح**: صحيح ترمذي (١٠٩) كتاب الطهارة: باب ما جاء أن المستحاضة تتوضأ لكل صلاة، صحيح ابن ماجة (٦٢٥) ترمذي (١٢٦) أبو داود (٢٩٧) ابن ماجة (٦٢٥) دارمي (٢٠٢/١)]

(٤) [**صحيح**: صحيح ترمذي (١٠٩) كتاب الطهارة: باب ما جاء أن المستحاضة تتوضأ لكل صلاة، ترمذي (١٢٦) أبو داود (٢٩٧) ابن ماجة (٦٢٥) دارمي (٢٠٢/١)]

(2) نبی ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا ﴿ثم اغتسلي وتوضئ لكل صلاة ثم صلي﴾ ''(ایام حیض گزارنے کے بعد) غسل کرو اور ہر نماز کے لیے وضوء کرو پھر نماز ادا کرو۔'' (۱)

امام شوکانیؒ رقمطراز ہیں کہ ''ان احادیث سے ثابت ہوا کہ (مستحاضہ عورت پر) ہر نماز کے لیے وضوء واجب ہے اور غسل صرف ایک مرتبہ حیض کے اختتام پر ہی واجب ہے۔'' (۲)

(مالکیہ) مستحاضہ عورت پر اسی طرح ہر نماز کے لیے وضوء مستحب ہے جیسا کہ استحاضہ کے خون کے اختتام پر اس کے لیے غسل مستحب ہے۔ (۳)

(جمہور، شافعیہ، حنابلہ، حنفیہ) مستحاضہ عورت پر واجب ہے کہ وہ ہر نماز کا وقت ہو جانے پر اپنی شرمگاہ دھوئے اور پھر وضوء کرے۔ (٤)

حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت عائشہ، حضرت عروہ بن زبیر اور حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہم وغیرہ سے بھی یہی قول مروی ہے جبکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور امام عطا بن ابی رباحؒ وغیرہ سے اس کے برخلاف یہ منقول ہے کہ مستحاضہ عورت ہر نماز کے لیے غسل کرے گی۔ (٥)

ہر نماز کے لیے غسل کو واجب کہنے والوں کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے:

حضرت ام حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے استحاضہ کے خون کے متعلق مسئلہ پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ تو صرف ایک رگ ہے ﴿فاغتسلي ثم صلي فكانت تغتسل لكل صلاة﴾ ''لہذا تم غسل کرو پھر نماز پڑھو تو وہ ہر نماز کے لیے غسل کر لیتی تھیں۔'' (٦)

اگرچہ انہوں نے اس حدیث سے استدلال تو کیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث وجوب کے قائل حضرات کی دلیل نہیں بنتی کیونکہ اس میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر نماز کے لیے غسل کا حکم دیا ہے بلکہ یہ محض حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا اپنا فعل و عمل ہے جو کہ مسلمہ قوانین کے مطابق وجوب کے لیے کافی نہیں ہے۔

(نوویؒ) وہ احادیث جو سنن ابی داود اور بیہقی وغیرہ میں موجود ہیں کہ نبی ﷺ نے انہیں ہر نماز کے لیے غسل کا حکم دیا تھا، ان میں سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے۔ اور امام بیہقی وغیرہ نے تو ان کے ضعف کو واضح کر کے بیان کر دیا ہے۔ (۷)

---

(۱) [**صحیح** : صحیح أبو داود (۲۸۷) کتاب الطهارة : باب من قال تغتسل من طهر إلى طهر، أبو داود (۲۹۸) أحمد (٤٢/٦) ابن ماجة (٦٢٤) نسائی (١٨٥/١)]

(۲) [نيل الأوطار (٤٠٤/١)]

(۳) [بداية المجتهد (٥٧/١) القوانين الفقهية (ص/٢٦-٤١)]

(٤) [اللباب (٥١/١) مراقی الفلاح (ص/٢٥) مغنی المحتاج (١١١/١) المهذب (٤٥/١) المغنی (٣٤٠/١)]

(٥) [تحفة الأحوذی (٤٢٥/١)]

(٦) [ترمذی (١٢٩) کتاب الطهارة : باب ما جاء في المستحاضة أنها تغتسل عند كل صلاة، مسلم (٣٣٤) أحمد (٢٣٧/٦) أبو داود (٢٨٥) ابن ماجة (٦٢٦) نسائی (١١٨/١) دارمی (١٩٦/١)]

(۷) [المجموع (٥٣٦/٢)]

(شوکانیؒ) ان احادیث کے متعلق ''کہ جن میں مستحاضہ عورت کے لیے غسل کا حکم ہے'' حفاظ کی ایک جماعت نے صراحت کی ہے کہ وہ قابل احتجاج نہیں ہیں۔(۱)

(شافعیؒ) رسول اللہ ﷺ نے حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کو غسل کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا اس میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں ہر نماز کے لیے غسل کا حکم دیا۔(۲)

(راجح) استحاضہ کی بیماری میں مبتلا عورت پر ہر نماز کے لیے غسل نہیں بلکہ صرف وضوء واجب ہے اور غسل صرف ایک مرتبہ ایام ماہواری کے اختتام پر ہی واجب ہے۔(۳)

(شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ) انہوں نے اسی کے مطابق فتوی دیا ہے۔(٤)

واضح رہے کہ اگر مستحاضہ عورت دو نمازوں کو اس طرح جمع کرے کہ پہلی کو مؤخر اور دوسری کو مقدم کرے اور پھر دونوں کے لیے ایک غسل کرے یعنی ظہر وعصر کے لیے ایک غسل' مغرب وعشاء کے لیے ایک غسل اور فجر کے لیے ایک غسل' تو یہ عمل مندوب ومستحب ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اسی کو پسند فرمایا ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں آپ ﷺ کے یہ الفاظ مروی ہیں کہ ﴿وهو أعجب الأمرين إلي﴾ ''ان دونوں باتوں میں سے یہی مجھے زیادہ پسند ہے۔''(٥)

وَالْحَائِضُ لَا تُصَلِّيْ وَلَا تَصُوْمُ	حائضہ عورت نہ نماز پڑھے گی اور نہ ہی روزہ رکھے گی۔ ❶

❶ جیسا کہ یہ مسئلہ اجماع امت سے ثابت ہے مزید اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے عورتوں سے ارشاد فرمایا...... ﴿أليس إذا حاضت المرأة لم تصل ولم تصم﴾ ''کیا ایسا نہیں ہے کہ جب عورت حائضہ ہوتی ہے تو نہ وہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے۔''(٦)

(2) حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں کہا ﴿فإذا أقبلت الحيضة فاتركي الصلاة﴾ ''جب حیض کا خون آئے تو نماز چھوڑ دو۔''(٧)

(۱) [نيل الأوطار (۱٤۹/۱)]

(۲) [الأم (۸۰/۱)]

(۳) [شرح مسلم للنووی (۲۵۷/۲) المجموع (۵۳۵/۲) نيل الأوطار (٤۰٤/۱) السيل الجرار (١٤٨/١) الروضة الندية (۱۸۸/۱)]

(٤) [فتاوى المرأة المسلمة (۲۹۱/۱)]

(٥) [حسن : صحيح أبو داود (۲٦٧) كتاب الطهارة : باب من قال إذا أقبلت الحيضة تدع الصلاة ' أبو داود (۲۸۷) ترمذی (۱۲۸) أحمد (۳۸۱/٦) الأدب المفرد للبخاری (۲۳۷) ابن ماجة (٦۲۷)]

(٦) [بخاری (۳۰٤) كتاب الحيض : باب ترك الحائض الصوم ' مسلم (۱۳۲) نسائی (۱۷۸/۳) ابن ماجة (۱۲۸۸) ابن حبان (٥٧٤٤) بيهقی (۲۳٥/٤)]

(٧) [بخاری (۳۰٦) كتاب الحيض : باب الاستحاضة ' مسلم (۳۳۳) أبو داود (۲۸۲) نسائی (۱۲٤/۱) ترمذی (۱۲٥) ابن ماجة (٦۲۱) عبدالرزاق (۱۱٦٥) أبو عوانة (۳۱۹/۱)]

(شوکانیؒ) اس مسئلے پر اجماع ہے۔(۱)

(شیخ عثیمینؒ) انہوں نے اسی کے مطابق فتوی دیا ہے کہ حائضہ عورت نہ تو نماز پڑھے گی اور نہ ہی روزہ رکھے گی۔(۲)

وَلَا تُوطَأُ حَتَّى تَغْتَسِلَ بَعْدَ الطُّهْرِ	اور نہ ہی حالت طہر میں آنے کے بعد غسل تک اس سے ہم بستری کی جا سکتی ہے۔ ❶

❶ (1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ﴾[البقرة: ۲۲۲] ”لوگ آپ ﷺ سے حیض کے متعلق سوال کرتے ہیں، تو کہہ دیجیے کہ وہ گندگی ہے لہٰذا تم حالت حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ (حیض سے) پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب مت جاؤ، ہاں جب وہ (غسل کر کے) پاکیزگی حاصل کر لیں تو جہاں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں اجازت دی ہے ان کے پاس جاؤ۔“

(2) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿من أتى حائضا أو امرأة في دبرها أو كاهنا فقد كفر بما أنزل على محمد﴾ ”جس نے حائضہ عورت سے مباشرت و ہم بستری کی یا کسی عورت کی پشت میں دخول کیا یا کاہن کے پاس آیا (اور اس کی تصدیق کی) تو اس نے محمد ﷺ پر نازل شدہ تعلیمات کا کفر کر دیا۔“(۳)

(3) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حائضہ عورت کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ﴿اصنعوا كل شيئ إلا النكاح﴾ ”نکاح (یعنی جماع) کے علاوہ (حائضہ عورت سے) سب کچھ کرو۔“(۴)

(4) اس بات پر اجماع ہے کہ حائضہ عورت سے ہم بستری و جماع کرنا حرام ہے۔(۵)

(شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ) انہوں نے اسی کے مطابق فتوی دیا ہے۔(۶)

96- جماع کے علاوہ حائضہ عورت سے مباشرت کا حکم

یہ عمل جائز و مباح ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث اس پر شاہد ہیں:

(۱) [نيل الأوطار (۴۰۹/۱)]

(۲) [فتاوى المرأة المسلمة (۲۸۲/۱-۲۸۳)]

(۳) [صحيح : صحيح ترمذي (۱۱٦) كتاب الطهارة : باب ما جاء في كراهية إتيان الحائض، ترمذي (۱۳۵) أحمد (۴۰۸/۲) أبو داود (۳۹۰۴) ابن ماجة (٦۳۹) دارمي (۲۵۹/۱)]

(۴) [مسلم (۳۰۲) كتاب الحيض : باب جواز غسل الحائض رأس زوجها و ترجيله.....، أحمد (۱۳۲/۳) دارمي (۲۴۵/۱) أبو داود (۲۵۸) ترمذي (۲۹۷۷) نسائي (۱۸۷/۱) ابن ماجة (٦۴۴) بيهقي (۳۱۳/۱) ابن حبان (۱۳۵۲) أبو عوانة (۳۱۱/۱)]

(۵) [نيل الأوطار (۴۰۴/۱)]

(٦) [فتاوى المرأة المسلمة (۲۸۰/۱)]

(1) نبی ﷺ نے فرمایا ﴿اصنعوا کل شئ إلا النکاح﴾ ''(حائضہ عورت سے) جماع کے علاوہ سب کچھ کرو۔'' (۱)

(2) ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میری بیوی جب حائضہ ہو تو میرے لیے اس سے کیا حلال ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿لك ما فوق الإزار﴾ ''تمہارے لیے وہ سب کچھ حلال ہے جو تہبند کے اوپر ہے۔'' (۲)

(3) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب ہم میں سے کوئی حائضہ ہوتی اور رسول اللہ ﷺ اس سے مباشرت کرنا چاہتے تو اسے تہبند باندھنے کا حکم دیتے' اس وقت حیض زور پر ہوتا' پھر آپ ﷺ اس سے مباشرت کرتے۔'' (۳)

97- انقطاعِ حیض پر غسل سے پہلے مباشرت کا حکم

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ﴾ [البقرة : ۲۲۲] ''حالتِ حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب مت جاؤ پس جب وہ پاک ہو جائیں تو جہاں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں اجازت دی ہے ان کے پاس جاؤ۔''

اس آیت میں حائضہ عورت سے مباشرت کے لیے دو مرتبہ طہارت کا ذکر ہے یعنی ﴿حتی یطھرن﴾ اور ﴿فإذا تطھرن﴾ پہلی طہارت سے مراد تو بالاتفاق انقطاعِ حیض ہی ہے لیکن دوسری طہارت میں اختلاف کیا گیا ہے کہ اس سے مراد غسل ہے یا مجرد انقطاعِ حیض۔

(ابن عباس) اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ ﴿حتی یطھرن﴾ ''یعنی وہ خون سے پاک ہو جائیں۔'' ﴿فإذا تطھرن﴾ ''یعنی وہ پانی کے ساتھ طہارت حاصل کر لیں۔'' (٤)

(ابن کثیر) علماء نے اس بات پر اتفاق رائے کا اظہار کیا ہے کہ عورت سے جب حیض کا خون ختم ہو جائے تو وہ پانی کے ساتھ غسل کرنے تک' یا بامر مجبوری تیمّم کرنے تک' حلال نہیں ہوتی۔ (٥)

(جمہور، مالک) شوہر کے لیے حائضہ عورت سے اس وقت تک مباشرت جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ پانی کے ساتھ طہارت نہ حاصل کر لے۔ (٦)

(مجاہد، عکرمہ) مجرد انقطاعِ خون ہی عورت کو اس کے خاوند کے لیے حلال کر دیتا ہے' لیکن وہ وضوء کرے گی۔ (۷)

---

(۱) [تقدم آنفا]

(۲) [صحیح : صحیح أبو داود (۱۹۷) کتاب الطهارة : باب في المذی' أبو داود (۲۱۲)]

(۳) [بخاری (۳۰۲) کتاب الحیض : باب مباشرة الحائض' أحمد (۱۷۳/٦) دارمی (۲٤۲/۱) مسلم (۲۹۳) أبو داود (۲٦۸) ترمذی (۱۳۲) ابن ماجة (٦۳٥) الإحسان لابن حبان (٤٦۷/۲) بیهقی (۳۱۰/۱) شرح السنة (٤۱۱/۱)]

(٤) [تیسیر العلی القدیر (۱۸۱/۱)]

(٥) [تفسیر ابن کثیر۔ بتحقیق عبدالرزاق مهدی (٥۲۲/۱)]

(٦) [تفسیر فتح القدیر (۲۲٦/۱)]

(۷) [أیضا]

(ابوحنیفہؒ، ابویوسفؒ، محمدؒ) اگر دس دن گزرنے کے بعد خون منقطع ہو تو غسل سے پہلے بھی اس عورت سے جماع وہم بستری کرنا جائز ہے اور اگر انقطاع خون دس دنوں سے پہلے ہو جائے تو غسل یا نماز کا وقت اس پر داخل ہو جانے سے پہلے اس سے جماع کرنا جائز نہیں ہے۔

(ابن حزمؒ) غسل کے بغیر بھی جماع درست ہے۔(۱)

(البانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۲)

(قرطبیؒ) اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ ﴿فـإذا تـطهـرن﴾ یعنی وہ عورتیں پانی کے ساتھ طہارت حاصل (یعنی غسل) کر لیں۔(۳)

(شوکانیؒ) انہوں نے "تطهرن" کا معنی غسل کرتے ہوئے غسل سے پہلے جماع کو حرام قرار دیا ہے۔(٤)

(راجح) جمہور کا موقف راجح ہے کیونکہ "تطهرن" کا راجح معنی غسل ہی ہے نیز جب اباحت و تحریم دونوں کا احتمال ہو تو تحریم کو ہی مقدم کیا جاتا ہے۔

98- حالت حیض میں جماع کا کفارہ

(1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے متعلق ارشاد فرمایا جو حالت حیض میں اپنی بیوی سے ہم بستری کرتا ہے ﴿يتصدق بدينار أو بنصف دينار﴾ "وہ ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرے۔"(٥)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اگر ایام ماہواری کی ابتدا میں ہم بستری کرے تو دینار اور اگر خون کے انقطاع پر جماع وہم بستری کرے تو آدھا دینار (صدقہ کرے گا)۔(٦)

(3) ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "اگر (جماع کے وقت) سرخ خون آ رہا ہو تو دینار اور اگر زرد ہو تو آدھا دینار (صدقہ کرے گا)۔"(۷)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ عورت سے جماع کرنے والے شخص پر کفارہ ادا کرنا واجب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ' امام حسن بصری ' حضرت سعید بن جبیر ' امام قتادہ ' امام اوزاعی ' امام اسحاق ' امام احمد سے دوسری روایت میں

---

(۱) [المحلى بالآثار (۳۹۱/۱)]

(۲) [آداب الزفاف (ص/٤٧)]

(۳) [تفسير قرطبي (۸۸/۲)]

(٤) [تفسير فتح القدير (۲۲٦/۱)]

(٥) [**صحيح** : صحيح أبو داود (۲۳۷) كتاب الطهارة : باب إتيان الحائض ' أبو داود (٢٦٤) أحمد (۲۲۹/۱) دارمی (۲٥٤/۱)]

(٦) [**صحيح موقوف** : صحيح أبو داود (۲۳۸) كتاب الطهارة : باب إتيان الحائض ' أبو داود ٢٦٥)]

(۷) [**صحيح موقوف** : صحيح ترمذی (۱۱۸) كتاب الطهارة : باب ما جآء في الكفارة في إتيان الحائض ' ترمذی (۱۳۷)]

اور امام شافعی رحمہم اللہ اجمعین کے قدیم قول کے مطابق یہی موقف راجح ہے۔ البتہ انہوں نے کفارے کے متعلق اختلاف کیا ہے۔

(حسن بصریؒ، سعید بن جبیرؒ) ایسا شخص ایک غلام آزاد کرے گا۔

(جمہور) دینار یا نصف دینار صدقہ دے گا۔

(مالکؒ، ابوحنیفہؒ) اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے بلکہ صرف توبہ و استغفار ہی واجب ہے۔ ان کے نزدیک کفارہ کی احادیث مضطرب و ناقابل حجت ہیں۔ امام عطاء بن ابی ملیکہ' امام شعبی' امام نخعی' امام مکحول' امام ابوالزناد' امام ربیعہ' امام حماد بن ابی سلیمان' امام ابن مبارک' امام ایوب سختیانی' امام سفیان ثوری' امام لیث بن سعد' امام شافعی سے جو زیادہ صحیح روایت ہے اور امام احمد رحمہم اللہ اجمعین سے ایک روایت میں یہی مذہب منقول ہے۔(۱)

(شوکانیؒ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ''دینار یا نصف دینار صدقہ'' والی روایت کے متعلق رقمطراز ہیں کہ ''بے شک آپ کو اس بات کا علم ہو چکا ہے کہ پہلی روایت قابل حجت ہے لہذا اسی کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ (یعنی یہ بھی دینار یا نصف دینار صدقہ کفارہ ادا کرنے کے ہی قائل ہیں)۔(۲)

(نوویؒ) اگر کوئی مسلمان یہ عقیدہ رکھے کہ حائضہ عورت سے جماع و ہم بستری حلال ہے تو وہ کافر و مرتد ہو جائے گا' اگر کوئی ایسا عقیدہ نہ رکھتے ہوئے بھول کر' یا حرمت' یا حیض کا علم نہ ہونے کی وجہ سے جماع کرے تو اس پر کوئی گناہ اور کفارہ نہیں ہے' اور اگر کوئی شخص جان بوجھ کر' حیض اور حرمت کا علم ہونے کے باوجود ایسا کرے تو اس نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا ہے اس لیے ایسے شخص پر اس گناہ سے توبہ کرنا ہی واجب ہے۔(۳)

(سید سابقؒ) ایسے شخص پر کوئی کفارہ نہیں۔(٤)

(شیخ عثیمینؒ) توبہ کے ساتھ دینار یا نصف دینار' جو بھی وہ شخص اختیار کرے' کفارہ ادا کرے گا۔(٥)

(شیخ عبدالرحمٰن بن ناصر سعدی) دینار یا نصف دینار کفارہ ادا کرے گا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے۔(٦)

(راجح) یقیناً کبیرہ گناہ کے ارتکاب کے بعد توبہ ایک لازمی امر ہے لیکن یہاں توبہ کی صورت یہی ہے کہ استغفار کے ساتھ دینار یا نصف دینار جسے بھی وہ شخص پسند کرے صدقہ کر دے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف اتنا ہی ثابت ہے تاہم دینار یا نصف

---

(۱) [نیل الأوطار (۱/۴۰۸) تحفة الأحوذی (۱/٤٤٤) معالم السنن (۱/۸۳ـ۸٤) المغنی (۱/٤۱٦ـ٤۱۷)]

(۲) [نیل الأوطار (۱/۴۰۸)]

(۳) [فقه السنة (۱/۷۷)]

(٤) [أيضا]

(٥) [فتاوی المرأة المسلمة (۱/۲۸۰)]

(٦) [فتاوی المرأة المسلمة (۱/۹)]

دینار صدقہ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی موقوف روایات کو مدنظر رکھنا ہی اولیٰ و بہتر ہے۔

وَتَقْضِي الصِّيَامَ	اور وہ صرف روزوں کی قضائی دے گی۔ ❶

❶ حضرت معاذہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ حائضہ عورت روزے کی قضائی تو دیتی ہے لیکن نماز کی قضائی نہیں دیتی؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمیں ایسی حالت درپیش ہوتی تو ﴿فنؤمر بقضاء الصوم ولا نؤمر بقضاء الصلاة﴾ ''ہمیں روزے کی قضائی کا حکم دیا جاتا تھا اور نماز کی قضائی کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔'' (۱)

(نوویؒ) اس مسئلے پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔(۲)

(شوکانیؒ) اس مسئلے پر اس امت کے سلف وخلف اور سابق ولاحق کا اجماع ہے اور علمائے اسلام میں سے کسی ایک سے بھی اس میں اختلاف نہیں سنا گیا۔(۳)

(ابن منذرؒ) علماء نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ عورت پر حالت حیض میں فوت شدہ نمازوں کی قضائی واجب نہیں ہے البتہ حالت حیض میں چھوڑے ہوئے روزوں کی قضائی اس پر واجب ہے۔(٤)

امام ابن عبد البرؒ رقمطراز ہیں کہ خوارج کا ایک گروہ حائضہ عورت پر نماز کی قضاء کو واجب قرار نہیں دیتا۔(٥)

(صدیق حسن خانؒ) (خوارج کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ) اجماع امت میں ایسے لوگوں کی مخالفت ''جو کہ کلاب النار ہیں'' کچھ اثر نہیں رکھتی۔(٦)

(۱) [صحیح : صحیح أبو داود (۲۳٦) کتاب الطهارة : باب في الحائض لا تقضي الصلاة ' أبو داود (۲٦۳) أحمد (۲۳۲/٦) بخاری (۳۲۱) مسلم (۳۳٥) ترمذی (۱۳۰) نسائی (۱۹۱/۱) ابن ماجة (٦۳۱) أبو عوانة (۳۲٤/۱) دارمی (۲۳۳/۱) بیهقی (۳۰۸/۱)]

(۲) [المجموع (۳٥۱/۲ـ۳٥٥)]

(۳) [السیل الجرار (۱٤۸/۱)]

(٤) [الإجماع لابن المنذر (ص/۳۷) (رقم/۲۸'۲۹)]

(٥) [مقالات الإسلاميين لأبي الحسن الأشعري (ص/۸٦ـ۱۳۱) الفرق بين الفرق للبغدادي (ص/۷۲ـ۱۱۳)]

(٦) [الروضة الندية (۱۹۰/۱)]

دوسری فصل

نفاس کے مسائل

وَالنِّفَاسُ أَكْثَرُهُ أَرْبَعُونَ يَوْمًا	نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے۔ ❶

❶ (1) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿كانت النفساء تجلس على عهد رسول الله ﷺ أربعين يوما﴾ "نفاس والی خواتین عہد رسالت میں چالیس دن عدت گزارتی تھیں۔" (۱)

(2) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ﴿كان رسول الله وقت للنفساء أربعين يوما إلا أن ترى الطهر قبل ذلك﴾ "رسول اللہ ﷺ نے نفاس والی خواتین کے لیے چالیس دن مقرر کیے تھے الا کہ وہ اس سے پہلے پاکی حاصل کر لیں۔" (۲)

(جمہور) نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے۔ حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت عمر، حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم، امام عطاء، امام ثوری، امام شعبی، امام مزنی، امام احمد بن حنبل، امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ اجمعین کا بھی یہی موقف ہے۔

(شافعیؒ) یہ مدت ساٹھ دن ہے۔ ایک روایت کے مطابق امام مالکؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔

(حسن بصریؒ) یہ مدت پچاس دن ہے۔

علاوہ ازیں بعض حضرات نے ستر دن مدت بھی بتلائی ہے۔ (۳)

(نوویؒ) صحابہ، تابعین اور ان کے بعد والوں میں سے اکثر علماء کے نزدیک نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے۔ امام ترمذیؒ اور امام خطابیؒ وغیرہ نے بھی یہی قول اکثر سے نقل کیا ہے۔ امام خطابیؒ بیان کرتے ہیں کہ امام ابوعبیدہؒ نے کہا کہ "اسی پر لوگوں کی جماعت ہے۔" اور امام ابن منذرؒ نے یہی قول حضرت عمر بن خطاب، حضرت ابن عباس، حضرت انس، حضرت عثمان بن ابی العاص، حضرت عائذ بن عمرو، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم، امام ثوری، امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام ابن مبارک

---

(۱) [حسن : صحيح أبو داود (۳۰٤) كتاب الطهارة : باب ما جاء في وقت النفساء، أحمد (۳۰۰/٦ـ۳۰٤) ترمذى (۱۳۹) ابن ماجة (٦٤۸) دارقطنى (۲۲۱/۱ـ۲۲۲) حاكم (۱۷٥/۱) بيهقى (۳٤۱/۱)]

(۲) [ضعيف : ضعيف ابن ماجة (۱۳۸) كتاب الطهارة وسننها : باب ما جاء في النفساء كم تجلس، إرواء الغليل (۲۰۱) الضعيفة (٥٦٥۳) عبدالرزاق (۳۱۲/۱) دارقطنى (۲۲۰/۱) بيهقى (۳٤۳/۱) حافظ بوصیریؒ نے زوائد میں اس حدیث کی سند کو صحیح کہا ہے۔ (۲۳۲/۱)]

(۳) [المجموع (٥۳۹/۲) المغنى (۳٤٥/۱) المحلى (۲۰۳/۲) الإفصاح (۱۰۸/۱) بدائع الصنائع (٤۱/۱) مراقى الفلاح (ص/۲۳) مغنى المحتاج (۱۱۹/۱) حاشية الباجورى (۱۱۳/۱) المهذب (٤٥/۱) كشاف القناع (۲۲٦/۱)]

امام احمدؒ امام اسحاقؒ اور امام ابوعبیدؒ رحمہم اللہ اجمعین سے بیان کیا ہے۔(۱)

(زید بن علیؒ) نفاس چالیس دن سے زیادہ نہیں ہوتا۔(۲)

(صدیق حسن خانؒ) یہی بات برحق ہے۔(۳)

(شوکانیؒ) نفاس والی خواتین پر چالیس دن عدت گزارنا واجب ہے۔(٤)

(عبدالرحمن مبارکپوریؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٥)

(ترمذیؒ) صحابہؓ تابعین اور ان کے بعد آنے والے اہل علم کا اس پر اجماع ہے۔(٦)

(راجح) یہی موقف راجح و برحق ہے۔

99- اگر چالیس دن کے بعد بھی خون آ تا رہے؟

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ''اکثر اہل علم نے یہی کہا ہے کہ چالیس دن کے بعد نماز نہیں چھوڑے گی۔''(۷)

(شیخ عبدالرحمن بن ناصر سعدیؒ) اگر چالیس دن کے بعد خون آئے گا تو اس کا حکم نفاس والی عورت کا ہی ہوگا۔(۸)

(شیخ عثیمینؒ) اگر تو عورت کی عادت پہلے سے ہی چالیس دن سے زائد ہے تو وہ عادت کے مطابق عمل کرے گی اور اگر ایسا نہیں تو پھر اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ غسل کر کے نماز' روزہ اور دیگر عبادات سرانجام دے گی اور مستحاضہ کے حکم میں ہوگی' اور بعض نے کہا ہے کہ وہ ساٹھ دن تک انتظار کرے گی اس کے بعد وہ مستحاضہ کی مانند شمار ہوگی۔(۹)

(شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ) اگر تو اس کی پہلے سے یہ عادت ہے تو وہ اسی کے مطابق عمل کرے گی اور اگر ایسا نہیں ہے تو وہ چالیس دن پورے کرنے کے بعد غسل کر کے روزے اور نماز ادا کرے گی۔(۱۰)

(راجح) شیخ محمد بن ابراہیمؒ کا قول ہی راجح معلوم ہوتا ہے۔(واللہ اعلم)

---

(۱) [المجموع (۲/٥۲٤)]

(۲) [الروض النضير (۱/٥۱۳)]

(۳) [الروضة الندية (۱/۱۹۱)]

(٤) [نيل الأوطار (۱/٤۱٤)]

(٥) [تحفة الأحوذی (۱/٤٥۲)]

(٦) [ترمذی (بعد الحديث/ ۱۳۹) كتاب الطهارة : باب ما جاء فی كم تمكث النفساء]

(۷) [ترمذی (بعد الحديث/ ۱۳۹) كتاب الطهارة : باب ما جاء فی كم تمكث النفساء]

(۸) [فتاوی المرأة المسلمة (۱/۳۰۰)]

(۹) [فتاوی المرأة المسلمة (۱/۳۰۳)]

(۱۰) [فتاوی المرأة المسلمة (۱/۲۹۷)]

وَلَاحَدَّ لِأَقَلِّهِ وَهُوَ كَالْحَيْضِ	اس کی کم از کم کوئی حد مقرر نہیں ہے ❶ اور یہ (احکام و مسائل میں) حیض کی طرح ہے۔ ❷

❶ بیشتر دیگر مسائل کی طرح اس میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے۔

(شافعیؒ، احمدؒ) نفاس کی کم از کم کوئی مدت نہیں۔

(ابو حنیفہؒ، ابو یوسفؒ) اس کی کم از کم مدت گیارہ دن ہے۔

(ثوریؒ) یہ مدت تین دن ہے۔

(زید بن علیؒ) پندرہ دن مدت کے قائل ہیں۔

(ابن قدامہ حنبلیؒ) اس کی کم از کم کوئی مدت نہیں ہے جب بھی وہ پاکی محسوس کرے تو غسل کر لے اس کے بعد وہ پاک ہے۔(۱)

(راجح) پہلا قول راجح ہے کیونکہ صحابہ' تابعین اور ان کے بعد والے علماء کا اجماع ہے کہ نفاس والی عورتیں چالیس دن نماز چھوڑیں گی اِلا کہ اس سے پہلے پاکی محسوس کر لیں تو غسل کر کے نماز پڑھیں گی۔(۲) اور گذشتہ صفحات میں ایک حدیث میں بھی یہی لفظ بیان کیے گئے ہیں ﴿إلا أن ترى الطهر قبل ذلك﴾ "یہ الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ کم از کم نفاس کی کوئی مدت نہیں۔

❷ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿كانت المرأة من نساء النبي ﷺ تقعد في النفاس أربعين ليلة لا يأمرها النبي ﷺ بقضاء صلاة النفاس﴾ "نبی ﷺ کی بیویوں میں سے (کوئی بھی) عورت چالیس راتیں انتظار کرتی تھی اور نبی ﷺ اسے حالت نفاس میں چھوڑی ہوئی نمازوں کی قضائی کا حکم نہیں دیتے تھے۔"(۳)

علماء کا اس مسئلے میں اجماع ہے کہ نفاس ان تمام چیزوں میں' جو حلال و حرام ہوں یا مکروہ و مستحب ہوں' حیض کی طرح ہی ہے۔(٤)

(صدیق حسن خانؒ) نفاس "جماع کی حرمت' نماز اور روزہ چھوڑنے میں حیض کی طرح ہے۔" اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔(٥)

(شوکانیؒ) یہی بات درست ہے۔(٦)

(ابن قدامہ حنبلیؒ) نفاس والی خواتین کا حکم وہی ہے جو حائضہ کا ہے ان تمام اشیاء میں جو اس پر حرام ہوتی ہیں یا اس سے

---

(۱) [الأم (٦٤/١) المجموع (٢٢٨/١) المغني (٢٢٥/١) الأصل (٤٥٨/١)]

(۲) [نيل الأوطار (٤١٤/١ ـ ٤١٥)]

(۳) [حسن : صحيح أبو داود (٣٠٥) كتاب الطهارة : باب ما جاء في وقت النفساء ' أبو داود (٣١٢) حاكم (١٧٥/١) بيهقي (٣٤١/١) دارقطني (٢٢٣/١)]

(٤) [نيل الأوطار (٤١٥/١) المجموع (٥٢٠/٢)]

(٥) [الروضة الندية (١٩٢/١)]

(٦) [السيل الجرار (١٥٠/١)]

ساقط ہوتی ہیں اور ہمیں اس مسئلہ میں کسی اختلاف کا علم نہیں ہے......اور یہ (حکم) اس لیے ہے کیونکہ نفاس کا خون فی الحقیقت حیض کا خون ہی ہے' صرف حمل کی مدت میں اس کا خروج اس لیے رک جاتا ہے کیونکہ یہ حمل کی غذا بننا شروع ہو جاتا ہے اور جب حمل وضع ہو جاتا ہے تو یہ دوبارہ خارج ہونا شروع ہو جاتا ہے۔(۱)

متفرقات

100- کیا حاملہ حائضہ ہو سکتی ہے؟

اس مسئلے میں فقہاء کی دو آراء ہیں:

(مالکیہ، شافعیہ) حاملہ عورت بعض اوقات حائضہ بھی ہو جاتی ہے۔ اس کی دلیل "آیتِ محیض" کا اطلاق ہے اور یہ بھی کہ حیض عورت کی طبیعت سے ہے۔(۲)

(احناف، حنابلہ) بلاشبہ حاملہ خاتون حائضہ نہیں ہو سکتی۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال پر صرف دو حالتوں میں طلاق کا حکم دیا ﴿ثم ليطلقها طاهرا أو حاملا﴾ "پھر وہ پاکی کی حالت میں یا حالت حمل میں طلاق دے۔"(۳)

محل شاہد یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حمل کو بعینہ حیض نہ ہونے کی علامت قرار دیا جس طرح طہر کو اس کی علامت کہا۔(٤)

(شیخ عبدالرحمٰن بن ناصر سعدی) امام احمدؒ سے دوسری روایت یہ ہے کہ بعض اوقات حاملہ بھی حائضہ ہو جاتی ہے اور یہی صحیح ہے......اور اسی کو ہم نے اختیار کیا ہے۔(٥)

101- حائضہ عورت کے ساتھ کھانا پینا کیسا ہے؟

حائضہ کے ساتھ خورد و نوش میں شرکت کرنا حتی کہ اس کا جوٹھا کھانا بھی جائز ہے جیسا کہ دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہودیوں میں جب کوئی عورت حائضہ ہو جاتی تو وہ اس کے ساتھ کھانا پینا اور گھروں میں میل جول رکھنا چھوڑ دیتے تھے۔ صحابہ کرام نے نبی ﷺ سے دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ﴾ [البقرة: ۲۲۲] تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿اصنعوا كل شيء إلا النكاح﴾ "تم ان

---

(۱) [المغنى (۴۳۲/۱)]

(۲) [بداية المجتهد (۱/۵۱) الشرح الصغير (۲۱۱/۱) مغنى المحتاج (۱۱۸/۱)]

(۳) [بخاری (۷۱٦۰) كتاب الأحكام: باب هل يقضى القاضى أو يفتى وهو غضبان، مسلم (۱۰۹۵) كتاب الطلاق: باب تحريم طلاق الحائض بغير رضاها، أبو داود (۵۰۰/۱) عارضة الأحوذى (۱۲۳/۵) دارمى (۱٦۰/۲) مؤطا (۵۷٦/۲) أحمد (۴۳/۲-۵۱)]

(٤) [الدر المختار (۲٦۳/۱) المغنى (۳٦۱/۱) كشاف القناع (۲۳۲/۱)]

(٥) [الفتاوى السعدية (ص/۱۳٤) فتاوى المرأة المسلمة (۲٦٦/۱)]

سے ہر طرح کا فائدہ اٹھا سکتے ہو البتہ جماع وہم بستری نہیں کر سکتے۔“ (۱)

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ﴿كنت أشرب وأنا حائض ثم أناوله النبي ﷺ فيضع فاه على موضع في فيشرب وأتعرق العرق وأنا حائض ثم أناوله النبي ﷺ فيضع فاه على موضع في﴾ ”میں حالت حیض میں پانی پیتی اس کے بعد وہ برتن نبی ﷺ کو دیتی۔ آپ ﷺ میرے ہونٹوں کی جگہ پر اپنے ہونٹ رکھتے اور پانی پیتے‘ اور جب (دانتوں کے ساتھ) ہڈی سے گوشت اتارتی جبکہ میں حائضہ ہوتی اس کے بعد میں وہ ہڈی نبی ﷺ کو دیتی‘ آپ ﷺ اپنے دانت میرے دانتوں کی جگہ پر رکھتے۔“ (۲)

(طبریؒ) حائضہ کے ساتھ کھانے پینے کے جواز پر اجماع ہے۔ (۳)

(ترمذیؒ) (حائضہ کے ساتھ کھانا جائز ہے) یہی عام اہل علم کا قول ہے اور وہ (یعنی علماء) حائضہ کے ساتھ کھانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ (٤)

102- طواف بیت اللہ کے علاوہ حائضہ تمام مناسک ادا کرے گی

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ ﴿فافعلي ما يفعل الحاج غير أن لا تطوفي بالبيت حتى تطهري﴾ ”تم پاکیزہ ہونے تک بیت اللہ کے طواف کے علاوہ وہ تمام کام کرو جو حاجی کرتے ہیں۔“ (٥)

103- حائضہ عورت اپنے خاوند کے سر میں کنگھی کر سکتی ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ﴿كنت أرجل رأس رسول الله وأنا حائض﴾ ”میں رسول اللہ ﷺ کے سر میں کنگھی کیا کرتی تھی اور میں حائضہ ہوتی تھی۔“ (٦)

104- خاوند اپنی حائضہ بیوی کی گود میں قرآن پڑھ سکتا ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿أن النبي ﷺ كان يتكئ في حجري وأنا حائض ثم يقرأ القرآن﴾ ”نبی ﷺ میری گود میں ٹیک لگا لیتے اور میں حائضہ ہوتی پھر آپ ﷺ قرآن پڑھتے تھے۔“ (۷)

---

(۱) [مسلم (۳۰۲) كتاب الحيض : باب جواز غسل الحائض رأس زوجها و ترجيله ‘ أبو داود (۲۵۸) ترمذی (۲۹۷۷) نسائی (۱۸۷/۱) ابن ماجة (٦٤٤) بيهقی (۳۱۳/۱) ابن حبان (۱۳۵۲) أبو عوانة (۳۱۱/۱) أحمد (۱۳۲/۳) دارمی (۲٤٥/۱)]

(۲) [مسلم (۳۰۰) أيضا ‘ أبو داود (۲۵۹) نسائی (٥٦/۱) ابن ماجة (٦٤۳) أحمد (٦۲/٦) حمیدی (١٦٦) ابن خزيمة (۱۱۰)]

(۳) [تفسير طبری (۳۹۷/۲)]

(٤) [ترمذی (بعد الحديث ۱۳۳)]

(٥) [بخاری (۳۰٥) كتاب الحيض : باب تقضى الحائض المناسك كلها إلا الطواف بالبيت]

(٦) [بخاری (۲۹٥) كتاب الحيض : باب غسل الحائض رأس زوجها و ترجيله]

(۷) [بخاری (۲۹۷) كتاب الحيض : باب قراءة الرجل فی حجر امرأته وهی حائض]

105- حیض آلود کپڑا دھونا

چونکہ حیض کا خون نجس و پلید ہے لہذا جس کپڑے کو یہ خون لگ جائے اسے دھونا ضروری ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿إذا أصاب ثوب إحداكن الدم من الحيضة فلتقرصه ثم لتنضحه بماء ثم لتصلي فيه﴾ ''جب تم میں سے کسی عورت کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو اسے چاہیے کہ اس کپڑے کو ملے پھر اس پر پانی کے چھینٹے مارے پھر اس میں نماز پڑھے۔''(۱)

106- حائضہ کے ساتھ سونا جائز ہے

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ چادر میں لیٹی ہوئی تھی اتنے میں مجھ کو حیض آ گیا اور میں نکل بھاگی اور اپنے حیض کے کپڑے سنبھالے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تجھے نفاس (یعنی حیض) ہوا ہے؟ تو میں نے کہا جی ہاں! ﴿فدعاني فأدخلني معه في الخميلة﴾ ''پھر آپ ﷺ نے مجھے بلایا اور اپنے ساتھ چادر میں داخل کر لیا۔''(۲)

107- حائضہ عورت اور عیدین

حائضہ عورت پر عید کے دن عید گاہ میں جا کر مسلمانوں کی دعا میں شریک ہونا ضروری ہے۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ فرماتے تھے ''دیگر خواتین کی طرح حائضہ عورتیں بھی خیر اور مسلمانوں کی دعوت میں شریک ہوں لیکن نماز کی جگہ سے الگ رہیں۔(۳)

108- حائضہ عورت بوقت ضرورت مسجد میں داخل ہو سکتی ہے

نبی ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا ﴿ناوليني الخمرة من المسجد﴾ ''مجھے مسجد سے مصلی پکڑاؤ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کہا میں تو حائضہ ہوں اس پر نبی ﷺ نے فرمایا ﴿إن حيضتك ليست في يدك﴾ ''کہ تیرا حیض تیرے ہاتھ میں نہیں ہے۔''(۴)

109- حالت حیض میں عورت کو طلاق دینا حرام ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات نبی ﷺ کو بتلائی تو آپ ﷺ ناراض ہو گئے پھر آپ ﷺ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو رجوع کا حکم دینے کے بعد فرمایا ''اسے چاہیے کہ وہ اسے پاکیزگی کی حالت میں یا حالت حمل میں طلاق دے۔''(۵)

---

(۱) [بخاری (۳۰۷) كتاب الحيض : باب غسل دم الحيض]

(۲) [بخاری (۳۲۲) كتاب الحيض : باب النوم مع الحائض وهي في ثيابها]

(۳) [بخاری (۳۲٤) كتاب الحيض : باب شهود الحائض العيدين ودعوة المسلمين ويعتزلن المصلى]

(٤) [مسلم (۲۹۹) كتاب الحيض : باب جواز غسل الحائض رأس زوجها و ترجيله]

(٥) [بخاری (۷۱٦۰) كتاب الأحكام : باب هل يقضي القاضي أو يفتي وهو غضبان ' مسلم (۱۰۹٥) كتاب الطلاق : باب تحريم طلاق الحائض بغير رضاها ' أبو داود (۲/۱۰۰٥) عارضة الأحوذي (٥/۱۲۳) دارمي (۲/۱٦۰) موطا (۲/٥۷٦) أحمد (۲/۲٦)]

110- اگر عورت کو وقفے وقفے سے حیض آئے؟

یعنی بالفرض عورت کو چار دن حیض آئے پھر تین دن بعد دوبارہ آنے لگے تو وہ کیا کرے؟ اس مسئلے میں راجح موقف یہی ہے کہ وہ جب خون کو دیکھے نماز روزہ ترک کر دے اور اس کا خاوند بھی اس سے مباشرت نہ کرے اور جب خون ختم ہو جائے' خواہ وہ درمیانی وقت ہو یا اس کے علاوہ' وہ غسل کر کے پاکیزہ خواتین کی طرح تمام افعال سرانجام دے اور اگر عادت کے ایام میں کچھ کمی بیشی ہو جائے تو پھر وہ اسی اصول پر عمل کرے گی (یعنی عادت کے ایام پورے کرے گی)۔(۱)

111- مستحاضہ عورت سے جماع کرنا جائز ہے۔

(1) حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ بلاشبہ وہ مستحاضہ ہوتیں ﴿وكان زوجها يجامعها﴾ ''اور ان کا خاوند ان سے جماع وہم بستری کرتا تھا۔''(۲)

(2) حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا استحاضہ کی بیماری میں مبتلا ہوتی تھیں ﴿فكان زوجها يغشاها﴾ ''اور ان کا خاوند ان سے مباشرت کرتا تھا۔''(۳)

(جمہور) اسی کے قائل ہیں۔(٤)

112- کیا (سن یاس) حیض ختم ہونے کی آخری عمر مقرر ہے؟

(شیخ عثیمینؒ) حیض ختم ہونے کی کوئی معین عمر نہیں ہے بلکہ جب بھی حیض کا خون ختم ہو جائے کہ اس کے دوبارہ آنے کی امید باقی نہ رہے تو وہی اس کی عمر ہو گی۔(٥)

(راجح) یہی موقف راجح ہے۔(٦)

113- ولادت کے بعد اگر نفاس کا خون نہ آئے......

تو کیا ایسی عورت پر نماز' روزہ ضروری ہے یا نہیں؟

ایسی عورت کے متعلق ''سعودی مجلس افتاء'' کا یہی فتوی ہے کہ جب حمل وضع ہو جائے اور خون نہ نکلے تو اس عورت پر غسل' نماز اور روزہ (سب) واجب ہے اور غسل کے بعد اس کے خاوند کے لیے اس سے جماع بھی جائز ہے۔(۷)

---

(۱) [فتاوی ابن باز مترجم (۱/۵۵) الفتاوى السعدية (ص/۱۳۵) فتاوى المرأة المسلمة (۱/۲٦۷)]

(۲) [حسن : صحيح أبو داود (۳۰۳) كتاب الطهارة : باب المستحاضة يغشاها زوجها' أبو داود (۳۱۰)]

(۳) [صحيح : صحيح أبو داود (۳۰۲) أيضا' أبو داود (۳۰۹)]

(٤) [نيل الأوطار (۱/٤۱۱)]

(٥) [فتاوى المرأة المسلمة (۱/۲٦۸) فتاوى الحرم (ص/۲۸٦) مجموع فتاوى عثيمين (٤/۲۷۰)]

(٦) [المجموع (۲/۳۷٤)]

(۷) [فتاوى اللجنة (۱/٤۲۰)]

114- نفاس والی عورت کو اگر وقفے وقفے سے خون آئے؟

نفاس والی عورت اگر چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے لیکن کچھ دنوں بعد چالیس دن کے اندر اسے دوبارہ خون آنے لگے تو کیا اسے نفاس ہی سمجھا جائے گا؟

اگر وہ عورت چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے اور نماز' روزہ اور دیگر عبادات ادا کرنے لگے لیکن اس کے بعد دوبارہ خون آ جائے تو صحیح بات یہی ہے کہ چالیس دنوں کی مدت کے اندر اسے نفاس ہی سمجھا جائے گا اور جو روزے' نمازیں اور حج اس نے حالت طہارت میں ادا کیے تھے وہ سب صحیح ہیں ان میں سے کسی بھی چیز کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔(۱)

115- حائضہ کے لیے قراءت قرآن

قراءت قرآن اور قرآن پکڑنا وغیرہ جیسے مسائل" باب الغسل "میں گزر چکے ہیں نیز نفاس والی عورت کا بھی یہی حکم ہے۔

116- مانع حیض ادویات استعمال کرنا

(شیخ عثیمینؒ) عورت کے لیے حیض روکنے والی ادویات استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جبکہ اسے صحت کے حوالے سے کوئی ضرر ونقصان نہ ہو بشرطیکہ وہ اپنے خاوند سے اجازت لے کر ایسا کرے۔

لیکن فی الواقع ایسی ادویات ضرر سے عاری نہیں ہوتیں اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ حیض کا خون طبعی طور پر خارج ہوتا ہے لہذا جب کسی طبعی چیز کو اس کے وقت میں روک دیا جاتا ہے تو اس سے جسم میں نقصان کا حصول ناگزیر ہوتا ہے اور اسی طرح ایسی ادویات کا نقصان یہ بھی ہے کہ یہ عورت پر اس کی عادت حیض میں اختلاط واختلاف ڈال دیتی ہیں جس بنا پر وہ اضطراب و پریشانی کا شکار رہتی ہے اور نماز یا خاوند کی اس سے مباشرت اور اس کے علاوہ دیگر افعال میں بھی تشکیک کا محور ہوتی ہے اس لیے میں اسے حرام تو نہیں کہتا لیکن عورت کے لیے اسے پسند اس لیے نہیں کرتا کیونکہ اس میں نقصان کا اندیشہ ہے۔

عورت کے لیے یہی بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اس کی تقدیر میں لکھ دیا ہے اسی پر رضامند رہے۔ نبی ﷺ حجۃ الوداع کے سال ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو وہ رو رہی تھیں اور انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا ہوا تھا اس پر آپ ﷺ نے فرمایا" تمہیں کیا ہوا ہے؟ شاید کہ تم حائضہ ہو گئی ہو؟" انہوں نے کہا "ہاں" پھر آپ ﷺ نے فرمایا ﴿هذا شيئ كتبه الله على بنات آدم﴾ "یہ تو ایسی چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی بیٹیوں پر لازم قرار دیا ہے۔"

اس لیے عورت کو چاہیے کہ صبر و احتساب سے ہی کام لے اور جب حیض کی وجہ سے نماز و روزہ میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے تو ذکر کا دروازہ بلاشبہ کھلا ہوا ہے وہ اللہ کا ذکر کرے' تسبیح بیان کرے' صدقہ و خیرات کرے' قول وفعل سے لوگوں پر احسان کرے' یہی افضل ترین کام ہے۔(۲)

(۱) [فتاوی ابن باز مترجم (۵۴/۱)]

(۲) [مجموع الفتاوی شیخ عثیمین (۲۸۳/۴) فتاوی المرأة المسلمة (۲٦۹/۱)]

كتاب الصلاة

نماز کے مسائل

- باب مواقيت الصلاة — اوقات نماز کا بیان
- باب الأذان — آذان کا بیان
- باب شروط الصلاة — نماز کی شرائط کا بیان
- باب كيفية الصلاة — نماز کی کیفیت کا بیان
- باب متى تبطل الصلاة و عمن تسقط — نماز کب باطل ہوتی ہے اور کس سے ساقط ہوتی ہے

  پہلی فصل : وہ افعال جو نماز میں جائز نہیں

  دوسری فصل: پانچ نمازیں کس پر واجب ہیں اور کس سے ساقط ہیں
- باب صلاة التطوع — نفل نماز کا بیان
- باب صلاة الجماعة — باجماعت نماز کا بیان
- باب سجود السهو — سجدہ سہو کا بیان
- باب القضاء للفوائت — فوت شدہ نمازوں کی قضا کا بیان
- باب صلاة الجمعة — نماز جمعہ کا بیان
- باب صلاة العيدين — نماز عیدین کا بیان
- باب صلاة الخوف — نماز خوف کا بیان
- باب صلاة السفر — نماز سفر کا بیان
- باب صلاة الكسوف — نماز کسوف کا بیان
- باب صلاة الاستسقاء — نماز استسقاء کا بیان

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾

[الروم:۳۱]

"نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔"

حدیث نبوی ہے کہ

﴿رأس الأمر الإسلام وعموده الصلاة﴾

"(ہر) معاملے کی اصل اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے۔"

[ترمذی (٢٦١٦) كتاب الإيمان : باب ماجاء في حرمة الصلاة]

کتاب الصلاۃ ❶

نماز کے مسائل

باب أوقات الصلاۃ — اوقات نماز کا بیان

اَوَّلُ وَقْتِ الظُّهْرِ الزَّوَالُ	ظہر کا ابتدائی وقت سورج ڈھلنے سے شروع ہوتا ہے۔ ❷

❶ **لغوی وضاحت:** اس کا معنی دعا' نماز' تسبیح اور رحمت وغیرہ مستعمل ہے' یہ مصدر ہے باب صَلَّى يُصَلِّي (تفعیل) سے' لفظ مُصَلّٰی "جائے نماز" اسی سے مشتق ہے نیز اس کی جمع "صلوات" آتی ہے۔(۱)

اصطلاحی تعریف: ایسی معروف عبادت کا نام ہے کہ جس میں رکوع وسجود ہوتے ہیں' ابتداء تکبیر کے ساتھ اور انتہاء تسلیم کے ساتھ ہوتی ہے۔(۲)

مشروعیت: نماز کی مشروعیت کے دلائل میں سے چند حسب ذیل ہیں:

(1) ﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ﴾ [البینة:٥] "انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں' اسی کے لیے دین کو خالص رکھیں (ابراہیم) حنیف کے دین پر' اور نماز کو قائم رکھیں اور زکوۃ دیتے رہیں۔"

(2) ﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ [الروم:٣١] "نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔"

(3) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿بني الإسلام على خمس شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدا عبده ورسوله وإقام الصلاة وإيتاء الزكوة والحج وصوم رمضان﴾ "اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں' نماز قائم کرنا' زکوۃ ادا کرنا' حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔"(۳)

(4) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ "شب معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پچاس (50) نمازیں فرض کی گئیں' پھر پانچ (5) نمازوں تک کمی کر دی گئی اس کے بعد اعلان کر دیا گیا کہ ﴿یا محمد! إنه لا يبدل القول لدى وإن لك بهذه الخمس خمسين﴾ "اے محمد! بلاشبہ میرے نزدیک قول کو تبدیل نہیں کیا جاتا اور تمہارے لیے ان پانچ نمازوں کے بدلے پچاس نمازوں کا

---

(۱) [القاموس المحيط (ص/١١٧٣) المنجد (ص/٤٧٩)]

(۲) [أنيس الفقهاء (ص/٦٧) القاموس المحيط (ص/١١٧٣) الفقه الإسلامي وأدلته (٦٥٣/١)]

(۳) [بخاری (٨) کتاب الإيمان : باب بني الإسلام على خمس' مسلم (١٦) ترمذی (٢٦٩) نسائی (١٠٧/٨) أحمد (١٢٠/٢) حمیدی (٧٠٣) ابن خزيمة (٣٠٨) أبو يعلى (٥٧٨٨) ابن حبان (١٥٨) بیهقی (٨١/٤) شرح السنة (٦٤/١)]

اجر ہوگا۔''(۱)

(5) • حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دیہاتی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﴿أخبرني ما فرض الله علي من الصلاة؟ قال الصلوات الخمس إلا أن تطوع﴾ ''مجھے خبر دیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نماز کا کتنا حصہ فرض کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: صرف پانچ نمازیں فرض ہیں اس کے علاوہ نفلی طور پر تم نماز ادا کر سکتے ہو۔(۲)

117- تارک نماز کا شرعی حکم

نماز ارکان اسلام میں بلاتر دد عظیم درجے کی حامل ہے مزید برآں اسے دین کا ستون قرار دیا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ سے بیشتر احادیث میں اس کی بہت زیادہ فضیلت بھی منقول ہے۔ اس کی اس اہمیت وفضیلت کے باعث اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کم وبیش اسی (80) مرتبہ اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وجوب نماز کا انکار کرتے ہوئے اسے چھوڑنے والا بالاتفاق کافر ہے جبکہ اس کے وجوب کے اعتقاد کے ساتھ سستی وکاہلی سے چھوڑنے والے کے شرعی حکم میں فقہائے امت کا اختلاف ہے لیکن راجح موقف یہی ہے کہ صرف جان بوجھ کر دائمی طور پر نماز چھوڑ دینے والا ہی کافر ہے اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) مشرکین کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ﴾ [التوبة : ۱۱] ''اگر یہ لوگ توبہ کر لیں اور نماز قائم کر لیں اور زکوۃ ادا کرنے لگیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔''

اس آیت سے از خود یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو تمہارے دینی بھائی نہیں ہیں اور یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ دینی بھائی چارہ صرف اسلام سے خارج ہونے سے ہی ختم ہوتا ہے۔

(2) ﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ [الروم : ۳۱] ''نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔'' اس آیت کا یقیناً مفہوم یہی ہے کہ جو نماز چھوڑ دیتا ہے وہ مشرکوں میں سے ہے۔

(3) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿بين الرجل وبين الكفر والشرك ترك الصلاة﴾ ''کفر وشرک اور (مسلمان) بندے کے درمیان فرق نماز کا چھوڑ دینا ہے۔''(۳)

(4) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿بين العبد وبين الكفر والإيمان الصلاة فإذا

---

(۱) [صحيح : صحيح ترمذي (۱۷٦) كتاب الصلاة : باب كم فرض الله على عباده من الصلوات، ترمذي (۲۱۳) نسائي (۲۲۱/۱) أحمد (۱٦۱/۳)]

(۲) [موطا (۱۷۵/۱) كتاب النداء للصلاة : باب جامع الترغيب في الصلاة، بخاري (٤٦) مسلم (۱۱) أبو داود (۳۹۱) أحمد (۱٦۲/۱) نسائي (۲۲٦/۱) بيهقي (۳٦۱/۱) أبو عوانة (۳۱۰/۱) مشكل الآثار (۳۵٦/۱)]

(۳) [مسلم (۸۲) كتاب الإيمان : باب بيان إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، أحمد (۳۷۰/۳) دارمي (۲۸۰/۱) أبو داود (٤٦۷۸) ترمذي (۲٦۱۸) ابن ماجة (۱۰۷۸) الحلية لأبي نعيم (۲۵٦/۸) بيهقي (۳٦٦/۳)]

ترکھا فقد أشرك﴾ ''بندے اور کفر وایمان کے درمیان (فرق کرنے والی) نماز ہے پس جب اس نے اسے ترک کر دیا تو اس نے شرک کیا۔''(۱)

(5) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿العهد الذي بيننا و بينهم الصلاة فمن تركها فقد كفر﴾ ''ہمارے اور کافروں کے درمیان عہد نماز ہے جس نے اسے چھوڑ دیا اس نے کفر کیا۔''(۲)

(6) حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿و لا تترك صلاة مكتوبة متعمدا فمن تركها متعمدا فقد برئت منه الذمة﴾ ''تم فرض نماز جان بوجھ کر نہ چھوڑو پس جس شخص نے فرض نماز جان بوجھ کر چھوڑ دی تو اس سے امن وامان کا ذمہ ختم ہو گیا۔''(۳)

(7) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿من حافظ عليها كانت له نورا و برهانا و نجاة يوم القيمة و من لم يحافظ عليها لم تكن له نورا و لا برهانا و لا نجاة و كان يوم القيمة مع قارون و فرعون و هامان و أبي بن خلف﴾ ''جس شخص نے نماز کی حفاظت کی' نماز اس کے لیے روشنی' دلیل اور قیامت کے دن نجات کا باعث ہو گی اور جس شخص نے نماز کی حفاظت نہ کی تو نماز اس کے لیے روشنی' دلیل اور نجات کا باعث نہیں ہو گی بلکہ وہ شخص قیامت کے دن قارون' فرعون' ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہو گا۔''(٤)

(8) حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كان أصحاب رسول الله لا يرون شيئا من الأعمال تركه كفر غير الصلاة﴾ ''رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نماز کے علاوہ اعمال میں سے کسی چیز کو چھوڑنا بھی کفر نہیں سمجھتے تھے۔''(٥)

(9) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ﴿لا حظ في الإسلام لمن ترك الصلاة﴾ ''نماز چھوڑنے والے کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔''(٦)

(جمہور' مالکؒ' شافعیؒ) وجوب کا اعتقاد رکھتے ہوئے محض تساہل و تکاسل کے باعث اگر نماز چھوڑ دے تو وہ کافر نہیں ہو گا بلکہ فاسق ہو جائے گا' اگر وہ توبہ کرے تو ٹھیک ورنہ شادی شدہ زانی کی طرح اسے بطور حد قتل کر دیا جائے گا نیز اسے تلوار کے ساتھ قتل کیا جائے گا۔

---

(۱) [صحیح : شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة للالكائي (۸۲۲/٤)] اس کی سند صحیح مسلم کی شرط پر صحیح ہے نیز امام منذریؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ [الترغيب والترهيب (۳۷۹/۱)]

(۲) [صحیح : صحیح ابن ماجة (۸۸٤) المشكاة (۵۷٤) ترمذی (۲٦۲۱) كتاب الإيمان : باب ما جاء في ترك الصلاة ' أحمد (۳٤٦/٥) نسائی (۲۳۱/۱) ابن ماجة (۱۰۷۹) حاكم (٦/۱) ابن أبي شيبة (۳٤/۱۱) دارقطنی (۵۲/۲) بیهقی (۳٦٦/۳)]

(۳) [حسن : المشكاة (۵۸۰) ابن ماجة (٤۰۳٤) كتاب الفتن : باب الصبر على البلاء]

(٤) [جید : أحمد (۱٦۹/۲) دارمی (۳۰۱/۲) مجمع البحرين (۵۲۸) موارد (۲۵٤) مشكل الآثار (۲۲۹/٤)] شیخ البانیؒ رقمطراز ہیں کہ امام منذریؒ نے اس حدیث کی سند کو صحیح کہا ہے۔ [المشكاة (۵۷۸)]

(٥) [صحیح : المشكاة (۵۷۹) ترمذی (۲٦۲۲) كتاب الإيمان : باب ما جاء في ترك الصلاة ' حاكم (۷/۱)]

(٦) [مؤطا (۷٤) كتاب الطهارة : باب العمل فيمن غلبه الدم من جرح أو رعاف]

(احناف) ایسا شخص نہ کافر ہو گا اور نہ ہی اسے قتل کیا جائے گا بلکہ تعزیراً اسے کچھ سزا دی جائے گی اور اس وقت تک قید کر دیا جائے گا جب تک کہ وہ نماز نہ پڑھنے لگے۔

(احمدؒ) بے نماز کو اس کے کفر کی وجہ سے قتل کر دیا جائے گا۔(۱)

(راجح) جان بوجھ کر دائمی طور پر نماز چھوڑ دینے والا کافر ہے اور اگر استطاعت ہو تو اسے قتل کیا جائے گا جیسا کہ دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله ويقيموا الصلاة ويؤتوا الزكوة﴾ ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے قتال کرتا رہوں جب تک کہ وہ اس بات کی گواہی نہ دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور وہ نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں۔''(۲)

(2) اسی حدیث کے پیش نظر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منکرین زکوۃ کے خلاف قتال کیا۔(۳)

(شوکانیؒ) حق بات یہی ہے کہ ایسا شخص کافر ہے اور قتل کا مستحق ہے۔(٤)

(نوویؒ) اگر کوئی شخص نماز چھوڑ دے اس کے اور کفر کے درمیان کوئی حائل باقی نہیں رہ جاتا۔(٥)

(شنقیطیؒ) بے نماز کافر ہے۔(٦)

(عبدالرحمن مبارکپوریؒ) ایسے لوگ اور کافر برابر ہیں۔(۷)

(ابن تیمیہؒ) جو شخص نماز چھوڑ دے پھر اس چھوڑنے پر مصر و قائم رہے اور پھر ایسی حالت میں ہی فوت ہو جائے تو وہ کافر فوت

---

(۱) [الأم (۱/٤٢٤) الحاوی (۲/٥٢٥) روضة الطالبين (۱/٦٦٨) الأصل (۱/٤٠٠) الخرشي على مختصر سيدى خليل (۲/۱۳۸) المغنى (۳/۳٥۱) الإنصاف فى معرفة الراجح من الخلاف (۱/٤٠۱) القوانين الفقهية (ص/٤٢) بداية المجتهد (۱/۸۷) الشرح الصغير (۱/۲۳۸) مغنى المحتاج (۱/۳۲۷) المهذب (۱/٥۱) كشاف القناع (۱/۲٦۳) الدر المختار (۱/۲۳۸) مغنى المحتاج (۱/۳۲۷) المهذب (۱/٥۱) كشاف القناع (۱/۲٦۳) الدر المختار (۱/۳۲٦) مراقى الفلاح (ص/٦٠)]

(۲) [بخارى (۲٥) كتاب الإيمان : باب فان تابوا وأقاموا الصلاة وآتوا الزكوة......' مسلم (۲۲) دارقطنى (۱/۲۳۲) بيهقى (۳/۹۲) ابن حبان (۱۷٤) حاكم (۱/۳۸۷) دارقطنى (۱/۲۳۱) شرح معانى الآثار (۳/۲۱۳) أحمد (۲/۳٤٥) ابن ماجة (۳۹۲۷)]

(۳) [نسائى (۷ـ ۷٦) أبو يعلى (٦۸) ابن خزيمة (۲٤٤۷) حاكم (۱/۳٦۸) مجمع الزوائد (۱/۳٠)]

(٤) [نيل الأوطار (۱/٤٢٤)]

(٥) [شرح مسلم للنووى (٤/۱۷۸)]

(٦) [أضواء البيان (٤/۳۱۱)]

(۷) [تحفة الأحوذى (۷/٤٠۷)]

ہوا ہے۔(۱)

(ابن قیمؒ) انہوں نے ایسے لوگوں پر اظہار تعجب کیا ہے کہ جو وجوب نماز کا اعتقاد رکھنے کے باوجود اسے چھوڑنے والوں کو کافر نہیں سمجھتے۔(۲)

(شیخ عثیمینؒ) بے نماز کافر ہے۔(۳)

(شیخ ابن جبرینؒ) جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی اس پر کفر کا ہی حکم لگایا جائے گا۔(٤)

(سعودی مجلس افتاء) جو شخص سستی و کوتاہی سے (عمداً بلا عذر) نماز چھوڑ دیتا ہے علماء کے اقوال میں سے صحیح یہی ہے کہ وہ کافر ہو جاتا ہے۔(٥)

118- بچوں کو نماز کا حکم تربیت کے لیے ہے نہ کہ وجوب کے لیے

کیونکہ بلوغت تک بچے مکلف نہیں ہیں۔

(1) حضرت عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿مروا صبيانكم بالصلاة لسبع سنين واضربوهم عليها لعشر سنين﴾ ''اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہوں اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز چھوڑنے پر مارو۔''(٦)

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتى يستيقظ وعن الصبي حتى يحتلم وعن المجنون حتى يعقل﴾ ''تین آدمیوں سے (گناہ لکھنے کا) قلم اٹھا لیا گیا ہے' سونے والے سے اس کے بیدار ہونے تک' بچے سے اس کے بالغ ہونے تک اور پاگل سے اس کے سمجھدار ہونے تک۔''(٧)

119- کافر پر مسلمان ہونے کے بعد گذشتہ نمازوں کی قضائی نہیں

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿أن الإسلام يهدم ما كان قبله﴾ ''اسلام پہلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔''(٨)

---

(۱) [الصارم المسلول (٥٥٤) مجموع الفتاوى (٩٧/٢٠)]

(۲) [كتاب الصلاة (ص/٦٢)]

(۳) [رسالة : حكم تارك الصلاة]

(٤) [الفتاوى الإسلامية (٢٩٦/١)]

(٥) [الفتاوى الإسلامية (٣١١/١-٣١٢)]

(٦) [**حسن** : صحيح أبو داود (٤٦٦) كتاب الصلاة : باب متى يؤمر الغلام بالصلاة ' أبو داود (٤٩٥) أحمد (١٨٧/٢) دارقطني (٢٣٠/١)]

(٧) [**صحيح** : صحيح ابن ماجة (١٦٦٠) إرواء الغليل (٢٩٧) أبو داود (٤٣٩٨) كتاب الحدود : باب في المجنون يسرق أو يصيب حدا ' أحمد (١٠٠/٦) ابن ماجة (٢٠٤١) نسائي (١٥٦/٦) دارمي (١٧١/٢)]

(٨) [مسلم (١٢١) كتاب الإيمان : باب كون الإسلام يهدم ما قبله وكذا الهجرة والحج ' أبو عوانة (٧٠/١)]

120- اسلام اوقات نماز کی حفاظت کا درس دیتا ہے

(1) ﴿ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ﴾ [البقرة: ٢٣٨] ''نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص درمیانی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے لیے باادب کھڑے رہا کرو۔''

(2) ﴿ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا ﴾ [النساء: ١٠٣] ''یقیناً نماز مومنوں پر مقررہ وقتوں پر فرض ہے۔''

(3) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا ''اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم پر ایسے امراو حکام ہوں گے جو نماز کو فوت کر دیں گے یا نماز کو اس کے وقت سے تاخیر کر کے ادا کریں گے؟'' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿صل الصلاة لوقتها﴾ ''نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا۔'' (١)

(4) حضرت ام فروہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿الصلاة لأول وقتها﴾ ''اول وقت میں نماز ادا کرنا۔'' (٢)

❷ اوقات نماز سیکھنے کے لیے مندرجہ ذیل احادیث کافی ہیں:

(1) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ وقت الظهر إذا زالت الشمس ﴾ ''نماز ظہر کا وقت زوال آفتاب سے شروع ہوتا ہے'' اور نماز عصر کے وقت کے آغاز تک رہتا ہے' اور عصر کا وقت جب آدمی کا اصلی سایہ اس کے قد کے برابر ہو جائے (تب شروع ہوتا ہے) اور نماز عصر کا آخری وقت سورج کی رنگت زرد ہو جانے تک رہتا ہے' اور نماز مغرب کا وقت (غروب آفتاب کے ساتھ ہی شروع ہوتا ہے اور) شفق کے غائب ہونے تک رہتا ہے' اور عشاء کی نماز کا وقت رات کے درمیانے نصف تک ہے اور نماز فجر کا وقت صبح صادق کے آغاز سے شروع ہو کر طلوع شمس تک رہتا ہے۔''

اور صحیح مسلم میں حضرت بریدۃ رضی اللہ عنہ سے نماز عصر کے بارے میں مروی ہے کہ ﴿والشمس بيضاء نقية ﴾ ''سورج سفید اور بالکل صاف حالت میں ہو'' اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿ والشمس مرتفعة﴾ ''آفتاب بلند ہو'' (اس وقت تک نماز عصر کا وقت رہتا ہے)۔ (٣)

جس حدیث میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت کرانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازوں کے اوقات سکھانا مذکور

---

(١) [أحمد (١٤٧/٥) مسلم (٦٤٨) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب كراهية تاخير الصلاة عن وقتها المختار ......' أبو داود (٤٣١) ترمذی (١٧٦) نسائی (٧٥/٢) ابن ماجة (١٢٥٦) ابن خزيمة (١٦٣٧) أبو عوانة (٤٤٨/٤) ابن حبان (١٤٨٢) عبدالرزاق (٣٧٨٠) بيهقى (٣٠١/٢)]

(٢) [صحيح : المشكاة (٦٠٧) ترمذی (١٠٠) كتاب الصلاة : باب ما جاء فى الوقت الأول من الفضل' أبو داود (٣٦٢)]

(٣) [مسلم (٦١٢) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب أوقات الصلوات الخمس' طيالسى (٢٢٤٩) أحمد (٢١٠/٢) أبو داود (٣٩٦) شرح معانى الآثار (١٥٠/١) بيهقى (٣٦٦/١) أبو عوانة (٣٧١/١)]

ہے وہ حضرت ابن عباس' حضرت ابو ہریرہ' حضرت ابن عمر' حضرت انس' حضرت ابو مسعود' حضرت ابوسعید خدری اور حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور حافظ سیوطیؒ نے ان سب صحابہ سے روایت کی وجہ سے اسے متواتر احادیث میں شمار کیا ہے۔(۱)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بیت اللہ کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دو دن میری امامت کرائی ﴿فصلى بي الظهر حين زالت الشمس﴾ ''انہوں نے مجھے ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج ڈھل گیا اور عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا' مغرب کی نماز اس وقت پڑھائی جب روزے دار روزہ افطار کرتا ہے' عشاء کی نماز سرخی غائب ہونے کے وقت پڑھائی اور صبح کی نماز اس وقت پڑھائی جب روزے دار پر کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے۔ جب دوسرا دن ہوا تو ﴿صلى بي الظهر حين كان ظله مثله﴾ ''حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا' عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کے دو مثل ہو گیا' مغرب کی نماز اس وقت پڑھائی جب روزے دار روزہ افطار کرتا ہے' عشاء کی نماز رات کے تیسرے حصے کے اختتام پر ختم کی اور مجھے فجر کی نماز نہایت روشنی میں پڑھائی۔ اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے محمد! یہ وقت آپ سے پہلے انبیاء کا ہے اور نمازوں کے اوقات ان دونوں وقتوں کے درمیان ہیں۔''(۲)

121- موسم گرما میں نماز ظہر ذرا تاخیر سے ادا کرنا

مستحب ہے' جمہور علماء کا یہی موقف ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا اشتد الحر فأبردوا بالصلاة فإن شدة الحر من فيح جهنم﴾ ''جب گرمی کی شدت ہو تو ٹھنڈے وقت میں نماز پڑھو (یعنی ذرا ٹھنڈا وقت ہونے تک انتظار کرلو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے سانس کی لپیٹ سے پیدا ہوتی ہے۔)''(۳)

علاوہ ازیں نماز ظہر کو کتنا مؤخر کیا جا سکتا ہے اس کا کچھ اندازہ مندرجہ ذیل حدیث سے ہوتا ہے:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كان قدر صلاة رسول الله (الظهر) في الصيف ثلاثة أقدام إلى خمسة أقدام وفي الشتاء خمسة أقدام إلى سبعة أقدام﴾ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ظہر کا اندازہ یہ ہوتا تھا کہ گرمیوں میں انسان کا سایہ تین قدموں سے لے کر پانچ قدموں تک کے مابین ہوتا تھا اور موسم سرما میں پانچ سے سات

---

(۱) [قطف الأزهار (ص/۷۳)' (۲۳)]

(۲) [حسن : صحيح أبو داود (۴۱۶) كتاب الصلاة : باب المواقيت' المشكاة (۵۸۳) أبو داود (۳۹۳) ترمذى (۱۴۹) أحمد (۳۳۳/۱) عبدالرزاق (۵۳۱/۱) دارقطنى (۲۵۸/۱) ابن خزيمة (۱۶۸/۱) حاكم (۱۹۳/۱) بيهقى (۳۶۴/۱)]

(۳) [بخارى (۵۳۳'۵۳۴) كتاب مواقيت الصلاة : باب الإبراد بالظهر فى شدة الحر' مسلم (۶۱۵) أبو داود (۴۰۲) ترمذى (۱۵۷) نسائى (۲۸۴/۱) ابن ماجة (۶۷۷) حميدى (۹۴۲) أبوعوانة (۳۴۶/۱) ابن خزيمة (۳۲۹) ابن حبان (۱۴۹۷)]

قدموں تک کے مابین ہوتا تھا۔(۱)

وَآخِرُهُ مَصِيرُ ظِلِّ الشَّيْئِ مِثْلَهُ سِوَى فَيْئِ الزَّوَالِ وَهُوَ أَوَّلُ وَقْتِ الْعَصْرِ	اور اس کا آخری وقت زوال کے سائے کے علاوہ ❶ ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو جانے تک ہے ❷ اور یہی عصر کا ابتدائی وقت ہے۔ ❸

❶ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج ڈھلنے کے بعد نماز پڑھائی ﴿وكان الفيئ قدر الشراك﴾ ''(زوال) فی تسمے کے برابر تھا۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر پڑھائی ﴿حين كان الفيئ قدر الشراك وظل الرجل﴾ ''جس وقت (زوال فی کا) سایہ تسمے اور آدمی کے سائے کے برابر تھا۔''(۲)

❷ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی امامت والی حدیث میں ہے کہ ﴿فصلى بي الظهر في اليوم الثاني حين صار ظل كل شيئ مثله﴾ ''(نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ) حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دوسرے روز مجھے نماز ظہر اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا۔''(۳)

(جمہور) اسی کے قائل ہیں۔

(ابوحنیفہؒ) ظہر کا آخری وقت وہ ہے جب ہر چیز کا سایہ اس کے دو مثل ہو جائے۔ (واضح رہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی اس رائے کو خود علمائے احناف نے بھی قبول نہیں کیا اور نہ ہی کسی مرفوع حدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔)(٤)

(راجح) جمہور کا موقف راجح ہے۔ گذشتہ صحیح حدیث اس کا ثبوت ہے۔(٥)

(1) حضرت جبرئیل علیہ السلام کی امامت والی حدیث میں ہے کہ ﴿وصلى العصر في اليوم الأول حين صار ظل كل شئ مثله﴾ ''(آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ) حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے پہلے دن نماز عصر اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا۔''(٦)

(2) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿وقت صلاة الظهر مالم يحضر العصر﴾ ''نماز ظہر کا وقت نماز عصر کے آغاز تک رہتا ہے۔''(۷)

---

(۱) [**صحيح** : صحيح أبو داود (۳۸۷) كتاب الصلاة : باب وقت صلاة الظهر' أبو داود (٤٠٠) نسائي (٥٠٣)]

(۲) [**صحيح** : صحيح نسائي (٥١٠) كتاب الصلاة : باب آخر وقت المغرب' نسائي (٥٢٥)]

(۳) [**صحيح** : صحيح ترمذي (١٢٧) صحيح أبو داود (٤١٦) المشكاة (٥٨٣)]

(٤) [المغني (٣٧٠/١) الأم (١٥٣/١) حلية العلماء في معرفة مذاهب الفقهاء (٢٩/٢) المهذب (٥١/١) فتح القدير (١٥١/١) مغني المحتاج (١٢١/١) اللباب (٥٩/١) الدر المختار (٣٣١/١) القوانين الفقهية (ص/٤٣)]

(٥) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: نيل الأوطار (٤٣٨/١) الفقه الإسلامي وأدلته (٦٦٥/١) تحفة الأحوذي (٤٨٩/١) السيل الجرار (١٨٣/١)]

(٦) [**صحيح** : صحيح ترمذي (١٢٧)]

(٧) [مسلم (٦١٢) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب أوقات الصلوات الخمس' طيالسي (٢٢٤٩) أحمد (٢١٠/٢) أبو داود (٣٩٦) شرح معاني الآثار (١٥٠/١) أبو عوانة (٣٧١/١)]

اور یہ بات معروف ہے کہ ظہر کا وقت ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو جانے تک ہی ہے۔

(3) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز عصر پڑھائی تو بنوسلمہ قبیلے کا ایک آدمی آپ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا اے اللہ کے رسول! ہم اونٹ نحر کرنا چاہتے ہیں اور ہماری خواہش ہے کہ آپ ﷺ بھی اس میں شرکت کریں۔ آپ ﷺ نے دعوت قبول فرمائی' پھر آپ ﷺ اور ہم چلے۔ آپ ﷺ نے اونٹ کو دیکھا کہ اسے ابھی نحر نہیں کیا گیا' پھر اسے نحر کیا گیا' پھر کاٹا گیا' پھر اس سے کچھ پکایا گیا' پھر ہم نے اسے غروب آفتاب سے پہلے کھایا۔'' (١)

اگر عصر کا ابتدائی وقت دو مثل سائے سے شروع ہوتا تو یقیناً یہ تمام کام تا وقت مغرب کر لینا ناممکن تھا۔

(4) حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز عصر ایسے وقت میں ادا فرماتے کہ ﴿یرجع أحدنا إلی رحله فی أقصی المدینة والشمس حیة﴾ ''ہم میں سے کوئی ایک مدینہ کی آخری حدود تک چلا جاتا پھر بھی آفتاب زندہ و روشن ہوتا۔'' (٢)

وَآخِرُهُ مَا دَامَتِ الشَّمْسُ بَيْضَاءَ نَقِيَّةً	اور اس کا آخری وقت سورج کے سفید و روشن رہنے تک ہے۔ ❶

❶ (1) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿وقت صلاة العصر ما لم تصفر الشمس﴾ ''نماز عصر کا آخری وقت سورج کی رنگت زرد ہو جانے تک رہتا ہے۔'' (٣)

(2) حضرت جبرئیل علیہ السلام کی امامت والی حدیث میں ہے کہ ﴿صلی العصر فی الیوم الثانی عند مصیر ظل الشیئ مثلیه﴾ ''حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دوسرے دن نماز عصر اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کے دو مثل ہو گیا۔'' (٤)

واضح رہے کہ گذشتہ دونوں روایات میں تعارض نہیں ہے بلکہ جب سایہ دو مثل ہوتا ہے تو اس کے بعد سورج زرد ہونا بھی شروع ہو جاتا ہے۔ (٥)

اور جس روایت میں ہے ﴿من أدرك من العصر ركعة قبل أن تغرب الشمس فقد أدرك العصر﴾ ''جس نے نماز عصر کی ایک رکعت غروب آفتاب سے پہلے حاصل کر لی تو اس نے مکمل نماز حاصل کر لی۔'' (٦)

وہ بھی گذشتہ حدیث کے مخالف نہیں ہے کیونکہ اس میں محض اضطراری وقت بیان کیا گیا ہے یعنی اگرچہ یہ وقت پسندیدہ تو

(١) [مسلم (٦٢٤) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب استحباب التكبير بالعصر' دارقطنی (٢٥٥/١) ابن حبان (١٥١٦)]

(٢) [بخاری (٥٤٧) كتاب مواقيت الصلاة : باب وقت العصر' مسلم (٢٣٦) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب استحباب التكبير بالصبح فی أول وقتها]

(٣) [مسلم (٦١٢) كتاب المساجد ......' أبو عوانة (٣٧١/١) طيالسی (٢٢٤٩)]

(٤) [صحیح : صحیح ترمذی (١٢٨'١٢٧)]

(٥) [الروضة الندية (٢٠٠/١)]

(٦) [مسلم (٩٥٨) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب من أدرك ركعة من الصلاة فقد أدرك تلك الصلاة' ترمذی (١٧١) نسائی (٥١١) أبو داود (٧٥٩) ابن ماجة (١١٢) أحمد (٦٩١٨)]

نہیں لیکن کفایت کر جاتا ہے۔

(جمہور) عصر کا آخری وقت غروب آفتاب ہے۔

(ابوحنیفہؒ) یہ وقت سورج زرد ہونے تک ہے۔

(شافعیؒ) پسندیدہ و بہترین وقت ہر چیز کا سایہ دو مثل ہونے تک یا سورج کے زرد ہونے تک ہے اور آخری وقت غروب آفتاب تک ہے۔(۱)

(نوویؒ) ہمارے نزدیک عصر کے پانچ اوقات ہیں۔

(1) فضیلت کا وقت: اور وہ پہلا وقت ہے۔

(2) اختیاری وقت: دو مثل سایہ ہونے تک ہے۔

(3) وقت جواز: سورج زرد ہونے تک ہے۔

(4) مکروہ وقت: زرد ہونے سے غروب آفتاب تک ہے

(5) وقت عذر: وہ ظہر کا وقت ہے (یعنی جو شخص سفر وغیرہ کے لیے ظہر و عصر کو جمع کرنا چاہے)۔(۲)

(راجح) عصر کا وقت مغرب تک ہے البتہ افضل و پسندیدہ وقت سورج زرد ہونے تک یا دو مثل سایہ ہونے تک ہے جیسا کہ گزشتہ احادیث میں اسی کی وضاحت ہے لہٰذا ان اوقات کے بعد مغرب تک بلا عذر نماز پڑھنا مکروہ مگر جائز ہے کیونکہ حدیث ﴿من أدرك ركعة من العصر......﴾ سے یہی ثابت ہوتا ہے۔(۳)

122- نماز عصر پر محافظت کی تاکید

شریعت میں اس نماز کی حفاظت کی بہت تاکید وارد ہوئی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ [البقرة: ۲۳۸] ''نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص درمیانی نماز کی۔''

صلاۃ وسطیٰ (درمیانی نماز) کی تعیین و تحدید میں علماء کے کم و بیش سترہ مختلف اقوال ہیں لیکن ان سب میں سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد نماز عصر ہے۔(٤)

اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احزاب کے دن فرمایا ''اللہ تعالیٰ (ان مشرکوں کی) قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے جنہوں نے مجھے ''صلاۃ وسطیٰ کی ادائیگی سے مشغول کر دیا'' ﴿حتى غابت الشمس﴾ ''حتیٰ کہ

(۱) [نيل الأوطار (۱/٤٤۳) المهذب (۱/٥۲) كشاف القناع (۱/۲۹۰) شرح فتح القدير (۱/۱٥۲) الفقه الإسلامي وأدلته (۱/٦٦٦)]

(۲) [شرح مسلم للنووی (۳/۱۲٤)]

(۳) [تحفة الأحوذی (۱/٤۹۳) فقه السنة (۱/۸۹)]

(٤) [نيل الأوطار (۱/٤٤۹) شرح مسلم للنووی (۳/۱٤۰)]

سورج غروب ہو گیا۔‘‘ (۱)

(2) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ﴿شغلونا عن الصلاة الوسطى صلاة العصر﴾ ’’انہوں نے ہمیں صلاۃ وسطی یعنی نماز عصر سے مشغول کر دیا۔‘‘ (۲)

(3) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿صلاة الوسطى صلاة العصر﴾ ’’صلاۃ وسطی نماز عصر ہے۔‘‘ (۳)

(4) حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی روایت مروی ہے۔

یہ احادیث اس بات کا ثبوت ہیں کہ صلاۃ وسطی سے مراد نماز عصر ہے اور اس کی حفاظت کا خصوصی ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ آیت سے واضح ہے۔ علاوہ ازیں متعدد دیگر احادیث بھی اس کی حفاظت کی تاکید پر دلالت کرتی ہیں مثلاً حضرت بریدۃ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من فاتته صلاة العصر حبط عمله﴾ ’’جس شخص کی نماز عصر فوت ہو گئی گویا کہ اس کا عمل برباد ہو گیا۔‘‘ (۵)

وَأَوَّلُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ غُرُوْبُ الشَّمْسِ وَآخِرُهُ ذَهَابُ الشَّفَقِ الْأَحْمَرِ	اور مغرب کے وقت کی ابتداء غروب آفتاب سے ہوتی ہے ❶ اور اس کا آخری وقت سرخی غائب ہونے تک ہے۔ ❷

❶ (1) حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز مغرب دونوں دن اس وقت پڑھائی ﴿حين وجبت الشمس﴾ ’’جب سورج ساقط (یعنی غروب) ہو گیا۔‘‘ (٦)

(2) حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن رسول الله ﷺ كان يصلي المغرب إذا غربت الشمس﴾ ’’بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز مغرب اس وقت پڑھتے تھے جب سورج غروب ہوتا تھا۔‘‘ صحیح بخاری میں یہ لفظ ہیں ﴿إذا توارت بالحجاب﴾ ’’جب سورج پردے میں چھپ جاتا۔‘‘ (۷)

---

(۱) [بخاری (۲۹۳۱) كتاب الجهاد والسير : باب الدعاء على المشركين بالهزيمة والزلزلة' مسلم (٦٢٧) أبو داود (٤٠٩) دارمی (۲۸۰/۱) أبو يعلى (۳۸۵) أحمد (۱۲۲/۱-۱٤٤)]

(۲) [مسلم (٦٢٨) كتاب المساجد و مواضع الصلاة : باب الدليل لمن قال الصلاة الوسطى هي صلاة العصر' ترمذی (۱۸۱) ابن ماجة (٦٨٦) أحمد (۳۹۲/۱) بيهقي (٤٦٠/٩)]

(۳) [مسلم (٦٢٨) أيضا' أحمد (۳۹۲/۱)]

(٤) [أحمد (٧/٥) ترمذی (۱۸۲)]

(٥) [صحيح : صحيح ابن ماجة (٥٦٨) كتاب الصلاة : باب ميقات الصلاة في الغيم' إرواء الغليل (٢٥٥) تخريج حقيقة الصيام (٤١) ابن أبي شيبة (٣٤٢/١) بيهقي (٤٤٤/١)]

(٦) [صحيح : صحيح ترمذی (۱۲۷)]

(۷) [أحمد (٥٤/٤) بخاری (٥٦١) كتاب مواقيت الصلاة : باب وقت المغرب' مسلم (٦٣٦) أبو داود (٤١٧) ترمذی (١٦٤) ابن ماجة (٦٨٨) طبرانی كبير (٦٢٨٩) بيهقي (٤٤٦/١) أبو عوانة (٣٦١/١) دارمی (٢٧٥/١) ابن حبان (١٥٢٣)]

(3) غروب آفتاب سے نماز مغرب کا وقت شروع ہونے پر اجماع ہے۔(۱)

❷ (1) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک سائل نے رسول اللہ ﷺ سے اوقات نماز کے متعلق سوال کیا......(طویل حدیث ہے اور اس میں ہے کہ)﴿فأقام المغرب حين وقعت الشمس﴾ ''آپ ﷺ نے نماز مغرب اس وقت ادا کی جب سورج ساقط (یعنی غروب) ہو گیا'' اور دوسرے دن ﴿ثم أخر المغرب حتى كان عند سقوط الشفق﴾ ''پھر مغرب کو شفق (یعنی سرخی) غائب ہونے تک لیٹ کیا۔''(۲)

(2) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا﴿وقت صلاة المغرب مالم يسقط ثور الشفق﴾ ''نماز مغرب کا وقت شفق (سرخی) کا پھیلاؤ ختم ہونے تک ہے۔''(۳)

حضرت جبرئیل علیہ السلام کی امامت والی حدیث میں جو نماز مغرب دونوں دن ایک ہی وقت (یعنی غروب آفتاب) میں پڑھنے کا ذکر ہے اس کی تین وجوہات بیان کی گئی ہیں:

① حضرت جبرئیل علیہ السلام نے صرف مختار و پسندیدہ وقت بیان کرنے پر ہی اکتفاء کیا ہے اور وقت جواز مکمل طور پر بیان ہی نہیں کیا۔

② حضرت جبرئیل علیہ السلام کی حدیث مقدم (یعنی مکہ کی) ہے اور جن احادیث میں مغرب کا وقت شفق غائب ہونے تک مذکور ہے وہ متاخر (یعنی مدینہ کی) ہیں اس لیے انہی پر عمل کرنا ضروری ہے۔

③ یہ احادیث حضرت جبرئیل علیہ السلام کی حدیث سے سند کے لحاظ سے بھی زیادہ مضبوط ہیں اس لیے ان کو ترجیح دینا ضروری ہے۔(٤)

(جمہور، حنابلہ، حنفیہ) اسی کے قائل ہیں۔

(شافعیؒ) نماز مغرب کا صرف ایک ہی وقت ہے اور وہ ابتدائی وقت ہے (انہوں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی حدیث سے استدلال کیا ہے)۔(٥) شافعی مذہب کی قدیم کتابوں میں ان کا یہی مذہب منقول ہے۔(٦)

مذہب شافعی کی قدیم کتابوں میں "الأمالي" ، "مجمع الكافي"، "عيون المسائل" اور "البحر

---

(۱) [نيل الأوطار (٤٥٨/١)]

(۲) [مسلم (٦١٤) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب أوقات الصلوات الخمس، نسائی (٥٢٣) أبو داود (٣٩٥) أحمد (٤١٦/٤) ترمذی (١٥٢) ابن ماجة (٦٦٧) أبو عوانة (٣٧٣/١) ابن خزيمة (١٦٦/١) دارقطنی (٢٦٢/١) بيهقی (٣٧١/١)]

(۳) [مسلم (٦١٢) أيضا، طيالسی (٢٢٤٩) أحمد (٢١٠/٢) أبو داود (٣٩٦) شرح معانی الآثار (١٥٠/١) بيهقی (٣٦٦/١) أبو عوانة (٣٧١/١)]

(٤) [نيل الأوطار (٤٤٤/١) تحفة الأحوذی (٥٢٧/١)]

(٥) [شرح المهذب (٣٣/٣) المبسوط (١٤٤/١) المغنی (٢٤/٢) الإنصاف فی معرفة الراجح من الخلاف]

(٦) [نيل الأوطار (٤٥٨/١)]

المحیط" وغیرہ شامل ہیں اور جدید کتابوں میں "**الأم** "، "**الإملاء**"، "**المختصرات**"، "**الرسالة** " اور "**الجامع الکبیر**" شامل ہیں۔(۱)

اصحاب شافعی میں سے بعض نے نماز مغرب کے لیے دو وقت بھی بتلائے ہیں یعنی ایک غروب آفتاب اور دوسرا سرخی کا غائب ہونا۔(۲)

(نوویؒ) یہی بات صحیح ہے۔(۳)

123- کیا شفق سے مراد سرخی ہے؟

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ﴿الشفق الحمرة﴾ "شفق سے مراد سرخی ہے۔"(٤)

(صاحب قاموس) شفق وہ سرخی ہے جو غروب آفتاب سے لے کر عشاء تک یا اس کے قریب تک آسمان پر نمودار رہتی ہے۔(٥)

(صاحب مختار الصحاح) شفق سورج کی ایسی روشنی اور سرخی ہے جو رات کی ابتداء سے عشاء کے قریب تک رہتی ہے۔

(خلیلؒ) شفق سے مراد سرخی ہے۔

(فراءؒ) میں نے بعض عرب کو کہتے سنا ہے کہ اس پر ایسا کپڑا ہے گویا کہ وہ شفق ہے اور وہ سرخ تھا۔(٦)

(صاحب منجد) شفق سے مراد غروب آفتاب کے بعد افق آسمان کی سرخی ہے۔(٧)

(جمہور، احمدؒ، شافعیؒ) شفق سے مراد سرخی ہے۔

(ابو یوسفؒ، محمدؒ) اسی کے قائل ہیں۔علاوہ ازیں حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم، امام ابن أبی لیلیؒ اور امام ثوریؒ وغیرہ کا بھی یہی موقف ہے۔

(ابو حنیفہؒ) شفق سے مراد ایسی سفیدی ہے جو عموما افق میں سرخی کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے ﴿وآخر وقت المغرب إذا اسود الشفق﴾ لیکن یہ حدیث سندا ثابت نہیں ہے۔(٨)

احناف کے نزدیک اس مسئلہ میں صاحبین (امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ) کے قول پر ہی فتوی دیا جاتا ہے اور ایک روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے بعد میں اسی کی طرف رجوع کر لیا تھا۔(٩)

---

(۱) [طبقات ابن هداية الله (ص/٢٤٥)]

(۲) [نيل الأوطار (٤٥٨/١)]

(۳) [شرح مسلم (١٢٣/٣) المجموع (٣٤/٣)]

(٤) [عبدالرزاق (٢١٢٢) بيهقى (٣٧٣/١)]

(٥) [القاموس المحيط (ص/٨٠٨)]

(٦) [مختار الصحاح (ص/١٤٤)]

(٧) [المنجد (ص/٤٣٨)]

(٨) [نصب الرايه (٢٣٠/١)]

(٩) [نيل الأوطار (٤٦٧/١) المهذب (٥٣/١) مغنى المحتاج (١٢٣/١) اللباب (٦٠/١) تحفة الأحوذى (٤٨٨/١)]

(راجح) جمہور کا موقف راجح ہے۔
(نوویؒ) شفق سے مراد سرخی ہے۔(۱)
(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) شفق سرخی ہے۔(۲)
(ملا علی قاریؒ) زیادہ مشہور یہی ہے کہ شفق سرخی ہے۔(۳)
(امیر صنعانیؒ) لغوی بحث کے لیے اہل لغت کی طرف رجوع کیا جائے نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اہل لغت میں سے ہیں' ان کی بات دلیل و حجت ہے خواہ موقوف ہی کیوں نہ ہو۔(٤)
(صدیق حسن خانؒ) تمام لغت کی کتابیں' عرب اور ان کے بعد آنے والوں کے اشعار اسی کی وضاحت کرتے ہیں (کہ شفق سے مراد سرخی ہے)۔(٥)

124- نماز مغرب کے وقت کھانا حاضر ہو جائے؟

تو پہلے اطمینان سے کھانا تناول کرنا چاہیے پھر نماز ادا کرنی چاہیے۔

(1) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا قدم العشاء فابدؤا به قبل أن تصلوا المغرب﴾ ”جب شام کا کھانا پیش کر دیا جائے تو تم نماز مغرب ادا کرنے سے پہلے اسے (کھانا) شروع کرو۔“(٦)

(2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح کی روایت مروی ہے اور صحیح بخاری اور سنن ابی داود وغیرہ میں یہ زائد الفاظ بھی موجود ہیں کہ ”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے لیے کھانا رکھ دیا جاتا تھا اور ادھر نماز کھڑی ہو جاتی تو وہ نماز ادا نہیں کرتے تھے حتی کہ کھانے سے فارغ ہو جاتے حالانکہ وہ امام کی قراءت سن رہے ہوتے تھے۔“(٧)

125- نماز مغرب سے پہلے دو رکعتیں

یہ دو رکعتیں ادا کرنا مستحب ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿صلو

---

(۱) [شرح مسلم (۱۲۳/۳)]
(۲) [تحفة الأحوذی (٤٨٨/۱)]
(۳) [أیضا]
(٤) [سبل السلام (۱٥٩/۱)]
(٥) [الروضة الندیة (۲۰۱/۱)]
(٦) [بخاری (٦٧٢) كتاب الأذان : باب إذا حضر الطعام وأقیمت الصلاة ' مسلم (٦٤) ترمذی (٣٥٣) نسائی (۱۱۱/۲) ابن ماجة (٩٣٣) أحمد (۱۱۰/۳) دارمی (۲٩٣/۱) بیهقی (٧٢/٣) شرح السنة (۸۰۱) ابن خزیمة (٩٣٤) ابن حبان (۲۰٦٦) أبو عوانة (۱٤/۲)]
(٧) [بخاری (٦٧٣) كتاب الأذان : باب إذا حضر الطعام وأقیمت الصلاة ' مسلم (٥٥٩) أبو داود (٣٧٥٧) ابن ماجة (٩٣٤) ترمذی (٣٥٤) ابن خزیمة (٩٣٥)]

قبل المغرب رکعتین ثم قال صلوا قبل المغرب رکعتین ثم قال عند الثالثة "لمن شآء"﴾ ''مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھو' پھر فرمایا مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھو' پھر تیسری مرتبہ یہی کہا اور اس کے ساتھ فرمایا ''جو چاہے پڑھ لے۔'' (۱)

وَهُوَ أَوَّلُ الْعِشَاءِ وَآخِرُهُ نِصْفُ اللَّيْلِ	اور یہی عشاء کا ابتدائی وقت ہے ❶ اور اس کی انتہاء آدھی رات کو ہوتی ہے۔ ❷

❶ (1) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی جس روایت میں ہے کہ ایک سائل نے آپ ﷺ سے اوقات نماز کے متعلق پوچھا...... اس میں ہے کہ پہلے دن رسول اللہ ﷺ نے ﴿فأقام العشآء حين غاب الشفق﴾ ''نماز عشاء اس وقت پڑھائی جب شفق غائب ہوئی۔'' (۲)

(2) حضرت جبرئیل علیہ السلام کی امامت والی حدیث میں پہلے دن عشاء کا یہ وقت مذکور ہے ﴿حين غاب الشفق﴾ ''جب شفق غائب ہوئی۔'' (۳)

❷ (1) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿وقت صلاة العشآء إلى نصف الليل﴾ ''عشاء کی نماز کا وقت آدھی رات تک ہے۔'' (٤)

(2) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿وإن آخر وقتها (العشآء) حين ينتصف الليل﴾ ''بلاشبہ عشاء کا آخری وقت آدھی رات تک ہے۔'' (٥)

نماز عشاء کے آخری وقت میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے۔

(احمدؒ، مالکؒ، شافعیؒ) عشاء کا آخری وقت ایک تہائی رات تک ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' حضرت عمر رضی اللہ عنہ' امام قاسمؒ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا بھی یہی موقف ہے۔

(ابوحنیفہؒ) عشاء کا آخری وقت آدھی رات تک ہے۔

(جمہور، طحاویؒ) عشاء کا آخری وقت طلوع فجر تک ہے۔ (٦)

---

(۱) [بخاری (۱۱۸۳'۷۳٦۸) کتاب الجمعة : باب الصلاة قبل المغرب' أبو داود (۱۲۸۱) بیهقی (٤٧٤/٢) ابن خزيمة (۱۲۸۹)]

(۲) [مسلم (٦١٤) کتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب أوقات الصلوات الخمس' نسائی (٥٢٣) أبو داود (۳۹٥)]

(۳) [صحیح : صحیح ترمذی (۱۲۷) نسائی (٥١٣)]

(٤) [مسلم (٦١٢) کتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب أوقات الصلوات الخمس' طیالسی (۲۲٤٩) أحمد (۲۱۰/۲) أبو داود (۳۹٦) شرح معانی الآثار (۱٥٠/١) بیهقی (٣٦٦/١)]

(٥) [صحیح : صحیح ترمذی (۱۲۹) کتاب الصلاة : باب ما جآء فی مواقیت الصلاة عن النبی' الصحیحة (۱٦٩٦) ترمذی (۱٥١) أحمد (۲۳۲/۲)]

(٦) [تحفة الأحوذی (٥٢٨/١) نیل الأوطار (٤٦٩/١) عارضة الأحوذی (۲۷۷/۱)]

(شوکانیؒ) عشاء کا آخری اختیاری وقت آدھی رات تک ہے اور جائز واضطراری وقت فجر تک ہے۔(۱)

(نوویؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۲)

(سید سابقؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(۳)

(ابن قدامہؒ) اختیاری وقت ایک تہائی رات تک اور وقت ضرورت فجر ثانی طلوع ہونے تک ہے۔(۴)

(راجح) حدیث کے واضح الفاظ "نصف اللیل" تک ہی عشاء کا آخری وقت بیان کرتے ہیں۔

(حافظ ابن حجرؒ) عشاء کا وقت فجر تک لمبا ہونے کے متعلق میں نے کوئی واضح حدیث نہیں دیکھی۔(۵)

(ابن عربیؒ) عشاء کا آخری وقت آدھی رات تک ہے۔(۶)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) عشاء کا آخری وقت آدھی رات تک ہے۔(۷)

(صدیق حسن خانؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۸)

(البانیؒ) حق بات یہی ہے کہ عشاء کا وقت آدھی رات تک ہے۔(۹)

جو لوگ عشاء کا وقت فجر تک بتلاتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے ﴿ليس في النوم تفريط إنما التفريط على من لم يصل الصلاة حتى يجيئ وقت الأخرى﴾ "کوتاہی نیند میں نہیں ہے (بلکہ) صرف کوتاہی ایسے شخص پر ہے جس نے نماز ادا نہ کی حتی کہ دوسری نماز کا وقت آ گیا۔"(۱۰)

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ یہ حدیث وقت کی تحدید وتعیین کے لیے نہیں ہے بلکہ اس میں صرف ایسے شخص کی نافرمانی کا ذکر ہے جو ایک نماز کو دوسری نماز تک لیٹ کرتا ہے۔(۱۱)

126- نماز عشاء کو تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے

(1) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿لولا أن أشق على أمتي لأمرتهم أن يؤخروا

---

(۱) [نيل الأوطار (۱/۴۷۰)]

(۲) [شرح مسلم (۳/۱۲۳)]

(۳) [فقه السنة (۱/۹۲)]

(۴) [المغني (۱/۲۸)]

(۵) [تحفة الأحوذي (۱/۵۲۸)]

(۶) [عارضة الأحوذي (۱/۲۷۷)]

(۷) [تحفة الأحوذي (۱/۵۲۹)]

(۸) [الروضة الندية (۱/۲۰۲)]

(۹) [تمام المنة (ص/۱۴۲)]

(۱۰) [مسلم (۳۱۱'۶۸۱) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب قضاء الصلاة الفائتة واستحباب تعجيل قضائها' أبو داود (۴۴۱) أحمد (۵/۲۹۸) ترمذی (۱۷۷) ابن ماجة (۶۹۸)]

(۱۱) [تمام المنة (ص/۱۴۱) المحلى (۳/۱۷۸)]

العشآء إلیٰ ثلث اللیل أو نصفه﴾ ''اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میں اپنی امت پر مشقت ڈال دوں گا تو میں انہیں حکم دیتا کہ وہ عشاء کو ایک تہائی رات تک یا آدھی رات تک مؤخر کریں۔''(۱)

(2) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ولو لا ضعف الضعیف و سقم السقیم و حاجة ذی الحاجة ' لأخرت هذه الصلاة إلی شطر اللیل﴾ ''اگر کمزور کی کمزوری' بیمار کی بیماری اور حاجت مند کی حاجت نہ ہوتی تو میں اس نماز (عشاء) کو آدھی رات تک مؤخر کر دیتا۔''(۲)

127- قبل از عشاء سونا اور بعد از عشاء گفتگو کرنا مکروہ ہے

(1) حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن النبی ﷺ کان یکره النوم قبلها و الحدیث بعدها﴾ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس (یعنی نماز عشاء) سے پہلے نیند اور اس کے بعد باتیں کرنا ناپسند فرماتے تھے۔''(۳)

معلوم ہوا کہ عشاء سے پہلے سونے سے اور عشاء کے بعد فضول گپیں ہانکنے سے اجتناب کرنا چاہیے تاہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ ''ایک رات میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر سویا (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے پاس تھے) تاکہ میں دیکھوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز کیسے ادا کرتے ہیں۔ (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ) مزید فرماتے ہیں کہ ﴿فتحدث النبی ﷺ مع أهله ساعة ثم رقد﴾ ''کچھ دیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیوی سے باتیں کیں اور پھر سو گئے۔''(٤)

علاوہ ازیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مسلمانوں کے معاملات کے بارے میں رات گئے تک گفتگو کرتے رہتے تھے۔''(٥)

بظاہر یہ احادیث باہم متعارض نظر آتی ہیں یعنی پہلی حدیث میں ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کے بعد گفتگو ناپسند فرماتے تھے اور بعد والی احادیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود عشاء کے بعد گفتگو کیا کرتے تھے تو ان احادیث کو یوں جمع کیا گیا ہے۔

(نوویؒ) علماء کا اتفاق ہے کہ عشاء کے بعد باتیں کرنا مکروہ ہے لیکن ایسی باتیں کرنا جائز ہے جن میں خیر ہو (یعنی جو دعوت دین یا مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے متعلق ہوں)۔(٦)

---

(۱) [**صحیح** : صحیح ترمذی (۱٤۱) کتاب الصلاة : باب ما جآء فی تاخیر صلاة العشاء الآخرة ' ترمذی (۱٦۷) أحمد (۲۵۰/۲) ابن ماجة (٦۹۱) حاکم (۱٤٦/۱) بیهقی (۳٦/۱)]

(۲) [**صحیح** : صحیح أبو داود (٤۰۷) کتاب الصلاة : باب فی وقت العشاء الآخرة ' أبو داود (٤۲۲) ابن ماجة (٦۹۳) نسائی (۲٦۸/۱) ابن خزیمة (۳٤۵) أحمد (۵/۳)]

(۳) [بخاری (۵٤۷) کتاب مواقیت الصلاة : باب وقت العصر ' مسلم (٦٤۷) أبو داود (۳۹۸) ترمذی (۱٦۸) نسائی (۲٦۲/۱) ابن ماجة (۷۰۱) ابن خزیمة (۳٤٦) دارمی (۲۹۸/۱)]

(٤) [أبو عوانة (۳۱۵/۲) عبدالرزاق (۳۸٦۲) طبرانی (۱۲۱٦۵) ابن حبان (۲۵۷۹)]

(٥) [**صحیح** : الصحیحة (۲٤۳۵) أحمد (۳۸۹/۱)]

(٦) [المجموع (٤٤/۳)]

وَأَوَّلُ وَقْتِ الْفَجْرِ إِذَا انْشَقَّ الْفَجْرُ وَآخِرُهُ طُلُوعُ الشَّمْسِ	اور فجر کے وقت کی ابتداء سپیدہ صبح ظاہر ہونے سے ہوتی ہے ❶ اور اس کا آخری وقت طلوع شمس تک ہے۔ ❷

❶ (1) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿فأقام الفجر حين انشق الفجر والناس لا يكاد يعرف بعضه بعضا﴾ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز صبح صادق طلوع ہوتے ہی شروع فرما دیتے حتی کہ اندھیرے کی وجہ سے صحابہ ایک دوسرے کو پہچان نہیں سکتے تھے۔'' (۱)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''فجر کی دو قسمیں ہیں' ایک وہ فجر جس میں کھانا حرام ہے اور نماز ادا کرنا جائز و مباح ہے اور ایک وہ فجر جس میں نماز پڑھنا حرام ہے لیکن کھانا مباح ہے۔'' مستدرک حاکم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے البتہ اس میں اتنا اضافہ ہے کہ ''جس صبح میں کھانا حرام ہے وہ آسمان کے کناروں اور اطراف میں پھیل جاتی ہے اور دوسری بھیڑیے کی دم کی طرح اونچی چلی جاتی ہے (یعنی ستون کی طرح بالکل سیدھی آسمان میں اوپر چڑھتی ہوئی معلوم ہوتی ہے)۔'' (۲)

128- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر اندھیرے میں ادا فرماتے تھے

(1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ مومن عورتیں نماز فجر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوتی تھیں پھر نماز کے اختتام پر جب وہ اپنی چادریں لپیٹے ہوئے واپس جاتیں تو ﴿لا يعرفهن أحد من الغلس﴾ ''اندھیرے کی وجہ سے انہیں کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔'' (۳)

(2) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ ﴿والصبح كان النبي ﷺ يصليها بغلس﴾ ''اور صبح کی نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم اندھیرے میں ہی پڑھ لیتے تھے۔'' (٤)

مندرجہ ذیل حدیث گذشتہ احادیث کے مخالف معلوم ہوتی ہے:

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿أصبحوا بالصبح فإنه أعظم لأجوركم﴾ ''نماز فجر صبح کے خوب واضح ہو جانے پر پڑھا کرو' یہ تمہارے اجر میں اضافے کا موجب ہوگی۔'' (٥)

---

(۱) [مسلم (٦١٤) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب أوقات الصلوات الخمس' نسائی (٥٢٣) أبو داود (٣٩٥)]

(۲) [صحيح : الصحيحة (٦٩٣) حاكم (١٩١/١) ابن خزيمة (٣٥٦) امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

(۳) [موطا (٥/١) كتاب وقوت الصلاة : باب وقوت الصلاة' بخاری (٥٧٨) مسلم (٦٤٥) أبو داود (٤٢٣) نسائی (٥٤٥) ترمذی (١٥٣) ابن ماجة (٦٦٩) حميدی (١٧٤) أحمد (٢٥٨/٦) أبو عوانة (٣٧٠/١) بيهقی (١٩٢/٢)]

(٤) [بخاری (٥٦٥) كتاب مواقيت الصلاة : باب وقت العشاء إذا اجتمع الناس أو تأخروا' مسلم (٦٤٦) أبو داود (٣٩٧) نسائی (٢٦٤/١) أحمد (٣٦٩/٣)]

(٥) [صحيح : صحيح أبو داود (٤٠٩) كتاب الصلاة : باب فی وقت الصبح' أبو داود (٤٢٤) ترمذی (١٥٤) نسائی (٢٧٢/١) ابن ماجة (٦٧٢) أحمد (٤٦٥/٣) دارمی (٢٧٧/١)]

ان احادیث میں دو طرح سے تطبیق دی گئی ہے:

(1) (ابن قیمؒ، طحاویؒ) نماز کا آغاز تاریکی میں کیا جائے اور قراءت اتنی لمبی کی جائے کہ صبح خوب روشن ہو جائے۔

(2) (شافعیؒ، احمدؒ) "اسفرو" یا "أصبحوا" کا معنی یہ ہے کہ فجر واضح ہونے میں کوئی شک نہ رہ جائے۔(۱)

واضح رہے کہ صبح کو روشن کر کے نماز فجر ادا کرنا بھی اگرچہ نبی ﷺ سے ثابت ہے لیکن آخر میں جس عمل پر تادم حیات آپ ﷺ نے مداومت اختیار فرمائی ہے وہ اندھیرے میں نماز فجر کی ادائیگی ہے جیسا کہ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر ایک مرتبہ اندھیرے میں پڑھی اور پھر دوسری مرتبہ اسے خوب روشن کر کے پڑھا ﴿ثم كانت صلاته بعد ذلك التغليس حتى مات ولم يعد إلى أن يسفر﴾ "پھر وفات تک آپ ﷺ کی نماز (فجر) اندھیرے میں ہی رہی' آپ ﷺ نے دوبارہ کبھی اسے روشن کر کے نہ پڑھا۔"(۲)

بہر حال اس مسئلے میں بھی علماء کا اختلاف موجود ہے۔

(مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ) نماز فجر اندھیرے میں ادا کرنا افضل و مستحب ہے۔ امام اسحاق' امام ابو ثورؒ امام اوزاعیؒ امام داؤد رحمہم اللہ اجمعین اور اسی طرح حضرت ابوبکرؓ' حضرت عمرؓ' حضرت عثمانؓ' حضرت علیؓ' حضرت ابن زبیرؓ' حضرت انسؓ' حضرت ابو موسیٰ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی یہی موقف منقول ہے۔

(ابوحنیفہؒ، محمدؒ، ابو یوسفؒ) نماز فجر خوب روشن کر کے پڑھنا افضل ہے۔ (ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں "أصبحوا بالصبح" کے الفاظ ہیں)۔(۳)

(راجح) اندھیرے میں نماز فجر ادا کرنا ہی افضل ہے کیونکہ یہی نبی ﷺ کا دائمی عمل ہے اور خلفائے اربعہ اور جمہور صحابہ و تابعین کا بھی یہی موقف ہے۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ نبی ﷺ صرف افضل عمل پر ہی مداومت اختیار فرماتے تھے۔(٤)

(ابن قدامہؒ) نماز فجر اندھیرے میں ادا کرنا افضل ہے۔(٥)

(ابن حجرؒ) یہی موقف رکھتے ہیں۔(٦)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٧)

---

(۱) [أعلام الموقعين (۲/ ۲۹۰) الروضة الندية (۱/ ۲۰۳) نيل الأوطار (۱/ ٤٧٧) تحفة الأحوذى (۱/ ٥٠٥) ترمذى : كتاب الطهارة : باب ما جاء فى الإسفار بالفجر]

(۲) [حسن : صحيح أبو داود (۳۷۸) كتاب الصلاة : باب فى المواقيت ' أبو داود (۳۹٤) ابن خزيمة (۳٥۲) مؤطا (۲۹) أحمد (٤/ ۱۲۰) دارمى (۱۱۸۹) بخارى (٥۲۱) مسلم (٦۱۰)]

(۳) [تحفة الأحوذى (۱/ ٤٩٨) نيل الأوطار (۱/ ٤٧٧) اللباب (۱/ ٦٠)القوانين الفقهية (ص/ ٤٥) الشرح الصغير (۱/ ۲۲۲)]

(٤) [الإعتبار للحازمى (ص/ ۲٦۸۔۲۷٥)]

(٥) [المغنى (۱/ ٤٤)]

(٦) [كمافى تحفة الأحوذى (۱/ ٥٠٣)]

(٧) [أيضا (۱/ ٥٠٥)]

❷ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿وقت صلاۃ الفجر مالم تطلع الشمس﴾ ''نماز فجر کا وقت طلوع آفتاب تک ہے۔'' (۱)

جو شخص سو گیا یا اسے نماز پڑھنا بھول گیا تو اس کی نماز کا وقت وہی ہے جب اسے یاد آ جائے۔ ❶	مَنْ نَامَ عَنْ صَلَاةٍ أَوْ سَهَا عَنْهَا فَوَقْتُهَا حِيْنَ يَذْكُرُهَا

❶ (1) حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿فإذا نسی أحدکم صلاۃ أو نام عنها فلیصلها إذا ذکرها﴾ ''جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنا بھول جائے یا سویا رہ جائے تو جب اسے یاد آئے نماز پڑھ لے۔'' (۲)

(2) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من نسی صلاۃ فلیصلها إذا ذکرها لا کفارۃ لها إلا ذلك﴾ ''جو شخص نماز پڑھنا بھول جائے تو جب اسے یاد آئے نماز پڑھ لے اس کا کفارہ صرف یہی ہے۔'' (۳)

(3) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جسے نماز پڑھنا بھول جائے تو جب اسے یاد آئے نماز پڑھ لے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ [طه: ۱٤] ''نماز اس وقت ادا کرو جب میری یاد آئے۔'' (٤)

ان احادیث کے مفہوم مخالف سے معلوم ہوتا ہے کہ جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والا شخص قضائی نہیں دے گا کیونکہ یہ بات اصول میں مسلم ہے کہ ((انتفاء الشرط یستلزم انتفاء المشروط)) ''شرط کا نہ ہونا مشروط کے نہ ہونے کو لازم ہے۔'' اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جو شخص بھولا نہیں وہ بطور قضاء نماز نہیں پڑھے گا۔ امام ابن حزمؒ نے یہی موقف اختیار کیا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سونے والے یا بھول جانے والے شخص کو جب یاد آئے اسے فوراً بلا تاخیر نماز ادا کر لینی چاہیے کیونکہ اس کا وقتِ ادا وہی ہے نیز یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں حالتوں میں انسان مکلف نہیں ہوتا جیسا کہ اجماع سے بھی یہ بات ثابت ہے۔ (٥)

---

(۱) [مسلم (٦١٢) أحمد (٢/٢١٠) أبو داود (٣٩٦) شرح معانی الآثار (١/١٥٠) أبو عوانة (١/٣٧١)]

(۲) [مسلم (٦٨١) کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ : باب قضاء الصلاۃ الفائتة...... أبو داود (٤٣٨) نسائی (١/٢٩٤) ترمذی (١٧٧) ابن ماجة (٦٩٨) أحمد (٥/٢٩٨) ابن خزیمة (٢/٩٥) ابن الجارود (١٥٣) دارقطنی (١/٣٨٦)]

(۳) [أحمد (٣/٢٦٩) بخاری (٥٩٧) کتاب مواقیت الصلاۃ : باب من نسی صلاۃ فلیصل إذا ذکر...... مسلم (٦٨٤) ترمذی (١٧٨) ابن ماجة (٦٩٦) نسائی (١/٢٩٣) أبو داود (٤٤٢) أبو عوانة (١/٣٨٥) دارمی (١/٢٨٠) ابن خزیمة (٩٩٣) بیهقی (٢/٢١٨)]

(٤) [مسلم (٦٨٠) کتاب المساجد...... أبو داود (٤٣٥) نسائی (١/٢٩٦) ابن ماجة (٦٩٧) أبو عوانة (٢/٢٥٣) بیهقی (٢/٢١٧)]

(٥) [نیل الأوطار (١/٤٨٦-٤٨٨)]

وَمَنْ كَانَ مَعْذُورًا وَأَدْرَكَ مِنَ الصَّلَاةِ رَكْعَةً فَقَدْ أَدْرَكَهَا	اور جو شخص کسی عذر کی وجہ سے ❶ وقت میں صرف ایک ہی رکعت حاصل کر سکے تو اس کی مکمل نماز ہو جائے گی۔ ❷

❶ کیونکہ عذر کے سوا وقت پر نماز ادا کرنا فرض ہے جیسا کہ حدیث نبوی ہے کہ ﴿صل الصلاة لوقتها﴾ ''نماز اس کے وقت پر ادا کرو۔'' (۱)

مزید تفصیل آگے آئے گی۔

(نوویؒ) علماء کا اتفاق ہے کہ اس وقت (طلوع آفتاب یا غروب آفتاب) تک جان بوجھ کر تاخیر کرنا جائز نہیں۔ (۲)

❷ (1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿من أدرك من الصبح ركعة قبل أن تطلع الشمس فقد أدرك الصبح ومن أدرك ركعة من العصر قبل أن تغرب الشمس فقد أدرك العصر﴾ ''طلوع آفتاب سے پہلے جس نے نماز فجر کی ایک رکعت پالی اس نے صبح کی نماز پالی اور جس نے غروب آفتاب سے پہلے نماز عصر کی ایک رکعت پالی اس نے نماز عصر پالی۔'' (۳)

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿من أدرك من العصر سجدة قبل أن تغرب الشمس أو من الصبح قبل أن تطلع الشمس فقد أدركها﴾ ''جس شخص نے غروب آفتاب سے پہلے نماز عصر کی ایک رکعت (یہاں سجدہ سے مراد رکعت ہے) پالی یا طلوع آفتاب سے پہلے نماز فجر کی ایک رکعت پالی تو اس نے اسے (یعنی نماز عصر یا نماز فجر کو) پالیا۔'' (٤)

معلوم ہوا کہ نماز فجر اور نماز عصر کی ایک ایک رکعت ان کے اوقات ختم ہونے سے پہلے حاصل کر لینا ایسا ہی ہے جیسے کہ مکمل نماز حاصل کر لی ہے۔

(شافعیؒ، احمدؒ) اسی کے قائل ہیں۔

(ابو حنیفہؒ) یہ صرف نماز عصر کے ساتھ خاص ہے لہذا طلوع آفتاب سے نماز فجر باطل ہو جائے گی خواہ ایک رکعت پہلے پالی ہو (ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں طلوع آفتاب کے وقت نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے لیکن گذشتہ احادیث سے ممانعت

---

(۱) [مسلم (٦٤٨)]

(۲) [شرح مسلم (۱۱٥/۳)]

(۳) [بخاری (٥٧٩) كتاب مواقيت الصلاة : باب من أدرك من الفجر ركعة ' مسلم (٦٠٨) أبو داود (٤١٢) ترمذی (١٨٦) نسائی (٢٥٧/١) ابن ماجة (١١٢٢) دارمی (٢٧٧/١) أبو عوانة (٣٥٨/١) شرح معانی الآثار (٩٠/١) بيهقی (٣٦٧/١)]

(٤) [أحمد (٧٨/٦) مسلم (٦٠٩) كتاب المساجد و مواضع الصلاة : باب من أدرك ركعة من الصلاة فقد أدرك تلك الصلاة ' نسائی (٢٧٣/١) ابن ماجة (٧٠٠) بيهقی (٣٧٨/١) أبو عوانة (٣٧٤/١)]

والی حدیث کی تخصیص ہو جاتی ہے)۔(۱)

(راجح) یقیناً امام شافعیؒ کا موقف ہی راجح ہے کیونکہ گذشتہ صحیح احادیث اس پر شاہد ہیں۔

(ابن حجرؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۲)

(شوکانیؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(۳)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) یہی موقف رکھتے ہیں۔(٤)

(ابن قیمؒ) انہوں نے اسی بات کو ثابت کیا ہے اور مخالفین کا قاطع رد کیا ہے۔(٥)

وَالتَّوْقِيتُ وَاجِبٌ	اور وقت پر نماز پڑھنا واجب ہے۔ ❶

❶ (1) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا کہ ”اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم پر ایسے لوگ حکمران ہوں گے جو نماز فوت کر دیں گے یا نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کر کے ادا کریں گے؟ کہتے ہیں کہ میں نے کہا آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿صل الصلاة لوقتها﴾ ”نماز اس کے وقت میں ادا کرنا“ اور اگر تم ان کے ساتھ بھی نماز پالو تو پڑھ لینا وہ تمہارے لیے نفل بن جائیں گے۔(٦)

(2) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے علی! تین کاموں میں تاخیر نہ کرنا ﴿الصلاة إذا أتت......﴾ ”نماز جب اس کا وقت آ جائے......“(۷)

(3) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”یہ منافق کی نماز ہے وہ بیٹھا رہتا ہے سورج کا انتظار کرتا ہے ﴿حتى إذا اصفرت﴾ ”جب سورج زرد ہو جاتا ہے اور شیطان کے (سر کے) دونوں کناروں کے درمیان ہوتا ہے تو منافق (نماز کے لیے) کھڑا ہوتا ہے اور جلدی جلدی چار رکعت ادا کرتا ہے ان میں بہت ہی کم اللہ کا ذکر کرتا ہے۔“(۸)

(۱) [الأم للشافعی (۱/۱٥٦) المغنی (۲/٥١٦) کشاف القناع (۱/۲٥۷) شرح فتح القدیر (۱/٤۱۷)]

(۲) [فتح الباری (۲/۲۰۰)]

(۳) [نیل الأوطار (۱/٤۸۲)]

(٤) [تحفة الأحوذی (۱/٥۸۱)]

(٥) [أعلام الموقعین (۲/۳٤۱۔۳٤٤)]

(٦) [مسلم (٦٤۸) کتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب کراهية تاخیر الصلاة من وقتها المختار ......، أبو داود (٤۳۱) ترمذی (۱۷٦) نسائی (۲/۷٥) ابن ماجة (۱۲٥٦) ابن خزیمة (۱٦۳۷) أبو عوانة (٤/٤٤۸) ابن حبان (۱٤۸۲) عبدالرزاق (۳۷۸۰) بیهقی (۲/۳۰۱) أحمد (٥/۱۳۷)]

(۷) [ضعيف : الدراية لابن حجر (۱/۱۰٥) ترمذی (۱۷۱) کتاب الصلاة : باب ما جاء فی الوقت الأول من الفضل، ابن ماجة (۱٤۸٦) أحمد (۱/۱۰٥) شیخ البانیؒ نے اس کے معنی کو صحیح کہا ہے۔[المشکاة (٦۰٥)]

(۸) [صحيح : أبو داود (٤۱۳) کتاب الصلاة : باب فی وقت صلاة العصر، مسلم (٦۲۲) مؤطا (۱/۲۲۰) ترمذی (۱٦۰) نسائی (٥۱۱) عبدالرزاق (۲۰۸۰) بیهقی (۱/٤٤٤) ابن خزیمة (۳۳۳) شرح السنة (۲/۲۹)]

یہ تمام دلائل اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ نماز کو اس کے ابتدائی وقت پر ہی پڑھنا لازم و افضل ہے البتہ نماز عشاء کو تاخیر سے پڑھنا افضل ہے کیونکہ آپ ﷺ نے یہی پسند فرمایا ہے اور اسی طرح سخت گرمی میں ظہر کو بھی کچھ تاخیر سے پڑھنا بہتر ہے لیکن بلا وجہ نمازوں کو ان کے اوقات سے مؤخر کر کے پڑھنا بالاتفاق ناجائز ہے۔(۱)

کسی عذر کی وجہ سے نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے۔ ❶	وَالْجَمْعُ لِعُذْرٍ جَائِزٌ

❶ (1) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كان النبي ﷺ إذا ارتحل قبل أن تزيغ الشمس أخر الظهر إلى وقت العصر ثم يجمع بينهما وإذا زاغت صلى الظهر ثم ركب﴾ ''اگر سورج ڈھلنے سے پہلے نبی ﷺ سفر کے لیے روانہ ہوتے تو ظہر کو عصر کے وقت تک موخر کر لیتے پھر انہیں جمع کر کے پڑھ لیتے اور اگر سورج ڈھل گیا ہوتا تو ظہر کی نماز پڑھتے پھر سوار ہوتے۔''(۲)

ایک اور صحیح روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿صلى الظهر والعصر﴾ ''(اگر سورج ڈھل گیا ہوتا) تو ظہر اور عصر دونوں کو جمع کر کے پڑھتے (پھر سفر پر روانہ ہوتے)۔(۳)

129- رسول اللہ ﷺ نے بغیر کسی عذر کے بھی نمازوں کو جمع کیا ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿جمع رسول الله بين الظهر والعصر وبين المغرب والعشاء بالمدينة من غير خوف ولا مطر﴾ وفي رواية ﴿من غير خوف ولا سفر﴾ ''رسول اللہ ﷺ نے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو مدینہ میں بغیر کسی خوف اور بارش کے جمع کیا۔'' اور ایک روایت میں یہ ہے کہ ''بغیر کسی خوف اور سفر کے جمع کیا۔''(۴)

یہاں یہ بات یاد رہے کہ نمازوں کو جمع کرنے کی دو صورتیں ہیں:

(1) ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت میں اس طرح ادا کرنا کہ ابھی صرف ایک نماز کا وقت ہو دوسری کا نہ ہو مثلاً عصر کو ظہر کے ساتھ اس کے ابتدائی وقت میں پڑھ لینا۔ یہ جمع صرف مسافر کے لیے جائز ہے۔

(2) پہلی نماز کو مؤخر کر کے آخری وقت میں اور دوسری کو جلدی کر کے پہلے وقت میں پڑھ لینا اس طرح بظاہر دونوں نمازیں جمع بھی ہو جائیں گی اور فی الحقیقت اپنے اپنے وقتوں میں ادا ہوں گی' اس جمع کو جمع صوری کہتے ہیں اور جس روایت میں بغیر کسی عذر کے نمازوں کو جمع کرنے کا ذکر ہے اس سے یہی جمع مراد ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿صليت مع النبي ﷺ الظهر والعصر جميعا والمغرب والعشاء جميعا أخر الظهر وعجل العصر...... وأخر المغرب

---

(۱) [السيل الجرار (۱۸۹/۱) شرح مسلم للنووی (۱۱۵/۳) نيل الأوطار (۴۸۳/۱) الروضة الندية (۲۰۸/۱)]

(۲) [بخاری (۱۱۱۲) كتاب الجمعة : باب إذا ارتحل بعد مازاغت الشمس صلى الظهر......' مسلم (۷۰۴)]

(۳) [صحيح : إرواء الغليل (۲۸/۳) أبو داود (۱۲۰۶) كتاب الصلاة : باب الجمع بين الصلاتين' ترمذی (۵۵۳) دارقطنی (۳۹۲/۱) أحمد (۲۳۷/۵)]

(۴) [موطا (۱۴۴/۱) كتاب قصر الصلاة في السفر: باب الجمع بين الصلاتين في الحضر والسفر' مسلم (۷۰۵) أبو داود (۱۲۱۰) نسائی (۶۰۱ ' ۶۰۲) ابن خزيمة (۹۷۱) أحمد (۲۸۳/۱)]

وعجل العشاء﴾ ”میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ظہر وعصر کی نماز اکٹھی ادا کی اور مغرب وعشاء کی نماز اکٹھی ادا کی (وہ اس طرح کہ) آپ ﷺ نے ظہر کو مؤخر کر دیا اور عصر کو جلدی پڑھ لیا اور مغرب کو مؤخر کر دیا اور عشاء کو جلدی پڑھ لیا۔“ (۱)

(شوکانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔ (۲)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ (۳)

دوران بارش اور حالت مرض میں بعض علماء نے (مسافر کی طرح نماز) جمع کرنے کی اجازت دی ہے مثلاً امام احمدؒ امام شافعی اور امام اسحاق رحمہم اللہ اجمعین وغیرہ تاہم امام شافعیؒ کے مشہور قول کے مطابق مریض کے لیے نمازیں جمع کرنے کی ممانعت منقول ہے۔ (٤)

(راجح) دوران بارش یا حالت مرض میں (مسافر کی طرح یعنی ایک وقت میں) نمازیں جمع کرنا درست نہیں (کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو نبی ﷺ بیماری کی حالت میں نمازیں جمع فرماتے اور دوسرے مریض صحابہ کو بھی اس کی تلقین کرتے حالانکہ ایسا کچھ منقول نہیں) البتہ جمع صوری (اپنے اپنے وقت میں نمازیں پڑھنے) کا جواز بہر حال موجود ہے۔ (٥)

(احناف) سفر میں بھی نمازیں جمع کرنا جائز نہیں۔ ان کی دلیل ضعیف روایت ہے جو کہ قابل حجت نہیں۔ (٦)

وَالْمُتَيَمِّمُ وَنَاقِصُ الصَّلَاةِ أَوِ الطَّهَارَةِ يُصَلُّونَ كَغَيْرِهِمْ مِنْ غَيْرِ تَأْخِيرٍ	تیمم کرنے والا اور جس کی نماز یا طہارت میں کوئی کمی رہ گئی ہو ❶ دیگر لوگوں کی طرح وہ بھی بغیر کسی تاخیر کے نماز ادا کریں۔ ❷

❶ نماز میں کمی مثلاً بیماری کی وجہ سے نماز کے مکمل ارکان ادا نہ کر سکتا ہو اور طہارت میں کمی سے مراد یہ ہے کہ ایسا شخص جس کے اعضائے وضوء میں سے بعض کو زخم یا کسی اور عذر کی وجہ سے دھونا محال ہو۔

❷ جن لوگوں نے ایسے معذور حضرات کے لیے نماز کو تاخیر سے پڑھنا لازم قرار دیا ہے ان کی یہ رائے خطا پر مبنی ہے اور ان کا یہ قول نقل وعقل کے خلاف ہے اگر ہم کتاب وسنت کا عمیق مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو ایسے اعذار میں نماز کو اس کے مقررہ وقت سے لیٹ کر کے پڑھتا ہو چہ جائیکہ اسے واجب کہا جائے یا اضطراری وقت تک تاخیر کو لازم قرار دیا جائے بلکہ اگر نماز کا وقت آنے پر پانی موجود نہ ہو تو تیمم کو مشروع کیا گیا ہے اور اسی طرح جو کسی بیماری کی وجہ سے طہارت یا نماز کو مکمل طور پر ادا نہ کر سکتا ہو تو نماز کا وقت آنے پر اس کے لیے جس قدر ممکن ہو سکے نماز پڑھنا جائز ہے اور یہی اس سے مطلوب ہے اور اس پر واجب ہے اور اگر ایسے شخص پر تاخیر واجب ہوتی تو شارع علیہ السلام اسے بیان فرما دیتے (حالانکہ ایسا کچھ

(۱) [مسلم (۱۱۵۲) كتاب صلاة المسافرين وقصرها : باب الجمع بين الصلاتين في الحضر]

(۲) [نيل الأوطار (۲۲۷/۲)]

(۳) [تحفة الأحوذي (۵۸۵/۱)]

(٤) [تحفة الأحوذي (۵۸۷/۱) فتح الباري (۲۳۱/۲)]

(٥) [السيل الجرار (۱۹۳/۱)]

(٦) [فيض القدير (۱۱۳/٦) ضعيف ترمذي (۲۸) الضعيفة (٤٥۸۱) ضعيف الجامع (٥٥٤٦)]

منقول نہیں)۔

حاصل کلام یہی ہے کہ ایام نبوت میں ایسی کوئی بات نہیں سنی گئی حالانکہ ان میں بھی لوگ مریض ہوتے تھے اور بعض کو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿صل قائما فإن لم تستطع فقاعدا فإن لم تستطع فعلی جنب﴾ ''کھڑے ہو کر نماز پڑھو اگر اس کی استطاعت نہیں رکھتے تو بیٹھ کر اور اگر اس کی بھی استطاعت نہیں ہے تو پہلو کے بل پڑھ لو۔'' (١)

لیکن ایسی کوئی بات معروف نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے ان میں سے کسی ایک کو بھی نماز وقت سے مؤخر کر کے پڑھنے کا حکم دیا ہو اور نہ ہی ایسا کوئی ایک حرف بھی کتاب و سنت میں منقول ہے اور اسی طرح آپ ﷺ کی وفات کے بعد عصر صحابہ' عصر تابعین اور عصر تبع تابعین میں بھی ایسی کوئی بات معروف و مشہور نہیں ہوئی اور نہ ہی ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک نے بھی ایسی کوئی بات کی ہے' اس طرح کے عجیب مسائل و آراء کے ساتھ ہماری اس زمین کے باشندے ہی خاص ہیں۔ (٢)

وَأَوْقَاتُ الْكَرَاهَةِ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتّٰى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ وَعِنْدَ الزَّوَالِ وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ	کراہت کے اوقات یہ ہیں: فجر سے لے کر سورج کے اچھی طرح طلوع ہونے تک' اور (جمعہ کے علاوہ) زوال کے وقت اور عصر کے بعد غروب آفتاب تک۔ ❶

❶ (1) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تین اوقات ایسے ہیں جن میں نماز پڑھنے اور میت کی تدفین سے رسول اللہ ﷺ ہمیں منع فرمایا کرتے تھے ﴿حین تطلع الشمس بازغة حتی ترتفع وحین یقوم قائم الظهیرة حتی تزول الشمس وحین تتضیف الشمس للغروب﴾ ''جب آفتاب طلوع ہو رہا ہو حتی کہ بلند ہو جائے' جب سورج نصف آسمان پر ہو تاوقتیکہ وہ ڈھل جائے اور جس وقت سورج غروب ہونا شروع ہو جائے۔''

(2) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ﴿لا صلاة بعد الصبح حتی تطلع الشمس ولا صلاة بعد العصر حتی تغیب الشمس﴾ ''صبح کی نماز ادا کر لینے کے بعد طلوع آفتاب تک کوئی نماز (جائز) نہیں اور اسی طرح نماز عصر ادا کر لینے کے بعد غروب آفتاب تک کوئی دوسری نماز (جائز) نہیں۔'' (٣)

(3) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ﴿کنا ننهی عن الصلاة عند طلوع الشمس وعند غروبها ونصف النهار﴾ ''ہمیں طلوع آفتاب کے وقت' غروب آفتاب کے وقت اور آدھے دن کو نماز پڑھنے سے روکا جاتا تھا۔'' (٤)

نصف النہار نماز کی کراہت سے نماز جمعہ مستثنیٰ ہے جیسا کہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أنه کره أن یصلی

(١) [بخاری (١١١٧) کتاب الجمعة : باب إذا لم یطلق قاعدا صلی علی جنب' نسائی (٢٢٤/٣) بیهقی (١٥٥/٣) أبو داود (٩٥٢) ترمذی (٣٧٢) ابن ماجة (١٢٢٣)]

(٢) [السیل الجرار (١٩١/١-١٩٣) وبل الغمام (٣٠٣/١) الروضة الندیة (٢١٠/١)]

(٣) [بخاری (٥٨٦) کتاب مواقیت الصلاة : باب لا تتحرك الصلاة قبل غروب الشمس' مسلم (٨٢٧) أبو عوانة (٣٨٠/١) نسائی (٥٦٧) أحمد (٩٥/٣) أبو داود (٢٤١٧) ابن ماجة (١٢٤٩) بیهقی (٤٥٢/٢)]

(٤) [شرح معانی الآثار للطحاوی (٣٠٤/١)]

نصف النهار إلا يوم الجمعة﴾ ''آپ ﷺ نے آدھے دن کے وقت جمعہ کے دن کے سوا نماز پڑھنا ناپسند کیا ہے۔''(۱)

اگر چہ یہ روایت ضعیف ہے لیکن دوسری حدیث سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز جمعہ پڑھتے ﴿ثم ننصرف وليس للحيطان فيئ﴾ ''پھر ہم واپس جاتے اور اس وقت دیواروں کا سایہ نہیں ہوتا تھا۔''(۲)

130- کیا ان مکروہ اوقات سے مسجد حرام مستثنیٰ ہے؟

جس حدیث سے ثابت کیا جاتا ہے کہ گذشتہ ذکر کردہ تین مکروہ اوقات سے مسجد حرام مستثنیٰ ہے وہ یہ ہے:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿يا بني عبد مناف لا تمنعوا أحدا طاف بهذا البيت وصلى أية ساعة شاء من ليل أو نهار﴾ ''اے عبد مناف کی اولاد! بیت اللہ کا طواف کرنے والے کسی شخص کو منع نہ کرو اور نہ کسی نماز پڑھنے والے کو (نماز پڑھنے سے) خواہ وہ شب و روز کی کسی گھڑی میں یہ کام کرے۔''(۳)

(احمدؒ، شافعیؒ، اسحاقؒ، طحاویؒ) مکہ میں مکروہ اوقات میں بھی نماز و طواف جائز ہے۔

(صدیق حسن خانؒ) اسی کے قائل ہیں۔

(عبدالرحمن مبارکپوریؒ) یہی موقف رکھتے ہیں۔

(جمہور) کراہت کی جانب کو ترجیح دیتے ہوئے ممانعت کی احادیث پر عمل کرتے ہیں۔

(ابوحنیفہؒ، محمدؒ، ابویوسفؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٤)

(نوویؒ) امت کا اجماع ہے کہ عصر کے بعد ممنوع اوقات میں ایسی نماز جس کا کوئی سبب نہ ہو مکروہ ہے اور اس پر بھی امت کا اتفاق ہے کہ ان اوقات میں فرائض کی ادائیگی جائز ہے لیکن ایسے نوافل کی ادائیگی میں اختلاف ہے جن کا کوئی سبب ہو مثلاً تحیۃ المسجد، سجود التلاوہ، سجدہ شکر، نماز عید، نماز کسوف اور نماز جنازہ وغیرہ۔(٥)

(محمد صبحی حسن حلاق) اس حدیث میں مذکورہ (مکروہ) اوقات میں نماز کے جواز کا ثبوت نہیں ہے بلکہ اس میں تو عبد مناف کی اولاد کو صرف اتنا حکم ہے کہ وہ کسی بھی وقت بیت اللہ کا طواف یا نماز پڑھنے والے کو منع نہ کریں۔(٦)

(البانیؒ) اسی کے قائل ہیں اور مزید فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ان اوقات میں (نماز سے) ممانعت

---

(۱) [ضعيف : ضعيف أبو داود (۲۳٦) كتاب الصلاة : باب الصلاة يوم الجمعة قبل الزوال' أبو داود (۱۰۸۳) ضعيف الجامع (۱۸٤۹) المشكاة (۱۰٤۷) بيهقي (۱۹۳/۳)]

(۲) [صحيح : صحيح أبو داود (۹٦۱) كتاب الصلاة : باب وقت الجمعة' أبو داود (۱۰۸۵)]

(۳) [صحيح : صحيح ترمذي (٦۸۸) أبو داود (۱۸۹٤) كتاب المناسك : باب الطواف بعد العصر' ترمذي (۸٦۸) نسائي (۲۹۲٤) ابن ماجة (۱۲۵٤) بيهقي (٤٦۱/۲) أحمد (۸۰/٤)]

(٤) [تحفة الأحوذي (۷۱٤/۳ ـ ۷۱۵) الروضة الندية (۲۱۲/۱) سبل السلام (۲۳۸/۱)]

(٥) [شرح مسلم للنووي (۲۷٤/۳)]

(٦) [التعليق على الروضة الندية (۲۱۲/۱)]

بیت اللہ کے علاوہ ہے۔(۱)

(راجح) شیخ البانیؒ کا قول ہی راجح معلوم ہوتا ہے۔(واللہ اعلم)

131- بعد از نماز عصر دو رکعتوں کی ادائیگی

جس روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نماز عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں ﴿ما ترك النبي ﷺ السجدتين بعد العصر عندي قط﴾ "میرے پاس رسول اللہ ﷺ نے عصر کے بعد دو رکعتیں کبھی نہیں چھوڑیں۔"(۲)

لیکن حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے ان کے گھر میں بعد از نماز عصر صرف ایک مرتبہ دو رکعتیں پڑھیں۔" اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ﴿لم أر يصليهما قبل ولا بعد﴾ "میں نے آپ ﷺ کو یہ دو رکعتیں پڑھتے (کبھی) نہیں دیکھا' نہ اس سے پہلے نہ بعد میں۔"(۳)

ان احادیث کے درمیان تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ نافی کو راوی کے عدم علم پر محمول کیا جائے گا کہ اسے اس کی اطلاع نہیں ہوگی اور مثبت کو نافی پر ترجیح دی جائے گی (جیسا کہ اصول میں یہ بات ثابت ہے)۔(۴)

یہاں نبی ﷺ سے بعد از عصر دو رکعتیں پڑھنا تو ثابت ہو گیا لیکن گذشتہ روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے خود عصر کے بعد کوئی بھی نماز پڑھنا ممنوع قرار دیا ہے۔

(ابن حزمؒ) ممانعت کی احادیث منسوخ ہو چکی ہیں۔(۵)

ہمارے علم کے مطابق اس مسئلہ میں راجح بات یہ ہے کہ ممانعت کی احادیث منسوخ نہیں ہوئیں بلکہ وہ محکم ہیں اور نبی ﷺ نے عصر کے بعد دو رکعت نماز اس لیے ادا کی تھی کہ وفد عبدالقیس کے ساتھ مصروفیت کی وجہ سے آپ ﷺ ظہر کی دو سنتیں نہیں پڑھ سکے تھے لہٰذا آپ ﷺ نے وہ دو سنتیں عصر کے بعد ادا کر لیں جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿شغلني ناس من عبد القيس عن الركعتين بعد الظهر فهما هاتان﴾ "قبیلہ عبدالقیس کے لوگوں نے مجھے ظہر کے بعد کی دو رکعتوں سے مشغول کر دیا پس یہ وہی دو رکعتیں ہیں۔"(۶)

اور آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب بھی کوئی عمل کرتے بعد میں اس پر مداومت اختیار فرماتے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں ہے کہ ﴿و كان إذا صلى صلاة أثبتها يعني "داوم عليها"﴾ "آپ ﷺ جب بھی کوئی نماز

---

(۱) [التعليقات الرضية على الروضة الندية (۲٤١/١)]

(۲) [بخاری (۵۹۱' ۵۹۲) كتاب مواقيت الصلاة : باب ما يصلى بعد العصر من الفوائت]

(۳) **[صحیح** : صحیح نسائی (۵٦٦) كتاب المواقيت : باب الرخصة فى الصلاة قبل غروب الشمس' نسائی (۵۸۲)]

(٤) [تحفة الأحوذى (٥٦٩/١)]

(۵) [تحفة الأحوذى (٥٦٨/١)]

(٦) [بخاری (١٢٣٣) كتاب السهو : باب إذا كلم وهو يصلى فأشار بيده]

ادا فرماتے تو اس پر مداومت اختیار فرماتے۔''(۱)

لہٰذا آپ ﷺ بعد میں بھی نماز عصر کے بعد یہ رکعتیں پڑھتے رہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ عمل صرف آپ ﷺ کے ساتھ ہی خاص تھا اسی لیے جب آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ﴿أفنقضيهما إذا فاتتا﴾ ''اگر یہ دو رکعتیں فوت ہو جائیں تو کیا ہم بھی ان کی قضائی دیں۔؟'' تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿لا﴾ ''نہیں۔''(۲)

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ﴿كان يصلي بعد العصر وينهى عنهما ويواصل وينهى عن الوصال﴾ ''آپ ﷺ خود عصر کے بعد نماز پڑھتے تھے لیکن (دوسروں کو) اس سے منع فرماتے تھے اور آپ ﷺ خود (روزہ میں) وصال فرماتے لیکن دوسروں کو منع کرتے۔''(۳)

ان روایات سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی اور کے لیے ان اوقات میں نوافل ادا کرنا جائز نہیں۔(٤)

(راجح) عصر کے بعد جب تک سورج بلند اور روشن ہو (یعنی ابھی زرد نہ ہوا ہو) کوئی بھی نماز ادا کرنا جائز ہے خواہ فوت شدہ فرض نماز ہو' یا سنت ہو' یا نفل ہو' یا نماز جنازہ ہو۔(٥)

اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن النبي ﷺ نهى عن الصلاة بعد العصر إلا والشمس مرتفعة﴾ ''نبی ﷺ نے عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع کیا ہے الا کہ اس صورت میں (جائز ہے کہ) سورج ابھی بلند ہو۔''(٦)

(2) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عصر کے بعد سورج زرد ہونے تک نفل پڑھنے کی اجازت ثابت ہے۔(۷)

(3) حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔(۸)

(4) علاوہ ازیں صحابہ و تابعین کی ایک جماعت سے عصر کے بعد نماز پڑھنا ثابت ہے۔(۹)

---

(۱) [مسلم (۸۳۵) کتاب صلاة المسافرين و قصرها : باب معرفة الركعتين اللتين كان يصليهما النبي بعد ' نسائي (۲۸۱/۱) ابن خزيمة (۱۲۷۸) ابن حبان (۱۵۷۷)]

(۲) [**ضعيف** : التعليقات الرضية على الروضة الندية (۲٤۲/۱) أحمد (۳۱٥/٦) شرح معاني الآثار (۳۰٦/۱)]

(۳) [**ضعيف** : ضعيف أبو داود (۲۷۸) ضعيف الجامع (٤٥٦٤) إرواء الغليل (٤٤۱) أبو داود (۱۲۸۰)]

(٤) [تحفة الأحوذي (٥٦۸/۱) سبل السلام (۲٤٦/۱) نيل الأوطار (۳۱۹/۱)]

(٥) [عون المعبود (۱۰۹/۲)]

(٦) [**صحيح** : صحيح أبو داود (۱۱۳٥) كتاب الصلاة : باب من رخص فيهما إذا كانت الشمس مرتفعة ' أبو داود (۱۲۷٤)]

(۷) [مجمع الزوائد (۲۲۳/۲)]

(۸) [تلخيص الحبير (۱۸٥/۱) فتح الباري (۲٥۷/۲)]

(۹) [المحلى لابن حزم (٤۲/۲ـ٤۷) ابن أبي شيبة (۳٥۱/۲) شرح معاني الآثار (۲۱۰/۱)]

متفرقات

132- دائمی نقشہ اوقات نماز کی شرعی حیثیت

متعدد علماء سے اس کی ممانعت ومخالفت منقول ہے لیکن راجح قول جواز کا ہی ہے۔

(صدیق حسن خانؒ) انہوں نے اسے علم نجوم کی ایک صورت کہتے ہوئے اس کا رد کیا ہے۔(۱)

(امیر صنعانیؒ) بالاتفاق یہ بدعت ہے اور پوری دنیا کے علماء میں سے کوئی بھی عالم یہ دعوی نہیں کر سکتا کہ دور نبوی یا دور خلفائے راشدین میں یہ عمل موجود تھا لہٰذا یہ عمل صرف بدعت ہے جو کہ غالباً خلیفہ مامون الرشید کے عہد میں شروع ہوا۔(۲)

(جلالؒ) ایسا کوئی عمل نہ تو نبی ﷺ سے ثابت ہے اور نہ ہی آپ ﷺ کے خلفاء میں سے کسی سے اس کا ثبوت ملتا ہے لہٰذا یہ ظاہر بدعت اور سنت کی مخالفت ہے۔(۳)

بعض اہل علم نے تو یہاں تک دعوی کر دیا ہے کہ دلائل صحیحہ کے مطابق درست نقشہ اوقات نماز مرتب کرنے والے اہل علم کو کیلنڈر کی کتابت وطباعت پر زر تعاون مبلغ بیس ہزار (20,000) روپے حق خدمت دیا جائے گا۔ انشاء اللہ۔ ہے کوئی عالم جو دائمی نقشہ اوقات نماز پنجگانہ وطریقہ نماز مسنون مرتب کرے۔(٤)

(البانیؒ) ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب سبل السلام اور اس کے بعد شارح (الروضۃ الندیہ' صدیق حسن خانؒ) ممنوع علم نجوم (جو کہ ستاروں کے ذریعے علم غیب کا دعوی کرنا ہے) اور علم فلک ومیقات اور سورج' چاند اور ستاروں کی منزلیں مقرر کرنے کے علم کے درمیان فرق نہیں جانتے حالانکہ یہ علوم ایسے قطعی دلائل سے صحیح ثابت ہیں جو کہ صحیح حساب پر مبنی ہیں اور انہی کے ذریعے کسوف وخسوف (سورج یا چاند گہن)' نماز اور مہینوں کے اوقات اور ان کے علاوہ دیگر اشیاء کے متعلق معلوم کیا جاتا ہے۔ فی الحقیقت یہ علم نہ تو آپ ﷺ کے زمانے میں تھا اور نہ ہی خلفائے راشدین کے زمانے میں تھا لیکن ہم اسے بدعت کا نام نہیں دے سکتے۔ کیونکہ ہر ایسا جدید علم جو لوگوں کے لیے نفع رساں ہو مسلمانوں کے بعض احباب پر اس کا سیکھنا فرض ہے تا کہ مسلمانوں کو قوت مہیا ہو اور امت اسلامیہ ترقی کرے۔

اور بدعت صرف وہی چیز ہے جسے لوگ عبادات کی انواع واقسام میں ایجاد کر لیں نہ کہ (وہ بدعت ہے) جسے عبادات کے علاوہ دیگر اشیاء میں ایجاد و دریافت کیا گیا ہو اور نہ ہی یہ شریعت کے قواعد کے خلاف ہے اور نہ ہی اصلاً بدعت ہے۔ (واللہ الموفق)۔(٥)

---

(۱) [الروضة الندية (۱/ ۲۰٤)]

(۲) [سبل السلام (۲/ ۳۱۰-۳۱۱)]

(۳) [ضوء النهار (۲/ ٤۲٤)]

(٤) [اوقات نماز کی تحقیق از عبد الرشید انصاری (ص/ ۱۷)]

(٥) [التعليقات الرضية على الروضة الندية (۱/ ۲۳٤)]

(خطابیؒ) وہ علم نجوم جس کے ذریعے تجربہ ومشاہدہ کے بعد زوال شمس اور سمت قبلہ معلوم کی جاتی ہے اس کا حاصل کرنا ممنوع نہیں ہے کیونکہ اس میں صرف یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ جب تک سایہ کم ہوتا جائے گا سورج مشرقی کنارہ سے وسط آسمان کی طرف بڑھتا جائے گا اور جب سایہ زیادہ ہونے لگے گا تو وسط آسمان سے سورج مغربی کنارے کی طرف گرنا شروع ہو جائے گا اور یہ ایک صحیح علم ہے جس کا ادراک مشاہدے سے ہوتا ہے البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اس فن کے جاننے والوں نے ایسے آلات ایجاد کر لیے ہیں کہ جن کی وجہ سے آدمی سورج کی رفتار کا ہر وقت معائنہ کرنے کا محتاج نہیں رہا اور جو ستاروں کے ذریعے قبلہ کی سمت معلوم کی جاتی ہے تو وہ ایسے ستارے ہیں جن کے مطالعہ سے ایسے اہل علم نے قوانین وضع کیے ہیں جن کے دینی شغف اور معرفتِ اسلام میں ہمیں کوئی شک نہیں اور ہم انہیں اس معاملے میں سچا سمجھتے ہیں۔(۱)

(ابن تیمیہؒ) علم نجوم کی دو قسمیں ہیں:

① ایسا علم جس کے ذریعے ماہ وسال کا تعین' کسوف وخسوف اور سمتوں کی معلومات حاصل کی جاتی ہے وہ علم ہیئت ہے اور جائز ہے۔

② ایسا علم جس میں ستاروں کے ذریعے انسانی زندگی کی قسمت کا حال معلوم کیا جاتا ہے وہ کفر وشرک ہے۔(۲)

(راجح) علم نجوم کی وہ قسم جسے جادوگر' کاہن اور نجومی اختیار کرتے ہوئے علم غیب' قسمت کا حال' گمشدہ اشیاء کا پتہ اور آئندہ حالات وواقعات کے علم کا دعوی کرتے ہیں وہ بلاشک وشبہ ناجائز ہے لیکن ایسا علم نجوم جسے دوسرے لفظوں میں علم ہیئت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جس کے ذریعے سمتوں کا تعین' ماہ وسال کی معلومات اور کسوف وخسوف (یعنی پہلے خبردار کر دیا جاتا ہے کہ فلاں وقت میں سورج گہن ہوگا اور پھر دنیا دیکھتی ہے کہ اس وقت سورج گہن ہوتا ہے لیکن کوئی عالم بھی یہ فتوی نہیں لگاتا کہ یہ علم غیب کا دعوی ہے تو یقیناً ایسا ہی ہے کہ یہ علم غیب نہیں ہے بلکہ تجربہ ومشاہدہ کا نتیجہ ہے) وغیرہ کے اوقات معلوم کیے جاتے ہیں وہ ممنوع نہیں ہے اس لیے اگر اس علم کے تحت نمازوں کے اوقات بھی مقرر کر دیے جائیں تو یقیناً اس میں کوئی قباحت نہیں۔

133- نمازیں جمع کرتے وقت ایک آذان اور دو اقامتیں کہی جائیں گی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے (ایک طویل حدیث میں) مروی ہے کہ دوران حج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات میں وقوف کیا ﴿ثم أذن ثم أقام فصلى الظهر ثم أقام فصلى العصر﴾ "پھر (کسی نے) آذان دی' پھر اقامت کہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر ادا کی' پھر اقامت کہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر ادا کی۔"(۳)

(شوکانیؒ) یہی بات راجح ہے۔(۴)

---

(۱) [فتح المجيد (ص/۲۵۷)]

(۲) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مجموع الفتاوى (۱۰۲/۳۵-۱۲۰) (۱۳۹-۱۴۲) (۱۰۸/۲۵-۱۱۰)]

(۳) [مسلم (۱۲۱۸) كتاب الحج: باب حجة النبي' أبو داود (۱۹۰۵) نسائي (۲۹۰/۱) دارمي (۴۴/۲) بيهقي (۷/۵) ابن ماجة (۳۰۷۴)]

(۴) [السيل الجرار (۱۹۵/۱)]

باب الأذان ❶ آذان کا بیان

يُشْرَعُ لِأَهْلِ كُلِّ بَلَدٍ أَنْ يَتَّخِذُوا مُؤَذِّنًا	ہر شہر (آبادی) والوں کے لیے مؤذن مقرر کرنا مشروع ہے۔ ❷

❶ **لغوی وضاحت:** لفظ آذان کا معنی ''اطلاع دینا اور خبردار کرنا'' ہے۔ باب أَذَّنَ يُؤَذِّنُ (تفعّل) ''آذان دینا'' اور باب آذَنَ يُؤْذِنُ (إفعال) ''آگاہ کرنا'' کے معنی میں مستعمل ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے ﴿وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ﴾ [الحج : ۲۷] ﴿وَأَذَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ [التوبة : ۲](۱)

شرعی تعریف: مخصوص الفاظ میں اوقات نماز سے آگاہ کرنا۔(۲)

مشروعیت: (1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ......﴾ [المائدة : ۵۸] ''اور جب تم نماز کے لیے آذان دیتے ہو......''

(2) حدیث نبوی ہے کہ ﴿فإذا حضرت الصلاة فليؤذن لكم أحدكم﴾ ''جب نماز کا وقت ہو جائے تو تمہیں خبردار کرنے کے لیے تم میں سے کوئی شخص آذان دے۔''(۳)

آذان کی ابتدا: حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ایسی تمام احادیث' کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آذان ہجرت سے پہلے مکہ میں ہی مشروع کر دی گئی تھی' ذکر کرنے کے بعد فرمایا ((والحق أنه لا يصح شيئ من هذه الأحاديث)) ''اور حق بات یہی ہے کہ ان احادیث میں سے کچھ بھی صحیح نہیں ہے۔'' امام ابن منذرؒ نے بالجزم کہا ہے کہ آپ ﷺ مکہ میں فرضیت نماز سے ہجرت مدینہ تک بغیر آذان کے ہی نماز پڑھتے تھے حتی کہ آپ ﷺ نے اس مسئلے میں صحابہ سے مشورہ کیا تو صحابہ نے ناقوس' بوق اور آگ وغیرہ جلانے کا مشورہ دیا لیکن حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ نے اپنا خواب بیان کیا کہ جس میں آذان کا ذکر تھا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی نبی ﷺ کے سامنے اسی طرح کا خواب دیکھنے کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿يا بلال قم فناد بالصلاة﴾ ''اے بلال! کھڑے ہو جاؤ اور نماز کے لیے آذان دو۔''(۴)

بعد ازاں عہد رسالت میں اسی پر مداومت و مواظبت رہی حتی کہ آپ ﷺ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔(۵)

❷ آذان کے حکم میں علماء نے اختلاف کیا ہے

(احمدؒ، مالکؒ) آذان دینا واجب ہے۔

---

(۱) [المنجد (ص/۳٤) القاموس المحيط (ص/۱۰۵۸) الفقه الإسلامي وأدلته (۶۹۱/۱)]

(۲) [شرح مسلم للنووي (۳۱۱/۲) نيل الأوطار (٤۹۲/۱) تحفة الأحوذي (۵۸۹/۱) اللباب (٦٢/١) كشاف القناع (۲٦٦/۱)]

(۳) [بخاري (٦٢٨) كتاب الأذان : باب من قال ليؤذن في السفر مؤذن واحد' مسلم (٦٧٤) أبو داود (۵۸۹) ترمذي (۲۰۵) نسائي (٦٣٤) ابن ماجة (۹۷۹)]

(٤) [بخاري (٦٠٤) كتاب الأذان : باب بدء الأذان' مسلم (۳۷۷) ترمذي (۱۹۰) نسائي (۲/۲) أحمد (۱٤۸/۲) أبو داود (٤۹۹) صحيح أبو داود (٤٦۹)]

(۵) [فتح الباري (۲۷۹/۲) تحفة الأحوذي (۵۸۹/۱) نيل الأوطار (٤۹۲/۱) الروضة الندية (۲۱۵/۱)]

(ابوحنیفہؒ، شافعیؒ) آذان دینا محض سنت و مستحب ہے۔

(نوویؒ) آذان دینا سنت ہے۔(۱)

علاوہ ازیں بعض لوگوں نے اسے سنت مؤکدہ اور بعض نے فرض کفایہ قرار دیا ہے۔

(راجح) آذان دینا فرض ہے اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) نبی ﷺ نے حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کو واپس اپنے علاقے کی طرف روانہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿فإذا حضرت الصلاة فليؤذن لكم أحدكم﴾ "جب نماز کا وقت ہو جائے تو تمہیں اطلاع دینے کے لیے تم میں سے ایک شخص آذان دے۔"(۲)

(2) حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ نے جب اپنا خواب بیان کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بلاشبہ یہ سچا خواب ہے ﴿ثم أمر بالتأذين﴾ "پھر آپ ﷺ نے آذان دینے کا حکم ارشاد فرمایا۔"(۳)

(3) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی ﷺ ہمارے ساتھ مل کر کسی قوم سے غزوہ کے لیے جاتے تو صبح تک انتظار فرماتے ﴿فإن سمع أذانا كف عنهم وإن لم يسمع أذانا أغار عليهم﴾ "اگر آذان سن لیتے تو ان پر حملے سے رک جاتے اور اگر نہ سنتے تو ان پر حملہ کر دیتے۔"(۴)

(4) حدیث نبوی ہے کہ ﴿أمر بلال أن يشفع الآذان......﴾ "حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ وہ دوہری آذان دیں۔"(۵)

(ابن تیمیہؒ) آذان دینا فرض ہے۔(۶)

(شوکانیؒ) اس کے وجوب میں کوئی تردد و شبہ نہیں اور اس کے دلائل روشن آفتاب کی طرح واضح ہیں۔(۷)

(صدیق حسن خانؒ) ظاہر وجوب ہی ہے۔(۸)

(البانیؒ) برحق بات یہی ہے کہ آذان دینا فرض کفایہ ہے۔(۹)

---

(۱) [بداية المجتهد (۱۰۳/۱) المهذب (۵۵/۱) اللباب (۶۲/۱) بدائع الصنائع (۱٤٦/۱) الدر المختار (۳۵٦/۱) فتح القدير (۱٦۷/۱)]

(۲) [بخاری (٦۲۸) كتاب الآذان : من قال ليؤذن في السفر مؤذن واحد' مسلم (٦۷٤) أبو داود (۵۸۹) ترمذی (۲۰۵) ابن ماجة (۹۷۹) دارمی (۲۸٦/۱) أحمد (۵۳/۵)]

(۳) [حسن : صحيح أبو داود (٤٦۹) كتاب الصلاة : باب كيف الأذان ' أحمد (٤۳/٤) أبو داود (٤۹۹) ابن ماجة (۷۰٦) عبدالرزاق (۱۷۸۷)]

(٤) [أحمد (۱۳۲/۳) بخاری (٦۱۰) كتاب الآذان : باب ما يحقن بالأذان من الدماء' مسلم (۳۸۲) ترمذی (۱٦۱۸)]

(۵) [بخاری (٦۰۵) كتاب الأذان : باب الأذان مثنى مثنى' مسلم (۳۷۸) أبو داود (۵۰۸) ترمذی (۱۰۱۳) ابن ماجة (۷۳۰) أحمد (۱۰۳/۳) دارمی (۲۷۰/۱)]

(٦) [مجموع الفتاوى (٦۷/۱ ـ ٦۸)]

(۷) [السيل الجرار (۱۹۷/۱)]

(۸) [الروضة الندية (۲۱۵/۱)]

(۹) [تمام المنة (ص/۱٤٤)]

134- کیا صرف مکلّف مرد کو مؤذن مقرر کیا جائے گا؟

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! مجھے میری قوم کا امام بنا دیجیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ان کا امام ہے' ان میں کمزور ضعیف لوگوں کو خیال رکھنا' ﴿واتخذ مؤذنا لا یاخذ علی آذانه أجراً﴾ ''اور مؤذن ایسے آدمی کو مقرر کرو جو آذان کہنے کی اجرت نہ لے۔'' (۱)

بعض علما نے مکلّف کی قید اس لیے لگائی ہے کیونکہ آذان شرعی عبادت ہے جو کہ اس کے مکلّف کے علاوہ کسی اور سے کافی نہیں ہوتی لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ شریعت سے ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اور مرد اس لیے ضروری ہے کیونکہ ایام نبوت' دور صحابہ' دور تابعین اور دور تبع تابعین میں کبھی ایسا نہیں سنا گیا کہ مشروع آذان ''جو کہ اوقات نماز سے آگاہی اور نماز کی طرف پکار (کا ایک ذریعہ) ہے'' کسی عورت نے کہی ہو۔ (۲)

135- کیا عورت آذان کہہ سکتی ہے؟

امام نوویؒ رقمطراز ہیں کہ اس مسئلے میں تین اقوال ہیں:

(1) خواتین کے لیے اقامت مستحب ہے لیکن آذان نہیں۔ آذان اس لیے نہیں کیونکہ آذان (اوقات نماز سے) خبردار و آگاہ کرنے کے لیے ہوتی ہے اور یہ صرف بلند آواز کے ذریعے ہی ممکن ہے لہٰذا عورتوں کے برسر عام آواز بلند کرنے میں فتنے کا اندیشہ ہے۔ اسی لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے ﴿لیس علی النساء آذان و أما أن الإقامة تستحب﴾ ''عورتوں پر آذان کہنا لازمی نہیں ہے البتہ اقامت کہنا مستحب ہے۔''

(2) خواتین کے لیے آذان واقامت دونوں ہی درست نہیں۔ آذان اس لیے نہیں جیسا کہ ابھی بتلایا گیا ہے اور اقامت اس لیے نہیں کیونکہ یہ بھی اسی کے تابع ہے۔

(3) آذان واقامت دونوں مستحب ہیں۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق مروی ہے کہ ﴿أنها کانت تؤذن و تقیم﴾ ''وہ آذان دیا کرتی تھیں اور اقامت بھی کہا کرتی تھیں۔'' (۳)

(ابن حزمؒ) عورتوں پر آذان واقامت کہنا ضروری نہیں لیکن اگر وہ آذان واقامت کہتی ہیں تو بہتر ہے۔ اس کی دلیل (یعنی ان پر عدم وجوب کی) یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آذان کا حکم صرف انہیں دیا ہے کہ جن پر جماعت میں آکر نماز پڑھنا فرض کیا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا ﴿فلیؤذن لکم أحدکم ولیؤمکم أکبرکم﴾ اور جنہیں یہ حکم دیا گیا ہے خواتین ان میں شامل نہیں ہیں۔

لیکن آذان واقامت بہر حال اللہ کا ذکر ہے اور انہیں ان کے وقت میں کہنا ایک اچھا فعل ہے اور ہم نے ''عن ابن جریج عن عطاء'' روایت کیا ہے کہ ''عورت اپنی ذات کے لیے اقامت کہہ سکتی ہے اور امام طاؤسؒ نے کہا ہے کہ حضرت ام

---

(۱) [أبو داود (۵۳۱) کتاب الصلاة : باب أخذ الأجرة علی التاذین' بخاری (۶۳۰) ترمذی (۲۰۹) نسائی (۲۳/۲) ابن ماجة (۷۱٤) بیهقی (٤۲۹/۱) أحمد (۲۱/٤)]

(۲) [السیل الجرار (۱۹۸/۱۔ ۱۹۹)]

(۳) [المجموع (۱٤٦/۳۔۱٤۷)]

المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا آذان واقامت دونوں کہتی تھیں۔''(۱)

(شوکانیؒ) ظاہر بات یہی ہے کہ عورتیں بھی (آذان کے حکم میں) مردوں کی طرح ہی ہیں کیونکہ وہ شقائق الرجال ہیں اور مردوں کے لیے دیا گیا حکم ان کے لیے بھی ہے اور ایسی کوئی دلیل وارد نہیں ہوئی جو ان پر عدم وجوب کے اثبات کے لیے قابل حجت ہو اور جو اس مسئلے میں وارد ہے اس کی سندوں میں متروک راوی ہیں اس لیے ان کے ساتھ حجت لینا جائز نہیں۔ اگر تو عورتوں کو اس مسئلے سے خارج کرنے کی کوئی صحیح دلیل مل جائے تو ٹھیک ورنہ وہ مردوں کی طرح ہی ہیں۔(۲)

(ابن بازؒ) علماء کے اقوال میں سے صحیح ترین یہی ہے کہ عورتوں پر آذان دینا نہیں ہے۔(۳)

(راجح) مردوں کی طرح عورتوں کا مسجد میں آذان دینا تو بالکل جائز نہیں اور نہ ہی ایسی جگہ پر اونچی آواز کے ساتھ آذان دینا درست ہے جہاں غیر محرم مردوں تک آواز پہنچنے کا امکان ہو۔ علاوہ ازیں اگر کسی الگ جگہ میں صرف خواتین کی مجلس یا اجتماع ہو اور غیر محرم مردوں تک آواز کے پہنچنے کا اندیشہ بھی نہ ہو تو ہلکی آواز سے عورت آذان دے سکتی ہے (واللہ اعلم) جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے عمل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے ﴿أنها كانت تؤذن وتقيم﴾(٤)

(البانیؒ) یہ اور اس طرح کے آثار عمل کے لیے درست ہیں۔(٥)

يُنَادِيْ بِأَلْفَاظِ الْآذَانِ الْمَشْرُوْعَةِ	وہ مسنون الفاظ میں آذان دے گا۔❶

❶ حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے خواب میں ایک شخص ملا اور اس نے کہا کہ (آذان) اس طرح کہو "اللہ أکبر اللہ أکبر، اللہ أکبر اللہ أکبر، أشهد أن لا اله إلا الله، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن محمد الرسول الله، أشهد أن محمد رسول الله، حي على الصلاة، حي على الصلاة، حي على الفلاح، حي على الفلاح، الله اكبر الله اكبر، لا إله إلا الله"

پھر اس نے کہا کہ اقامت کے وقت یہ کہو "اللہ أکبر اللہ أکبر، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن محمدا رسول الله، حي على الصلاة، حي على الفلاح، قد قامت الصلاة، قد قامت الصلاة، الله أكبر الله أكبر، لا إله إلا الله"

(حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) صبح کے وقت جب یہ خواب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إنها لرؤيا حق إن شاء الله﴾ ''بے شک انشاء اللہ یہ خواب سچا ہے'' بعد ازاں جب میرے بتلانے پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ آذان کہہ رہے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھر پر (وہ آذان) سنتے ہی اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے نکلے اور کہہ رہے تھے اے اللہ کے رسول! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث فرمایا ﴿لقد رأيت مثل ما أرى﴾ ''بے شک میں نے بھی اس طرح کا خواب دیکھا ہے کہ جیسا اسے دکھایا گیا ہے۔'' اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿فلله الحمد﴾

(۱) [المحلی (۱۲۹/۳)]

(۲) [السیل الجرار (۱۹۷/۱-۱۹۸)]

(۳) [الفتاوی الإسلامیه (۳۲٦/۱)]

(٤) [بیهقی (٤٠٨/١) حاکم (۲۰۳/۱) عبدالرزاق (۱۲٦/۳) ابن أبی شیبة (۲۲۳/۱)]

(٥) [تمام المنة (ص/١٥٤)]

”تعریف صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔“ (۱)

آذان فجر میں ”حیی علی الفلاح“ کے بعد دو مرتبہ ”الصلاۃ خیر من النوم“ کہنا مشروع ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث اس پر شاہد ہیں:

(1) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿من السنة إذا قال المؤذن في الفجر حيي على الفلاح قال : "الصلاة خير من النوم"﴾ ”سنت ہے کہ جب مؤذن صبح کی آذان میں ”حیی علی الفلاح“ کہے تو کہے ”الصلاۃ خیر من النوم“ (۲)

(2) حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آذان سکھائی اور اس میں ارشاد فرمایا کہ اگر صبح کی نماز ہو تو (آذان کے وقت) یہ کہو ’الصلاۃ خیر من النوم‘ الصلاۃ خیر من النوم۔“ (۳)

136- ترجیع والی (یعنی دوہری) آذان مشروع ہے

ترجیع والی آذان سے مراد ایسی آذان ہے کہ جس میں کلمہ شہادتین کو دو دو مرتبہ دہرایا گیا ہو۔ پہلی دو مرتبہ ہلکی آواز میں جبکہ دوسری دو مرتبہ قدرے اونچی آواز میں۔ یہ آذان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو سکھائی تھی۔ (٤)

(جمہور، شافعیؒ، احمدؒ، مالکؒ) ترجیع والی آذان مستحب ہے (ان کی دلیل حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے)۔

(ابوحنیفہؒ) یہ آذان مستحب نہیں ہے۔ (ان کا کہنا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے اس لیے یہ مشروع نہیں حالانکہ حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جنگ حنین کے بعد 8 ہجری کی ہے اور حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث پہلی ہجری کی لہٰذا حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو اضافہ ہے اسے یقیناً قبول کیا جانا چاہیے۔) (٥)

اس آذان کو مستحب نہ کہنے والوں کا گمان یہ بھی ہے کہ حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ جن سے آذان میں ترجیع ثابت ہے انہیں تعلیم دینا مقصود تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تعلیم دی کہ پہلی مرتبہ آذان میں شہادتین کچھ دھیمی و پست آواز میں اور دوسری مرتبہ اونچی آواز سے کہیں۔

اسکا جواب یوں دیا گیا ہے کہ حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ وفات تک مکہ میں مؤذن مقرر رہے اور ان کی وفات انسٹھ (59) ہجری کو ہوئی۔ دریں اثناء صحابہ و تابعین ان کی ترجیع والی آذان سنتے رہے اور مواسم حج میں مختلف علاقوں سے آنے والی مسلمانوں کی کثیر تعداد بھی اس آذان کو سنتی رہی لیکن کسی ایک کا بھی اس پر انکار منقول نہیں۔ اگر یہ خلاف سنت ہوتی تو یہ سب

---

(۱) [صحیح : صحیح أبو داود (٤٦٩) كتاب الصلاة : باب كيف الأذان ' أبو داود (٤٩٩) ابن ماجة (٧٠٦) أحمد (٤٢/٤) بيهقي (٣٩٠/١) دارمي (٢٦٨/١) دارقطني (٢٤١/١) عبدالرزاق (١٧٨٧) ابن خزيمة (٣٧١) بيهقي (٢٤١/١)]

(۲) [صحیح : صحيح ابن خزيمة (٣٨٦) دارقطني (٢٤٣/١) بيهقي (٤٢٣/١) تلخيص الحبير (٣٦١/١)]

(۳) [صحیح : صحيح أبو داود (٤٧٢) كتاب الصلاة : باب كيف الأذان ' أبو داود (٥٠٠)]

(٤) [مسلم (٣٧٩) كتاب الصلاة : باب صفة الأذان ' ترمذي (١٧٦) ابن ماجة (٧٠١)]

(٥) [شرح المهذب (١٠٤/٣) الهداية (٤١/١) سبل السلام (١٦٦/١ ـ ١٦٨) المبسوط (١٢٨/١)]

لوگ اس غلطی کو قائم نہ رہنے دیتے۔(۱)

(راجح) جمہور کا قول راجح ہے۔

(ابن قیمؒ) آذان میں ترجیع وغیر ترجیع دونوں سنت ہے۔(۲)

(نوویؒ) آذان میں ترجیع ثابت ومشروع ہے۔(۳)

(شوکانیؒ) آذان میں ترجیع جائز ہے۔(٤)

(امیر صنعانیؒ) حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ترجیع کی زیادتی ہے اور عادل کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔(٥)

عِنْدَ دُخُوْلِ وَقْتِ الصَّلَاةِ	جب نماز کا وقت ہو جائے۔ ❶

❶ کیونکہ آذان کا مقصد ہی اوقات نماز سے باخبر کرنا ہے۔ البتہ نماز فجر کے وقت سے پہلے آذان دی جا سکتی ہے لیکن یہ یاد رہے کہ یہ آذان نماز فجر کے لیے نہیں ہوگی بلکہ تہجد ونوافل کے لیے اور لوگوں کو بیدار ومتنبہ کرنے کے لیے ہوگی۔ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تم میں سے کسی کو ہرگز بلال رضی اللہ عنہ کی آذان اس کی سحری سے مت روکے کیونکہ وہ رات کو آذان دیتا ہے تاکہ تمہارے تہجد گزار کو لوٹا دے اور تمہارے سونے والے کو جگا دے۔“(٦)

(2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إن بلالا يؤذن بليل فكلوا واشربوا حتى يؤذن ابن أم مكتوم﴾ ”حضرت بلال رضی اللہ عنہ رات کو آذان دیتے ہیں اس لیے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے آذان دینے تک کھاؤ اور پیو۔“(۷)

(3) حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿لا يغرنكم من سحوركم أذان بلال﴾ ”تمہاری سحریوں سے تمہیں بلال رضی اللہ عنہ کی آذان کہیں دھوکے میں نہ ڈال دے۔“(۸)

(۱) [تحفة الأحوذی (۱/۵۹۷_۵۹۸)]

(۲) [زاد المعاد (۲/۳۸۹)]

(۳) [شرح مسلم (۲/۳۱۷)]

(٤) [السيل الجرار (۱/۲۰۳)]

(٥) [سبل السلام (۱/۲٥۱)]

(٦) [بخاری (٦۲۱) كتاب الأذان : باب الأذان قبل الفجر' مسلم (۱۰۹۳) ابن ماجة (۱٦۹٦) نسائی (٤/۱٤۸) أحمد (۱/٤۳٥) بيهقى (۱/۳۸۱) أبو عوانة (۱/۳۷۳) ابن خزيمة (۱۹۲۸)]

(۷) [بخاری (٦۱۷) كتاب الأذان : باب أذان الأعمى إذا كان له من يخبره' مسلم (۱۰۹۲) مؤطا (۱/۷٤) حميدى (٦۱۱) دارمی (۱/۲٦۹) ترمذى (۲۰۳) نسائی (۲/۱۰) أحمد (۲/۱۲۳) ابن خزيمة (٤۰۱) شرح معانی الآثار (۱/۸۲)]

(۸) [مسلم (۱۰۹٤) كتاب الصيام : باب بيان أن الدخول فى الصوم يحصل بطلوع الفجر' أبو داود (۲۳٤٦) ترمذى (۷۰۱) نسائی (٤/۱٤۸) أحمد (٥/۱۸) دارقطنی (۲/۱٦۷) بيهقى (٤/۲۱٥)]

(جمہور) نماز فجر کا وقت آنے سے پہلے آذان کہنا جائز ہے۔

(ابوحنیفہؒ) یہ آذان جائز نہیں ہے۔(۱)

ناجائز کہنے والوں کی دلیل وہ حدیث ہے کہ جس میں مذکور ہے ''ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے طلوع فجر سے پہلے آذان دے دی تو نبی ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ واپس جائیں اور اعلان کریں کہ ﴿ألا إن العبد نام ' ألا إن العبد نام﴾ ''خبردار بندہ سو گیا تھا' خبردار بندہ سو گیا تھا۔''(۲)

(البانیؒ) نماز فجر سے پہلے آذان تہجد دینا ایسی سنت ہے کہ جسے چھوڑ دیا گیا ہے۔ یقیناً ایسے شخص کے لیے مبارک ہے جو اسے بتوفیق الٰہی زندہ کرے۔(۳)

(راجح) جب کسی فرض نماز کے لیے آذان دی جائے گی تو صرف اس کے وقت میں ہی دی جائے گی البتہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا فجر سے پہلے آذان دینا نماز کے لیے نہیں تھا بلکہ اس کی علت آپ ﷺ کے اس فرمان سے واضح ہے کہ ﴿ليرجع قائمكم ' ليوقظ نائمكم﴾ اور جس حدیث میں ہے ﴿ألا إن العبد نام﴾ اگر وہ صحیح ثابت ہو جائے تو اس کی تاویل اس طرح کی جائے گی کہ یہ واقعہ پہلی آذان مشروع ہونے سے پہلے کا ہے کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہی پہلے مؤذن تھے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے انہیں کلمات بتلائے تھے پھر نبی ﷺ نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو بھی مؤذن مقرر کر لیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ پہلی آذان دیتے پھر طلوع فجر کے وقت حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آذان دیتے۔(٤)

یاد رہے کہ فجر کے وقت سے پہلے دی ہوئی آذان نماز فجر کے لیے کافی نہیں ہوتی بلکہ بعد میں دوسری آذان دینی پڑے گی جیسا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آذان دیتے تھے۔ البتہ امام مالکؒ، امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک پہلی آذان ہی نماز فجر کے لیے کفایت کر جاتی ہے جبکہ امام ابن خزیمہؒ، امام ابن منذرؒ، امام غزالیؒ اور اہل حدیث کی ایک جماعت اس کے ناکافی ہونے کی قائل ہے کیونکہ اس کے کافی ہونے کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے اور یہی بات راجح ہے۔(٥)

وَيُشْرَعُ لِلسَّامِعِ أَنْ يُتَابِعَ الْمُؤَذِّنَ	اور سننے والے کے لیے آذان کے الفاظ دہرانا مشروع ہے۔ ❶

❶ (1) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿إذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما يقول المؤذن﴾ ''جب تم آذان سنو تو اسی طرح کہو جیسے مؤذن کہتا ہے۔''(٦)

(۱) [الأم للشافعي (۱/۱۷۰) شرح المهذب (۹۸/۳) بدائع الصنائع (۱/۱٥٤) المبسوط (۱/۱۳٤) الحجة على أهل المدينة (۱/۷۱) الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف (۱/٤۲۰)]

(۲) [صحيح : صحيح أبو داود (٤۹۸) كتاب الصلاة : باب في الأذان قبل دخول الوقت ' أبو داود (٥۳۲) دارقطني (۱/۲٤٤) بيهقي (۱/۳۸۳)]

(۳) [تمام المنة (ص/۱٤۸)]

(٤) [السيل الجرار (۱/٤۳٤) سبل السلام (۱/۲٦۰)]

(٥) [تحفة الأحوذي (۱/٦۳۱) فتح الباري (۲/۳۱۲) نيل الأوطار (۱/٥۱٥)]

(٦) [بخاري (٦۱۱) كتاب الأذان : باب ما يقول إذا سمع المنادي ' مسلم (۳۸۳) موطا (۱/٦۷) أحمد (۳/٦) دارمي (۱/۲۷۲۳) أبو داود (٥۲۲) ترمذي (۲۰۸) نسائي (۲/۲۳) ابن ماجة (۷۲۰) عبدالرزاق (۱۸٤۲) ابن خزيمة (٤۱۱)]

(2) آذان کے جواب میں وہی الفاظ دہرانے چاہییں جو مؤذن کہتا ہے لیکن "حی علی الصلاۃ" اور "حی علی الفلاح" کے جواب میں "لاحول ولا قوہ إلا باللہ" کہا جائے گا جیسا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا اور کہا ﴿سمعت رسول الله يقول مثل ذالك﴾ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کہتے ہوئے سنا ہے۔"(۱)

(3) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص آذان کا جواب دے حتی کہ "اللہ اکبر" سے "لا الہ الا اللہ" تک دل سے کہے تو ﴿دخل الجنة﴾ "وہ جنت میں داخل ہوگا۔" (واضح رہے کہ اس حدیث میں بھی حیعلتین کے جواب میں لاحول ولا قوۃ إلا باللہ کہنے کا ذکر ہے۔)(۲)

137- ایک مؤذن کا جواب دیا جائے یا جتنے مؤذنوں کی آذان سنائی دے؟

سلف میں اس مسئلے میں بھی اختلاف رہا ہے...... تو جنہوں نے صرف پہلے مؤذن کا جواب دینے پر ہی اکتفاء کا کہا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں موجود حکم تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا حالانکہ اس سے تو یہ بھی لازم آتا ہے کہ زندگی میں ایک مرتبہ ہی مؤذن کا جواب دینا کافی ہو جائے گا۔(۳)

ہمارے علم کے مطابق جس مؤذن کی آذان انسان پہلے سنے اسی کا جواب دے دے ہر مؤذن کا جواب دینا ضروری نہیں۔ (واللہ اعلم)

138- آذان کے بعد کے اذکار

(1) نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا چاہیے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم مؤذن کو سنو تو اسی طرح کہو جیسے وہ کہتا ہے ﴿ثم صلوا علي﴾ "پھر مجھ پر درود پڑھو۔"(٤)

(2) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص نے آذان سن کر یہ دعا پڑھی' قیامت کے دن وہ میری شفاعت کا مستحق ہوگا "اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا الَّذِيْ وَعَدْتَّهُ"۔(٥)

واضح رہے کہ اس دعا میں ان الفاظ کی زیادتی "والدرجة الرفيعة" اور "وارزقنا شفاعته يوم القيامة" اور "إنک

---

(۱) [أحمد (۹۱/٤) بخاری (٦۱۳) أيضا' نسائی (٦۷۷)]

(۲) [مسلم (۳۸٥) کتاب الصلاة : باب استحباب القول مثل قول المؤذن ......' أبو داود (٥۲۷) أبو عوانة (۳۳۹/۱) شرح معانی الآثار (۸٦/۱) بیهقی (٤۰۹/۱)]

(۳) [نيل الأوطار (٥۱۹/۱) الإحكام للأمدی (۱٤۳/۲)]

(٤) [مسلم (۳۷٤) أيضا' أبو داود (٥۲۳) ترمذی (۳٦۱٤) نسائی (۲٥/۲) أحمد (۱٦۸/۲) أبو عوانة (۳۳۷/۱) شرح معانی الآثار (۸٥/۱) بیهقی (٤۰۹/۱)]

(٥) [بخاری (٦۱٤) کتاب الأذان : باب الدعاء عند النداء' أبو داود (٥۲۹) ترمذی (۲۱۱) نسائی (۲٦/۲) ابن ماجة (۷۲۲) أحمد (۳٥٤/۳) بیهقی (٤۱۰/۱) شرح السنة (۷۳/۲)]

لا تخلف الميعاد" کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔(۱)

ثُمَّ تُشْرَعُ الْإِقَامَةُ عَلَى الصِّفَةِ الْوَارِدَةِ	پھر (آذان سے کچھ وقفے پر) مسنون وماثور طریقے سے اقامت کہنی چاہیے۔ ❶

❶ (1) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أمر بلال أن يشفع الأذان ويوتر الإ قامة إلا الإقامة﴾ "حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آذان کے کلمات دو دو مرتبہ اور اقامت میں "قد قامت الصلاة" کے علاوہ بقیہ تمام کلمات ایک ایک مرتبہ کہنے کا حکم دیا گیا۔"(۲)

(2) حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ابتدائے آذان کے متعلق حدیث میں بھی اقامت کے کلمات ایک ایک مرتبہ کہنے کا ذکر ہے۔(۳)

(جمہور، شافعیؒ، احمدؒ) "قد قامت الصلاة" کے علاوہ اقامت کے الفاظ ایک ایک مرتبہ کہے جائیں گے۔

(خطابیؒ) بیان کرتے ہیں کہ حرمین، حجاز، شام، یمن، مصر، مغرب اور دیگر بعید اسلامی ممالک میں اقامت کے الفاظ ایک ایک مرتبہ کہنے پر ہی عمل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ، امام حسن بصری، امام زہری، حضرت سعید بن مسیب، حضرت عمر بن عبدالعزیز، امام اوزاعی، امام احمد، امام اسحاق، امام ابو ثور، امام یحیی بن یحیی، امام داود اور امام ابن منذر رحمہم اللہ اجمعین کا بھی یہی مذہب ہے۔

(احناف) اقامت کے الفاظ آذان کی طرح دوہرے کہے جائیں گے۔

(ابن حزمؒ) دوہری اقامت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے منسوخ ہو چکی ہے۔(٤)

اقامت کو آذان کے مثل کہنے والوں کی دلیل یہ حدیث ہے ﴿كان آذان رسول الله شفعا شفعا في الآذان والإقامة﴾ "آذان اور اقامت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات دوہرے ہوا کرتے تھے۔" لیکن یہ حدیث ضعیف و ناقابل حجت ہے۔(٥)

(راجح) دونوں طرح جائز ہے لیکن ایک ایک مرتبہ الفاظ کہنے والی احادیث زیادہ صحیح ہیں۔

---

(۱) [تلخيص الحبير (۱/۲۱۰) المقاصد الحسنة (ص/۲۱۲) إرواء الغليل (۱/۲٦۱) المصنوع في معرفة الحديث الموضوع (۱۳۲) فتح الباري (۱/۹٤) القول المبين في أخطاء المصلين (ص/۱۸۳)]

(۲) [بخاري (٦۰٥) كتاب الأذان : باب الأذان مثنى مثنى، مسلم (۳۷۸) أبو داود (٥۰۸) ترمذي (۱۹۳) ابن ماجة (۷۳۰) أحمد (۳/۱۰۳) دارمي (۱/۲۷۰)]

(۳) [صحيح : صحيح أبو داود (٤٦۹) كتاب الصلاة : باب كيف الأذان، ابن ماجة (۷۰٦) ابن الجارود (۱٥۸) دارقطني (۱/۲٤۱)]

(٤) [شرح المهذب (۳/۱۰۳) فتح الوهاب للشيخ زكريا (۱/۳٤) بدائع الصنائع (۱/۱٤۸) المبسوط (۱/۱۲۹) الخرشي (۱/۲۲۹۳) بداية المجتهد (۱/۸۲) المحلى بالآثار (۲/۱۸٥ـ۱۹٤)]

(٥) [ضعيف : ضعيف ترمذي (۲۹) كتاب الصلاة : باب ما جاء أن الإقامة مثنى مثنى، ابن خزيمة (۳۸۰)]

(احمدؒ، اسحاقؒ، داودؒ، طبریؒ) دونوں طرح نبی ﷺ سے ثابت ہے اس لیے دونوں میں اختیار ہے۔(۱)

(شوکانیؒ) دونوں طرح جائز و ثابت ہے۔(۲)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۳)

(امیر صنعانیؒ) دونوں طرح ہی سنت ہے۔(٤)

(صدیق حسن خانؒ) یہی راجح ہے۔(٥)

139- اقامت کا جواب

اقامت کا جواب دینا مشروع ہے جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿إذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما يقول المؤذن﴾ ''جب تم نداء سنو تو اسی طرح کہو جیسے مؤذن کہتا ہے۔'' (٦)

اس حدیث میں لفظ ''نداء'' آذان و اقامت دونوں کو شامل ہے اور ''مثل ما يقول المؤذن'' سے معلوم ہوتا ہے کہ ''قد قامت الصلاة'' کے جواب میں بھی یہی الفاظ دہرائے جائیں گے۔ نیز جس حدیث میں ''قد قامت الصلاة'' کے جواب میں ''أقامها الله وأدامها'' کہنے کا ذکر ہے وہ ضعیف ہے اس میں ہے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کہتے ہوئے ''قد قامت الصلاة'' کہا تو نبی ﷺ نے ''أقامها الله وأدامها'' کہا۔(۷)

(شیخ ابن جبرینؒ) ''أقامها الله وأدامها'' والی حدیث ضعیف ہے۔(۸)

140- کیا اقامت کے بعد بھی وہ دعائیں پڑھی جاسکتی ہیں جو آذان کے بعد پڑھی جاتی ہیں؟

اس کے جواب میں سعودی مجلس افتاء نے یہ کہا ہے کہ ((ولا نعلم دليلا يصح يدل على ذكر شئ من الأدعية بين انتهاء الإقامة وقبل تكبيرة الإحرام)) ''ہمیں کسی ایسی صحیح دلیل کا علم نہیں ہے کہ جو اقامت کے اختتام اور تکبیر تحریمہ کی ابتداء

---

(۱) [التمهيد (٢٤٥/٤)]

(۲) [نيل الأوطار (٥٠٧/١)]

(۳) [تحفة الأحوذى (٦٠٩/١)]

(٤) [سبل السلام (٢٥٤/١)]

(٥) [الروضة الندية (٢٢٢/١)]

(٦) [بخارى (٦١١) كتاب الأذان : باب ما يقول إذا سمع المنادى ' مسلم (٣٨٣)]

(۷) [ضعيف : ضعيف أبو داود (١٠٤) إرواء الغليل (٢٤١) أبو داود (٥٢٨) كتاب الصلاة : باب ما يقول إذا سمع الإقامة ' بيهقى (٤١١/١) الحلية لأبى نعيم (٨١/٧)] حافظ ابن حجرؒ نے اسے ضعیف کہا ہے [تلخيص الحبير (٣٧٨/١)] اس کی سند میں شہر بن حوشب راوی متکلم فیہ ہے۔[ميزان الاعتدال (٢٨٣/٢) تهذيب التهذيب (٣٦٩/٤)] اس کی سند میں ایک اور راوی (رجل من اهل الشام) مجہول ہے اور محمد بن ثابت العبدی بھی ضعیف ہے۔[ميزن الاعتدال (٤٩٥/٣) تهذيب التهذيب (٨٥/٩)]

(۸) [الفتاوى الإسلاميه (٣٢٧/١)]

کے درمیان کسی دعا کے پڑھنے پر دلالت کرتی ہو۔''(۱)

141- اقامت کے بعد کلام

(ابن بازؒ) اگر تو کلام نماز کے متعلق ہو مثلاً صفوں کی درستگی وغیرہ تو مشروع ہے اور اگر نماز کے متعلق نہ ہو تو نماز کی تعظیم کے لیے اسے ترک کر دینا چاہیے۔(۲)

متفرقات

142- کیا آذان دینے کے لیے وضوء ضروری ہے؟

ایسی کوئی صحیح دلیل ہمارے علم میں نہیں ہے کہ جس میں مؤذن کے لیے اس شرط کا ذکر ہو کہ وہ آذان دیتے وقت حدث اکبر یا حدث اصغر سے پاک ہو۔ اگرچہ بعض روایات میں اس کا ذکر تو ہے لیکن اس مسئلے میں جو مرفوع روایات ہیں وہ ضعیف ہیں اور جو موقوف ہیں وہ اس درجہ کی نہیں ہیں کہ جن سے حجت قائم ہو سکے۔ تاہم اولی و احسن یہی ہے کہ انسان باوضوء ہو کر ہی آذان کہے کیونکہ آذان بھی اللہ کا ذکر ہے اور رسول اللہ ﷺ کو یہ بات نہایت پسند تھی کہ آپ ﷺ اللہ کا ذکر طہارت کی حالت میں کریں جیسا کہ حضرت مہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نبی ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ اس وقت پیشاب کر رہے تھے ﴿فسلمت عليه فلم يرد حتى توضأ﴾ ''میں نے آپ ﷺ کو سلام کہا تو آپ ﷺ نے جب تک وضوء نہ کر لیا سلام کا جواب نہ دیا۔'' پھر میرے سامنے یہ عذر پیش کیا کہ ﴿إني كرهت أن أذكر الله إلا على طهر﴾ ''مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ میں اللہ کا ذکر طہارت کے سوا کسی بھی حالت میں کروں۔''(۳)

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے تیمم کرنے کے بعد سلام کا جواب دیا۔(٤)

معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے سلام کا جواب وضوء یا تیمم کرنے کے بعد دیا لہٰذا آذان کہنا بھی طہارت کے بعد ہی زیادہ بہتر ہے لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے کہ جو شخص بغیر وضوء کے آذان دے گا تو آذان قبول نہیں ہوگی یا اس شخص نے حرام کا ارتکاب کیا ہے کیونکہ اس کی کوئی دلیل موجود نہیں مزید برآں جس حدیث میں اس قسم کا ذکر ہے وہ ضعیف ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿لا يؤذن إلا متوضئ﴾ ''آذان صرف باوضوء شخص ہی دے۔''(۵)

(ابن حزمؒ) آذان اور اقامت ہر حالت میں کفایت کر جاتی ہے خواہ انسان بیٹھا ہو' سوار ہو' بے وضوء ہو' جنبی ہو یا غیر قبلہ کی

---

(۱) [الفتاوى الإسلامية (۳۲۵/۱)]

(۲) [الفتاوى الإسلامية (۳۲۸/۱)]

(۳) [**صحيح** : الصحيحة (۸۳٤) أبو داود (۱۷) كتاب الطهارة : باب في الرجل يرد السلام وهو يبول؟' نسائي (۳۸) ابن ماجة (۳۵۰) دارمي (۲۸۷/۲)] امام نوویؒ نے اسے صحیح کہا ہے [الأذكار (ص/۷۷)] حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کے متعلق رقمطراز ہیں کہ ''امام ابن خزیمہؒ اور امام ابن حبانؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔'']

(٤) [**حسن** : صحيح أبو داود (۱۲) كتاب الطهارة : باب في الرجل يرد السلام وهو يبول' أبو داود (۱٦)]

(۵) [**ضعيف** : إرواء الغليل (۲٤۰/۱) ترمذی (۲۰۱) كتاب الصلاة : باب ما جاء في كراهية الأذان بغير وضوء' بيهقي (۳۹۷/۱)]

طرف رخ کیا ہو لیکن افضل یہی ہے کہ انسان باوضو قبلہ رخ کھڑا ہو کر آذان دے۔(۱)

143- اگر کہیں آدمی اکیلا ہو تو آذان واقامت کہہ کر نماز پڑھ سکتا ہے؟

حدیث نبوی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تمہارا رب ایسے چرواہے سے خوش ہوتا ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر اپنا ریوڑ چراتا ہے اور نماز کے لیے آذان کہتا ہے اور نماز ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ﴿انظروا إلى عبدي هذا يؤذن ويقيم الصلاة﴾ ''میرے اس بندے کی طرف دیکھو جو مجھ سے ڈرتے ہوئے نماز کے لیے آذان واقامت کہتا ہے۔'' پس میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا اور اسے جنت میں داخل کر دیا۔(۲)

144- مؤذن کو اونچی آواز سے آذان دینی چاہیے

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿لا يسمع مدى صوت المؤذن جن ولا إنس ولا شيئ إلا شهد له يوم القيمة﴾ ''مؤذن کی آواز پہنچنے کی حد تک جو بھی جن، انسان اور دوسری اشیاء اسے (یعنی آذان کو) سنتی ہیں وہ قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دیں گی۔''(۳)

145- اچھی آواز کا حامل مؤذن مقرر کیا جائے

امام صنعانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مؤذن کے تقرر وانتخاب کے وقت اچھی آواز والوں کو ترجیح دینی چاہیے۔(٤)

یہ بات حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ثابت ہے کہ جس میں ہے ﴿أن النبي ﷺ أعجبه صوته فعلمه الأذان﴾ ''نبی ﷺ کو ان کی آواز بہت پسند آئی چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں آذان کی تعلیم خود دی۔''(٥)

146- دوران آذان شہادت کی انگلیاں کانوں میں رکھنا......

آذان کہتے وقت اپنی شہادت کی دونوں انگلیاں دونوں کانوں میں رکھنا اور حیعلتین (حيي على الصلاة، حيي على الفلاح) کہتے ہوئے دائیں اور بائیں بغیر بالکل گھومے گردن موڑنا مشروع ومستحب ہے۔(٦)

اس مسئلے کے اثبات کے لیے مندرجہ ذیل احادیث بطور شاہد پیش کی جا سکتی ہیں:

(1) حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿رأيت بلالا يؤذن وأتتبع فاه ههنا وههنا وإصبعاه في أذنيه﴾ ''میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آذان دیتے دیکھا کہ وہ اپنا چہرہ ادھر ادھر پھیرتے تھے۔ اس وقت ان کی دونوں انگلیاں ان کے

---

(۱) [المحلى (۹۰/۳)]

(۲) [صحيح : صحيح أبو داود (۱۰٦۲) كتاب صلاة السفر: باب الأذان في السفر، أبو داود (۱۲۰۳) أحمد (۱٤٥/٤) نسائي (۲۰/۲) ابن حبان (۱٦٦۰) بيهقي (٤۰٥/۱)]

(۳) [أحمد (۳٥/۳) بخاري (٦۰۹، ۳۲۹٦) كتاب الأذان : باب رفع الصوت بالنداء، نسائي (۱۲/۲) بيهقي (۳۹۷/۱) موطا (٦۹/۱) عبدالرزاق (۱۸٦٥) ابن خزيمة (۳۸۹)]

(٤) [سبل السلام (۲٥٥/۱)]

(٥) [صحيح : صحيح ابن خزيمة (۳۸٥/۱)]

(٦) [نيل الأوطار (٥۱۳/۱)]

کانوں میں تھیں۔'' (۱)

(2) حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آذان کہتے ہوئے دیکھا ﴿فلما بلغ حيي على الصلاة حيي على الفلاح لوى عنقه يمينا و شمالا ولم يستدر﴾ ''جب وہ ''**حيي على الصلاة**'' اور ''**حيي على الفلاح**'' پر پہنچے تو انہوں نے اپنی گردن کو دائیں اور بائیں جانب موڑا لیکن بالکل گھومے نہیں۔'' (۲)

(البانیؒ) سینے کو پھیرنے کی سنت میں بالکل کوئی اصل نہیں ہے۔ (۳)

147- آذان کہنے کے لیے قرعہ ڈالنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لو يعلم الناس ما في النداء والصف الأول ثم لم يجدوا إلا أن يستهموا عليه لا ستهموا﴾ ''اگر لوگوں کو اس اجر و ثواب کا علم ہو جائے جو آذان اور پہلی صف میں ہے پھر انہیں اگر اسے حاصل کرنے کے لیے قرعہ بھی ڈالنا پڑے تو وہ قرعہ ڈالیں۔'' (٤)

148- آذان واقامت کے درمیان نوافل

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿بين كل أذانين صلاة ' بين كل أذانين صلاة﴾ ''ہر دو آذانوں (آذان واقامت) کے درمیان نماز ہے' ہر دو آذانوں کے درمیان نماز ہے۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری مرتبہ یہی الفاظ کہتے ہوئے فرمایا ﴿لمن شآء﴾ ''یعنی یہ نماز ایسے شخص کے لیے ہے جو پڑھنا چاہے۔'' (٥)

149- آذان واقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ﴿الدعاء لا يرد بين الأذان والإقامة﴾ ''آذان واقامت کے درمیان دعا رد نہیں کی جاتی''۔ (٦)

150- آذان واقامت کے لیے بھی نیت واجب ہے

کیونکہ یہ بھی ایک نیک عمل ہے اور ہر ایسا عمل جو قربت الٰہی کا ذریعہ ہو اس میں نیت شرط ہے۔

---

(۱) [بخاری (٦٣٤) كتاب الأذان : باب هل يتتبع المؤذن فاه ههنا وههنا...... ' أحمد (٣٠٧/٤) ترمذی (١٩٧) نسائی (٨٧/١) ابن ماجة (٧١١) دارمی (٣٢٧/١)]

(۲) [**صحيح** : صحيح أبو داود (٤٨٨) كتاب الصلاة : باب المؤذن يستدير في أذانه ' ابن خزيمة (٣٨٨) ابن حبان (١٢٦٨) حمیدی (٨٩٢) عبدالرزاق (١٨٠٦) أبو يعلى (٨٨٧)]

(۳) [تمام المنة (ص/١٥٠)]

(٤) [بخاری (٦١٥) كتاب الأذان : باب الاستهام في الأذان]

(٥) [بخاری (٦٢٧) كتاب الأذان : باب بين كل أذانين صلاة لمن شآء]

(٦) [**صحيح** : صحيح ترمذی (١٧٥) كتاب الصلاة : باب ماجاء في أن الدعاء لا يرد بين الأذان والإقامة ' المشكاة (٦٧١) إرواء الغليل (٢٤٤) صحيح أبو داود (٥٣٤) أبو داود (٥٢١) ترمذی (٢١٢) أحمد (١١٩/٣) بيهقی (٤١٠/١) ابن خزيمة (٤٢٥)]

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ [الأعراف :۲۹ ' یونس :۲۲ ' العنکبوت : ٦٥ ' لقمان : ۳۲ ' غافر : ١٤ ' ٦٥ ' البينة :٥] ''اسی کے لیے دین کو خالص کرنے والے (ہو کر اس کی عبادت کریں)۔''

(2) حدیث نبوی ہے کہ ﴿إنما الاعمال بالنيات﴾ ''تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔'' (۱)

(شوکانیؒ) مذکورہ حدیث میں موجود لفظ ''أعمال'' میں افعال واقوال دونوں شامل ہیں۔ (۲)

151- بیٹھ کر یا قبلہ کے علاوہ کسی اور سمت میں آذان کہنا

امام شوکانیؒ بیان کرتے ہیں کہ اس طرح آذان کہنا مشروع وثابت ہیتِ آذان کے مخالف ہے۔ (۳)

152- کیا آذان کہنے والا ہی اقامت کہے گا؟

(1) حضرت زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من أذن فهو يقيم﴾ ''جو آذان دے وہی اقامت کہے۔'' (٤)

(2) حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آذان کو میں نے خواب میں دیکھا تھا لہذا میری تمنا تھی کہ مجھے مؤذن مقرر کیا جائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿فأقم أنت﴾ ''تم اقامت کہو۔'' (٥)

پہلی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آذان دینے والا ہی اقامت کہے لیکن وہ ضعیف ہے اور دوسری حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مؤذن کے علاوہ دوسرا شخص بھی اقامت کہہ سکتا ہے لیکن وہ بھی ضعیف ہے لہذا چونکہ اصل اباحت ہے اس لیے مؤذن کے علاوہ کسی اور کا اقامت کہنا جائز ہے۔

(حافظ حازمیؒ) اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آذان اور اقامت الگ الگ اشخاص کہیں تو جائز ہے۔ (٦)

علماء نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے کہ آذان دینے والے کا اقامت کہنا بہتر ہے یا کہ کسی دوسرے کا اقامت کہنا زیادہ افضل ہے۔

(مالکؒ، ابو حنیفہؒ) ان دونوں میں کوئی فرق نہیں اور نہ ہی کوئی کسی سے بہتر واولیٰ ہے۔

(شافعیؒ، احمدؒ) آذان دینے والے کا اقامت کہنا ہی بہتر ہے کیونکہ اس میں واضح حدیث ہے ﴿من أذن فهو يقيم﴾ (۷)

---

(۱) [بخاری (۱) کتاب بدء الوحی]

(۲) [السیل الجرار (۲۰٦/۱)]

(۳) [السیل الجرار (۲۰۱/۱)]

(٤) [ضعیف : ضعیف أبو داود (۱۰۲) کتاب الصلاة : باب فی الرجل یؤذن ویقیم آخر ' ضعیف الجامع (۱۳۷۷) ضعیف ترمذی (۳۲) الضعیفة (۳٥) أبو داود (٥١٤) أحمد (١٦٩/٤) ترمذی (۱۹۹) ابن ماجة (۷۱۷) بیهقی (۳۹۹/۱)]

(٥) [ضعیف : ضعیف أبو داود (۱۰۰) أیضا ' أبو داود (٥١٢) بیهقی (۳۹۹/۱) أحمد (٤٢/٤) اس کی سند میں محمد بن عمرو واقفی انصاری راوی ضعیف ہے۔ [تهذیب الکمال (۲۲۱/۲٦) تقریب التهذیب (۱۹٦/۲) الکامل (۷۹/۳)]

(٦) [الإعتبار (ص/١٩٥۔ ١٩٦)]

(۷) [شرح المهذب (۱۲۹/۳) الخرشی علی مختصر سیدی خلیل (۲۳٥/۱) المغنی (۷۱/۲) نیل الأوطار (٥٢٥/١) تحفة الأحوذی (٦٢٢/١)]

(راجح) چونکہ دونوں احادیث ضعیف ہیں اس لیے دونوں طرح ہی بہتر ہے البتہ اس مصلحت کے پیش نظر کہ جو آذان دیتا ہے اگر وہی اقامت کہے گا تو اس سے نظم وضبط رہتا ہے' یہ عمل ہی بہتر ہے۔ (واللہ اعلم)

(شوکانیؒ) آذان دینے والے کا اقامت کہنا ہی بہتر ہے۔(۱)

(عبدالرحمن مبارکپوریؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۲)

(امیر صنعانیؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(۳)

153- کیا مؤذن کو آذان کی اجرت دی جا سکتی ہے؟

(1) حضرت عثمان بن أبی العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿واتخذ مؤذنا لا يأخذ على أذانه أجرا﴾ ''ایسے شخص کو مؤذن بناؤ جو آذان پر اجرت نہ لے۔''(۴)

(2) حضرت ابو محذورۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آذان سکھائی تو میں نے آذان کہی ﴿ثم أعطاني حين قضيت التأذين صرة فيها شيئ من الفضة﴾ ''پھر جب میں نے آذان مکمل کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک تھیلی دی جس میں چاندی کی کوئی چیز تھی۔''(۵)

ان دونوں احادیث میں تطبیق یوں دی گئی ہے۔

(شوکانیؒ) بلاشبہ اجرت حرام اس وقت ہے کہ جب مشروط ہو اور اگر بغیر مانگنے کے کچھ دیا جائے (تو جائز ہے)۔(۶)

(عبدالرحمن مبارکپوریؒ) اس بات میں کوئی شک نہیں کہ امام شوکانیؒ کی مذکورہ تطبیق نہایت ہی عمدہ و بہتر ہے۔(۷)

فقہائے اسلام نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے۔

(ابو حنیفہؒ) آذان اور اقامت پر شرط لگاتے ہوئے اجرت وصول کرنا حرام ہے۔

(مالکؒ) اجرت لینے میں کوئی حرج نہیں۔

(شافعیؒ) مجھے یہ بات پسند ہے کہ مؤذن اپنی خوشی سے آذان دینے والے ہوں۔(۸)

(خطابیؒ) مؤذن کے لیے آذان پر اجرت لینا مکروہ ہے۔(۹)

---

(۱) [نيل الأوطار (۵۲۵/۱)]

(۲) [تحفة الأحوذى (۶۲۳/۱)]

(۳) [سبل السلام (۱۸۰/۱)]

(۴) [**صحيح** : صحيح أبو داود (۴۹۷) كتاب الصلاة : باب أخذ الأجرة على التأذين' أبو داود (۵۳۱) ترمذى (۲۰۹) أحمد (۲۱/۴) نسائى (۲۳/۲) ابن ماجة (۷۱۴) ابن خزيمة (۱۶۰۸)]

(۵) [**حسن** : صحيح نسائى (۶۱۳) كتاب الأذان : باب كيف الأذان ' نسائى (۶۳۳) أحمد (۴۰۹/۳) ابن حبان (۱۶۸۰)]

(۶) [نيل الأوطار (۵۲۸/۱)]

(۷) [تحفة الأحوزى (۶۴۵/۱)]

(۸) [تحفة الأحوزى (۶۴۵/۱) نيل الأوطار (۵۲۷/۱) الأم للشافعى (۶۴/۲)]

(۹) [معالم السنن (۱۵۶/۱)]

(ابن عربیؒ) زیادہ درست بات یہی ہے کہ اجرت لی جا سکتی ہے۔(۱)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) جمہور کا قول راجح ہے (یعنی اجرت لینا مکروہ ہے)۔(۲)

(ابن حزمؒ) آذان پر اجرت لینا جائز نہیں اگر وہ شخص صرف اجرت کے لیے آذان دیتا ہے تو اس کی آذان جائز نہیں البتہ نیکی کرتے ہوئے اگر حاکم وقت اسے کچھ عطا کرے تو جائز ہے۔(۳)

(راجح) ایسا مؤذن مقرر کیا جائے جو آذان کہنے پر اجرت نہ لیتا ہو جیسا کہ حدیث میں ہے۔لیکن اگر ایسا کوئی میسر نہ ہو تو پھر اجرت پر بھی مؤذن رکھ لینا جائز ہے کیونکہ اوقات نماز سے آگاہی کے لیے مؤذن کی تقرری نہایت ضروری ہے اور اگر مؤذن کا سوائے آذان کے کوئی اور ذریعہ معاش نہیں ہے تو اس کے لیے اجرت لینا اور اسے اجرت دینا محض جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے البتہ مؤذن کے لیے اجرت لینے میں کراہت کا پہلو بہر حال موجود ہے جیسا کہ امام خطابیؒ اور اکثر علماء کا یہی موقف ہے۔

154- فوت شدہ نمازوں کے لیے آذان

ایسا شخص جس کی ایک سے زائد نمازیں فوت ہو چکی ہوں وہ آذان کہے اور پھر ہر نماز کے لیے اقامت کہے جیسا کہ جنگ احزاب میں جب رسول اللہ ﷺ کی چار نمازیں فوت ہو گئیں تو آپ ﷺ نے اسی طرح کیا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ﴿فأمر بلال فأذن ثم أقام فصلى الظهر، ثم أقام فصلى العصر، ثم أقام فصلى المغرب، ثم أقام فصلى العشاء﴾ ”آپ ﷺ کے حکم پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آذان دی پھر اقامت کہی تو آپ ﷺ نے نماز ظہر پڑھائی، پھر انہوں نے اقامت کہی تو آپ ﷺ نے نماز عصر پڑھائی، پھر اقامت کہی تو آپ ﷺ نے نماز مغرب پڑھائی اور پھر اقامت کہی تو آپ ﷺ نے نماز عشاء پڑھائی۔“(٤)

(احمدؒ، ابوحنیفہؒ) آذان اور اقامت دونوں فوت شدہ نماز کی قضائی میں مستحب ہیں۔

(مالکؒ، شافعیؒ) آذان کہنا مستحب نہیں ہے۔(٥)

(راجح) اگر انسان کسی ایسی جگہ میں ہو کہ جہاں آذان نہ کہی گئی ہو تو آذان کہی جائے گی اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر آذان کہنا ضروری نہیں البتہ ہر نماز کے لیے اقامت کہی جائے گی۔

155- آذان کے بعد مؤذن کا صلاۃ وسلام

آذان دینے کے بعد مؤذن کا خود سری طور پر یا جہری طور پر صلاۃ وسلام کہنا واضح طور پر کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔

جن لوگوں کا خیال ہے کہ یہ عمل تو نبی ﷺ کے اس فرمان میں داخل ہے ﴿إذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما يقول المؤذن

---

(۱) [عارضة الاحوذی (۲/۱۲-۱۳)]

(۲) [تحفة الأحوذی (٦٤٥/١)]

(۳) [المحلی (١٨٢/١)]

(٤) [ضعیف : ضعیف نسائی (٢١) إرواء الغلیل (٢٣٩) ترمذی (١٧٩) کتاب الصلاة: باب ما جاء في الرجل تفوته الصلوات بأيتهن يبدأ، اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن دیگر شواهد کی بنا پر معناً درست ہے۔]

(٥) [شرح المهذب (٩١/٣) فتح الوهاب للشيخ زكريا (٣٣/١) الهداية (٤٢/١) حاشية الدسوقي (١٩١/١) كشاف القناع (٢٤٤/١) سبل السلام (١٧٢/١)]

ثم صلوا علی﴾ ''جب تم آذان سنو تو اسی طرح کہو جیسے مؤذن کہتا ہے' پھر مجھ پر درود پڑھو۔'' انہیں یوں جواب دیا جاتا ہے کہ اس حدیث میں آپ ﷺ نے آذان سننے والوں کو حکم دیا ہے کہ وہ مؤذن کا جواب دیں پھر مجھ پر درود پڑھیں' اس میں مؤذن خود داخل نہیں ہے اگر ایسا ہوتو مؤذن پر آذان کہنے کے ساتھ اس کا بنفسہ جواب دینا بھی لازم ہوگا۔(واللہ اعلم)(۱)

156- قواعد تجوید کے بغیر آذان کہنا

ایسے انداز سے آذان کہنا کہ حروف' حرکات' سکنات وغیرہ میں تغیر اور کمی بیشی واقع ہو جائے جائز نہیں۔(۲)

157- مؤذن کی جگہ ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے آذان

یہ عمل مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر ناجائز ہے:

(1) اس میں رسول اللہ ﷺ کے اس حکم کی مخالفت ہے ﴿فاذا حضرت الصلاۃ فلیؤذن لکم أحدکم﴾ ''جب نماز کا وقت ہو جائے تو تمہیں اطلاع دینے کے لیے تم میں سے کوئی آذان کہے۔'' (۳)

(2) اس میں مؤذنوں کے اس اجر و ثواب کا خاتمہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے۔

(3) اس میں امت مسلمہ کے ایک متواتر و متوارث عمل کی مخالفت ہے۔

(4) نیت جو کہ آذان کی شرائط میں سے ہے اس میں مفقود ہے۔

(5) یہ عمل مسلمانوں پر ان کی عبادات و شعائر میں لہو و لعب اور بدعات کے دخول کا دروازہ کھولے گا۔

158- دوران آذان انگوٹھوں کے ساتھ آنکھیں چومنا

جس روایت میں مذکور ہے کہ جس شخص نے مؤذن کے یہ کلمات '' **أشهد أن محمدا رسول الله** '' سن کر کہا ''**مرحبا بحبیبی وقرة عینی محمد بن عبدالله**'' پھر اپنے انگوٹھوں کا بوسہ لے کر انہیں اپنی آنکھوں پر لگایا ﴿لم یرمد أبدا﴾ ''وہ شخص کبھی آنکھ کی تکلیف میں مبتلا نہیں ہوگا۔'' وہ روایت ضعیف ہے۔(٤)

امام سخاویؒ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد رقمطراز ہیں کہ ((ولا یصح فی المرفوع من کل هذا شیئ)) ''اس سب میں سے کچھ بھی مرفوع ثابت نہیں ہے۔''(٥) معلوم ہوا کہ ایسا کوئی عمل شریعت سے ثابت نہیں ہے اس لیے یہ بدعت ہے اور اسے اختیار نہیں کرنا چاہیے۔

159- کیا مؤذن آذان و اقامت کے بعد خود ہی جماعت بھی کروا سکتا ہے؟

مؤذن کے لیے ایسا کرنا جائز ہے۔(٦)

---

(۱) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مجموع الفتاوی لابن تیمیة (۲۲/۴۷۰) مرقاة المفاتیح (۱/۴۲۳) الدین الخالص (۲/۸۸) فقه السنة (۱/۱۱۲) تمام المنة (ص/۱۵۸) إصلاح المساجد (۱۳۳)]

(۲) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تفسیر قرطبی (٦/۲۳۰) المدخل (۳/۲٤۹) الدین الخالص (۲/۹۲) الإبداع فی مضار الإبتداع (ص/۱۷٦)]

(۳) [بخاری (٦۲۸) مسلم (٦۷٤)]

(٤) [الضعیفة (۷۳)]

(٥) [المقاصد الحسنة (ص/۳۸٤) المصنوع فی معرفة الحدیث الموضوع (۳۰۰) کشف الخفاء (۲/۲۰٦)]

(٦) [الفتاوی الإسلامیة (۱/۳۲۸)]

160- پیدائش کے وقت بچے کے کان میں آذان واقامت کہنا

اقامت کہنا تو بالکل ثابت نہیں ہے کیونکہ جس حدیث میں اس کا ذکر ہے وہ قابل حجت نہیں ہے جیسا کہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من ولد له ولد فأذن في أذنه اليمنى وأقام في أذنه اليسرى لم تضره أم الصبيان﴾ ''جس کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہو اور وہ اس کے دائیں کان میں آذان اور بائیں میں اقامت کہے تو اسے ام صبیان کی بیماری نقصان نہیں پہنچائے گی۔'' (۱)

اس سلسلے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کی روایت بھی مستند نہیں ہے۔(۲) علاوہ ازیں آذان کہنے کے متعلق روایت بھی ضعیف ہے اس کی سند میں عاصم بن عبیداللہ راوی کی صحت میں اختلاف ہے۔(۳)

البتہ دیگر شواہد کی بنا پر یہ حدیث حسن درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ﴿أذن في أذن الحسن بن علي حين ولدته فاطمة بالصلاة﴾ ''جس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو جنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کان میں نماز کے لیے (کہی جانے والی) آذان کی طرح آذان کہی۔'' (٤)

(عبدالرحمن مبارکپوری) یہ حدیث ضعیف ہے لیکن حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے کہ جسے امام ابویعلی موصلی اور امام ابن سنی نے روایت کیا ہے مضبوط وقوی ہو جاتی ہے۔(٥)

(ترمذی) یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر عمل ہے۔(٦) امت کا متواتر ومتوارث عمل بھی اسے قابل احتجاج بنا دیتا ہے۔

(ابن قیم) انہوں نے اپنی کتاب زاد المعاد میں حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل فرمائی ہے۔(۷)

- واضح رہے کہ اس آذان کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے جب بھی مسلمان اس پر قادر ہو آذان کہہ دے۔(۸)
- جمعہ کی دو آذانیں ثابت نہیں ہیں اس کا مفصل بیان آئندہ "باب صلاة الجمعة" میں آئے گا۔

(۱) [موضوع : الضعيفة (۱/ ۳۲۰)، (۳۲۱) إرواء الغليل (۱۱۷٤) تلخيص الحبير (٤/ ۱٤۹) شعب الإيمان للبيهقي (۸٦۲۰)]

(۲) [تلخيص الحبير (٤/ ۲۷۳)]

(۳) [تهذيب التهذيب (٥/ ٤٦) تقريب التهذيب (۱/ ۳۸٤) ميزان الاعتدال (۲/ ۳٥۳)]

(٤) [حسن : صحيح ترمذي (۱۲۲٤) كتاب الأضاحي : باب الأذان في أذن المولود، صحيح أبو داود (٤۲٥۸) إرواء الغليل (۱۱۷۳) ترمذي (۱٥۱٦) أبو داود (٥۱۰٥) أحمد (٦/ ۹-۳۹۱)]

(٥) [تحفة الأحوذي (۱/ ۹۱)]

(٦) [ترمذي (۱٥۱٦)]

(۷) [زاد المعاد (۲/ ۳۳۳)]

(۸) [أحسن الفتاوى (۲/ ۲۷٦)]

باب شروط الصلاۃ ❶ نماز کی شرائط کا بیان

وَيَجِبُ عَلَى الْمُصَلِّيْ تَطْهِيْرُ ثَوْبِهِ وَبَدَنِهِ وَ مَكَانِهِ مِنَ النَّجَاسَةِ	نماز پڑھنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے کپڑے ❷ اپنا جسم ❸ اور نماز کی جگہ ❹ نجاست سے پاک کرے۔

❶ **لغوی وضاحت:** لفظ "شروط" شرط کی جمع ہے۔ جس کا معنی "کسی چیز کو لازم کر لینا" ہے۔(۱)
اصطلاحی تعریف: ((ما يلزم من عدمه عدم الحكم ولا يلزم من وجوده وجود الحكم)) "جس کی نفی سے حکم کی نفی لازم ہو جبکہ اس کے وجود سے حکم کا وجود لازم نہ ہو۔" (مثلاً نماز کے لیے وضوء)۔(۲)
یاد رہے کہ کسی چیز کا شرط ہونا اس وقت تک ثابت نہیں ہوتا جب تک کہ کوئی ایسی دلیل نہ مل جائے جو اس کی نفی سے مشروط کی نفی پر دلالت کرتی ہو۔(۳)

❷ (1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ [المدثر: ٤-٥] "اپنے کپڑوں کو پاک رکھا کرو اور ناپاکی کو چھوڑ دو۔"

(2) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے کہا ﴿هل كان النبي ﷺ يصلي في الثوب الذي يجامع فيه﴾ "کیا نبی ﷺ اس کپڑے میں نماز پڑھ لیتے تھے جس میں مباشرت کرتے تھے؟ تو انہوں نے کہا ﴿نعم، إذا لم يكن فيه أذى﴾ "ہاں جب اس میں گندگی نہ ہوتی۔" (اس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ اگر گندگی ہوتی تو ان میں نماز نہ پڑھتے۔)(٤)

(3) حضرت جابر سے مروی ہے کہ میں نے ایک آدمی کو رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کرتے ہوئے سنا کہ ﴿أصلي في الثوب الذي آتي فيه أهلي؟﴾ "کیا میں اس کپڑے میں نماز پڑھ لوں جس میں میں اپنی بیوی سے جماع کرتا ہوں؟" تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿نعم، إلا أن ترى فيه شيئا فتغسله﴾ "ہاں إلا کہ اگر تو اس میں کوئی چیز (یعنی گندگی) دیکھے تو اسے دھولے۔"(٥)

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ نماز پڑھنے والے کا لباس پاک ہونا واجب ہے جو شخص ایسی حالت میں نماز پڑھ لے کہ اس کے کپڑوں کو نجاست لگی ہو تو وہ واجب کا تارک ہوگا لیکن اس کی نماز باطل نہیں ہوگی جیسا کہ شرط کے فقدان سے ہوتا ہے کیونکہ یہ واجب ہے شرط نہیں جیسا کہ ایک حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے نجاست لگی جوتیوں سمیت نماز ادا کر لی' پھر علم

---

(۱) [القاموس المحيط (ص/٦٠٥)]
(۲) [الإحكام للآمدي (١٢/١) الموافقات للشاطبي (١٨٧/١) البحر المحيط للزركشي (٣٠٩/١)]
(۳) [السيل الجرار (١٥٧/١)]
(٤) [صحيح : صحيح أبو داود (٣٥٢) كتاب الطهارة : باب الصلاة في الثوب الذي يصيب أهله فيه' أبو داود (٣٦٦) نسائي (١٥٥/١) ابن ماجة (٥٤٠) أحمد (٣٢٥/٦) ابن خزيمة (٧٧٦) شرح السنة (٥٢٣) بيهقي (٤١٠/٢)]
(٥) [صحيح : صحيح ابن ماجة (٤٤٠) كتاب الطهارة وسننها : باب الصلاة في الثوب الذي يجامع فيه' ابن ماجة (٥٤٢) أحمد (٨٩/٥) أبو يعلى (٧٤٦٠) شرح معاني الآثار (٥٣/١)] حافظ بوصیریؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ [الزوائد (٢١٥/١)]

ہونے پر دوبارہ نماز نہ پڑھی۔(۱)

161- کیا لاعلمی سے نجاست لگے کپڑوں میں پڑھی ہوئی نماز ہو جائے گی؟

اس مسئلے میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے۔

(احمدؒ، شافعیؒ، ابوحنیفہؒ) ایسے شخص کی نماز باطل ہو جائے گی۔

(مالکؒ) اگر بھول کر یا علم نہ ہونے سے ایسا کرے تو نماز ہو جائے گی۔(۲)

(راجح) جب کوئی شخص نماز سے فارغ ہو اور اپنے کپڑے یا بدن پر نجاست دیکھے کہ جس کا اسے علم نہیں تھا..... تو اس کی نماز صحیح ہے اس پر دوبارہ نماز پڑھنا ضروری نہیں۔(۳)

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوران نماز جوتیاں اتار دیں تو لوگوں نے بھی اپنی جوتیاں اتار دیں۔ فراغت نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لم خلعتم نعالكم؟﴾ ”تم نے اپنی جوتیاں کیوں اتاریں؟“ تو انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جوتیاں اتارتے ہوئے دیکھا تو ہم نے بھی اتار دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے مجھے خبر دی کہ ان میں گندگی ہے (اس لیے میں نے انہیں اتار دیا) ﴿فإذا جاء أحدكم المسجد فليقلب نعليه ولينظر فيهما فان رأى خبثا فليمسه بالأرض ثم ليصل فيهما﴾ ”جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو اپنی جوتیوں کو پھیر کر ان میں دیکھے، اگر گندگی نظر آئے تو اسے زمین پر رگڑے اور ان جوتیوں میں نماز پڑھ لے۔“(٤)

❸ (1) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مذی کے متعلق فرمایا کہ ﴿يغسل ذكره ويتوضأ﴾ ”وہ اپنے ذکر (یعنی شرمگاہ) کو دھولیں اور وضو لیں۔“(٥)

(2) حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ”جب تیری ماہواری ختم ہو جائے ﴿فاغسلي عنك الدم وصلي﴾ ”اپنے (بدن) سے خون دھولے اور نماز پڑھ لے۔“(٦)

(شوکانیؒ) بدن کی طہارت اگرچہ واجب ہے لیکن نماز کے لیے اس کے شرط ہونے کی کوئی واضح دلیل (ہمارے علم

---

(١) [نيل الأوطار (١/٦٠٨) السيل الجرار (١/١٥٨)]

(٢) [المجموع (٣/١٦٣) المغني (١/١٠٩) كشاف القناع (١/٢٢) المهذب (١/٥٩) الشرح الصغير (١/٦٤) فتح القدير (١/١٧٩) الدر المختار (١/٣٧٣) مغني المحتاج (١/١٨٨)]

(٣) [تمام المنة (ص/٥٥)]

(٤) [صحيح : صحيح أبو داود (٦٠٥) كتاب الصلاة : باب الصلاة في النعل، إرواء الغليل (٢٨٤) أبو داود (٦٥٠) ابن أبي شيبة (٢/٤١٧) دارمي (١/٣٢٠) ابن خزيمة (١٠١٧) ابن حبان (٣٦٠) حاكم (١/٢٦٠) بيهقي (٢/٤٣١) أحمد (٣/٢٠)]

(٥) [مسلم (٣٠٣) كتاب الحيض : باب المذي، موطا (١/٤٠) أبو يعلى (٣١٤) أبو داود (٢٠٨)]

(٦) [بخاري (٣٠٦) كتاب الحيض : باب الاستحاضة، مسلم (٣٣٣) أبو داود (٢٨٢) أبو عوانة (١/٣١٩) ترمذي (١٢٥) ابن ماجة (٦٢١)]

میں) نہیں ہے۔(۱)

162- حدث اکبر وحدث اصغر سے طہارت صحت نماز کے لیے شرط ہے(۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿لا یقبل اللہ صلاۃ أحدکم إذا أحدث حتی یتوضأ﴾ ''اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کی نماز قبول نہیں فرماتے جبکہ وہ بے وضوء ہو جائے تاوقتیکہ وہ وضوء نہ کر لے۔''(۳)

❹ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دیہاتی نے مسجد میں کھڑے ہو کر پیشاب شروع کر دیا۔ لوگ اسے روکنے کے لیے کھڑے ہوئے تو نبی ﷺ نے فرمایا ﴿دعوہ و أریقوا علی بولہ سجلا من مآء فإنما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین﴾ ''اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول بہا دو بلاشبہ تمہیں آسانی کرنے والے بنا کر بھیجا گیا ہے نہ کہ تنگی ومشقت میں ڈالنے والے۔''(٤)

جمہور علماء کے نزدیک یہ تینوں اعمال نماز کے لیے واجب ہیں اور ایک جماعت اسے صحت نماز کے لیے شرط کہنے کی بھی دعویدار ہے اور کچھ دوسرے اسے سنت بھی کہتے ہیں لیکن حق بات وجوب ہی ہے۔(٥)

واجب کی تعریف: ((ھو الفعل الذی طلب الشارع طلبا جازما بحیث یثاب فاعلہ و یعاقب تارکہ)) ''ایسا کام کہ جسے شارع علیہ السلام نے بالجزم طلب کیا ہو اور اس کے کرنے والے کو ثواب اور نہ کرنے والے کو سزا دی جائے۔ (مثلاً نماز' روزہ وغیرہ)۔(٦)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مذکورہ تینوں افعال (یعنی طہارتِ لباس' بدن' مکان) واجب ہیں شرط نہیں یعنی اگر کوئی ان میں سے کسی کو ترک کر دے گا تو اس کی نماز ہو جائے گی لیکن واجب چھوڑنے کا اسے گناہ ضرور ہوگا تاہم اگر یہ شرط ہوتے تو ان میں سے کسی کو چھوڑنے سے یہ لازم تھا کہ نماز نہ ہوتی جبکہ ایسا نہیں ہے۔

وَيَسْتُرُ عَوْرَتَهُ	اور وہ اپنا ستر ڈھانپے۔❶

❶ (1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ خُذُواْ زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ [الأعراف : ۷] ''اے اولاد آدم! تم ہر مسجد میں حاضری کے وقت اپنی زینت (یعنی لباس) پہن لیا کرو۔''

(ابن کثیرؒ) یہاں زینت سے مراد ایسا لباس ہے جو شرمگاہ کو چھپا لے۔(۷)

(۱) [السیل الجرار (۱۵۸/۱)]

(۲) [السیل الجرار (۱۵۸/۱)]

(۳) [بخاری (۱۳۵) أبو داود (٦۰) ترمذی (۷٦) أحمد (۳۰۸/۲) ابن خزیمة (۱۱)]

(٤) [بخاری (۲۲۰) کتاب الوضوء : باب صب الماء علی البول فی المسجد' أبو داود (۳۸۰) ترمذی (۱٤۷) نسائی (۱۷٥/۱) ابن ماجة (٥۲۹) أحمد (۲۸۲/۲)]

(٥) [الروضة الندیة (۲۲٥/۱) فقه السنة (۱۱۱/۱)]

(٦) [البحر المحیط للزرکشی (۱۷٦/۱) الإحکام للأمدی (۹۱/۱) المستصفی للغزالی (۲۷/۱) الموافقات للشاطبی (۱۰۹/۱)]

(۷) [تیسیر العلی القدیر (۱۹۷/۲)]

(قرطبیؒ) یہ آیت ستر پوشی کے وجوب پر دلالت کرتی ہے۔(۱)

(جمہور) ستر پوشی نماز کے فرائض میں سے ایک فرض ہے۔(۲)

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ستر پوشی نماز کے لیے شرط ہے۔(۳)

(شوکانیؒ) حق بات یہی ہے کہ ستر ڈھانپنا نماز کے لیے صرف واجب ہے۔(٤)

(2) حضرت بھز بن حکیم عن أبیہ عن جدہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿احفظ عورتك إلا من زوجتك أو ما ملكت يمينك﴾ "اپنی بیوی اور لونڈی کے سوا ہر ایک سے اپنے ستر کی حفاظت کرو۔" راوی کہتا ہے کہ میں نے کہا اگر ہم میں سے کوئی اکیلا ہو (تو ستر ننگا کر سکتا ہے)؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿فالله أحق أن يستحيى منه﴾ "اللہ تعالیٰ زیادہ مستحق ہیں کہ ان سے حیا کی جائے۔"(٥)

تمام اوقات میں ستر پوشی واجب ہے سوائے قضائے حاجت' اپنی بیوی سے مباشرت اور غسل کے وقت کے اور تمام اشخاص سے واجب ہے سوائے بیوی اور لونڈی کے اور (بوقت ضرورت) سوائے طبیب وغیرہ کے۔(٦)

163- مرد کا ستر

ناف اور گھٹنے کا درمیانی حصہ ہے جیسا کہ دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حدیث نبوی ہے کہ ﴿مابين السرة والركبة عورة﴾ "ناف اور گھٹنے کے درمیان جو کچھ ہے ستر ہے۔"(۷).

(2) ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿الفخذ عورة﴾ "ران ستر ہے۔"(۸)

(3) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا تبرز فخذك ولا تنظر إلى فخذ حيي ولا ميت﴾ "اپنی ران کو ظاہر مت کرو اور کسی کی ران مت دیکھو خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ ہو۔"(۹)

(4) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معمر رضی اللہ عنہ کو رانیں ننگی کیے ہوئے دیکھا تو فرمایا ﴿يا معمر غط فخذيك فإن الفخذين

---

(۱) [تفسیر قرطبی (۱۹۰/٤)]

(۲) [أیضا]

(۳) [فتح الباری (۱۳/۲)]

(٤) [نیل الأوطار (٥٤٠/۱)]

(٥) [حسن : المشکاۃ (۳۱۱۷) أحمد (۳/٥-٤) أبو داود (٤٠۱۷) کتاب الحمام : باب ما جآء فی التعری' ترمذی (۲۷٦۹) ابن ماجۃ (۱۹۲۰) بخاری تعلیقا (۲۷۸) فتح الباری (٥۱۳/۱)]

(٦) [نیل الأوطار (٥۳۱/۱)]

(۷) [حسن : إرواء الغلیل (۲٤۷'۲۷۱)]

(۸) [صحیح : صحیح أبو داود (۳۳۸۹) کتاب الحمام : النهی عن التعری' أبو داود (٤۱۰٤) ترمذی (۲۷۹۸) أحمد (٤۷۸/۳) بخاری تعلیقا (٤۷۸/۱) شیخ محمد صبحی حلاق نے اسے صحیح کہا ہے۔[التعلیق علی السیل الجرار (۳٦۳/۱)]

(۹) [ضعیف : ضعیف أبو داود (۸٦۷) ضعیف الجامع (٦۱۸۷) إرواء الغلیل (۲٦۹) أبو داود (٤۰۱٥) أیضا' ابن ماجۃ (۱٤٦۰) حاکم (۱۸۰/٤) بزار (٦۹٤)]

عورۃ﴾ ''اے معمر! اپنی رانوں کو ڈھانپ لو کیونکہ رانیں ستر میں شامل ہیں۔''(۱)

ستر کے مسئلے میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے۔

(شافعیؒ، ابوحنیفہؒ) ران ستر میں شامل ہے۔

(مالکؒ، احمدؒ، اہل ظاہر) صرف قبل اور دبر ہی ستر ہے۔(۲)

(راجح) ران ستر میں شامل ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ﴿الفخذ عورۃ﴾ ''ران ستر ہے۔''

(ابن حجرؒ) حدیث ﴿لاتبرز فخذك......﴾ کے متعلق رقمطراز ہیں کہ ''یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ ران ستر میں شامل ہے۔''(۳)

(نوویؒ) اکثر علماء کا یہی موقف ہے کہ ران ستر میں شامل ہے۔(٤)

(شوکانیؒ) حق بات یہی ہے کہ ران ستر میں شامل ہے۔(٥)

(البانیؒ) ران ستر ہے۔(٦)

جن احادیث میں ذکر ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی ران ظاہر کی مثلاً خیبر کے دن'(۷) اور اسی طرح حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے اپنے گھر میں لیکن جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے کپڑے سے ران کو ڈھانپ لیا۔(۸) وہ تمام احادیث گذشتہ مسئلے کے مخالف نہیں ہیں کیونکہ اصول میں یہ بات مسلم ہے کہ ((أن القول أرجح من الفعل)) ''بلاشبہ قول فعل سے زیادہ راجح ہے۔'' اور یہ فعل رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص تھا۔(۹)

164- ناف اور گھٹنے خود ستر میں شامل نہیں

کیونکہ جن احادیث سے ان کے ستر ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے یا تو وہ ضعیف ہیں یا غیر واضح ہیں البتہ یہ حدیث ان کے ستر نہ ہونے کی دلیل ہے ﴿ما بين السرة والركبة عورة﴾ ''ناف اور گھٹنے کے درمیان جو کچھ ہے ستر ہے۔''(۱۰)

جس روایت میں ہے کہ ﴿الركبة من العورة﴾ ''گھٹنا ستر کا حصہ ہے۔'' وہ ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں نضر بن منصور فزاری کوفی راوی کمزور ہے۔ امام بخاریؒ نے اسے منکر الحدیث اور امام نسائیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔(۱۱)

---

(۱) [**ضعیف** : المشكاة (۳۱۱٤) أحمد (۲۹۰/٥) بخاری تعليقا (٤٧٨/۱) حاكم (۱۸۰/٤) شیخ محمد صبحی حلاق نے اسے حسن کہا ہے۔[التعليق على السيل الجرار (۳٦۲/۱)]

(۲) [نيل الأوطار (٥۳۲/۱)]

(۳) [تلخيص الحبير (٥۰٤/۱)]

(٤) [المجموع (۱۷٥/۳)]

(٥) [نيل الأوطار (٥۳۲/۱)]

(٦) [تمام المنة (ص/۱٦۰)]

(۷) [بخاری (۳۷۱) أحمد (۱۰۲/۳)]

(۸) [**حسن** : إرواء الغليل (۲۹۸/۱)]

(۹) [نيل الأوطار (٥۳۲/۱-٥۳٤) تمام المنة (ص/۱٥۹)]

(۱۰) [إرواء الغليل (۲٤۷)]

(۱۱) [ميزان الاعتدال (۲٦٤/٤)]

دیگر مسائل کی طرح فقہاء نے اس مسئلے میں بھی اختلاف کیا ہے۔(۱)

(راجح) گھٹنے ستر میں شامل نہیں ہیں۔

(شوکانیؒ) یہی راجح ہے۔(۲)

(البانیؒ) گھٹنوں کے ستر ہونے (کے دلائل) میں کچھ بھی صحیح نہیں ہے۔(۳)

165- آزاد عورت اور لونڈی کا ستر

آزاد عورت اپنے چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ مکمل ستر ہے جبکہ لونڈی چہرے کے علاوہ (تا کہ آزاد اور لونڈی میں فرق ہو سکے) مکمل جسم چھپائے گی۔ (واللہ اعلم)

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ [النور : ۳۱] ''عورتیں اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو خود ظاہر ہو جائے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ''إلا ما ظهر'' سے مراد چہرہ اور ہاتھ ہیں۔(٤)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی معنی میں تفسیر مروی ہے۔(٥)

(2) اسی آیت کے آخر میں ہے کہ ﴿وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ﴾[النور: ۳۱] ''عورتیں اپنی ٹانگیں زمین پر اس طرح مت ماریں کہ ان کی خفیہ زینت کا پتہ چل جائے۔''

(ابن حزمؒ) یہ آیت نص ہے کہ عورت کی ٹانگیں اور پنڈلیاں ستر ہیں۔(٦)

(3) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿المرأة عورة﴾ ''عورت (مکمل) ستر ہے۔''(٧)

لونڈی کے ستر میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔

(اہل ظاہر) آزاد اور لونڈی کے ستر میں کوئی فرق نہیں (کیونکہ حدیث میں ''حائض'' کا لفظ عام ہے)۔

(جمہور، شافعیؒ، ابوحنیفہؒ) ان دونوں کے ستر میں فرق ہے۔ لونڈی کا ستر مرد کی طرح ناف اور گھٹنوں کا درمیانی حصہ ہے۔(٨) انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے: عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا زوج أحدكم عبده أمته فلا ينظرن إلى عورتها﴾ ''جب تم میں سے کوئی اپنے غلام کی شادی اپنی لونڈی سے کر دے تو اس (لونڈی) کے ستر کو نہ دیکھے۔'' ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ﴿فلا ينظرن إلى ما دون السرة والركبة﴾ ''وہ (اس لونڈی کی) ناف سے نیچے اور گھٹنے سے اوپر ہرگز نہ

(۱) [الأم (۱۸۱/۱) حلية العلماء (۶۲/۲) روضة الطالبين (۳۸۹/۱) الإنصاف فى معرفة الراجح من الخلاف (٤٥١/١)]

(۲) [نيل الاوطار (٥٣٦/١)]

(۳) [تمام المنة (ص/١٦٠)]

(٤) [ابن أبى شيبة (٩٧٣/٤)]

(٥) [تمام المنة (ص/١٦٠)]

(٦) [المحلى (٢٤٣/٣)]

(٧) [صحيح : المشكاة (٣١٠٩) ترمذى (١٠٩٣) كتاب الرضاع : باب ما جاء فى كراهية الدخول على المغيبات]

(٨) [نيل الأوطار (٥٣٨/١) الأم (١٨٣/١) فتح الوهاب (١٤٩/١) الحاوى (١٦٧/٢) شرح فتح القدير (٢٢٥/١) تحفة الفقهاء (٢٥٠/١) الكافى (ص/٦٣)]

دیکھیے۔''[1] (یاد رہے کہ اس حدیث میں صرف مالک کے لیے اپنی شادی شدہ لونڈی کا ستر بیان ہوا ہے نہ کہ ہر شخص کے لیے یہ مقدار ہے۔)

(راجح) راجح موقف وہی ہے جسے ابتدا میں بیان کیا جا چکا ہے۔

166- نماز میں ستر پوشی کے علاوہ مرد پر کتنا کپڑا لینا ضروری ہے؟

نمازی مرد پر ستر ڈھانپنے کے سوا کندھے پر کوئی کپڑا رکھنا ضروری ہے الا کہ اتنا میسر نہ ہو۔

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا يصلين أحدكم في الثوب الواحد ليس على عاتقه منه شيئ﴾ ''تم میں سے ہرگز کوئی شخص ایسے ایک کپڑے میں نماز نہ پڑھے کہ جس کا کوئی حصہ اس کے کندھے پر نہ ہو۔''[2]

(2) ایک اور روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿من صلى في ثوب واحد فليخالف بين طرفيه﴾ ''جو شخص ایک کپڑے میں نماز پڑھے اسے کپڑے کے دونوں کناروں کو اس کے مخالف سمت کے کندھے پر ڈال لینا چاہیے۔''[3]

اگر کپڑا کم ہو تو صرف ازار باندھ کر محض اپنا ستر ہی ڈھانپ لینا ہر حال میں ضروری ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿وإن كان ضيقا فاتزر به﴾ ''اگر کپڑا تنگ ہو تو اس کے ساتھ ازار (تہبند) باندھ لو۔''[4]

167- نماز میں عورت کا لباس کتنا ہونا چاہیے؟

ستر یعنی چہرہ اور ہاتھوں کے علاوہ سارا جسم چھپا ہونا چاہیے۔

(1) آیت ﴿خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ [الأعراف : ۷] ''ہر مسجد میں حاضری کے وقت اپنی زینت (یعنی لباس) پہن لو۔'' کے عموم میں خواتین بھی شامل ہیں۔

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا يقبل الله صلاة حائض إلا بخمار﴾ ''اللہ تعالیٰ بالغ عورت کی نماز اوڑھنی کے بغیر قبول نہیں فرماتے۔''[5]

جن آثار و روایات میں عورت کے لیے نماز میں تین کپڑوں یا دو کپڑوں کا تعین کر دیا گیا ہے مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ﴿تصلي المرأة في ثلاثة أثواب : درع وخمار وإزار﴾ ''کہ عورت تین کپڑوں میں نماز پڑھے گی: قمیض، اوڑھنی اور شلوار۔''[6]

---

(۱) [حسن : المشكاة (۳۱۱۱) أبو داود (٤١٨) كتاب الصلاة : باب متى يؤمر الغلام بالصلاة]

(۲) [بخاری (۳۵۹، ۳٦٠) كتاب الصلاة : باب إذا صلى في الثوب الواحد فليجعل على عاتقيه، مسلم (٥١٦) أبو داود (٦٢٦) أحمد (۲٤٣/۲) نسائی (۷۱/۲)]

(۳) [بخاری (٣٦٠) أيضا، أبو داود (٦٢٧) أحمد (٢٥٥/٢) شرح معاني الآثار (٣٨١/١) ابن حبان (٢٣٠٤) شرح السنة (٥١٧)]

(٤) [بخاری (٣٦١) كتاب الصلاة : باب إذا كان الثوب ضيقا، مسلم (٣٠١٠) ابن خزيمة (٧٦٧) بيهقى (٢٣٨/٢) ابن حبان (٢٣٠٥) أحمد (٣٣٥/٣)]

(٥) [صحيح : صحيح أبو داود (٥٩٦) كتاب الصلاة : باب المرأة تصلي بغير خمار، أبو داود (٦٤١) ترمذى (٣٧٧) ابن ماجة (٦٥٥) حاكم (٢٥١/١)]

(٦) [صحيح : تمام المنة (ص/١٦٢)]

اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے متعلق مروی ہے کہ ﴿أنها كانت تصلي في الدرع والخمار ليس عليها إزار﴾ ''کہ وہ قمیض اور اوڑھنی کے ساتھ نماز پڑھ لیتی تھیں جبکہ تہبند نہیں باندھا ہوتا تھا۔''(۱)

ایسی تمام روایات کو استحباب و افضلیت پر محمول کیا جائے گا۔(۲) کیونکہ (اگر ستر ڈھانپا ہوا ہو تو) ایک کپڑے میں بھی نماز درست ہے۔(۳) جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث اس کی دلیل ہے۔(٤)

وَلَا يَشْتَمِلُ الصَّمَّاءَ وَلَا يَسْدِلُ	مضبوطی سے چادر نہ لپیٹے (بکل نہ مارے) ❶ اور سدل نہ کرے۔ ❷

❶ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿نهى النبي ﷺ أن يشتمل الصماء﴾ ''نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ کوئی مضبوطی سے چادر لپیٹے۔''(٥)

ایک روایت میں ہے کہ ﴿نهى ﷺ أن يشتمل في إزاره إذا ما صلى إلا أن يخالف بطرفيه على عاتقيه﴾ ''نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ جب کوئی نماز پڑھے تو اپنی چادر میں (مضبوطی سے) لپٹ جائے اِلا کہ (ایسی صورت میں جائز ہے کہ) وہ چادر کے دونوں کناروں کو مخالف سمتوں سے اپنے کندھوں پر رکھ لے۔''(٦)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ ﴿والصمآء: أن يجعل ثوبه أحد عاتقيه فيبدو أحد شقيه ليس عليه ثوب﴾ ''صماء کی صورت یہ ہے کہ اپنا کپڑا (یعنی ایک چادر) اپنے ایک کندھے پر اس طرح ڈال لی جائے کہ ایک کنارے سے (شرمگاہ) کھل جائے اور کوئی دوسرا کپڑا وہاں نہ ہو۔''(۷)

(فقہاء) صماء کی تعریف وہی ہے جو حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔(۸)

(اہل لغت) کوئی شخص ایک کپڑے کو اپنے جسم پر اس طرح لپیٹ لے کہ نہ تو وہ اس سے کسی جانب کو بلند کرتا ہو اور نہ ہی اتنی جگہ باقی ہو کہ اس سے اس کا ہاتھ نکل سکے۔(۹)

(ابن اثیرؒ) جس صورت سے منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک کپڑے کو لپیٹنا اور اسے اس کا کنارہ اٹھانے کے بغیر لٹکا لینا۔(۱۰)

(۱) [مؤطا (۱/۱٦۰) بيهقى (۲/۲۳۳)]
(۲) [تمام المنة (ص/۱٦۲)]
(۳) [نيل الأوطار (۱/٥٤۹)]
(٤) [أحمد (۲/۲۳۰) بخارى (۳٦٥) كتاب الصلاة : باب الصلاة فى القميص والسراويل والتبان والقباء، مسلم (٥۱٥) أبو داود (٦۲٥) نسائى (۲/٦۹) ابن ماجة (۱۰٤۷) ابن خزيمة (۷٥۸)]
(٥) [بخارى (۳٦۸) كتاب الصلاة : باب ما يستر من العورة، مسلم (٥۱٦)]
(٦) [أحمد (۲/۳۱۹)]
(۷) [بخارى (٥۸۲۰) كتاب اللباس: باب اشتمال الصماء، أحمد (٦۱۳) أبو داود (۲٤۱۷) ترمذى (۱۷٥۸) نسائى (۸/۲۱۰) ابن ماجة (۳٥٥۹)]
(۸) [نيل الأوطار (۱/٥٥۰)]
(۹) [أيضا]
(۱۰) [النهاية لابن الأثير (۲/٥۰۱)]

❷ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن النبی ﷺ نهى عن السدل فى الصلاة﴾ ''نبی ﷺ نے نماز میں سدل سے منع کیا ہے۔'' (۱)

(ابوعبیدہؒ) سدل یہ ہے کہ آدمی اپنے کپڑے کے دونوں کناروں کو اپنے سامنے ملائے بغیر لٹکا لے اور اگر وہ انہیں ملا لے تو یہ سدل نہیں ہے۔ (۲)

(ابن اثیرؒ) سدل یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے کپڑوں کو لحاف بنا لے اور اپنے ہاتھوں کو اندرونی جانب سے داخل کرے جب وہ رکوع اور سجدہ کرے تو وہ کپڑا اسی طرح ہو...... اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سدل یہ ہے کہ کوئی شخص ازار کا درمیانی حصہ اپنے سر پر رکھ کر اس کے دونوں کناروں کو اپنے کندھوں پر رکھے بغیر دائیں اور بائیں جانب چھوڑ دے۔ (۳)

(شافعیؒ، خطابیؒ) سدل یہ ہے کہ کپڑے کو اس قدر چھوڑ دینا کہ زمین تک پہنچ جائے۔ (٤)

وَلَا يُسْبِلُ وَلَا يَكْفِتُ	تہبند (ٹخنوں سے نیچے) نہ لٹکائے ❶ اور اپنے بالوں یا کپڑوں کو نہ سمیٹے۔ ❷

❶ (1) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿لا ينظر الله إلى من جر إزاره بطرا﴾ ''اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائیں گے جس نے تکبر سے اپنی چادر کو لٹکایا۔'' (٥)

(2) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿ما أسفل من الكعبين من الإزار فى النار﴾ ''تہبند کا جتنا حصہ ٹخنوں سے نیچے ہوگا وہ آگ میں ہوگا۔'' (٦)

(3) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی جس روایت میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ روز قیامت تین آدمیوں سے کلام نہیں کریں گے' نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائیں گے اور نہ ہی ان کا تزکیہ کریں گے بلکہ انہیں دردناک عذاب سے دوچار کریں گے۔ اس میں ایسے شخص کا بھی ذکر ہے جو اپنی شلوار ٹخنوں سے نیچے لٹکاتا ہے۔'' (۷)

168- کیا ازار لٹکانے سے وضوء یا نماز ٹوٹ جاتی ہے؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی اپنا تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا تو آپ ﷺ

(۱) [حسن : صحيح أبو داود (٥٩٧) كتاب الصلاة : باب ما جاء فى السدل فى الصلاة ' أبو داود (٦٤٣) ابن خزيمة (٧٧٢) أحمد (١٩٥/٢) دارمى (٣٢٠/١) ترمذى ٣٧٨) ابن ماجة (٩٦٦)]

(۲) [نيل الأوطار (٥٥٢/١)]

(۳) [النهاية (٣٥٥/٢)]

(٤) [المجموع (١٧٧/٣) معالم السنن (١٧٨/١)]

(٥) [بخارى (٥٧٨٨) كتاب اللباس : باب من جر ثوبه من الخيلاء ' مسلم (٢٠٨٧) نسائى (٤٩١/٥) أحمد (٣٨٦/٢) موطا (٩١٤/٢)]

(٦) [بخارى (٥٧٨٧) كتاب اللباس : باب ما أسفل من الكعبين فهو فى النار ' نسائى (٢٠٧/٨) أحمد (٤١٠/٢) شرح السنة (١٥٢/٦)]

(۷) [مسلم (١٠٦) كتاب الإيمان : باب بيان غلظ تحريم إسبال الإزار والمن بالعطية ' أبو داود (٤٠٨٧) ترمذى (١٢١١) نسائى (٨١/٥) أحمد (١٤٨/٥)]

نے اسے فرمایا ﴿اذھب فتوضأ﴾ ''جاؤ وضوء کرو۔'' وہ گیا اور وضوء کر کے آیا تو آپ ﷺ نے پھر اسے وضوء کرنے کو کہا۔ پھر ایک آدمی کے دریافت کرنے پر آپ ﷺ نے فرمایا ﴿انه صلى وهو مسبل إزاره وإن الله لا يقبل صلاة رجل مسبل﴾ ''یہ اپنا تہبند لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا اور بے شک اللہ تعالیٰ (ٹخنوں سے نیچے) تہبند لٹکانے والے شخص کی نماز قبول نہیں فرماتے۔''(۱)

چونکہ یہ روایت ضعیف ہے اس لیے قابل حجت نہیں علاوہ ازیں کسی محدث نے بھی اسبال ازار کو نواقض وضوء یا مبطلات صلاۃ میں شامل نہیں کیا لہذا ٹخنوں سے نیچے شلوار لٹکانے والے کا وضوء اور نماز تو قائم رہے گی لیکن اس ممنوعہ فعل کے ارتکاب کی وجہ سے وہ سزا کا مستحق ضرور ہوگا۔

169- کیا ازار لٹکانے والے امام کے پیچھے نماز درست ہے؟

(ابن بازؒ) علماء کے دو اقوال میں سے زیادہ صحیح یہی ہے کہ ازار لٹکانے والے شخص اور اس طرح کے دیگر نافرمانوں کے پیچھے نماز درست ہے...... لیکن مسئولین کو چاہیے کہ ایسے لوگوں کو امام بنانے سے احتراز کریں۔(۲)

❷ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿أمرت أن أسجد على سبعة ولا أكف شعرا ولا ثوبا﴾ ''مجھے سات (ہڈیوں) پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے (اور یہ بھی کہ) میں بالوں اور کپڑوں کو نہ سمیٹوں۔''(۳)

امام ابن خزیمہؒ نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے کہ ((باب الزجر عن كف الثياب في الصلاة)) ''نماز میں کپڑے سمیٹنے سے ڈانٹ کا بیان۔''(٤)

(نوویؒ) اس سے اجتناب کی ترغیب دلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ ((فلا خير فيه)) ''اس میں خیر نہیں ہے۔''(٥) مزید فرماتے ہیں کہ اس ممانعت کے باوجود اگر کوئی اس طرح نماز پڑھ لے گا تو اس کی نماز تو جائے گی لیکن اس نے یہ برا کیا۔(٦)

---

(۱) [ضعیف : ضعیف أبو داود (۱۲٤) کتاب الصلاة : باب الإسبال في الصلاة، أبو داود (٦٣٨) بیهقی (٢٤١/٢) أحمد (٣٧٩/٥) اس کی سند میں ابوجعفر راوی ہے کہ جس سے بیان کرنے والا یحیی بن ابی کثیر ہے اور وہ انصاری مدنی مؤذن ہے جو کہ مجہول ہے جیسا کہ امام ابن قطانؒ نے یہی کہا ہے اور تقریب التہذیب میں حافظ ابن حجرؒ قمطراز ہیں کہ اس کی حدیث کمزور ہے۔ شیخ البانیؒ بیان کرتے ہیں کہ جس نے مذکورہ حدیث کی سند کو صحیح کہا اسے وہم ہوا ہے۔ [المشكاة (٧٦١)، (٢٣٨/١)] امام شوکانیؒ اور امام منذریؒ نے بھی ابوجعفر راوی کو مجہول قرار دیا ہے۔ [نیل الأوطار (٥٩٩/١) مختصر سنن أبي داود (٣٢٤/١)]

(۲) [مجلة (الدعوة) رقم (٩١٣)]

(۳) [مسلم (٤٩٠) کتاب الصلاة : باب أعضاء السجود والنهي عن كف الشعر والثوب و عقص الرأس في الصلاة، نسائی (٢١٥/٢) ابن ماجة (١٠٤٠) ابن خزيمة (٧٨٢)]

(٤) [صحيح ابن خزيمة (٣٨٣/١)]

(٥) [كما في المدونة الكبرى (٩٦/١)]

(٦) [شرح مسلم (٢٠٩/٤)]

وَلَا يُصَلِّىْ فِىْ ثَوْبِ حَرِيْرٍ وَلَا ثَوْبِ شُهْرَةٍ وَلَا مَغْصُوْبٍ	ریشمی ❶ شوخ ❷ اور چھینے ہوئے ❸ لباس میں نماز نہ پڑھے۔

❶ چونکہ مردوں پر ہر وقت ریشمی لباس پہننا حرام ہے لہذا ایسا لباس پہن کر نماز بھی نہیں پڑھنی چاہیے۔ حرمت کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا تلبسوا الحرير فإنه من لبسه في الدنيا لم يلبسه في الآخرة﴾ "تم ریشم نہ پہنو بلاشبہ جو اسے دنیا میں پہنے گا وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا۔" (۱)

(2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إنما يلبس الحرير في الدنيا من لا خلاق له في الآخرة﴾ "دنیا میں صرف وہی شخص ریشم پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔" (۲)

(3) حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿أحل الذهب والحرير للإناث من أمتي وحرم على ذكورها﴾ "سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں پر حلال کیا گیا ہے جبکہ مردوں پر حرام کیا گیا ہے۔" (۳)

ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ مردوں پر ریشم پہننا حرام ہے۔

170- چار انگلیوں کے برابر ریشم پہننا جائز ہے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿نهى ﷺ عن لبس الحرير إلا موضع إصبعين أو ثلاثة أو أربعة﴾ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے سے منع کیا ہے الا کہ دو انگلیوں یا تین یا چار کے برابر ہو۔" (٤)

171- ریشم پر بیٹھنا بھی ممنوع ہے

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿نهانا النبي ﷺ ...... عن لبس الحرير والديباج وأن نجلس عليه﴾ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔" (٥)

(جمہور) اس حدیث کی وجہ سے ریشم پر بیٹھنا حرام ہے۔ (٦)

○ علماء نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے کہ ریشم کی حرمت کے باوجود کیا اسے پہن کر پڑھی گئی نماز کفایت کر جائے گی یا نہیں؟

(جمہور) اگرچہ یہ کپڑا پہننا حرام ہے لیکن نماز ہو جائے گی۔

(۱) [بخاری (٥٨٣٠، ٥٨٣٤) كتاب اللباس : باب لبس الحرير وافتراشه للرجال......، مسلم (٢٠٦٩) أحمد (٢٠/١) نسائی (٢٠٠/٨)]

(۲) [بخاری (٥٨٣٥) أيضا، مسلم (٢٠٦٩)]

(۳) [صحيح : صحیح ترمذی (١٤٠٤) كتاب اللباس : باب ما جاء في الحرير والذهب، ترمذی (١٧٢٠) أحمد (٣٩٢/٤) نسائی (١٦١/٨) بیهقی (٤٢٥/٢)]

(٤) [بخاری (٥٨٢٨، ٥٨٢٩، ٥٨٣٠) كتاب اللباس : باب لبس الحرير وافتراشه ......، مسلم (٢٠٦٩) أبو داود (٤٠٤٢) نسائی (٢٠٢٣٨) ابن ماجة (٣٥٩٣) أحمد (١٥/١)]

(٥) [بخاری (٥٨٣٧) كتاب اللباس : باب افتراش الحرير]

(٦) [فتح الباری (٤٧٢/١١) الأم (١٨٥/١) حلية العلماء في معرفة مذاهب الفقهاء (٦٧/٢) الجامع الصغير (٤٧٦) الخرشی (٢٤٥/١) الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف (٤٧٥/١)]

(مالکؒ) ایسا شخص نماز کے وقت میں دوبارہ نماز ادا کرے گا۔(۱)

(راجح) اگر کوئی مطلق طور پر ریشم پہننا حرام قرار دیتا ہے تو یقیناً حالت نماز میں اسے پہننا بالاَولیٰ حرام ہے کیونکہ وہ ایسی چیز کو پہنے ہوئے عبادت الٰہی میں داخل ہو رہا ہے کہ جسے اس نے حرام قرار دیا ہے.....' تاہم کیا ایسے شخص کی نماز باطل ہو جائے گی؟ تو یہ بات کسی ایسی واضح دلیل کی محتاج ہے کہ جو اس پر دلالت کرتی ہو (اور ایسی کوئی دلیل ہمارے علم میں نہیں)۔(واللہ اعلم)(۲)

❷ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من لبس ثوب شهرة في الدنيا ألبسه الله ثوب مذلة يوم القيمة﴾ ''جو شخص دنیا میں شہرت کا لباس پہنے گا اللہ تعالیٰ اسے روز قیامت ذلت کا لباس پہنائیں گے۔''(۳)

شہرت کے لباس سے مراد ایسا کپڑا ہے جو لوگوں کے کپڑوں کے رنگوں سے رنگ میں مختلف ہونے کی وجہ سے لوگوں کے درمیان شہرت پکڑتا ہو لوگوں کی نظریں اس کی طرف اٹھتی ہوں اور وہ شخص تکبر و تعجب کے ساتھ ان پر فخر و غرور کرتا ہو...... یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ شہرت کا لباس پہننا حرام ہے اور یاد رہے کہ یہ حدیث محض نفیس لباس کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ یہ چیز تو ایسے شخص سے بھی حاصل ہو سکتی ہے جو فقراء و مساکین کے لباس کے مخالف کپڑا پہنے تا کہ لوگ اسے دیکھیں اور اس کے لباس سے تعجب کریں۔(٤)

❸ (غصب شدہ کپڑے میں بھی نماز نہ پڑھی جائے) کیونکہ یہ غیر کی ملکیت ہے اور بالاجماع حرام ہے۔(٥) لیکن اگر کوئی ایسے کپڑے میں نماز پڑھ لے تو کیا اس کی نماز صحیح ہے یا نہیں؟ امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ ''یہ بات کہ ایسے کپڑے میں اس کی نماز صحیح نہیں کسی ایسی دلیل کی محتاج ہے جو اس پر دلالت کرتی ہو۔''(٦)

(ابو حنیفہؒ، شافعیؒ) ایسے لباس میں نماز صحیح ہے۔(۷)

(راجح) ایسا شخص غصب کے گناہ کا مستحق تو ہوگا لیکن کیا اس کی نماز بھی نہیں ہوگی؟ تو اس کی کوئی واضح دلیل ہمارے علم میں نہیں۔ البتہ اگر اس کے پاس غصب شدہ کپڑے کے علاوہ ستر ڈھانپنے کے لیے کوئی لباس یا کوئی درخت وغیرہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے سدرمق کے لیے غیر کا مال بھی حلال کیا ہے۔(۸)

172- معصفر لباس پہننا ممنوع ہے

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر دو معصفر کپڑے دیکھے تو فرمایا ﴿إن هذه من

---

(۱) [نيل الأوطار (۱/٥٥٦) فتح الباري (۲/۳۸)]

(۲) [السيل الجرار (۱/۱٦۳)]

(۳) [حسن : صحيح أبو داود (۳۳۹۹) كتاب اللباس : باب في لبس الشهرة ' أبو داود (٤٠۲۹) أحمد (۲/۱۳۹) ابن ماجة (۳٦٠۷)]

(٤) [نيل الأوطار (۱/٥۹٦)]

(٥) [الروضة الندية (۱/۲۳٤)]

(٦) [السيل الجرار (۱/۱٦۳)]

(۷) [نيل الأوطار (۱/٥٥۳)]

(۸) [المغني لابن قدامة (۲/۳۱٦) السيل الجرار (۱/۱٦٤)]

ثیاب الکفار فلا تلبسھا﴾ ''بے شک یہ کفار کا لباس ہے اس لیے تم اسے مت پہنو۔'' (۱)

ایسا کپڑا دوران نماز پہننا بالاً ولی ممنوع ہے۔ واضح رہے کہ معصفر ایسے کپڑے کو کہتے ہیں کہ جسے ایک خاص زرد رنگ کی بوٹی سے رنگا گیا ہو۔

وَعَلَيْهِ اسْتِقْبَالُ عَيْنِ الْكَعْبَةِ إِنْ كَانَ مُشَاهِدًا لَهَا أَوْ فِيْ حُكْمِ الْمُشَاهِدِ	اور اس پر قبلہ رخ ہونا ضروری ہے اگر وہ اسے دیکھ رہا ہے یا دیکھنے کے حکم میں ہے۔ ❶

❶ (1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ [البقرۃ : ۱٤٤] ''تم جہاں کہیں بھی ہو اس (مسجد حرام) کی طرف اپنے چہروں کو پھیر لو۔''

(2) رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو فرض و نفل میں قبلہ رخ ہوتے اور اسی کا حکم دیتے پس آپ ﷺ نے مسیئ الصلاۃ سے کہا ﴿إذا قمت إلى الصلاة فأسبغ الوضوء ثم استقبل القبلة فكبر﴾ ''جب تم نماز کا ارادہ کرو تو مکمل وضوء کرو پھر قبلہ رخ ہو کر تکبیر کہو۔'' (۲)

(3) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ لوگ مسجد قبا میں نماز صبح ادا کر رہے تھے کہ اچانک ایک آدمی نے آ کر کہا نبی ﷺ پر رات کو قرآن نازل ہوا ہے ﴿وقد أمر أن يستقبل الكعبة﴾ ''اور بے شک انہیں کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔'' ان کے چہرے شام کی طرف تھے اور وہ کعبہ کی جانب گھوم گئے۔ (۳)

ان تمام دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازی کے لیے قبلہ رخ ہونا فرض ہے اور اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ (٤)

○ دو صورتوں میں قبلہ رخ ہونے کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے:

(1) دوران جنگ شدت خوف کے وقت کہ جب قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھنا ممکن نہ رہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا﴾ [البقرۃ : ۲۳۹] ''اگر تمہیں خوف ہو تو پیدل یا سوار (ہر حالت میں نماز ادا کرو)۔

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ حضرت نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جب نماز خوف کے بارے میں سوال کیا جاتا تو اس کی صورت بیان فرماتے پھر کہتے کہ اگر خوف اس سے زیادہ سخت ہو تو ﴿صلوا رجالا ' قياما على أقدامهم و ركبانا مستقبلي القبلة وغير مستقبليها﴾ ''پیادے' حالت قیام میں' اپنے قدموں پر یا سوار ہو کر' قبلہ رخ ہو کر یا قبلہ رخ نہ ہو کر (ہر طرح) نماز پڑھ لو۔'' (حضرت نافع کہتے ہیں کہ میرے خیال کے مطابق حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ نبی ﷺ کا

---

(۱) [مسلم (۲۰۷۷) كتاب اللباس والزينة : باب النهي عن لبس الرجل الثوب المعصفر' أحمد (۱٦۲/۲) نسائی (۲۰۳/۸)]

(۲) [بخاری (٦۲٥۱) كتاب الاستئذان : باب من رد فقال عليك السلام' مسلم (۳۹۷) نسائی (٥۹/۳) أبو داود (۸٥٦) ترمذی (۳۰۳) ابن ماجة (۱۰٦۰)]

(۳) [بخاری (٤۰۳' ٤٤۸۸) كتاب الصلاة : باب ما جاء في القبلة ومن لم ير الإعادة على من سها' مسلم (٥۲٦) مؤطا (۱۹٥/۱) أحمد (۱٦/۲) أبو عوانة (۳۹٤/۱) ترمذی (۳٤۱) نسائی (٦۱/۲) دارمی (۲۸۱/۱) ابن أبی شيبة (۳۳٥/۱)]

(٤) [نيل الأوطار (٦۷۷/۱) الروضة الندية (۲۳٥/۱)]

قول ہی بیان کیا ہے۔)(۱)

(2) سواری پر نفلی نماز میں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ اپنی سواری پر ﴿قبل أی وجهه توجه﴾ ''جس طرف بھی آپ کا رخ ہوتا'' نفل نماز پڑھ لیتے تھے اور اس پر وتر پڑھ لیتے لیکن فرض نماز اس پر نہیں پڑھتے تھے۔(۲)

ایک اور روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ﴿حيثما توجهت به﴾ ''آپ ﷺ کی سواری جس طرف بھی آپ ﷺ کا رخ کر دیتی'' (آپ نماز پڑھتے رہتے تھے)۔(۳)

○ یاد رہے کہ ان دونوں صورتوں میں بھی (حسب امکان) تکبیر تحریمہ کے وقت قبلہ رخ ہونا واجب ہے۔(٤)

جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفر کرتے اور نفل پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو ﴿استقبل بناقته القبلة﴾ ''اپنی اونٹنی کے ساتھ قبلہ رخ ہو جاتے'' پھر تکبیر کہتے اور ﴿ثم صلى حيث وجهه ركابه﴾ ''پھر جس طرف آپ ﷺ کی سواری آپ ﷺ کا رخ پھیر دیتی نماز پڑھ لیتے۔''(٥)

اگر کوئی کہے کہ اس حدیث میں تو محض آپ ﷺ کا فعل (نفل میں قبلہ رخ ہونا) مذکور ہے اور یہ اصولی بات ہے کہ فعل سے وجوب ثابت نہیں ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اثبات وجوب کے لیے نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کے اس عمل کی وضاحت کے لیے بیان کی گئی ہے علاوہ ازیں وجوب کے دلائل وہی ہیں جو پیچھے بیان کر دیے گئے ہیں۔

○ بعض لوگوں کا گمان یہ ہے کہ قبلہ رخ ہونا نماز کے لیے شرط ہے جیسا کہ امام ابن قدامہ حنبلی رقمطراز ہیں کہ ((استقبال القبلة شرط في صحة الصلاة إلا في حالتين)) ''دو حالتوں کے سوا قبلہ رخ ہونا نماز کی صحت کے لیے شرط ہے۔''(٦)

لیکن ان کے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہو کہ قبلہ رخ نہ ہونے سے نماز نہیں ہوتی بلکہ صرف وہی دلائل ہیں کہ جن میں قبلہ رخ ہونے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ بات معروف ہے کہ حکم سے وجوب تو ثابت ہوتا ہے شرط نہیں کیونکہ اوامر و فرائض احکام تکلیفیہ میں سے ہیں اور شرط احکام وضعیہ میں سے ہے۔(۷)

---

(۱) [بخاری (۹٤۳) کتاب الجمعة : باب صلاة الخوف رجالا و رکبانا......، مسلم (۳۰٦) نسائی (۱۷۳/۳) أحمد (۱۵۵/۲) أبو عوانة (۳۵۸/۲) دارقطنی (۵۹/۲) بیهقی (۲٦۰/۳)]

(۲) [بخاری (۹۹۹) کتاب الجمعة : باب الوتر علی الدابة، مسلم (۳٦) أبو داود (۱۲۲٤) ترمذی (٤۷۲) نسائی (۲٤۲/۳) ابن ماجة (۱۲۰۰) أحمد (۷/۲)]

(۳) [أحمد (۷/۲) مسلم (۷۰۰) ترمذی (٤۷۲)]

(٤) [المغنی لابن قدامة (۹۳/۲) نیل الأوطار (٦۸۵/۱)]

(٥) [حسن : صحیح أبو داود (۱۰۸٤) کتاب الصلاة : باب التطوع علی الراحلة، أبو داود (۱۲۲۵) أحمد (۲۰۳/۳) بیهقی (۵/۲)] امام نوویؒ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ [المجموع (۳۱۵/۳)]

(٦) [المغنی لابن قدامة (۹۲/۲)]

(۷) [إرشاد الفحول (۱۵/۱) الإحکام للآمدی (۹۰/۱)]

وَغَيْرُ الْمُشَاهِدِ يَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ بَعْدَ التَّحَرِّيْ	اور اگر قبلہ نہ دیکھ رہا ہو تو کوشش و تحقیق کے بعد اس کی جہت کی طرف رخ کرلے۔ ❶

❶ (1) کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ﴾ [البقرة:۲۸٦] ''اللہ تعالیٰ کسی نفس کو بھی اس کی وسعت وطاقت سے زیادہ تکلیف میں نہیں ڈالتے۔''

(2) عبداللہ بن عامر بن ربیعہؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک اندھیری رات میں نبی ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے۔ ہمیں قبلے کا علم نہیں ہوا ﴿فصلى كل رجل منا على حياله﴾ ''لہٰذا ہم میں سے ہر آدمی نے اپنی جہت میں نماز پڑھ لی۔'' جب صبح ہوئی تو ہم نے یہ بات نبی ﷺ سے بیان کی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ﴾ [البقرة:۱۱۵] ''تم جس طرف بھی پھرو وہیں اللہ کا چہرہ ہے۔''(۱)

(ابن بازؒ) جب مومن کسی صحرا میں یا ایسی بستی میں ہو جہاں قبلے کا رخ مشتبہ ہو رہا ہو تو پھر وہ شخص صحیح رخ معلوم کرنے کے لیے مکمل کوشش کرنے کے بعد اپنے اجتہاد کے مطابق نماز ادا کرلے تو اس کی نماز درست ہے۔(۲)

فقہاء نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے اجتہاد کے ساتھ کسی سمت میں نماز پڑھ لیتا ہے پھر اسے علم ہوتا ہے کہ اس نے قبلہ رخ نماز نہیں پڑھی تو کیا اسے دوبارہ نماز ادا کرنی پڑے گی یا کہ پہلی نماز کفایت کر جائے گی؟

(احناف' حنابلہ) اجتہاد کی صورت میں دوبارہ نماز پڑھنا واجب نہیں۔

(مالکیہ) اس نماز کے وقت میں نماز دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

(شافعیہ) اگر اس نماز کا وقت گزر بھی گیا ہو تب بھی اسے دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔(۳)

(راجح) اس نماز کا وقت ہو یا گزر چکا ہو کسی صورت میں بھی نماز دوبارہ ادا کرنا واجب نہیں جیسا کہ گذشتہ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ نیز امام شوکانیؒ اور عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ بھی اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(٤)

(ابن قدامہ حنبلیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٥)

173- اگر دوران نماز قبلے کا علم ہو جائے......

تو نماز میں ہی اس کی طرف گھوم جانا چاہیے۔(٦) جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں واضح طور پر موجود ہے کہ جب اہل قباء کو دوران نماز ایک صحابی نے قبلہ بدل جانے کا فرمان الٰہی سنایا تو انہوں نے نماز میں ہی شام سے کعبہ کی

(۱) [حسن : صحيح ترمذى (۲۸٤) كتاب الصلاة : باب ما جآء فى الرجل يصلى لغير القبلة فى الغيم' ترمذى (۳٤٥) دارقطنى (۲۷۲/۱) بيهقى (۱۱/۲)]

(۲) [فتاوى ابن باز مترجم (٥٦/۱)]

(۳) [الفقه الإسلامى وأدلته (٧٦١/۱) سبل السلام (۳۰۷/۱)]

(٤) [نيل الأوطار (٦٧٧/۱) السيل الجرار (۱۷۳/۱) تحفة الأحوذى (۳۳٥/۱)]

(٥) [المغنى (۱۱۱/۲)]

(٦) [المغنى لابن قدامة (۱۱۳/۱)]

جانب رخ پھیر لیا ﴿وكانت وجوههم إلى الشام فاستداروا إلى الكعبة﴾ ''ان کے چہرے شام کی طرف تھے تو وہ کعبے کی جانب گھوم گئے۔'' (۱)

174- عین قبلہ کی جانب رخ کرنا

جب نمازی قبلہ سے دور دراز فاصلہ پر ہو تو اس کے لیے عین قبلہ کی جانب رخ کرنا لازمی نہیں بلکہ محض اپنا چہرہ اس سمت میں کر لینا ہی کافی ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿مابين المشرق والمغرب قبلة﴾ ''مشرق اور مغرب کے مابین قبلہ ہے۔'' (۲)

امام صنعانیؒ رقمطراز ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ ایسے شخص کے لیے کہ جس پر عین قبلہ معلوم کرنا دشوار ہو محض اس سمت میں چہرہ کر لینا ہی کافی ہے نہ کہ اس پر عین قبلہ کی جانب رخ کرنا ضروری ہے۔ علماء کی ایک جماعت کا اس حدیث کی وجہ سے یہی موقف ہے۔ (۳)

گزشتہ حدیث سے وجہ استدلال یوں ہے کہ مشرق و مغرب کے درمیان تمام جگہ میں تو قبلہ نہیں ہے بلکہ بعض جگہ میں قبلہ ہے اور بعض اس کا ارد گرد ہے لیکن سب کو ہی قبلہ کہا گیا ہے لہذا اس جہت وسمت میں رخ کرنا ہی کافی ہوگا۔

(شوکانیؒ) یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص کعبے سے دور ہو اس پر اس جہت میں اپنا رخ کر لینا ہی فرض ہے نہ کہ اس پر عین قبلہ رخ کرنا ضروری ہے۔ (٤)

(احمدؒ، مالکؒ، ابو حنیفہؒ) اسی کے قائل ہیں۔ ایک قول کے مطابق امام شافعیؒ کا بھی یہی موقف ہے۔

(شافعیؒ) جو شخص دور ہے اس پر بھی عین قبلہ کی جانب رخ کرنا فرض ہے۔ (٥)

(راجح) پہلا موقف ہی راجح و برحق ہے۔ (٦)

○ آج کل قبلہ معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں ہے کیونکہ ہر شہر اور بستی میں مساجد کے محراب اہل خبر و اہل معرفت افراد نے تحقیق و تفتیش کے بعد قبلہ کی جانب ہی بنائے ہوئے ہیں لہذا انہی کے مطابق قبلہ رخ ہو جانا چاہیے۔

175- اگر کوئی ایسے بلند و بالا پہاڑ پر نماز پڑھے......

کہ کعبہ کی سمت سے (اوپر) نکل جائے تو اس کی نماز صحیح ہے اور اسی طرح اگر کوئی ایسی جگہ میں نماز پڑھے جو اس کی سمت

(۱) [بخاری (٤٠٣) کتاب الصلاة : باب ما جاء في القبلة......' مؤطا (١٩٥/١) ترمذی (٤٣١) أبو عوانة (٣٩٤/١) نسائی (٦١/٢) أحمد (١٦/٢)]

(۲) [صحیح : إرواء الغليل (٣٢٤/١) ترمذی (٣٤٢ ' ٣٤٤) كتاب الصلاة : باب ما جاء أن ما بين المشرق والمغرب قبلة ' ابن ماجة (١٠١١) نسائی (١٧٢/٤) بیهقی (٩/٢) دارقطنی (٢٧٠٣١)] شیخ حازم علی قاضی نے اس حدیث کو صحیح لغیرہ کہا ہے۔ [التعليق على سبل السلام (٣٠٧/١)]

(۳) [سبل السلام (٣٠٨/١)]

(٤) [نيل الأوطار (٦٨٢/١)]

(٥) [الأم (١٩٠/١) روضة الطالبين (٣٢٩/١) شرح فتح القدير (٢٣٤/١) كشاف القناع (٣٠٥/١)]

(٦) [المغنی لابن قدامة (١٠٢/٢)]

سے نیچے ہو (تو بھی اس کی نماز صحیح ہے)۔(۱)

176- ہوائی جہاز اور کشتی میں قبلہ رخ ہونا اور بیٹھ کر نماز پڑھنا

(ابن بازؒ) مسلمان پر واجب ہے کہ جب وہ ہوائی جہاز یا صحرا میں ہو تو علامات قبلہ اہل خبر ونظر سے دریافت کر کے قبلہ پہچاننے میں اجتھاد کرے...... پھر اگر اسے اس کا علم نہ ہو سکے تو قبلہ کے رخ کی جستجو میں اجتھاد کرے اور اس طرف چہرہ کر کے نماز ادا کرے' یہ اس کے لیے کافی ہے خواہ بعد میں یہ معلوم ہو کہ اس نے قبلہ کی تلاش میں خطا کی ہے.....' (بیٹھ کر نماز پڑھنے میں) کوئی حرج نہیں جبکہ وہ کھڑا ہو کر نماز نہ ادا کر سکتا ہو جیسے کشتی یا بحری جہاز میں نماز ادا کرنے والا اگر کھڑا ہو کر نماز پڑھنے سے عاجز ہو تو بیٹھ کر ادا کر سکتا ہے اور اس مسئلے میں حجت اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ [التغابن : ١٦] ''جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرو۔'' اور ہوائی جہاز سے اترنے تک نماز کو اس صورت میں موخر کر سکتا ہے جبکہ نماز کے وقت میں گنجائش ہو۔ یاد رہے کہ یہ تمام مسائل فرضی نمازوں کے متعلق ہیں علاوہ ازیں نوافل میں قبلہ رخ ہونا واجب نہیں۔(۲)

177- مجبوری یا حالت مرض میں قبلہ رخ ہونا

جسے مجبور کیا گیا ہو اور مریض دونوں قبلہ رخ ہوئے بغیر بھی نماز ادا کر سکتے ہیں بشرطیکہ وہ قبلہ رخ ہونے سے عاجز ہوں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ﴿إذا أمرتكم بأمر فاتوا منه مااستطعتم﴾ ''جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو حسب استطاعت اس پر عمل کر لو۔''(۳)

متفرقات

178- نقش ونگار والے مصلے پر اور اس طرح کے پردوں کے سامنے نماز

ایسے منقش مصلوں اور پردوں کے سامنے نماز پڑھنا جو نماز میں توجہ کے خلل کا باعث بنیں مکروہ ہے اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک زیبائشی چادر (برائے پردہ) تھی جو انہوں نے اپنے حجرے کے ایک طرف لٹکا رکھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا ﴿أميطي عنا قرامك هذا فإنه لا تزال تصاويره تعرض لي في صلاتي﴾ ''اس زیبائشی چادر کو ہمارے سامنے سے ہٹا دو کیونکہ اس کی تصویریں میرے سامنے آ کر میری نماز میں خلل اندازی اور خرابی کا باعث بنتی ہیں۔''(٤)

(2) حضرت ابوجہم رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی خدمت میں ایک چادر بطور تحفہ پیش کی۔ اس چادر پر کچھ نقوش ونشانات تھے اور وہ چادر باریک بھی تھی۔ آپ ﷺ نے اسے پہن کر یا اوڑھ کر نماز ادا فرمائی تو آپ ﷺ کی نظر ان نقوش ونشانات کی جانب

---

(۱) [المغنی (۱۰۲/۲)]

(۲) [الفتاوی الإسلامیة (۲۵۳/۱) فتاوی ابن باز مترجم (۵۷/۱)]

(۳) [فقه السنة (۱۱٦/۱)]

(٤) [بخاری (۵۹۵۹٬۳۷٤) کتاب الصلاة : باب إن صلى في ثوب مصلب أو تصاوير هل تفسد صلاته٬ أحمد (۱۵۱/۳)]

مبذول ہوگئی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے نماز سے فراغت کے بعد فرمایا ﴿اذهبوا بخميصتي هذه إلى أبي جهم واتوني بأنبجانية أبي جهم فإنها ألهتني عن الصلاة﴾ ''اس چادر کو ابو جہم کے پاس ہی لے جاؤ اور مجھے اس سے انبجانیہ (بغیر نقوش کے چادر) لا دو کیونکہ اِس چادر نے تو مجھے میری نماز سے غافل کر دیا۔'' (۱)

(3) حضرت عثمان بن أبی طلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿فإنه لا ينبغي أن يكون في قبلة البيت شيئ يلهي المصلي﴾ ''بلاشبہ یہ مناسب و جائز نہیں ہے کہ گھر کے قبلہ میں کوئی ایسی چیز ہو جو نمازی کو غافل کر دے۔'' (۲)

علاوہ ازیں جانداروں کی تصاویر گھروں میں رکھنا یا بنانا یکسر حرام ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''بلاشبہ جو لوگ یہ تصویریں بناتے ہیں ﴿يعذبون يوم القيمة﴾ ''قیامت کے دن انہیں عذاب دیا جائے گا'' اور انہیں کہا جائے گا کہ ﴿أحيوا ما خلقتم﴾ ''جسے تم نے بنایا ہے اب اسے زندہ کرو۔'' (۳)

البتہ درخت یا دیگر جمادات جیسی غیر جاندار اشیاء کی تصویریں بنانا اور رکھنا مباح ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿فإن كنت لا بد فاعلا فاجعل الشجر ومالا نفس له﴾ ''اگر تم ضرور تصاویر رکھنا یا بنانا چاہتے ہو تو درخت اور غیر جاندار اشیاء کی بنالو۔'' (٤)

179- نماز کے لیے مصلے کا استعمال

یہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے جیسا کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ﴿كان رسول الله ﷺ يصلي على الخمرة﴾ ''رسول اللہ ﷺ چٹائی پر نماز پڑھتے تھے۔'' (٥)

(جمہور) اسی کے قائل ہیں۔ (٦)

180- جوتوں اور موزوں سمیت نماز پڑھنا

جائز و مباح ہے اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ ﴿أكان النبي ﷺ يصلي في نعليه ؟﴾ ''کیا نبی ﷺ

---

(۱) [بخاری (۳۷۳) کتاب الصلاة : باب إذا صلى في ثوب له أعلام ونظر إلى علمها ' مسلم (٥٦٣)]

(۲) [صحيح : صحيح أبو داود (۱۷۸٦) كتاب المناسك : باب في دخول الكعبة ' أحمد (۳۸۰/٥) حميدي (٥٦٥) ابن أبي شيبة (۳۹۹/۱)]

(۳) [بخاری (٥٩٥١) كتاب اللباس : باب عذاب المصورين يوم القيمة ' مسلم (۲۱۰۸) نسائی (۲۱٥/۸) أحمد (٤/۲) بيهقي (۲٦۸/۷)]

(٤) [بخاری (٥٩٦٣) كتاب اللباس : باب من صور صورة كلف يوم القيمة أن ينفخ فيها الروح ' مسلم (۲۱۱۰) نسائی (۲۱٥/۸) أحمد (۲٤۱/۱) بيهقي (۲٦۹/۷)]

(٥) [بخاری (۳۳۳ ' ۳۷۹) كتاب الحيض : باب الصلاة على النفساء وسنتها ' مسلم (٥١۳) أبو داود (٦٥٦) ابن ماجة (۹٥۸) نسائی (٥۷/۲) أحمد (۳۳۰/٦) دارمی (۳۱۹/۱) ابن خزيمة (۱۰۰۷) بيهقي (٤۲۱/۲)]

(٦) [نيل الأوطار (٦۲۰/۱)]

اپنے جوتوں میں نماز پڑھ لیتے تھے؟" تو انہوں نے جواب میں کہا ﴿نعم﴾ "ہاں۔"(۱)

(2) حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿خالفوا الیهود فإنهم لا یصلون فی نعالهم ولا خفافهم﴾ "یہود کی مخالفت کرو بلاشبہ وہ اپنے جوتوں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے۔" صحیح ابن حبان کی ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿خالفوا الیهود والنصاری......﴾ "یہود و نصاری کی مخالفت کرو......"(۲)

(3) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو اپنے جوتوں کو پھیر کے دیکھ لے اگر ان میں گندگی نظر آئے تو انہیں زمین پر رگڑے ﴿ثم لیصل فیهما﴾ "پھر ان میں نماز پڑھ لے۔"(۳)

(4) وہ حدیث بھی اس کی دلیل ہے جس میں ہے کہ "نبی ﷺ نے دوران نماز جوتیاں اتار دیں یہ دیکھ کر صحابہ نے بھی اپنی جوتیاں اتار دیں......"(٤)

(شوکانیؒ) جوتے پہن کر نماز پڑھنا مستحب ہے۔(٥)

(ابن حجرؒ) اس عمل میں یہود کی مخالفت کے ارادے کی وجہ سے استحباب ہے۔(٦)

(ابن دقیق العیدؒ) یہ عمل مستحب نہیں ہے بلکہ محض ایک رخصت ہے۔(۷)

181- وجوب نماز کے لیے عقل و بلوغت شرط ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا تین آدمیوں کا گناہ نہیں لکھا جاتا ﴿عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یحتلم وعن المجنون حتی یعقل﴾ "خوابیدہ شخص کا جب تک کہ وہ بیدار نہ ہو جائے، بچے کا جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے اور پاگل کا جب تک کہ وہ عقلمند نہ ہو جائے۔"(۸)

(شوکانیؒ) اس مسئلے پر اجماع ہے۔(۹)

---

(۱) [بخاری (۳۸٦، ۵۸۵۰) کتاب الصلاة : باب الصلاة فی النعال، مسلم (۵۵۵) ترمذی (٤٤٠) نسائی (۷٤/۲) أحمد (۱۰۰/۳) ابن خزیمة (۱۰۱۰)]

(۲) [صحیح : صحیح أبو داود (٦۰۷) کتاب الصلاة : باب الصلاة فی النعل، أبو داود (٦۵۲) حاکم (۲٦۰/۱) بیهقی (٤۳۲/۲)]

(۳) [صحیح : صحیح أبو داود (٦۰۵) أیضا، أحمد (۲۰/۳) أبو داود (٦۵۰) دارمی (۳۲۰/۱) أبو یعلی (۱۱۹٤) ابن خزیمة (۱۰۱۷)]

(٤) [صحیح : صحیح أبو داود (٦۰۵) أیضا، إرواء الغلیل (۲۸٤)]

(٥) [نیل الأوطار (٦۲۵/۱)]

(٦) [تحفة الأحوذی (٤٤٤/۲)]

(۷) [أیضا]

(۸) [صحیح : صحیح أبو داود (۳٦۹۸) کتاب الحدود : باب فی المجنون یسرق أو یصیب حدا، أبو داود (٤۳۹۸) نسائی (۳٤۳۲) ابن ماجة (۲۰٤۱)]

(۹) [السیل الجرار (۱۰۰/۱)]

182- قبروں کی جانب رخ کر کے نماز پڑھنا

متعدد احادیث میں اس کی ممانعت مروی ہے ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا تصلوا إلى القبور و لا تجلسوا عليها﴾ ''قبروں کی طرف رخ کر کے نماز نہ پڑھو اور نہ ان پر بیٹھو۔'' (۱)

(2) حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا تتخذو القبور مساجد فإني أنهاكم عن ذلك﴾ ''قبروں کو مسجدیں مت بناؤ بے شک میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔'' (۲)

183- حمام میں نماز پڑھنا ممنوع ہے

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿الأرض كلها مسجد إلا المقبرة و الحمام﴾ ''قبرستان اور حمام کے سوا ساری زمین مسجد ہے۔'' (۳)

(ابن حزمؒ) کسی صورت میں بھی حمام میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔

(جمہور) حمام اگر پاکیزہ ہو تو نماز صحیح ہے مگر مکروہ ہوگی۔

(شوکانیؒ) انہوں نے امام ابن حزمؒ کی بات کو برحق کہا ہے۔ (٤)

184- جانوروں کے باڑوں میں نماز پڑھنا

شریعت نے بھیڑ بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے جبکہ اونٹوں کے باڑوں میں نماز پڑھنا حرام قرار دیا ہے۔ اس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿صلوا في مرابض الغنم و لا تصلوا في أعطان الإبل﴾ ''بھیڑ بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھ لو لیکن اونٹوں کے باڑوں میں نماز نہ پڑھو۔'' (٥)

---

(۱) [مسلم (۹۷۲) كتاب الجنائز: باب النهي عن الجلوس على القبر و الصلاة عليه' أبو داود (۳۲۲۹) ترمذی (۱۰۵۰) نسائی (۷٦۰) ابن خزيمة (۷۹۳) بيهقی (۲/٤۳٥)]

(۲) [مسلم (٥۳۲) كتاب المساجد و مواضع الصلاة' باب النهي عن بناء المساجد على القبور......' أبو عوانة (۱/٤۰۱)]

(۳) [**صحيح** : إرواء الغليل (۱/۳۲۰) صحيح أبو داود (٥۰۷) كتاب الصلاة : باب في المواضع التي لا تجوز فيها الصلاة' أبو داود (٤۹۲) أحمد (۲/۸۳) ترمذی (۳۱۷) ابن ماجة (۷٤٥) بيهقی (۲/٤۳٥) حاكم (۱/۲٥۱) ابن خزيمة (۷۹۱)]

(٤) [نيل الأوطار (۱/٦۲۹)]

(٥) [**صحيح** : صحيح ترمذی (۲۸٥) كتاب الصلاة : باب ما جاء في الصلاة في مرابض الغنم ......' ابن ماجة (۷٦۸) أحمد (۲/٤٥۱) ابن خزيمة (۷۹٥) بيهقی (۲/٤٤۹) ترمذی (۳٤۸)]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے بھی اسی معنی میں حدیث مروی ہے۔(۱)

(احمدؒ، ابن حزمؒ، شوکانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔

(جمہور) نجاست نہ ہو تو نہی کو کراہت پر اور نجاست موجود ہو تو نہی کو تحریم پر محمول کیا جائے گا۔(۲)

(راجح) پہلا موقف حدیث کے زیادہ قریب ہے۔(واللہ اعلم)

185- غصب شدہ زمین پر نماز پڑھنا

بالکل جائز نہیں ہے۔ امام شوکانیؒ بھی اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(۳)

186- پتلون (یعنی پینٹ) میں نماز پڑھنا

(البانیؒ) اس میں دو مصیبتیں ہیں:

① کفار کی مشابہت۔

② ستر کی حفاظت نہ ہونا بالخصوص حالت سجدہ میں۔(٤)

(ابن بازؒ) اگر پینٹ تنگ نہ ہو وسیع ہو تو اس میں نماز صحیح ہے اور افضل یہی ہے کہ اس کے اوپر ایک ایسی قمیض ہو جو ناف اور گھٹنوں کے درمیانی حصے کو چھپا لے اور نصف پنڈلی یا ٹخنے تک نیچے لٹک جائے کیونکہ یہی چیز ستر میں زیادہ مکمل ہے۔(٥)

سعودی مجلس افتاء نے بھی اسی طرح کا فتوی دیا ہے۔(٦)

187- باریک وشفاف کپڑوں میں نماز

(ابن بازؒ) جب کپڑا شفاف یا باریک ہونے کی وجہ سے جلد کو چھپا نہ سکتا ہو تو کسی مرد کے لیے اس میں نماز ادا کرنا درست نہیں اِلا کہ ایسے کپڑے کے نیچے پاجامہ یا تہبند ہو جو ناف اور گھٹنوں کے درمیانی حصے کو چھپا سکے ......اور عورت کے لیے بھی ایسے کپڑے میں نماز جائز نہیں اِلا کہ اس کے نیچے ایسا کپڑا یا کپڑے ہوں جو اس کے تمام بدن کو چھپا سکیں۔ ایسے کپڑے کے نیچے چھوٹا سا پاجامہ کفایت نہیں کرتا۔(۷)

(۱) [**صحيح** : صحيح أبو داود (١٦٩) أبو داود (١٨٤) أحمد (٢٨٨/٤)]

(۲) [نيل الأوطار (٦٣٥/١-٦٣٦)]

(۳) [السيل الجرار (١٦٨/١)]

(٤) [القول المبين فى أخطاء المصلين (ص/٢٠)]

(٥) [الفتاوى للشيخ عبدالعزيز بن باز (٦٩/١)]

(٦) [فتاوى اللجنة الدائمة (رقم/٢٠٠٣)]

(۷) [الفتاوى الإسلامية (٢٥٣/١) فتاوى ابن باز مترجم (٥٧/١) مجلة "الدعوة" رقم (٨٨٦)]

مساجد کا بیان

188- مساجد کی تعمیر اور ان کی طہارت ونظافت کا اہتمام

(1) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من بنى لله مسجدا بنى الله له مثله فى الجنة﴾ ”جو شخص اللہ کے لیے مسجد بنائے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کی مثل جنت میں (گھر) بنائیں گے۔“ (۱)

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿أمر رسول الله ﷺ ببناء المساجد فى الدور وأن تنظف وتطيب﴾ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محلوں میں مساجد کی تعمیر اور انہیں پاکیزہ وخوشبودار رکھنے کا حکم دیا ہے۔“ (۲)

(3) حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے ایک مکتوب میں لکھا کہ ﴿فإن رسول الله ﷺ كان يأمرنا بالمساجد أن نضعها فى دورنا ونصلح صنعتها ونطهرها﴾ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں محلوں میں مساجد بنانے ان کی بناوٹ کی اصلاح کرنے اور انہیں پاکیزہ رکھنے کا حکم دیتے تھے۔“ (۳)

امام صنعانیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں مساجد کی تعمیر کا حکم استحباب کے لیے ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے لیے ساری زمین کو پاکیزہ ومسجد بنایا گیا ہے لہذا جس شخص کو بھی نماز مل جائے ﴿فليصل حيث أدركته﴾ ”وہ وہیں نماز پڑھ لے کہ جہاں اسے ملی ہے۔“ (٤)

189- مساجد اللہ کی پسندیدہ جگہیں ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿أحب البلاد إلى الله مساجدها﴾ ”اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ جگہیں مسجدیں ہیں۔“ (٥)

190- مساجد کی تزئین وآرائش......

اور انہیں فخر وریاکاری کا باعث بنانا ناجائز وممنوع ہے۔

(1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ما أمرت بتشييد المساجد﴾ ”مجھے مساجد کی تزئین وآرائش کا حکم نہیں دیا گیا۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ﴿لتزخرفنها كما زخرفتها اليهود والنصارى﴾

---

(۱) [بخاری (٤٥٠) كتاب الصلاة : باب من بنى مسجدا ......، مسلم (٥٣٣) ترمذی (٣١٨) ابن ماجة (٧٣٦) أحمد (٧٠/١) ابن خزيمة (١٢٩١) دارمی (٣٢٣/١) بيهقی (٤٣٧/٢)]

(۲) [**صحيح** : صحيح أبو داود (٤٣٦) كتاب الصلاة : باب اتخاذ المساجد فى الدور، أبو داود (٤٥٥) أحمد (١٧/٥) ترمذی (٥٩٤)]

(۳) [**صحيح** : صحيح أبو داود (٤٣٧) أيضا، أبو داود (٤٥٦)]

(٤) [بخاری (٣٣٥) كتاب التيمم : باب قول الله تعالى فلم تجدوا ماء فتيمموا......، مسلم (٥٢١) نسائی (٢١٠/١) دارمی (٣٢٢/١) أحمد (٣٠٤/٣) سبل السلام (٣٥٢/١)]

(٥) [مسلم (٦٧١) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب فضل الجلوس فى مصلاة بعد الصبح و فضل المسجد]

''تم ضرور انہیں مزین کرو گے جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے انہیں مزین کیا تھا۔'' (١)

(2) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا تقوم الساعة حتى يتباهى الناس في المساجد﴾ ''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ لوگ مساجد (کی تعمیر) میں فخر نہ کرنے لگیں۔'' (٢)

عہد رسالت و خلافت راشدہ میں مساجد کی یہی کیفیت تھی۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک پہلا شخص ہے کہ جس نے مسجد نبوی میں تزئین و آرائش اور نقش و نگار کے کام کروائے چونکہ ولید حکمران تھا اس لیے علماء کو مجبوراً خاموش ہونا پڑا۔ (٣)

191- مساجد کی طرف تیز چل کر آنا ممنوع ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا سمعتم الإقامة فامشوا إلى الصلاة وعليكم بالسكينة والوقار ولا تسرعوا فما أدركتم فصلوا وما فاتكم فأتموا﴾ ''جب تم اقامت سن لو تو نماز کے لیے اس طرح چل کے آؤ کہ تم پر سکون اور وقار ہو اور جلدی مت کرو۔ جتنی نماز مل جائے وہ پڑھ لو جو رہ جائے اسے بعد میں پورا کر لو۔'' (٤)

اگرچہ مذکورہ حدیث میں ممانعت کو اقامت سننے کے ساتھ مقید کیا گیا ہے لیکن اقامت سے پہلے بھی تیزی سے مساجد کی طرف آنا ممنوع ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے کہ ﴿إذا أتيتم الصلاة فعليكم بالسكينة﴾ ''جب تم نماز کے لیے آؤ تو سکون و اطمینان سے آؤ۔'' (٥)

پہلی حدیث میں اقامت کی قید صرف اس لیے ہے کیونکہ عموماً یہی چیز انسان کو جلدی کرنے پر ابھارتی ہے۔ (٦)

192- کچی لہسن اور پیاز کھا کر مسجد میں آنا ممنوع ہے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من أكل ثوما أو بصلا فليعتزلنا أو ليعتزل مسجدنا وليقعد في بيته﴾ ''جو شخص کچی لہسن یا پیاز کھائے وہ ہم سے دور رہے یا (یہ فرمایا کہ) ہماری مسجد سے دور رہے اور اپنے گھر میں بیٹھا رہے۔'' (٧)

---

(١) [صحيح : صحيح أبو داود (٤٣١) كتاب الصلاة : باب في بناء المساجد ' أبو داود (٤٤٨) شرح السنة (٤٦٤) أبو يعلى (٢٤٥٤) عبدالرزاق (١٥٢/٣)]

(٢) [صحيح : صحيح أبو داود (٤٣٢) أيضا ' أبو داود (٤٤٩) ابن ماجة (٧٣٩) نسائي (٢/٣٢) أحمد (١٣٤/٣) ابن خزيمة (١٣٢٢) دارمي (٣٢٧/١) ابن حبان (١٦١٤) أبو يعلى (٢٧٩٨)]

(٣) [سبل السلام (٣٦٥/١)]

(٤) [بخاري (٦٣٦) كتاب الأذان : باب لا يسعى إلى الصلاة وليأتها بالسكينة والوقار]

(٥) [بخاري (٦٣٥) كتاب الأذان : باب قول الرجل فاتتنا الصلاة]

(٦) [فتح الباري (١١٧/٢)]

(٧) [بخاري (٧٣٥٩) كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة : باب الأحكام التي تعرف بالدلائل...... ' مسلم (٥٦٤) أبو داود (٣٨٢٢) ترمذي (١٨٠٦) ابن ماجة (٣٣٦٥) أحمد (٣٨٠/٣) نسائي (١٥٨/٤) بيهقي (٧٦/٣) ابن خزيمة (١٦٦٨)]

193- مسجد میں داخلے کی دعا

(1) "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِیْمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ" (۱)

(2) "بِسْمِ اللّٰہِ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ" (۲)

(3) "اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ" (۳)

194- مسجد سے نکلنے کی دعا

"بِسْمِ اللّٰہِ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ"۔ "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ"۔ "اَللّٰھُمَّ اَعْصِمْنِیْ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ" (٤)

195- مسجد میں بیٹھنے سے پہلے دو رکعتوں کی ادائیگی ضروری ہے

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا دخل أحدكم المسجد فلا يجلس حتى يصلي ركعتين﴾ "جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک دو رکعت نماز نہ پڑھ لے۔" (٥)
اس مسئلے کی مزید تفصیل آئندہ "باب صلاۃ التطوع" میں آئے گی۔

196- مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان کرنا جائز نہیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من سمع رجلا ينشد ضالة في المسجد فليقل: لا ردها الله عليك فإن المساجد لم تبن لهذا﴾ "جو کوئی کسی آدمی کو مسجد میں اپنی گمشدہ چیز کا اعلان کرتے ہوئے سنے تو وہ کہے: اللہ کرے وہ چیز تمہیں واپس نہ ملے کیونکہ مسجدیں اس مقصد کے لیے نہیں بنائی گئیں۔" (٦)

197- مسجد میں خرید و فروخت ممنوع ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم مسجد میں کسی شخص کو خرید و فروخت کرتے دیکھو تو اسے کہو ﴿لا أربح الله تجارتك﴾ "اللہ تعالیٰ تمہارے کاروبار میں نفع نہ کرے۔" (٧)

---

(١) [**صحيح** : صحيح أبو داود (٤٤١) كتاب الصلاة : باب ما يقول الرجل عند دخوله المسجد' أبو داود (٤٦٦)]

(٢) [**حسن** : ابن السنى (٨٨)]

(٣) [**صحيح** : صحيح أبو داود (٤٤٠) أيضا' نسائى (٥٣/٢) دارمى (٣٢٤/١)]

(٤) [أبو داود (٤٦٥) ابن حبان (٢٠٤٩) مسلم (٧١٣) صحيح ابن ماجة (١٢٩/١) حصن المسلم (ص/٣٩)]

(٥) [بخارى (٤٤٤) كتاب الصلاة : باب إذا دخل أحدكم المسجد فليركع ركعتين ...... ' مسلم (٧١٤) ترمذى (٣١٦) أبو داود (٤٦٧) نسائى (٥٣/٢) ابن ماجة (١٠١٣) أحمد (٢٩٥/٥) شرح السنة (٤٨١) ابن خزيمة (١٨٢٥)]

(٦) [مسلم (٥٦٨) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب النهى عن نشد الضالة فى المسجد ...... ' أبو داود (٤٧٣) ابن ماجة (٧٦٧) أبو عوانة (٤٠٦/١) أحمد (٣٤٩/٢) ابن خزيمة (١٣٠٢) بيهقى (٤٤٧/٢)]

(٧) [**صحيح** : صحيح ترمذى (١٠٦٦) كتاب البيوع : باب النهى عن البيع فى المسجد ' المشكاة (٧٣٣) إرواء الغليل (١٤٩٥) ترمذى (١٣٢١) نسائى (٥٢/٦) ابن خزيمة (١٣٠٥)]

198- مسجد میں ایسے اشعار پڑھنا جو غیر شرعی نہ ہوں جائز ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے ﴿ینشد فی المسجد﴾ ''وہ مسجد میں اشعار پڑھ رہے تھے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف گھور کر دیکھا۔ اس پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کہا ﴿قد کنت أنشد فیه و فیه من هو خیر منك﴾ ''میں تو اس وقت بھی مسجد میں اشعار پڑھا کرتا تھا جب مسجد میں وہ ذات موجود ہوتی تھی جو تم سے افضل تھی (یعنی رسول اللہ ﷺ)۔''(۱)

199- مسجد میں لیٹنا جائز ہے

حضرت عباد بن تمیم رضی اللہ عنہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ ﴿أنه رأی رسول الله مستلقیا فی المسجد واضعا إحدی رجلیه علی الأخری﴾ ''بے شک انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد میں ایک ٹانگ دوسری ٹانگ پر رکھ کر چت لیٹے ہوئے دیکھا۔''(۲)

200- مسجد میں سونا جائز ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مسجد میں سو جایا کرتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ صحابہ کہتے ہیں ﴿کنا فی زمن رسول الله ﷺ ننام فی المسجد و نقیل فیه ونحن شباب﴾ ''ہم زمانہ نبوت میں مسجد میں سوتے اور اسی میں قیلولہ بھی کرتے تھے اور ہم نوجوان تھے۔''(۳)

201- مسجد میں مریض کے لیے خیمہ لگانا

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بوقت ضرورت ایسا کرنا جائز ہے۔(٤)
جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ غزوہ خندق کے روز حضرت سعد رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے تھے ﴿فضرب علیه رسول الله ﷺ خیمة فی المسجد﴾ ''رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے مسجد میں خیمہ لگوا دیا'' تاکہ قریب سے ان کی تیمارداری کر سکیں۔(٥)

202- عورت کا مسجد میں رات گزارنا

عورت بھی مسجد میں رات بسر کر سکتی ہے بشرطیکہ کسی فتنہ و فساد کا خطرہ نہ ہو۔(٦)

---

(۱) [بخاری (۳۲۱۲) کتاب بدء الخلق : باب ذکر الملائکة، مسلم (۲٤۸٥) نسائی (٤۸/۲) أحمد (۲۲۲/٥) حمیدی (۱۱۰٥) ابن خزیمة (۱۳۰۷) بیهقی (٤٤۸/۲)]

(۲) [بخاری (٤۷٥) کتاب الصلاة : باب الاستلقاء فی المسجد و مدالرجل، مسلم (۲۱۰۰) أبو داود (٤۸٦٦) ترمذی (۲۷٦٥) نسائی (٥۰/۲) أحمد (۳۸/٤)]

(۳) [بخاری (٤٤۰) کتاب الصلاة : باب نوم الرجال فی المسجد، مسلم (۲٤۷۹) أبو داود (۳۸۲) نسائی (٥۰/۲) أحمد (۱۲/۲) ابن ماجة (۳۹۱۹)]

(٤) [نیل الأوطار (٦۷۲/۱)]

(٥) [بخاری (٤٦۳) کتاب الصلاة : باب الخیمة فی المسجد للمرض و غیرهم، مسلم (۱۷٦۹) أبو داود (۳۱۰۱) نسائی (٤٥/۲) أحمد (٥٦/٦)]

(٦) [سبل السلام (۳٦۲/۱)]

جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿أن وليدة سوداء كان لها خباء في المسجد﴾ ''ایک سیاہ رنگ کی لڑکی کا خیمہ مسجد میں تھا'' وہ میرے پاس باتیں کرنے کے لیے آیا کرتی تھی۔(۱)

203- مساجد میں قصاص وحدود قائم کرنا حرام ہے

امام شوکانیؒ اور امام صنعانیؒ اسی کے قائل ہیں۔(۲)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا تقام الحدود في المساجد ولا يستقاد فيها﴾ ''مساجد میں نہ تو حدود قائم کی جائیں اور نہ ہی قصاص لیا جائے۔''(۳)

204- مسجد میں تھوکنا گناہ ہے

(1) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿البصاق في المسجد خطيئة و كفارتها دفنها﴾ ''مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ تھوک کو دفن کر دینا ہے۔''(٤)

(2) حضرت عبد اللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی ﴿فرأيته يتنخع فدلكها بنعله اليسرى﴾ ''تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھنگارتے ہوئے دیکھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے (یعنی بلغم کو) اپنی بائیں جوتی کے ساتھ مل لیا۔''(٥)

(شوکانیؒ) ایسا کرنا اس وقت درست ہے جب مسجد میں کچھ نہ بچھایا ہو لیکن اگر مسجد میں چٹائیاں (قالین) یا اس کی مثل کوئی چیز بچھائی گئی ہو کہ (تھوک کو) دفن کرنا ممکن نہ ہو جو کہ تھوک کا کفارہ ہے تو یہ (یعنی تھوک کو بغیر ملے چھوڑ دینا) ایسا گناہ ہوگا کہ جس کا کفارہ نہیں دیا گیا۔(٦)

205- مسجد میں عسکری تربیت اور جنگی مشق کا مظاہرہ جائز ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے پردہ کیے ہوئے تھے ﴿وأنا أنظر إلى الحبشة يلعبون في المسجد﴾ ''اور میں حبشیوں کے اس (جنگی) کھیل کو دیکھ رہی تھی جو وہ مسجد میں کھیل رہے تھے۔''(۷)

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ ﴿يلعبون بحرابهم في مسجد رسول الله﴾ ''وہ مسجد نبوی میں نیزوں کے ساتھ

---

(۱) [بخاری (٤٣٩) كتاب الصلاة : باب نوم المرأة في المسجد]

(۲) [نیل الأوطار (٦٦٥/١) سبل السلام (٣٥٩/١)]

(۳) [حسن : صحيح أبو داود (٣٧٦٩) المشكاة (٣٤٧) إرواء الغليل (٢٣٢٧) أبو داود (٤٤٩٠) كتاب الحدود : باب في إقامة الحد في المسجد ' دارقطني (٨٥/٣) أحمد (٤٣٤/٣) بيهقي (٣٢٨/٨)] شیخ حازم قاضی نے اسے حسن لغیرہ کہا ہے۔[التعليق على سبل السلام (٣٥٩/١)] حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اس کی سند میں کوئی حرج نہیں۔[تلخيص الحبير (٤٦/٤)]

(٤) [بخاری (٤١٥) كتاب الصلاة : باب كفارة البزاق في المسجد ' مسلم (٥٥٢)]

(٥) [مسلم (٥٥٢)]

(٦) [السيل الجرار (١٨٢/١)]

(۷) [بخاری (٤٦٣) كتاب الصلاة : باب الخيمة في المسجد للمرض و غيرهم ' مسلم (٨٩٢)]

کھیل رہے تھے۔''(۱)

اور صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿وكان يوم عيد يلعب السودان بالدرق والحراب﴾ ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عید کے دن سوڈان کے کچھ صحابہ ڈھال اور نیزے کے ساتھ کھیل رہے تھے۔''(۲)

206- مسجد میں کھانا جائز ہے

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كنا نأكل على عهد رسول الله ﷺ في المسجد الخبز واللحم﴾ ''ہم عہد رسالت میں مسجد میں روٹی اور گوشت کھایا کرتے تھے۔''(۳)

207- بوقت ضرورت مشرک مسجد میں داخل ہو سکتا ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مختصر سا دستہ کسی جہت میں روانہ کیا ﴿فجاءت برجل فربطوه بسارية من سواري المسجد﴾ ''یہ لوگ ایک آدمی (حضرت ثمامہ بن آثال رضی اللہ عنہ جو ابھی مشرک تھے) کو گرفتار کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں لائے اور اس قیدی کو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا گیا۔''(٤)

نبی ﷺ کا وفد ثقیف (کے مشرکین) کو مسجد میں ٹھہرانا بھی اس کی دلیل ہے۔(٥)

208- آذان کے بعد مسجد سے نکلنا

کسی ضروری حاجت کے علاوہ ایسا کرنا جائز نہیں جیسا کہ حضرت ابو شعثاء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی عصر کی آذان کے بعد مسجد سے نکلا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ﴿أما هذا فقد عصى أبا القاسم﴾ ''اس نے ابو القاسم (یعنی محمد ﷺ) کی نافرمانی کی ہے۔''(٦)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مرفوع روایت میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں ﴿إذا كنتم في المسجد فنودي بالصلاة فلا يخرج أحدكم حتى يصلي﴾ ''جب تم مسجد میں ہو اور نماز کے لیے آذان دے دی جائے تو تم میں سے کوئی نماز پڑھنے سے پہلے باہر نہ نکلے۔''(٧)

---

(۱) [مسلم (۱٤۸۱) كتاب صلاة العيدين : باب الرخصة في اللعب الذي لا معصية فيه ......

(۲) [بخاری (۲۹۰۷) كتاب الجهاد والسير : باب الدرق]

(۳) [صحيح : صحيح ابن ماجة (۲٦٦۹) كتاب الأطعمة : باب الأكل في المسجد ' صحيح أبو داود (۱۸۷) تمام المنة ' ابن ماجة (۳۳۰۰) ابن حبان (۱٦٥۷) أحمد (۱۹۰/٤)] حافظ بوصیریؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[الزوائد (۸۰/۳)]

(٤) [بخاری (٤٦۲) كتاب الصلاة : باب الاغتسال إذا أسلم ......' مسلم (۳۳۱۰)]

(٥) [ضعيف : ضعيف أبو داود (۲۹۷) كتاب الصلاة : باب تحزيب القرآن ' أبو داود (۱۳۹۳) ابن ماجة (۱۳٤٥) أحمد (۳٤۳/۹)] شیخ محمد صبحی حلاق نے اسے صحیح کہا ہے۔[التعليق على السيل الجرار (۲۰٤/۱)]

(٦) [مسلم (٦٥٥) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب النهي عن الخروج من المسجد إذا أذن المؤذن ' أبو داود (٥۳٦) ترمذی (۲۰٤) ابن ماجة (۷۳۳) أحمد (٤۱۰/۲) ابن خزيمة (۱٥۰٦)]

(٧) [أحمد (٥۳۷/۲)] امام ہیثمیؒ رقمطراز ہیں کہ اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ [المجمع (۸/۲)]

209- مسجد میں نماز کا انتظار نماز ہی شمار ہوتا ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا يزال أحدكم في الصلاة ما دامت الصلاة تحبسه لا يمنعه أن ينقلب إلى أهله إلا الصلاة﴾ ”تم میں سے ایک اس وقت تک نماز میں ہی رہتا ہے جب تک کہ نماز اسے روکے رکھتی ہے اس طرح کہ اسے اس کے گھر والوں کی طرف جانے سے صرف نماز روک رہی ہو۔“(١)

210- مسجد میں مباح کلام اور ہنسنا

جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔(٢) جیسا کہ حدیث میں صحابہ کے متعلق موجود ہے کہ ﴿كانوا يتحدثون فيأخذون في أمر الجاهلية فيضحكون ويتبسم﴾ ”صحابہ کرام گفتگو کرتے' جاہلیت کے کام کو اختیار کرتے' اور ہنستے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر مسکرا دیتے۔“(٣)

211- خانہ کعبہ میں داخل ہو کر نماز ادا کرنا جائز ہے (٤)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ' حضرت اسامہ بن زید' حضرت بلال اور حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم بیت اللہ میں داخل ہوئے اور دروازہ بند کر لیا۔ پس جب انہوں نے دروازہ کھولا تو سب سے پہلے میں داخل ہوا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ملاقات کر کے ان سے سوال کیا کہ ﴿هل صلى فيه رسول الله؟﴾ ”کیا اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے؟“ تو انہوں نے جواب دیا کہ ﴿نعم ' بين العمودين اليمانيين﴾ ”ہاں' دو یمانی ستونوں کے درمیان۔“(٥)
یاد رہے کہ کعبہ میں صرف نفل نماز ہی پڑھی جا سکتی ہے لیکن امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ اس میں فرض نماز کو بھی جائز قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ مسجد ہی ہے۔(٦)

212- قبروں کے درمیان مسجد بنانا

اگر کسی نے قبرستان میں قبروں کے درمیان مسجد بنائی تو اس کا حکم قبر جیسا ہی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كان يكره أن يبني مسجد في وسط القبور﴾ ”قبروں کے درمیان مسجد بنانا ناپسند کیا جاتا تھا۔“(٧)

---

(١) [بخاری (٦٥٩ ' ٣٢٢٩) کتاب الأذان : باب من جلس في المسجد ينتظر الصلاة و فضل المساجد ' مسلم (١٦٦/٥) أبو داود (٤٧٠) موطا (١٦١/١)]

(٢) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: المجموع (١٧٧/٢) المحلى (٢٤١/٤) حاشية ابن عابدين (٤٤٥/١)]

(٣) [طبرانی کبیر والأوسط كما في المجموع (٢٤/٢) ابن عساكر في تاريخ دمشق (٢/٣٩/١٢)]

(٤) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فتح الباري (٥٨/٢) شرح مسلم للنووي (٩٦/٥)]

(٥) [بخاری (٤٦٨ ' ٥٠٤ ' ٥٠٥ ' ١٥٩٩) كتاب الصلاة : باب الصلاة بين السواري في غير جماعة ' مسلم (١٣٢٩) أبو داود (٢٠٢٣) ابن ماجة (٣٠٦٣) نسائي (٦٣/٢) موطا (٣٩٨/١) أحمد (٣٣/٢) دارمي (٥٣/٢) ابن خزيمة (٣٠٠٩)]

(٦) [المغني لابن قدامة (٤٧٥/٢ـ٤٧٦)]

(٧) [المغني (٤٧٥٣٢)]

213- قربت کی غرض سے صرف تین مساجد کی طرف سفر جائز ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد : المسجد الحرام ' و مسجد الرسول ' و مسجد الأقصى﴾ ''صرف تین مساجد کے لیے رخت سفر باندھا جائے : مسجد حرام ' مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے لیے۔'' (۱)

نمازی کے سترے کا بیان

لغوی و اصطلاحی تعریف: لفظ ''سترہ'' لغت میں ''اوٹ یا پردہ'' کے معنی میں مستعمل ہے اور اصطلاحی و شرعی اعتبار سے سترہ کا اطلاق ''ہر اس چیز پر ہوتا ہے جسے انسان بوقت نماز اپنی سجدہ گاہ کے سامنے نصب کرے'' مثلاً لکڑی ' نیزہ ' دیوار ' ستون ' میز اور گاڑی وغیرہ۔

214- سترے کا شرعی حکم

(1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا تصل إلا إلى سترة﴾ ''صرف سترہ کی جانب ہی نماز پڑھو۔'' (۲)

(2) حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا صلى أحدكم فليصل إلى سترة وليدن منها﴾ ''جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو سترے کی طرف نماز پڑھے اور اس کے قریب ہو (کر کھڑا ہو)۔'' (۳)

(3) حضرت سبرہ بن معبد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ليستتر أحدكم في الصلاة ولو بسهم﴾ ''تمہیں نماز میں سترہ ضرور قائم کرنا چاہیے خواہ ایک تیر ہی ہو۔'' (٤)

(4) سترہ قائم کرنے اور اس کے قریب ہونے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ ﴿لا يقطع الشيطان عليه صلاته﴾ ''کہیں شیطان انسان کی نماز نہ کاٹ ڈالے۔'' (٥)

(شوکانیؒ) سترہ رکھنا واجب ہے۔ (٦)

ایک دوسری جگہ رقمطراز ہیں کہ: حکم کا ظاہر تو وجوب ہی ہے لیکن اگر کوئی ایسا قرینہ مل جائے جو ان اوامر کو وجوب سے

---

(۱) [بخاری (۱۱۸۹) کتاب فضل الصلاة فی مسجد مكة والمدينة : باب فضل الصلاة فی مسجد مكة والمدينة]

(۲) [ابن خزيمة (۸۰۰) مسلم (۲٦۰) حاکم (۲۵۱/۱) بيهقی (۲٦۸/۲)]

(۳) [حسن : صحيح أبو داود (٦٤٦) كتاب الصلاة : باب ما يومر المصلى أن يدرأ عن الممر بين يديه ' أبو داود (٦٩٨) ابن ماجة (٩٥٤) بيهقی (۲٦۷/۲)]

(٤) [صحيح : أحمد (٤٠٤/۳) أبو يعلى (۲۳۹/۲) المجموع (٦۱/۲)] امام ہیثمیؒ بیان کرتے ہیں کہ احمد (کی اس حدیث کے) کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ شیخ احمد شاکرؒ کہتے ہیں کہ مسند احمد میں یہ حدیث دو صحیح سندوں کے ساتھ موجود ہے۔ [التعليق على الترمذی (۱۵۸/۲)] شیخ محمد صبحی حلاق نے اسے حسن کہا ہے۔ [التعليق على سبل السلام (۳۲۹/۱)]

(٥) [صحيح : صحيح أبو داود (٦٤۳) كتاب الصلاة : باب الدنو من السترة ' أبو داود (٦٩٥) نسائی (٦۲/۲) أحمد (۲/٤) حاکم (۲۵۱/۱) ابن خزيمة (۸۰۳)]

(٦) [نيل الأوطار (۱۹۸/۲)]

استحباب کی طرف منتقل کر دے تو اسی کو ترجیح ہو گی۔(۱)

(جمہور) سترہ رکھنا مستحب ہے۔(۲)

ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿ورسول الله ﷺ يصلي بالناس بمنى إلى غير جدار﴾ ''منی میں رسول اللہ ﷺ لوگوں کو دیوار کے علاوہ کسی اور جانب رخ کر کے نماز پڑھا رہے تھے۔''(۳)

اس حدیث پر امام بخاریؒ نے یہ باب قائم کیا ہے ((سترة الإمام سترة لمن خلفه)) ''امام کا سترہ ہی اس شخص کا سترہ ہے جو اس کے پیچھے کھڑا ہے۔'' یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ دیوار کے علاوہ کوئی اور چیز آپ ﷺ کے سامنے موجود تھی۔ جیسا کہ عبید اللہ مبارکپوریؒ نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔(٤)

(سید سابقؒ) نمازی کے لیے سترہ رکھنا مستحب ہے۔(٥)

(ابن حزمؒ) سترہ رکھنا واجب ہے۔(٦)

(البانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۷)

215- سترے کی لمبائی کتنی ہونی چاہیے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ غزوہ تبوک میں نبی ﷺ سے نمازی کے سترے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿مثل مؤخرة الرحل﴾ ''اونٹ کے پالان کے پچھلے حصے کی لمبائی کے برابر۔''(۸)

سترہ کسی باریک چیز کو بھی بنایا جا سکتا ہے جیسا کہ ابھی پیچھے ایک حدیث میں گزرا ہے ﴿ولو بسهم﴾ ''خواہ تیر کا سترہ بنالو۔'' اور دیگر روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ ﷺ نیزے کو سترہ بنا لیا کرتے تھے۔(۹)

علاوہ ازیں کسی جانور (یعنی سواری) وغیرہ کو سترہ بنانا بھی آپ ﷺ سے ثابت ہے۔(۱۰)

216- سترے اور نمازی کے مابین فاصلہ

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ اور دیوار کے مابین ایک بکری گزرنے کا فاصلہ ہوتا تھا۔''(۱۱)

---

(۱) [السيل الجرار (۱۷٦/۱)]

(۲) [سبل السلام (۳۲۹/۱)]

(۳) [بخاری (٤۹۳)]

(٤) [المرعاة (٥١٥/۱)]

(٥) [فقه السنة (۲۲٤/۱)]

(٦) [المحلى (۸/٤-۱٥)]

(۷) [تمام المنة (ص/۳۰۰)]

(۸) [مسلم (٥۰۰) كتاب الصلاة : باب سترة المصلى ' نسائى (٦۲/۲)]

(۹) [بخاری (٤۹٤)]

(۱۰) [صحيح : صحيح أبو داود (٦٤۱) كتاب الصلاة : باب الصلاة إلى الراحلة ' أبو داود (٦۹۲)]

(۱۱) [بخاری (٤۹٦) كتاب الصلاة : باب قدر كم ينبغي أن يكون بين المصلى والسترة ' مسلم (٥۰۸) أبو داود (٦۹٦) ابن خزيمة (۸۰٤)]

ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے کعبہ میں داخل ہو کر نماز پڑھی تو دیوار اور آپ ﷺ کے درمیان ﴿ثلاثة ذراع﴾ ''تین بازوؤں کا فاصلہ تھا۔''(۱)

217- فضا اور مسجد دونوں جگہ سترہ ضروری ہے

گذشتہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سترہ رکھنا صرف فضاء میں ہی مشروع نہیں ہے بلکہ احادیث میں حکم عام ہے جو فضاء اور مسجد وغیرہ سب جگہوں کو شامل ہے۔(۲)

218- سترے کو کچھ دائیں یا بائیں جانب رکھنا

کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں نیز حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے مروی جس روایت میں وہ بیان کرتے ہیں کہ ''میں نے جب بھی نبی ﷺ کو کسی ٹہنی یا ستون یا درخت کی جانب نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو اسی طرح دیکھا کہ آپ ﷺ اسے بالکل اپنے سامنے نہیں بلکہ قدرے بائیں یا دائیں جانب کیے ہوتے تھے۔'' وہ ضعیف و نا قابل حجت ہے۔(۳)

219- مقتدی کے لیے امام کا سترہ ہی کافی ہے (٤)

جیسا کہ امام بخاریؒ نے یہ باب قائم کیا ہے کہ ((سترة الإمام سترة لمن خلفه)) ''امام کا سترہ ہی مقتدی کا سترہ ہے۔'' اور اس کے تحت یہ حدیث لائے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں ایک گدھی پر سوار ہو کر آیا۔ اس زمانے میں میں بالغ ہونے ہی والا تھا۔ رسول اللہ ﷺ منیٰ میں لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے لیکن آپ ﷺ کے ساتھ دیوار نہ تھی ﴿فمررت بين يدي بعض الصف﴾ ''میں صف کے بعض حصے سے گزر کر سواری سے اترا اور میں نے گدھی کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا اور صف میں داخل ہو گیا ﴿ولم ينكر ذلك علي أحد﴾ ''کسی نے مجھ پر اعتراض نہیں کیا۔''(٥)

220- اگر کوئی سترے کے آگے سے گزر جائے......

تو اس سے نماز کو کوئی نقصان نہیں ہوگا جیسا کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿مثل مؤخرة الرحل يكون بين يدي أحدكم ثم لا يضره ما مربين يديه﴾ ''پالان کے پچھلے حصے کے برابر کوئی چیز تم میں سے کسی ایک کے سامنے موجود ہو تو پھر جو بھی اس کے سامنے سے گزر جائے اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔''(٦)

---

(۱) [أحمد (۱۳/٦) بخاری (٥٠٦)]

(۲) [السیل الجرار (۱۷٦/۱) نیل الأوطار (۲۰۳/۲)]

(۳) [ضعیف : ضعیف أبو داود (۱۳٦) کتاب الصلاة : باب إذا صلى إلى سارية أو نحوها أين يجعلها منه ' أبو داود (٦٩۳) المشكاة (۷۸۳)]

(٤) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فیض الباری (۷۷/۲) فتح الباری (٥۷۲/۱)]

(٥) [بخاری (٤۹۳ ' ۱۸٥۷) کتاب الصلاۃ ' مسلم (٥٠٤)]

(٦) [أحمد (۱٦۱/۱) مسلم (٤۹۹) کتاب الصلاة : باب سترة المصلي ' أبو داود (٦۸٥) ترمذی (۳۳٥) ابن ماجة (۹٤٠)]

221- سترہ نہ ہو تو سامنے خط کھینچ لینا

جس روایت میں اس عمل کا ذکر ہے وہ ضعیف ہے۔ اس روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿فان لم یکن معه عصا فلیخط خطا﴾ ''اگر نمازی کے پاس چھڑی نہ ہو تو خط کھینچ لے۔''(۱)

222- نمازی کے آگے سے گزرنا ممنوع ہے

حضرت ابو جہیم بن حارث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لو یعلم المار بین یدی المصلی ماذا علیه من الإثم لكان أن يقف أربعين خيرا له من أن يمر بين يديه﴾ ''اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کام کا کتنا گناہ ہے تو اسے نمازی کے آگے سے گزرنے کے مقابلے میں چالیس (سال) تک وہاں کھڑا رہنا زیادہ پسند ہو۔'' مسند بزار میں ایک دوسری سند سے ہے کہ ﴿أربعين خريفا﴾ ''چالیس خزاں'' (تک کھڑا رہنا پسند ہو)۔(۲)

(شوکانی ؒ) یہ حدیث دلیل ہے کہ نمازی کے آگے سے گزرنا ایسے کبیرہ گناہوں سے ہے جو آگ کو واجب کرنے والے ہیں۔(۳)

(نووی ؒ) اس حدیث میں (نمازی کے سامنے سے) گزرنے کی حرمت ہے۔(٤)

(امیر صنعانی ؒ) یہ حدیث نمازی کے سامنے سے گزرنے کی حرمت کی دلیل ہے۔(٥)

یاد رہے کہ یہ حرمت اس وقت ہے کہ جب کوئی نمازی اور سترے کے درمیان سے گزرنا چاہے اور اگر کوئی سترے کے پیچھے سے گزرنا چاہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

223- نمازی کو چاہیے کہ گزرنے والے کو روکے

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی سترہ قائم کر کے نماز پڑھنے لگے ﴿فأراد أحد أن يجتاز بين يديه فليدفعه فإن أبى فليقاتله﴾ ''اور کوئی آدمی اس کے سامنے (یعنی سترے اور نمازی کے درمیانی فاصلہ) سے گزرنے لگے تو نمازی کو چاہیے کہ اسے روکنے کی کوشش کرے اگر وہ باز نہ آئے تو اس سے لڑائی کرے کیونکہ

---

(۱) [ضعیف : ضعیف أبو داود (۱۳٤) کتاب الصلاۃ : باب الخط إذا لم يجد عصا ' ضعیف الجامع (۵٦۹ ك) ضعیف ابن ماجة (۱۹٦) أبو داود (٦۸۹) ابن ماجة (۹٤۳) بیهقی (۲۷۰/۲) ابن خزیمة (۸۱۱) عبدالرزاق (۲۲۸٦) حمیدی (۹۹۳) أحمد (۲٤۹/۲)] امام بغوی ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ امام ابن صلاح ؒ نے اس حدیث کو مضطرب کے لیے بطور مثال پیش کیا ہے۔[تلخیص الحبیر (۵۱۸/۱)] شیخ محمد صبحی حلاق نے اسے ضعیف کہا ہے۔[التعلیق علی السیل الجرار (۳۹۳/۱)] امام سیوطی ؒ فرماتے ہیں کہ امام ابن عیینہ ؒ سے اس حدیث کی تضعیف بیان کی گئی ہے...... اور اسی طرح امام شافعی ؒ ' امام بیہقی ؒ اور امام نووی ؒ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔[تدریب الراوی (۲٦٤/۱)] البتہ حافظ ابن حجر ؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[بلوغ المرام (۱۸۵)]

(۲) [بخاری (۵۱۰) کتاب الصلاۃ : باب إثم المار بين يدی المصلی ' مسلم (۵۰۷) أبو داود (۷۰۱) ترمذی (۳۳٦) نسائی (٦٦/۲) ابن ماجة (۹٤۵) ابن خزیمة (۸/۳)]

(۳) [نیل الأوطار (۲۰٦/۲)]

(٤) [شرح مسلم (٤٦۵/۳)]

(۵) [سبل السلام (۳۲۷/۱)]

وہ شیطان ہے۔''(۱)

(نوویؒ) علماء میں سے کسی نے بھی اسے (یعنی روکنے کو) واجب کہا ہو میرے علم میں نہیں ہے بلکہ ہمارے اصحاب اور دیگر علماء نے صراحت کی ہے کہ یہ عمل مستحب وغیرہ واجب ہے۔(۲)

(ابن حجرؒ) بعض اہل ظاہر نے وجوب کی بھی صراحت کی ہے۔(۳)

224- اگر گدھا' حائضہ عورت اور کالا کتا نمازی کے سامنے سے گزر جائیں......

اور سترہ نہ رکھا ہو تو نماز باطل ہو جائے گی جیسا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿یقطع صلاة المرء المسلم ـ إذا لم يكن بين يديه مثل مؤخرة الرحل ـ المرأة والحمار والكلب الأسود﴾ ''مسلمان مرد کی نماز کو جبکہ اس کے سامنے پالان کے پچھلے حصہ کے برابر سترہ نہ ہو عورت' گدھا اور کالا کتا توڑ دیتا ہے۔'' اور سنن ابی داود کی روایت میں عورت کے لفظ کو حائضہ عورت کے ساتھ مقید کیا گیا ہے ﴿المرأة الحائض﴾(٤)

واضح رہے کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی جس روایت میں ہے کہ ﴿لا يقطع الصلاة شيئ﴾ ''نماز کو کوئی چیز نہیں توڑتی۔'' وہ ضعیف ہے لہٰذا قابل حجت نہیں۔(٥)

225- اگر گذشتہ اشیاء کے علاوہ کوئی آدمی وغیرہ نمازی کے سامنے سے گزر جائے......

تو نماز باطل نہیں ہوتی کیونکہ اس کے مبطل ہونے کی کوئی صریح دلیل موجود نہیں جیسا کہ شیخ ابن بازؒ نے یہی موقف اختیار کرتے ہوئے اسے ثابت کیا ہے۔(٦)

(۱) [بخاری (۵۰۹) کتاب الصلاۃ : باب یرد المصلي من مربین یدیه ' مسلم (۵۰۵) أبو داود (۷۰۰) نسائی (٦٦/٢) ابن ماجة (۹٥٤) أحمد (٦٣/٣)]

(۲) [شرح مسلم (٤٦٤/٢)]

(۳) [فتح الباری (١٦٧/٢)]

(٤) [مسلم (٦٨٩) کتاب الصلاۃ : باب قدر ما یستر المصلي ' أبو داود (٧٠٣) ترمذی (٣٣٨) ابن ماجة (٩٤٩ ' ٩٥٢) صحیح أبو داود (٦٥١)]

(٥) [ضعیف : ضعیف أبو داود (١٤٣ ' ١٤٤) کتاب الصلاۃ : باب من قال لا یقطع الصلاة شئ ' ضعیف الجامع (٦٣٦٦) المشکاۃ (٧٨٥) أبو داود (٧١٩ ' ٧٢٠)]

(٦) [الفتاوی الإسلامیة (٢٤٣/١ـ٢٤٤)]

باب کیفیۃ الصلاۃ — نماز کی کیفیت ❶ کا بیان

لَا تَكُوْنُ شَرْعِيَّةٌ إِلَّا بِالنِّيَّةِ	نماز نیت کے بغیر شرعی نہیں ہوتی۔ ❷

❶ نماز کی کیفیت جاننے سے پہلے یہ یاد رہے کہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ﴿صلوا كما رأيتموني أصلي﴾ ''اسی طرح نماز پڑھو جیسا کہ تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھو۔'' (۱)

226- نماز کا مختصر طریقہ

نماز کی وہ کیفیت اور طریقہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور امت اسلامیہ سے تواتر کے ساتھ ہمیں ملتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان وضوء کرے' اپنے ستر کو ڈھانپے' قبلہ رخ ہو کر کھڑا ہو جائے' خالص اللہ تعالیٰ کے لیے نماز کی نیت اپنے دل میں کرے' ہاتھوں کو کندھوں یا کانوں کی لو تک اٹھا کے '' اللہ أکبر '' کہے' اپنے ہاتھ سینے پر اس طرح باندھ لے کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر ہو' اپنی نگاہیں سجدے کی جگہ پر رکھے' پہلے ثناء پڑھے پھر '' أعوذ باللہ '' اور '' بسم اللہ '' کے بعد سورہ فاتحہ پڑھے اور اس کے ساتھ کوئی سورت پڑھ لے۔

پھر رفع الیدین کرتا ہوا اللہ اکبر کہے اور رکوع میں چلا جائے' دوران رکوع کمر بالکل سیدھی ہو اور دونوں ہاتھ اس طرح گھٹنوں پر رکھے ہوئے ہوں کہ بازو بالکل سیدھے ہوں' رکوع میں سر کمر کے برابر ہونا چاہیے نہ زیادہ نیچے ہو اور نہ زیادہ اوپر' رکوع کی تسبیحات پڑھے' پھر '' سمع اللہ لمن حمدہ '' کہہ کر اور رفع الیدین کرتے ہوئے سیدھا کھڑا ہو جائے پھر '' ربنا و لک الحمد '' کہے اور اطمینان سے کھڑا ہو جائے' پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے اس طرح سجدہ ریز ہو کہ پہلے زمین پر ہاتھ اور پھر گھٹنے رکھے' سجدے میں سات اعضاء یعنی دونوں ہاتھ' دونوں پاؤں' دونوں گھٹنے اور چہرہ (پیشانی اور ناک) زمین پر لگے ہونے چاہییں' سجدے میں کہنیاں زمین سے بلند اور پہلوؤں اور رانوں سے الگ رہیں۔

سجدے کی تسبیحات پڑھنے کے بعد اللہ اکبر کہتے ہوئے اپنے بائیں پاؤں کو بچھا کر اور دائیں کو اس طرح کھڑا کر کے کہ انگلیاں قبلہ رخ ہوں پورے اطمینان کے ساتھ بیٹھ جائے اور '' رب اغفر لی '' یا دوسری دعا پڑھے' پھر اللہ اکبر کہے اور اسی طرح دوسرا سجدہ کرے' پھر اللہ اکبر کہہ کر اطمینان سے جلسہ استراحت کے لیے قدرے بیٹھے اور پھر اپنے ہاتھوں پر وزن ڈالتا ہوا دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے۔

دوسری رکعت اسی طرح پڑھے' دوسری رکعت کے دوسرے سجدے کے بعد تشہد کے لیے اس طرح بیٹھے جیسے دو سجدوں کے درمیان بیٹھا تھا اور '' التحیات '' پڑھے' تیسری اور چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورت ملانا ضروری نہیں' آخری تشہد میں اپنی پشت کو اس طرح زمین پر رکھ کر بیٹھے کہ بایاں پاؤں دائیں جانب سے کچھ باہر آ جائے' اس تشہد میں '' درود إبراهيمی '' اور اس کے بعد '' مسنون دعائیں '' بھی پڑھے' مکمل تشہد میں اپنے دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت سے اشارہ کرتا رہے اور آخر میں دونوں طرف '' سلام '' پھیر دے اور یاد رہے کہ اگر صرف ایک طرف (یعنی دائیں جانب

---

(۱) [بخاری (۶۰۰۸) كتاب الأدب : باب رحمة الناس والبهائم' مسلم (۳۹۱) أبو داود (۵۸۹) ترمذی (۲۰۵) نسائی (۷۷/۲) ابن ماجة (۹۷۹)]

ہی سلام پھیر دیا جائے تو کفایت کر جاتا ہے۔

227- ابتدائے نماز سے پہلے صفوں کی درستگی

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كان رسول الله يسوى صفوفنا إذا قمنا إلى الصلاة فإذا استوينا كبر﴾ ”جب ہم نماز کے لیے کھڑے ہوجاتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفیں برابر کراتے تھے جب ہم برابر ہوجاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کہتے۔“ (۱)

❷ (1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَمَا أُمِرُوْا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ [البينة : ٥] ”انہیں صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے اپنے دین کو خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت کریں۔“

(2) حدیث نبوی ہے کہ ﴿إنما الأعمال بالنيات﴾ ”بے شک عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے۔“ (۲)

(شوکانیؒ) نماز کی صحت کے لیے نیت شرط ہے۔(۳)

(صدیق حسن خانؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٤)

(ابن حزمؒ) نماز میں نیت فرض ولازم ہے۔(٥)

(ابن قدامہؒ) نیت کے بغیر نماز منعقد نہیں ہوتی۔(٦)

(احناف، حنابلہ، مالکیہ) نیت نماز کی شرائط میں سے ہے۔

(شافعیہ) نیت نماز کے فرائض یا ارکان میں سے ہے۔

(وھبہ زحیلی) نماز میں بالاتفاق نیت واجب ہے۔(۷)

(راجح) نیت نماز کے لیے شرط ہے اس کی جگہ صرف دل ہے اور نیت کے الفاظ زبان سے ادا کرنا بدعت ہے۔ مزید تفصیل کے لیے گذشتہ ”باب الوضوء“ میں مسئلہ نیت کا مطالعہ کیجیے۔

وَأَرْكَانُهَا كُلُّهَا مُفْتَرِضَةٌ	اس کے تمام ارکان فرض ہیں۔ ❶

❶ نماز کے فرائض کی تین اقسام ہیں:

① ارکان ② واجبات ③ شروط

① لغوی وضاحت: لفظ ”ارکان“ رکن کی جمع ہے جو کہ باب رَكَنَ يَرْكَنُ (منع) سے مصدر ہے اور اس کا معنی ”مائل ہونا“ مستعمل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَلَا تَرْكَنُوْا إِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ [هود : ١١٣] ”ظالموں کی

(۱) [صحيح : صحيح أبو داود (٦١٩) كتاب الصلاة : باب تسوية الصفوف، أبو داود (٦٦٥)]

(۲) [بخاری (۱) كتاب بدء الوحي، مسلم (١٩٠٧) أبو داود (٢٢٠١) ترمذی (١٦٤٧) ابن ماجة (٤٢٢٧)]

(۳) [السيل الجرار (٢٠٩/١)]

(٤) [الروضة الندية (٢٣٨/١)]

(٥) [المحلى بالآثار (٢٦١/٢)]

(٦) [المغنى (١٣٢/٢)]

(۷) [الفقه الإسلامي وأدلته (٧٧١/١)]

طرف مائل نہ ہو جاؤ۔''(۱)

اصطلاحی تعریف: ((مالا یتم المامور بہ إلا بہ ولا اعتبار لہ فی الشرع مع عدمہ)) ''رکن ایسی چیز ہے کہ واجب التعمیل کام اس کے بغیر مکمل نہ ہو اور رکن کے نہ ہونے سے شریعت میں اس کام کا کوئی اعتبار نہ ہو۔''(۲)

جیسے قیام' فاتحہ' رکوع' سجدہ' اعتدال اور آخری تشہد کے لیے بیٹھنا۔ بعض حضرات نے تکبیر تحریمہ کو بھی نماز کے ارکان میں شامل کیا ہے۔ ان افعال کے ارکان ہونے کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے بواسیر کی بیماری تھی میں نے نبی ﷺ سے نماز کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿صل قائما فإن لم تستطع فقاعدا فإن لم تستطع فعلی جنب﴾ ''کھڑے ہو کر نماز پڑھو' اگر اس کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھ لو اور اگر اس کی طاقت بھی نہ ہو تو پہلو کے بل لیٹ کر پڑھ لو۔''(۳)

(2) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿لا صلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب﴾ ''اس شخص کی کوئی نماز نہیں جس نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی۔''(٤)

(3) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا اور رسول اللہ ﷺ مسجد کے ایک کونے میں تشریف فرما تھے۔ اس آدمی نے نماز پڑھی پھر آپ ﷺ کے پاس آ کر سلام کہا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے سلام کا جواب دیا اور فرمایا ﴿ارجع فصل فإنك لم تصل﴾ ''واپس جاؤ اور (دوبارہ) نماز پڑھ کیونکہ بے شک تو نے نماز نہیں پڑھی۔'' وہ شخص واپس گیا اور اس نے دوبارہ نماز پڑھی۔ پھر آ کر سلام کہا تو آپ ﷺ نے سلام کا جواب دینے کے بعد دوبارہ فرمایا ﴿ارجع فصل فإنك لم تصل﴾ ''واپس جاؤ اور (دوبارہ) نماز پڑھ کیونکہ بے شک تو نے نماز نہیں پڑھی۔''

پھر اس شخص نے بالآخر دوسری مرتبہ یا اس سے اگلی مرتبہ کہا اے اللہ کے رسول! مجھے سکھا دیجیے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿إذا قمت إلی الصلاۃ فأسبغ الوضوء ثم استقبل القبلۃ فکبر ثم اقراء بما تیسر معك من القرآن ثم ارکع حتی تطمئن راکعا ثم ارفع حتی تستوی قائما ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا' ثم ارفع حتی تطمئن جالسا' ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا ثم ارفع حتی تطمئن جالسا ' ثم افعل ذلك فی صلاتك کلها﴾

''جب تم نماز کا ارادہ کرو تو پہلے اچھی طرح وضوء کرو پھر قبلہ رخ ہو کر تکبیر کہو۔ پھر قرآن کا وہ حصہ جو تمہیں یاد ہے اس میں سے جتنا آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھ لو۔ پھر رکوع کرو اور پوری طرح اطمینان سے رکوع کرو۔ پھر سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور پورے اطمینان سے کھڑے ہو جاؤ پھر سجدہ کرو اور پورے اطمینان کے ساتھ سجدہ کرو۔ پھر سجدے سے اپنا سر اٹھا کر پورے اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ پھر دوسرا سجدہ کرو اور پورے اطمینان سے سجدہ کرو۔ پھر سجدے سے سر اٹھا کر پورے اطمینان سے

---

(۱) [المنجد (ص/۳۱۰) القاموس المحیط (ص/۱۰۸۲)]

(۲) [کشف الأسرار للبخاری (۳۴٤/۳) التعریفات للجرجانی (ص/۹۹) أصول السرخسی (۱۷٤/۲) المنار لابن الملك (ص/۷۸۱) الفرائض (ص/۱۷)]

(۳) [بخاری (۱۱۱۷) کتاب الجمعۃ : باب إذا لم یطق قاعدا صلی علی جنب]

(٤) [بخاری (۷٥٦) کتاب الأذان : باب وجوب القرأۃ للإمام والمأموم......' مسلم (۳۹٤) أبو داود (۸۲۲۰) ترمذی (۲٤۷) نسائی (۱۳۷/۲) ابن ماجۃ (۸۳۷) أحمد (۳۱٤/٥) دارمی (۲۸۳/۱) دارقطنی (۳۲۱/۱) بیهقی (۳۸/۲)]

بیٹھ جاؤ۔ پھر اپنی بقیہ ساری نماز اسی طرح ادا کرو۔" (۱)

(4) سنن أبی داود کی ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے مسیئ الصلاۃ کے متعلق فرمایا ﴿أنه لا تتم صلاة لأحد من الناس حتى يتوضأ فيضع الوضوء (يعني مواضعه) ثم يكبر......﴾ "کسی بھی انسان کی نماز اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ وضوء کرے اور وضوء کی جگہوں کو عمدگی سے دھوئے پھر تکبیر کہے......" (۲)

(5) حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿لا تجزئ صلاة الرجل حتى يقيم ظهره في الركوع والسجود﴾ "آدمی کی نماز اس وقت تک کفایت نہیں کرتی جب تک کہ وہ رکوع اور سجدے میں اپنی کمر سیدھی نہ رکھے۔" (۳)

(6) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿لا تجزئ صلاة إلا بتشهد﴾ "تشہد کے بغیر نماز کفایت نہیں کرتی۔" (٤)

بعض علماء کا خیال ہے کہ مسیئ الصلاۃ کی حدیث (یعنی گذشتہ حدیث) واجبات نماز کو پہچاننے کے لیے مرجع ہے یعنی ہر وہ فعل جو اس میں ذکر کیا گیا ہے وہ واجب ہے اور جو اس میں نہیں ہے یا وہ واجب نہیں ہے یا اس کے وجوب میں اختلاف ہے۔ (٥) لیکن حق بات یہی ہے کہ کچھ ایسے افعال بھی واجب ہیں جو اس حدیث میں نہیں ہیں مثلاً آخری تشہد اور نماز کے آخر میں سلام وغیرہ۔

(شوکانیؒ) قیام نماز کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ (٦)

(ابن حجرؒ) جمہور کے نزدیک تکبیر تحریمہ رکن ہے۔ (۷)

② **لغوی وضاحت:** لفظ "واجب" باب وَجَبَ يَجِبُ (ضرب) سے اسم فاعل کا صیغہ ہے کہ جس کا معنی "ساقط ہونا" ہے جیسا کہ ایک حدیث میں مذکور ہے کہ ﴿حين وجبت الشمس﴾ "جب سورج ساقط ہو جائے۔" (۸)

اصطلاحی تعریف: ((هو الفعل الذي طلب الشارع طلبا جازما بحيث يثاب فاعله ويعاقب تاركه)) "ایسا کام جسے شارع علیہ السلام نے بالجزم طلب کیا ہو اس حیثیت سے کہ اس کے کرنے والے کو ثواب دیا جائے اور اس کے چھوڑنے والے کو سزا دی جائے۔" (۹) جیسے تشہد اور سلام وغیرہ۔ ان کا بیان آگے آئے گا۔

③ **لغوی وضاحت:** لفظ "شروط" شرط کی جمع ہے کہ جس کا معنی "کسی چیز کو لازم کر لینا ہے۔" (۱۰)

---

(۱) [بخاری (٦٢٥١) كتاب الاستئذان : باب من رد فقال عليك السلام ' مسلم (٣٩٧) أبو داود (٨٥٦) ترمذی (٣٠٣) نسائی (١٢٥/٢) ابن ماجة (١٠٦٠ ' ٤٤٧)]

(۲) [صحيح : صحيح أبو داود (٧٦٣) كتاب الصلاة : باب صلاة من لا يقيم صلبه في الركوع والسجود ' أبو داود (٨٥٧)]

(۳) [صحيح : صحيح أبو داود (٧٦١) أيضا ' أبو داود (٨٥٥) ترمذی (٢٦٥) ابن ماجة (٨٧٠) أحمد (١١٩/٤) دارمی (٣٠٤/١) ابن خزيمة (٥٩١)]

(٤) [عبدالرزاق (٣٠٨٠) الأوسط لابن المنذر (٣٢١٧/٣) بيهقی (١٣٩/٢)]

(٥) [نيل الأوطار (٦٨٨/١) سبل السلام (٣٧٧/١)]

(٦) [السيل الجرار (٢١٣/١)]

(٧) [فتح الباری (٤٥٦/٢)]

(٨) [القاموس المحيط (ص/١٣٠)]

(٩) [الإحكام للآمدی (١٩/١) البحر المحيط للزركشی (١٧٦/١)]

(١٠) [القاموس المحيط (ص/٦٠٥)]

اصطلاحی تعریف: ((ما یلزم من عدمه عدم الحکم ولا یلزم من وجوده وجود الحکم)) ”جس کے انتفاء سے حکم کا انتفاء لازم ہو جبکہ اس کے وجود سے حکم کا وجود لازم نہ ہو۔“(۱) جیسے نیت (اس کا بیان پیچھے گزر چکا ہے) اور وضوء وغیرہ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿لا یقبل اللہ صلاۃ أحدکم إذا أحدث حتی یتوضأ﴾ ”اللہ تعالیٰ بے وضوء شخص کی نماز اس وقت تک قبول نہیں فرماتے جب تک کہ وہ وضوء نہ کر لے۔“(۲)

○ یاد رہے کہ رکن اور شرط دونوں کا معنی و مفہوم تقریبا ایک ہی ہے (یعنی ان کے بغیر مطلوبہ فعل مکمل نہیں ہوتا) لیکن جب یہ دونوں اکٹھے آئیں تو ان میں یہ فرق کیا جاتا ہے کہ کسی چیز کا رکن اس کی ماہیت میں داخل ہوتا ہے (جیسے رکوع اور سجدہ وغیرہ) جبکہ شرط اس سے خارج ہوتی ہے (جیسے نیت اور وضوء وغیرہ)۔(۳)

إِلَّا قُعُوْدَ التَّشَهُّدِ الْأَوْسَطِ وَالْإِسْتِرَاحَةِ	درمیانی تشہد کے قعدے ❶ اور جلسہ استراحت کے علاوہ۔ ❷

❶ اکثر علماء کے نزدیک درمیانی تشہد اور درمیانی تشہد کا قعدہ دونوں سنت ہیں۔(۴)

لیکن راجح بات یہ ہے کہ یہ دونوں واجب ہیں اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿إذا قعدتم فی کل رکعتین فقولوا التحیات......﴾ ”جب تم ہر دو رکعتوں میں بیٹھو تو (یہ الفاظ) کہو ”التحیات..........الخ۔“(۵)

(2) حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ﴿فإذا جلست فی وسط الصلاۃ فاطمئن وافترش فخذك الیسری ثم تشهد﴾ ”جب تم نماز کے درمیان میں بیٹھو تو اطمینان سے بیٹھو اور اپنی بائیں ران کو بچھا لو پھر تشہد پڑھو۔“(۶)

(البانی) اس حدیث میں پہلے تشہد کے وجوب کی دلیل ہے اور (پہلے) قعدے کا وجوب اس کے لیے لازم ہے (یعنی تشہد تب ہی ہوگا جب قعدہ ہوگا تو جب ایک واجب ہے تو دوسرا بھی واجب ہوا۔)(۷)

کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ ((ما لا یتم الواجب إلا به فهو واجب)) ”جو چیز واجب کی تکمیل کے لیے ناگزیر ہو وہ بھی واجب ہے۔“(۸)

---

(۱) [الإحکام للآمدی (۱۲۱/۱) الموافقات للشاطبی (۱۸۷/۱) البحر المحیط للزرکشی (۳۰۹/۱)]

(۲) [بخاری (۶۹۵۴) کتاب الحیل : باب فی الصلاۃ ' نسائی (۱۳۹) ابن ماجة (۲۷۰)]

(۳) [التعریفات (ص/۱۱۱) التوضیح بشرح التلویح (۱۳۲/۲) حاشیة القلیوبی علی شرح الجلال المحلی علی منهاج الطالبین (۱۷۵/۱)]

(٤) [المجموع (٤٥٠/۳)]

(٥) [**صحیح** : صحیح نسائی (۱۱۱٤) کتاب التطبیق : باب کیف التشهد الأول ' نسائی (۱۱٦٤) أحمد (٤۳۷/۱) ابن خزیمة (۷۲۰) ابن حبان (۱۹٥۱) شرح معانی الآثار (۲٦۳/۱)]

(٦) [حسن : صحیح أبو داود (۷٦٦) کتاب الصلاۃ : باب صلاۃ من لا یقیم صلبه فی الرکوع والسجود ' تمام المنة (ص/۱۷۰) أبو داود (۸٦۰)]

(۷) [تمام المنة (ص/۱۷۰)]

(۸) [المستصفی للغزالی (۷۱/۱-۷۲) تیسیر التحریر (۳٦٥/۱)]

(شوکانیؒ) درمیانے تشہد کا حکم وہی ہے جو آخری تشہد کا ہے۔(۱)

(ابن حزمؒ) درمیانہ تشہد اور درمیانہ قعدہ دونوں واجب ہیں۔(۲)

(احمدؒ، لیثؒ، اسحاقؒ) اسی کے قائل ہیں۔

(ابوحنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ) یہ دونوں واجب نہیں ہیں۔(۳)

جن علماء کے نزدیک درمیانہ تشہد اور درمیانہ قعدہ واجب نہیں ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن رسول الله قام من اثنتين من الظهر لم يجلس بينهما﴾ ''رسول اللہ ﷺ ظہر کی دو رکعتوں کے متصل بعد کھڑے ہو گئے (یعنی درمیانہ تشہد نہ پڑھا) اور ان کے درمیان نہ بیٹھے جب آپ ﷺ نے اپنی نماز مکمل کی تو دو سجدے کرنے کے بعد سلام پھیر دیا۔(٤)

امام ابن حزمؒ رقمطراز ہیں کہ یہ استدلال کچھ اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ جس سنت سے تشہد کا وجوب ثابت ہوتا ہے اسی سنت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسے بھول جانے سے (صرف دو سجدے کر لینے پر ہی) نماز ہو جاتی ہے۔(٥)

(راجح) درمیانہ تشہد اور درمیانہ قعدہ آخری تشہد و قعدہ کی طرح ہی واجب ہیں لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ درمیانہ تشہد و قعدہ اگر (بھول کر) رہ جائے تو سجدہ سہو اس سے کفایت کر جاتا ہے جبکہ آخری تشہد میں ایسا نہیں ہوتا۔(٦)

❷ جلسہ استراحت پہلی رکعت کے بعد دوسری رکعت کے لیے اور تیسری رکعت کے بعد چوتھی رکعت کے لیے اٹھنے سے پہلے (دوسرے سجدے کے بعد) کچھ دیر اطمینان سے بیٹھنے کو کہتے ہیں اور یہ مسنون ہے جیسا کہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو نماز ادا فرماتے دیکھا ﴿فإذا كان في وتر من صلاته لم ينهض حتى يستوى قاعدا﴾ ''جب آپ ﷺ اپنی نماز کی طاق رکعت پڑھتے تو کچھ دیر بیٹھنے کے بعد کھڑے ہوتے۔''(۷)

(شافعیؒ) جلسہ استراحت مشروع و مسنون ہے۔

(احمدؒ، ابوحنیفہؒ، مالکؒ) یہ مسنون نہیں ہے۔(۸)

---

(۱) [نيل الأوطار (۱۰۳/۱)]

(۲) [المحلى بالآثار (۲۹۹/۲-۳۰۱)]

(۳) [الفقه الإسلامي وأدلته (۸۵۰/۲) المغنى (۲۱۷/۲) نيل الأوطار (۱۰۳/۱)]

(٤) [بخارى (۱۲۲۵، ۱۲۲٤) كتاب الجمعة : باب ما جاء فى السهو إذا قام من ركعتى الفريضة، مسلم (۵۷۰) موطا (۹٦/۱) دارمى (۳۵۲/۱) أبو داود (۱۰۳٤) ترمذى (۳۸۹) نسائى (۱۹/۳) ابن ماجة (۱۲۰٦)]

(٥) [المحلى بالآثار (۳۰۱/۲)]

(٦) [المغنى (۲۱۷/۲) نيل الأوطار (۱۰۳/۱)]

(۷) [بخارى (۸۲۳) كتاب الأذان : باب من استوى قاعدا فى وتر من صلاته ثم نهض، أبو داود (۸۲۳) ترمذى (۲۸٦) نسائى (۲۳٤/۲) بيهقى (۱۲۳/۲) ابن خزيمة (۳٤۲/۱) ابن حبان (۳۰۲/۳) شرح السنة (۲٦۷/۲) أحمد (۵۳/۵)]

(۸) [شرح المهذب (٤۱۹/۳) حلية العلماء فى معرفة مذاهب الفقهاء (۱۲۳/۱) روضة الطالبين (۳٦۵/۱) المبسوط (۲۳/۱) كشاف القناع (۳۵۵/۱)]

(ابن بازؒ) جلسہ استراحت واجب نہیں ہے۔(۱) جلسہ استراحت کو غیر مسنون کہنے والوں کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كان النبى ﷺ ينهض فى الصلاة على صدور قدميه﴾ "نبی ﷺ نماز میں اپنے دونوں قدموں کے پنجوں پر کھڑے ہوتے تھے۔"(۲)

(2) ایک روایت میں ہے کہ ﴿أنه ﷺ كان يقوم كأنه السهم﴾ "آپ ﷺ تیر کی مانند کھڑے ہو جاتے تھے۔"(۳)

(3) صاحب ہدایہ نے جلسہ استراحت کو بڑھاپے پر محمول کیا ہے (یعنی بڑھاپے کی وجہ سے آپ ﷺ اطمینان سے بیٹھتے پھر کھڑے ہوتے)۔(٤) اس کے جواب میں حافظ ابن حجرؒ رقمطراز ہیں کہ "یہ تاویل کسی دلیل کی محتاج ہے۔"(٥)

بلاشبہ آپ ﷺ نے حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے جدا ہوتے وقت فرمایا تھا ﴿صلوا كما رأيتموني أصلي﴾ "تم اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے" اور وہی صحابی جلسہ استراحت کا اثبات بیان کر رہے ہیں (خود راوی حدیث نے جب اسے بڑھاپے پر محمول نہیں کیا تو کسی اور کا ایسا کرنا ناقابل اعتبار ہے) لہٰذا حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث اس مسئلہ میں حجت ہے۔

(راجح) جلسہ استراحت سنت و مستحب ہے اور جن احادیث میں اس کا ذکر نہیں ہے وہ اس کے عدم جواز کی نہیں بلکہ عدم وجوب کی دلیل ہیں۔(٦)

وَلَا يَجِبُ مِنْ أَذْكَارِهَا إِلَّا التَّكْبِيرُ	اس کے اذکار میں سے صرف تکبیر کہنا ہی واجب ہے۔ ❶

❶ (1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ [المدثر: ۳] "اپنے رب کی کبریائی بیان کرو۔"

(2) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ﴿مفتاح الصلاة الطهور وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم﴾ "نماز کی کنجی وضوء ہے اس کی تحریم تکبیر ہے اور اس کی تحلیل سلام ہے۔"(۷)

---

(۱) [الفتاوی الإسلامية (۱/۲٤۷)]

(۲) [ضعيف : ضعيف ترمذی (٤۷) كتاب الصلاة : باب كيف النهوض من السجود ' إرواء الغليل (۳٦۲) ترمذی (۲۸۸)] امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ (اس حدیث کی سند میں) خالد بن الیاس راوی کہ جسے خالد بن ایاس بھی کہا جاتا ہے اہلحدیث کے نزدیک ضعیف ہے۔ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ کہتے ہیں کہ خالد بن ایاس متروک ہے۔[تحفة الأحوذی (۲/۱۸۱)] حافظ ابن حجرؒ بھی اسے متروک الحدیث قرار دیتے ہیں۔[تقريب التهذيب (۱/۲۱۱)] امام ذہبیؒ رقمطراز ہیں کہ امام بخاریؒ اس راوی کو کچھ حیثیت نہیں دیتے اور امام احمدؒ اور امام نسائیؒ اسے متروک کہتے ہیں۔[ميزان الإعتدال (۲/٤۰۷)]

(۳) [مجمع الزوائد (۲/۱۳۸) اس کی سند میں خطیب بن جحدر راوی کذاب ہے۔]

(٤) [كما فى تحفة الأحوزی (۲/۱۷۸)]

(٥) [الدراية (۱/۱٤۷)]

(٦) [تفصیل کے لیے دیکھیے : فتح البارى (۲/٥٦٤) نيل الأوطار (۲/۱۰۱) تحفة الأحوذی (۲/۱۸۲) سبل السلام (۱/٤۳۰)]

(۷) [حسن : صحيح أبو داود (٥۷۷) كتاب الصلاة : باب الإمام يحدث بعد ما يرفع رأسه...... ' أبو داود (٦۱۸) ترمذی (۳) ابن ماجة (۲۷٥) أحمد (۱/۱۲۹) دارمی (۱/۱۷٥)]

(3) مسیئ الصلاۃ کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے اسے تکبیر کہنے کا بھی حکم دیا۔(۱)

(4) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کسی انسان کی نماز اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ وہ وضوء نہ کرے......اور تکبیر نہ کہے۔''(۲)

(5) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ تکبیر کے ساتھ نماز شروع کرتے تھے۔''(۳)

ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ ابتدائے نماز میں صرف تکبیر کہنا ہی واجب ہے۔

(جمہور) اسی کے قائل ہیں۔

(ابو حنیفہؒ) ہر ایسے لفظ کے ساتھ نماز کی ابتدا کی جاسکتی ہے جسے تعظیم کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے مثلاً اللہ اجل یا اعظم یا الرحمٰن اکبر۔

(ابو یوسفؒ، محمدؒ) یہ الفاظ جائز نہیں ہیں البتہ اللہ اکبر یا واللہ اکبر یا واللہ الکبیر کہنا درست ہے۔(٤)

(راجح) صرف اللہ اکبر ہی کہا جائے گا جیسا کہ احادیث سے واضح طور پر ثابت ہے۔

228- تکبیر تحریمہ کے ساتھ رفع الیدین بھی مشروع ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ﴿رفع یدیه حتی یکونا حذو منکبیه ثم یکبر﴾ ''اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے پھر تکبیر کہتے۔''(٥) مسئلہ رفع الیدین کا مزید بیان آگے آئے گا۔

وَالْفَاتِحَةُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ	اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا (واجب ہے)۔ ❶

❶ (1) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿لا صلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب﴾ ''جس نے فاتحہ نہ پڑھی اس کی کوئی نماز نہیں۔''(٦)

(2) مسیئ الصلاۃ کو نبی ﷺ نے فرمایا ﴿...... ثم اقرأ ما تیسر معك من القرآن﴾ ''پھر قرآن کا وہ حصہ جو تمہیں یاد ہے اس میں سے جتنا آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھ لو۔''(٧)

(3) ایک روایت میں اسکی مزید وضاحت بھی موجود ہے کہ نبی ﷺ نے مسیئ الصلاۃ کو کہا ﴿ثم اقرأ بأم القرآن﴾ ''پھر تم ام قرآن (یعنی فاتحہ) پڑھو۔''(٨)

(۱) [بخاری (٦٢٥١) کتاب الاستئذان : باب من رد فقال علیك السلام' مسلم (٣٩٧)]
(۲) [صحیح : صحیح أبو داود (٧٢٣) کتاب الصلاۃ : باب صلاۃ من لا یقیم صلبه فی الرکوع والسجود' أبو داود (٨٥٧)]
(۳) [مسلم (٤٩٨) کتاب الصلاۃ : باب ما یجمع صفة الصلاۃ وما یفتتح به......]
(٤) [شرح المهذب (٢٥٢/٣) الحاوی للماوردی (٩٣/٢) روضة الطالبین (٣٣٦/١) المبسوط (٣٥/١) شرح فتح القدیر (٢٤٦/١) قدوری (ص/٣٩-٤٠)]
(٥) [بخاری (٧٣٦) کتاب الأذان : باب رفع الیدین إذا کبر وإذا رکع وإذا رفع' مسلم (٢٢)]
(٦) [بخاری (٧٥٦) کتاب الأذان : باب وجوب القراءۃ للإمام والمأموم......' مسلم (٣٩٤) أبو داود (٨٢٢) ترمذی (٢٤٧) نسائی (١٧٣/٢) ابن ماجة (٨٣٧) أبو عوانة (١٢٤/٢)]
(٧) [بخاری (٦٢٥١) کتاب الاستئذان : باب من رد فقال علیك السلام' مسلم (٣٩٧)]
(٨) [ابن حبان (٤٨٤-الموارد) أحمد (١٠٠/١- الفتح الربانی)]

(4) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من صلی صلاۃ لم یقرأ فیھا بفاتحۃ الکتاب فھی خداج یقولھا ثلاثا﴾ ''جس نے کوئی نماز پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو وہ نماز ناقص و نامکمل ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ یہ فرمایا۔''

اور اسی روایت میں سورہ فاتحہ کو نماز کہا گیا ہے جیسا کہ اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قسمت الصلاۃ بینی و بین عبدی نصفین فنصفھا لی و نصفھا لعبدی' ولعبدی ما سأل قال رسول اللہ اقرأوا یقول العبد : ألحمد للہ رب العلمین یقول اللہ تعالی حمدنی عبدی......﴾ ''میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان دو نصف حصوں میں تقسیم کر دیا ہے اس کا ایک نصف میرے لیے ہے اور دوسرا میرے بندے کے لیے اور میرے بندے کے لیے وہ سب کچھ ہے جو اس نے مانگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پڑھو۔ بندہ کہتا ہے ''الحمد للہ رب العلمین'' تو اللہ تعالیٰ جواب میں فرماتے ہیں کہ ''میرے بندے نے میری حمد بیان کی......''(۱)

ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ نماز میں سورہ فاتحہ کی قراءت فرض ہے اور اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

(جمہور صحابہ و تابعین، مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ) سب اسی کے قائل ہیں۔

(احناف) نماز میں سورہ فاتحہ کی قراءت فرض نہیں ہے بلکہ واجب ہے (یعنی فاتحہ کے بغیر بھی نماز ہو جاتی ہے) کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ﴾ اس آیت میں مطلق قراءت کا ذکر ہے اور وہ ایک آیت بھی ہو سکتی ہے۔(۲)

واضح رہے کہ احناف کا موقف کمزور روایات و استدلال پر مبنی ہے اس کی کچھ تفصیل حسب ذیل ہے:

(1) ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ فاتحہ کی فرضیت کے موقف کو رد کرنے کے لیے احناف یہ آیت بطور دلیل پیش کرتے ہیں حالانکہ یہ عام ہے اس کی تخصیص حدیث ﴿لا صلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب﴾ نے کر دی ہے۔

(2) احناف کا کہنا ہے کہ حدیث میں مذکور ﴿فھی خداج﴾ کا معنی ہے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز ناقص ہو جاتی ہے جس سے معلوم ہوا کہ نماز باطل نہیں ہوتی حالانکہ خداج سے یہاں ایسا نقص مراد ہے جو فساد و بطلان کو لازم ہے کیونکہ یہ لفظ عرب میں اس وقت استعمال ہوتا تھا جب اونٹنی حمل ساقط کر دیتی۔ اور گرا ہوا بچہ مردار ہوتا ہے جو کہ کسی فائدے کا نہیں جیسا کہ امام بخاریؒ نے یہی بات ثابت کی ہے۔ علاوہ ازیں اس کی موید یہ حدیث بھی ہے ﴿لا تجزئ صلاۃ لا یقرأ فیھا بفاتحۃ الکتاب﴾ ''ایسی نماز کفایت نہیں کرتی جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے۔''

229- ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے

(1) مسیئ الصلاۃ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا ﴿ثم افعل ذلك فی صلاتك کلھا﴾ ''پھر تم اپنی بقیہ پوری نماز میں اسی طرح کرو۔''(۳)

---

(۱) [صحیح : صحیح أبو داود (۷۳۴) کتاب الصلاۃ : باب من ترك القراءۃ فی صلاتہ بفاتحۃ الکتاب' أبو داود (۸۲۱) مسلم (۳۹۵) ترمذی (۲۴۷) نسائی فی الکبری (۸۰۱۲) أحمد (۲۸۵/۲) ابن خزیمۃ (۴۸۹)]

(۲) [الأم للشافعی (۱۰۲/۱) شرح المھذب (۳۱۷/۳) حلیۃ العلماء فی معرفۃ مذاھب الفقھاء (۱۰۵/۲) المبسوط (۱۹/۱) الھدایۃ (۴۸/۱) الکافی لابن عبدالبر (۴۰) کشاف القناع (۳۸۶/۱)]

(۳) [بخاری (۷۵۷)]

(2) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے تھے اور دوسری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔(۱) اور ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ ﴿صلوا کما رأیتمونی أصلی﴾ ''اسی طرح نماز پڑھو جیسے تم مجھے نماز پڑھتے دیکھو۔''(۲)

(ابن حزمؒ) سورہ فاتحہ ہر نماز کی ہر رکعت میں فرض ہے۔(۳)

(ابن حجرؒ، نوویؒ) جمہور کے نزدیک ہر رکعت میں سورہ فاتحہ فرض ہے۔(٤)

(شوکانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٥)

(قرطبیؒ) فاتحہ ہر رکعت میں متعین ہے۔(٦)

○ اکثر علماء نے سورہ فاتحہ کو نماز کا رکن قرار دیا ہے۔

(احمدؒ، مالکؒ، شافعیؒ) سورہ فاتحہ نماز کا رکن ہے۔(۷)

(ابن حجرؒ) سورہ فاتحہ نماز کا رکن ہے۔(۸)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) رکنیت کا قول ہی راجح ہے۔(۹)

(صدیق حسن خانؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۱۰)

(ابن قدامہؒ) سورہ فاتحہ رکن ہے۔(۱۱)

وَلَوْ كَانَ مُؤْتَمًّا	خواہ کوئی مقتدی ہی ہو۔ ❶

❶ (1) گذشتہ بیان کردہ فاتحہ کی رکنیت کے تمام دلائل اس کا ثبوت ہیں مثلاً حدیث ﴿لا صلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب﴾ میں عموم ہے کہ کوئی بھی نماز ہو اور کوئی بھی شخص ہو خواہ مقتدی ہو یا امام ہو یا منفرد ہو' کسی کی کوئی نماز فاتحہ کے بغیر نہیں ہوتی۔

(2) امام بخاریؒ نے باب قائم کیا ہے کہ ((باب وجوب القراءۃ للإمام والمأموم فی الصلوات کلھا فی الحضر والسفر وما یجھر فیھا وما یخافت)) ''امام اور مقتدی کے لیے حضر و سفر ہر حال میں سری اور جہری سب نمازوں میں قراءت کے وجوب کا بیان۔''

(۱) [أحمد (۲۹۵/٥) بخاری (۷٥۹) کتاب الأذان : باب القراءۃ فی الظھر' مسلم : کتاب الصلاۃ' نسائی (۱۲۸/۲)]
(۲) [بخاری (٦۰۰۸) کتاب الأذان : باب الأذان للمسافر إذا کانوا جماعۃ......]
(۳) [المحلی بالآثار (۲٦٥/۲)]
(٤) [فتح الباری (٤۸۷/۲) شرح مسلم (۳٤۰/۲)]
(٥) [نیل الأوطار (۳۳/۲) السیل الجرار (۲۱٤/۱)]
(٦) [تفسیر قرطبی (۱۱۹/۱)]
(۷) [المغنی (۱٤٦/۲)]
(۸) [فتح الباری (۲۸۲/۲-۲۸۳)]
(۹) [تحفۃ الأحوذی (۷۱/۱)]
(۱۰) [الروضۃ الندیۃ (۲٤٥/۱)]
(۱۱) [المغنی (۱٤٦/۲)]

(3) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نماز فجر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرائت کی تو قرائت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بوجھل ہوگئی۔ فراغت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لعلكم تقرءون خلف إمامكم﴾ "شاید تم لوگ امام کے پیچھے کچھ پڑھتے ہو۔" ہم نے کہا "ہاں" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا تفعلوا إلا بفاتحة الكتاب فإنه لا صلاة لمن لم يقرأ بها﴾ "ایسا نہ کیا کرو سوائے سورہ فاتحہ کے کیونکہ جس نے اسے نہ پڑھا اس کی کوئی نماز نہیں۔"(١)

(4) جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ روایت بیان کی ﴿من صلى صلاة لم يقرأ فيها بأم القرآن فهي خداج ......﴾ تو راوی ابو سائبؒ نے کہا اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! ﴿إني أحيانا أكون وراء الإمام﴾ "میں بعض اوقات امام کے پیچھے ہوتا ہوں۔" تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا کہ ﴿اقرأ بها في نفسك يا فارسي﴾ "اے فارسی! اسے اپنے نفس میں (یعنی بغیر آواز نکالے) پڑھ لیا کرو۔"(٢)

(5) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں ﴿لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب خلف الإمام﴾ "اس شخص کی کوئی نماز نہیں جس نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھی۔"(٣)

(6) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿اقرأ خلف الإمام بفاتحة الكتاب﴾ "امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھو۔"(٤)

(شافعیؒ) ہر رکعت میں امام، مقتدی اور منفرد سب کے لیے سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے خواہ سری نماز ہو یا جہری ہو، فرض ہو یا نفل ہو۔

(مالکؒ، احمدؒ) جہری نمازوں میں نہیں بلکہ صرف سری نمازوں میں سورہ فاتحہ پڑھی جائے گی۔

(احناف) مقتدی قراءت نہیں کرے گا خواہ سری نماز ہو یا جہری ہو۔(٥)

احناف کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا﴾ [الأعراف : ٢٠٤] "اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش ہو جاؤ۔"

---

(١) [ضعیف : ضعيف ترمذى (٤٩) ضعيف أبو داود (١٤٦) ضعيف الجامع (٢٠٨٢) أحمد (٣١٦/٥) أبو داود (٨٢٣) كتاب الصلاة : باب من ترك القراءة في صلاته بأم الكتاب، ترمذى (٣١١) ابن الجارود (١١٨) حاكم (٢٣٨/١)] اور امام ترمذیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ امام دارقطنیؒ اور امام بغویؒ نے بھی اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ امام بیہقیؒ، امام ابن خزیمہؒ اور امام ابن حبانؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ شیخ احمد شاکرؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ [شرح الترمذى (١١٧/٢)] البتہ شیخ محمد صبحی حسن حلاق نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [التعليق على السيل الجرار (٤٦٣/١)]

(٢) [موطا (٨٤/١) كتاب النداء للصلاة : باب القراءة خلف الإمام فيما لا يجهر فيه بالقراءة، مسلم (٣٩، ٤٠) أبو داود (٨١٢) ترمذى (٢٤٧) نسائى ١٣٥/٢) أحمد (٢٨٥/٢) دارقطنى (٣١٢/١) شرح معانى الآثار (٢١٦/١) ابن خزيمة (٤٨٩)]

(٣) [بيهقى فى كتاب القراءة (٥٦) اس کی سند کو مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے صحیح قرار دیا ہے۔ [فصل الختام (١٤٧)]

(٤) [بيهقى فى كتاب القراءة (٧٧) وفى السنن الكبرى (١٦٩/٢) امام بیہقیؒ نے اسے صحیح کہا ہے جیسا کہ کنز میں ہے [رقم (٢٢٩٦٦)]

(٥) [شرح المهذب (٣٢٣/٣) المبسوط (١٩/١) الأم (١٠١/١) الهداية (٤٨/١) الكافى لابن عبدالبر (ص/٤٠) كشاف القناع (٣٤٠/١) بداية المجتهد (١١٩/١) مغنى المحتاج (١٥٦/١) المغنى (٣٧٦/١) الشرح الصغير (٣٠٩/١)]

(2) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿وإذا قرأ فأنصتوا﴾ ''جب امام قراءت کرے تو خاموش رہو۔'' (۱)

(3) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة﴾ ''جس کے آگے امام ہو تو امام کی قراءت ہی اس کی قراءت ہے۔'' (۲)

یاد رہے کہ یہ تینوں دلائل عام ہیں کہ جن کی تخصیص متعدد دیگر احادیث سے ہو جاتی ہے مثلاً:

(1) ﴿لا تفعلوا إلا بفاتحة الكتاب﴾ (2) ﴿لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب﴾ وغیرہ۔ (۳)

امام احمدؒ کی دلیل یہ حدیث ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جہری نماز سے فراغت کے بعد پوچھا کہ کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قراءت کی ہے؟ ایک آدمی نے اعتراف کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إني أقول مالي أنازع القرآن﴾ ''میں کہتا ہوں کہ مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں قرآن کے ساتھ جھگڑ رہا ہوں۔'' راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد ﴿فانتهى الناس عن القراءة مع رسول الله فيما جهر فيه بالقراءة﴾ ''صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہری نمازوں میں قراءت سے باز آ گئے۔'' (٤)

اس حدیث کی وضاحت راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے خود فرما دی ہے کہ جب کسی شخص نے ان سے سوال کیا کہ ''میں بعض اوقات امام کے پیچھے ہوتا ہوں'' تو انہوں نے جواب میں کہا ﴿اقرأ بها في نفسك يا فارسي﴾ ''اے فارسی! اسے اپنے نفس میں پڑھ لیا کرو۔'' (٥)

معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے جہری نمازوں میں صحابہ آواز نکال کر پڑھنے سے باز آ گئے تھے جبکہ ہلکی آواز سے فاتحہ پڑھتے تھے۔

(راجح) امام شافعیؒ کا موقف راجح ہے۔

(خطابیؒ) امام کے پیچھے فاتحہ کی قراءت واجب ہے خواہ امام جہری قراءت کر رہا ہو یا سری۔ (٦)

(قرطبیؒ) امام شافعیؒ کے قول کو ترجیح حاصل ہے۔ (٧)

---

(۱) [مسلم (٤٠٤) كتاب الصلاة : باب التشهد في الصلاة ' أحمد (٣٩٤/٤) أبو داود (٩٧٣) نسائي (٢٤١/٢) دارمي (٣١٥/١) دارقطني (٣٣٠/١) بيهقي (١٤٠/٢)]

(۲) [حسن : إرواء الغليل (٥٠٠) ابن ماجة (٨٥٠) كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها : باب إذا قرأ الإمام فأنصتوا ' شرح معاني الآثار (٢١٧/١) دارقطني (٣٣١/١)]

(۳) [السيل الجرار (٢١٥/١) تفسير قرطبي (١١٨/١) مجموع الفتاوى لابن تيمية (٢٦٥/٢٣)]

(٤) [صحيح : صحيح أبو داود (٧٣٦) موطا (٨٦/١) كتاب الصلاة : باب من كره القراءة بفاتحة الكتاب إذا جهر الإمام ' أحمد (٢٨٤/٢) أبو داود (٨٢٦) ترمذي (٣١١) نسائي (١٤٠/٢) ابن ماجة (٨٤٨) بيهقي (١٥٧/٢) عبدالرزاق (٢٧٩٥)]

(٥) [مسلم (٣٩ ' ٤٠)]

(٦) [معالم السنن (٢٠٥/١)]

(٧) [تفسير قرطبي (١١٩/١)]

(شوکانیؒ) حق یہی ہے کہ امام کے پیچھے بھی قراءت (فاتحہ) واجب ہے۔(۱)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) امام کے پیچھے فاتحہ کی قراءت تمام نمازوں میں واجب ہے خواہ سری ہوں یا جہری ہوں۔(۲)

(ابن حزمؒ) امام اور مقتدی دونوں پر فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔(۳)

(عبدالحی لکھنوی حنفیؒ) کسی صحیح مرفوع حدیث میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کی ممانعت مروی نہیں ہے اگر کوئی ایسی حدیث ہے تو یا اس کی کوئی اصل نہیں یا وہ صحیح نہیں ہے۔(۴)

(ابن بازؒ) جہری نماز میں بھی مقتدی پر فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔(۵)

جہری نمازوں میں امام کے پیچھے فاتحہ کے علاوہ قراءت قرآن:

جائز نہیں البتہ سری نمازوں میں جائز ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے جہری نماز کے متعلق فرمایا ﴿لا تفعلوا إلا بفاتحة الكتاب......﴾ ''سورہ فاتحہ کے علاوہ کچھ نہ پڑھو۔'' اور سری نماز کے متعلق حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے نماز ظہر پڑھائی تو ایک شخص آپ ﷺ کے پیچھے سورت ''سبح اسم ربک الأعلی'' کی قراءت کرنے لگا جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے پوچھا تم میں سے کون پڑھ رہا تھا؟ اس آدمی نے کہا ''میں'' تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿لقد ظننت أن بعضكم خالجنيها﴾ ''بے شک میں نے یہ گمان کیا کہ تم میں سے کوئی مجھ سے جھگڑ رہا ہے۔''(۶)

محل شاہد یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اس آدمی کو قراءت سے منع نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ سری نمازوں میں امام کے پیچھے فاتحہ کے بعد صحابہ کوئی سورت پڑھ لیتے تھے اور ایسا کرنا جائز و مباح ہے۔(۷)

○ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مقتدی کو جہری نمازوں میں امام کے سکتوں کے وقفوں میں فاتحہ کی قراءت کرنی چاہیے جیسا کہ بعض آثار صحابہ بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ یہ عمل ضروری نہیں ہے مقصود سورہ فاتحہ پڑھنا ہے اسے کسی طرح بھی پڑھ لیا جائے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جب امام کے پیچھے فاتحہ کی قراءت کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا ﴿اقرأ بها في نفسك يا فارسي﴾ ''اے فارسی! اسے اپنے نفس میں پڑھ لو۔''(۸)

اور امام بیہقیؒ نے ''كتاب القراءة خلف الامام'' میں یہ لفظ نقل کیے ہیں کہ سائل نے پوچھا ﴿فكيف أصنع إذا جهر الإمام؟﴾ ''جب امام جہری قراءت کرے تو میں کیا کروں؟'' اس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ﴿اقرأ بها في

(۱) [نیل الأوطار (۳۹/۱)]

(۲) [تحفة الأحوذی (۲۴۰/۲)]

(۳) [المحلی بالآثار (۲۶۵/۲)]

(۴) [التعلیق الممجد (۱۰۱)]

(۵) [الفتاوی الإسلامیة (۲۳۵/۱)]

(۶) [مسلم (۳۹۸) کتاب الصلاة : باب نهی المأموم عن جهره بالقراءة خلف إمامه ' أبو داود (۸۲۹) نسائی (۱۴۰/۲) بخاری فی جزء القراءة (۹۱) أحمد (۴۲۶/۴) ابن حبان (۱۸۴۵) دارقطنی (۴۰۵/۱) بیهقی (۱۶۲/۲)]

(۷) [تفصیل کے لیے دیکھیے : نیل الأوطار (۴۴/۲) شرح مسلم للنووی (۳۴۶/۲)]

(۸) [مسلم (۳۹ ' ۴۰)]

نفسك﴾ ''اسے اپنے نفس میں پڑھ لو۔''

معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ کو کسی حال میں بھی نہیں چھوڑنا چاہیے خواہ امام کے ساتھ پڑھے' پہلے پڑھے یا بعد میں پڑھے۔(۱)

○ مسئلہ فاتحہ خلف الامام کی مزید تفصیل وتوضیح کے لیے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ مفید ہے۔

(1) **خير الكلام في القراء ة خلف الإمام للإمام بخاريؒ۔**

(2) **كتاب القراء ة خلف الإمام للبيهقيؒ۔**

(3) **تحقيق الكلام في وجوب القراء ة خلف الإمام للشيخ عبدالرحمن مباركپوريؒ۔**

(4) **أبكار المنن في نقد آثار السنن للشيخ عبدالرحمن مباركپوريؒ۔**

(5) **جزء الصلاة للشيخ محمد صبحي حسن حلاقؒ۔**

وَالتَّشَهُّدُ الْأَخِيْرُ	اور آخری تشہد (واجب ہے)۔ ❶

❶ (1) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كنا نقول قبل أن يفرض علينا التشهد ' السلام على الله السلام على جبرئيل وميكائيل﴾ ''ہم تشہد فرض کیے جانے سے پہلے یہ کہا کرتے تھے ''**السلام على الله ' السلام على جبرئيل وميكائيل**'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے منع فرما کر حکم دیا کہ یہ کہا کرو ''**التحيات لله** ......الخ۔''(۲)

(2) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا قعدتم في كل ركعتين فقولوا : التحيات لله ......الخ﴾ ''جب تم ہر دو رکعتوں میں بیٹھو تو کہو '**التحيات لله**......الخ۔''(۳)

(3) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تشہد سکھایا ﴿وأمره أن يعلمه الناس﴾ ''اور انہیں حکم دیا کہ یہ تشہد لوگوں کو بھی سکھائیں۔''(٤)

ان تمام دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری تشہد واجب ہے۔(٥)

(احمدؒ، شافعیؒ) آخری تشہد واجب ہے۔

(مالکؒ) آخری تشہد کے لیے سلام تک بیٹھنا اور اس میں ذکر الٰہی کرنا فرض ہے جبکہ تشہد فرض نہیں ہے۔(٦)

---

(۱) [تحفة الأحوذي (۲٤٨/۲)]

(۲) [**صحيح** : تمام المنة (ص/۱۷۱) إرواء الغليل (۳۱۹) دارقطني (۳٥۰/۱) بيهقي (۱۳۸/۲)]

(۳) [**صحيح** : صحيح نسائي (۱۱۱٤) كتاب التطبيق : باب كيف التشهد الأول ' نسائي (۱۱٦٤) أحمد (٤۳۷/۱) ابن خزيمة (۷۲۰)]

(٤) [أحمد (۳۸۲/۱)]

(٥) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: نيل الأوطار (۱۱٥/۲) السيل الجرار (۲۱۹/۱) الروضة الندية (۲٤٨/۱) المحلى بالآثار (۳۰۰/۲) سبل السلام (٤٤۳/۱)]

(٦) [بداية المجتهد (۱۲٥/۱) المغني (٥۳۲/۱) كشاف القناع (٤٥۳/۱) فتح القدير مع العناية (۱۱۳/۱) بدائع الصنائع (۱۱۳/۱) تبيين الحقائق (۱۰٤/۱) الشرح الكبير (۲٤۰/۱) القوانين الفقهية (ص/٦٤) الفقه الإسلامي وأدلته (۸٥۰/۲)]

(راجح) تشہد اور اس کے لیے بیٹھنا دونوں ہی فرض ہیں۔(۱)

230- تشہد کے الفاظ

(1) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ لفظ ہیں "التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك أيها النبي و رحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عبادالله الصلحين أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله۔"(۲)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اُس طرح تشہد سکھاتے جیسے قرآن کی کوئی سورت سکھا رہے ہوں اور فرماتے "التحيات المباركات الصلوات الطيبات لله السلام عليك أيها النبي ورحمة الله و بركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمد رسول الله۔"(۳)

(3) حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو یہ تشہد سکھایا کرتے تھے "التحيات لله الزاكيات لله الطيبات الصلوات لله السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله۔"(٤)

(4) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ لفظ ہیں "التحيات الطيبات الصلوات لله ...... (باقی آخر تک حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد کی طرح ہے)۔(٥)

○ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ کون سا تشہد افضل ہے؟

(احمدؒ، ابوحنیفہؒ، جمہور) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد افضل ہے۔

(شافعیؒ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا تشہد افضل ہے۔

(مالکؒ) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا تشہد افضل ہے۔(٦)

(نوویؒ) ان سب (تشہدوں) کے جواز پر علماء کا اتفاق ہے۔(۷)

---

(۱) [المحلى بالآثار (۳۰۰/۲)]

(۲) [بخاری (۸۳۱) كتاب الأذان : باب التشهد فی الآخرة ' مسلم (۴۰۲) أبو داود (۹٦۸) ترمذی (۲۸۹) نسائی (۲۳۹/۲) ابن ماجة (۸۹۹) أحمد (۳۸۲/۱) دارمی (۳۰۸/۱) بیهقی (۱۳۸/۲) دارقطنی (۳۵۰/۱) أبو عوانة (۲۹۹/۲)]

(۳) [مسلم (٤۰۳) كتاب الصلاة : باب التشهد فی الصلاة ' أبو داود (۹۷٤) ترمذی (۲۹۰) نسائی (۲٤۲/۲) ابن ماجة (۹۰۰) أحمد (۲۹۲/۱) دارقطنی (۳۵۰/۱) بیهقی (۱٤۰/۲)]

(٤) [صحیح : نصب الراية (٤۲۲/۱) موطا (۹۰/۱) كتاب النداء للصلاة : باب التشهد فی الصلاة ' حاكم (۲٦٦/۱) بیهقی (۱٤۲/۲)]

(٥) [مسلم (٤۰٤) كتاب الصلاة : باب التشهد فی الصلاة]

(٦) [شرح المهذب (۳٤۳/۳) الأم (۲۲۸/۱) حلية العلماء فی معرفة مذاهب الفقهاء (۱۲٦/۲) المبسوط (۲۷/۱) كشاف القناع (۳۵۷/۱) سبل السلام (۲٦۷/۱)]

(۷) [شرح مسلم (۳۵٤/۲)]

(راجح) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد افضل ہے (کیونکہ یہ صحیحین کی روایت سے ثابت ہے اور اس کے راوی ایسے ثقہ ہیں کہ جنہوں نے اس کے الفاظ میں اختلاف نہیں کیا)۔

(ترمذیؒ) تشہد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی سب سے زیادہ صحیح حدیث حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے۔(۱)

(مسلمؒ) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد پر لوگوں کا اجماع ہے۔(۲)

(بزارؒ) تشہد میں میرے نزدیک سب سے زیادہ صحیح حدیث حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے۔(۳)

(ابن حجرؒ) انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد کی افضلیت کے مختلف اسباب بیان کیے ہیں۔(٤)

(صدیق حسن خانؒ) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد سب سے زیادہ صحیح ہے۔(٥)

(عبدالرحمن مبارکپوریؒ) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث تمام احادیث سے زیادہ راجح ہے۔(٦)

231- تشہد میں بیٹھنے کا طریقہ

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نماز بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ﴿وإذا جلس فى الركعتين جلس على رجله اليسرى ونصب اليمنى وإذا جلس فى الركعة الأخيرة قدم رجله اليسرى ونصب الأخرى وقعد على مقعدته﴾ ''جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت نماز پڑھ کر (تشہد کے لیے) بیٹھتے تو بایاں پاؤں زمین پر بچھا لیتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے اور جب آخری رکعت میں (تشہد کے لیے) بیٹھتے تو بایاں پاؤں (دائیں ران کے نیچے سے) آگے بڑھا دیتے اور دایاں کھڑا رکھتے اور سرین پر بیٹھ جاتے۔''(۷)

اس حدیث میں آخری تشہد میں بیٹھنے کی جو کیفیت بیان ہوئی ہے اسے تورک کہتے ہیں۔علماء نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے کہ درمیانے تشہد میں بھی تورک کیا جائے گا یا محض آخری تشہد میں ہی کیا جائے گا۔

(شافعیؒ) تورک دوسرے تشہد میں کیا جائے گا۔

(مالکؒ) دونوں تشہدوں میں تورک کیا جائے گا۔

(احمدؒ) تورک صرف اس نماز کے ساتھ خاص ہے جس میں دو تشہد ہوں۔

(ابوحنیفہؒ) تورک آخری تشہد میں بھی نہیں کیا جائے گا۔(۸)

---

(۱) [سنن ترمذی (۲۸۹)]

(۲) [سبل السلام (٤٤٣/۱)]

(۳) [تحفة الأحوذى (۱۸٥/۲)]

(٤) [فتح الباری (۳٦۸/۲)]

(٥) [الروضة الندية (۲٤۹/۱)]

(٦) [تحفة الأحوذى (۱۸٦/۲)]

(۷) [بخاری (۸۲۸) كتاب الأذان : باب سنة الجلوس فى التشهد' أبو داود (۷۳۰' ۷۳۱) ترمذی (۳۰٤' ۳۰٥) أحمد (٤۲٤/٥) ابن ماجة (۸٦۲) دارمی (۳۱۳/۱) ابن خزيمة (٥۸۷)]

(۸) [المجموع (۳٤۳/۳) الأم (۲۲۹/۱) الاختيار (٥٤/۱) رد المختار (۱٥۹/۲) الهداية (٥۱/۱) تحفة الفقهاء (۲۳٦/۱) المغنى (۲۲٦/۲)]

(ابن قیمؒ) رسول اللہ ﷺ سے تورک کا ذکر صرف اسی تشہد میں کیا گیا ہے جس میں سلام ہوتا ہے جیسا کہ سنن أبي داود کی ایک روایت میں ہے کہ ﴿حتی إذا كانت السجدة التي فيها التسليم﴾ ''حتی کہ جب آپ ﷺ وہ سجدہ کرتے کہ جس میں سلام ہے (تو تورک کرتے)۔''(۱)

جن حضرات (یعنی احناف) نے آخری تشہد میں بھی تورک مستحب نہیں سمجھا ان کی دلیل وہ حدیث ہے کہ جس میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ پہلے یا دوسرے تشہد کی قید کے بغیر مطلقا آپ ﷺ کے متعلق فرماتے ہیں کہ ﴿ثم قعد فافترش رجله اليسرى﴾ ''پھر آپ ﷺ بیٹھے اور اپنے بائیں پاؤں کو بچھا لیا۔''(۲)

تورک کا دوسرا طریقہ:

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ ﴿فإذا كان في الرابعة أفضى بوركه اليسرى إلى الأرض وأخرج قدميه من ناحية واحدة﴾ ''جب آپ ﷺ چوتھی رکعت میں ہوتے تو اپنے بائیں چوتڑ کے ساتھ زمین پر بیٹھ جاتے اور اپنے دونوں قدموں کو ایک جانب سے نکال لیتے۔''(۳)

تورک کا تیسرا طریقہ:

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كان رسول الله ﷺ إذا قعد في الصلاة جعل قدمه اليسرى بين فخذه وساقه وفرش قدمه اليمنى﴾ ''رسول اللہ ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تو بائیں پاؤں کو ران اور پنڈلی کے درمیان میں کر لیتے اور دایاں پاؤں بچھا لیتے۔''(۴)

ان احادیث سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ نبی ﷺ تورک کے لیے کبھی ایک طریقہ استعمال کرتے اور کبھی دوسرا۔ (واللہ اعلم)

232- تشہد میں انگلی کا اشارہ اور ہاتھوں کی کیفیت

(1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تشہد کے لیے بیٹھتے ﴿وضع يده اليسرى على ركبته اليسرى واليمنى على اليمنى وعقد ثلاثا وخمسين﴾ ''تو اپنا بایاں ہاتھ اپنے بائیں گھٹنے پر اور دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر رکھتے اور ترپن کی گرہ لگاتے'' ﴿وأشار بإصبعه السبابة﴾ ''اور اپنی انگشت شہادت سے اشارہ کرتے۔''

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ﴿وقبض أصابعه كلها وأشار بالتي تلي الإبهام﴾ ''آپ ﷺ اپنی تمام انگلیاں بند کر لیتے اور انگوٹھے کے ساتھ ملی ہوئی انگلی سے (یعنی شہادت والی انگلی سے) اشارہ کرتے۔''(۵)

(۱) [صحيح: صحيح أبو داود (۶۷۰) كتاب الصلاة: باب افتتاح الصلاة، أبو داود (۷۳۰)]

(۲) [صحيح: صحيح أبو داود (۶۶۶، ۶۶۷) كتاب الصلاة: باب رفع اليدين في الصلاة، أحمد (۳۱۶/۴) أبو داود (۷۲۶، ۷۲۷) نسائي (۳۷/۳) دارمي (۳۱۴/۱) ابن ماجة (۸۶۷) حميدي (۸۸۵) دارقطني (۲۹۰/۱) ابن أبي شيبة (۲۳۴/۱)]

(۳) [صحيح: صحيح أبو داود (۶۷۱) كتاب الصلاة: باب افتتاح الصلاة، أبو داود (۷۳۱) ابن حبان (۴۹۱- الموارد) ابن خزيمة (۳۴۷/۱)]

(۴) [مسلم (۵۷۹) كتاب الصلاة: باب صفة الجلوس في الصلاة وكيفية وضع اليدين على الفخذين]

(۵) [أحمد (۶۵/۲) مسلم (۹۱۳) كتاب المساجد ومواضع الصلاة: باب صفة الجلوس في الصلاة، موطا (۸۸/۱) عبدالرزاق (۳۰۴۶) نسائي (۳۶/۳) بيهقي (۱۳۰/۲)]

(2) حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ﴿وقبض ثنتين وحلق حلقة وأشار بالسبابة﴾ ”آپ ﷺ نے دو انگلیاں بند کیں اور ایک حلقہ بنا لیا اور انگشت شہادت سے اشارہ کیا۔“ (١)

(3) رسول اللہ ﷺ دوران تشہد اپنی انگشت شہادت کو حرکت دیتے اور فرماتے ﴿لهي أشد على الشيطان من الحديد﴾ ”یہ انگلی شیطان کو لوہے سے زیادہ تکلیف پہنچاتی ہے۔“ (٢)

جس روایت میں ہے کہ ﴿ولا يحركها﴾ ”آپ ﷺ دوران تشہد انگلی کو حرکت نہیں دیتے تھے۔“ وہ شاذ ہے جیسا کہ شیخ البانیؒ نے یہی موقف اختیار کیا ہے۔(٣)

علاوہ ازیں اگر یہ روایت صحیح ثابت ہو بھی جائے تب بھی اس سے مذکورہ مسئلہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ یہ حدیث نافی ہے اور حدیث وائل مثبت' اور علماء کے نزدیک یہ بات معروف ہے کہ مثبت کو نافی پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔(٤)

اس توضیح کے باوجود امام ابوحنیفہؒ کا موقف یہی ہے کہ دوران تشہد مستقل انگلی کو حرکت نہیں دینی چاہیے۔(٥)

233- دوران تشہد نظر کہاں ہو؟

تشہد میں اپنی نظر انگشت شہادت اور اس کے اشارے کی طرف رکھنی چاہیے۔(٦)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿لا يجاوز بصره إشارته﴾ ”آپ ﷺ کی نظر آپ ﷺ کے اشارے سے تجاوز نہیں کرتی تھی۔“ (٧)

(نوویؒ) سنت یہی ہے کہ انسان کی نظر اس کے اشارے سے تجاوز نہ کرے۔(٨)

234- صحیح احادیث سے ثابت درود

(1) حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ لفظ ہیں ”اللّٰهم صل على محمد و على آل محمد كما صليت على ابراهيم و على آل إبراهيم إنك حميد مجيد اللّٰهم بارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم إنك حميد مجيد۔“(٩)

(2) حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ لفظ ہیں ” اللّٰهم صل على محمد وعلى أزواجه وذريته كما صليت

---

(١) [**صحيح** : صحيح أبو داود (٦٦٦) كتاب الصلاة : باب الإشارة في التشهد ' أبو داود (٧٢٦) عبدالرزاق (٣٠٨٠) بيهقى (١٣٩/٢)]

(٢) [صفة الصلاة للألباني (ص/١٥٩)]

(٣) [ضعيف أبو داود (٢٠٨) تمام المنة (ص/٢١٧) المشكاة (٩١٢) ضعيف نسائى (٦٧)]

(٤) [صفة الصلاة للألباني (ص/١٣٩) تمام المنة (ص/٢١٧)]

(٥) [تحفة الأحوذى (١٩٦/٢)]

(٦) [تحفة الأحوذى (١٩٦/٢)]

(٧) [**صحيح** : صحيح أبو داود (٨٧٤) كتاب الصلاة : باب الإشارة في التشهد ' أبو داود (٩٩٠)]

(٨) [المجموع (٤٣٥/٣)]

(٩) [بخارى (٣٣٧٠) كتاب أحاديث الأنبياء]

على آل ابراهيم وبارک على محمد وأزواجه وذريته كما باركت على آل إبراهيم إنک حميد مجيد۔"(١)

(3) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ لفظ ہیں "اللهم صل على محمد عبدک ورسولک كما صليت على إبراهيم وبارک على محمد وآل محمد كما باركت على إبراهيم وآل إبراهيم۔"(٢)

235- کیا تشہد کے بعد درود پڑھنا فرض ہے؟

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ﴿أمرنا الله أن نصلي عليك فكيف نصلي عليك؟﴾ "اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے (یعنی "صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا") لہٰذا ہم کس طرح آپ پر درود بھیجیں؟" کچھ توقف کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اس طرح کہا کرو "اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وعلى آل إبراهيم إنک حميد مجيد اللهم بارک على محمد وعلى آل محمد كما باركت على إبراهيم و على آل إبراهيم إنک حميد مجيد" اور آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اور سلام اسی طرح ہے جیسا کہ تمہیں علم ہے۔"(٣)

صحیح ابن خزیمہ اور مسند احمد کی روایت میں ہے کہ سائل نے کہا ﴿فكيف نصلي عليك إذا نحن صلينا عليك في صلاتنا؟﴾ "جب ہم اپنی نمازوں میں آپ پر درود بھیجیں تو کس طرح بھیجیں۔"

(امیر صنعانیؒ) یہ حدیث دوران نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کے وجوب کی دلیل ہے۔(٤)

علاوہ ازیں علماء نے نماز میں درود کے حکم میں اختلاف کیا ہے۔

(شافعیؒ، احمدؒ) تشہد کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا واجب ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ' حضرت جابر بن زید رضی اللہ عنہ' امام شعبیؒ' امام اسحاقؒ اور قاضی ابوبکر ابن عربیؒ وغیرہ کا بھی یہی موقف ہے۔

(جمہور، مالکؒ، ابو حنیفہؒ) واجب نہیں ہے۔ امام ثوریؒ' امام اوزاعیؒ' امام طبریؒ اور امام طحاویؒ وغیرہ بھی اسی موقف کو ترجیح دیتے ہیں۔(٥)

(شوکانیؒ) تشہد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا واجب نہیں ہے۔(٦)

(صدیق حسن خانؒ) عام اہل علم کا یہی موقف ہے کہ یہ واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔(٧)

---

(١) [بخاری (٦٣٦٠) كتاب الدعوات: باب هل يصلى على غير النبي' مسلم (٤٠٧) أبو داود (٩٧٩) نسائی (٤٩/٣) موطا (١٦٥/١) أحمد (٤٢٤/٥)]

(٢) [بخاری (٦٣٥٨) كتاب الدعوات: باب الصلاة على النبي' ابن ماجة (٩٠٣) نسائی (١٢٩٣)]

(٣) [مسلم (٤٠٥) كتاب الصلاة: باب الصلاة على النبي بعد التشهد' أبو داود (٩٨٠) أحمد (٢٧٣/٥) ترمذی (٣٢٢٠) نسائی (٤٥/٣) موطا (١٦٥/١) دارقطنی (٣٥٤/١) حاكم (٢٦٨/١)]

(٤) [سبل السلام (٤٤٨/١)]

(٥) [شرح المهذب (٤٤٧/٣) الأم (٢٢٨/١) الحاوی للماوردی (١٣٧/٢) روضة الطالبين (٣٧٠/١) المبسوط (٢٩/١) كشاف القناع (٣٥٩/١) سبل السلام (٢٧١/١)]

(٦) [السيل الجرار (١/ ٢٢) نيل الأوطار (١٩٩/٢)]

(٧) [الروضة الندية (٢٥١/١)]

(راجح) گذشتہ ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث اور مندرجہ ذیل حدیث وجوب کے قائل حضرات کے لیے ترجیح کا باعث ہے۔

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو اپنی نماز میں اس طرح دعا کرتے سنا' کہ نہ تو اس نے اللہ کی حمد بیان کی اور نہ ہی نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اس شخص نے جلدی کی'' پھر آپ ﷺ نے اسے اپنے پاس بلایا اور سمجھایا کہ ﴿إذا صلى أحدكم فليبدأ بتحميد ربه والثناء عليه ثم يصلي على النبي ﷺ ثم يدعو بما شاء﴾ ''تم میں سے کوئی جب دعا مانگنے لگے تو پہلے اسے اپنے رب کی حمد وثناء کرنی چاہیے پھر نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا چاہیے پھر اس کے بعد جو چاہے دعا مانگے۔''(۱)

(البانیؒ) وجوب کا قول برحق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں نبی ﷺ پر ان الفاظ میں درود پڑھنے کا حکم دیا ہے ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ پھر صحابہ نے آپ ﷺ سے اُس درود کے متعلق دریافت کیا جسے پڑھنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا تو آپ ﷺ نے انہیں معروف درود ابراہیمی کے الفاظ سکھا دیے...... صحابہ نے آیت سے سمجھا کہ آپ ﷺ پر درود پڑھنے کا حکم تشہد کے بعد ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے بھی انہیں اسی پر قائم رکھا اور وہ ہمیشہ اسی پر عمل کرتے رہے حالانکہ ان کے درمیان وحی نازل ہو رہی تھی اور ہم نے یہ چیز ان کے تواتر عمل سے حاصل کی ہے۔ صحابہ کا سوال اور آپ ﷺ کا ان کے لیے وضاحت کرنا پھر صحابہ کا اُس (عمل) پر دوام جس کا انہیں حکم دیا گیا تھا قرآن میں وارد حکم کی تفسیر ہے اور یہ (دلیل) وجوب (کے اثبات کے) قوی دلائل میں سے ہے۔(۲)

236- کیا درمیانے تشہد میں بھی درود پڑھنا مشروع ہے؟

پہلے تشہد (یعنی درمیانے تشہد) میں بھی آپ ﷺ پر درود پڑھنا صحیح حدیث سے ثابت ہے جیسا کہ حضرت سعد بن ہشام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا اے ام المومنین! (عائشہ رضی اللہ عنہا) آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کے وتر کے متعلق بتائیں تو انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ کے لیے مسواک اور طہارت کے لیے پانی تیار کر دیتے۔ رات کے وقت جب اللہ تعالیٰ چاہتا آپ ﷺ کو اٹھا دیتا۔ آپ ﷺ مسواک کرتے اور وضوء کرتے ﴿ثم يصلي تسع ركعات لا يجلس فيهن إلا عند الثامنة فيدعو ربه ويصلي على نبيه ﷺ ويدعو ثم يسلم تسليما﴾ ''پھر آپ ﷺ نو رکعتیں ادا کرتے آپ ﷺ آٹھویں رکعت کے سوا کسی رکعت میں نہیں بیٹھتے تھے پھر آپ ﷺ اس میں اپنے رب سے دعا کرتے اور اس کے نبی ﷺ پر درود بھیجتے پھر کھڑے ہو جاتے اور سلام نہیں پھیرتے تھے پھر نویں رکعت ادا کر کے بیٹھتے اور اللہ کی حمد اور اس کے نبی ﷺ پر درود بھیجتے اور دعا کرتے پھر سلام پھیر دیتے۔''(۳)

(البانیؒ) اس حدیث میں واضح ثبوت موجود ہے کہ آپ ﷺ نے پہلے تشہد میں بھی اپنی ذات پر اسی طرح درود پڑھا جس

---

(۱) [صحيح : صحيح أبو داود (۱۳۱٤) كتاب الصلاة : باب الدعاء' أبو داود (۱٤۸۱) ترمذی (۳٤۷۷) نسائی (۱۲۸٤) ابن خزيمة (۷۱۰) بيهقی (۱٤۷/۲) ابن حبان (۱۹٦۰) أحمد (۱۸/٦)]

(۲) [التعليقات الرضية على الروضة الندية (۲۷۲/۱) صفة صلاة النبي للألباني (ص/۱۸۱-۱۸۲)]

(۳) [صحيح : صحيح نسائی (۱٦۲۳) كتاب قيام الليل : باب كيف الوتر بتسع' نسائی (۱۷۲۱) أبو عوانة (۳۲٤/۲) ابن ماجة (۱۱۹۱- بدون لفظ صلاة على النبي)]

طرح دوسرے تشہد میں پڑھا...... اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ تو قیام اللیل کے متعلق ہے کیونکہ ہم کہیں گے اصل بات یہ ہے کہ جو چیز کسی ایک نماز میں مشروع کی گئی ہے وہ اس کے علاوہ (دیگر نمازوں) میں بھی بغیر فرض ونفل کی تفریق کے مشروع ہے اور جس نے کسی فرق کا دعوی کیا اس پر دلیل پیش کرنا (لازم) ہے۔(۱)

237- آخری تشہد میں درود کے بعد چار چیزوں سے پناہ مانگنا ضروری ہے

(1) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا فرغ أحدكم من التشهد الأخير فليتعوذ بالله من أربع﴾ ”جب تم میں سے کوئی آخری تشہد سے فارغ ہو تو چار چیزوں سے اللہ تعالی کی پناہ طلب کرے۔“(۲)

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اس طرح دعا کیا کرتے تھے ”اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَأَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ وَأَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ، اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ۔“(۳)

(شوکانیؒ) حق یہی ہے کہ (ان چار اشیاء سے پناہ مانگنا) واجب ہے۔(٤)

(امیر صنعانیؒ) یہ حدیث استعاذہ کے وجوب کی دلیل ہے۔(٥)

(ابن حزمؒ) یہ (دعا) تشہد کی طرح فرض ہے۔(٦)

(البانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۷)

اہل ظاہر بھی اس دعا کے وجوب کے ہی قائل ہیں البتہ امام ابن حزمؒ پہلے تشہد میں بھی اسے واجب کہتے ہیں لیکن حدیث کے یہ الفاظ "من التشهد الأخير" ان کا رد کرتے ہیں علاوہ ازیں جمہور اسے مستحب قرار دیتے ہیں۔(۸)

238- استعاذہ کے بعد حسب منشاء کوئی بھی دعا پڑھی جا سکتی ہے

(1) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ﴿ثم ليتخير من الدعاء ما أعجبه إليه فيدعو﴾ ”(تشہد کے بعد) پھر اسے دعا کا انتخاب کرنا چاہیے کہ جو اسے سب سے زیادہ اچھی لگے وہ مانگے۔“(۹)

---

(۱) [تمام المنة (ص/۲۲٤-۲۲٥)]

(۲) [مسلم (٥٨٨) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب ما يستعاذ منه في الصلاة ' أحمد (۲۳۷/۲) دارمی (۳۱/۱) أبو داود (۹۸۳) نسائی (٥٨/٣) ابن ماجة (۹۰۹) بیهقی (١٥٤/٢) أبو یعلی (٦١٣٣) أبو عوانة (۲۳٥/۲) ابن حبان (۱۹۰۸)]

(۳) [بخاری (۸۳۲) کتاب الأذان : باب الدعاء قبل السلام ' مسلم (٥٨٩) أبو داود (۸۸۰) ترمذی (٣٤٩٥) نسائی (٥٦/٣)]

(٤) [نيل الاوطار (۱۲۹/۲)]

(٥) [سبل السلام (٤٥٠/١)]

(٦) [المحلی بالآثار (۳۰۱/۲)]

(۷) [صفة صلاة النبی (ص/۱۸۲)]

(۸) [نيل الأوطار (۱۲۸/۲) سبل السلام (٤٥٠/١)]

(۹) [بخاری (۸۳۱) کتاب الأذان : باب التشهد في الآخرة ' ترمذی (۲۸۹) نسائی (۲۳۷/۲) شرح معانی الآثار (٢٦٣/١) طبرانی کبیر (۹۹۱۲)]

(2) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے درخواست کی کہ آپ انہیں ایسی دعا سکھائیں جسے وہ نماز میں پڑھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہو "اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْلِيْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِيْ إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ"۔(۱)

(3) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں یہ دعا مذکور ہے "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَسْرَفْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّيْ أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ"۔(۲)

یہاں علماء نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے کہ حسب منشا صرف ادعیہ ماثورہ ہی پڑھ سکتا ہے یا دنیا و آخرت کی جو بھی دعا چاہے پڑھ سکتا ہے؟

(جمہور) دنیا و آخرت کے معاملات کی کوئی بھی دعا "جب تک کہ گناہ نہ ہو" پڑھ سکتا ہے۔

(ابوحنیفہ) صرف قرآن و سنت میں موجود ماثور و مسنون دعائیں ہی پڑھی جا سکتی ہیں۔(۳)

(راجح) جمہور کا موقف راجح ہے کیونکہ حدیث کے یہ الفاظ " ثم ليتخير من الدعا ما أعجبه اليه " اور ایک دوسری حدیث میں "ما أحب" کے الفاظ اسی پر دلالت کرتے ہیں اور احناف کے موقف کو رد کرتے ہیں۔(٤)

وَالتَّسْلِيْمُ	اور سلام پھیرنا (واجب ہے)۔ ❶

❶ (1) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿......وتحليلها التسليم﴾ "صرف نماز کو سلام کے ساتھ ہی ختم کیا جا سکتا ہے۔"(٥)

امام شوکانی رقمطراز ہیں کہ " تحليلها " میں اضافت حصر کا تقاضا کرتی ہے گویا اس کا معنی یہ ہے " لا تحليل لها غيره " یعنی سلام کے علاوہ کسی چیز سے نماز کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔(٦)

یہ سلام کے وجوب کی واضح دلیل ہے۔

(2) نبی ﷺ نے اسی پر مداومت اختیار فرمائی جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ﴿وكان يختم الصلاة بالتسليم﴾ "آپ ﷺ سلام کے ساتھ نماز ختم کرتے تھے۔"(٧)

---

(۱) [بخاری (٨٣٤، ٦٣٢٦) كتاب الأذان : باب الدعاء قبل السلام، مسلم (٢٧٠٥) ترمذی (٣٥٣١) نسائی (٥٣/٣) ابن ماجة (٣٨٣٥) أحمد (٣/١) ابن خزيمة (٨٤٦)]

(۲) [مسلم (٧٧١) كتاب صلاة المسافرين وقصرها : باب الدعاء في صلاة الليل و قيامه، أبو داد (٧٦٠) صفة صلاة النبي للألباني (ص/١٨٧)]

(٣) [نيل الأوطار (١١٣/٢)]

(٤) [سبل السلام (٤٤٤/١) نيل الأوطار (١١٣/٢)]

(٥) [حسن : صحيح أبو داود (٥٧٧) كتاب الصلاة : باب الإمام يحدث بعد ما يرفع رأسه من آخر ركعة، أبو داود (٦١٨) ترمذی (٣) ابن ماجة (٢٧٥)]

(٦) [نيل الأوطار (١٤٢/٢)]

(٧) [مسلم (٤٩٨) كتاب الصلاة : باب ما يجمع صفة الصلاة وما يفتتح به......، ابن ماجة (٢٩٦/١) دارمی (٣١٠/١)]

اس مسئلے میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔

(شافعیؒ، احمدؒ، جمہور صحابہ و تابعین) ایک طرف سلام واجب ہے اور دوسری طرف سنت ہے۔

(مالکؒ) محض ایک سلام ہی مسنون ہے۔

(احناف) نماز سے خارج ہونے کے لیے سلام واجب نہیں ہے بلکہ اگر نماز کے منافی کسی عمل یا حدث وغیرہ سے بھی نماز ختم کر دی جائے تو جائز ہے البتہ سلام پھیرنا سنت بہر حال ہے۔(۱)

(شوکانیؒ) حدیث مسیئ الصلاۃ کی تاریخ کے بعد اگر وجوب ثابت ہو جائے (تو اسے قبول کیا جائے گا)۔(۲)

سلام کو سنت کہنے والوں کے دلائل:

(1) حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام نماز مکمل کر کے بیٹھے ﴿فأحدث قبل أن يسلم فقد تمت صلاته﴾ ''اور سلام پھیرنے سے پہلے بے وضوء ہو جائے تو اس کی نماز پوری ہوگئی۔'' (۳)

(2) مسیئ الصلاۃ کی حدیث میں سلام کا ذکر نہیں اس لیے یہ واجب نہیں۔ اور " **تاخير البيان عن وقت الحاجة لا يجوز** "۔ اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ مسیئ الصلاۃ کی حدیث اس کے مخالف نہیں ہے کیونکہ یہ (صحیح حدیث میں موجود) زیادتی ہے جو کہ مقبول ہوتی ہے۔(٤)

(راجح) وجوب کا قول ہی راجح ہے۔ (واللہ اعلم)

(ابن تیمیہؒ) جو شخص سلام سے پہلے بے وضوء ہو گیا اس کی نماز باطل ہے خواہ فرض ہو یا نفل۔(٥)

(نوویؒ) صحابہ و تابعین اور ان کے بعد آنے والوں میں سے جمہور علماء وجوب کے قائل ہیں۔(٦)

(عبدالرحمن مبارکپوریؒ) وجوب کے قائل ہیں۔(٧)

(امیر صنعانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٨)

(ابن حزمؒ) سلام فرض ہے اور اس کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی۔(٩)

---

(۱) [المجموع (۴٦۲/۳) الأم (۲۳٤/۱) رد المختار (۱٦۲/۲) الهداية (٥۳/۱) المبسوط (۳۰/۱)]

(۲) [السيل الجرار (۲۲۰/۱-۲۲۱)]

(۳) [**ضعيف** : ضعيف أبو داود (۱۲۲) ضعيف الجامع (٦۳٥) أبو داود (٦۱۷) كتاب الصلاة : باب الإمام يحدث بعد ما يرفع رأسه ' ترمذی (٤۰۸) شرح معانی الآثار (۲۷٤/۱) دارقطنی (۳۷۹/۱) بیهقی (۱۷۲۳۲) شرح السنة (۲۲۹/۲)] اس حدیث کی سند میں عبدالرحمن بن زیاد بن انعم الافریقی راوی ہے کہ جسے بعض اہل علم نے ضعیف کہا ہے۔ [نيل الأوطار (۱٤۳/۲)] امام نوویؒ رقمطراز ہیں کہ حفاظ کا اتفاق ہے کہ یہ راوی ضعیف ہے۔ [المجموع (٤٦۲/۳)]

(٤) [سبل السلام (٤٥٥/۱)]

(٥) [مجموع الفتاوى (٦۱۳/۲۲)]

(٦) [شرح مسلم (۹۰/۳)]

(٧) [تحفة الأحوذی (٤٤/۱)]

(٨) [سبل السلام (٤٥٥/۱)]

(٩) [المحلى بالآثار (۳۰٤/۲)]

(البانیؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(۱)

○ واضح رہے کہ تین سلاموں کے بارے میں کوئی قابل اعتبار چیز وارد نہیں ہے۔(۲)

239- سلام کے الفاظ اور اس کا طریقہ

(1) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ اپنے دائیں اور بائیں جانب (اس طرح) سلام کہتے تھے " السلام علیکم ورحمة الله ' السلام علیکم ورحمة الله " حتی کہ آپ کے رخسار کی سفیدی دیکھی جاسکتی تھی۔(۳)

(2) حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے بھی اسی معنی میں حدیث مروی ہے۔(٤)

(3) حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں دونوں سلاموں میں "ورحمة الله" کے بعد "وبركاته" کے الفاظ زائد ہیں۔(٥)

احادیث میں سلام کے دو طریقے منقول ہیں:

(1) جیسا کہ ابھی گزرا ہے کہ دائیں اور بائیں دونوں جانب کچھ چہرہ پھیرتے ہوئے دونوں طرف سلام کہنا۔

(2) صرف ایک طرف سلام کہتے ہوئے ہلکا سا دائیں جانب چہرہ پھیرنا۔

مذکورہ دوسرا طریقہ اُس حدیث میں ہے کہ جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے نو رکعت وتر کے بیان میں روایت کیا ہے ﴿ثم يسلم تسليمة يسمعنا﴾ "پھر آپ ﷺ ایک مرتبہ سلام کہتے ہوئے ہمیں (آواز) سناتے۔"(٦)

ایک اور روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿كان يسلم فى الصلاة تسليمة واحدة تلقاء وجهه ثم يميل إلى الشق الأيمن شيئا﴾ "آپ ﷺ نماز میں سیدھا چہرے کے رخ ایک مرتبہ سلام کہتے پھر قدرے دائیں جانب مائل ہوتے۔"(٧)

---

(۱) [التعليقات الرضية على الروضة الندية (۲۷٥/۱) صفة صلاة النبى (ص/۱۸۸)]

(۲) [السيل الجرار (۲۲۱/۱)]

(۳) [صحيح : أبو داود (۹۹٦) كتاب الصلاة : باب فى السلام ' مسلم (۱۱۷) أحمد (٤٤٤/۱) ترمذى (۲۹٥) نسائى (٦۳/۳) ابن ماجة (۹۱٤) بيهقى (۱۷۷/۲) دارقطنى (۳٥٦/۱)]

(٤) [أبو عوانة (۲۳۷/۲) دارقطنى (۳٥٦/۱) الحلية لأبى نعيم (۱۷٦/۸)]

(٥) [صحيح : صحيح أبو داود (۸۷۹) تمام المنة (ص/۱۷۱) إرواء الغليل (۳۰/۲) أبو داود (۹۹۷) كتاب الصلاة : باب فى السلام ' أحمد (۳۱٦/٤) بيهقى (۱۷۸/۲)] شیخ البانیؒ کی تحقیق کے مطابق "وبركاته" کا لفظ پہلے سلام (یعنی دائیں جانب) میں ثابت ہے جبکہ دوسرے سلام (یعنی بائیں جانب) میں ثابت نہیں ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ [بلوغ المرام (۳۰۱)] شیخ محمد صبحی حسن حلاق نے اسے صحیح کہا ہے۔ [التعليق على السيل الجرار (٤۷۳/۱)] شیخ حازم علی قاضی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ [التعليق على سبل السلام (٤٥۲/۱)]

(٦) [مسلم (۷٤٦) كتاب صلاة المسافرين وقصرها : باب جامع صلاة الليل...... ' أبو داود (۱۳٤۲) ابن ماجة (۱۱۹۱) أبو عوانة (۳۲۱/۲) ابن خزيمة (۷٤٦) ابن حبان (۲٤٤۲)]

(۷) [صحيح : صحيح ترمذى (۲٤۲) كتاب الصلاة : باب ما جاء فى التسليم فى الصلاة ' صحيح ابن ماجة (۷٥۰) ترمذى (۲۹٦) ابن ماجة (۹۱۹) ابن خزيمة (۷۲۹) ابن حبان (۱۹۹٥) دارقطنى (۳٥۸/۱) حاكم (۲۳۱/۱) بيهقى (۱۷۹/۲)]

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اگر صرف ایک طرف ہی سلام پھیر دیا جائے تو یہ بھی درست ہے۔

(ابن منذرؒ) علماء کا اس مسئلے میں اجماع ہے کہ جس نے صرف ایک سلام پر ہی اکتفاء کر لیا اس کی نماز درست ہے۔(۱)

(نوویؒ) قابل اعتبار علماء کا اجماع ہے کہ صرف ایک سلام ہی واجب ہے۔(۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما' حضرت انس رضی اللہ عنہ' حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' حضرت حسن رضی اللہ عنہ' امام ابن سیرین' حضرت عمر بن عبدالعزیز' امام مالک' امام اوزاعی اور ایک قول کے مطابق امام شافعی رحمہم اللہ اجمعین ایک سلام کی مشروعیت کے قائل ہیں۔(۳)

○ سلام پھیرتے وقت اپنے ہاتھوں سے دائیں اور بائیں جانب اشارہ کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا ﴿علام تومون بايديكم كأنها أذناب خيل شمس؟ إنما يكفي أحدكم أن يضع يده على فخذه ثم يسلم على أخيه من على يمينه وشماله﴾ ''تم اپنے ہاتھوں کو بدکے ہوئے گھوڑوں کی دموں کی مانند کیوں حرکت دیتے ہو؟ تم میں سے ایک کو تو اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنا ہاتھ اپنی ران پر رکھے پھر اپنے دائیں اور بائیں جانب (بیٹھے ہوئے) بھائی پر سلام کہے۔''(٤)

وَمَا عَدَا ذٰلِکَ فَسُنَنٌ وَهِيَ الرَّفْعُ فِي الْمَوَاضِعِ الْأَرْبَعَةِ	اور جو اس کے علاوہ ہیں وہ سنتیں ہیں اور وہ یہ ہیں' چار مرتبہ رفع الیدین کرنا۔ ❶

❶ چار مرتبہ رفع الیدین سے مراد یہ ہے:

① تکبیر تحریمہ کے وقت ② رکوع میں جاتے ہوئے ③ رکوع سے اٹھتے وقت

(1) حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ﴿يرفع يديه إذا كبر وإذا ركع وإذا رفع رأسه من الركوع﴾ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھوں کو (کانوں تک) اٹھاتے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کہتے' جب رکوع کرتے اور جب اپنے سر کو رکوع سے اٹھاتے۔''(٥)

(2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ﴿كان النبي ﷺ إذا قام إلى الصلاة رفع يديه حتى يكونا حذو منكبيه ثم يكبر﴾ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے پھر تکبیر کہتے۔''(٦)

---

(۱) [نيل الأوطار (۱۳٦/۲)]

(۲) [شرح مسلم (۳۱۰/۳)]

(۳) [نيل الأوطار (۱۳٦/۲) تحفة الأحوزي (۲۰۱/۲)]

(٤) [مسلم (٤۳۱) كتاب الصلاة ' باب الأمر بالسكون في الصلاة ' أحمد (۸٦/٥) أبو داود (۹۹۸) نسائي (٦۱/۳) أبو عوانة (۲۳۸/۲) بيهقي (۱۷۸/۲)]

(٥) [بخاري (۷۳۷) كتاب الأذان : باب رفع اليدين إذا كبر...... ' مسلم (۳۹۱) أحمد (۳٤٦/۳) دارمي (۲۸٥/۱) بيهقي (۷۱/۲) أبو داود (۷٤٥) نسائي (۱۲۳/۲) ابن ماجة (۸٥۹)]

(٦) [بخاري (۷۳٦) أيضا ' مسلم (۳۹۰) موطا (۷٥/۱) بيهقي (۲٦/۲) أحمد (۱٤۷/۱) دارمي (۲۸٥/۱) أبو داود (۷۲۱) ابن ماجة (۸٥۸)]

④ تیسری رکعت کے لیے اٹھتے وقت

(1) حضرت نافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اور جب رکوع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اور جب " سمع الله لمن حمده " کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے ﴿وإذا قام من الركعتين رفع يديه﴾ ''اور جب دو رکعتوں (سے فراغت کے بعد تیسری کے لیے) کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے۔'' اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع بیان کیا ہے۔(۱)

(ابن حجرؒ) رقمطراز ہیں کہ امام بخاریؒ نے یہ بات ذکر کی ہے کہ رکوع میں جاتے وقت اور اس سے اٹھتے وقت رفع الیدین (کی حدیث) سترہ صحابہ سے مروی ہے۔(۲)

(بخاریؒ) انہوں نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ "جزء رفع اليدين" کے نام سے تحریر کیا ہے اور اس میں امام حسنؒ اور امام حمید بن ہلالؒ سے حکایت بیان کی ہے کہ ((أن الصحابة كانوا يفعلون ذلك)) تمام صحابہ یہ عمل (یعنی رفع الیدین) کیا کرتے تھے۔'' امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ امام حسنؒ نے کسی (ایک صحابی) کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا۔(۳)

(نوویؒ) تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کرنے پر امت کا اجماع ہے البتہ اس کے علاوہ (دوسری جگہوں میں) انہوں نے اختلاف کیا ہے۔(٤)

(محمد بن نصر مروزیؒ) (رکوع میں جاتے وقت اور اٹھتے وقت) رفع الیدین کی مشروعیت پر اہل کوفہ کے سوا علمائے امصار نے اجماع کیا ہے۔(٥)

(جمہور صحابہ وتابعین) تکبیر تحریمہ کے علاوہ رکوع کرتے وقت اور اس سے اٹھتے وقت بھی رفع الیدین مشروع ہے۔

(شافعیؒ، احمدؒ، مالکؒ) اسی کے قائل ہیں۔ امام شافعیؒ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ رفع الیدین کو صحابہ کی اتنی بڑی جماعت نے روایت کیا ہے کہ شاید اس سے زیادہ تعداد کے ساتھ کبھی بھی کوئی حدیث روایت نہ کی گئی ہو۔

(احناف، مالکیہ) تکبیر تحریمہ کے علاوہ کسی بھی جگہ رفع الیدین مسنون نہیں۔(٦)

مخالفین رفع الیدین کے دلائل اور ان کے جوابات:

(1) حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے اور فرمایا ﴿مالي أراكم رافعي أيديكم كأنها أذناب خيل شمس اسكنوا في الصلاة﴾ ''کیا ہے مجھے کہ میں تمہیں رفع الیدین کرتے ہوئے دیکھتا

---

(۱) [بخاری (۷۳۹) کتاب الأذان: باب رفع اليدين إذا قام من الركعتين' أبو داود (۷٤۱) أحمد (۱۰۰/۲) نسائی (۱۲۲/۲)]

(۲) [فتح الباري (۲۵۷/۲)]

(۳) [تحفة الأحوذي (۱۱۲/۲) تلخيص الحبير (۲۲۰/۱)]

(٤) [شرح مسلم (۳۳۰/۲)]

(٥) [فتح الباري (۲۵۷/۲)]

(٦) [جامع ترمذي (بعد الحديث / ۲٥٦) تحفة الأحوذي (۱۱۳/۲) نيل الأوطار (٦۹۲/۱) الفقه الإسلامي و أدلته (۸۷۱/۲) الأم للشافعي (۲۱٦/۱) الحاوي (۱۱٦/۲) المبسوط (۱٤/۱) روضة الطالبين (۳۳۸/۱) كشاف القناع (۳٤٦/۱) شرح مسلم للنووي (۳۳۱/۲)]

ہوں گویا کہ (تمہارے ہاتھ) سرکش گھوڑوں کی دمیں ہیں' نماز میں آرام کیا کرو۔''(۱)

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے:

① اس حدیث میں یہ کہیں موجود نہیں ہے کہ یہ ممانعت رکوع والے رفع الیدین کے متعلق ہے۔

② اس حدیث کے ورود کا ایک خاص سبب ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی ہی دوسری روایت میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''جب ہم سلام پھیرتے تو اپنے ہاتھوں کے ساتھ دونوں جانب اشارہ بھی کرتے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم اپنے ہاتھوں کو بدکے ہوئے گھوڑوں کی دموں کی مانند کیوں حرکت دیتے ہو' تم میں سے کسی ایک کو تو اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنا ہاتھ اپنی ران پر رکھے پھر اپنے دائیں اور بائیں جانب (بیٹھے ہوئے) بھائی کو سلام کرے۔''(۲)

③ اگر رفع الیدین نماز میں سکون کے منافی ہے تو مخالفین (یعنی احناف) وتروں میں رفع الیدین کیوں کرتے ہیں۔

(2) امام علقمہؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ﴿ألا أصلى بكم صلاة رسول الله ؟ قال: فصلى فلم يرفع يديه إلا مرة﴾ ''میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھ کے نہ دکھاؤں؟ پھر انہوں نے نماز پڑھی اور صرف ایک مرتبہ رفع الیدین کیا۔''(۳)

(ابن حزمؒ) یہ خبر صحیح ہے اور اگر یہ حدیث صحیح نہ ہوتی تو ہر (مرتبہ رکوع سے) اٹھتے اور جھکتے وقت رفع الیدین فرض ہوتا۔ لیکن چونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی خبر صحیح ہے اس لیے ہمیں یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع الیدین صرف سنت و مستحب ہے۔(٤)

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے:

① یہ حدیث دیگر متعدد صحیح و متواتر احادیث کے خلاف ہے لہٰذا قابل حجت نہیں۔

② صحابی کا عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے مقابلے میں حجت نہیں۔

③ اگرچہ حدیث صحیح ہے لیکن اس سے رفع الیدین کی نفی لازم نہیں آتی بلکہ صرف تاکید میں کچھ کمی واقع ہو جاتی ہے وگرنہ مشروعیت تو دیگر کئی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

(3) امام علقمہؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی ﴿فلم يرفعوا أيديهم إلا عند الاستفتاح﴾ ''تو ان سب نے تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع الیدین نہیں کیا۔''(٥)

اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابن جوزیؒ نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔ اور امام دارقطنیؒ اسی روایت کو نقل کرنے کے

---

(۱) [مسلم (٤٣٠) كتاب الصلاة : باب الأمر بالسكون فى الصلاة......' أبو داود (١٠٠٠)]

(۲) [مسلم (٤٣١) كتاب الصلاة : باب الأمر بالسكون فى الصلاة......' أحمد (٨٦/٥) أبو داود (٩٩٨) أبو عوانة (٢٣٨/٢)]

(۳) [صحيح : صحيح أبو داود (٦٨٣) كتاب الصلاة : باب من لم يذكر الرفع عند الركوع ' أبو داود (٧٣٨) ترمذى (٢٥٧) أحمد (٣٨٨/١) نسائى (١٨٢/٢) شرح معانى الآثار (٢٢٤/١)] شیخ احمد شاکرؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [التعليق على الترمذى (٤١/٢)] شیخ شعیب ارنؤوط' شیخ عبدالقادر ارنؤوط اور زہیر شاویش وغیرہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ [التعليق على شرح السنة (٢٤/٣)]

(٤) [المحلى (٤/٣)]

(٥) [دارقطنى (٢٩٥/١) بيهقى (٧٩/٢)]

بعد فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں محمد بن جابر راوی "عن حماد" ضعیف ہے۔ اور امام بیہقیؒ نے بھی اسے مرسل و موقوف کہا ہے۔

(4) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے کانوں تک اٹھاتے ﴿ثم لا یعود﴾ "پھر دوبارہ ایسا (یعنی رفع الیدین) نہیں کرتے تھے۔" (۱)

امام شوکانیؒ رقمطراز ہیں کہ حفاظ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس حدیث میں ﴿ثم لم یعد﴾ کے الفاظ مدرج ہیں۔ (۲)

(5) ابتدائے اسلام میں بعض لوگ نماز پڑھتے ہوئے بغلوں میں بت رکھ لیا کرتے تھے اس لیے رفع الیدین کا حکم دیا گیا جو کہ بعد میں منسوخ ہو گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بغلوں میں بت چھپانے والا دعوی بلا دلیل ہے کہ جو کسی صحیح حدیث واثر سے تو درکنار کسی ضعیف و من گھڑت روایت سے بھی ثابت نہیں۔

معلوم ہوا کہ جن احادیث وروایات سے رفع الیدین کی مشروعیت کو رد کرنے کی کوشش کی جاتی ہے وہ یا تو ضعیف و من گھڑت ہیں یا مبہم و غیر واضح ہیں لہٰذا چونکہ دیگر صحیح احادیث سے چاروں جگہوں میں رفع الیدین ثابت ہے اس لیے انہی پر عمل کیا جائے گا۔

(شوکانیؒ) چاروں جگہوں میں رفع الیدین کرنا مشروع وثابت ہے۔ (۳)

(صدیق حسن خانؒ) صحیح وثابت روایات اور راجح و پسندیدہ آثار سے چاروں جگہوں میں رفع الیدین ثابت ہے۔ (٤)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) اسی کے قائل ہیں۔ (٥)

(مولانا عبدالحی لکھنوی حنفیؒ) رفع الیدین منسوخ نہیں ہے۔ (٦)

(سعودی مجلس افتاء) چاروں جگہوں میں رفع الیدین ثابت ہے۔ (۷)

○ مسئلہ رفع الیدین کی مزید تفصیل کے لیے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ مفید ہے:

(1) التحقیق الراسخ فی أن أحادیث رفع الیدین لیس لھا ناسخ (حافظ محمد گوندلویؒ)

(2) نور العینین فی مسئلة رفع الیدین (مولانا زبیر علی زئی حفظہ اللہ)

(3) جزء رفع الیدین (امام بخاریؒ)

(4) انسائیکلو پیڈیا آف اثبات رفع الیدین (مولانا خالد گھرجاکھی حفظہ اللہ)

(5) 12 مسائل (حکیم عبدالرحمٰن خلیق)

---

(۱) [ضعیف : ضعیف أبو داود (۱۵۳، ۱۵٤، ۱۵۵، ۱۵٦) کتاب الصلاة : باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع، شرح معانی الآثار (۲۲٤/۱) دارقطنی (۲۹٤/۱) بیھقی (۷٦/۲) یہ حدیث شریف راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ شیخ البانیؒ نے اس حدیث اور اس معنی کی تمام دیگر روایات کو ضعیف کہا ہے۔]

(۲) [نیل الأوطار (٦۹٥/۱)]

(۳) [السیل الجرار (۲۲٦/۱) نیل الأوطار (٦۹۹/۱)]

(٤) [الروضة الندیة (۲٦۲/۱)]

(٥) [تحفة الأحوذی (۱۱۳/۲)]

(٦) [التعلیق الممجد (ص/۸۹)]

(۷) [الفتاوی الإسلامیة (۲۳۳/۱)]

○ ایک دلچسپ واقعہ:

امام زیلعیؒ "جزء رفع الیدین للبخاری" سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام ابن مبارکؒ رفع الیدین کیا کرتے تھے...... وہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے نعمانؒ (یعنی امام ابوحنیفہؒ) کے ایک جانب نماز پڑھی تو میں نے رفع الیدین کیا۔ انہوں نے (نماز سے فراغت پر) مجھے کہا' مجھے (نماز میں) خدشہ لاحق ہوا کہ تم اڑنے لگے ہو۔ امام ابن مبارکؒ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: جب میں پہلی مرتبہ (رفع الیدین کے ساتھ) نہیں اُڑا تو دوسری مرتبہ بھی نہیں اُڑا۔ امام وکیعؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ امام ابن مبارکؒ پر رحم فرمائیں وہ بڑے حاضر جواب تھے۔(۱)

240- سجدوں میں رفع الیدین ثابت نہیں

ایک روایت میں ہے کہ ﴿ولا يفعله حين يرفع رأسه من السجود﴾ "آپ ﷺ جب سجدوں سے سر اٹھاتے تو ایسا (یعنی رفع الیدین) نہیں کرتے تھے۔"(۲)

241- رفع الیدین کرتے ہوئے انگلیوں کی کیفیت

(1) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كان رسول الله إذا قام إلى الصلاة رفع يديه مدا﴾ "رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھوں کو لمبا کرکے اٹھاتے۔"(۳)

(2) آپ ﷺ کی انگلیاں (رفع الیدین کے وقت) نہ زیادہ کھلی ہوتی تھیں اور نہ ہی بہت زیادہ ملی ہوتی تھیں۔(٤)

وَالضَّمُّ	اور ہاتھ باندھنا (سنت ہے)۔ ❶

❶ (1) حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے جب نماز شروع کی تو تکبیر کے بعد ﴿ثم وضع يده اليمنى على اليسرى﴾ "پھر آپ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ لیا۔"(٥)

(2) حضرت قبیصہ بن ھلب رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں امامت کرواتے تھے ﴿فيأخذ شماله بيمينه﴾ "اور آپ ﷺ اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں کے ساتھ پکڑ لیتے تھے۔"(٦)

(جمہور صحابہ وتابعین) تکبیر تحریمہ کے بعد نمازی کا اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھنا مسنون ہے۔

---

(۱) [نصب الراية (٤١٧/١) تحفة الأحوذي (١١٣/٢ ـ ١١٤)]

(۲) [مسلم (٣٩٠) كتاب الصلاة : باب استحباب رفع اليدين حذوا المنكبين......]

(۳) [صحيح : صحيح ترمذي (١٩٩) صحيح أبو داود (٧٣٥) كتاب الصلاة : باب من لم يذكر الرفع عند الركوع التعليق على ابن خزيمة (٤٥٩) أحمد (٣٧٥/٢) ترمذي (٢٤٠) أبو داود (٧٥٣) نسائي (١٢٤/٢)]

(٤) [ابن خزيمة (٤٥٩)]

(٥) [مسلم (٤٠١) كتاب الصلاة : باب وضع يده اليمنى على اليسرى ......' أبو داود (٧٢٤) ابن ماجة (٨٦٧) أحمد (٣١٦/٤) دارمي (٢٨٦/١) نسائي (١٢٣/٢)]

(٦) [حسن : صحيح ترمذي (٢٠٧) ترمذي (٢٥٢)]

(مالکؒ) ہاتھ چھوڑنے کے قائل ہیں (یاد رہے کہ یہ قول شاذ ہے)۔(۱)

242- ہاتھ باندھنے کے تین طریقے منقول ہیں

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ﴿ثم وضع يده اليمنى على ظهر كفه اليسرى والرسغ والساعد﴾ "پھر آپ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ کی پشت پر، کلائی پر اور بازو پر رکھا۔ (یعنی کبھی ہاتھ کو ہاتھ پر رکھتے، کبھی ہاتھ کو کلائی پر اور کبھی بازو پر رکھ لیتے تھے۔)(۲)

243- ہاتھ باندھنے کی جگہ

اس میں اگرچہ علماء کا اختلاف تو ہے لیکن راجح و برحق یہی ہے کہ سینے پر ہاتھ باندھے جائیں اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿صليت مع رسول الله ﷺ فوضع يده اليمنى على يده اليسرى على صدره﴾ "میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر اپنے سینے پر رکھا۔"(۳)

(2) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كان الناس يؤمرون أن يضع الرجل اليد اليمنى على ذراعه اليسرى في الصلاة﴾ "لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ آدمی نماز میں دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں بازو پر رکھے۔"(٤)

واضح رہے کہ جب بائیں بازو (یعنی کہنی تک) پر دایاں ہاتھ رکھا جائے گا تو دونوں ہاتھ خود بخود سینے پر آ جائیں گے۔

(3) امام طاؤسؒ بیان کرتے ہیں کہ ﴿كان رسول الله ﷺ يضع يده اليمنى على يده اليسرى ثم يشد بينهما على صدره وهو في الصلاة﴾ "رسول اللہ ﷺ اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھتے پھر انہیں اپنے سینے پر باندھتے اور آپ ﷺ حالت نماز میں ہوتے۔"(٥)

(البانیؒ) یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے لیکن سب علماء کے نزدیک یہاں حجت ہے کیونکہ دوسری سندوں سے موصول بھی وارد ہوتی ہے۔(٦)

(ابوحنیفہؒ) نماز میں مرد اپنے ہاتھوں کو ناف سے نیچے اور عورت سینے پر باندھے گی۔

(مالکؒ) ان سے تین روایات منقول ہیں:

(1) اپنے ہاتھوں کو کھلا چھوڑ دیا جائے (یہی زیادہ مشہور ہے)۔

(2) ہاتھوں کو سینے سے نیچے اور ناف سے اوپر رکھا جائے۔

(3) ہاتھ باندھنے اور چھوڑنے میں اختیار ہے۔

---

(۱) [الفقه الإسلامي وأدلته (۸۷۳/۲) نيل الأوطار (۷۰٤/۱)]

(۲) [صحيح : صحيح أبو داود (٦٦٧) كتاب الصلاة : باب رفع اليدين في الصلاة ' أبو داود (۷۲۷) التعليق على المشكاة للألباني (۲٤۹/۱)]

(۳) [صحيح : صحيح ابن خزيمة (۲٤۳/۱) '(٤۷۹)]

(٤) [بخاري (۷٤۰) كتاب الأذان : باب وضع اليمنى على اليسرى ' مؤطا (۱۵۹/۱) أحمد (۳۳٦/۵)]

(٥) [صحيح : صحيح أبو داود (٦۸۷) كتاب الصلاة : باب وضع اليمنى على اليسرى في الصلاة ' أبو داود (۷۵۹)]

(٦) [إرواء الغليل (۷۱/۲)]

(شافعیؒ) ان سے تین روایات منقول ہیں:

(1) اپنے ہاتھوں کو سینے سے نیچے اور ناف سے اوپر رکھا جائے۔

(2) سینے پر رکھا جائے۔

(3) ناف سے نیچے رکھا جائے۔

(احمدؒ) ان سے بھی تین روایات منقول ہیں:

(1) ہاتھوں کو ناف سے نیچے باندھا جائے۔

(2) سینے سے کچھ نیچے باندھا جائے۔

(3) ان دونوں میں اختیار ہے۔(۱)

ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے کے قائل حضرات کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿من السنة وضع الأكف على الأكف تحت السرة﴾ "ہاتھوں کو ہاتھوں پر ناف سے نیچے باندھنا سنت ہے۔"(۲)

(راجح) اس مسئلے میں سب سے زیادہ صحیح روایت حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (جو کہ "صحیح ابن خزیمة" میں ہے اور اس میں "على صدره" کے لفظ ہیں)۔(۳)

وَالتَّوَجُّهُ بَعْدَ التَّكْبِيرَةِ	اور تکبیر تحریمہ کے بعد دعائے استفتاح پڑھنا۔ ❶

❶ مختلف احادیث میں مختلف دعائیں منقول ہیں جن میں سے کسی ایک کا پڑھ لینا کفایت کر جاتا ہے البتہ ان میں سے سب سے زیادہ صحیح وہ دعا ہے جو صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (یعنی مندرجہ ذیل پہلی دعا)۔(٤)

(1) "اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَّ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ، اَللّٰهُمَّ نَقِّنِيْ مِنْ خَطَايَايَ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ ، اَللّٰهُمَّ اغْسِلْنِيْ مِنْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ"۔ "اے اللہ میرے اور میرے گناہوں کے درمیان دوری ڈال دے جس طرح تو نے مشرق و مغرب کے درمیان دوری ڈالی ہے۔ اے اللہ! مجھے میرے گناہوں سے اس طرح صاف کر دے جس طرح سفید کپڑا میل کچیل سے صاف کیا جاتا ہے۔ اے اللہ! مجھے میرے

---

(۱) [شرح المهذب (۲٦٧/۳) الحاوى للماوردى (۹۹/۲) روضة الطالبين (۳۳۹/۱) المبسوط (۲۳/۱) سبل السلام (۲۳۷/۱) نيل الأوطار (۷۰٦/۱)]

(۲) [ضعيف : ضعيف أبو داود (۱٥۷) كتاب الصلاة : باب وضع اليمنى على اليسرى فى الصلاة ، أبو داود (۷٥٦) أحمد (۱۱۰/۱) بيهقى (۳۱/۲)] امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی تضعیف پر (علماء نے) اتفاق کیا ہے۔[الخلاصة (۳٥۹/۱)] اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن اسحاق کوفی راوی (ضعیف ہے)' امام ابوداودؒ نے کہا ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ کو اس (راوی کا) ضعف بیان کرتے ہوئے سنا ہے اور امام بخاریؒ نے کہا ہے کہ اس راوی میں نظر ہے...... امام نوویؒ نے اس راوی کو بالاتفاق ضعیف قرار دیا ہے۔[نيل الأوطار (۷۰٦/۱) شرح مسلم للنووى (۱۰٥/۳)]

(۳) [نيل الأوطار (۷۰٦/۱) تحفة الأحوذى (۹۳/۲-۱۰۰) التعليق على المشكاة للألبانى (۲٤۹/۱)]

(٤) [تحفة الأحوذى (٥۹/۲) نيل الأوطار (۱۱/۲)]

گناہوں سے پانی' برف اور اولوں کے ساتھ دھو ڈال۔"(۱)

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائے نماز میں یوں کہتے تھے "سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَ بِحَمْدِکَ وَ تَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَا إِلٰهَ غَیْرُکَ۔"(۲)

(3) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں یہ دعا مذکور ہے "وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ......الخ"(۳)

(4) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ لفظ ہیں " اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَيَّامُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ......الخ"(٤)

(5) ایک اور روایت میں یہ دعا بھی موجود ہے " اَللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيْرًا (تین مرتبہ) وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا (تین مرتبہ) وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَأَصِيْلًا (تین مرتبہ)"(٥)

(شافعیؒ) دعائے استفتاح میں حدیث علی رضی اللہ عنہ ﴿إني وجهت وجهي ......﴾ کو مختار سمجھتے ہیں۔

(ابوحنیفہؒ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ﴿یعنی سبحانك اللهم وبحمدك......﴾ کو ترجیح دیتے ہیں۔

(مالکؒ) دعائے استفتاح کے علاوہ سورہ فاتحہ سے نماز شروع کی جائے گی۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے ﴿كان النبي ﷺ و أبوبكر وعمر يفتتحون الصلاة بالحمد لله رب العلمين﴾ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ "الحمد لله رب العلمين" سے نماز شروع کرتے تھے۔"(٦)

(راجح) دعائے استفتاح مختلف احادیث میں مختلف الفاظ کے ساتھ ثابت ہے لہٰذا ان میں سے کسی ایک کو اختیار کر لینا کافی ہے۔ (واللہ اعلم)

(شوکانیؒ) بلاتردد یہ بات ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (پہلی) تکبیر کے بعد دعائے استفتاح پڑھتے تھے اور قراءت کی ابتداء سے پہلے تعوذ پڑھتے تھے۔(٧)

---

(۱) [بخاری (٧٤٤) کتاب الأذان : باب ما يقول بعد التكبير' مسلم (٥٩٨) أحمد (٢٣١/٢) ابن ماجة (٨٠٥) أبو داود (٧٨١) دارمی (٢٨٣/١) نسائی (١٢٨/٢) ابن خزيمة (٤٦٥)]

(۲) [**صحيح** : صحيح أبو داود (٧٠٢) كتاب الصلاة : باب من رأى الاستفتاح بسبحانك اللهم و بحمدك' أبو داود (٧٧٦) ترمذی (٢٤٣) ابن ماجة (٨٠٦)]

(۳) [أحمد (٩٤/١) مسلم (٧٧١) كتاب صلاة المسافرين و قصرها : باب الدعاء في صلاة الليل وقيامه' أبو داود (٧٦٠) ترمذی (٣٤٢١) نسائی (١٢٩/٢) دارمی (٢٨٢/١)]

(٤) [**صحيح** : صحيح أبو داود (٦٩٨) كتاب الصلاة : باب ما يستفتح به الصلاة من الدعاء' أبو داود (٧٧١)]

(٥) [**ضعيف** : ضعيف أبو داود (١٦٠) كتاب الصلاة : باب ما يستفتح به الصلاة من الدعاء' المشكاة (٨١٧) إرواء الغليل (٣٤٢) أبو داود (٧٦٤) وله شاهد عند أبي داود (٧٧٥) ومسلم (٦٠١) وترمذی (٢٤٢)]

(٦) [الفقه الإسلامي و أدلته (٨٧٥/٢) الروضة الندية (٢٦٨/١) رد المختار (٤٥٦/١) نيل الأوطار (٥/٢)]

(٧) [السيل الجرار (٢٢٣/١)]

وَالتَّعَوُّذُ	اور تعوذ کہنا (سنت ہے)۔ ❶

❶ (1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ [النحل: ۹۸]
”جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔“

(2) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو دعائے استفتاح پڑھتے پھر کہتے ”أَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ“ (۱)

(3) تعوذ کے لیے کچھ دوسرے الفاظ بھی ثابت ہیں مثلاً ”اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ“ اور ”أَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ“ وغیرہ۔(۲)

(ابوحنیفہؒ، شافعیؒ، احمدؒ) نماز میں قراءت سے پہلے استعاذہ سنت ہے۔ امام حسنؒ، امام ابن سیرینؒ، امام عطاؒ، امام ثوریؒ، امام اوزاعیؒ، امام اسحاقؒ رحمہم اللہ اجمعین اور اصحاب الرائے کا یہی موقف ہے۔

(مالکؒ) استعاذہ نہیں کہنا چاہیے۔(۳)

تعوذ دعائے استفتاح کے بعد کہا جائے گا جیسا کہ گزشتہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور کہا ”الله اكبر كبيرا“ تین مرتبہ ”الحمد لله كثيرا“ تین مرتبہ ”سبحان الله بكرة وأصيلا“ تین مرتبہ (پھر کہا) ”أعوذ بالله من الشيطان من نفخه ونفثه وهمزه“ (۴)

244- کیا ہر رکعت میں تعوذ کہا جائے گا؟

شیخ البانیؒ اس آیت ﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ......﴾ کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے اسے ہر رکعت میں مشروع قرار دیتے ہیں اور مزید بیان کرتے ہیں کہ مذہب شافعیہ میں یہی زیادہ صحیح بات ہے اور امام ابن حزمؒ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔(۵)

(نوویؒ) ہمارے مذہب میں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ ہر رکعت میں تعوذ پڑھنا مستحب ہے۔ امام ابن سیرینؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔

(ابوحنیفہؒ) تعوذ صرف پہلی رکعت کے ساتھ خاص ہے امام عطاؒ، امام نخعیؒ اور امام ثوریؒ کا بھی یہی موقف ہے۔(۶)

---

(۱) [صحیح: صحیح أبو داود (۷۰۱) كتاب الصلاة: باب من رأى الاستفتاح بسبحانك اللهم، أبو داود (۷۷۵) ترمذی (۲۴۲) نسائی (۱۳۲/۲) ابن ماجة (۸۰۴) أحمد (۵۰/۳)]

(۲) [حجة البالغة (۸/۲) الروضة الندية (۲۶۹/۱) التعليق على السيل الجرار للشيخ محمد صبحي حلاق (۴۷۹/۱)]

(۳) [المغنی (۱۴۵/۲) نيل الأوطار (۱۳/۲)]

(۴) [ضعيف: ضعيف أبو داود (۱۶۰) كتاب الصلاة: باب ما يستفتح به الصلاة من الدعاء، أبو داود (۷۶۴) أحمد (۸۰/۴) ابن ماجة (۸۰۷) ابن خزيمة (۴۶۸) ابن حبان (۱۷۷۹) حاكم (۲۳۵/۱) بيهقی (۳۵/۲) المشكاة (۸۱۷) إرواء الغليل (۳۴۲)]

(۵) [تمام المنة (ص/۱۷۶)]

(۶) [المجموع (۳۲۶/۳)]

(راجح) صرف پہلی رکعت میں ہی تعوذ پڑھا جائے گا جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث اس کا واضح ثبوت ہے:

﴿أن النبی ﷺ کان إذا نهض من الرکعة الثانیة استفتح القراءة بالحمد لله رب العلمین﴾ ”نبی ﷺ جب دوسری رکعت سے اٹھتے تھے تو ”الحمد للہ رب العلمین“ کے ساتھ قراءت شروع فرماتے تھے۔“(۱)

معلوم ہوا کہ جب نبی ﷺ سے اس عمل کی وضاحت منقول ہے تو قرآنی آیت کے عموم سے استدلال درست نہیں۔

(شوکانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۲)

(ابن قیمؒ) آپ ﷺ جب (کسی رکعت کے لیے) اٹھتے تو قراءت شروع فرما دیتے اور خاموش نہ رہتے جیسا کہ ابتدائے نماز میں خاموش رہتے تھے۔(۳)

(سید سابقؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(٤)

245- تعوذ کے بعد بسم اللہ کی قراءت

سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مشروع ہے لیکن فقہاء نے اس کے حکم میں اختلاف کیا ہے۔

(شافعیؒ) یہ سورہ فاتحہ کی طرح واجب ہے۔

(مالکؒ) سری طور پر اور جہری طور پر دونوں طرح مکروہ ہے۔

(احمدؒ، ابو حنیفہؒ) بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے۔(٥)

حق بات یہی ہے کہ اس کی قراءت (سنت نبوی سے) ثابت ہے اور یہ ہر سورت کی آیت ہے۔(٦)

○ اس کے ثبوت کے بعد اس مسئلے میں اختلاف کیا گیا ہے کہ اسے اونچی آواز سے پڑھا جائے یا پوشیدہ پڑھا جائے۔

(شافعیؒ) اونچی آواز سے پڑھنا مسنون ہے۔

(جمہور، ابو حنیفہؒ، احمدؒ) اونچی آواز سے پڑھنا مسنون نہیں ہے۔

امام ترمذیؒ رقمطراز ہیں کہ صحابہ و تابعین میں سے اکثر اہل علم کا اسی پر (یعنی جمہور کے موقف پر) عمل ہے جن میں خلفاء اربعہ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن زبیر اور حضرت عمار رضی اللہ عنہم وغیرہ شامل ہیں۔(۷)

جن حضرات کے نزدیک مخفی و پوشیدہ پڑھنا مسنون ہے ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی ﷺ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز

---

(۱) [مسلم (۹٤۱) کتاب المساجد و مواضع الصلاة : باب ما یقال بین تکبیرة الإحرام والقراءة، ابن ماجة (۸۰٦) کتاب إقامة الصلاة و السنة فیها]

(۲) [نیل الأوطار (۳۰۳/۲)]

(۳) [زاد المعاد (۲۳٤/۱)]

(٤) [فقه السنة (۱۳۳/۱)]

(٥) [تحفة الأحوذی (٦۱/۲)]

(٦) [الروضة الندیة (۲۷۰/۱)]

(۷) [المغنی (۱٤۹/۲) تحفة الأحوذی (٦۱/۲) ترمذی، کتاب الصلاة : باب ما جآء فی ترك الجهر ببسم الله الرحمن الرحیم، عارضة الأحوزی (٤٤/۲)]

پڑھی ﴿فلم أسمع أحدا منهم يقرأ بسم الله الرحمن الرحيم﴾ ”میں نے ان میں سے کسی کو بھی ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔“ (١)

(2) ایک دوسری روایت میں ہے کہ ﴿فكانوا لا يجهرون بسم الله الرحمن الرحيم﴾ (حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہ) اونچی آواز سے ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ نہیں پڑھتے تھے۔“ (٢)

(3) صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ﴿وكانوا يستفتحون بالحمد لله رب العلمين لا يذكرون بسم الله الرحمن الرحيم في أول قراءة ولا آخرها﴾ ”(حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سب لوگ) نماز کا آغاز ”الحمد للہ رب العلمین“ سے کرتے تھے اور قراءت کے شروع اور آخر دونوں موقعوں پر ”بسم اللہ“ نہیں پڑھتے تھے۔“ (٣)

(4) امام ابن خزیمہؒ نے ایک روایت میں یہ لفظ بھی نقل فرمائے ہیں ﴿وكانوا يسرون﴾ ”وہ لوگ مخفی بسم اللہ پڑھا کرتے تھے۔“

حافظ ابن حجرؒ قمطراز ہیں کہ اسی پر امام مسلمؒ کی نفی کو محمول کیا جائے گا بخلاف ان لوگوں کے جنہوں نے اسے معلول کہا ہے۔ (٤)

ان لوگوں کے دلائل جن کے نزدیک اونچی آواز سے بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے:

(1) حضرت نعیم مجمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی امامت میں نماز پڑھی ﴿فقرأ بسم الله الرحمن الرحيم ثم قرأ بأم القرآن......﴾ ”انہوں نے پہلے ”بسم اللہ“ تلاوت فرمائی پھر اس کے بعد سورہ فاتحہ پڑھی۔“ اسی روایت میں آگے یہ لفظ ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ﴿والذين نفسي بيده إني لأشبهكم صلاة برسول الله﴾ ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یقیناً میں تم میں نماز کی ادائیگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت مشابہ ہوں۔“ (٥)

(2) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ﴿كانت مدا ثم قرأ بسم الله الرحمن الرحيم يمد "بسم الله" ويمد "بالرحمان" ويمد "بالرحيم"﴾ ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت مد کے ساتھ تھی۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھی اور کہا کہ ”بسم اللہ“ (لفظ اللہ کی لام کو) مد کے ساتھ پڑھتے ”الرحمن“ (میں میم) کو مد کے ساتھ پڑھتے اور ”الرحیم“ (میں حاء کو) مد کے ساتھ پڑھتے۔“ (٦)

(3) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نماز پڑھی ﴿وجهر بسم الله الرحمن الرحيم وقال أقتدى بصلاة رسول الله﴾ ”اور ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ کو اونچی آواز سے پڑھا اور کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی اقتدا کر رہا ہوں۔“ (٧)

(١) [أحمد (٢٧٣/٣) مسلم (٦٠٥) كتاب الصلاة : باب حجة من قال لا يجهر بالبسملة ' دارقطني (٣١٥/١)]

(٢) [أحمد (١٧٩/٣) نسائي (١٣٥/٢) دارقطني (٣١٥/١) شرح معاني الآثار (٢٠٣/١)]

(٣) [مسلم (٦٠٦) كتاب الصلاة : باب حجة من قال لا يجهر بالبسملة ' بيهقي (٥٠/٢) أحمد (٢٢٣/٣)]

(٤) [بلوغ المرام (٢٦٣)]

(٥) [ضعيف : ضعيف نسائي (٣٦) كتاب الافتتاح : باب قراءة (بسم الله الرحمن الرحيم) ' نسائي (٩٠٥) ابن خزيمة (٤٩٩) شرح معاني الآثار (١٩٩/١) دارقطني (٣٠٥/١) بيهقي (٤٦/٢)] حافظ ابن حجرؒ قمطراز ہیں کہ یہ حدیث اونچی آواز سے بسم اللہ کے متعلق واردشدہ احادیث میں سے سب سے زیادہ صحیح ہے۔ [فتح الباری (٣١٢/٢)] شیخ محمد صبحی حلاق نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ [التعليق على السيل الجرار (٤٨٦/١)]

(٦) [بخاري (٥٠٤٦) كتاب فضائل القرآن : باب مد القراءة]

(٧) [دارقطني (٣٠٨/١) كتاب الصلاة : باب وجوب قراءة (بسم الله الرحمن الرحيم) في الصلاة والجهر بها ' حاكم (٢٣٣/١)]

(البانیؒ) حق بات یہی ہے کہ اونچی آواز سے بسم اللہ پڑھنے کی کوئی صریح صحیح حدیث نہیں ہے۔(۱)
(راجح) دونوں طرح جائز و مباح ہے البتہ پوشیدہ پڑھنے کے متعلق احادیث زیادہ صحیح اور واضح ہیں۔
(ابن تیمیہؒ) عام اوقات میں پوشیدہ پڑھنا ہی سنت ہے جبکہ بعض اوقات اونچی آواز سے پڑھنا بھی جائز ہے۔(۲)
(ابن قیمؒ) آپ ﷺ "بسم اللہ" اونچی آواز سے پڑھتے تھے لیکن اونچی آواز سے پڑھنے کی نسبت ہلکی آواز سے زیادہ پڑھتے تھے۔(۳)
(شوکانیؒ) دونوں طرح جائز ہے۔(۴)
(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) میرے نزدیک پوشیدہ پڑھنا اونچی آواز سے پڑھنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔(۵)
یادرہے کہ جن احادیث میں "بسم اللہ" کا ذکر نہیں ہے انہیں راوی کے عدم علم یا اس کی قراءت کے مخفی ہونے پر محمول کیا جائے گا۔

وَالتَّأْمِيْنُ	اور آمین کہنا (سنت ہے)۔ ❶

❶ (1) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿إذا أمن الإمام فأمنوا فإنه من وافق تأمينه تأمين الملائكة غفرله ما تقدم من ذنبه﴾ "جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو بلاشبہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگئی اس کے گذشتہ گناہ معاف کردیے جائیں گے۔"(۶)
(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿ما حسدتكم اليهود على شيئ ما حسدتكم على السلام والتأمين﴾ "یہود تم سے کسی چیز پر اتنا حسد نہیں کرتے جتنا سلام اور آمین کہنے پر کرتے ہیں۔"(۷)
ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿إذا قال الإمام غير المغضوب عليهم ولاالضالين فقولوا آمين﴾ "جب امام "**غير المغضوب عليهم ولا الضالين**" کہے تو تم آمین کہو۔"(۸)
یہ حدیث بظاہر گذشتہ روایت ﴿إذا أمن الإمام فأمنوا﴾ کے مخالف معلوم ہوتی ہے (کیونکہ اس میں امام کے آمین کہنے پر آمین کا حکم ہے لیکن اس میں محض "ولا الضالين" پر ہی یہ حکم دیا گیا ہے) لیکن جمہور علماء نے ان میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ﴿إذا

---

(۱) [تمام المنة (ص/۱۶۹)]
(۲) [مجموع الفتاوى (۴۱۰/۲۲)]
(۳) [زاد المعاد (۱۹۹/۱)]
(۴) [نيل الأوطار (۲۳/۲)]
(۵) [تحفة الأحوذى (۶۱/۲)]
(۶) [بخاری (۶۴۰۲) كتاب الدعوات : باب فضل التأمين ' مسلم (۴۱۰) أبو داود (۹۳۶) ترمذی (۲۵۰) نسائی (۹۲۵ ' ۹۲۶) ابن ماجة (۸۵۱ ' ۸۵۲) موطا (۸۷/۱) ابن خزيمة (۵۶۹) أحمد (۲۳۳/۲) دارمی (۲۸۴/۱) حمیدی (۹۳۳)]
(۷) [**صحیح** : صحیح ابن ماجة (۶۹۷) كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها : باب الجهر بآمين ' الصحيحة (۶۹۱) الترغيب والترهيب (۳۲۸/۱)]
(۸) [بخاری (۷۸۲) كتاب الأذان : باب جهر المأموم بالتأمين ' مسلم (۴۱۰) كتاب الصلاة : باب التسبيح والتحميد والتأمين' موطا (۸۷/۱)]

أمن﴾ کا معنی ہے ﴿إذا أراد التامین﴾ ”جب امام آمین کہنے کا ارادہ کرے (تو تم بھی آمین کہہ دو)۔“ (۱)

246- اونچی آواز سے آمین کہنا مشروع ہے

(1) حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ”غیر المغضوب علیهم ولا الضالین“ کی قراءت کرتے تو آمین کہتے ﴿ورفع بها صوته﴾ ”اور اس (یعنی آمین) کے ساتھ اپنی آواز کو بلند کرتے۔“ (۲)

(2) حضرت نعیم مجمر رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھنے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب وہ ”غیر المغضوب علیهم ولا الضالین“ پر پہنچے تو انہوں نے آمین کہی اور لوگوں نے بھی آمین کہی ...... پھر انہوں نے فرمایا کہ نماز میں میں تم میں سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہوں۔“ (۳)

(3) حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے مقتدیوں نے اس قدر اونچی آواز سے آمین کہی کہ مسجد گونج اٹھی۔ (٤)

(احمدؒ، شافعیؒ، اسحاقؒ) آمین اونچی آواز سے کہنی چاہیے۔

(مالکؒ، ابوحنیفہؒ) آمین مخفی و پوشیدہ کہنی چاہیے۔ (٥)

آمین مخفی کہنے کے قائل حضرات کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کہی ﴿وخفض بها صوته﴾ ”اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (یعنی آمین) کے ساتھ اپنی آواز کو پست کیا۔“ (٦)

(2) حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بسم اللہ، تعوذ اور آمین اونچی آواز سے نہیں کہتے تھے۔“ (۷)

---

(۱) [نیل الأوطار (۲/٤٥)]

(۲) [صحیح : صحیح أبو داود (۸۲٤) کتاب الصلاۃ : باب التأمین وراء الامام، صحیح ترمذی (۲۰٥) أحمد (٣١٦/٤) أبو داود (۹۳۲) ترمذی (۲٤۸) بیہقی (۲/۵۷)]

(۳) [ضعیف : ضعیف نسائی (۳٦) کتاب الإفتتاح باب قراءة (بسم الله الرحمن الرحیم)، نسائی (۹۰٥)] شیخ محمد صبحی حسن حلاق نے اسے صحیح کہا ہے۔ [التعلیق علی السیل الجرار (٤٨٦/١)]

(٤) [عبدالرزاق (۲/۹٦) الأوسط لابن المنذر (۱۳۲/۳)]

(٥) [الأم (۲۱٤/۱) شرح المهذب (۳۳۱/۳) الفقه الإسلامی وأدلته (۸۸۰/۲) حلیة العلماء فی معرفة مذاهب الفقهاء (۱۰۷/۲) المبسوط (۳۲/۱) الهدایة (٤۸/۱) کشاف القناع (۳۳۹/۱) سبل السلام (۲٤۳/۱) نیل الأوطار (٤۸/۲)]

(٦) [شاذ : ضعیف ترمذی (٤١) کتاب الصلاۃ : باب ما جاء فی التأمین، ترمذی (۲٤۸) ابن ماجة (۸٥٥) أحمد (۳۱۸/٤) دارقطنی (۳۳٤/۱)] یہ روایت شعبہؒ سے مروی ہے اور ((مد بها صوته)) والی روایت سفیانؒ سے مروی ہے اور سفیان شعبہ سے زیادہ بڑا حافظ ہے جیسا کہ امام ترمذیؒ نے امام ابو زرعہؒ سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا ((حدیث سفیان فی هذا أصح من حدیث شعبة)) اس مسئلے میں سفیانؒ کی حدیث شعبہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔ [ترمذی، کتاب الصلاۃ : باب ما جاء فی التأمین]

(۷) [طحاوی (۱۵۰/۱) آثار السنن (۱۲٥)] یہ اثر بہت زیادہ ضعیف ہے۔ [أبکار المنن (۲۰۱)] اس کی سند میں سعید بن مرزبان البقال راوی ہے جس کے متعلق امام ابن معینؒ نے ((لا یکتب حدیثه)) کہا ہے اور امام بخاریؒ نے اسے منکر الحدیث کہا ہے۔ [میزان الاعتدال (۲۲۸/۳)]

(3) امام ابراہیم نخعیؒ سے مروی ہے کہ پانچ چیزوں کو امام مخفی رکھے "سبحانک اللھم"، "تعوذ"، "بسم اللہ"، "آمین" اور "اللّٰھم ربنا لک الحمد"۔(۱)

واضح رہے کہ امام نخعیؒ کا یہ اثر مرفوع وصحیح روایت کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔

(**راجح**) جہری نماز میں امام اور مقتدی دونوں اونچی آواز سے اور سری نماز میں دونوں مخفی آمین کہیں گے۔

(ابن قدامہؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۲)

(ابن قیمؒ) محکم صحیح سنت یہی ہے کہ نماز میں آمین کو اونچی آواز سے کہا جائے۔(۳)

(شوکانیؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(٤)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) اونچی آواز سے آمین کہنے پر صحابہ کا اجماع ہے۔(٥)

(ابن حزمؒ) امام اور مقتدی دونوں اونچی آواز سے آمین کہیں گے کیونکہ اسی طرح رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔(٦)

(صدیق حسن خانؒ) اونچی آواز سے آمین کہنا پست آواز سے کہنے سے زیادہ بہتر ہے۔(۷)

(عبدالحیی لکھنوی حنفیؒ) برحق یہی ہے کہ اونچی آواز سے آمین کہنا دلیل کے اعتبار سے قوی ہے۔(۸)

(ابن ہمام حنفیؒ) اونچی آواز سے آمین کہنا سنت ہے۔(۹)

(رشید احمد گنگوہیؒ) احناف بھی آمین بالجہر کے معترف ہیں۔(۱۰)

وَقِرَاءَةُ غَيْرِ الْفَاتِحَةِ مَعَهَا	فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورت یا آیت تلاوت کرنا (سنت ہے)۔ ❶

❶ (1) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن النبي ﷺ كان يقرأ في الظهر في الأولين بأم الكتاب وسورتين وفي الركعتين الأخريين بفاتحة الكتاب﴾ "نبی ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے اور دوسری دو رکعتوں میں (صرف) سورہ فاتحہ پڑھتے۔"(۱۱)

(2) حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أمرنا أن نقرأ بفاتحة الكتاب وما تيسر﴾ "ہمیں سورہ فاتحہ اور جو بھی

(۱) [مصنف عبدالرزاق]
(۲) [المغنی (۱٦۲/۲)]
(۳) [أعلام الموقعين (۳۹٦/۲)]
(٤) [نيل الأوطار (٤۸/۲)]
(٥) [تحفة الأحوذی (۷۹/۲)]
(٦) [المحلی بالآثار (۲۹٥/۲)]
(۷) [الروضة الندية (۲۷۲/۱)]
(۸) [التعليق الممجد (۱۰۱) السعاية (۱۳٦۳۱)]
(۹) [فتح القدير (۱۰۷/۱)]
(۱۰) [فتاوی الرشیدیہ (۲۸۰) فتاوی شامی (۱۳٤/۱)]
(۱۱) [بخاری (۷۷٦) كتاب الأذان : باب يقرأ في الأخريين بفاتحة الكتاب، مسلم (۱٥٥) أبو داود (۷۹۸) نسائی (۱٦٦/۲) ابن ماجة (۷۲۹) أحمد (۲۹۵/٥) ابن خزيمة (٥۰۳)]

(قرآن سے) میسر ہو پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔"(۱)

(3) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اعلان کرنے کا حکم دیا کہ ﴿انہ لا صلاۃ إلا بقراءۃ فاتحۃ الکتاب فما زاد......﴾ "بلاشبہ سورہ فاتحہ اور کچھ مزید (قرآن کی) قراءت کے بغیر کوئی نماز نہیں۔"(۲)

(4) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿لا صلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب فصاعدا﴾ "جس شخص نے سورہ فاتحہ اور کچھ زائد نہ پڑھا اس کی کوئی نماز نہیں۔"(۳)

247- تیسری اور چوتھی رکعت میں فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت پڑھنا جائز ہے

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "نبی ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سے ہر رکعت میں تیس آیتوں کے برابر قراءت کرتے اور دوسری دو رکعتوں میں پندرہ آیتوں کے برابر' یا انہوں نے کہا کہ اس سے نصف۔ اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سے ہر رکعت میں پندرہ آیتوں کے برابر قراءت کرتے اور دوسری دو رکعتوں میں اس سے نصف کے بقدر قراءت کرتے۔"(٤)

248- مختلف نمازوں میں فاتحہ کے علاوہ قراءتِ قرآن کا بیان

① فجر: (1) ساٹھ سے سو تک آیات تلاوت فرماتے۔(٥)

(2) ﴿ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ﴾(٦) (3) ﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾(٧)

②③ ظہر و عصر: (1) ﴿وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى﴾ "یہ سورت ان دونوں نمازوں میں پڑھتے۔(٨)

(2) ظہر کی پہلی رکعت میں ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ "اور دوسری میں ﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ﴾ تلاوت فرماتے۔(٩)

④ مغرب: (1) سورہ طور کی تلاوت فرماتے۔(١٠)

---

(۱) [صحیح : صحیح أبو داود (۷۳۲) کتاب الصلاۃ : باب من ترک القراءۃ فی صلاتہ بفاتحۃ الکتاب ' أبو داود (۸۱۸)]

(۲) [صحیح : صحیح أبو داود (۷۳۳) أیضا ' أبو داود (۸۲۰)]

(۳) [صحیح : صحیح أبو داود (۷۳۵) أبو داود (۸۲۲) نسائی (۹۱۱) کتاب الافتتاح : باب إیجاب قراءۃ فاتحۃ الکتاب فی الصلاۃ]

(٤) [أحمد (۲/۳) مسلم (٤٥۲) کتاب الصلاۃ : باب القراءۃ فی الظهر والعصر' أبو داود (۸۰٤) نسائی (۲۳۷/۱) بیهقی (٦٦/۲)]

(٥) [بخاری (٥۹۹) کتاب مواقیت الصلاۃ : باب ما یکرہ من السمر بعد العشاء]

(٦) [أحمد (۹۱/٥) مسلم (٤٥۸) بیهقی (۳۸۹/۲) ابن أبی شیبة (۳٥۳/۱) ابن خزیمة (٥۲٦) ابن حبان (۱۸۱٦) طبرانی کبیر (۱۹۲۹)]

(۷) [مسلم (٤٥٦) نسائی (۱٥۷/۲) دارمی (۲۹۷/۱) عبدالرزاق (۲۷۲۱) ابن أبی شیبة (۳٥۳/۱) حمیدی (٥٦۷) ابن حبان (۱۸۱۹) بیهقی (۳۸۸/۲)]

(۸) [أحمد (۱۰۱/٥) مسلم (٤٥۹)]

(۹) [نسائی (۱٦۳/۲)]

(۱۰) [بخاری (۷٦٥) کتاب الأذان : باب الجهر فی المغرب ' مسلم (٤٦۳) أبو داود (۸۱۱) نسائی (۱٦۹/۲) ابن ماجة (۸۳۲) عبدالرزاق (۲٦۹۲) أحمد (۸٤/٤) مؤطا (۷۸/۱)]

(2) ﴿قُلْ يٰأَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ (۱)

⑤ عشاء: (1) نبی ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو نماز عشاء میں ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى﴾ ' ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا﴾ اور ﴿وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى﴾ پڑھنے کا حکم دیا۔ (۲)

(2) ﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ﴾ (۳) (3) ﴿إِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ﴾ (٤)

(4) ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا﴾ (٥)

ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ سورہ فاتحہ کے ساتھ مزید قرآن کی کچھ تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

وَالتَّشَهُّدُ الْأَوْسَطُ	اور درمیانہ تشہد (سنت ہے)۔ ❶

❶ درمیانہ تشہد آخری تشہد کی طرح واجب ہے فرق صرف اتنا ہے کہ اگر درمیانہ تشہد بھول کر رہ جائے تو سہو کے دو سجدے اس سے کفایت کر جاتے ہیں جبکہ آخری تشہد سے کفایت نہیں کرتے۔ امام احمد' امام لیث' امام ابو ثور' امام اسحاق اور امام داود رحمہم اللہ اجمعین اسی کے قائل ہیں جبکہ امام شافعی' امام مالک' امام ابو حنیفہ' امام ثوری اور امام اوزاعی رحمہم اللہ اجمعین کے نزدیک یہ تشہد سنت ہے لیکن راجح موقف وجوب کا ہی ہے۔ (٦)

درمیانے تشہد میں تشہد ابن مسعود پڑھا جائے نیز اس تشہد میں درود پڑھنا بھی ثابت ہے۔ مزید تفصیل کے لیے گذشتہ صفحات میں تشہد کی بحث کا مطالعہ کیجیے۔

وَالْأَذْكَارُ الْوَارِدَةُ فِيْ كُلِّ رُكْنٍ	ہر رکن میں مسنون اذکار پڑھنا (سنت ہے)۔ ❶

❶ حالت قیام میں سورہ فاتحہ اور ہر نماز میں گذشتہ بیان کردہ سورتوں یا دیگر قرآنی آیات کی تلاوت کی جا سکتی ہے علاوہ ازیں مزید اذکار مندرجہ ذیل ہیں:

○ ہر مرتبہ اٹھتے اور جھکتے وقت تکبیر کہی جائے:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿رأيت النبي ﷺ يكبر في كل رفع وخفض وقيام وقعود﴾ ''میں نے نبی ﷺ کو ہر (مرتبہ) اٹھتے وقت' جھکتے وقت' کھڑے ہوتے وقت اور بیٹھتے وقت' تکبیر کہتے ہوئے دیکھا۔'' (۷)

(۱) [ترمذی (٤١٧) ابن ماجة (١١٤٩) عبدالرزاق (٤٧٩٠) ابن حبان (٢٤٥٩) طبرانی کبیر (١٣٥٢٨) أحمد (٣٥/٢) نسائی (١٧٠/٢)]

(۲) [بخاری (٧٠٠) مسلم (٤٦٥) أبو داود (٧٩٠) نسائی (١٠٢/٢) دارمی (٢٣٩/١) أبو عوانة (١٥٦/٢) حمیدی (١٢٤٦)]

(۳) [بخاری (٧٦٨) كتاب الأذان : باب الجمع فی العشاء' مسلم (١٧٥' ١٧٦) ترمذی (٣١٠) نسائی (١٧٣/٢)]

(٤) [بخاری (٧٦٨)]

(٥) [أحمد (٣٥٤/٥) ترمذی (٣٠٩) نسائی (١٧٣/٢)]

(٦) [المجموع (٤٢٩/٣) المغنی (٢١٧/٢)]

(۷) [**صحیح** : صحیح ترمذی (٢٠٨) كتاب الصلاة : باب ما جآء فی التكبير عند الركوع والسجود' ترمذی (٢٥٣) أحمد (٤١٨/١) نسائی (١١٤٢) دارمی (٢٨٥/١) إرواء الغليل (٣٣٠)]

اسی کی مثل صحیحین میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث مروی ہے۔(۱)

○ رکوع وسجدہ کے اذکار:

(1) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں " سبحان ربی العظیم " اور سجدے میں "سبحان ربی الأعلی" کہتے تھے۔(۲)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی جس روایت میں " سبحان ربی العظیم " اور " سبحان ربی الأعلی" رکوع و سجدہ میں تین تین مرتبہ کہنے کا ذکر ہے وہ ضعیف ہے۔(۳)

(شوکانیؒ) (چونکہ یہ حدیث ضعیف ہے) لہذا عدد کی قید کے بغیر جتنی مرتبہ انسان زیادہ سے زیادہ تسبیحات پڑھ سکتا ہے پڑھے۔(٤)

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع اور سجدے میں یہ دعا پڑھتے تھے " سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ"۔(٥)

(3) رکوع وسجدہ میں یہ دعا بھی ثابت ہے " اَللّٰهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَلَكَ أَسْلَمْتُ وَأَنْتَ رَبِّي سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِي خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ فَأَحْسَنَ صُوَرَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ تَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ"۔(٦)

(4) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع اور سجدے میں بہت زیادہ یہ دعا پڑھتے تھے "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ"۔(۷)

(5) حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع وسجدے میں یہ دعا پڑھتے " سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ "۔(۸)

---

(۱) [بخاری (۷۸٦) مسلم (۳۹۳)]

(۲) [أحمد (۳۸۲/٥) مسلم (۷۷۲) كتاب صلاة المسافرين وقصرها : باب استحباب تطويل القراءة في صلاة الليل' ابن خزيمة (٦٠٣) ترمذی (۲٦۲) أبو داود (۸۷۱) بیهقی (۸٥/۲) شرح معانی الآثار (۲۳٥۳۱) دارقطنی (۳۳٤/۱) ابن ماجة (۸۸۸)]

(۳) [ضعیف : ضعیف أبو داود (۱۸۷) ضعیف ابن ماجة (۱۸۷) ضعیف ترمذی (٤۳) المشكاة (۸۸۰) ضعيف الجامع (٥۲٥) أبو داود (۸۸٦) ترمذی (۲٦۱) ابن ماجة (۸۹۰) بیهقی (۸٦/۲)] شیخ محمد صبحی حلاق نے اسے ضعیف کہا ہے۔[التعليق على السيل الجرار (٤۹۰/۱)]

(٤) [نيل الأوطار (۷٥/۲)]

(٥) [مسلم (٤۸۷) كتاب الصلاة : باب ما يقال في الركوع والسجود ' أبو داود (۸۷۲) نسائی (۲۲٤/۲) أحمد (۳٤/٦) ابن خزيمة (٦٠٦) بيهقی (۸۷/۲)]

(٦) [مسلم (۷۷۱) كتاب صلاة المسافرين وقصرتها ' دارقطنی (۲۹۷/۱) أبو عوانة (۱۰۲/۲) طحاوی (۱٦٠/۱)]

(۷) [بخاری (۸۱۷) كتاب الأذان : باب التسبيح والدعاء في السجود ' مسلم (٤۸٤) أبو داود (٤۷۷) نسائی (۱۹۰/۲) ابن ماجة (۸۸۹) بیهقی (۸٦/۲) أحمد (٤۳/٦)]

(۸) [صحيح : صحيح أبو داود (۷۷٦) كتاب الصلاة : باب ما يقول الرجل في ركوعه وسجوده ' أبو داود (۸۷۳) نسائی (۱۹۱/۲) أحمد (۲٤/٦)]

(6) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ سجدے میں یہ دعا پڑھتے تھے " اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ كُلَّهُ دِقَّهُ وَجِلَّهُ وَأَوَّلَهُ وَآخِرَهُ وَعَلَانِيَتَهُ وَسِرَّهُ "۔(۱)

(7) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ قیام اللیل کے سجدوں میں آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے تھے " أَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ ، وَأَعُوْذُ بِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ ، أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ "۔(۲)

(8) دوران رکوع یہ دعا بھی مسنون ہے " اللّٰھُمَّ لَكَ رَكَعْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَلَكَ أَسْلَمْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ أَنْتَ رَبِّيْ خَشَعَ سَمْعِيْ وَبَصَرِيْ وَدَمِيْ وَلَحْمِيْ وَعَظْمِيْ وَعَصَبِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ "(۳)۔

(9) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی جس روایت میں ہے کہ جب (آیت) " فسبح باسم ربک العظیم" [الواقعة: ۹۶] نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں کہا کہ اسے اپنے رکوع میں پڑھو اور جب (آیت) " سبح اسم ربک الأعلى" [الأعلى :۱] نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے اپنے سجدے میں پڑھو" وہ روایت ضعیف ہے۔(٤)

○ رکوع سے اٹھتے وقت کے اذکار:

امام' مقتدی اور منفرد سب رکوع سے اٹھتے وقت " سمع الله لمن حمده " اور سیدھے کھڑے ہونے کے بعد "ربنا ولک الحمد" کہیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے' پھر جب رکوع کرتے تو تکبیر کہتے' پھر رکوع سے اٹھتے وقت " سمع الله لمن حمده " کہتے' پھر سیدھے کھڑے ہوکر "ربنا ولک الحمد" کہتے' پھر سجدے کے لیے جھکتے وقت تکبیر کہتے' پھر جب اپنا سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے' پھر دوبارہ سجدے کے لیے جھکتے وقت تکبیر کہتے' پھر جب اپنا سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے' پھر بقیہ ساری نماز میں یہی عمل کرتے اور جب دو رکعتوں کے بعد بیٹھ کر اٹھتے تو تکبیر کہتے۔(٥)

ہمیں بھی اسی طرح نماز ادا کرنی چاہیے کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے ہمیں یہی ارشاد فرمایا ہے البتہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی جس روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿إذا قال الإمام سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا ولك الحمد﴾ "جب امام "سمع الله لمن حمده " کہے تو تم "ربنا ولک الحمد" کہو"(٦)

اس سے یہ استنباط کرنا کہ مقتدی کو "سمع الله لمن حمده" نہیں کہنا چاہیے اور امام کو "ربنا ولک الحمد" نہیں کہنا

---

(۱) [مسلم (٤٨٣) كتاب الصلاة : باب ما يقال في الركوع والسجود ' أبو داود (٨٧٨)]

(۲) [مسلم (٤٨٦) كتاب الصلاة : باب ما يقال في الركوع والسجود ' أبو داود (٨٧٩) ابن ماجة (٣٨٤١) نسائي (٢٢٠/٢)]

(۳) [صحيح : صحيح نسائي (١٠٠٦) كتاب التطبيق : باب نوع آخر ' نسائي (١٠٥٠)]

(٤) [ضعيف : إرواء الغليل (٣٣٤) أحمد (١٥٥/٤) أبو داود (٨٦٩) كتاب الصلاة : باب ما يقول الرجل في ركوعه وسجوده ' ابن ماجة (٨٨٧) حاكم (٢٢٥/١) شرح معاني الآثار (٢٣٥/١) بيهقي (٨٦/٢) ابن خزيمة (٦٠٠) دارمي (٢٩٩/١)]

(٥) [بخاري (٧٨٩) كتاب الأذان : باب التكبير إذا قام من السجود ' مسلم (٢٨) أبو داود (٧٣٨) نسائي (٢٣٣/٢) ابن حبان (١٧٦٧) بيهقي (٦٧/٢)]

(٦) [بخاري (٧٣٢) كتاب الأذان : باب إيجاب التكبير وافتتاح الصلاة ' مسلم (٤١١)]

چاہیے' درست نہیں ہے کیونکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دونوں کلمات کہتے تھے اور اسی طرح نماز پڑھنے کا حکم دیتے تھے۔ تاہم یہاں یہ بات یاد رہے کہ اس حدیث کا مقصد یہ بتانا نہیں کہ امام اور مقتدی اس موقع پر کیا کہیں بلکہ محض یہ بتانا ہے کہ مقتدی کی "ربنا ولک الحمد" امام کی "سمع اللہ لمن حمدہ" کے بعد ہونی چاہیے۔(۱)

یہی بات راجح و برحق ہے اگرچہ علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے۔

(شافعیؒ، مالکؒ) ہر نمازی "سمع اللہ لمن حمدہ" اور "ربنا ولک الحمد" کے دونوں کلمات کہے گا خواہ امام ہو' مقتدی ہو' یا منفرد ہو۔ امام عطاء' امام ابوداود' امام ابو ہریرہ' امام ابن سیرین' امام اسحاق اور امام داود رحمہم اللہ اجمعین کا یہی موقف ہے۔

(ابوحنیفہؒ) امام اور منفرد صرف "سمع اللہ لمن حمدہ" کہیں گے اور مقتدی صرف "ربنا ولک الحمد" کہے گا۔ امام ابن منذرؒ نے یہی قول حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ' امام شعبیؒ' امام مالکؒ اور امام احمدؒ سے نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ میرا بھی یہی موقف ہے۔(۲)

○ رکوع سے اٹھتے وقت یہ دعا پڑھنا بھی آپ ﷺ سے ثابت ہے:

" اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْءَ الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ أَھْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ ' لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ "(۳)

○ "ربنا لک الحمد" اور واؤ کے ساتھ "ربنا ولک الحمد" اور "اللّٰھم ربنا ولک الحمد" تینوں طرح آپ ﷺ سے ثابت ہے۔(٤)

علاوہ ازیں یہ الفاظ بھی ثابت ہیں "ربنا ولک الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیه" جیسا کہ جب ایک شخص نے یہ کلمات نماز میں کہے تو نبی ﷺ نے اس شخص کے متعلق فرمایا کہ "میں نے تیس سے زائد فرشتے دیکھے جو ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش میں تھے کہ ان کلمات کو پہلے کون تحریر کرتا ہے۔"(٥)

○ دو سجدوں کے درمیانی اذکار:

(1) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ دو سجدوں کے درمیان یہ کلمات کہتے تھے "رب اغفرلی ' رب اغفرلی"(٦)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ دو سجدوں کے درمیان یہ دعا پڑھتے "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ"۔(۷)

---

(۱) [صفة صلاة النبی للألبانی (ص/۱۳۵) الحاوی للفتاوی (۵۲۹/۱)]

(۲) [الأم (۲۲۰/۱) شرح المھذب (۲۵۲/۳) الحاوی للماوردی (۱۲۳/۲) المبسوط (۲۰/۱) الکافی لابن عبدالبر (۴۳_٤٤) کشاف القناع (۳٤۸/۱) نیل الأوطار (۸۸/۲)]

(۳) [مسلم (٤۸۷) کتاب الصلاة : باب ما یقول إذا رفع رأسه من الرکوع ' نسائی (۱۹۸۳۲)]

(٤) [صفة صلاة النبی للالبانی (ص/۱۳۵)]

(٥) [بخاری (۷۹۹) کتاب الأذان : باب فضل اللھم ربنا لك الحمد ' أبو داود (۷۷۰) نسائی (۱۰٦۱)]

(٦) [**صحیح** : صحیح أبو داود (۷۷۷) کتاب الصلاة : باب ما یقول الرجل فی رکوعه وسجوده ' أبو داود (۸۷٤)

(۷) [**حسن** : صحیح أبو داود (۷۵٦) کتاب الصلاة : باب الدعاء بین السجدتین ' أبو داود (۸۵۰) ترمذی (۲۸٤) ابن ماجة (۸۹۸) أحمد (۳۷۱/۱) حاکم (۲٦۲/۱) بیھقی (۱۲۲/۲)] امام نوویؒ نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔[المجموع (٤١٤/۳) شیخ صبحی حلاق نے اسے صحیح کہا ہے۔[التعلیق علی الروضة الندیة (۲۷۹/۱)]

○ تشہد کی دعائیں پیچھے تشہد کے بیان میں تفصیلاً ذکر کر دی گئی ہیں۔

وَالْإِسْتِكْثَارُ مِنَ الدُّعَاءِ بِخَيْرَيِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ بِمَا وَرَدَ وَبِمَا لَمْ يَرِدْ	اور دنیا و آخرت کی بہتری کے لیے بہت زیادہ دعا کرنا (مشروع ہے) خواہ مسنون ہو یا نہ ہو۔ ❶

❶ جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ﴿......ثم ليتخير من الدعاء أعجبه إليه فيدعو﴾ "(تشہد کے بعد) پھر اسے جو دعا پسند ہو پڑھے۔"(۱) اور صحیح مسلم کی روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿ثم ليتخير من المسألة ما شآء﴾ "پھر وہ جو چاہے مانگے۔"(۲)

249- سلام پھیرنے کے بعد کے اذکار

(1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كنت أعرف انقضاء صلاة رسول الله ﷺ بالتكبير﴾ "مجھے "اللہ اکبر" کے ساتھ علم ہوتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز ختم ہو گئی ہے"۔(۳)

یاد رہے کہ نماز کے فوراً بعد اونچی آواز سے "لا الہ إلا اللہ" کا ورد کرنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔

(2) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین مرتبہ "اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ" کہتے پھر کہتے " اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ وَتَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ "۔(٤)

واضح رہے کہ اس دعا میں ان الفاظ کا اضافہ " وَإِلَيْكَ يَرْجِعُ السَّلَامُ حَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ وَأَدْخِلْنَا دَارَ السَّلَامِ " کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔

(3) حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نماز کے بعد کہتے " رَبِّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ "۔(٥)

(4) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے وصیت کی کہ یہ کلمات ہر نماز کے بعد ہرگز نہ چھوڑنا " اَللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ "۔(٦)

(5) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس نے ہر نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھی اسے جنت میں داخلے سے سوائے موت کے کسی چیز نے نہیں روکے رکھا۔"(۷)

جس روایت میں مذکور ہے کہ جس نے فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھی ﴿كان في ذمة الله إلى الصلاة الأخرى﴾

---

(۱) [بخاری (۸۳۵) كتاب الأذان : باب ما يتخير من الدعاء بعد التشهد]

(۲) [مسلم (٤٠٢) كتاب الصلاة : باب التشهد في الصلاة]

(۳) [بخاری (٨٤١، ٨٤٢) كتاب الأذان : باب الذكر بعد الصلاة]

(٤) [مسلم (٥٩١) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب استحباب الذكر بعد الصلاة، أبو داود (٦٨/٣) ابن ماجة (٩٢٨) أحمد (٢٧٥/٥) أبو عوانة (٢٤٢/٢) دارمی (٣١١/١) ابن خزيمة (٧٣٧) ابن حبان (٢٠٠٣)]

(٥) [مسلم (٧٠٩) كتاب صلاة المسافرين وقصرها : باب استحباب يمين الإمام]

(٦) [**صحيح** : صحيح أبو داود (١٣٤٧) كتاب الصلاة : باب في الاستغفار، أبو داود (١٥٢٢) نسائی (٥٣/٣)]

(٧) [**صحيح** : الصحيحة (٩٧٢)، (٦٩٧/٢) نسائی (٣٠/٦)، (٩٩٢٨) طبرانی كبير (١٣٤/٨) مجمع الزوائد (١٤٨/٢)]

''وہ اگلی نماز تک اللہ کے ذمہ میں ہوگا''۔ وہ روایت ضعیف ہے۔(۱)

(6) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے مجھے ہر نماز کے بعد معوذات (یعنی سورۃ الفلق' سورۃ الناس اور سورۃ الاخلاص) پڑھنے کا حکم دیا۔(۲)

(7) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے '' لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيكَ لَهُ ' لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيرٌ ' اَللّٰهُمَّ لَامَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَامُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَايَنْفَعُ ذَاالْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ ''۔(۳)

(8) حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ کلمات کہتے '' لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيكَ لَهُ ' لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيرٌ' لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ' لَاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ''(٤)

(9) جو شخص (ہر نماز کے بعد) تینتیس (33) مرتبہ '' سبحان اللہ'' تینتیس (33) مرتبہ '' اللہ اکبر'' اور تینتیس (33) مرتبہ '' الحمد للہ'' اور سو (100) کا عدد پورا کرنے کے لیے ایک مرتبہ '' لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيكَ لَهُ ' لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيرٌ'' پڑھے گا اس کے تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے خواہ سمندر کی جھاگ کے ہی برابر کیوں نہ ہوں۔''(٥)

ایک روایت میں سو کا عدد پورا کرنے کے لیے چونتیس (34) مرتبہ ''اللہ اکبر'' کہنے کا ذکر ہے۔(٦)

ایک دوسری روایت میں دس (10) مرتبہ '' سبحان اللہ'' دس (10) مرتبہ '' اللہ اکبر'' اور دس (10) مرتبہ ''الحمد للہ'' کہنے کا بھی ذکر ہے۔(۷)

(10) حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نماز کے بعد ان اشیاء سے پناہ مانگا کرتے تھے '' اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أُرَدَّ إِلٰى أَرْذَلِ الْعُمُرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْ[يَا] وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ''۔(۸)

---

(۱) [ضعیف : الضعیفة (٥١٣٥) تمام المنة (ص/٢٢٧)]

(۲) [صحیح : صحیح أبو داود (١٣٤٨) کتاب الصلاة : باب فی الاستغفار' ترمذی (٢٩٠٣) نسائی (٦٨/٣) أحـ[ـمد] (١٥٥/٤) حاکم (٢٥٣/١)]

(۳) [بخاری (٨٤٤) کتاب الأذان : باب الذکر بعد الصلاة ' مسلم (٥٩٣) أبو داود (١٥٠٥) نسائی (٧٠/٣) أبو عو[انة] (٢٤٣/٢) ابن أبی شیبة (٢٣١/١٠) دارمی (٣١١/١) ابن خزیمة (٧٤٢)]

(٤) [مسلم (٥٩٤) کتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب استحباب الذکر بعد الصلاة' أبو داود (٧٤١) نسـ[ـائی] (٦٩/٣) ابن أبی شیبة (٢٣٢/١٠) أبو عوانة (٢٤٦/٢) ابن خزیمة (٧٤١) بیهقی (١٨٥/٢) ابن حبان (٢٠٠٨)]

(٥) [مسلم (٥٩٧) أیضا' أحمد (٣٧١/٢)]

(٦) [مسلم (٥٩٦)]

(۷) [صحیح : صحیح ابن ماجة (٧٥٤) المشکاة (٢٤٠٦) أبو داود (٥٠٦٥) ترمذی (٣٤١٠) ابن ماجة (٦... عبدالرزاق (٣١٨٩)]

(۸) [بخاری (٢٨٢٢) کتاب الجهاد والسیر: باب ما یتعوذ من الجبن ' نسائی (٢٥٦/٨) ترمذی (٣٥٦٧) أ... (١٨٣/١) ابن حبان (١٠٠٤) شرح السنة (٣٤/٢)]

(11) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نماز فجر سے سلام پھیرنے کے بعد یہ دعا پڑھتے " اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَّافِعًا وَرِزْقًا طَیِّبًا وَعَمَلًا مُتَقَبَّلًا" (١)

(12) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس نے نماز فجر با جماعت ادا کی' پھر طلوع آفتاب تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے لیے بیٹھا رہا' پھر سورج نکلنے کے بعد دو رکعتیں پڑھیں' اس کے لیے ایک مکمل حج اور عمرے کے برابر ثواب ہے۔(٢)

متفرقات

250- دوران نماز نگاہ سجدے کی جگہ پر رکھنی چاہیے

کیونکہ نبی ﷺ جب نماز پڑھتے تو سر کو جھکائے رکھتے اور نگاہ کو زمین کی طرف لگائے رکھتے تھے اور جب آپ ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے تو اپنی نگاہ سجدے کی جگہ سے نہیں اٹھائی تاوقتیکہ آپ ﷺ وہاں سے نکل گئے۔(٣)

251- قراءتِ قرآن میں سورتوں کی ترتیب

نہ تو واجب ہے اور نہ ہی سنت مؤکدہ ہے اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حدیث نبوی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک نماز میں پہلے "سورہ بقرہ" پھر "سورہ نساء" اور پھر "سورہ آل عمران" تلاوت فرمائی۔ (حالانکہ سورہ نساء' سورہ آل عمران کے بعد ہے۔)(٤)

(2) امام بخاریؒ نے باب قائم کیا ہے کہ ((باب الجمع بين السورتين في الركعة والقراءة بالخواتيم و بسورة قبل سورة وباول سورة)) "دو سورتیں ایک رکعت میں پڑھنا یا سورتوں کی آخری آیات یا سورتوں کو تقدیم و تاخیر سے پڑھنا یا سورتوں کی پہلی آیات پڑھنے کا بیان۔" اور اس عنوان کے تحت انہوں نے کچھ آثار و روایات نقل کی ہیں کہ جو اس مسئلے کے اثبات کے لیے کافی ہیں۔

252- جو فاتحہ اور قرآن پڑھنے سے عاجز ہو وہ کیا کرے؟

(1) حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو نماز سکھائی تو فرمایا "اگر تمہیں قرآن (کا کچھ حصہ) یاد ہے تو پڑھو ﴿وإلا فاحمد الله و كبره و هلله ثم اركع﴾ "ورنہ الحمد لله ' الله اكبر اور لا إله إلا الله (حسب توفیق) کہہ کر رکوع کر لو۔"(٥)

---

(١) [صحيح : صحيح ابن ماجة (٧٥٣) كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها : باب ما يقال بعد التسليم ' ابن ماجة (٩٢٥) أحمد (٢٩٤/٦) حميدى (٢٩٩)]

(٢) [حسن : صحيح ترمذى (٤٨٠) كتاب الجمعة : باب ذكر ما يستحب من الجلوس فى المسجد ' المشكاة (٩٧١) ترمذى (٥٨٦)]

(٣) [مزید تفصیل کے لیے دیکھیے : صفة صلاة النبى للألبانى (ص/١٥١)]

(٤) [مسلم (٧٧٢) أحمد (٣٨٢/٥)]

(٥) [صحيح : صحيح ترمذى (٢٤٧) المشكاة (٨٠٤) إرواء الغليل (٣٢١/١) صحيح أبو داود (٨٠٣) كتاب الصلاة: باب صلاة من لا يقيم صلبه......' أبو داود (٨٥٨) نسائى (١٩٣/٢) ترمذى (٣٠٢) أحمد (٣٤٠/٤) دارمى (٣٠٥/١) حاكم (٢٤٢/١) بيهقى (١٠٢/٢)]

(2) حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کے پاس آ کر کہا بلاشبہ مجھے قرآن سے کچھ بھی یاد نہیں ہے لہٰذا آپ ﷺ مجھے وہ چیز سکھا دیجیے جو مجھے کفایت کر جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہو "سبحان اللہ ' الحمد للہ ' لا إله إلا اللہ ' واللہ أكبر ' ولا حول ولا قوة إلا باللہ" (۱)

یاد رہے کہ اس واقعہ کو تمام اوقات (یعنی ہمیشہ) کے لیے جواز نہیں بنانا چاہیے کیونکہ جو شخص ان کلمات کو سیکھنے کی طاقت رکھتا ہے لامحالہ وہ فاتحہ سیکھنے کی بھی طاقت رکھتا ہوگا چنانچہ اس کی تاویل یہ ہوگی کہ (اس شخص نے کہا) "میں اس وقت کچھ بھی قرآن سیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا اور بے شک مجھ پر نماز کا وقت آ چکا ہے" پس جب وہ اس نماز سے فارغ ہوگا تو اس پر (اگلی نماز کے لیے فاتحہ) سیکھنا لازم ہوگا جیسا کہ شارح المصابیح نے بھی یہی بیان کیا ہے۔ (۲)

253- نماز میں قرآن سے دیکھ کر قراءت

ایسا کرنا جائز تو ہے لیکن اس پر دوام اختیار کر لینا درست نہیں۔

(1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی امامت ان کا غلام قرآن سے دیکھ کر کراتا تھا۔ (۳)

(2) نبی ﷺ اپنی نواسی "امامہ رضی اللہ عنہا" کو نماز میں اٹھا لیتے تھے۔ (٤)

جب نماز میں بچہ اٹھایا جا سکتا ہے تو قرآن بالاُولی اٹھایا جا سکتا ہے البتہ اسے زبانی یاد کر کے پڑھنا ہی افضل ہے۔ نیز سعودی مجلس افتاء نے یہ فتوی دیا ہے کہ "قرآن میں دیکھ کر قراءت قرآن فرائض اور نوافل دونوں میں جائز ہے۔ (٥)

254- دوران قراءت رحمت کی آیت پر سوال کرنا اور......

عذاب کی آیت پر اس سے پناہ مانگنا مشروع ہے جیسا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی ﴿فما مرت بآية رحمة إلا وقف عندها يسأل ولا آية عذاب إلا تعوذ منها﴾ "جب ایسی آیت گزرتی جس میں رحمت الٰہی کا ذکر ہوتا تو آپ ﷺ وہاں ٹھہر کر رحمت کا سوال کرتے اور جب عذاب کی آیت گزرتی تو وہاں ذرا ٹھہر کر اس سے پناہ مانگتے۔" (٦)

(البانیؒ) یہ رات کی نماز کے متعلق ہے جیسا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے...... اگر فرائض میں اس طرح کرنا

---

(۱) [حسن : صحیح أبو داود (۷٤۲) كتاب الصلاة : باب ما يجزئ الأمي والأعجمي من القراءة ' أبو داود (۸۳۲) نسائي (۱٤۳/۲) أحمد (۳۵۳/٤) حميدي (۷۱۷) عبدالرزاق (۲۷٤۷) ابن خزيمة (٥٤٤) دارقطني (۳۱٤/۱) شرح السنة (۲۲٤/۲)]

(۲) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: نيل الأوطار (٤٩/٢)]

(۳) [بخاري تعليقا (۹٦/۱) حافظ ابن حجرؒ رقمطراز ہیں کہ امام ابوداودؒ نے مصاحف میں اسے موصولاً بھی بیان کیا ہے۔ [فتح الباري (۱٤۷/۲)]

(٤) [بخاري (٥١٦)]

(٥) [فتاوى اللجنة الدائمة (۳۹٦/٦)]

(٦) [مسلم (۷۷۲) كتاب صلاة المسافرين و قصرها : باب استحباب تطويل القراءة في صلاة الليل ' أحمد (۳۸۲/٥) نسائي (۱۷٦/۲)]

مشروع ہوتا تو آپ ﷺ ایسا کرتے اور اگر آپ ﷺ ایسا کرتے تو (ضرور) نقل کیا جاتا...... پس جب منقول نہیں ہے تو یہ دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا۔(۱)

255- دو رکعتوں میں ایک ہی سورت کی قراءت جائز ہے

حضرت معاذ بن عبداللہ جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے انہیں خبر دی کہ اُس نے رسول اللہ ﷺ کو سنا کہ آپ ﷺ نے نماز صبح کی دونوں رکعتوں میں " إذا زلزلت...... " تلاوت فرمائی۔ (راوی کہتا ہے کہ) مجھے علم نہیں کہ آپ ﷺ بھول گئے یا جان بوجھ کر آپ ﷺ نے اس کی قراءت کی۔(۲)

(ابن حجرؒ) ظاہر یہی ہے کہ آپ ﷺ نے جان بوجھ کر اس سنت کی دلیل فراہم کرنے کے لیے ایسا کیا۔(۳)

256- دوران قراءت ہر آیت پر وقف کرنا چاہیے

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب قراءت فرماتے تو ﴿يقطع قراء ته﴾ "ہر آیت علیحدہ علیحدہ پڑھتے" آپ ﷺ "بسم الله الرحمن الرحيم" پڑھتے پھر ٹھہر جاتے پھر "الحمد لله رب العلمين" کہتے پھر ٹھہر جاتے پھر "الرحمن الرحيم" پڑھتے پھر ٹھہر جاتے......"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿كان يقطع قراء ته آية آية﴾ "آپ ﷺ اپنی قراءت میں ہر آیت کو الگ الگ پڑھتے تھے۔"(٤)

قراء کرام اور اہل علم کے نزدیک قراءت کا یہی طریقہ افضل و مستحب ہے۔(٥)

257- قراءت سے پہلے اور بعد میں سکتہ

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كان رسول الله ﷺ إذا كبر للصلاة سكت هنيئة قبل أن يقرأ......﴾ "رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ کے بعد قراءت سے پہلے کچھ توقف فرماتے (اور اس وقفے میں دعائے استفتاح پڑھتے۔)"(٦)

(2) حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی جس روایت میں قراءت کے بعد سکتے کا ذکر ہے' وہ حدیث ضعیف ہے۔(٧)

(١) [تمام المنة (ص/١٨٥)]

(٢) [**حسن** : صحيح أبو داود (٧٣٠) كتاب الصلاة : باب الرجل يعيد سورة واحدة فى الركعتين ' أبو داود (٨١٦)]

(٣) [المرعاة (١٧٧/٣)]

(٤) [**صحيح** : المشكاة (٢٢٠٥) كتاب فضائل القرآن : باب آداب التلاوة و دروس القرآن ' صحيح أبو داود (٣٣٧٩) كتاب الحروف والقراء ات : باب ' أحمد (٣٠٢/٦) أبو داود (٤٠٠١) ترمذى (٢٩٢٧) دارقطنى (٣٠٧/١) ابن أبى شيبة (٥٢٠/٢) حاكم (٢٣٢/١) ابن خزيمة (٤٩٣) امام دارقطنیؒ نے اسے صحیح الاسناد کہا ہے۔ امام نوویؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[المجموع (٣٣٣/٣)]

(٥) [الإتقان فى علوم القرآن (ص/١٢٢) إرواء الغليل (٦٢/٢)]

(٦) [بخارى (٧٤٤) كتاب الأذان : باب ما يقول بعد التكبير' مسلم (٥٩٨) أحمد (٢٣١/٢) دارمى (٢٨٣/١) أبو داود (٧٨١) ابن ماجة (٨٠٥) أبو يعلى (٦٠٨١) ابن خزيمة (٤٦٥)]

(٧) [**ضعيف** : إرواء الغليل (٥٠٥) تمام المنة (ص/١٨٨) ضعيف أبو داود (١٦٤'١٦٥' ١٦٦) ضعيف ترمذى (٤٢) ضعيف ابن ماجة (١٨٠) أبو داود (٧٧٨ ' ٧٧٩) كتاب الصلاة : باب السكتة عند الافتتاح ' ترمذى (٢٥١) ابن ماجة (٨٤٤) أحمد (٧/٥)]

معلوم ہوا کہ قراءت سے پہلے سکتہ مشروع ہے جبکہ قراءت کے بعد مشروع نہیں ہے۔

258- رکوع وسجدہ میں قراءتِ قرآن ممنوع ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿الا وانی نهیت أن أقرأ القرآن راکعا أو ساجدا﴾ ''لوگو یاد رکھو! مجھے رکوع اور سجدے میں قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔''(۱)

259- رکوع کی کیفیت

(1) حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ایسی نماز کفایت نہیں کرتی جس کے رکوع و سجدہ میں آدمی اپنی پیٹھ (بالکل) سیدھی نہ کرے۔''(۲)

(2) حالت رکوع میں کمر بالکل سیدھی ہو نہ زیادہ نیچے ہو اور نہ زیادہ اونچا' دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں دونوں گھٹنوں پر ہوں۔(۳)

(3) رسول اللہ ﷺ نے مسیئ الصلاۃ کو حکم دیا کہ حالت رکوع میں ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر رکھو اور انگلیوں کے درمیان فاصلہ کرو۔(٤)

(4) رسول اللہ ﷺ حالت رکوع میں گھٹنوں کو مضبوطی سے پکڑ لیتے اور اپنی کہنیاں پہلوؤں سے دور رکھتے۔(٥)

(5) رکوع میں رسول اللہ ﷺ اپنے ہاتھوں کی انگلیاں کھلی رکھتے تھے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ﴿کان إذا رکع فرج بین أصابعه﴾ ''جب آپ ﷺ رکوع کرتے تو اپنی انگلیوں کے درمیان فاصلہ کرتے۔''(٦)

260- سجدے کی کیفیت

(1) سجدے کے لیے جھکتے وقت پہلے دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھا جائے:
جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تم میں سے جب کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح نہ بیٹھے ﴿ولیضع یدیه قبل رکبتیه﴾ ''اور اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے زمین پر رکھے۔''(۷)

---

(۱) [مسلم (٤٧٩) کتاب الصلاة : باب النهی عن قراءة القرآن فی الرکوع والسجود' أحمد (۲۱۹/۱) أبو داود (۸۷٦) نسائی (۱۸۹/۱) بیهقی (۸۷/۱)]

(۲) [صحیح : صحیح أبو داود (۷٦۱) کتاب الصلاة : باب صلاة من لا یقیم صلبه......' أبو داود (۸۵۵) ترمذی (۲٦۵) نسائی (۱۸۳/۲) ابن ماجة (۸۷۰) دارمی (۳۰٤/۱) أحمد (۱۱۲/٤) عبدالرزاق (۲۸۵٦) ابن خزیمه (۵۹۱)]

(۳) [مسلم (٤۹۸) بخاری (۸۲۸)]

(٤) [صفة صلاة النبی للألبانی (ص/۱۳۰)]

(٥) [صحیح : صحیح ترمذی (۲۱٤) کتاب الصلاة : باب ما جاء أنه یجافی یدیه عن جنبیه فی الرکوع' صحیح أبو داود (۷۲۳) المشکاة (۸۰۱) ترمذی (۲٦۰)]

(٦) [صحیح : حاکم (۲٤٤/۱) بیهقی (۱۱۲/۲) دارقطنی (۳۳۹/۱) امام حاکم اور امام ذہبیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۷) [صحیح : صحیح أبو داود (۷٤٦) کتاب الصلاة : باب کیف یضع رکبتیه قبل یدیه' أبو داود (۸٤۰) أحمد (۳۸۱/۲) دارمی (۳۰۳/۱) نسائی (۲۰۷۳۲) دارقطنی (۳٤٤/۱) بیهقی (۱۰۰/۲) شرح السنة (۲٤۹/۲) حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کو حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے قوی قرار دیا ہے۔[بلوغ المرام (۳۳۱) نیل الأوطار (۸۲/۲) سبل السلام (۳۱٦/۱)]

(2) حضرت نافع رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔(١)

جن علماء کے نزدیک پہلے گھٹنے زمین پر رکھنے چاہئیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿رأيت النبي ﷺ إذا سجد وضع ركبتيه قبل يديه﴾ ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ سجدہ کرتے تو دونوں گھٹنے ہاتھوں سے پہلے زمین پر رکھتے'' اور جب سجدے کے لیے اٹھتے تو دونوں ہاتھ گھٹنوں سے پہلے اٹھاتے۔''(٢)

(جمہور، احناف) اسی ضعیف حدیث پر عمل کے قائل ہیں۔(٣)

(ابن قیم رحمہ اللہ) انہوں نے اسی (حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی) حدیث کو ترجیح دی ہے۔(٤)

(مالک رحمہ اللہ، ابن حزم رحمہ اللہ) پہلی حدیث چونکہ زیادہ صحیح ہے لہذا اُس پر عمل کیا جائے گا۔(٥)

(3) سجدے میں سات اعضاء یعنی پیشانی (اور ناک) دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں (کے سرے) زمین پر لگنے چاہئیں:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا سجد العبد سجد معه آراب : وجهه و كفاه و ركبتاه وقدماه﴾ ''جب آدمی سجدہ کرتا ہے تو اس کے سات اعضاء بھی سجدہ کرتے ہیں اس کا چہرہ، اس کے دونوں ہاتھ، اس کے دونوں گھٹنے اور اس کے دونوں قدم۔''(٦)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پیشانی پر، یہ کہتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ناک کی طرف اشارہ کیا۔''(٧)

(البانی رحمہ اللہ) سجدے کے لیے پیشانی اور ناک دونوں کو ضروری قرار دینے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا صلاة لمن لا يمس أنفه الأرض ما يمس الجبين﴾ ''اس شخص کی کوئی نماز نہیں جس کے ناک نے اس طرح زمین کو نہ چھوا جیسے پیشانی نے چھوا ہے۔'' یہ حدیث بخاری کی شرط پر صحیح ہے۔(٨)

---

(١) [ابن خزيمة (٦٢٨) دارقطني (٣٤٤/١) بيهقي (١٠٠/٢) حاكم (٢٢٦/١) بخاري تعليقا (٢٩٨/٢)]

(٢) [**ضعيف** : ضعيف أبو داود (١٨١) كتاب الصلاة : باب كيف يضع ركبتيه قبل يديه، ضعيف ترمذي (٤٤) ضعيف نسائي (٤٩) ضعيف ابن ماجة (١٨٥) إرواء الغليل (٣٥٧) أبو داود (٨٣٨) ترمذي (٢٦٧) نسائي (٢٣٤/٢) ابن ماجة (٨٨٢) دارقطني (٣٤٥/١) ابن خزيمة (٦٢٦)]

(٣) [نيل الأوطار (٨٢/٢)]

(٤) [زاد المعاد (٢٢٢/١)]

(٥) [المحلى (١٢٩/٤-١٣٠)]

(٦) [مسلم (٤٩١) كتاب الصلاة : باب أعضاء السجود والنهي عن كف الشعر.....، أبو داود (٨٩١) نسائي (٢٠٨/٢) ابن ماجة (٨٨٥) أحمد (٢٠٦/١) ابن خزيمة (٦/١) ابن حبان (١٩٢١)]

(٧) [بخاري (٨١٢، ٨١٥) كتاب الأذان : باب السجود على الأنف، مسلم (٢٣٠) أبو داود (٨٨٩) ترمذي (٢٧٣) نسائي (٢٠٨/٢) ابن ماجة (١٠٤٠)]

(٨) [تمام المنة (ص/١٧٠)]

(4) دوران سجدہ ہاتھ زمین پر جبکہ کہنیاں زمین سے اٹھی ہونی چاہئیں:

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا سجدت فضع كفيك وارفع مرفقيك﴾ ”جب تم سجدہ کرتے ہو تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کو (زمین پر) رکھو اور اپنی دونوں کہنیوں کو (زمین سے) بلند رکھو۔“(۱)

(5) سجدے میں قدموں کی ایڑیاں ملی ہونی چاہئیں۔(۲)

(6) سجدے میں پاؤں کی انگلیوں کے سرے قبلہ رخ اور قدم کھڑے ہونے چاہئیں۔(۳)

(7) سجدے میں دونوں ہاتھ پہلوؤں سے دور ہوں۔ سینہ پیٹ اور رانیں زمین سے اونچی ہوں۔ پیٹ کو رانوں سے اور رانوں کو پنڈلیوں سے جدا رکھیں۔(۴)

(8) سجدے کی حالت میں ہاتھوں کی انگلیاں ملی ہونی چاہئیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ﴿إذا سجد ضم أصابعه﴾ ”جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے تو اپنی انگلیاں ملا لیتے۔“(۵)

(9) بوقت ضرورت کسی کپڑے پر بھی سجدہ کیا جا سکتا ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سخت گرمی میں نماز پڑھتے تھے۔ جب ہم میں سے کسی کے لیے زمین پر پیشانی رکھنا مشکل ہو جاتا ﴿بسط ثوبه فسجد عليه﴾ ”وہ اپنا کپڑا بچھاتا اور اس پر سجدہ کر لیتا۔“(۶)

واضح رہے کہ عورت کے لیے بھی سجدے کا یہی طریقہ ہے اس کے علاوہ کوئی خاص طریقہ عورت کے لیے کسی حدیث سے ثابت نہیں۔

261- سجدے میں کثرت سے دعا کرنی چاہیے

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿أقرب ما يكون العبد من ربه وهو ساجد فأكثروا الدعاء﴾ ”بندہ اپنے رب کے بہت زیادہ قریب سجدے کی حالت میں ہوتا ہے لہٰذا تم (سجدے کی حالت میں) کثرت سے دعا کیا کرو۔“(۷)

(2) ایک روایت میں یہ الفاظ مذکور ہیں ﴿وأما السجود فاجتهدوا في الدعاء فقمن أن يستجاب لكم﴾ ”اور سجدے

---

(۱) [مسلم (۴۹۴) کتاب الصلاة : باب الاعتدال في السجود.....، أحمد (۲۸۳/۴) ابن خزيمة (۶۵۶) بيهقي (۱۱۳/۲)]

(۲) [حاكم (۲۲۸/۱) ابن خزيمة (۶۵۴)]

(۳) [بخاري (۸۲۸) كتاب الأذان : باب سنة الجلوس في التشهد، أبو داود (۷۳۲)]

(۴) [**صحيح** : صحيح أبو داود (۶۷۰) كتاب الصلاة : باب افتتاح الصلاة، أبو داود (۷۳۰، ۹۶۳)]

(۵) [**صحيح** : حاكم (۲۴۴/۱)]

(۶) [بخاري (۳۸۵) كتاب الصلاة : باب السجود على الثوب في شدة الحر، مسلم (۶۲۰) أبو داود (۶۶۰) ترمذي (۵۸۴) نسائي (۲۱۶/۲) ابن ماجة (۱۰۳۳)]

(۷) [مسلم (۴۸۲) كتاب الصلاة : باب ما يقال في الركوع والسجود، أبو داود (۸۷۵) نسائي (۲۲۶/۲) أبو عوانة (۱۸۰/۲) أحمد (۴۲۱/۲) بيهقي (۱۱۰/۲)]

میں کوشش وجستجو سے دعا مانگا کرو کیونکہ یہ اس لائق ہے کہ تمہاری دعا قبول کر لی جائے۔''(۱)

262- نماز کے بعد انگلیوں کو اذکار کی گنتی کے لیے استعمال کرنا چاہیے

حدیث نبوی ہے کہ ﴿اعقدن بالأنامل فإنهن مسئولات مستنطقات﴾ ''انگلیوں کے ساتھ (تسبیح وتحمید کی) گنتی کرو بلاشبہ ان سے سوال کیا جائے گا اور انہیں (روز قیامت) بلوایا جائے گا۔''(۲)

ایک روایت میں ہے کہ ﴿یعقد التسبیح بیمینه﴾ ''آپ ﷺ اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ '' سبحن الله '' کی گنتی کرتے تھے۔''(۳)

(ابن بازؒ) تسبی کو چھوڑ دینا ہی بہتر ہے اور بعض اہل علم نے اسے ناپسند کیا ہے اور افضل یہی ہے کہ انگلیوں کے ساتھ تسبیح پڑھی جائے جیسا کہ نبی ﷺ کیا کرتے تھے۔(٤)

263- نماز کے بعد اجتماعی دعا

فرض نمازوں کے بعد امام اور مقتدیوں کی اجتماعی دعا نبی ﷺ اور صحابہ سے قطعی طور پر ثابت نہیں یہی وجہ ہے کہ بعض آئمہ نے اسے بدعت بھی قرار دیا ہے۔

(ابن تیمیہؒ) اس میں دو چیزیں ہیں:

(1) نمازی کا دعا کرنا جیسا کہ نمازی دعائے استخارہ وغیرہ کرتا ہے خواہ وہ امام ہو یا مقتدی۔

(2) امام اور مقتدیوں کا مل کر دعا کرنا۔

یہ دوسری چیز بلاشبہ نبی ﷺ نے فرض نمازوں کے بعد نہیں اختیار کی جیسا کہ آپ ﷺ اذکار کیا کرتے تھے اور جو بھی آپ ﷺ سے منقول ہیں۔ اگر اس موقع پر آپ ﷺ اجتماعی دعا کرتے تو آپ ﷺ کے صحابہ کرام آپ ﷺ سے ضرور نقل فرماتے' پھر تابعین' پھر دیگر علماء' (اسے ضرور نقل کرتے) جیسا کہ انہوں نے اس سے کم درجہ کی اشیاء آپ ﷺ سے نقل کی ہیں۔(٥)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے واضح طور پر اس عمل کو بدعت بھی کہا ہے۔(٦)

(ابن قیمؒ) (فرض نمازوں کے بعد) اجتماعی دعا آپ ﷺ کا قطعا طریقہ نہیں تھا اور نہ ہی آپ ﷺ سے کسی صحیح یا حسن سند

---

(۱) [مسلم (٤٧٩)]

(۲) [حسن : صحیح أبو داود (۱۳۲۹) ترمذی (۳۵۸۳) کتاب الدعوات : باب فی فضل التسبیح والتہلیل والتقدیس' أبو داود (۱۵۰۱) ابن أبی شیبة (۲۸۹/۱۰) طبرانی کبیر (۱۸۱) حاکم (٥٤٧/۱) أحمد (۳۷۰/٦) ابن حبان (٨٤٢)]

(۳) [صحیح : صحیح أبو داود (۱۳۳۰) کتاب الصلاۃ : باب التسبیح بالحصی' أبو داود (۱۵۰۲) ترمذی (۳٤۱۱) نسائی (۷۹/۳) حاکم (٥٤٧/۱)]

(٤) [الفتاوی (٧٦/۱)]

(٥) [الفتاوی الکبری (۱٥٨/۱)]

(٦) [مجموع الفتاوی (٥١٩/٢٢)]

کے ساتھ منقول ہے۔(۱)

(مالکؒ) امام ابن بطالؒ نے امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ عمل بدعت ہے۔(۲)

(شاطبیؒ) (نماز کے بعد) دائمی طور پر اجتماعی دعا رسول اللہ ﷺ کا فعل نہیں۔(۳)

(سعودی مجلس افتاء) ہمیں کسی ایسی دلیل کا علم نہیں جو اس عمل کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہو۔(٤)

(انور شاہ کشمیریؒ) دعا کی اجتماعی صورت جس کا آج کل رواج ہے (شریعت سے) ثابت نہیں۔(٥)

264- عورت اور مرد کی نماز میں کوئی فرق نہیں

نماز کی کیفیت وادائیگی میں مرد وعورت کی نماز میں کوئی فرق کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں بلکہ آپ ﷺ نے عام حکم دیا ہے کہ ''جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھو اس طرح تم نماز پڑھو۔'' اور احناف وغیرہ جو مردوں اور عورتوں کی نماز میں فرق بیان کرتے ہیں' وہ ضعیف روایات وآثار پر مبنی ہے لہذا قابل اعتبار نہیں۔

(بخاریؒ) انہوں نے حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا سے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ ﴿إنها كانت تجلس في صلاتها جلسة الرجل و كانت فقيهة﴾ ''وہ نماز میں مردوں کی طرح بیٹھتی تھیں اور وہ فقیہہ خاتون تھیں۔''(٦)

(ابراہیم نخعیؒ) عورت نماز میں مرد کی طرح ہی بیٹھے گی۔(۷)

(ابن حزمؒ) مرد اور عورت کی نماز میں کوئی فرق نہیں۔(۸)

(ابن حجرؒ) تکبیر کے لیے ہاتھ اٹھانے میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں۔(۹)

(شمس الحق عظیم آبادیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۱۰)

(ابن قدامہؒ) فی الحقیقت عورت کے حق میں بھی نماز کے وہی احکام ثابت ہیں جو مردوں کے لیے ہیں الا کہ اس کے لیے رکوع وسجدہ میں اپنے آپ کو سمیٹنا مستحب ہے۔(۱۱)

(نوویؒ) عورت بھی مرد کی طرح سینے پر ہاتھ رکھے گی۔(۱۲)

---

(۱) [زاد المعاد (۲۵۷/۱)]

(۲) [فتح الباري (۳۲٦/۲)]

(۳) [الاعتصام (۳۵۲/۱)]

(٤) [الفتاوى الإسلامية (۲۹۰/۱)]

(٥) [العرف الشذي (ص/۸٦)]

(٦) [التاريخ الصغير للبخاري (۹۰)]

(۷) [ابن أبي شيبة (۲۷۰/۱) بسند صحيح]

(۸) [المحلى (۳۷/۳)]

(۹) [فتح الباري (۲۲۲/۲)]

(۱۰) [عون المعبود (۲٦۳/۱)]

(۱۱) [المغني (۲۵۸/۲)]

(۱۲) شرح مسلم (۱۹۵/۱)]

(البانیؒ) مردوں اور عورتوں کی نماز کی (تمام کیفیات میں) کوئی فرق نہیں۔(۱)

حضرت یزید بن أبی حبیب رضی اللہ عنہ سے جو حدیث مروی ہے کہ ''عورت سمٹ کر سجدہ کرے اور وہ اس مسئلے میں مرد کی طرح نہیں ہے۔'' امام ابوداودؒ نے اسے مراسیل میں روایت کیا ہے اور شیخ البانیؒ بیان کرتے ہیں کہ وہ مرسل ہے جو کہ دلیل نہیں بن سکتی۔(۲)

اسی طرح جس روایت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ''وہ اپنی عورتوں کو نماز میں چارزانو بیٹھنے کا حکم دیتے تھے'' اس کی سند بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں عبداللہ بن عمر العمری راوی ضعیف ہے۔(۳)

البتہ اتنا فرق بہر حال ضرور ہے کہ عورت کے لیے نماز میں سر پر اوڑھنی لینا ضروری ہے اس کے بغیر اس کی نماز نہیں ہوگی جبکہ مرد کے لیے یہ ضروری نہیں ہے لیکن یہ یاد رہے کہ یہ نماز کی کیفیت و طریقے میں فرق نہیں ہے بلکہ نماز کی شرائط میں کچھ فرق ہے۔

265- دو سجدوں کے درمیان انگشت شہادت کو حرکت دینا

اس مسئلے میں کوئی مستند و قابل حجت روایت ہمارے علم میں نہیں ہے الا کہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت ہے لیکن وہ شاذ ہے جیسا کہ شیخ البانیؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔(٤)

266- نماز میں وساوس و خیالات کا حل

حضرت عثمان بن ابی العاصؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! بے شک شیطان میرے اور میری نماز اور قراءت کے درمیان حائل ہو کر میری نماز کو خراب (یعنی خلط ملط) کرتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ذاك شيطان يقال له خنزب فاذا أحسسته فتعوذ بالله منه و اتفل على يسارك ثلاثا ' ففعلت ذلك فأذهب الله عني﴾ ''وہ شیطان ہے جسے خنزب کہا جاتا ہے۔ جب تم اسے محسوس کرو تو اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو (یعنی أعوذ باللہ کہو) اور اپنے بائیں جانب (ہلکا سا) تین مرتبہ تھوکو۔ (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) میں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ اسے مجھ سے لے گئے۔(٥)

267- چارزانو بیٹھ کر نماز پڑھنا

ایسا کرنا کسی عذر کی وجہ سے جائز و درست ہے جیسا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے سے گر گئے اور پاؤں پر چوٹ آ گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز پڑھنے لگے۔(٦)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿رأيت رسول الله يصلي متربعا﴾ ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چار زانوں پر بیٹھ کر نماز ادا فرماتے ہوئے دیکھا۔''(۷)

---

(۱) [صفة صلاة النبي (ص/۱۸۹)]

(۲) [مراسیل لأبي داود (ص/۱۱۸) الضعيفة (۲٦٥٤)]

(۳) [صفة صلاة النبي للألباني (ص/۱۸۹)]

(٤) [مزید تفصیل کے لیے دیکھیے : تمام المنة (ص/۲۱٤)]

(٥) [مسلم (۵۷۳۸) كتاب السلام : باب التعوذ من شيطان الوسوسة في الصلاة]

(٦) [سبل السلام (۴۲۷/۱)]

(۷) [صحيح : كما في التعليق على سبل السلام (۴۲٦/۱) نسائي (۲۲٤/۳) ابن خزيمة (۹۷۸/۲)]

268- ننگے سر نماز پڑھنا

نماز میں مرد کے لیے ستر ڈھانپنے کے علاوہ صرف کندھوں پر کوئی کپڑا ہونا ضروری ہے۔

(1) حضرت عمر بن أبي سلمة رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿رأيت النبي ﷺ يصلي في ثوب واحد متوشحا به في بيت أم سلمة قد ألقى طرفيه على عاتقيه﴾ "میں نے نبی ﷺ کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ایک ایسے کپڑے میں لپٹے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا کہ جس کے دونوں کنارے آپ ﷺ نے اپنے کندھوں پر ڈال رکھے تھے۔"(۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوران نماز آپ ﷺ کے سر پر کوئی کپڑا نہیں تھا۔

(2) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن انہوں نے ایک کپڑا بدن پر لپیٹ کر نماز پڑھی جبکہ دوسرا کپڑا بھی قریب پڑا تھا۔ نماز سے فراغت کے بعد کسی نے پوچھا کہ آپ ایک ہی کپڑے میں (کیوں) نماز پڑھ رہے ہیں حالانکہ آپ کے پاس دوسرا کپڑا موجود ہے تو انہوں نے جواب میں کہا ﴿نعم، أحببت أن يراني الجهال مثلكم رأيت النبي ﷺ يصلي كذا﴾ "ہاں! میں چاہتا ہوں کہ تمہارے جیسے جاہل مجھے دیکھ لیں۔ میں نے نبی ﷺ کو اس طرح نماز پڑھتے دیکھا ہے۔"(۲)

(3) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وسعت کے زمانہ میں بھی سر ڈھانپنا نماز کے لیے ضروری نہیں سمجھا۔(۳)

تاہم بالغ عورت کی نماز ننگے سر نہیں ہوتی جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿لا يقبل الله صلاة حائض إلا بخمار﴾ "اللہ تعالیٰ بالغہ عورت کی نماز بغیر اوڑھنی (یعنی دوپٹے وغیرہ) کے قبول نہیں فرماتے۔"(٤)

(۱) [بخاري (۳٥٤، ۳٥٥) كتاب الصلاة : باب الصلاة في الثوب الواحد ملتحفا به، مسلم (٥١٧) موطا (١/١٤٠) أبو داود (٦٢٨) ترمذي (۳۳۹) نسائي (۲/۷۰) ابن ماجة (١٠٤٩)]

(۲) [بخاري (۳۷۰) كتاب الصلاة : باب الصلاة بغير رداء]

(۳) [بخاري (۳٦٥) كتاب الصلاة : باب الصلاة في القميص والسراويل...... مسلم (٥١٥) أبو داود (٦٢٥) نسائي (۲/٦۹) ابن ماجة (١٠٤٧) حميدي (۹۳۷) أبو يعلي (٥٨٨٣)]

(٤) [صحيح : صحيح أبو داود (٥۹٦) كتاب الصلاة : باب المرأة تصلي بغير خمار، أبو داود (٦٤١) أحمد (٦/١٥٠) ترمذي (۳۷۷) ابن ماجة (٦٥٥)]

باب متی تبطل الصلاۃ وعمن تسقط — نماز کب باطل ہوتی ہے اور کس سے ساقط ہوتی ہے

پہلی فصل

نماز میں جو امور جائز نہیں

باتیں کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ ❶	وَ تَبْطُلُ الصَّلَاۃُ بِالْکَلَامِ

❶ (1) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿إن کنا لنتکلم فی الصلاۃ علی عهد رسول اللہ ﷺ﴾ "ہم عہد رسالت میں دوران نماز ایک دوسرے سے بات چیت کر لیتے تھے" اور اپنی ضرورت وحاجت ایک دوسرے سے بیان کر دیتے تھے حتی کہ آیت "حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاۃِ الْوُسْطٰی وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ" نازل ہوئی تو ﴿فأمرنا بالسکوت ونهینا عن الکلام﴾ "ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور دوران نماز گفتگو سے منع کر دیا گیا۔" (۱)

(2) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو دوران نماز سلام کہا تو آپ ﷺ نے جواب نہ دیا (حالانکہ پہلے جواب دیا کرتے تھے) اور (پھر بعد میں) فرمایا ﴿إن فی الصلاۃ لشغلا﴾ "بلاشبہ نماز میں مشغولیت ہے۔" (۲)

(3) ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿إذا کنتم فی الصلاۃ فاقنتوا ولا تکلموا﴾ "جب تم نماز میں ہوتے ہو تو فرمانبردار رہو اور کلام نہ کرو۔" (۳)

(4) سنن أبی داود میں ایک روایت ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے ﴿إن اللہ قد أحدث ألا تکلموا فی الصلاۃ﴾ "بے شک اللہ تعالیٰ نے نیا حکم یہ دیا ہے کہ دوران نماز کلام مت کرو۔" (٤)

یہ تمام دلائل دوران نماز کلام کی حرمت کا واضح ثبوت ہیں اور اصول میں یہ بات مسلم ہے کہ ((النهی یقتضی فساد المنهی عنه)) "ممانعت منہی عنہ (جس کام سے روکا گیا ہے) کے فاسد ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔" بالخصوص عبادات میں یہ قاعدہ متفق علیہ ہے۔ (٥)

(ابن حجرؒ، شوکانیؒ) اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس نے دوران نماز جان بوجھ کر کلام کیا اور وہ اصلاح نماز کا ارادہ نہیں رکھتا تو بلاشبہ اس کی نماز فاسد ہے۔ (٦)

---

(۱) [بخاری (۱۲۰۰) کتاب الجمعة : باب ما ینهی عنه من الکلام فی الصلاۃ ' مسلم (٥٣٩) أبو داود (٩٤٩) ترمذی (٤٠٥) نسائی (۳/۱۸) أحمد (٤/٣٦٨)]

(۲) [بخاری (۱۱۹۹) أیضا ' مسلم (٥٣٨) مسند شافعی (٣٥١) أحمد (١/٣٧٧) أبو داود (٩٢٤) نسائی (٣/١٩) بیهقی (٢/٢٤٨)]

(۳) [مسند أبی یعلی (٨/٣٨٤)]

(٤) [حسن : صحیح أبو داود (٨١٧) کتاب الصلاۃ : باب رد السلام فی الصلاۃ ' أبو داود (٩٢٤) نسائی (٣/١٩)]

(٥) [إرشاد الفحول (٢/٣٧٠) الإحکام للآمدی (٣/٢٦٩)]

(٦) [فتح الباری (٣/٩٠) نیل الأوطار (٢/١٥٨)]

(علامہ عینیؒ، ابن منذرؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۱)

○ علماء نے بھول کر یا جہالت کی وجہ سے نماز میں کلام کے حکم میں اختلاف کیا ہے۔

(ابو حنیفہؒ) کلام جان بوجھ کر ہو' بھول کر ہو یا جہالت کی بنا پر ہو نماز باطل کر دیتا ہے۔ امام ثوریؒ، امام ابن مبارکؒ، امام حماد بن أبی سلیمانؒ اور امام نخعیؒ وغیرہ کا بھی یہی موقف ہے۔

(جمہور، احمدؒ، شافعیؒ، مالکؒ) بھول کر یا جہالت کی بنا پر کلام سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ امام ابن منذرؒ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عروہ رضی اللہ عنہ، امام عطاءؒ، امام حسنؒ اور امام قتادہؒ وغیرہ سے بھی یہی مذہب نقل کیا ہے۔(۲)

(راجح) جمہور کا موقف راجح ہے۔

(ابن حزمؒ) بھول کر یا جہالت سے کیا ہوا کلام محض سجدہ سہو لازم کر دیتا ہے جبکہ نماز مکمل ہو جاتی ہے۔(۳)

(شوکانیؒ) بھول کر کیا ہوا کلام اور جو بھولنے کے ہی حکم میں ہو' نماز باطل نہیں کرتا۔(٤)

مزید اس موقف کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ذوالیدین میں ہے کہ آپ ﷺ نے بھول کر دو رکعتیں پڑھا دیں پھر ذوالیدین کے یاد کروانے پر آپ ﷺ نے صحابہ سے استفسار کیا کہ ﴿أصدق ذو اليدين؟﴾ ''کیا ذوالیدین ٹھیک کہہ رہا ہے؟'' اس کے بعد آپ ﷺ نے بقیہ دو رکعتیں ادا کر لیں اور آخر میں سہو کے سجدے کر لیے۔(٥)

ثابت ہوا کہ بھول کر کلام کر لینے سے نماز باطل نہیں ہوتی کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو نبی ﷺ چار رکعت دوبارہ پڑھتے۔

(2) حدیث نبوی ہے کہ ﴿إن الله تجاوز عن أمتي الخطأ والنسيان......﴾ ''اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطایا بھول کر کیے ہوئے گناہوں کو معاف کر دیا ہے۔''(٦)

(3) حضرت معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک آدمی کو چھینک آئی تو میں نے (نماز میں ہی) کہہ دیا ''یرحمک اللہ'' اس پر لوگوں نے مجھے گھور گھور کر دیکھنا شروع کر دیا۔ میں نے کہا: ہائے! میری ماں مجھے گم پائے کیا بات ہے؟ تم مجھے (غصے سے) کیوں دیکھ رہے ہو؟ اس پر انہوں نے اپنے ہاتھوں کو اپنی رانوں پر مارنا شروع کر دیا۔ جب میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھے خاموش کرانا چاہتے ہیں (مجھے غصہ تو آیا) لیکن میں خاموش ہو گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں میں نے نہ آپ ﷺ سے پہلے اور نہ بعد میں کسی ایسے معلم کو دیکھا جو تعلیم دینے میں آپ ﷺ سے بہتر ہو' اللہ کی قسم آپ ﷺ نے نہ مجھے ڈانٹا' نہ مارا اور نہ ہی سخت و کرخت گفتگو

---

(۱) [عمدة القاری (۲۹۸/٦ ـ ۲۹۹) الأوسط لابن المنذر (۲۳٤/۳)]

(۲) [الأوسط لابن المنذر (۲۳٦/۳) نیل الأوطار (۱٥۸/۲) شرح مسلم للنووی (۲۷/۳) الأم (۲۳٦/۱) شرح المهذب (۱٦۹/٤) المبسوط (۱۷۰/۱) الهداية (٦۱/۱) سبل السلام (۳۱۹/۱) المغنی (٤٤٤/۲)]

(۳) [المحلی بالآثار (۳۱٤/۲)]

(٤) [السیل الجرار (۲۳٤/۱)]

(٥) [بخاری (۱۲۱٤) کتاب الأذان : باب هل يأخذ الإمام إذا شك بقول الناس' مسلم (٥۷۳) موطا (۹۳/۱) ترمذی (۳۹۹) أبو داود (۱۰۰۸) ابن ماجة (۱۲۱٤)]

(٦) [صحیح : صحیح ابن ماجة (۱٦٦۲) کتاب الطلاق : باب طلاق المكره و الناسی' إرواء الغليل (۸۲) ابن ماجة (۲۰٤۳)]

کی بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿إن هذه الصلاة لا يصلح فيها شيئ من كلام الناس إنما هو التسبيح والتكبير و قراءة القرآن﴾ ''بلاشبہ نماز میں انسانی گفتگو کی کوئی گنجائش نہیں۔ نماز میں تو صرف تسبیح' تکبیر اور تلاوتِ قرآن ہونی چاہیے۔'' (١)

اس حدیث سے بھی واضح طور پر معلوم ہوا کہ جہالت کی وجہ سے نماز میں اگر گفتگو ہو جائے تو نماز باطل نہیں ہوتی اگر ایسا ہوتا تو نبی ﷺ اس شخص کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیتے حالانکہ آپ ﷺ نے ایسا کچھ نہیں کیا بلکہ اسے اس حکم سے آگاہ کرنے پر ہی اکتفاء کیا۔

○ اصلاح نماز کے لیے کیا ہوا کلام آئمہ اربعہ کے نزدیک نماز باطل کر دیتا ہے البتہ امام اوزاعیؒ اور بعض مالکیہ نے اسے جائز کہا ہے۔ (٢)

وَبِالْاِشْتِغَالِ بِمَا لَيْسَ مِنْهَا	غیر متعلقہ کام میں مشغول ہونے سے (نماز باطل ہو جاتی ہے)۔ ❶

❶ مراد یہ ہے کہ انسان کوئی ایسا کام شروع کر دے جو نماز کا حصہ نہیں اور اس وقت انسان کو نمازی نہ کہا جا سکے مثلاً لیٹ کر سو جانا' بھاگنا شروع کر دینا' کپڑے سینے لگ جانا' کسی چیز کی طرف طویل مدت دیکھتے رہنا' بوجھ اٹھا لینا' یا کھانا پینا وغیرہ یقیناً ایسے شخص کو کوئی بھی نمازی شمار نہیں کرتا۔

ایسا عملِ کثیر جو نماز کو باطل کر دیتا ہے اس میں علماء و مجتہدین نے بہت اختلاف کیا ہے۔ (٣)

امام شوکانیؒ رقمطراز ہیں کہ حق بات یہ ہے کہ بے شک نماز منعقد ہونے کے بعد...... فاسد نہیں ہوتی اِلا کہ کوئی ایسا فاسد کر دینے والا عمل کر لیا جائے جس کے مفسد ہونے کی شریعت نے خبر دے دی ہو مثلاً وضوء کا ٹوٹ جانا' جان بوجھ کر لوگوں سے کلام کرنا' یا ثابت ارکانِ نماز میں سے عمداً کسی رکن کو چھوڑ دینا وغیرہ۔ (٤)

269- ایسے افعال جو دورانِ نماز سنت سے ثابت ہیں لیکن انہیں عملِ کثیر نہیں کہا جا سکتا

(1) بچہ اٹھا کر نماز پڑھنا:

رسول اللہ ﷺ اپنی نواسی امامہ رضی اللہ عنہا کو اٹھا کر نماز پڑھ لیتے تھے۔ جب رکوع و سجدہ کرتے تو اسے اتار دیتے اور جب قیام کرتے تو اسے دوبارہ اٹھا لیتے۔ (٥)

(2) منبر سے اتر کر سجدہ:

آپ ﷺ نے منبر پر چڑھ کر نماز پڑھائی' جب سجدے کا ارادہ کیا تو نیچے اتر آئے اور سجدہ کر کے پھر واپس لوٹ گئے۔ (٦)

---

(١) [مسلم (٥٣٧) كتاب المساجد و مواضع الصلاة : باب تحريم الكلام فى الصلاة......' أبو داود (٩٣١) نسائى (١٤/٣) دارمى (٣٥٣/١) بيهقى (٢٤٩/٢)]

(٢) [تحفة الأحوذى (٤٥٥/٢) عمدة القارى (٢٩٨/٦)]

(٣) [تفصیل کے لیے دیکھیے : الفقه الإسلامى وأدلته (١٠٣١/٢-١٠٣٤)]

(٤) [السيل الجرار (٢٣٥/١)]

(٥) [بخارى (٥١٦) كتاب الصلاة : باب إذا حمل جارية صغيرة على عنقه فى الصلاة ' مسلم (٥٤٣) أبو داود (٩١٧) نسائى (١٢٠٤) موطا (١٧٠/١) أحمد (٢٩٥/٥)]

(٦) [بخارى (٣٧٧) كتاب الصلاة : باب الصلاة فى السطوح والمنبر والخشب ' مسلم (٥٤٤)]

(3) بہت زیادہ رونا:

جیسا کہ حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا ﴿وفي صدره أزيز كأزيز المرجل من البكاء﴾ "آپ ﷺ کے سینے سے گریہ وزاری کی ایسی آوازیں آرہی تھیں جیسے جوش کھاتی ہوئی ہنڈیا سے آوازیں آتی ہیں۔" (۱)

(4) کھنکارنا:

جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے میرے دو اوقات تھے۔ جب میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے تو ﴿تنحنح لي﴾ "آپ ﷺ مجھے مطلع کرنے کے لیے کھنکار دیتے۔" (۲)

امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ اس عمل کو نماز کے لیے مفسد نہیں کہتے جبکہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ اسے بھی مفسد قرار دیتے ہیں۔ (۳)

(5) پھونکنا:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿نفخ في صلاة الكسوف﴾ "آپ ﷺ نے نماز کسوف کے دوران پھونکا۔" (٤)

اس مسئلے میں بھی فقہاء نے اختلاف کا دامن نہیں چھوڑا۔ (٥)

(6) سبحان اللہ کہنا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿التسبيح للرجال والتصفيق للنساء﴾ "(نماز میں بوقت ضرورت) مرد "سبحن الله" کہیں (کہ امام کو مطلع کریں گے) اور عورتیں تالی بجائیں گی۔" (٦)

(7) اشارے سے سلام کا جواب:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ دوران نماز جب لوگ رسول اللہ ﷺ کو سلام کرتے تو آپ ﷺ انہیں کیسے جواب دیتے تو انہوں نے کہا ﴿يقول هكذا وبسط كفه﴾ "اس طرح کرتے' اور اپنا ہاتھ پھیلا دیا۔" (۷)

---

(۱) [صحيح : صحيح أبو داود (۷۹۹) كتاب الصلاة : باب البكاء في الصلاة ' أبو داود (۹۰٤) أحمد (۲٥/٤) نسائي (۱۳/۳) ابن خزيمة (۹۰۰)]

(۲) [ضعيف : ضعيف ابن ماجة (۸۱۰) كتاب الأدب : باب الاستئذان ' ابن ماجة (۳۷۰۸) أحمد (۸۰/۱)]

(۳) [نيل الأوطار (۱٦۳/۲)]

(٤) [صحيح : صحيح أبو داود (۱۰٥٥) كتاب الصلاة : باب من قال يركع ركعتين ' أحمد (۱٥۹/۲) أبو داود (۱۱۹٤) نسائي (۱۳۷/۳) بيهقي (۳۲٤/۳)]

(٥) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: روضة الطالبين (۳۹٤/۱) رد المحتار (۳۷۰/۲) الهداية (٦۱/۱) سبل السلام (۱۹٦/۱) المغني (٤٥۱/۲) تحفة الفقهاء (۲٤۷/۱)]

(٦) [بخاري (۱۲۰۳) كتاب الجمعة : باب التصفيق للنسآء ' مسلم (٤۲۲) أبو داود (۹۳۹) ترمذي (۳٦۷) نسائي (۱۱/۳) ابن ماجة (۱۰۳٤) أحمد (۲٦۱/۲)]

(۷) [صحيح : صحيح أبو داود (۸۲۰) كتاب الصلاة : باب رد السلام في الصلاة ' أحمد (۱۲۳٦) أبو داود (۹۲۷) ترمذي (۳٦٦)]

(8) سانپ اور بچھو کو مارنا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿اقتلوا الأسودين في الصلاة : الحية والعقرب﴾ ''نماز میں دو سیاہ جانوروں یعنی سانپ اور بچھو کو مار دیا کرو۔'' (۱)

(9) تھوکنا:

حضرت ابو نضرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿بزق رسول الله ﷺ في ثوبه وحك بعضه ببعض﴾ ''آپ ﷺ نے اپنے کپڑے میں تھوکا پھر اس کے کچھ حصے کو کچھ دوسرے حصے کے ساتھ کھرچا۔'' (۲)

(10) تھوک کو جوتی سے ملنا:

حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی ﴿فرأيته تنخع فدلكها بنعله﴾ ''میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے تھوکا اور اپنی جوتی کے ساتھ اسے مل دیا۔'' (۳)

(11) چند قدم چلنا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے تھے اور دروازہ بند ہوتا پس میں آ کر دروازہ کھلواتی (یعنی کھٹکھٹاتی) ﴿فمشى ففتح لي ثم رجع إلى الصلاة﴾ ''تو آپ ﷺ چل کر دروازہ کھولتے پھر نماز گاہ کی طرف لوٹ جاتے۔'' (٤)

(12) کسی کو ہاتھ لگا کر مطلع کرنا:

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے اور آپ ﷺ کے سامنے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لیٹی ہوتیں۔ جب آپ ﷺ سجدے کا ارادہ فرماتے تو اپنا ہاتھ ان کی ٹانگ پر رکھتے تاکہ وہ سجدے کی جگہ چھوڑ دیں۔ (٥)

(13) دوران نماز بچے کا کمر پر سوار ہو جانا:

بعض اوقات حضرت حسین رضی اللہ عنہ آتے اور آپ ﷺ اس وقت سجدے میں ہوتے تو وہ آپ ﷺ کی کمر مبارک پر سوار ہو جاتے اور آپ ﷺ اس وجہ سے سجدے کو قدرے طویل کر دیتے۔ (٦)

---

(۱) [صحیح : صحیح أبو داود (۸۱٤) کتاب الصلاة : باب العمل في الصلاة ' أبو داود (۹۲۱) ترمذی (۳۹۰) نسائی (۱۲۰۲) ابن ماجة (۱۲٤٥) ابن حبان (۲۳٤٦)]

(۲) [صحیح : صحیح أبوداود (۳۷٤) کتاب الطهارة : باب البصاق يصيب الثوب ' أبو داود (۳۸۹)]

(۳) [مسلم (٥٥٤) کتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب النهي عن البصاق في المسجد......]

(٤) [حسن : صحیح أبو داود (۸۱٥) کتاب الصلاة : باب العمل في الصلاة ' أبو داود (۹۲۲) ترمذی (٦۰۱) نسائی (۱۲۰٦)]

(٥) [بخاری (۳۸۲) کتاب الصلاة : باب الصلاة على الفراش ' مسلم (٥۱۲) مؤطا (۱۱۷/۱) أبو داود (۷۱۳)]

(٦) [صحیح : صحیح نسائی (۱۰۹۳) کتاب التطبيق : باب هل يجوز أن تكون سجدة أطول من سجدة ' نسائی (۱۱٤۲) أحمد (٤۹٤/۳) حاکم (۱٦٦/۳)] شیخ محمد صبحی حسن حلاق نے اسے صحیح کہا ہے۔ [التعليق على الروضة الندية (۲۸٦/۱)]

(14) دوران نماز جوتیاں اتارنا:
رسول اللہ ﷺ نے جوتیاں پہن کر نماز ادا فرمائی لیکن جب دوران نماز گندگی کا علم ہوا تو اپنی جوتیاں اتار دیں۔(۱)

(15) ایک صحابی اپنے جانور کی لگام تھامے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا وہ جانور جس طرف (زور سے) چلتا یہ بھی اس کے پیچھے چلنے لگتا۔(۲)

(16) جمائی روکنا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿التثاؤب من الشیطان فإذا تثاؤب أحدکم فلیکظم ما استطاع﴾ ''جمائی کا آنا شیطان کی طرف سے ہے' پس جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو حتی الوسع اسے روکنے کی کوشش کرے۔'' اور جامع ترمذی کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے ﴿فی الصلاۃ﴾ ''نماز میں (جمائی روکے)۔''(۳)

اور کسی شرط ❶ یا رکن ❷ کو جان بوجھ کر ❸ چھوڑ دینے سے (نماز باطل ہو جاتی ہے)۔	وَبِتَرْکِ شَرْطٍ أَوْ رُکْنٍ عَمْدًا

❶ جیسا کہ وضوء یا نیت وغیرہ کیونکہ یہ بات مسلم ہے کہ شرط کا فقدان مشروط کے فقدان کو مستلزم ہے۔(٤)

❷ کیونکہ رکن کسی بھی چیز کا وہ حصہ ہوتا ہے جس کے بغیر اس چیز کی تکمیل ناممکن ہو۔(٥)

❸ اگر بھول کر کوئی شخص شرط یا رکن چھوڑ دے تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں یا تو بعد میں اسے یاد آ گیا یا نہیں آیا۔ اگر اسے بعد میں بھی یاد نہیں آیا تو ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿لا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَھَا﴾ اور حدیث نبوی ہے کہ ﴿إن اللہ تجاوز عن أمتی الخطأ و النسیان......﴾ لہٰذا ان دلائل کے مطابق وہ شخص گنہگار نہیں ہوگا۔ اور اگر اسے بعد میں یاد آ جائے تو شرط چھوڑنے کی صورت میں اسے مکمل نماز دوبارہ ادا کرنا ہوگی کیونکہ کوئی بھی شرط چھوڑ دینے سے نماز بالکل ہوتی ہی نہیں اور اگر رکن رہ گیا تھا تو وہ صرف متروکہ رکن ادا کر کے نماز کی تکمیل کرے اور آخر میں سہو کے سجدے کرے جیسا کہ نبی ﷺ کا یہی عمل حدیث ذوالیدین میں مذکورہ ہے۔ (واللہ اعلم)(٦)

○ فرائض کے متعلق حق بات یہی ہے کہ (ان میں سے کسی کو چھوڑ دینا) نماز کو فاسد نہیں کرتا۔(٧) بلکہ محض فرائض پر عمل کرنے والا اجر وثواب اور انہیں چھوڑنے والا گناہ وسزا کا مستحق ہوتا ہے۔(٨)

---

(۱) [حاکم (۱۳۹۳۱) مجمع الزوائد (۵٦/۲)]
(۲) [بخاری (۱۲۱۱) کتاب الجمعۃ : باب إذا انفلتت الدابۃ فی الصلاۃ]
(۳) [مسلم (۲۹۹٤) کتاب الزھد والرقائق : باب تشمیت العاطس و کراھۃ التثاؤب ' ترمذی (۳۷۰) کتاب الصلاۃ : باب ما جاء فی کراھیۃ التثاؤب فی الصلاۃ ' صحیح ترمذی للألبانی (۳۰٤)]
(٤) [الإحکام للآمدی (۱۲۱/۱) الموافقات للشاطبعی (۱۸۷/۱)]
(٥) [الفرائض (ص/۱۷)]
(٦) [بخاری (۷۱٤)]
(٧) [السیل الجرار (۲۳٤/۱)]
(٨) [الإحکام فی أصول الأحکام للآمدی (۹۱/۱) المستصفی للغزالی (۲۷/۱) الموافقات للشاطبی (۱۰۹/۱)]

متفرقات

270- امام کو لقمہ دینا

دوران نماز اگر امام کو اس کے بھول جانے پر آیت یاد کروا دی جائے تو یہ عمل نماز فاسد نہیں کرتا بلکہ ایسا کرنا جائز ہے اور اگر اس پر کوئی بھی واضح دلیل نہ ہوتب بھی یہ آیت ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ ''نیکی اور تقوی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرو'' اس کے لیے کافی ہے جیسا کہ امام شوکانیؒ نے یہی وضاحت فرمائی ہے۔(۱)

(1) حضرت مسور بن یزید مالکی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قراءت فرما رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی چیز بغیر پڑھے چھوڑ دی۔ (نماز کے بعد) ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح آیت چھوڑ دی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿هلا ذكرتنيها﴾ ''تم نے مجھے وہ آیت یاد کیوں نہیں کروائی۔''(۲)

(2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قراءت خلط ملط ہو گئی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو حضرت اُبی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ''کیا تو نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے کہا ''ہاں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿فما منعك؟﴾ ''پھر تجھے کس چیز نے (غلطی بتانے سے) روکے رکھا؟''۔(۳)

(3) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كنا نفتح على الائمة على عهد رسول الله﴾ ''ہم عہد رسالت میں اماموں کو لقمہ دیا کرتے تھے۔''(٤)

(4) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ﴿إذا استطعمك الإمام فأطعمه﴾ ''جب امام تم سے لقمہ طلب کرے تو اسے لقمہ دو۔''(٥)

علاوہ ازیں جس روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا ﴿لا تفتح على الإمام فى الصلاة﴾ ''نماز میں امام کو لقمہ نہ دو۔'' وہ حدیث ضعیف ہے۔(٦)

271- دوران نماز قہقہہ کا حکم

اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی کیونکہ جس روایت میں مذکور ہے کہ ہنسنے کی وجہ سے وضوء اور نماز دوبارہ دہرانے چاہییں' وہ ضعیف ہے مزید اس کا بیان ''باب الوضوء'' میں گزر چکا ہے۔

272- نماز میں کسی دوسرے واجب پر عمل کا حکم

کسی (دوسرے ناگزیر) واجب کام کی طرف متوجہ ہونے سے بھی نماز باطل نہیں ہوگی مثلاً کسی غرق ہونے والے کو بچانا۔(۷)

---

(۱) [السيل الجرار (۲٤۰/۱) نيل الأوطار (۱۷۱/۲)]

(۲) [**حسن** : صحيح أبو داود (۸۰۲) كتاب الصلاة : باب الفتح على الإمام فى الصلاة' أبو داود (۹۰۲) بيهقى (۲۱۱/۳)]

(۳) [**صحيح** : صحيح أبو داود (۸۰۳) أيضا' أبو داود (۹۰۷) ابن حبان (۲۲٤۲) طبرانى كبير (۱۳۲۱٦) بيهقى (۲۱۲/۳)]

(٤) [حاكم (۲۷٦/۱)]

(٥) [**صحيح** : تلخيص الحبير (٥۱۳/۱) ابن أبى شيبة (۷۲/۲)]

(٦) [**ضعيف** : ضعيف أبو داود (۱۹۳) كتاب الصلاة : باب النهى عن التلقين' ضعيف الجامع (٦٤۰۱) أبو داود (۹۰۸)]

(۷) [السيل الجرار (۲٤۳/۱)]

یہ حکم اس لیے ہے کیونکہ نماز بعد میں بھی ادا کی جاسکتی ہے لیکن ایک مسلمان کی جان اس کے مرنے کے بعد حاصل نہیں ہو سکتی اور یہ کام ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' کا ہی ایک حصہ ہے کہ جسے واجب کیا گیا ہے۔علاوہ ازیں مندرجہ ذیل دلائل اس مسئلے میں مؤثر ہیں:

(1) ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [آل عمران: ۱۰۴] ''اور تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو خیر کی طرف لوگوں کو دعوت دے اور وہ لوگ نیکی کا حکم کریں۔''

(2) ﴿أَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْءِ﴾ [الاعراف: ۱۶۵] ''ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو برائی سے روکتے تھے۔''

(3) حدیث نبوی ہے کہ ﴿من رأى منكم منكرا فليغيره بيده......﴾ ''تم میں سے جو بھی کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے۔''(۱)

(4) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿والذی نفسی بیده لاتدخلوا الجنة حتى تومنوا ولا تومنوا حتى تحابوا﴾ ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ ایمان نہ لے آؤ اور تم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرنے لگو۔''(۲)

(5) حضرت جریج علیہ السلام کو ان کی والدہ نے جب بلایا تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اس لیے انہوں نے والدہ کی بات نہ سنی لیکن پھر انہیں اس کا برا انجام بھگتنا پڑا۔(۳)

(6) اور اصول میں بھی یہ بات ثابت ہے کہ ((دفع المفاسد خير من جلب المنافع)) ''مفاسد کا ختم کرنا منافع کے حصول سے بہتر ہے۔''

273- دوران نماز آسمان کی طرف نظر اٹھانا

اس عمل کی ممانعت پر اجماع ہے۔(٤)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿لينتهين أقوام يرفعون أبصارهم إلى السماء في الصلاة أو لتخطفن أبصارهم﴾ ''ضرور بضرور حالت نماز میں اپنی نظریں آسمان کی طرف اٹھانے سے لوگ باز آجائیں یا پھر ان کی نظروں کو یقیناً اچک لیا جائے گا۔''(٥)

274- حائضہ عورت' گدھا اور کالا کتا نماز باطل کر دیتے ہیں

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿يقطع صلاة المرء المسلم - إذا لم يكن بين يديه مثل مؤخرة الرحل - المرأة والحمار والكلب الأسود﴾ ''مسلمان آدمی کی نماز کو جبکہ اس کے سامنے پالان کے پچھلے حصے

(۱) [بخاری (۲٤٤۲) مسلم (۲٥۸۰)]

(۲) [مسلم (٥٤) أبو داود (٥۱۹۳) ترمذی (۲٦۸۸) ابن ماجة (۳٦۹۲)]

(۳) [بخاری (۲۳٥۰) أحمد (۳۸٥/۲)]

(٤) [شرح مسلم للنووی (۱٥۲/٤) فتح الباری (۲۳٤/۲)]

(٥) [أحمد (۳۳۳/۲) مسلم (٤۲۹) كتاب الصلاة : باب النهي عن رفع البصر إلى السماء في الصلاة' نسائی (۳۹/۳)]

کے برابر سترہ نہ ہو عورت' گدھا اور کالا کتا توڑ دیتا ہے۔"(۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ﴿المرأة الحائض﴾ "حائضہ عورت" کے الفاظ ہیں۔(۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ' حضرت انس رضی اللہ عنہ' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ' امام حسن بصریؒ' امام ابو الأحوصؒ اور امام ابن حزمؒ سے بھی یہی مذہب منقول ہے۔(۳)

(احمدؒ) کالا کتا نماز کو کاٹ دیتا ہے البتہ عورت اور گدھے کے متعلق مجھے اشکال ہے۔

(جمہور، شافعیؒ، مالکؒ، ابو حنیفہؒ) ان میں سے کوئی چیز بھی نماز کو باطل نہیں کرتی البتہ اجر و ثواب میں نقص واقع ہو جاتا ہے۔(٤)

جمہور علماء مندرجہ ذیل حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا يقطع الصلاة شيئ وادرؤوا ما استطعتم﴾ "نماز کو کوئی چیز نہیں توڑتی البتہ سامنے سے گزرنے والے کو حتی الوسع روکنے کی کوشش کرو۔"(٥)

(شوکانیؒ) حائضہ عورت اور کالا کتا نماز توڑ دیتے ہیں۔(٦)

(راجح) یہ تینوں اشیاء نماز کو توڑ دیتی ہیں جیسا کہ گذشتہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث اس کی دلیل ہے۔

(ابن تیمیہؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۷)

(ابن قیمؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(۸)

(ابن بازؒ) یہ تینوں اشیاء انسان کی نماز توڑ دیتی ہیں۔(۹)

275- نماز میں ادھر ادھر جھانکنا ممنوع ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوران نماز اِدھر اُدھر دیکھنے کے متعلق سوال کیا تو

(۱) مسلم (٥١٠) كتاب الصلاة : باب قدر ما يستر المصلي' أبو داود (٧٠٢) ترمذي (٣٣٧) نسائي (٦٣/٢) ابن ماجة (٩٥٢) أحمد (١٥١/٥) ابن خزيمة (٨٠٦)]

(۲) [**صحيح** : صحيح أبو داود (٦٥١) كتاب الصلاة : باب ما يقطع الصلاة' أبو داود (٧٠٣) ابن ماجة (٩٤٩) أحمد (٤٣٧/١) نسائي (٦٤/٢) ابن خزيمة (٨٣٢)]

(۳) [نيل الأوطار (٢١٠/٢) المحلى بالآثار (٣٢٠/٢)]

(٤) [نيل الأوطار (٢١٠/٢) شرح مسلم للنووي (٤٦٧/٣) تحفة الأحوذي (٣٢٠/٢) سبل السلام (٣٣٠/١) المحلى بالآثار (٣٢٠/٢)]

(٥) [**ضعيف** : ضعيف أبو داود (١٤٣) كتاب الصلاة : باب من قال لا يقطع الصلاة شيئ' ضعيف الجامع (٦٣٦٦) المشكاة (٧٨٥) أبو داود (٧١٩) بيهقي (٢٧٨/٢)] یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں مجالد بن سعید بن عمر ھمدانی کوفی راوی متکلم فیہ ہے [نيل الاوطار (٢١٣/٢)] شیخ حازم علی قاضیؒ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔[التعليق على سبل السلام (٣٣٥/١) اس معنی کی اور بھی چند احادیث ہیں لیکن وہ بھی ضعیف ہیں۔[نيل الأوطار (٢١٣/٢)]

(٦) [نيل الأوطار (٢١٢/٢)]

(٧) [التعليق على سبل السلام للشيخ عبدالله بسام (٣٧٧/١)]

(٨) [أيضا]

(٩) [الفتاوى الإسلامية (٢٤٣/١)]

آپ ﷺ نے فرمایا ﴿هو اختلاس يختلسه الشيطان من صلاة العبد﴾ "یہ تو شیطان کا جھپٹا ہے جس کے ذریعے شیطان انسان کو جھپٹ لیتا ہے۔"(۱)

276- مسجد میں اور نماز کے لیے کیے ہوئے وضوء کے بعد تشبیک ممنوع ہے

(1) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿إذا كان أحدكم في المسجد فلا يشبكن، فإن التشبيك من الشيطان﴾ "جب تم میں سے کوئی مسجد میں ہو تو (اپنے ہاتھوں) کو تشبیک (تشبیک یہ ہے کہ ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں مضبوطی سے داخل کر لینا) نہ دے کیونکہ تشبیک شیطان کی طرف سے ہے۔"(۲)

(2) حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿إذا توضأ أحدكم ثم خرج عامدا إلى المسجد فلا يشبكن بين يديه فإنه في الصلاة﴾ "جب تم میں سے کوئی وضوء کرے پھر مسجد کی طرف جانے کے لیے نکلے تو اپنے ہاتھوں کو تشبیک نہ دے کیونکہ بلاشبہ وہ نماز میں ہے۔"(۳)

277- نماز میں سجدہ گاہ سے کنکریاں ہٹانا

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿إذا قام أحدكم في الصلاة فلا يمسح الحصى فإن الرحمة تواجهه﴾ "جب تم میں سے کوئی شخص نماز ادا کر رہا ہو تو (سجدہ گاہ سے) کنکریوں کو مت ہٹائے کیونکہ اس وقت رحمت اس کے سامنے ہوتی ہے۔" مسند احمد کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ ﴿واحدة أو دع﴾ "اگر کنکریاں ہٹانا ضروری ہو تو ایک مرتبہ ہٹا لو یا رہنے دو۔"(٤)

اگر اس حدیث میں کچھ کمزوری بھی ہو تب بھی یہ اس وجہ سے قابل حجت ہے کہ صحیحین میں اس کا شاہد موجود ہے۔(٥)

278- دونوں پہلوؤں پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھنا ممنوع ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿نهى النبي ﷺ أن يصلي الرجل مختصرا﴾ "نبی ﷺ نے نماز میں کولہوں پر ہاتھ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔"(٦)

---

(۱) [بخاری (۷٥۱) كتاب الأذان : باب الإلتفات في الصلاة، أحمد (۷۰/٦) أبو داود (۹۱۰) نسائی (۸/۳) ابن خزيمة (٤۸٤)]

(۲) [حسن : المجمع (۲٥/۲) أحمد (٤۳/۳) مجمع الزوائد میں ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔]

(۳) [صحيح : صحیح أبو داود (٥۲٦) كتاب الصلاة : باب ما جاء في الهدى في المشى إلى الصلاة، أبو داود (٥٦۲) أحمد (۲٤۱/٤) ابن خزيمة (٤٤۱) ترمذی (۳۸٦)]

(٤) [ضعيف : ضعيف أبو داود (۲۰۱) كتاب الصلاة : باب في مسح الحصى في الصلاة، أبو داود (۹٤٥) ترمذی (۳۷۹) ابن ماجة (۱۰۲۷) نسائی (٦/۳) ابن خزيمة (٥۹/۲) ابن حبان (۲۲۷۳) دارمی (۳۲۲/۱) بيهقی (۲۸٤/۲)] شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔[التعليق على سبل السلام (۳٤۱/۱) حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

(٥) [بخاری (۱۲۰۷) مسلم (٥٤٦)]

(٦) [بخاری (۱۲۲۰) كتاب الجمعة : باب الخصر في الصلاة، مسلم (٥٤٥) أبو داود (۹٤۷) نسائی (۱۲۷/۲) ترمذی (۳۸۳) أبو عوانة (۷٤/۲) دارمی (۲۳۲/۱) ابن خزيمة (٥٦/۲) حاكم (۲٦٤/۱) بيهقی (۲۸۷/۲)]

279- نماز میں آنکھیں بند کرنا

(ابن قیمؒ) نماز میں آنکھیں بند کرنا آپ ﷺ کا طریقہ نہیں تھا جیسا کہ تشہد کے بیان میں یہ بات گزری ہے کہ آپ ﷺ دعا میں نظر اپنی انگلی کے اشارے کی طرف رکھتے۔(۱)

(فیروز آبادیؒ) آپ ﷺ نماز میں اپنی آنکھیں کھول کر رکھتے تھے۔(۲)

280- تصویر والی گھڑی میں نماز

(ابن بازؒ) جب تصویر گھڑی کے اندر چھپی ہو جو دکھائی نہ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں..... مگر جب تصویر گھڑی کے باہر ہو یا کھولنے سے نظر آ جاتی ہو تو نماز جائز نہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا ﴿لا تدع صورة إلا طمستها﴾ ''جو تصویر دیکھو اسے مٹا دینا۔''(۳)

281- نماز میں قنوت نازلہ مشروع ہے

مصیبت و آزمائش کے وقت کی جانے والی دعا کو قنوت نازلہ کہتے ہیں۔ اس کی مشروعیت میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔

(احمدؒ، ابو حنیفہؒ) وتر کے سوا کسی نماز میں بھی قنوت مسنون نہیں ہے (البتہ امام احمدؒ کے نزدیک کسی پیش آمدہ مصیبت کی وجہ سے نماز فجر میں امام قنوت کر سکتا ہے۔)

(ترمذیؒ) اکثر اہل علم اسی پر ہیں (یعنی گذشتہ قول پر)۔

(مالکؒ، شافعیؒ) دائمی طور پر قنوت کرنا صرف نماز فجر میں مسنون ہے۔(٤)

(نوویؒ) ہمارے مذہب میں صرف نمازِ صبح میں قنوت جائز ہے۔(٥)

(ابن قدامہؒ) کسی پیش آمدہ مصیبت کے علاوہ کسی نماز میں بھی (سوائے وتر کے) قنوت مشروع نہیں۔(٦)

(ابن قیمؒ) عالم و منصف شخص جس انصاف کی بات کے ساتھ مطمئن ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے قنوت کی ہے اور چھوڑی بھی ہے (یعنی قنوت کرنا اور چھوڑنا دونوں میں اختیار ہے)۔(۷)

(راجح) ابتلاو آزمائش کے وقت بغیر کسی نماز کی تخصیص کے (تمام نمازوں میں) قنوت نازلہ مشروع ہے۔

(شوکانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۸)

---

(۱) [زاد المعاد (۱/۲٤۸)]

(۲) [سفر السعادة (ص/۲۰)]

(۳) [فتاوی ابن باز مترجم (۱/۷۸)]

(٤) [المغنی (۲/۵۸۵) المجموع (۳/٤۷٤) الحاوی (۲/۱۵۰) رد المختار (۲/٤٤۸) المبسوط (۱/۱٦۵) الهداية (۱/٦۲) الاختيار (۱/۵۵) الحجة على أهل المدينة (۱/۹۷) ترمذی (بعد الحدیث / ٤۰۲)]

(٥) [المجموع (۳/٤۷٤)]

(٦) [المغنی (۲/۵۸۵)]

(۷) [زاد المعاد (۱/۲۷۲)]

(۸) [نيل الأوطار (۲/۱۹۳)]

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(۱)

اس موقف کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب مشرکین نے ستر قراء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قتل کر دیا تو ﴿قنت النبی ﷺ شهرا یدعو علیهم﴾ "نبی ﷺ نے ایک ماہ قنوت فرمائی جس میں آپ ﷺ ان (کے قاتل مشرکوں) پر بددعا کرتے رہے۔"(۲)

(2) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک نبی ﷺ قنوت نہیں فرماتے تھے الا کہ ﴿إذا دعا لقوم أو دعا علی قوم﴾ "جب کسی قوم کے لیے دعا کرتے یا کسی قوم پر بددعا فرماتے۔"(۳)

(3) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿کان القنوت فی المغرب والفجر﴾ "نماز مغرب اور نماز فجر میں قنوت کی جاتی تھی۔"(٤)

(4) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے بھی اسی معنی میں حدیث مروی ہے۔(٥)

(5) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "اللہ کی قسم میں تمہارے قریب وہ نماز ادا کروں گا جو رسول اللہ ﷺ کی نماز ہے ﴿فکان أبو هریرة یقنت فی الظهر والعشاء الآخر وصلاة الصبح ویدعو للمؤمنین ویلعن الکفار﴾ "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ظہر عشا اور فجر کی نماز میں قنوت کرتے تھے (جس میں) مومنوں کے لیے دعا کرتے اور کافروں پر لعنت کرتے تھے۔"(٦)

(6) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ متواتر ایک ماہ ظہر' عصر' مغرب' عشاء اور فجر کی ہر نماز میں جب (آخری رکعت میں) "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتے تو قنوت کرتے اور بنو سلیم کے چند قبیلوں رعل' ذکوان اور عصیہ پر بددعا کرتے اور پیچھے مقتدی آمین کہتے۔"(۷)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حالات کے مطابق ایک نماز میں' دو نمازوں میں' یا پانچوں نمازوں میں قنوت نازلہ کی جا سکتی ہے۔

○ قنوت نازلہ رکوع کے بعد کی جائے گی:

جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ﴿قنت رسول اللہ بعد الرکوع شهرا﴾ "رسول اللہ ﷺ نے مسلسل ایک ماہ رکوع کے بعد قنوت فرمائی۔"(۸)

○ قنوت نازلہ میں مقتدی آمین کہہ سکتے ہیں:

جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ﴿ویؤمن من خلفه﴾ "(آپ ﷺ قنوت فرماتے تو) مقتدی آمین کہتے۔"(۹)

---

(۱) [تحفة الأحوذی (۲/٤٥٠)]

(۲) [بخاری (۱۰۰۲) کتاب الوتر : باب القنوت قبل الرکوع و بعده]

(۳) [ابن خزیمة (۱/۳۱٤)'(۶۲۰)]

(٤) [بخاری (۷۹۸) کتاب الأذان : باب فضل اللهم ربنا لك الحمد]

(٥) [أحمد (٤/۲۸٥) مسلم (۳۰٥) أبو داود (۱٤٤۱) ترمذی (٤۰۱) نسائی (۲/۲۰۲) شرح معانی الآثار (۲/۲٤۲) دارقطنی (۲/۳۷)]

(٦) [بخاری (۷۹۷) کتاب الأذان : باب فضل اللهم ربنا لك الحمد' أحمد (۲/۳۳۷) مسلم (٦۷٦) أبو داود (۱٤٤۰) نسائی (۲/۲۰۲) دارقطنی (۲/۳۸) بیهقی (۲/۱۹۸)]

(۷) [حسن : صحیح أبو داود (۱۲۸۰) کتاب الصلاة : باب القنوت فی الصلوات' ابوداود (۱٤٤۳) أحمد (۱/۳۰۱)]

(۸) [بخاری (٤۰۹٦) کتاب المغازی : باب غزوة الرجیع......]

(۹) [حسن : صحیح أبو داود (۱۲۸۰) أبو داود (۱٤٤۳)]

○ قنوت نازلہ میں ہاتھ اٹھانا ثابت ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح کی نماز میں دیکھا ﴿رفع يديه فدعا عليهم﴾ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اوران (مشرکین) پر بددعا کی۔'' (۱)

○ قنوت نازلہ کی دعائیں:

(1) اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَأَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَأَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِهِمْ وَانْصُرْهُمْ عَلٰى عَدُوِّكَ وَعَدُوِّهِمْ اَللّٰهُمَّ الْعَنْ كَفَرَةَ أَهْلِ الْكِتَابِ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِكَ وَيُكَذِّبُوْنَ رُسُلَكَ وَيُقَاتِلُوْنَ أَوْلِيَاءَكَ اَللّٰهُمَّ خَالِفْ بَيْنَ كَلِمَتِهِمْ وَزَلْزِلْ أَقْدَامَهُمْ وَأَنْزِلْ بِهِمْ بَأْسَكَ الَّذِيْ لَا تَرُدُّهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۔ (۲)

(2) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُثْنِيْ عَلَيْكَ وَلَا نَكْفُرُكَ ......الخ۔ (۳)

(3) نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان قیدیوں کے نام لے لے کر ان کی نجات کے لیے دعائیں مانگتے تھے۔ (٤)

(نوویؒ) صحیح بات یہی ہے کہ اس بارے میں کوئی مخصوص دعا متعین نہیں ہے بلکہ ہر ایسی دعا پڑھی جاسکتی ہے جس سے یہ مقصود حاصل ہوتا ہو اور '' اللهم اهدني فيمن هديت '' آخر تک پڑھنا مستحب ہے شرط نہیں۔ (٥)

○ جولوگ قنوت کو مشروع قرار نہیں دیتے ان کی دلیل حضرت ابو مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے مروی وہ روایت ہے کہ جس میں ان کے والد نے قنوت کو بدعت کہا ہے۔ (٦)

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ یہ حدیث قنوت کی نفی میں ہے اور گذشتہ صحیح احادیث اس کے اثبات میں اور نفی و اثبات کا تعارض ہو جائے تو اثبات کو ہی ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ (٧)

282- سلام کے بعد امام مقتدیوں کی طرف رخ پھیرے

(1) حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كان النبي ﷺ إذا صلى صلاة أقبل علينا بوجهه﴾ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نماز پڑھتے تھے تو (سلام کے بعد) اپنا چہرہ ہماری طرف کر لیتے تھے۔'' (٨)

(2) حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز فجر

---

(١) [صحيح : إرواء الغليل (١٨١/٢) أحمد (١٣٧/٣)]
(٢) [أحمد (١٣٧/٣)]
(٣) [بيهقي (٢١٠/٢-٢١١)]
(٤) [بخاري (٨٠٤) كتاب الأذان : باب يهوى بالتكبير حين يسجد ' مسلم (٦٧٥) أبو عوانة (٢٨٣/٢) عبدالرزاق (٤٠٢٨)]
(٥) [شرح مسلم (٢٣٧/١)]
(٦) [صحيح : صحيح ترمذي (٣٣٠) كتاب الصلاة : باب ما جاء في ترك القنوت ' ترمذي (٤٠٢) أحمد (٤٧٢/٣) ابن ماجة (١٢٤١) نسائي (٢٠٤/٢)]
(٧) [نيل الأوطار (١٩١/٢) تحفة الأحوذي (٤٥١/٢)]
(٨) [بخاري (٨٤٥)]

پڑھائی ﴿ثم انحرف جالسا واستقبل الناس بوجهه﴾ ”پھر بیٹھے ہوئے ہی پھرے اور اپنا چہرہ لوگوں کی طرف متوجہ کر لیا۔“ (۱)

امام کو دائیں جانب پھرنا چاہیے یا بائیں جانب اس کے متعلق دو بظاہر مختلف احادیث ہیں:

① حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿لقد رأيت النبي كثيرا ينصرف عن يساره﴾ ”بے شک میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ اپنے بائیں جانب پھرتے ہوئے دیکھا ہے۔“ (۲)

② حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أكثر ما رأيت رسول الله ينصرف عن يمينه﴾ ”اکثر جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے وہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دائیں جانب پھرتے تھے۔“ (۳)

(نوویؒ) ان دونوں روایات کو اس طرح جمع کیا جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اِس طرح بھی کرتے تھے اور اُس طرح بھی۔ اور ان دونوں (صحابہ) میں سے جس نے جو اکثر عمل سمجھا اس کو بیان کر دیا اور یقیناً حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے دائیں جانب پھرنے کے وجوب کے اعتقاد کو ناپسند کیا ہے (یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ صرف دائیں طرف ہی پھرنا چاہیے درست نہیں)۔ (٤)

(ابن حجرؒ) ایک اور طریقے سے بھی ان احادیث کو جمع کیا جا سکتا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کو مسجد میں نماز پڑھنے پر محمول کیا جائے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو اس کے علاوہ سفر وغیرہ پر۔ اور جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اعتقاد میں تعارض ہوا ہے تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے زیادہ عالم، زیادہ عمر رسیدہ، بزرگ اور اکثر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے والے تھے۔ (٥)

(راجح) دونوں طرح جائز ہے البتہ دائیں جانب پھرنا عمومی دلائل کی بنا پر علماء کے نزدیک افضل ہے۔ (٦)

(1) حضرت قبیصہ بن ہلب عن أبیہ روایت ہے کہ ﴿كان رسول الله يؤمنا فينصرف عن جانبي جميعا، على يمينه وعلى شماله﴾ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری امامت کراتے تو دونوں جانب پھرتے تھے یعنی اپنی دائیں جانب اور اپنی بائیں جانب۔“ (۷)

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ اہل علم کا اسی پر عمل ہے اور مزید کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی جاتی ہے کہ انہوں نے کہا ﴿إن كانت حاجته عن يمينه أخذ عن يمينه وإن كانت حاجته عن يساره أخذ عن يساره﴾ ”اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دائیں جانب کوئی ضرورت یا کام ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں جانب پھر جاتے اور اگر بائیں جانب کوئی حاجت ہوتی تو بائیں جانب پھر جاتے۔“

---

(۱) [أحمد (٤/١٦١)]

(۲) [بخاری (٨٥٢) کتاب الأذان : باب الانفتال والانصراف من اليمين والشمال، مسلم (٧٠٧) أبو داود (١٠٤٢) نسائی (٣/٨١) ابن ماجة (٩٣٠) دارمی (١/٣١١) حمیدی (١٢٧) عبدالرزاق (٣٢٠٨) أبو عوانة (٢/٢٥٠)]

(۳) [مسلم (٧٠٨) کتاب صلاة المسافرين وقصرها : باب جواز الانصراف من الصلاة عن اليمين والشمال، نسائی (٣/٨١) دارمی (١/٣١٢) ابن أبي شيبة (١/٣٠٥) بيهقی (٢/٢٩٥)]

(٤) [شرح مسلم (٣/٢٣٨)]

(٥) [فتح الباری (٢/٦٠٩)]

(٦) [نيل الأوطار (٢/١٥٥)]

(٧) [حسن : صحيح ترمذی (٢٤٦) کتاب الصلاة : باب ما جاء في الإنصراف عن يمينه و عن شماله، صحيح أبو داود (٩١٩) ترمذی (٣٠١) أبو داود (١٠٤١) ابن ماجة (٩٢٩) ابن حبان (١٩٩٨) بيهقی (٢/٢٩٥)]

دوسری فصل

فرض نمازیں کس پر لازم اور کس سے ساقط ہیں

وَلَاتَجِبُ عَلٰی غَیْرِ مُکَلَّفٍ	غیر مکلف آدمی پر نماز فرض نہیں ہے۔ ❶

❶ کیونکہ شریعت کے تمام احکامات صرف اسی پر نافذ ہوتے ہیں جو مکلّف ہو جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تین آدمیوں کا گناہ نہیں لکھا جاتا ﴿عن النائم حتى يستيقظ وعن الصبي حتى يحتلم وعن المجنون حتى يعقل﴾ ''خوابیدہ شخص کا جب تک کہ وہ بیدار نہ ہو جائے' بچے کا جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے' اور پاگل کا جب تک کہ وہ سمجھدار نہ ہو جائے۔'' (۱)

یاد رہے کہ جب سونے والا بیدار ہو گا یا بھولنے والے کو یاد آئے گا تو ان پر متروکہ عبادت بجالانا ضروری ہوگا جیسا کہ حدیث میں ہے ﴿من نام عن صلاة أو نسيها فليصلها إذا ذكرها﴾ ''جب کوئی نماز کے وقت سو یا رہ جائے یا اسے بھول جائے تو جب اسے یاد آئے نماز پڑھ لے۔'' (۲)

اور جس حدیث میں بچوں کو بلوغت سے پہلے ہی نماز پڑھانے کا حکم دیا گیا ہے اس میں وجوب بچوں کے لیے نہیں ہے بلکہ والدین کے لیے ہے کہ وہ بچوں کی تربیت کریں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کو حکم دیا کہ ﴿مروا أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبع سنين واضربوهم عليها وهم أبناء عشر سنين﴾ ''اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہوں اور جب دس سال کے ہو جائیں تو انہیں مار کر نماز پڑھاؤ۔'' (۳)

وَتَسْقُطُ عَمَّنْ عَجَزَ عَنِ الْإِشَارَةِ وَ عَمَّنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ حَتّٰی خَرَجَ وَقْتُهَا	جو شخص اشارے سے بھی نماز پڑھنے سے عاجز ہو ❶ یا جس پر غشی طاری ہو جائے حتی کہ نماز کا وقت ختم ہو جائے تو اس سے نماز ساقط ہو جاتی ہے۔ ❷

❶ مندرجہ ذیل دلائل اس مسئلے کو سمجھنے کے لیے کافی ہیں:

(1) ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ [التغابن : ١٦] ''حسب استطاعت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔''

(2) ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة : ٢٨٦] ''اللہ تعالیٰ کسی نفس کو بھی اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف میں نہیں ڈالتے۔''

(3) ﴿رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا﴾ [البقرة : ٢٨٦] ''اے ہمارے رب! ہم پر اس قدر بوجھ نہ ڈال جس کی ہم میں طاقت نہیں۔''

---

(١) [صحيح : صحيح أبو داود (٣٦٩٨ ' ٣٦٩٩) كتاب الحدود : باب في المجنون يسرق أو يصيب حدا ' أحمد (١٠٠/٦) أبو داود (٤٣٩٨) نسائي (٣٤٣٢) ابن ماجة (٢٠٤١) دارمي (١٧١/٢)]

(٢) [بخاري (٥٩٧) أبو داود (٤٣٥)]

(٣) [حسن : صحيح أبو داود (٤٦٦) كتاب الصلاة : باب متى يؤمر الغلام بالصلاة ' أبو داود (٤٩٥) حاكم (١٩٧/١)]

(4) حدیث نبوی ہے کہ ﴿إذا أمرتكم بأمر فاتوا منه ما استطعتم﴾ ''جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو جتنی تم میں طاقت ہو اس پر عمل کر لو۔'' (۱)

(5) یہ بات اصول میں بھی ثابت ہے کہ ((لا يجوز التكليف بالمستحيل)) ''ناممکن کام کی تکلیف جائز نہیں ہے۔'' (۲)

❷ ایسے انسان پر نماز کا وجوب اس لیے نہیں ہے کیونکہ ایسی حالت میں وہ شخص مکلف ہی نہیں ہے کیونکہ مکلف وہی شخص ہو سکتا ہے جو سمجھ بوجھ رکھتا ہو جیسا کہ گذشتہ صحیح حدیث میں یہ بات گزری ہے ﴿رفع القلم عن ثلاثة ..... عن المجنون حتى يعقل﴾ ''تین آدمیوں کا گناہ نہیں لکھا جاتا..... پاگل کا جب تک کہ وہ عقلمند نہ ہو جائے۔'' (۳) اور اصول میں بھی یہ بات ثابت ہے کہ صحتِ تکلیف کے لیے فہم شرط ہے۔ (٤) اور وہ اس شخص سے مفقود ہے کیونکہ بے ہوش شخص کچھ بھی سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔

وَيُصَلِّي الْمَرِيضُ قَائِمًا ثُمَّ قَاعِدًا ثُمَّ عَلَى جَنْبٍ	بیمار شخص کھڑا ہو کر نماز پڑھے (اگر اس کی طاقت نہ ہو تو) پھر بیٹھ کر (اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو) پھر پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھ لے۔ ❶

❶ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے بواسیر کی بیماری تھی۔ میں نے نبی ﷺ سے (اس حالت میں) نماز کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿صل قائما فإن لم تستطع فقاعدا فإن لم تستطع فعلى جنب﴾ ''کھڑے ہو کر نماز پڑھو اگر اس کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھ لو اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پہلو کے بل لیٹ کر پڑھ لو۔'' (٥)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ ﴿فإن لم يستطع أن يصلي على جنبه الأيمن صلى مستلقيا رجلاه مما يلي القبلة﴾ ''اگر کوئی شخص اپنے دائیں پہلو پر لیٹ کر نماز پڑھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو چت لیٹ کر اپنے قدم قبلہ رخ کرتے ہوئے نماز پڑھ لے۔'' (٦)

اگر مریض ان صورتوں میں سے کسی صورت میں بھی نماز پڑھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ جیسے بھی پڑھ سکتا ہے پڑھ لے کیونکہ انسان اسی کام کا مکلف ہے جس کی اس میں طاقت ہے جیسا کہ ابھی پیچھے یہی ذکر گزرا ہے۔

(جمہور) پہلو پر لیٹنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دائیں پہلو پر لیٹے۔

(ابو حنیفہؒ) اس کا معنی یہ ہے کہ کمر پر لیٹ کر اپنے پاؤں قبلہ رخ کر لے۔ (۷)

(راجح) جمہور کا موقف راجح ہے۔ (۸)

○ ''باب شروط الصلاة'' میں دوران نماز ممنوعہ افعال کا مزید بیان دیکھا جا سکتا ہے۔

(۱) [مسلم (۱۳۳۷) نسائی (۵/۱۱۰۔ ۱۱۱)]

(۲) [إرشاد الفحول (۱/۳۰) الإحكام للآمدی (۱/۱۸۷) المستصفی للغزالی (۱/۷٤) الوجيز (ص/۷۷)]

(۳) [صحیح : صحیح أبو داود (۳٦۹۸) أبو داود (٤۳۹۸)]

(٤) [الإحكام للآمدی (۱/۱۳۸) إرشاد الفحول (۱/۳۵) المستصفی (۱/۱۸۳)]

(٥) [بخاری (۱۱۱۷) كتاب الجمعة : باب إذا لم يطق قاعدا صلى على جنب ' أبو داود (۹٥۲) ترمذی (۳۷۲) ابن ماجة (۱۲۲۳) ابن خزيمة (۹۷۹)]

(٦) [ضعيف : دارقطنی (۲/٤۲) اس کی سند میں حسن بن حسین العرنی راوی ہے کہ جسے حافظ ابن حجرؒ نے متروک کہا ہے۔ [تلخيص الحبير (۱/٤۱۰) امام نوویؒ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ [نيل الأوطار (۲/٤٦۷)]

(۷) [المجموع (٤/۲۰٦) حلية العلماء (۲/۲۲۱) رد المحتار (۲/٥٦۹) المبسوط (۱/۲۱۳)]

(۸) [نيل الأوطار (۲/٤٦۸)]

باب صلاۃ التطوع ❶ — نفل نماز کا بیان

هِيَ أَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ وَأَرْبَعٌ بَعْدَهُ وَأَرْبَعٌ قَبْلَ الْعَصْرِ	وہ رکعات یہ ہیں: ظہر سے پہلے اور اس کے بعد چار چار رکعتیں ❷ اور عصر سے پہلے چار رکعتیں۔ ❸

❶ **لغوی وضاحت:** بر سبیل وجوب نہیں بلکہ اپنی خوشی سے کوئی کام بجالانا تطوع کہلاتا ہے۔ یہ باب تَطَوَّعَ يَتَطَوَّعُ (تفعّل) سے مصدر ہے۔(۱)

قاموس میں اس کا یہ معنی مذکور ہے " النافلة "۔(۲)

شرعی تعریف: ایسی اطاعت وفرمانبرداری جو فرائض وواجبات کے علاوہ مشروع ہو۔(۳)

تطوع کے الفاظ:

تطوع کے لیے مندرجہ ذیل الفاظ بھی مستعمل ہیں:

مندوب، مستحب، نفل، سنت، احسان اور فضیلت وغیرہ۔(٤)

تطوع کا حکم:

اس کا حکم یہ ہے کہ: ((ما يمدح فاعله ولا يذم تاركه)) ''جس کے کرنے والے کی تو تعریف کی جاتی ہے (یعنی اسے اجر وثواب دیا جاتا ہے) لیکن اسے چھوڑنے والے کی مذمت نہیں کی جاتی (یعنی اسے گناہ نہیں ہوتا)۔''(٥)

واضح رہے کہ اگرچہ نوافل وسنن کے چھوڑنے میں گناہ نہیں لیکن انہیں کلی طور پر چھوڑ دینا بھی جائز نہیں کیونکہ روزِ قیامت فرائض کی کمی نوافل سے پوری کی جائیگی جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ﴿انظروا هل تجدون لعبدي من تطوع فتكملون به فريضته﴾ ''دیکھو! اگر تمہیں میرے بندے کی نفلی عبادت ملے تو اس کے ساتھ اس کے (ناقص) فرائض کو مکمل کردو''۔(٦)

اور یہ بات اصول میں ثابت ہے کہ جو چیز فرائض کی تکمیل کے لیے لازم ہو اس کا بھی وہی حکم ہوتا ہے جیسا کہ یہ قاعدہ ہے کہ ((مالا يتم الواجب إلا به فهو واجب)) ''جو چیز کسی واجب کی تکمیل کے لیے ناگزیر ہو وہ بھی واجب ہے۔''

مشروعیت:

حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا ''مانگ لو'' میں نے عرض کیا ﴿أسألك مرافقتك في الجنة﴾ ''میں جنت میں آپ کی رفاقت کا طلبگار ہوں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کچھ اس کے علاوہ

---

(۱) [لسان العرب (۲٤۳/۸) الصحاح (۱۲۵۵/۳)]

(۲) [القاموس المحيط (ص/٦٧٠)]

(۳) [التعريفات (ص/٤٢) الفقه الإسلامي وأدلته (۱۰۵۵/۲) مغني المحتاج (۲۱۹/۱)]

(٤) [إرشاد الفحول (۲۰/۱) البحر المحيط للزركشي (۲۸٤/۱) الإحكام للآمدي (۱۱۱/۱) الوجيز (ص/۳۹)]

(٥) [إرشادالفحول (۲۰/۱) المستصفى للغزالي (۷٥/۱) الموافقات للشاطبي (۱۰۹/۱)]

(٦) [صحيح : صحيح أبوداود (۷۷۱'۷۷۰) أبوداود (۸٦٦) أحمد (۱۰۳/٤) ابن ماجة (۱٤۲٦) حاكم (۲٦۲/۱)]

مزید بھی (مانگ لو)''۔ میں نے عرض کیا بس یہی مطلوب ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿فأعني على نفسك بكثرة السجود﴾ ''تو پھر اپنے مطلب کے حصول کے لیے کثرت سجود سے میری مدد کرو''۔(۱)

امام صنعانیؒ رقمطراز ہیں کہ سجدوں کی کثرت تب ہی ممکن ہے جب نماز کی کثرت ہو اور کثرت یا قلت صرف نفل نماز میں ہی ممکن ہے جب کہ فرائض میں کمی بیشی قطعاً ممنوع ہے۔(۲)

❷ (1) حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿من صلى أربع ركعات قبل الظهر وأربعا بعدها حرمه الله على النار﴾ ''جو شخص ظہر سے پہلے چار اور اس کے بعد چار رکعتیں باقاعدگی سے ادا کرتا رہا اللہ تعالیٰ نے اسے آتش جہنم پر حرام کر دیا''۔(۳)

(2) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور بعد میں دو رکعتیں اور عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے اور ﴿يفصل بين كل ركعتين بالتسليم﴾ ''ہر دو رکعتوں کے درمیان سلام پھیر کر فاصلہ کرتے''۔(٤)

معلوم ہوا کہ ظہر اور عصر کے ساتھ پڑھی جانیوالی چار چار رکعتوں کو دو دو کر کے پڑھنا چاہیے لیکن مندرجہ ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہر سے پہلے والی چار رکعتوں کو ایک سلام کے ساتھ ہی پڑھنا افضل ہے۔

(3) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ''ظہر سے پہلے (پڑھی جانیوالی) ایسی چار رکعتوں کے لیے جن میں سلام نہ ہو آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں''۔(٥)

(4) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿أن النبي ﷺ كان لا يدع أربعا قبل الظهر وركعتين قبل الغداة﴾ ''نبی ﷺ ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور فجر سے پہلے دو رکعتیں نہیں چھوڑتے تھے''۔(٦)

❸ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿رحم الله امرأ صلى قبل العصر أربعا﴾ ''اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائیں جس نے عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھیں''۔(۷)

ان چار رکعات کو دو دو کر کے پڑھنا بھی درست ہے جیسا کہ گذشتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یہی بات بیان کی گئی ہے۔

---

(۱) [مسلم (٤٨٩) كتاب الصلاة : باب فضل السجود والحث عليه' أبو داود (١٣٢٠) نسائی (١١٣٨) بيهقی (٤٨٦/٢)]

(۲) [سبل السلام (٥١٢/٢)]

(۳) [صحيح : صحيح أبو داود (١١٣٠) كتاب الصلاة : باب الأربع قبل الظهر وبعدها' أحمد (٣٢٦/٦) أبو داود (١٢٦٩) ترمذی (٤٢٨) نسائی (٢٠٤/٢) ابن ماجة (١١٦٠) حاكم (٣١٢/١) شرح السنة (٤٦٤/٣)]

(٤) [صحيح : صحيح ترمذی (٤٨٩) كتاب الصلاة : باب ماجاء في الأربع قبل العصر' ترمذی (٤٢٩) ابن ماجة (١١٦١) نسائی (١١٩/٢)]

(٥) [حسن : صحيح أبو داود (١١٣١) أبو داود (١٢٧٠)]

(٦) [بخاری (١١٨٢)]

(۷) [حسن : صحيح أبو داود (١١٣٢) كتاب الصلاة : باب الصلاة قبل العصر' أبو داود (١٢٧١) ترمذی (٤٣٠) أحمد (١١٧/٢) ابن خزيمة (١١٩٣) ابن حبان (٢٤٥٣) بيهقی (٤٧٣/٢) شرح السنة (٤٣٧/٢)]

اور مغرب کے بعد دو رکعتیں۔ ❶	وَرَكْعَتَانِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ

❶ (1) صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ ﴿ور کعتین بعد المغرب﴾ ''اور مغرب کے بعد دو رکعتیں پڑھنا (مستحب ہے)۔''(۱)

(2) حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مسجد میں نمازِ مغرب پڑھائی پھر فرمایا ﴿ارکعوا هاتين الركعتين في بيوتكم﴾ ''ان دونوں رکعتوں (یعنی سنتوں) کو اپنے گھروں میں ادا کرو۔''(۲)

○ عموماً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا کہ نوافل اور سنتوں کو گھر میں ہی ادا فرماتے اور صحابہ کو بھی اس کی تلقین فرماتے جیسا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿فصلوا أيها الناس في بيوتكم فان أفضل صلاة المرء في بيته إلا المكتوبة﴾ ''اے لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھو۔ بلاشبہ فرض نماز کے علاوہ آدمی کی بہترین نماز وہی ہے جو اس نے گھر میں ادا کی۔''(۳)

283- مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھنا مشروع ہے

(1) حدیث نبوی ہے کہ ﴿بين كل آذانين صلاة﴾ ''ہر دو آذانوں (یعنی آذان اور اقامت) کے درمیان نماز ہے۔'' تیسری مرتبہ یہی بات کہتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لمن شاء﴾ ''جو شخص چاہے یہ نوافل پڑھ لے۔''(٤)

(2) حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿صلوا قبل المغرب ، صلوا قبل المغرب﴾ ''مغرب سے پہلے نماز پڑھو' مغرب سے پہلے نماز پڑھو۔'' پھر تیسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لمن شاء كراهية أن يتخذها الناس سنة﴾ ''یہ حکم صرف اس کے لیے ہے جو پڑھنا چاہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اس اندیشے کے پیش نظر فرمائی کہ کہیں لوگ اسے سنت (لازمہ) نہ بنا لیں۔''(٥)

(3) صحیح ابن حبان کی ایک روایت میں ہے کہ ﴿أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى قبل المغرب ركعتين﴾ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب سے پہلے دو رکعتیں ادا فرمائیں۔''(٦)

(4) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم غروب آفتاب کے بعد دو رکعتیں ادا کرتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں دیکھ رہے ہوتے ﴿فلم يأمرنا ولم ينهنا﴾ ''نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس کا حکم دیتے اور نہ ہی اس سے منع فرماتے۔''(٧)

---

(۱) [بخاری (۱۱۸۰) مسلم (۷۲۹)]

(۲) [حسن : صحیح ابن ماجة (۹۵٦) كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها : باب ماجاء في ركعتين بعد المغرب ' ابن ماجة (۱۱٦٥) التعليق على ابن خزيمة (۱۲۰۰)]

(۳) [بخاری (۷۳۱) كتاب الأذان : باب صلاة الليل' مسلم (۷۸۱) أبو داود (۱٤٤۷) نسائی (۱۹۸/۳)]

(٤) [بخاری (٦۲۷) كتاب الأذان : باب بين كل أذانين صلاة لمن شاء' مسلم (۸۳۸) أبو داود (۱۲۸۳) ترمذی (۱۸٥)]

(٥) [بخاری (۱۱۸۳ ' ۷۳٦۸) كتاب الجمعة : باب الصلاة قبل المغرب ' ابن خزيمة (۱۲۸۹) أبو داود (۱۲۸۱) دارقطنی (۲٦٥/۱) شرح السنة (۸۹٤) بيهقی (٤۷٤/۲)]

(٦) [الإحسان لابن حبان (۱٥۸٦)]

(۷) [مسلم (۸۳٦) كتاب صلاة المسافرين وقصرها : باب استحباب ركعتين قبل صلاة المغرب]

وَرَكْعَتَانِ بَعْدَ الْعِشَآءِ وَرَكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ	دو رکعتیں عشاء کے بعد اور دو رکعتیں فجر سے پہلے۔ ❶

❶ (1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ﴿حفظت من النبی ﷺ عشر رکعات......﴾ ”مجھے نبی ﷺ کی دس رکعتیں یاد ہیں۔ دو رکعتیں ظہر سے پہلے اور دو اس کے بعد' مغرب کے بعد دو رکعتیں اپنے گھر میں' عشاء کی فرض نماز کے بعد دو رکعتیں گھر میں' اور دو رکعتیں صبح سے پہلے (یعنی نماز فجر سے پہلے)۔“ (۱)

(2) حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿من صلی اثنتی عشرة رکعة فی یوم ولیلة بنی له بهن بیت فی الجنة﴾ ”جو شخص شب و روز میں بارہ رکعت نوافل پڑھے' اس کے لیے ان کے بدلے جنت میں گھر تعمیر کیا جائے گا۔“ (۲)

جامع ترمذی میں اسی کی مثل روایت مروی ہے لیکن اس میں یہ اضافہ ہے ”چار رکعت ظہر سے پہلے اور دو رکعت اس کے بعد میں' دو رکعت نماز مغرب کے بعد' دو رکعت نماز عشاء کے بعد اور دو رکعت صبح کی نماز سے پہلے۔“ (۳)

ان رکعتوں کو ہی سنن رواتب یا سنن موکدہ کہا جاتا ہے اور یہ واجب نہیں ہیں۔

(جمہور) اسی کے قائل ہیں۔ (٤)

عشاء کے بعد نبی ﷺ سے چار رکعتیں پڑھنا بھی ثابت ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿فصلی رسول الله العشآء ثم جاء (إلى بيته) فصلى أربع ركعات ثم نام﴾ ”رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھائی' پھر گھر کی طرف چلے گئے اور چار رکعات ادا کرنے کے بعد سو گئے۔“ (٥)

(ابن قیمؒ) آپ ﷺ شب و روز میں چالیس رکعتوں پر محافظت فرماتے۔ سترہ فرائض' بارہ وہ رکعتیں جنہیں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے اور قیام اللیل کی دس رکعتیں۔ (٦)

284- فجر کی سنتوں کی اہمیت

(1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ نوافل میں سب سے زیادہ اہتمام فجر کی سنتوں کا رکھتے تھے۔“ (٧)

(2) ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿رکعتا الفجر خیر من الدنیا و ما فیها﴾ ”نماز فجر کی دو سنتیں دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔“ (٨)

---

(۱) [بخاری (۹۳۷) کتاب الجمعة : باب الصلاة بعد الجمعة و قبلها' مسلم (۷۲۹) مؤطا (۱٦٦۳۱) أبو داود (۱۲۵۲) نسائی (۸۷۳) ترمذی (٤۳۳) شرح السنة (٤٤٤/۳)]

(۲) [مسلم (۷۲۸) کتاب صلاة المسافرین وقصرها : باب فضل السنن الراتبة......' أبو داود (۱۲۵۰) أحمد (۳۲۷/٦) دارمی (۳۳۵/۱) أبو عوانة (۲٦۱/۲) طیالسی (۱۵۹۱) ابن خزیمة (۱۱۸۵) ابن حبان (۲٤۵۱) ابن ماجة (۱۱٤۱)]

(۳) [صحیح : صحیح ترمذی (۳۳۸ ' ۳۳۹) ترمذی (٤۱۵)]

(٤) [فتح الباری (۳٦۷/۳)]

(٥) [بخاری (٦۹۷) کتاب الأذان : باب یقوم عن یمین الإمام......' أبو داود (۱۳۵۷) نسائی (۸۷/۲) أحمد (۲۱۵/۱)]

(٦) [زاد المعاد (۳۲۷/۱)]

(۷) [بخاری (۱۱٦۹) مسلم (۷۲٤) أبو داود (۱۲۵٤) نسائی (۲۵۲/۳)]

(۸) [مسلم (۷۲۵) کتاب صلاة المسافرین وقصرها : باب استحباب رکعتی سنة الفجر والحث علیهما' ترمذی (٤۱٤) نسائی (۲۵۲/۳) بیهقی (٤۷۰/۲)]

285- اگر کوئی فجر کی جماعت سے پہلے سنتیں نہ پڑھ سکے......

تو فرائض سے فارغ ہونے کے بعد یہ سنتیں پڑھی جا سکتی ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت قیس رضی اللہ عنہ کو جماعت کے بعد یہ دو سنتیں پڑھنے کی اجازت دی۔(۱)

286- اگر کوئی یہ سنتیں طلوع آفتاب تک نہ پڑھ سکے......

تو طلوع آفتاب کے بعد بھی یہ سنتیں پڑھی جا سکتی ہیں۔(۲)

جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿من لم يصل ركعتي الفجر فليصلهما بعد ما تطلع الشمس﴾ ''جس نے فجر کی دو سنتیں نہ پڑھیں وہ سورج طلوع ہونے کے بعد یہ دو رکعتیں پڑھ لے۔''(۳)

287- فجر کی سنتیں زیادہ طویل نہیں پڑھنی چاہییں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ''نبی ﷺ نماز فجر سے پہلے دو سنتیں اس قدر خفیف پڑھتے کہ میں کہتی کیا آپ ﷺ نے صرف سورہ فاتحہ ہی پڑھی ہے؟۔''(٤)

288- فجر کی سنتوں میں قراءتِ قرآن

نبی ﷺ فجر کی سنتوں میں سے پہلی رکعت میں '' قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ '' اور دوسری رکعت میں '' قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ '' پڑھتے تھے۔(٥)

289- فجر کی سنتوں کے بعد لیٹنا

(1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب فجر کی دو رکعتیں پڑھ لیتے تو ﴿اضطجع على شقه الأيمن﴾ ''اپنے دائیں پہلو پر لیٹ جاتے۔''(٦)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿إذا صلى أحدكم ركعتي الفجر فليضطجع على يمينه﴾ ''جب تم میں سے کوئی فجر کی دو رکعتیں (یعنی سنتیں) پڑھ لے تو اپنے دائیں پہلو پر لیٹے۔''(۷)

---

(۱) [**صحيح** : صحيح ترمذی (٣٤٦) كتاب الصلاة : باب ما جاء فيمن يفوته الركعتان قبل الفجر......' ترمذی (٤٢٢) أحمد (٤٤٧/٥) أبو داود (١٢٦٧) ابن خزيمة (١١١٦)]

(۲) [نيل الأوطار (٢٢٩/٢)]

(۳) [**صحيح** : صحيح ترمذی (٣٤٧) كتاب الصلاة : باب ما جاء في إعادتهما بعد طلوع الشمس' الصحيحة (٢٣٦١) ترمذی (٤٢٣) ابن خزيمة (١١١٧) ابن حبان (٢٤٧٢) حاكم (٢٧٤/١) بيهقی (٤٨٤/٢)]

(٤) [مسلم (٧٢٥) كتاب صلاة المسافرين و قصرها : باب استحباب ركعتي الفجر......' بخاری (١٩٧) أبو داود (١٢٥٥) نسائی (٩٤٦)]

(٥) [مسلم (٧٢٦) أيضا' أبو داود (١٢٥٦) نسائی (١٥٦/٢) ابن ماجة (١١٤٨)]

(٦) [بخاری (٦٢٦) كتاب الأذان : باب من انتظر الإقامة' مسلم (٧٣٦) أبو داود (١٣٣٠) ترمذی (٤٤٠) دارمی (٣٣٧/١) ابن حبان (٢٤٦٧)]

(۷) [**صحيح** : صحيح ترمذی (٣٤٤) كتاب الصلاة : باب ما جاء في الإضطجاع بعد ركعتي الفجر' صحيح أبو داود (١١٤٦) المشكاة (١٢٠٦) أحمد (٤١٥/٢) ابن حبان (٢٤٦٨) بيهقی (٤٥/٣) أبو داود (١٢٦١) ابن خزيمة (١١٢٠)]

(ابن قیمؒ) امام عبدالرزاقؒ نے مصنف میں معمرؒ ' ایوبؒ اور امام ابن سیرینؒ سے روایت کیا ہے کہ بلاشبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ' حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فجر کی رکعتوں کے بعد لیٹتے تھے اور اسی کا حکم دیتے تھے۔(۱)

علاوہ ازیں متعدد علماء کا یہی موقف ہے کہ یہ عمل مستحب ہے۔(۲) لیکن آج اکثر و بیشتر مقامات پر اس سنت کو چھوڑ دیا گیا ہے کہ جسے دوبارہ زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔

وَصَلَاةُ الضُّحٰی	اور چاشت کی نماز۔ ❶

❶ یہ وہ نماز ہے کہ جو طلوع آفتاب کے بعد ادا کی جاتی ہے نیز اس کو نمازِ اشراق اور صلاۃ الأوابین بھی کہتے ہیں۔

(1) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میرے خلیل (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے تین چیزوں کی وصیت کی: ہر ماہ تین دنوں کے روزے رکھنا ﴿و رکعتی الضحی﴾ " چاشت کی دو رکعتیں پڑھنا' اور سونے سے پہلے وتر پڑھ لینا۔"(۳)

(2) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نمازِ چاشت کی حفاظت بہت زیادہ رجوع کرنے والا شخص (یعنی أواب) ہی کرتا ہے اور یہی "صلاۃ الأوابین" ہے۔"(٤)

(3) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا رب فرماتا ہے کہ اے ابن آدم! دن کی ابتدا میں چار رکعتیں پڑھو میں تمہیں دن کی انتہاء میں کافی ہو جاؤں گا۔(٥)

(4) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے ہر ایک کے تمام جوڑوں پر صبح صدقہ کرنا لازم ہوتا ہے۔ پس ہر تسبیح صدقہ ہے' ہر تحمید صدقہ ہے' ہر تہلیل صدقہ ہے' ہر تکبیر صدقہ ہے' اچھی بات کا حکم اور برائی سے روکنا صدقہ ہے ﴿و یجزئ من ذلك رکعتان یرکعهما من الضحی﴾ "ان تمام صدقوں سے نماز چاشت کی دو رکعتیں کفایت کر جاتی ہیں۔"(٦)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کے تین سو ساٹھ (360) جوڑ ہیں اور ہر جوڑ پر صدقہ ہے اور نماز چاشت کی دو رکعتیں ان تمام صدقوں سے کفایت کر جاتی ہیں۔(۷)

یہ تمام احادیث " صلاۃ الضحی" یعنی نمازِ چاشت کی مشروعیت کا واضح ثبوت ہیں۔

(ابن قیمؒ) اس نماز کے حکم میں چھ اقوال ہیں:

(1) یہ نماز مستحب ہے۔ (2) بغیر کسی سبب کے مشروع نہیں۔ (3) اصلا مستحب ہے ہی نہیں۔

---

(۱) [زاد المعاد (۳۱۹/۱)]

(۲) [تفصیل کے لیے دیکھیے : تحفة الأحوذی (٤٩٤/٢) نیل الأوطار (٥٣/٣)]

(۳) [بخاری (۱۹۸۱) کتاب الصوم : باب صیام أیام البیض ثلاث عشرة و أربع عشرة ' مسلم (۷۲۱) أبو داود (۱٤۳۲) ترمذی (۷٦۰) نسائی (۱٦۷۷)]

(٤) [صحیح : الصحیحه (۱۹۹٤) ابن خزیمة (۱۲۲٤) حاکم (۳۱٤/۱)]

(٥) [صحیح : صحیح ترمذی (۱۱٤٦) کتاب الصلاة : باب ما جاء فی صلاة الضحی' ترمذی (٤۷٥) أبو داود (۱۲۸۹) أحمد (۲۸٦/٥) ابن حبان (۳٥۳۳) دارمی (۳۳۸/۱)]

(٦) [مسلم (۷۲۰) کتاب صلاة المسافرین و قصرها : باب استحباب صلاة الضحی......' أبو داود (۱۲۸٦) أحمد (۱٦۷/٥)]

(۷) [مسلم (۱۰۰۷)]

(4) اسے کبھی پڑھنا اور کبھی نہ پڑھنا مستحب ہے۔ (5) گھروں میں دائمی طور پر اسے پڑھنا مستحب ہے۔
(6) یہ بدعت ہے۔(۱)

290- نماز چاشت کا وقت

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿صلاة الأوابين حين ترمض الفصال﴾ ''اوابین کی نماز (یعنی نمازِ چاشت) اس وقت ہے جب شدتِ گرمی کی وجہ سے اونٹ کے پاؤں جلتے ہیں۔''(۲)

یاد رہے کہ نمازِ چاشت کا وقت طلوع آفتاب سے لے کر دو پہر زوال سے پہلے تک ہے۔

291- نماز چاشت کی رکعتوں کی تعداد

(1) اس نماز کی کم از کم دو رکعتیں ہیں جیسا کہ پیچھے حدیث میں یہی بات گزری ہے۔(۳)
(2) چار رکعتیں پڑھنا بھی ثابت ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے۔(٤)
(3) آٹھ رکعتیں پڑھنا بھی مشروع ہے جیسا کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں ہے۔(٥)
(4) جس روایت میں ہے کہ ''جس شخص نے نماز چاشت کی بارہ رکعتیں پڑھیں اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت میں محل بنایا جائے گا'' وہ ضعیف ہے۔(٦)

وَصَلَاةُ اللَّيْلِ	اور رات کی نماز (تہجد اور تراویح وغیرہ)۔ ❶

❶ (1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَّ أَقْوَمُ قِيلًا﴾ [المزمل : ٦] ''بلاشبہ رات کا اٹھنا دل جمعی کے لیے انتہائی مناسب ہے اور بات کو بہت درست کر دینے والا ہے۔''

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿أفضل الصلاة بعد الفريضة صلاة الليل﴾ ''فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے۔''(۷)

(3) حدیث نبوی ہے کہ ﴿صلوا باليل و الناس نيام﴾ ''رات کو اس وقت نماز پڑھو جب لوگ سو رہے ہوں۔''(۸)

---

(۱) [زاد المعاد (۳۵۲/۱ـ۳۵۵)]
(۲) [مسلم (۷٤۷) كتاب صلاة المسافرين وقصرها : باب صلاة الأوابين ' بيهقى (٤٩/۳) ابن خزيمة (۱۲۲۷)]
(۳) [بخاری (۱۹۸۱)]
(٤) [مسلم (۷۱۹) ابن ماجه (۱۳۸۱) طيالسى (۱۵۷۱) عبدالرزاق (٤٨٥۳) أبو عوانة (۲٦۷/۲)]
(٥) [بخاری (۳۵۷) كتاب الصلاة : باب الصلاة فى الثوب الواحد ملتحفا به ' مسلم (۳۳٦) أبو داود (۱۲۹۰) نسائى (۱۲٦/۱) ترمذى (۲۷۳٤) ابن ماجة (۱۳۷۹)]
(٦) [**ضعیف** : ضعيف ترمذى (۷۰) كتاب الصلاة : باب ما جآ فى صلاة الضحى' ترمذى (٤۷۳)] حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ (۲۰/۲) شیخ محمد صبحی حلاق نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔[التعليق على سبل السلام (٦۲/۳)]
(۷) [مسلم (۱۱٦۳) كتاب الصيام : باب فضل صوم المحرم ' ابن ماجة (۱۷٤۲) أبو داود (۲٤۲۹) ترمذى (٤۳۷) نسائى (۲۰٦/۲) أبو عوانة (۲۹۰/۲) أحمد (۳۰۳/۲)]
(۸) [**صحیح** : صحيح ابن ماجة (۲٦۳۰) ترمذى (۲٤٨٥) كتاب صفة القيامة...... ' باب منه ' ابن ماجة (۳۲۵۱)]

(4) حضرت ابوامامہ باھلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿علیکم بقیام اللیل فإنه دأب الصالحین قبلکم ' وھو قربة لکم إلی ربکم ' مکفرة للسیأت ' منھاة عن الإثم﴾ "تہجد پڑھا کرو کیونکہ یہ تم سے پہلے نیک لوگوں کا طریقہ ہے' تمہارے لیے اللہ کے قرب کا سبب ہے' برائیوں سے دور ہونے کا ذریعہ ہے اور گناہوں سے باز رکھنے والا عمل ہے۔" حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے بھی اسی معنی میں حدیث مروی ہے۔(۱)

(5) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ رات کو اتنی دیر قیام فرماتے کہ آپ ﷺ کے قدم سوج گئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ اتنی دیر کیوں قیام فرماتے ہیں حالانکہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ ﷺ کے گذشتہ و آئندہ تمام گناہ معاف فرما دیے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿أفلا أحب أن أکون عبدا شکورا﴾ "کیا پس میں پھر شکرگزار بندہ بننے کی خواہش و رغبت نہ کروں؟"(۲)

(6) رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ فلاں شخص کی طرح نہ ہو جانا ﴿کان یقوم من اللیل فترك قیام اللیل﴾ "وہ قیام اللیل (یعنی تہجد) کیا کرتا تھا پھر اس نے قیام اللیل چھوڑ دیا۔"(۳)

(امیر صنعانیؒ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیام اللیل پر مداومت مستحب ہے۔(٤)

(7) قیام اللیل کے لیے اٹھنا اور پھر اللہ تعالیٰ سے اس وقت دعائیں اور مناجات کرنا اس لیے بھی بہت بہتر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ رات کے پچھلے پہر آسمانِ دنیا پر تشریف لاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ﴿أنا الملك من ذی الذی یدعونی فأستجیب له ' من ذی الذی یسألنی فأعطیه ' من ذی الذی یستغفرنی فأغفرله ' فلا یزال کذلك حتی یضیئ الفجر﴾ "میں بادشاہ ہوں جو مجھے پکارے گا میں اس کی دعا کو قبول کروں گا' جو مجھ سے مانگے گا میں اسے عطا کروں گا' جو مجھ سے بخشش طلب کرے گا میں اسے بخشش دوں گا' اور اللہ تعالیٰ فجر روشن ہونے تک اسی طرح رہتے ہیں۔(٥)

وَأَكْثَرُهَا ثَلَاثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً	اس کی زیادہ سے زیادہ تیرہ رکعتیں ہیں۔ ❶

❶ (1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿کان رسول اللہ ﷺ یصلی من اللیل ثلاث عشرة رکعة﴾ "رسول اللہ ﷺ رات کو تیرہ رکعت نماز ادا فرماتے" ان میں پانچ وتر ہوتے تھے اور ان پانچ وتروں میں تشہد کے لیے صرف آخری رکعت میں بیٹھتے۔"(٦)

آپ ﷺ سے گیارہ رکعت قیام اللیل بھی ثابت ہے بلکہ اکثر اوقات آپ ﷺ کا یہی معمول تھا۔

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد فجر تک ﴿إحدی عشرة رکعة﴾

---

(۱) [حسن : إرواء الغليل (۱۹۹/۲)' (٤٥۲) بیهقی (۵۰۲/۲) ابن خزيمة (۱۱۳۵) ترمذی (۳۵٤۹) بیهقی (۵۰۲/۲)]

(۲) [بخاری (٤٨۳۷) کتاب تفسیر القرآن : باب لیغفرلك الله ما تقدم...... ' مسلم (۲۸۲۰)]

(۳) [بخاری (۱۱۵۲) مسلم (۱۱۵۹) نسائی (۱۷٦۳) ابن خزيمة (۱۱۲۹)]

(٤) [سبل السلام (٥٤٠/۲)]

(٥) [بخاری (۱۱٤٥) مسلم (۷٥٨) أبو داود (۱۳۱٥) ابن ماجة (۱۳٦٦) ابن حبان (۹۲۰) بیهقی (۲/۳)]

(٦) [مسلم (۷۳۷) کتاب صلاة المسافرین وقصرها : باب صلاة اللیل...... ' أحمد (۲۳۰/٦) دارمی (۳۷۱/۱) أبو داود (۱۳۳٨) ترمذی (٤٥۹) نسائی (۲٤٠/۳) بیهقی (۲۷/۳)]

''گیارہ رکعت نماز پڑھتے تھے۔''......آپ ﷺ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے تھے اور ایک رکعت وتر ادا کرتے تھے۔(۱)

(3) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رات کو آپ ﷺ دس رکعتیں پڑھتے تھے اور ان کے بعد ایک وتر پڑھتے اور اس کے بعد فجر کی دو رکعتیں ادا فرماتے ﴿فتلك ثلاث عشرة ركعة﴾ ''یہ سب ملا کر کل تیرہ رکعتیں ہوئیں۔''(۲)

292- رات کی نماز دو دو رکعتیں ہے

(1) جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ ﴿يسلم بين كل ركعتين﴾ ''آپ ﷺ تہجد پڑھتے ہوئے ہر دو رکعتوں میں سلام پھیرتے تھے۔''(۳)

(2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿صلاة الليل مثنى مثنى﴾ ''رات کی نماز دو دو رکعت کی صورت میں پڑھی جائے۔''(٤)

293- قیام اللیل میں طویل سجدہ کرنا مستحب ہے

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے پچاس آیتوں کی تلاوت کے برابر سجدہ کرنا منقول ہے۔(۵)

294- تہجد کی رکعات میں طویل قیام کرنا مستحب ہے

جیسا کہ یہ بات ثابت ہے کہ نبی ﷺ ان رکعتوں میں طویل قیام فرماتے اور انہیں خوب اچھی طرح ادا کرتے۔(٦)

295- قیام اللیل میں سری اور جہری قراءت

دونوں طرح نبی ﷺ سے ثابت ہے جیسا کہ ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ﴿ربما أسر وربما جهر﴾ ''بعض اوقات آپ ﷺ سری قراءت فرماتے اور بعض اوقات جہری قراءت فرماتے۔''(۷)

296- تہجد کا وقت

تہجد کا وقت عشاء کے بعد سے فجر تک ہے۔(۸)

البتہ افضل رات کا آخری وقت ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿فإن صلاة آخر

---

(۱) [مسلم (۷۳٦) كتاب صلاة المسافرين وقصرها : باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي، بخاری (٦٢٦) مؤطا (۱۲۰/۱) أحمد (۳٥/٦) أبو داود (۱۳۳٥) ترمذی (٤٤٠) نسائی (۲۳٤/۳) شرح معانی الآثار (۲۸۳/۱)]

(۲) [مسلم (۷۳۸) أيضا، بخاری (۱۱٤٠)]

(۳) [مسلم (۷۳٦)]

(٤) [بخاری (۹۹۰) كتاب الجمعة : باب ما جآء في الوتر، مسلم (۷٤۹) أبو داود (۱۳۲٦) ترمذی (٤۳۷) نسائی (۲۲۷/۳) ابن ماجة (۱۳۲۰) أحمد (٥/۲) مؤطا (۱۲۳/۱) دارقطنی (٤۱۷/۱) ابن خزيمة (۱۲۱۰)]

(٥) [بخاری (۱۱۲۳) كتاب التهجد : باب طول السجود في قيام الليل]

(٦) [بخاری (۱۱۳٥، ۱۱٤۷) كتاب التهجد : باب طول القيام في صلاة الليل]

(۷) [صحيح : صحيح أبو دود (۱۲۷٤) كتاب الصلاة : باب في وقت الوتر، أبو داود (۱٤۳۷) نسائی (۹۹/۱) ترمذی (۲۹۲٤) ابن خزيمة (۲٥۹)]

(۸) [مسلم (۷۳٦) بخاری (٦٢٦)]

اللیل مشھودۃ وذلك أفضل﴾ ”بلاشبہ رات کے آخری حصے کی نماز میں (فرشتوں کو) حاضر کیا جاتا ہے اور وہی افضل ہے۔“ (۱)

(ابن حزمؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۲)

297- قیام اللیل کی ثابت رکعات سے تجاوز درست نہیں

جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں مذکور ہے کہ تین آدمیوں نے آپ ﷺ کی عبادت سے تجاوز کرنے کی کوشش کی تو آپ ﷺ نے انہیں فرمایا ﴿فمن رغب عن سنتی فلیس منی﴾ ”جو میری سنت سے بے رغبتی اختیار کرے گا وہ مجھ سے نہیں۔“ (۳)

○ قیام اللیل، نماز تہجد اور نماز تراویح ایک ہی چیز ہے۔ مزید تفصیل آگے متفرقات میں آئے گی۔

يُوْتِرُ فِيْ آخِرِهَا بِرَكْعَةٍ	ان کے آخر میں ایک رکعت وتر پڑھے۔ ❶

❶ (1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿الوتر رکعة من آخر اللیل﴾ ”وتر رات کے آخر میں ایک رکعت ہے۔“ (٤)

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿ویوتر بواحدۃ﴾ ”نبی ﷺ ایک وتر پڑھتے تھے۔“ (٥)

(3) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿فإذا خفت الصبح فأوتر بواحدۃ﴾ ”جب تمہیں صبح ہونے کا خدشہ ہو تو ایک وتر پڑھ لو۔“ (٦)

298- وتروں کی تعداد

علاوہ ازیں نو، سات، پانچ اور تین رکعت وتر پڑھنا بھی آپ ﷺ سے ثابت ہے البتہ ان میں سے صرف نو رکعت وتر پڑھتے ہوئے دو تشہد ہوں گے جن میں سے پہلا آٹھ رکعتوں کے بعد ہوگا اور دوسرا آخری رکعت کے بعد اور باقی وتروں میں صرف آخری رکعت میں ہی تشہد کے لیے بیٹھا جائے گا۔ ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (رات کو وتر کی) نو رکعتیں ادا کیں۔ ان میں صرف آٹھویں رکعت میں بیٹھے...... پھر نویں رکعت پڑھ کر سلام پھیرا۔“ (۷)

(2) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿کان رسول اللہ یوتر بسبع أو بخمس لا یفصل بینھن بتسلیم

---

(۱) [مسلم (۷۵۵) کتاب صلاۃ المسافرین و قصرھا : باب من خاف أن لا یقوم من آخر اللیل فلیوتر أوله، أحمد (۳۱۵/۳) ترمذی (٤٥٥) ابن ماجة (۱۱۸۷) ابن خزیمة (۱۰۸٦)]

(۲) [المحلی بالآثار (۹۱/۲)]

(۳) [بخاری (٥٠٦٣) کتاب النکاح : باب الترغیب فی النکاح، مسلم (۲٤۸۷) أحمد (٦۱۸۸) دارمی (۲۰۷٥)]

(٤) [مسلم (۷٥۲، ۷٥۳) کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا : باب صلاۃ اللیل مثنی مثنی، أحمد (۳۱۱۳۱) نسائی (٤۳۹/۱)]

(٥) [مسلم (۷۳٦) أیضا، بخاری (٦۲٦) أبو داود (۱۳۳٥)]

(٦) [بخاری (۱۱۳۷) مسلم (۷٤۹) موطا (۱۲۳/۱) أبو داود (۱۳۲٦) ترمذی (٤۳۷)]

(۷) [مسلم (۷٤٦) کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا : باب جامع صلاۃ اللیل، أبو داود (۱۳٤۲) نسائی (۲٤۰/۳) بیھقی (۳۰/۳)]

ولا کلام﴾ ''رسول اللہ سات یا پانچ وتر پڑھتے تو ان کے درمیان سلام یا کلام کے ساتھ فاصلہ نہیں کرتے تھے۔'' (۱)

(3) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ''آپ ﷺ پانچ وتر پڑھتے اور ان میں صرف آخری رکعت میں بیٹھتے تھے۔'' (۲)

(4) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿الوتر حق على كل مسلم فمن أحب أن يوتر بخمس فليفعل ومن أحب أن يوتر بثلاث فليفعل ومن أحب أن يوتر بواحدة فليفعل﴾ ''وتر ہر مسلمان پر حق ہے۔ جسے پانچ وتر پڑھنا پسند ہو وہ ایسا کر لے' جسے تین وتر پڑھنا پسند ہو وہ اس طرح کر لے' اور جسے ایک وتر پڑھنا پسند ہو تو وہ بھی ایسا کر لے۔'' (۳)

(5) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿لا توتروا بثلاث ...... ولا تشبهوا بصلاة المغرب﴾ ''تین رکعت وتر نہ پڑھو......اور مغرب کی نماز سے مشابہت نہ کرو۔'' (٤)

(ابن حجرؒ) ممانعت کو ایسی تین رکعت نماز پر محمول کیا جائیگا جس میں دو تشہد ہوں اور بلاشبہ سلف نے اسی طرح کیا ہے یعنی ایک تشہد کے ساتھ ہی وتر پڑھے ہیں۔ (٥)

(عبدالرحمن مبارکپوریؒ) اسی کے قائل ہیں۔ (٦)

(جمہور، مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ) رکعاتِ وتر کی جتنی تعداد مختلف احادیث سے ثابت ہے ان میں سے کسی کو بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔

(احناف) تین وتر سے نہ کم درست ہے اور نہ ہی زیادہ۔ (٧)

(راجح) جمہور کا موقف راجح ہے جس پر تمام گذشتہ احادیث شاہد ہیں۔ (٨)

299- وتر کا حکم

اس کے حکم میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔

(جمہور، احمدؒ، شافعیؒ، مالکؒ) وتر واجب نہیں ہے بلکہ سنت موکدہ ہے۔

(ابوحنیفہؒ) وتر واجب ہے (امام ابوحنیفہؒ سے یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ وتر فرض ہے)۔ (٩)

---

(١) [صحیح : صحيح ابن ماجة (٩٨٠) كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها : باب ماجاء في الوتر بثلاث وخمس وسبع وتسع' ابن ماجة (١١٩٢) أحمد (٢٣٩/٣) نسائي (٢٣٩/٣)]

(٢) [مسلم (٢٣٧) كتاب صلاة المسافرين وقصرها : باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي' دارمي (٣٧١/١) أبو داود (١٣٣٨) ترمذي (٤٥٩)]

(٣) [صحیح : صحيح أبو داود (١٢٦٠) كتاب الصلاة : باب كم الوتر' أبو داود (١٤٢٢) ابن ماجة (١١٩٠) نسائي (٢٣٨/٣) أحمد (٤١٨/٥) دارمي (٣٧١/١)]

(٤) [دار قطني (٢٤/٢) شرح معاني الآثار (٢٩٢/١) بيهقي (٣١/٣) حاكم (٣٠٤/١) امام حاکمؒ نے اس حدیث کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور امام دارقطنیؒ نے اس کے راویوں کو ثقہ قرار دیا ہے۔]

(٥) [فتح الباري (٥٥٨/٢ - ٥٥٩)]

(٦) [تحفه الأحوذي (٥٦٧/٢)]

(٧) [نيل الأوطار (٢٣٠/٢) الأم (٢٠٩/١) المبسوط (١٥٦/١) المغني (٥٧٨/٢) بداية المجتهد (١٥٧/١)]

(٨) [تحفة الأحوذي (٥٦٥/٢)]

(٩) [الأم (٢٥٧/١) بدائع الصنائع (٢٧٠/١) المغني (٥٧٨/٢) الهداية (٦٠/١) نيل الأوطار (٢٣٨/٢)]

(راجح) وتر سنت موکدہ ہے واجب نہیں ہے۔

(شوکانیؒ) عدم وجوب کے قائل ہیں۔(۱)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(۲)

(ابن قدامہؒ) وتر سنت موکدہ ہے۔(۳)

(ابن حزمؒ) وتر فرض نہیں۔(٤)

(امیر صنعانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٥)

(صدیق حسن خانؒ) وتر سنت موکدہ ہے۔(٦)

ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿ليس الوتر بحتم كهيئة المكتوبة ولكن سنة سنها رسول الله ﷺ﴾ ''وتر فرضوں کی طرح حتمی و لازمی نہیں ہے بلکہ سنت ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا ہے۔''(۷)

(2) جس حدیث میں ہے ﴿الوتر حق فمن لم يوتر فليس منا﴾ ''وتر حق ہے لہٰذا جس نے وتر نہ پڑھا وہ ہم میں سے نہیں۔'' وہ ضعیف ہے۔(۸)

300- وتر کا وقت

وتر کا وقت عشاء کے بعد سے طلوع فجر تک ہے اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿الوتر ما بين صلاة العشآء إلى طلوع الفجر﴾ ''وتر (کا وقت) نماز عشاء کے بعد سے طلوع فجر تک ہے۔''(۹)

---

(۱) [نيل الأوطار (۲۳۸/۲)]

(۲) [تحفة الأحوذى (٥٥٤/۲)]

(۳) [المغنى (٥٩٥/۲)]

(٤) [المحلى بالآثار (۹۲/۲)]

(٥) [سبل السلام (٥۲۹/۲)]

(٦) [الروضة الندية (۳۰۰/۱)]

(۷) [صحيح : صحيح الترغيب (٥۹۰) ترمذى (٤٥۳، ٤٥٤) كتاب الصلاة : باب ما جآء أن الوتر ليس بحتم، نسائى (۲۲۸/۳) أبو داود (۱٤۱٦) ابن ماجة (۱۱٦۹) ابن خزيمة (۱۰٦۷)] شیخ محمد صبحی حسن حلاق نے اسے صحیح کہا ہے۔ [التعليق على سبل السلام (۲۸/۳)]

(۸) [ضعيف : إرواء الغليل (٤۱۷) أبو داود (۱٤۱۹) كتاب الصلاة : باب فيمن لم يوتر، أحمد (۳٥۷/٥) حاكم (۳۰٥/۱) بيهقى (٤۷۰/۲)] حافظ ابن حجرؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[تلخيص الحبير (۲۰/۲)] امام زیلعیؒ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔[نصب الراية (۱۱۲/۲)]

(۹) [صحيح : صحيح ابن ماجة (٥۹۸) إرواء الغليل (٤۲۳) الصحيحة (۱۰۸) أبو داود (۱٤۱۸) كتاب الصلاة : باب استحباب الوتر، ترمذى (٤٥۲) ابن ماجة (۱۱٦۸)] اس حدیث کی مزید اسناد اور شواہد دیکھنے کے لیے ملاحظہ فرمائیے۔[نصب الراية (۱۰۹/۲) تلخيص الحبير (۱٦/۲) إرواء الغليل (۱٥۸/۲)] شیخ محمد صبحی حلاق نے اسے صحیح کہا ہے۔[التعليق على سبل السلام (۳۹/۳)]

(2) حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿أوتروا قبل أن تصبحوا﴾ ''صبح سے پہلے وتر پڑھو۔'' (۱)
جسے یہ اندیشہ ہو کہ وہ رات کے آخری اوقات میں بیدار نہیں ہو سکے گا اسے چاہیے کہ وہ وتر پڑھ کر سوئے لیکن اگر یہ اندیشہ نہ ہو تو رات کے آخری حصے میں ہی وتر پڑھنا افضل ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿أيكم خاف أن لا يقوم من آخر الليل فليوتر ثم ليرقد......﴾ ''تم میں سے جسے یہ خدشہ ہو کہ وہ رات کے آخری حصے میں نہیں اٹھ سکے گا تو وہ وتر پڑھ لے' پھر سو جائے۔'' (۲)

301- وتر کی قضاء

(1) حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من نام عن الوتر أو نسيه فليصل إذا ذكر وإذا استيقظ﴾ ''جو شخص وتر کے وقت سو یا رہ جائے یا اسے وتر پڑھنا بھول جائے تو جب اسے یاد آئے یا جب وہ بیدار ہو اسی وقت پڑھ لے۔'' (۳)

(2) ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿من نام عن وتره فليصل إذا أصبح﴾ ''جو شخص وتر کے وقت سویا رہ جائے جب صبح ہو تو وہ وتر پڑھ لے۔'' (٤)

(3) علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ ﴿إذا منعه من قيام الليل نوم أو وجع صلى من النهار اثنتي عشرة ركعة﴾ ''جب نیند یا کوئی تکلیف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قیام اللیل سے رکاوٹ بن جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دن میں بارہ رکعتیں ادا فرما لیتے تھے۔'' (٥)

جمہور صحابہ' تابعین اور آئمہ کے نزدیک وتر کی قضاء مستحب ہے۔ (٦) لیکن انہوں نے قضاء کے وقت میں اختلاف کیا ہے۔
(شافعیؒ) جب بھی یاد آئے وتر پڑھ لے حتی کہ صبح کے فوراً بعد بھی درست ہے۔
(مالکؒ، احمدؒ) صبح کے بعد وتر کی قضا نہ دی جائے۔ (۷)
(راجح) اس مسئلے میں شافعی مذہب گذشتہ احادیث کے زیادہ قریب ہونے کی بنا پر راجح ہے۔ (۸)

302- وتر میں قراءت

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وتر (کی پہلی رکعت میں) ''**سبح اسم ربك الأعلى**'' (اور

---

(۱) [مسلم (٧٥٤) كتاب صلاة المسافرين وقصرها : باب صلاة الليل مثنى مثنى ' ترمذی (٤٦٧) نسائی (٢٣١/٣) ابن ماجة (١١٨٩) أحمد (١٤/٣) حاكم (٣٠١/١) أبو عوانة (٣٠٩/٢) بيهقی (٤٧٨/٢)]
(۲) [أحمد (٣١٥/٣) مسلم (٧٥٥) كتاب صلاة المسافرين وقصرها : باب من خاف أن لا يقوم ' ترمذی (٤٥٥) ابن ماجة (١١٨٧) ابن خزيمة (١٠٨٦)]
(۳) [**صحيح** : صحيح ترمذی (٣٨٦) كتاب الصلاة : باب ما جاء في الرجل ينام عن الوتر أو ينساه ' ترمذی (٤٦٥) أبو داود (١٤٣١) ابن ماجة (١١٨٨) أحمد (٣١/٣) بيهقی (٤٨٠/٢) دارقطنی (١٧١/١) حاكم (٣٠٢/١)]
(٤) [**صحيح** : صحيح ترمذی (٣٧٨) أيضا ' ترمذی (٤٦٩)]
(٥) [دارمی (١٤٣٩) كتاب الصلاة : باب صفة صلاة رسول الله]
(٦) [نيل الأوطار (٢٦٢/٢)]
(۷) [أيضا]
(۸) [تحفة الأحوذی (٥٨٢/٢)]

دوسری میں) "قل یأیها الکفرون" (اور تیسری میں) "قل هو الله أحد" پڑھتے تھے۔(۱)

303- قنوت وتر

قنوت وتر رسول اللہ ﷺ سے صرف رکوع سے پہلے ثابت ہے جیسا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿إن رسول الله ﷺ کان یوتر فیقنت قبل الرکوع﴾ "بے شک رسول اللہ ﷺ وتر پڑھتے تو رکوع سے پہلے قنوت کرتے۔"(۲)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی جس روایت میں ﴿قبل الرکوع و بعده﴾ "رکوع سے پہلے اور بعد" میں قنوت کا ذکر ہے وہ نماز فجر کے متعلق ہے' قنوت وتر کے متعلق نہیں جیسا کہ اسی حدیث میں یہ ذکر موجود ہے۔(۳) تاہم رکوع کے بعد بھی قنوت کی جا سکتی ہے جیسا کہ خلفائے اربعہ وغیرہ کے عمل سے یہ بات ثابت ہے۔(٤) اور نبی ﷺ بھی قنوت نازلہ رکوع کے بعد کیا کرتے تھے۔(٥)

○ کسی صحیح حدیث میں آپ ﷺ سے قنوت وتر کے لیے ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں جیسا کہ سنن نسائی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿کان النبی ﷺ لا یرفع یدیه فی شیئ من دعائه إلا فی الاستسقاء﴾ "نبی ﷺ صرف نماز استسقاء میں ہاتھ اٹھا کر دعا فرماتے تھے۔"(٦)

البتہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے عمل سے ہاتھ اٹھانا ثابت ہے جیسا کہ امام بخاریؒ نے "جزء رفع الیدین" میں ذکر فرمایا ہے۔(۷) اس قنوت کے لیے تکبیر تحریمہ کے رفع الیدین کی طرح رفع الیدین کا ثبوت بھی مفقود ہے البتہ احناف بعض غیر صریح آثار کی بنا پر اس رفع الیدین کے قائل ہیں۔(۸)

امام طاؤسؒ کے نزدیک قنوتِ وتر بدعت ہے جیسا کہ امام ابن منذرؒ نے نقل کیا ہے۔(۹) لیکن یہ بات گذشتہ صحیح احادیث کی مخالفت کی وجہ سے مردود اور باطل ہے۔

304- قنوتِ وتر کی دعائیں

(1) حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے کچھ کلمات سکھائے جنہیں میں قنوت وتر میں پڑھتا (وہ یہ ہیں) "اَللّٰهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ وَقِنِي شَرَّ مَا قَضَيْتَ فَإِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضَى عَلَيْكَ إِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ وَلَا يَعِزُّ مَنْ

(۱) [**صحیح** : صحیح ابن ماجة (۹٦۱) کتاب إقامة الصلاة والسنة فیها : باب ما جآء فیما یقرأ فی الوتر' ابن ماجة (۱۱۷۱) نسائی (۲۳۵/۳) دارقطنی (۳۱/۲) بیهقی (٤۰/۳)]

(۲) [**صحیح** : صحیح ابن ماجة (۹۷۰) کتاب إقامة الصلاة والسنة فیها : باب ما جآء فی القنوت قبل الرکوع' ابن ماجة (۱۱۸۲) إرواء الغلیل (٤٦۲)]

(۳) [**صحیح** : صحیح ابن ماجة (۹۷۱) أیضا' إرواء الغلیل (۱٦۰/۲) ابن ماجة (۱۱۸۳)]

(٤) [نیل الأوطار (۲۵۸/۲)]

(٥) [بخاری (۱۰۰۲)]

(٦) [**صحیح** : صحیح نسائی (۱٦٤۹)]

(۷) [تحفة الأحوذی (۵۸۰/۲)]

(۸) [تحفة الأحوذی (۵۸۱/۲)]

(۹) [الأوسط لابن المنذر (۲۰۷/۵)]

عَادَیْتَ تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ''(۱)

''لایذل من والیت'' کے بعد ''ولا یعز من عادیت'' کے الفاظ سنن بیہقی کی روایت میں ہیں۔(۲)

(شوکانیؒ) یہ دعا صرف وتروں میں پڑھی جائے کیونکہ آپ ﷺ سے یہی ثابت ہے۔(۳)

(2) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے وتر کے آخر میں یہ دعا پڑھتے۔

''اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَبِمُعَافَاتِکَ مِنْ عُقُوْبَتِکَ ' أَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ لَا أُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ ' أَنْتَ کَمَا أَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ''(۴)

○ پہلی دعا میں ''تبارکت ربنا وتعالیت'' کے بعد ''وصلی اللہ علی النبی'' کے الفاظ ثابت نہیں ہیں۔(۵)

(ابن حجرؒ) جن روایات میں ان الفاظ کا اضافہ ہے وہ تمام منقطع ہیں۔(۶) البتہ امام نوویؒ نے کہا ہے کہ ان الفاظ کا اضافہ صحیح یا حسن سند کے ساتھ مروی ہے۔(۷)

○ نماز وتر سے فارغ ہونے کے بعد تین مرتبہ ''سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ'' کہنا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔(۸)

305- وتر کے بعد نوافل

اگر چہ بعض روایات میں وتر کو رات کی آخری نماز قرار دیا گیا ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿اجعلوا آخر صلاتکم باللیل وترا﴾ ''وتر کو اپنی رات کی آخری نماز بناؤ۔''(۹)

لیکن درج ذیل صحیح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم محض استحباب کے لیے ہے اور آپ ﷺ وتر کے بعد بھی دو رکعت ادا فرما لیا کرتے تھے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿أن النبی ﷺ کان یرکع رکعتین بعد الوتر﴾ ''نبی ﷺ وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔''(۱۰)

---

(۱) [صحیح : صحیح أبو داود (۱۲۶۳) کتاب الصلاۃ : باب القنوت فی الوتر' أبو داود (۱۴۲۵) ترمذی (۴۶۴) نسائی (۲۴۸/۳) ابن ماجۃ (۱۱۷۸) ابن خزیمۃ (۱۰۹۵) أحمد (۱۹۹/۱)]

(۲) [بیھقی (۲۰۹/۲)]

(۳) [السیل الجرار (۲۲۹/۱)]

(۴) [صحیح : صحیح أبو داود (۱۲۶۵) أیضا ' أبو داود (۱۴۲۷) ترمذی (۳۵۶۶) أحمد (۹۶/۱) ابن ماجۃ (۱۱۷۹) حاکم (۳۰۶/۱) بیھقی (۴۲/۳)]

(۵) [ضعیف : ضعیف نسائی (۱۰۶)]

(۶) [تلخیص الحبیر (۴۴۹/۱)]

(۷) [شرح المھذب (۴۷۶/۳)]

(۸) [صحیح: صحیح نسائی (۱۶۰۴) کتاب القیام اللیل : باب ذکر اختلاف الفاظ الناقلین ......' نسائی (۱۷۰۰)]

(۹) [بخاری (۹۹۸) کتاب الجمعۃ : باب لیجعل آخر صلاتہ وترا' مسلم (۷۵۱) أبو داود (۱۴۳۸) نسائی (۲۳۰/۳) أبو عوانۃ (۳۳۳/۲) أحمد (۱۴۳/۲) بیھقی (۳۴/۳)]

(۱۰) [صحیح : صحیح ترمذی (۳۹۲) کتاب الصلاۃ : باب ما جاء لا وتران فی لیلۃ' ترمذی (۴۷۱) أحمد (۲۹۸/۶) ابن ماجۃ (۱۱۹۵)]

اس لیے اگر کوئی شخص وتر پڑھ کے سو جائے پھر رات کو پچھلے پہر اٹھ کر نوافل ادا کرے تو وہ آخر میں دوبارہ وتر نہیں پڑھے گا کیونکہ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿لا وتران فی لیلة﴾ ''ایک رات میں دو وتر نہیں ہیں۔'' (۱)

امام احمدؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام ثوریؒ، امام ابن مبارک اور امام ابن حزم رحمہم اللہ اجمعین وغیرہ کا بھی یہی موقف ہے اور یہی راجح و برحق ہے۔ (۲)

تحیۃ المسجد (کی دو رکعتیں)۔ ❶	وَتَحِيَّةُ الْمَسْجِدِ

❶ (1) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿إذا دخل أحد كم المسجد فلا يجلس حتى يصلي ركعتين﴾ ''تم میں سے کوئی جب بھی مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت ادا کرے۔'' (۳)

(2) حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے اپنے اونٹ کی قیمت وصول کرنے کے لیے جب مسجد میں آئے تو آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا ﴿أن يصلي الركعتين﴾ ''کہ وہ دو رکعت نماز ادا کریں۔'' (٤)

(3) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے دوران خطبہ حضرت سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا جبکہ وہ دو رکعت پڑھے بغیر بیٹھ گئے ﴿أن يصليهما﴾ ''کہ وہ دو رکعت نماز ادا کریں۔'' (٥)

اس کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے۔

(اہل ظاہر) امام ابن بطالؒ نے ان سے وجوب نقل کیا ہے۔ (٦)

(جمہور) تحیۃ المسجد کا حکم استحباب کے لیے ہے۔ (٧)

(امیر صنعانیؒ) زیادہ ظاہر وجوب ہی ہے۔ (٨)

(شوکانیؒ) (اس مسئلے پر بحث کے بعد فرماتے ہیں کہ گذشتہ شواہد سے آپ کو یہی معلوم ہوگا کہ) اہل ظاہر کا قول یعنی وجوب زیادہ ظاہر ہے۔ (٩)

(راجح) ہمارے علم کے مطابق تحیۃ المسجد واجب نہیں بلکہ سنت مؤکدہ و مستحب عمل ہے۔ (واللہ اعلم)

---

(۱) [صحیح : صحیح ترمذی (۳۹۱) أبو داود (۱٤۳۹) كتاب الصلاة : باب في نقض الوتر' ترمذی (٤٦٨) نسائی (۲۲۹/۳) بیهقی (۳٦/۳) ابن خزیمة (۱۱۰۱)]

(۲) [تحفة الأحوذي (۵۸۸/۲) نيل الأوطار (۲۵۹/۲) المحلی بالآثار (۹۱/۲)]

(۳) [بخاری (٤٤٤ ' ۱۱٦۳) كتاب الصلاة : باب إذا دخل أحدكم المسجد فليركع ركعتين ' أبو داود (٤٦٧) نسائی (۵۳/۲) ابن ماجة (۱۰۱۳) أحمد (۲۵۹/۵) ابن خزيمة (۱۸۲۵) ابن حبان (۲٤۹٦)]

(٤) [مسلم (۷۱۵) كتاب صلاة المسافرين وقصرها : باب استحباب تحية المسجد...... ' بخاری (۲۰۹۷)]

(٥) [بخاری (٤٤۳) كتاب الصلاة : باب الصلاة إذا قدم من سفر ' مسلم (۸۷۵)]

(٦) [تحفة الأحوذي (۲٦۵/۲)]

(٧) [أيضا]

(٨) [سبل السلام (۳٦٦/۱)]

(٩) [نيل الأوطار (۲۹۲/۲)]

جن علماء کا یہ موقف ہے وہ مندرجہ ذیل دلائل پیش نظر رکھتے ہیں:

(1) نبی ﷺ نے حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کو فرض نمازوں کی تعداد پانچ بتلائی تو انہوں نے عرض کیا ﴿هل علی غیرها؟﴾ ''کیا ان نمازوں کے علاوہ بھی مجھ پر کوئی فرض ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿لا ، إلا أن تطوع﴾ ''نہیں' مگر یہ کہ تم خوشی سے کوئی نماز پڑھو۔'' (١)

(2) ایک روایت میں ہے کہ ﴿کان أصحاب رسول الله ﷺ یدخلون المسجد ثم یخرجون ولا یصلون﴾ ''رسول اللہ ﷺ کے صحابہ مسجد میں داخل ہوتے' پھر نکلتے اور وہ کوئی نماز (یعنی تحیۃ المسجد وغیرہ) نہیں پڑھتے تھے۔'' (٢)

(3) حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جب غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے ...... (اس حدیث میں ہے کہ) حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ نے کہا ﴿تعال فجئت حتی جلست بین یدیه فقم حتی یقضی الله فیك فقمت فمضیت﴾ ''یہاں آؤ' پس میں آیا حتی کہ آپ ﷺ کے سامنے (یعنی مسجد میں) بیٹھ گیا'' ...... (پھر آپ ﷺ نے فرمایا) کھڑے ہو کر چلے جاؤ حتی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے متعلق فیصلہ فرما دیں (حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) میں کھڑا ہوا اور چلا گیا۔'' (٣)

اسی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو اس وقت بلایا تھا کہ جب آپ ﷺ مسجد میں تھے۔

(4) رسول اللہ ﷺ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ آپ ﷺ جمعہ کے روز مسجد میں داخل ہوتے' منبر پر بیٹھ جاتے' اور خطبے سے فارغ ہو جانے سے پہلے کوئی نماز نہ پڑھتے۔

(5) بروز جمعہ گردنیں پھلانگنے والے شخص سے آپ ﷺ نے کہا ﴿إجلس فقد آذیت﴾ ''تم بیٹھ جاؤ یقیناً تم نے تکلیف پہنچائی ہے۔'' (٤)

(ابن حجرؒ) فتوی دینے والے آئمہ کا اتفاق ہے کہ اس (یعنی گذشتہ) حدیث میں حکم استحباب کے لیے ہے۔ (٥)

(ابن حزمؒ) یہ دو رکعتیں واجب نہیں ہیں۔ (٦)

(نوویؒ) اسی پر مسلمانوں کا اجماع ہے (یعنی عدم وجوب پر)۔ (٧)

(ابن قدامہؒ) مسجد میں بیٹھنے سے پہلے یہ رکعتیں پڑھنا مسنون ہے۔ (٨)

306- اگر کوئی بھول کر یہ رکعتیں پڑھے بغیر بیٹھ جائے؟

تو جب یاد آئے وہ دوبارہ کھڑا ہو کر یہ رکعتیں ادا کرے اور پھر بیٹھے جیسا کہ آپ ﷺ نے دوران خطبہ ایک شخص کو حکم دیا

(١) [بخاری (٤٦) کتاب الإیمان : باب الزکاة من الإسلام]

(٢) [ابن أبی شیبة (٣٤٢٨)]

(٣) [بخاری (٤٤١٨) کتاب المغازی : باب حدیث کعب بن مالك]

(٤) [**صحیح** : صحیح أبو داود (٩٨٩) أحمد (١١٨/٤) أبو داود (١١١٨) ابن خزیمة (١٨١١)]

(٥) [فتح الباری (٦٤٠/١)]

(٦) [نیل الأوطار (٢٩١/٢)]

(٧) [شرح مسلم (٢٤٤/٣)]

(٨) [المغنی (٥٥٤/٢)]

﴿قم فصل رکعتین﴾ ''کھڑے ہو جاؤ اور دو رکعت نماز ادا کرو۔'' اسی طرح جب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہو کر بیٹھ گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ﴿أرکعت رکعتین؟﴾ ''کیا تم نے دو رکعتیں ادا کی ہیں؟'' انہوں نے کہا ''نہیں'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿قم فارکعهما﴾ ''کھڑے ہو جاؤ اور یہ دو رکعتیں ادا کرو۔'' (۱)

307- اگر جماعت کھڑی ہو اور کوئی مسجد میں آئے؟

تو اسے باجماعت نماز ادا کر لینی چاہیے تحیۃ المسجد پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ اسے یہی کفایت کر جائے گا۔ (۲)

جیسا کہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ﴿إذا أقیمت الصلاة فلا صلاة إلا المکتوبة﴾ ''جب نماز کے لیے اقامت کہہ دی جائے تو صرف فرض نماز ہی قبول ہوتی ہے۔'' (۳)

308- ممنوعہ اوقات میں تحیۃ المسجد کا حکم

بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ رکعتیں ممنوع اوقات میں بھی پڑھی جا سکتی ہیں جیسا کہ شافعیہ اسی کے قائل ہیں البتہ امام ابوحنیفہؒ، امام اوزاعیؒ اور امام لیثؒ ان اوقات میں تحیۃ المسجد کو مکروہ کہتے ہیں۔ راجح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان اوقات میں نماز سے گریز کرنا ہی بہتر ہے خواہ جواز بھی ثابت ہوتا ہو۔ (٤)

(ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ) تحیۃ المسجد تمام اوقات میں پڑھنا جائز ہے۔ (٥)

(ابن بازؒ) اسی کے قائل ہیں۔ (٦)

وَالْإِسْتِخَارَةُ	اور نماز استخارہ۔ ❶

❶ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس طرح تمام معاملات میں استخارہ سکھاتے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں قرآن کی سورت سکھاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ﴿إذا هم أحدکم بالأمر فلیرکع رکعتین من غیر الفریضة ثم لیقل﴾ ''تم میں سے کوئی جب کسی کام کا ارادہ کرے تو فرائض کے علاوہ دو رکعتیں پڑھے پھر کہے '' اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَ تَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِّي فِي دِينِي وَ مَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي فَاقْدُرْهُ لِي وَيَسِّرْهُ لِي ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِّي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ وَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ أَرْضِنِي بِهِ﴾ (۷)

(۱) [فتح الباری (٦٤١/١) ابن حبان، باب إن تحیة المسجد لا تفوت بالجلوس]
(۲) [تفصیل کے لیے دیکھیے: سبل السلام (٣٦٧/١)]
(۳) [مسلم (٧١٠) أبو داود (١٢٦٦)]
(٤) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: نیل الأوطار (٢٩٢/٢) تحفة الأحوذی (٢٦٦/٢) شرح مسلم (٢٤٤/٣)]
(٥) [فتاوی ابن باز مترجم (٦٢/١)]
(٦) [أیضا]
(۷) [بخاری (١١٦٢، ٦٣٨٢) کتاب الدعوات: باب الدعاء عند الاستخارة، أبو داود (١٥٣٨) ترمذی (٤٨٠) نسائی (٨٠/٦) ابن ماجة (١٣٨٣) ابن حبان (٨٨٧) بیهقی (٥٢/٣)]

(شوکانیؒ) نماز استخارہ اور اس کے بعد کی دعا کی مشروعیت میں کوئی اختلاف میرے علم میں نہیں۔(۱)

(نوویؒ) جب کوئی شخص استخارہ کرے تو اس کے بعد اس کام کو اپنا لے جس پر اسے انشراح صدر ہو جائے۔(۲)

اگر ایسا کچھ بھی محسوس نہ ہو تو جو کام انسان کے لیے آسان ہوتا جائے اسے اختیار کر لے۔

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) اس حدیث میں جو نماز استخارہ اور اس کے بعد مسنون دعا کے استحباب کا ذکر ہے وہ صرف ان معاملات میں ہے جن میں انسان کو (دنیاوی معاملات میں سے کسی معاملے کے لیے) درست راہ معلوم نہ ہو رہی ہو علاوہ ازیں جو معروف نیکیاں ہیں مثلاً عبادات اور دیگر معروف اعمال ان میں استخارے کی کوئی ضرورت نہیں۔(۳)

(شوکانیؒ) حدیث کے یہ الفاظ ﴿من غير الفريضة﴾ اس بات کا ثبوت ہیں کہ فرض نماز' سنن رواتب' تحیۃ المسجد' یا اس کے علاوہ دیگر نوافل کے بعد اگر (استخارے کی غرض سے) یہی دعا کر دی جائے تو اس سے سنت حاصل نہیں ہوگی (بلکہ استخارے کے لیے الگ دو رکعتیں صرف استخارے کی غرض سے ہی ادا کی جائیں گی)۔(٤)

309- استخارہ صرف بعض اولیاء کے لیے خاص نہیں

یہ گمان رکھنا کہ استخارہ صرف وہی سود مند ہوتا ہے جو لوگوں میں سے بعض بزرگ شخصیات سے کروایا جائے اور یہ خیال کرنا کہ استخارے کے لیے دوران نیند خواب آنا ضروری ہے' محض (دین میں) ایسا غلو و جمود ہے جس کا نہ تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کی سنت اس کی رہنمائی کرتی ہے..... اس لیے مسلمان کو چاہیے کہ اپنے تمام معاملات میں پروردگار سے خود استخارہ کرے یقیناً وہ ضرور اسے ہدایت بخشے گا اور دور حاضر کے لوگوں نے جس تشدد کو اور محض دوسروں (یعنی اولیاء و بزرگوں) پر ہی اعتماد کر لینا عادت و رواج بنا لیا ہے اس کی طرف یکسر توجہ نہ کرے۔(٥)

- اگر استخارے کے بعد مطلوبہ کام کرنے یا نہ کرنے کے متعلق شرح صدر نہ ہو تو کیا وہ شخص دوبارہ استخارہ کرے گا؟ ایسی صورت میں یاد رہے کہ دوبارہ استخارہ کرنے کے متعلق کوئی بھی مرفوع حدیث ثابت نہیں ہے۔(٦)
- عملِ استخارہ کو پیشہ بنا لینا بھی کسی طور پر درست نہیں کیونکہ اسے ہر انسان کی اپنی ذات کے لیے مشروع کیا گیا ہے۔

وَرَكْعَتَانِ بَيْنَ كُلِّ أَذَانٍ وَإِقَامَةٍ	ہر آذان اور اقامت کے درمیان دو رکعتیں۔ ❶

❶ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿بين كل آذانين صلاة﴾ ''ہر دو آذانوں یعنی آذان اور اقامت) کے درمیان نماز ہے۔'' لیکن تیسری مرتبہ انہی فرمان کے ساتھ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿لمن شاء﴾

۱) [نیل الأوطار (۲۹۸/۲)]
۲) [الأذكار للنووی (ص/۱۵۲)]
۳) [تحفة الأحوذی (۶۰۵/۲)]
٤) [نیل الأوطار (۲۹۷/۲)]
٥) [القول المبین فی أخطاء المصلین (ص/۳۹٤) المدخل (۹۰/۳) الدین الخالص (۲٤٥/٥)]
٦) [نیل الأوطار (۲۹۷/۲)]

"صرف اس کے لیے جو پڑھنا چاہے۔" (۱)

حدیث میں موجود لفظ " آذانیـن " سے مراد آذان اور اقامت ہے اور یہ لفظ تغلیباً کہا گیا ہے جیسا کہ سورج اور چاند کو قمرین اور ظہر و عصر کو عصرین کہہ دیا جاتا ہے۔(۲)

(ابن حجرؒ) آذان اور اقامت کے درمیان جس نماز کو مشروع کیا گیا ہے اس سے نفلی نماز مراد ہے۔(۳)

متفرقات

﴿نماز تراویح کا بیان﴾

310- باجماعت نماز تراویح کی شرعی حیثیت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالجزم حکم تو نہیں دیتے تھے البتہ قیام رمضان کی ترغیب دلایا کرتے تھے اور فرماتے تھے ﴿من قام رمضان إيمانا و احتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه﴾ "جس نے حالت ایمان میں اور اجر و ثواب کی غرض سے قیام رمضان میں شرکت کی اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔" (٤)

(نوویؒ) اس حدیث میں قیام رمضان سے مراد نماز تراویح ہے اور اس کے استحباب پر علماء کا اتفاق ہے۔(٥)

(شوکانیؒ) یہ حدیث قیام رمضان یعنی نماز تراویح کی فضیلت و استحباب پر دلالت کرتی ہے۔(٦)

فقہاء نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے کہ یہ نماز گھر میں اکیلا کیلے پڑھنا افضل ہے یا مسجد میں جماعت کے ساتھ افضل ہے۔

(احمدؒ، شافعیؒ، ابوحنیفہؒ) مسجد میں جماعت کے ساتھ افضل ہے۔

(مالکؒ، ابو یوسفؒ) گھر میں اکیلے پڑھنا افضل ہے۔ ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ فرائض کے علاوہ انسان کی نماز گھر میں افضل ہے۔(۷)

(راجح) نماز تراویح مسجد میں باجماعت افضل ہے کیونکہ سنت نبوی سے یہی عمل ثابت ہے۔ بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض ہو جانے کے اندیشے سے اسے ترک کر دیا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب یہ اندیشہ نہ رہا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو

---

(۱) [بخاری (٦٢٤) کتاب الأذان : باب كم بين الأذان والإقامة، مسلم (٨٣٨) أبو داود (١٢٨٣) ترمذی (١٨٥) نسائی (٢٩/٢)]

(۲) [تحفة الأحوذی (٥٧٣/١) الروضة الندية (٣٠٤/١)]

(۳) [فتح الباری (٣١٥/٢)]

(٤) [بخاری (٢٠٠٩) كتاب صلاة التراويح : باب فضل من قام رمضان، مسلم (٧٥٩) أبو داود (١٣٧١) نسائی (٢٠٢/٣) ترمذی (٨٠٨) ابن ماجة (١٣٢٦)]

(٥) [شرح مسلم (٢٩٨/٣)]

(٦) [نيل الأوطار (٢٦٥/٢)]

(٧) [نيل الأوطار (٢٦٥/٢) المغنی (٦٠٥/٢)]

ب امام کے پیچھے جمع کر دیا۔اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات مسجد میں نماز پڑھائی۔صحابہ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ نماز ادا کی۔دوسری رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز پڑھائی تو نمازیوں کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی۔تیسری یا چوتھی رات تو یہ تعداد ایک بڑے اجتماع کی صورت اختیار کر گئی لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس رات نماز پڑھانے کے لیے تشریف نہ لائے۔صبح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جتنی بڑی تعداد میں تم لوگ جمع ہو گئے تھے۔میں نے اسے دیکھا ﴿ولم یمنعنی من الخروج إلیکم إلا أنی خشیت أن تفرض علیکم وذلك فی رمضان﴾ ''لیکن یہ خدشہ میرے باہر آنے کے لیے رکاوٹ بنا رہا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے' یہ رمضان کا واقعہ ہے۔''

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین راتیں نماز پڑھائی لیکن چوتھی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لائے......

اس روایت کے آخر میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا)﴿ ولكنی خشیت أن تفترض علیکم فتعجزوا عنها فتوفی رسول الله ﷺ والأمر علی ذلك﴾ ''لیکن مجھے یہ اندیشہ تھا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے تو تم اس سے عاجز آ جاؤ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی لیکن یہ معاملہ اسی طرح رہا۔''

صحیح بخاری کی ہی ایک اور روایت میں یہ بھی ذکر موجود ہے کہ چوتھی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لائے۔(۱)

2) حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں رمضان کی ایک رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد میں گیا' سب لوگ متفرق اور منتشر تھے۔کوئی اکیلا نماز پڑھ رہا تھا اور کوئی کسی کے پیچھے کھڑا تھا۔یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا﴿إنی أری لو جمعت هؤلاء علی قارئ واحد لكان أمثل﴾ ''میرا خیال ہے کہ اگر میں تمام لوگوں کو ایک قاری کے پیچھے جمع کر دوں تو زیادہ مناسب ہوگا'' چنانچہ انہوں نے اسی عزم و ارادے کے ساتھ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو ان کا امام مقرر کر دیا۔(حضرت عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ) پھر ایک رات جب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلا تو دیکھا کہ لوگ اپنے امام کے پیچھے نماز (تراویح) پڑھ رہے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا﴿نعم البدعة هذه﴾ ''یہ نیا طریقہ بہتر اور مناسب ہے۔'' اور رات کا وہ حصہ جس میں یہ لوگ سو جاتے ہیں اُس حصے سے بہتر ہے جس میں یہ نماز پڑھ رہے ہیں۔آپ رضی اللہ عنہ کی مراد رات کے آخری حصے کی فضیلت سے تھی کیونکہ لوگ یہ نماز رات کے شروع میں ہی پڑھ لیتے تھے۔(۲)

مذکورہ دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ قیام رمضان باجماعت مشروع ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اس اندیشے کی وجہ سے چوتھی رات جماعت سے گریز کیا تھا کہ یہ نماز مسلمانوں پر فرض نہ کر دی جائے۔بعد ازاں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے' وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا تو جس چیز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خائف تھے اس سے امن ہو گیا کیونکہ کسی بھی کام کی علت اپنے وجود یا عدم میں معلول کے ساتھ ہوتی ہے لہٰذا جب عارض زائل ہو گیا تو باجماعت (نماز تراویح) کی سنت باقی رہ گئی۔

پس جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت آیا تو انہوں نے اُسی سنت کو زندہ کرتے ہوئے کہ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنایا

---

(۱) [بخاری (۱۱۲۹' ۲۰۱۲) كتاب الجمعة : باب تحريض النبی علی صلاة الليل' مسلم (۷۶۱) مؤطا (۱۱۳/۱) نسائی (۲۰۲/۳) أحمد (۱۶۹/۶) ابن خزيمة (۲۲۰۷) بيهقی (۴۰۲/۲)]

(۲) [بخاری (۲۰۱۰) كتاب صلاة التراويح : باب فضل من قام رمضان' مؤطا (۱۱۴/۱)]

تھا اس نماز کو با جماعت ادا کرنے کا حکم دے دیا۔ یاد رہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس فعل کو بدعت سے اس لیے موسوم کیا تھا کہ ان کے زمانے میں پہلے اس طرح یہ نماز نہیں پڑھی جاتی تھی اس لیے ان کے زمانے میں یقیناً یہ نیا کام تھا۔ لیکن فی الحقیقت یہ کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کیا جا چکا تھا۔ اسے بدعت کہنے کی وجہ یہ ہرگز نہیں تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بدعت کی تقسیم سے مطلع کرنا چاہتے تھے کہ بدعت کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک بدعت حسنہ اور ایک سیئہ جیسا کہ آج بعض حضرات یہ موقف رکھتے ہیں۔ بلکہ ہر بدعت گمراہی ہی ہے۔

(ابن تیمیہؒ) اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بدعت کو اچھا کہا ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس سے مراد لغوی بدعت ہے شرعی نہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ لغت میں بدعت ہر ایسے کام کو کہا جاتا ہے جس کی ابتدا پہلی مرتبہ کی گئی ہو۔ شرعی بدعت یہ ہے کہ ہر ایسا کام جس کی کوئی شرعی دلیل موجود نہ ہو۔(۱)

311- نمازِ تراویح کی تعدادِ رکعات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿ما كان النبي ﷺ يزيد في رمضان ولا في غيره على إحدى عشرة ركعة﴾ ”رمضان اور غیر رمضان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم (رات کی نماز) گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔“(۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تہجد' قیام اللیل' قیام رمضان اور نماز تراویح ایک ہی نماز کے مختلف نام ہیں۔

نماز تراویح کی رکعتوں کی تعداد میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے۔

(احمدؒ، شافعیؒ، ابو حنیفہؒ) اس نماز کی رکعتوں کی تعداد بیس ہے۔

(مالکؒ) یہ تعداد گیارہ رکعت ہے۔(۳)

(راجح) امام مالکؒ کا قول راجح ہے کیونکہ گذشتہ صحیح حدیث اس کا ثبوت ہے۔

(شوکانیؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(٤)

(عبد الرحمن مبارکپوریؒ) دلیل کے اعتبار سے راجح و مختار اور قوی ترین قول امام مالکؒ کا ہے۔(٥)

(امیر صنعانیؒ) انہوں نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث کو ہی مقدم رکھا ہے۔(٦)

جو لوگ بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كان يصلي في رمضان عشرين ركعة والوتر﴾ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) [اقتضاء الصراط المستقيم (ص/۲۷٦)]

(۲) [بخاری (۱۱٤۷) كتاب الجمعة : باب قيام النبي بالليل فر رمضان وغيره ' مسلم (۷۳۸) أبو داود (۱۳٤۱) ترمذی (٤۳۹) نسائی (۲۳٤۱۳) موطا (۱۲۰/۱)]

(۳) [المغنی (٦۰٤/۲) عمدة القاری (۲۰۱/۹) تحفة الأحوذی (٦۰۸/۳)]

(٤) [نيل الأوطار (۲٦۹/۲)]

(٥) [تحفة الأحوذی (٦۰۸/۳)]

(٦) [سبل السلام (٥۳۳/۲)]

رمضان میں بیس رکعت نماز اور وتر پڑھا کرتے تھے۔'' (١)

(2) حضرت یزید بن رومان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگ رمضان میں تیئس (23) رکعات قیام کرتے تھے۔'' (٢)

(3) سنن بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت اُبی رضی اللہ عنہ اور تمیم داری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات (تراویح) پڑھائیں۔ (٣)

(4) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت نماز پڑھائے۔ (٤)

یاد رہے کہ بیس رکعت تراویح کے اثبات میں پیش کی جانے والی تمام روایات ضعیف ہیں۔ (٥)

○ نماز تراویح چونکہ قیام اللیل ہی کا دوسرا نام ہے اس لیے اس کے مزید احکام و مسائل دیکھنے کے لیے اسی باب میں پیچھے ''قیام اللیل'' کے بیان کا مطالعہ کیجیے۔

312- قیام رمضان میں قرآن سے دیکھ کر قراءت

(ابن بازؒ) قیام رمضان میں قرآن سے دیکھ کر قراءت کرنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا غلام ذکوان مصحف سے دیکھ کر پڑھتا (یعنی امامت کراتا) تھا۔ (٦)

313- تین راتوں سے کم میں قرآن ختم کرنا درست نہیں

جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ ﴿لا يفقه من قراء القرآن في أقل من ثلاث﴾ ''ایسا شخص سمجھدار نہیں ہے جس نے تین راتوں سے کم میں مکمل قرآن پڑھا۔'' (٧)

---

(١) [ابن أبي شيبة (٣٩٣/٢) بيهقي (٤٩٦/٢) ابن عدى (٢٤١/١) عبد بن حميد (٦٥٣) طبراني كبير (١٢١٠٢) طبراني أوسط (٧٩٨)] حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ [فتح الباري (٢٥٤/٤)] امام زیلعیؒ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ [نصب الراية (١٥٣/٢)] امام سیوطیؒ نے اس حدیث کو بہت زیادہ ضعیف اور نا قابل حجت قرار دیا ہے۔ [الحاوى للفتاوى (٣٤٧/١) المصابيح في صلاة التراويح (ص/٢٠)] عبدالرحمن مبارکپوریؒ نے اس حدیث کو بہت زیادہ ضعیف کہا ہے۔ [تحفة الأحوذى (٦١٣/٣)] شیخ محمد صبحی حسن حلاق نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ [التعليق على السيل الجرار (٦٦٣/١)] اس کی سند میں ابوشیبہ (ابراہیم بن عثمان) راوی ہے جسے امام احمدؒ، امام ابن معینؒ، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ابو داودؒ، امام ترمذیؒ، امام نسائی رحمہم اللہ اجمعین اور دیگر علماء نے ضعیف کہا ہے۔ [سبل السلام (٥٣٢/٢) تحفة الأحوذى (٦١٥/٣) التاريخ الكبير (٣١٠/١) المجروحين (١٠٤/١) الجرح والتعديل (١١٥/٢) ميزان الاعتدال (٤٧٣١) تقريب التهذيب (٣٩/١)]

(٢) [موطا (١١٥/١)]

(٣) [بيهقي (٤٩٦/٢)]

(٤) [اس کی سند میں ابوالحسناء راوی مجہول ہے۔ [تقريب التهذيب (٤١٢/٢) الإكمال (٤٧٥/٢) ميزان الاعتدال (٣٥٦/٧)]

(٥) [تحفة الأحوذى (٦١٢/٣-٦١٦)]

(٦) [الفتاوى الإسلامية (٣٣٧/١)]

(٧) [صحيح : صحيح أبو داود (١٢٣٩) كتاب الصلاة : باب في كم يقرأ القرآن ' أبو داود (١٣٩٠ ' ١٣٩٤)]

اس مسئلے میں مزید تفصیل کے لیے "محلی ابن حزم" کا مطالعہ مفید ہے۔(۱)

314- ہر مرتبہ وضوء کے بعد کچھ نفل پڑھنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے نماز فجر کے وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے بلال! مجھے اپنا اسلام میں کیا ہوا کوئی سب سے زیادہ پرامید عمل بتاؤ ﴿فإني سمعت دف نعليك بين يدي في الجنة﴾ "بے شک میں نے جنت میں اپنے سامنے تمہارے جوتوں کی حرکت سنی ہے" تو بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں نے ایسا کوئی عمل نہیں کیا جو میرے نزدیک اس سے زیادہ پرامید ہو کہ ﴿إني لم أتطهر طهورا في ساعة من ليل أو نهارا إلا صليت بذلك الطهور ما كتب لي أن أصلي﴾ "میں نے رات اور دن کے اوقات میں جب بھی وضوء کیا اس کے ساتھ لازماً اس قدر نماز پڑھی جتنی کہ میرے لیے پہلے سے لکھ دی گئی تھی۔"(۲)

315- نوافل گھروں میں پڑھنا افضل ہے

(1) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿أفضل الصلاة صلاة المرء في بيته إلا المكتوبة﴾ "فرض نماز کے علاوہ آدمی کی سب سے افضل نماز وہ ہے جسے وہ اپنے گھر میں ادا کرتا ہے۔"(۳)

(2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿اجعلوا في بيوتكم من صلاتكم ولا تتخذوها قبورا﴾ "اپنی کچھ نماز اپنے گھروں میں بھی ادا کیا کرو اور انہیں قبروں کی مانند مت بنالو۔"(٤)

(نوویؒ) آپ ﷺ نے گھر میں صرف اس لیے نفل پڑھنے کی ترغیب دلائی کیونکہ یہ زیادہ مخفی، ریاکاری سے زیادہ بعید، اعمال ضائع کر دینے والی اشیاء سے بہت زیادہ محفوظ ہیں اور ان کے ذریعے گھر میں برکت ہوتی ہے، اس میں فرشتے اور رحمت نازل ہوتی ہے، اور شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے۔(٥)

316- نوافل کی جماعت بھی درست ہے

جیسا کہ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے گھر کے ایک حصے کو مسجد بنانا چاہتے تھے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس جگہ میں نماز پڑھنے کی درخواست کی (اس روایت میں ہے کہ) ﴿فقام رسول الله فصففنا خلفه فصلى بنا ركعتين﴾ "پس آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور ہم نے آپ ﷺ کے پیچھے صف بنائی پھر آپ ﷺ نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی۔"(٦)

---

(۱) [المحلی بالآثار (٩٦/٢-٩٧)]

(۲) [بخاری (١١٤٩) كتاب الجمعة : باب فضل الطهور بالليل والنهار وفضل الصلاة بعد الوضوء، مسلم (٢٤٥٨) نسائی (٦٦/٥) أحمد (٣٣٣/٢) ابن خزيمة (١٢٠٨)]

(۳) [بخاری (٧٣١) كتاب الأذان : باب صلاة الليل، مسلم (٧٨١) أبو داود (١٠٤٤) ترمذی (٤٥٠) ابن خزيمة (١٢٠٣)]

(٤) [بخاری (٤٣٢) كتاب الصلاة : باب كراهية الصلاة في المقابر، مسلم (٧٧٧) أبو داود (١٠٤٣)]

(٥) [شرح مسلم (٣٢٦/٣)]

(٦) [بخاری (٤٢٤) كتاب الصلاة : باب إذا دخل بيتا يصلي حيث شاء أو حيث أمر...... مسلم (٣٣) نسائی (١٢٥٠) أحمد (٤٣/٤) ابن ماجة (٧٥٤)]

علاوہ ازیں اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کی نماز میں بائیں جانب سے دائیں جانب گھمایا۔(۱)

317- نوافل بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿لما بدن رسول الله ﷺ وثقل كان أكثر صلاته جالسا﴾ "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم بوجھل ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر بیٹھ کر نماز پڑھا کرتے تھے۔"(۲)

صحیح بخاری کی ایک روایت میں وضاحت موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیام اللیل (یعنی نفل نماز) میں بیٹھا کرتے تھے۔(۳)

اگرچہ نوافل بیٹھ کر ادا کرنا جائز ہے لیکن بغیر کسی عذر کے بیٹھ کر پڑھنے سے اجر میں لامحالہ نقص واقع ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إن صلى قائما فهو أفضل ومن صلى قاعدا فله نصف أجر القائم ومن صلى نائما فله نصف أجر القاعد﴾ "اگر کوئی کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو یہ افضل ہے اور جو بیٹھ کر پڑھے گا اسے کھڑے ہو کر پڑھنے والے سے نصف اجر ملے گا اور جو لیٹ کر پڑھے گا اسے بیٹھ کر پڑھنے والے سے نصف اجر ملے گا۔"(٤)

318- اقامت کے بعد نفل پڑھنا جائز نہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا أقيمت الصلاة فلا صلاة إلا المكتوبة﴾ "جب نماز کے لیے اقامت کہہ دی جائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز قبول نہیں ہوتی۔"(٥)

امام نوویؒ نے احناف کے متعلق نقل کیا ہے کہ (ان کے نزدیک) اقامت کے بعد (مسجد میں) فجر کی سنتیں پڑھی جا سکتی ہیں لیکن فجر کی دوسری رکعت بھی فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو سنتیں چھوڑ کر جماعت میں شامل ہو جانا چاہیے۔(٦)

اس مسئلے میں فقہاء نے طویل بحث و تمحیص کی ہے کہ جسے کتب طوال میں دیکھا جا سکتا ہے۔(٧)

---

(۱) [بخاري (٨٥٩) كتاب الأذان : باب وضوء الصبيان و متى يجب عليهم الغسل والطهور' مسلم (٧٦٣)]

(۲) [مسلم (٧٣٢) كتاب صلاة المسافرين وقصرها : باب جواز النافلة قائما وقاعد.....' أحمد (٢٥٧/٦) ابن خزيمة (١٢٣٩)]

(۳) [بخاري (١١١٨)]

(٤) [أحمد (٤٣٥/٤) بخاري (١١١٥) كتاب الجمعة : باب صلاة القاعد' أبو داود (٩٥١) ترمذي (٣٦٩) ابن ماجة (١٢٣١) بيهقي (٤٩١/٢)]

(٥) [مسلم (٧١٠) كتاب صلاة المسافرين وقصرها : باب كراهة الشروع في نافلة بعد شروع المؤذن' أبو داود (١٢٦٦) ترمذي (٤١٩) أبو عوانة (٣٣/٢)]

(٦) [شرح مسلم (٢٤١/٣)]

(٧) [نيل الأوطار (٣١٣/٢) المجموع (٥٥٠/٣) روضة الطالبين (٤٣٥/١) رد المحتار (٣٠٤/٢) المغني (١١٩/٢) كشاف القناع (٢٦١/١) الهداية (٧٢/١) شرح مسلم (٢٤١/٣)]

باب صلاة الجماعة — باجماعت نماز کا بیان

هِيَ مِنْ آكَدِ السُّنَنِ	یہ سنتوں میں بہت زیادہ موکد ہے۔ ❶

❶ مسجد میں جا کر باجماعت نماز ادا کرنے کے حکم میں اختلاف ہے۔

(مالکؒ، ابوحنیفہؒ) سنت موکدہ ہے۔

(شافعیؒ) فرض کفایہ ہے۔

(اہل ظاہر، احمدؒ) فرض عین ہے۔(۱)

(شوکانیؒ) مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنا سنت موکدہ ہے۔(۲)

(راجح) اگر کوئی شرعی عذر رکاوٹ نہ ہو تو ہر آذان سننے والے مرد پر مسجد میں حاضر ہو کر باجماعت نماز ادا کرنا واجب ہے اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾ [البقرة: ٤٣] ''اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔''

ایک اور آیت میں فرمایا کہ ﴿وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ﴾ [النساء: ١٠٢] ''جب تم ان میں ہو اور ان کے لیے نماز کھڑی کرو تو چاہیے کہ ان کی ایک جماعت تمہارے ساتھ اپنے ہتھیار لیے کھڑی ہو۔''

جب حالت خوف میں باجماعت نماز کا حکم (یعنی وجوب) ہے تو امن میں بالا ولی واجب ہے۔(۳)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں پھر کسی کو نماز پڑھانے کے لیے کہوں ﴿ثم أخالف إلى رجال لا يشهدون الصلاة فأحرق عليهم بيوتهم﴾ ''پھر میں خود ان لوگوں کی طرف جاؤں جو نماز میں شریک نہیں ہوتے اور ان کے گھروں کو جلا ڈالوں۔''(٤)

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان کے گھروں میں عورتیں اور بچے ہیں تو میں ان کے گھروں کو جلا ڈالتا۔''(٥)

(3) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک اندھے آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر میں نماز ادا کرنے کی اجازت طلب

(١) [تحفة الأحوذي (٦٥٩/١) نيل الأوطار (٣٦٦/٢) المهذب (٩٣/١) اللباب (٨٠/١) بداية المجتهد (١٣٦/١) المجموع (٨٨/٤) مغني المحتاج (٢٢٩/١) المغني (١٧٦/٢)]

(٢) [السيل الجرار (٢٤٥/١)]

(٣) [تمام المنة (ص/٢٧٦)]

(٤) [بخاري (٦٤٤) كتاب الأذان: باب وجوب صلاة الجماعة، مسلم (٦٥١) موطا (١٢٩/١) أبو داود (٥٤٨) ابن ماجة (٧٩١) ترمذي (٢١٧) نسائي (١٠٧/٢) ابن خزيمة (١٤٨١) أبو عوانة (٥/٢) دارمي (٢٩٢/١)]

(٥) [أحمد (٣٦٧/٢)]

کی (کیونکہ اسے مسجد تک لانے والا کوئی دوسرا موجود نہیں تھا) آپ ﷺ نے اس سے دریافت کیا کہ ﴿هل تسمع النداء......﴾ ''کیا تم آذان سنتے ہو؟'' اس نے کہا ہاں تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿فأجب﴾ ''تو پھر اس کا جواب دو (یعنی مسجد میں حاضر ہو کر باجماعت نماز ادا کرو)۔''(۱)

(4) اسی معنی کی حدیث حضرت ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔(۲)

(5) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿من سمع النداء فلم يات فلا صلاة له إلا من عذر﴾ ''جو شخص آذان سنے پھر (باجماعت) نماز ادا نہ کرے تو اس کی کوئی نماز نہیں اِلا کہ کوئی عذر رکاوٹ بن گیا ہو۔''(۳)

(6) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿لقد رأيتنا وما يتخلف عنها إلا منافق معلوم النفاق﴾ ''ہمارے مشاہدے کی بات ہے کہ باجماعت نماز سے صرف ایسا منافق ہی پیچھے رہتا تھا جس کا نفاق معلوم ہوتا تھا۔'' حتیٰ کہ اگر کوئی بیمار ہوتا تو دو آدمیوں کے درمیان سہارا لے کر چلتا اور باجماعت نماز میں شریک ہوتا۔(٤)

(7) حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿إذا حضرت الصلاة فليؤذن لكم أحدكم وليؤمكم أكبركم﴾ ''جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے کوئی ایک آذان کہے اور جو تم میں سب سے بڑا ہے امامت کرائے۔''(٥)

(9) باجماعت نماز ادا کرنا واجب تھا یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مرض الموت میں بھی مسجد میں آ کر نماز پڑھائی۔(٦)

(8) حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿ما من ثلاثة في قرية ولا بدو ولا تقام فيهم الصلاة إلا وقد استحوذ عليهم الشيطان فعليك بالجماعة﴾ ''کسی بھی بستی یا دیہات میں تین آدمی ہوں اور وہ باجماعت نماز ادا نہ کریں تو شیطان ان پر حملہ کر دیتا ہے اس لیے جماعت کو لازم پکڑو۔''(۷)

اکثر ائمہ کرام بھی اسی کے قائل ہیں جن میں سے چند ایک کا ذکر حسب ذیل ہے:

---

(۱) [مسلم (٦٥٣) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب يجب إتيان المسجد على من سمع النداء' نسائی (١٠٩/٢) أبو عوانة (٦/٢) بیهقی (٥٧/٣)]

(۲) [حسن : صحيح أبو داود (٥١٦) كتاب الصلاة : باب في التشديد في ترك الجماعة ' أبو داود (٥٥٢) ابن ماجة (٧٩٢) حاكم (٢٤٧/١) أحمد (٤٢٣/٣)]

(۳) [صحيح : صحيح ابن ماجة (٦٤٥) كتاب المساجد والجماعات : باب التغليظ في التخلف عن الجماعة ' إرواء الغليل (٣٣٧/٢) تمام المنة (ص/٢٧٦) ابن ماجة (٧٩٣) أبو داود (٥٥١) دارقطنی (٤٢٠/١) بیهقی (٧٥/٣)]

(٤) [مسلم (٦٥٤) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب صلاة الجماعة من سنن الهدى ' أبو داود (٥٥٠) نسائی (١٠٨/٢) ابن ماجة (٧٧٧) أحمد (٣٨٢/١) ابن خزيمة (١٤٨٣)]

(٥) [بخاری (٦٢٨) كتاب الأذان : باب من قال ليؤذن في السفر مؤذن واحد ' مسلم (١٠٨٠) بیهقی (٣٨٥/١) دارقطنی (٢٧٣/١) نسائی (٩١٢) أبو داود (٥٨٩)]

(٦) [بخاری (٧١٣) كتاب الأذان : باب الرجل يأتم بالإمام ويأتم الناس بالمأموم ' مسلم (٤١٨) سبل السلام (٥٧٣/٢)]

(۷) [حسن : صحيح أبو داود (٥١١) كتاب الصلاة : باب في التشديد في ترك الجماعة ' أبو داود (٥٤٧) أحمد (١٩٦/٥) حاكم (٢١١/١) ابن حبان (٢٠٩٨)]

(بخاریؒ) انہوں نے صحیح بخاری میں باب قائم کیا ہے کہ ((باب وجوب صلاۃ الجماعۃ)) ''باجماعت نماز کے وجوب کا بیان۔'' (۱)

(ابن تیمیہؒ) باجماعت نماز ادا کرنا فرض عین یا فرض کفایہ ہے۔ (۲)

(ابن قیمؒ) آپ ﷺ کا یہ ارشاد ''کہ میں نے باجماعت نماز سے پیچھے رہنے والے لوگوں کے گھروں کو جلا ڈالنے کا ارادہ کیا ہے'' یقیناً کسی صغیرہ گناہ کے مرتکب کے لیے نہیں ہو سکتا تو ثابت ہوا کہ باجماعت نماز چھوڑنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ (۳)

(ابن حجرؒ) باجماعت نماز ادا کرنا فرض عین ہے کیونکہ اگر سنت ہوتا تو آپ ﷺ اس کے تارک کو جلا ڈالنے کے ساتھ نہ ڈراتے۔ (٤)

(ابن حزمؒ) آذان سننے والے مرد کی فرض نماز صرف مسجد میں امام کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔ (٥)

(امیر صنعانیؒ) آذان سننے والے پر باجماعت نماز پڑھنا واجب ہے۔ (٦)

(علامہ عینیؒ) اگر کسی کی والدہ اسے کسی خطرے کے باعث باجماعت نماز عشاء پڑھنے سے روکے تو وہ اپنی والدہ کی اطاعت نہ کرے۔ (۷)

(البانیؒ) باجماعت نماز پڑھنا واجب ہے۔ (۸)

(ابن بازؒ) مکلف مرد پر واجب ہے کہ پانچوں نمازیں مسجد میں حاضر ہو کر اپنے بھائیوں کے ساتھ ادا کرے۔ (۹)

جن احادیث میں باجماعت نماز ادا کرنے کی فضیلت بیان ہوئی ہے مثلاً حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿صلاۃ الجماعۃ تفضل علی صلاۃ الفذ بسبع وعشرین درجۃ﴾ ''باجماعت نماز اکیلے شخص کی نماز سے ستائیس (27) درجے زیادہ افضل ہے۔'' (۱۰)

اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ منفرد کی نماز صحیح ہے اس لیے باجماعت نماز ضروری نہیں ہے بلکہ واجب تو ہمیشہ غیر واجب سے اجر میں زیادہ ہی ہوتا ہے۔ (۱۱)

اور جس حدیث میں ہے کہ دو آدمی اپنے گھر میں نماز پڑھ کے آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم

---

(۱) [بخاری (٦٤٤) کتاب الأذان]

(۲) [الفتاوی الکبری (۱۲٥/۱)]

(۳) [القول المبین فی أخطاء المصلین (ص/۲۸۰)]

(٤) [فتح الباری (٥/۳)]

(٥) [المحلی بالآثار (۱۰٤/۳)]

(٦) [سبل السلام (٥٥٦/۲)]

(۷) [عمدۃ القاری (۱٥۹/٥)]

(۸) [تمام المنۃ (ص/۲۷٥)]

(۹) [فتاوی ابن باز مترجم (۹٥/۱)]

(۱۰) [بخاری (٦٤٥) کتاب الأذان : باب فضل صلاۃ الجماعۃ ' مسلم (٦٤۹) أبو عوانۃ (۲ ۱ ۳) بیھقی (٥۹/۳) دارمی (۲۹۳/۱) ترمذی (۲۱٥) ابن ماجۃ (۷۸۹) موطا (۱۲۹/۱)]

(۱۱) [تمام المنۃ (ص/۲۷۷)]

نے اپنے گھر میں نماز پڑھ لی تھی تو دوبارہ پڑھ لیتے اور یہ تمہارے لیے نفل بن جاتی۔(۱)

وہ بھی وجوب کے منافی نہیں ہے کیونکہ باجماعت نماز' آذان سننے والے پر واجب ہے' اور اِس حدیث میں یہ احتمال ہے کہ شاید انہوں نے آذان ہی نہ سنی ہو۔ اس لیے دیگر صریح روایات کے مقابلے میں اس محتمل روایت کو ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

عورتوں پر مسجد میں حاضر ہو کر باجماعت نماز ادا کرنا فرض نہیں ہے بلکہ ان کے لیے گھر میں نماز ادا کرنا ہی افضل ہے البتہ اگر وہ مسجد میں آ کر نماز پڑھنا چاہیں تو اس کا جواز موجود ہے۔(۲)

اس مسئلے کی مزید تفصیل کے لیے آئندہ متفرقات میں دیکھیے۔

وَتَنْعَقِدُ بِاثْنَيْنِ	(کم از کم جماعت) دو آدمیوں کے ساتھ بھی منعقد ہو جاتی ہے۔ ❶

❶ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی ﴿فقمت عن يساره فأخذ رسول الله ﷺ برأسي من وراء فجعلني عن يمينه﴾ ''میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے میرا سر پکڑا اور مجھے اپنے دائیں جانب کھڑا کر لیا۔''(۳)

(جمہور) دو افراد کے ساتھ جماعت منعقد ہو جاتی ہے۔

(مالکیہ، حنابلہ) اگر دونوں میں سے ایک بچہ ہو تو جماعت درست نہیں کیونکہ بچے کو غیر مکلف قرار دیا گیا ہے ﴿رفع القلم عن ثلاثة...... عن الصبي حتى يحتلم﴾ (٤)

(شوکانیؒ) حدیث ﴿رفع القلم......﴾ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بچے کی نماز یا اس کے ساتھ جماعت کا انعقاد درست نہیں۔(٥)

(نوویؒ) بعض شافعیہ سے مروی ہے کہ مقتدی کو امام سے کچھ ہٹ کے کھڑا ہونا چاہیے۔(٦)

شافعیہ کی اس بات کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ اس کے برخلاف مؤطا کی ایک روایت میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اپنے دائیں جانب برابر کھڑا کیا۔(٧)

(ابراہیم نخعیؒ) امام کے ساتھ اگر ایک مقتدی ہو تو اسے بھی امام کے پیچھے کھڑا ہونا چاہیے لیکن بعد ازاں اگر کسی اور کے آنے سے پہلے امام رکوع میں چلا جائے تو مقتدی امام کے دائیں جانب کھڑا ہو جائے۔(٨)

یہ قول گذشتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بالکل مخالف ہے اس لیے کسی طور پر بھی قابل حجت نہیں۔

---

(۱) [أحمد (١٦٠/٤) ترمذي (٢١٩) كتاب الصلاة : باب ما جاء في الرجل يصلي وحده ثم يدرك الجماعة]

(۲) [بخاري (٨٦٥، ٨٦٩) مسلم (٤٤٤) أحمد (٣٠١/٦) طبراني كبير (٧٠٩)]

(۳) [بخاري (٨٥٩) كتاب الأذان : باب وضوء الصبيان......، مسلم (٧٦٣) أبو داود (٦١٠) نسائي (٨٤٢) ترمذي (٢٣٢) مؤطا (١٢١٣١) أبو عوانة (٣١٥/٢) ابن خزيمة (١٥٣٣) عبدالرزاق (٤٧٠٨) بيهقي (٧/٣)]

(٤) [سبل السلام (٥٨٧/٢) كشاف القناع (٥٣٢/١) المغني (١٧٨/١) الشرح الكبير (٣٢١/١)]

(٥) [نيل الأوطار (٣٩٣/٢)]

(٦) [المجموع (٢٩٢/٤)]

(٧) [مؤطا (١٥٤/١)]

(٨) [موسوعة فقه إبراهيم النخعي (٦٥٩/٢)]

319- اکیلے مرد کی اکیلی عورت کے ساتھ جماعت درست ہے

(1) امام بخاریؒ نقل فرماتے ہیں کہ ﴿كانت عائشة يؤمها عبدها ذكوان من المصحف﴾ ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا غلام ''ذکوان'' مصحف سے (دیکھ کر) ان کی امامت کراتا تھا۔''(۱)

(2) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا أيقظ الرجل أهله من الليل فصليا أو صلى ركعتين جميعا كتبا في الذاكرين والذاكرات﴾ ''جب کوئی آدمی رات کو اپنی بیوی کو بیدار کرتا ہے پھر وہ دونوں نماز پڑھتے ہیں یا دونوں اکٹھے دو رکعت نماز پڑھتے ہیں تو وہ ذکر کرنے والے مردوں اور ذکر کرنے والی عورتوں میں لکھ دیے جاتے ہیں۔''(۲)

(3) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿كان النبي ﷺ إذا رجع من المسجد صلى بنا﴾ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد سے لوٹتے تھے تو ہمیں نماز پڑھاتے تھے۔''(۳)

(شوکانیؒ) مرد اکیلی عورت کو امامت کرا سکتا ہے اس کے برخلاف کوئی دلیل موجود نہیں۔(٤)

(صدیق حسن خانؒ) جو اس کو صحیح تصور نہیں کرتا اس پر لازم ہے کہ دلیل پیش کرے۔(٥)

تاہم یہ یاد رہے کہ عورت مرد کی طرح امام کے ساتھ نہیں کھڑی ہوگی بلکہ امام کے پیچھے کھڑی ہوگی کیونکہ اکیلی عورت بھی مکمل صف کے حکم میں ہوتی ہے جیسا کہ امام بخاریؒ نے باب قائم کیا ہے کہ ((المرأة وحدها تكون صفا)) ''اکیلی عورت صف کے حکم میں ہوتی ہے۔'' اور اس کے تحت یہ حدیث نقل کی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ﴿صليت أنا ويتيم في بيتنا خلف النبي ﷺ وأمي أم سليم خلفنا﴾ ''میں نے اور ایک یتیم بچے نے اپنے گھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی جبکہ میری والدہ ''ام سلیم'' ہمارے پیچھے (اکیلی صف بنائے) کھڑی تھیں۔''(٦)

وَإِذَا كَثُرَ الْجَمْعُ كَانَ الثَّوَابُ أَكْثَرُ	جب نمازی زیادہ ہوں گے تو ثواب بھی زیادہ ہوگا۔ ❶

❶ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿صلاة الرجل مع الرجل أزكى من صلاته وحده وصلاته مع الرجلين أزكى من صلاته مع الرجل وما كان أكثر فهو أحب إلى الله﴾ ''ایک آدمی کا کسی دوسرے آدمی کے ساتھ مل کر نماز پڑھنا تنہا نماز پڑھنے سے کہیں زیادہ پاکیزہ اور اجر و ثواب کا باعث ہے اور دو آدمیوں کے

(۱) [بخاری (۲۹۲) کتاب الأذان]

(۲) [صحیح : صحیح أبو داود (۱۱٦۱) أبو داود (۱۳۰۹) نسائی (٤۱۳/۱) ابن ماجة (۱۳۳٥) ابن حبان (۲٥٦۸) حاکم (۳۱٦۳۱)]

(۳) [مستخرج الإسماعيلي كما في تلخيص الحبير (۳۸/۲)]

(٤) [السيل الجرار (۲٥۰/۱)]

(٥) [الروضة الندية (۳۱۲/۱)]

(٦) [بخاری (۷۲۸) کتاب الأذان ' مسلم (٦٥۸) أبو داود (٦۱۲) ترمذی (۲۳٤) نسائی (۸٥/۲)]

ساتھ مل کر پڑھنا (پہلی صورت سے بھی) زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے۔ اسی طرح جتنے افراد زیادہ ہوں گے اتنا ہی زیادہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔''(۱)

وَيَصِحُّ بَعْدَ الْمَفْضُوْلِ	غیر افضل شخص کے پیچھے بھی نماز درست ہے۔ ❶

❶ (1) کیونکہ غیر افضل شخص کے پیچھے نماز درست نہ ہونے کی کوئی دلیل موجود نہیں۔

(2) رسول اللہ ﷺ نے خود حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے جیسا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ﴿فلما سلم عبدالرحمن قام رسول اللہ ﷺ یتم صلاته﴾ ''جب حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے سلام پھیرا تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے اور اپنی نماز مکمل کرنے لگے۔''(۲)

کوئی شخص تقوی و پرہیز گاری میں کتنا ہی بلند ہو اسلام نے امامت میں اس کا اعتبار نہیں کیا بلکہ افضلیت اسے دی جو قراءت میں افضل ہو سنت کا عالم ہو ہجرت میں مقدم ہو یا سب سے زیادہ عمر رسیدہ ہو۔(۳)

یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو دو مرتبہ مدینہ کا والی بنایا گیا اور وہ اندھے ہونے کے باوجود لوگوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے۔(٤)

(شوکانیؒ) ہر ایسا شخص جس کی اپنی نماز ہو جاتی ہے (اس کے پیچھے) اس کے علاوہ کسی دوسرے کی نماز بھی ہو جائے گی۔(٥)

(صدیق حسن خانؒ) فی الحقیقت نماز ایسی عبادت ہے جسے ہر نمازی کے پیچھے ادا کرنا صحیح ہے بشرطیکہ وہ اس کے ارکان واذکار کو اسی طرح سے بجا لائے جس سے نماز کافی ہو جائے اگرچہ وہ شخص گنہگار رہو یا بہت زیادہ متقی و پرہیز گار نہ ہو۔(٦)

320- دو ضعیف روایات

(1) ﴿صلوا خلف کل بر وفاجر......﴾ ''ہر نیک اور گنہگار کے پیچھے نماز پڑھ لو۔''(۷)

(2) ﴿صلوا خلف من قال لا إله إلا الله﴾ ''جس نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھا ہے اس کے پیچھے نماز پڑھ لو۔''(۸)

---

(۱) [**حسن** : صحیح أبو داود (۵۱۸) کتاب الصلاة : باب في فضل صلاة الجماعة ' أحمد (۱٤٠/٥) أبو داود (٥٥٤) نسائي (٨٤٣) تلخيص الحبير (٢٦/٢)]

(۲) [مسلم (۲۷٤) کتاب الصلاة : باب تقديم الجماعة من يصلي بهم إذا تأخر الإمام ' موطا (۳٥/۱) أحمد (٢٤٩/٤) أبو داود (١٤٩) أبو عوانة (٢١٤/٢) عبدالرزاق (١٩١/١)]

(۳) [مسلم (٦٧٣)]

(٤) [**حسن** : صحيح أبو داود (٥٥٥) کتاب الصلاة : باب إمامة الأعمى ' أبو داود (٥٩٥)]

(٥) [نيل الأوطار (٤٢٣/٢)]

(٦) [الروضة الندية (٣٠٩/١)]

(۷) [**ضعيف** : التعليقات الرضية على الروضة الندية (٣٣٠/١) دارقطني (٥٧/٢)] اس کی سند میں حارث راوی ضعیف ہے۔ شیخ محمد صبحی حسن حلاق نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔[التعليق على السيل الجرار (٥٢٣/١)]

(۸) [**ضعيف** : تلخيص الحبير (٣٥/٢) مختصر البدر المنير (٤٧٤) دارقطني (٥٦/٢)]

لیکن بہتر یہ ہے کہ امام قابل احترام لوگوں میں سے ہو۔ ❶	وَالْاَوْلٰی أَنْ یَکُوْنَ الْإِمَامُ مِنَ الْخِیَارِ

❶ (1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿اجعلوا ائمتکم خیارکم فإنهم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم﴾ ''ایسے لوگوں کو امام بناؤ جو تم میں معزز ہوں کیونکہ وہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان قاصد کی حیثیت رکھتے ہیں۔'' (۱)

(2) امام حاکمؒ نے حضرت مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کے ترجمے (یعنی حالات زندگی) میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ ﴿إن سرکم أن تقبل صلاتکم فلیؤمکم خیارکم فإنهم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم﴾ ''اگر تم اس بات پر خوش ہو کہ تمہاری نماز قبول کی جائے تو اپنے امام ایسے لوگوں کو بناؤ جو تم میں معزز و قابل احترام ہوں کیونکہ وہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان قاصد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (۲)

اگرچہ ان روایات میں ضعف ہے لیکن دیگر صحیح روایات سے ثابت ہے کہ امام لوگوں کا ناپسندیدہ شخص نہیں ہونا چاہیے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ثلاثة لا یقبل الله منهم صلاة ' من تقدم قوما وهم له کارهون﴾ ''تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں فرماتے' ایک ایسا شخص جو (امامت کے لیے) کسی قوم کے آگے ہوتا ہے لیکن وہ لوگ اسے ناپسند کرتے ہیں۔'' (۳)

مرد عورتوں کی امامت کرا سکتا ہے جبکہ عورت مردوں کی نہیں۔ ❶	وَیَؤُمُّ الرَّجُلُ بِالنِّسَاءِ لَا الْعَکْسُ

❶ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿صلیت أنا ویتیم فی بیتنا خلف النبی ﷺ وأمی أم سلیم خلفنا﴾ ''میں نے اور ایک یتیم بچے نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اپنے گھر میں نماز پڑھی اور میری والدہ ''ام سلیم'' (نماز میں) ہمارے پیچھے کھڑی تھیں۔'' (٤)

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿کان النبی ﷺ إذا رجع من المسجد صلی بنا﴾ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد سے واپس لوٹتے تو ہمیں نماز پڑھاتے۔'' (٥)

عورت کی امامت مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر صحیح نہیں۔

(1) شریعت اسلامیہ میں عورت کو مردوں کی امام بنانے کا کہیں ثبوت نہیں۔

(2) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أخروهن من حیث أخرهم الله﴾ ''ان خواتین کو اس جگہ سے مؤخر رکھو

---

(۱) [**ضعیف** : التعلیقات الرضیة علی الروضة الندیة (۳۲۹/۱) دارقطنی (۸۷/۲) بیهقی (۹۰/۳) شیخ محمد صبحی حسن حلاق نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [التعلیق علی السیل الجرار (۵۲۳/۱)] اس کی سند میں سلام بن سلیمان المدائنی راوی ضعیف ہے۔ [میزان الاعتدال (۱۷۸/۲)]

(۲) [**ضعیف** : حاکم (۲۲۲/۳) طبرانی کبیر (۷۷۷/۲۰) دارقطنی (۸۸/۲)] اس کی سند میں یحیی بن یعلی راوی ضعیف ہے۔ [المجمع للهیثمی (۶۷/۲) میزان الاعتدال (۲۲۹/۷)]

(۳) [**صحیح** : صحیح أبو داود (۵۵٤) کتاب الصلاة : باب الرجل یؤم القوم وهم له کارهون ' أبو داود (۵۹۳)]

(٤) [بخاری (۷۲۷) کتاب الأذان : باب المرأة وحدها تکون صفا ' مسلم (۶۵۸) أبو داود (۶۱۲) ترمذی (۲۳٤)]

(٥) [أخرجه الإسماعیلی کما فی تلخیص الحبیر (۳۸/۲)]

جہاں سے اللہ تعالیٰ نے انہیں مؤخر رکھا ہے۔'' (١)

(3) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ [النساء : ٣٤] ''مرد عورتوں پر حکمران ہیں۔''

(4) عورتوں کا دین وعقل دونوں ناقص ہیں۔ (٢)

(5) حدیث نبوی ہے کہ ﴿لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة﴾ ''وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جو اپنے معاملات کسی عورت کے سپرد کر دے۔'' (٣)

(ابن حزمؒ) عورت کے لیے مردوں کی امامت کرانا جائز نہیں۔ (٤)

(شیخ عبد اللہ بن حمیدؒ) عورت مردوں کی امامت نہیں کرا سکتی۔ (٥)

وَالْمُفْتَرِضُ بِالْمُتَنَفِّلِ وَالْعَكْسُ	فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کی ❶ اور نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کی امامت کرا سکتا ہے۔ ❷

❶ مراد یہ ہے کہ امام فرض پڑھ رہا ہو اور مقتدی نفل۔

(1) نبی ﷺ نے ان دو آدمیوں سے ارشاد فرمایا جو کہ گھر میں نماز پڑھ کر آئے تھے ﴿إذا صليتما في رحالكما ثم أدركتما الإمام ولم يصل فصليا معه فإنها لكم نافلة﴾ ''اگر تم اپنے گھروں میں نماز پڑھ چکے ہو پھر تم امام کو ملے ہو اور امام نے ابھی نماز نہ پڑھائی ہو تو اس کے ساتھ تم بھی نماز پڑھ لو یہ تمہارے لیے نفل ہو جائے گی۔'' (٦)

(2) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو اکیلے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا ﴿ألا رجل يتصدق على هذا فيصلي معه﴾ ''کیا کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جو اس پر صدقہ کرتے ہوئے اس کے ساتھ نماز پڑھ لے۔'' (٧)

❷ یعنی امام نفل پڑھ رہا ہو اور مقتدی فرض پڑھ رہا ہو۔

(1) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿إن معاذا كان يصلي مع النبي ﷺ عشاء الآخرة ثم يرجع إلى قومه فيصلي بهم تلك الصلاة﴾ ''بلاشبہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے ساتھ نماز عشاء پڑھتے تھے پھر اپنی قوم کی طرف لوٹتے تو

(١) [عبدالرزاق (٥١١٥) مجمع الزوائد (٣٨/٢) نصب الراية (٣٦/١) الدراية (١٧١/١)]

(٢) [بخاری (٢٩٣) كتاب الحيض : باب ترك الحائض الصوم]

(٣) [بخاری (٧٠٩٩) كتاب الفتن : باب الفتنة التي تموج كموج البحر' ترمذی (٢٢٦٢) نسائی (٢٢٧/٨) بیهقی (٩٠/٣) شرح السنة (٢٤٨٦) أحمد (٤٧/٥)]

(٤) [المحلى بالآثار (١٣٥/٣)]

(٥) [فتاوى المرأة المسلمة (٣١٩/١)]

(٦) [**صحيح** : صحيح أبو داود (٥٣٨) أحمد (١٦٠/٤) ترمذی (٢١٩) كتاب الصلاة : باب ما جاء في الرجل يصلي وحده ثم يدرك الجماعة' نسائی (١١٢/٢) أبو داود (٥٧٥) حاكم (٢٤٤/١) ابن خزيمة (١٦٣٨)]

(٧) [**صحيح** : صحيح أبو داود (٥٣٧) كتاب الصلاة : باب في الجمع في المسجد مرتين' أبو داود (٥٧٤) ابن خزيمة (١٦٣٢)]

انہیں یہی نماز پڑھاتے تھے۔''(۱)

(2) نماز خوف میں رسول اللہ ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے دونوں گروہوں میں سے ہر ایک کو دو دو رکعتیں پڑھائیں اس طرح آپ ﷺ کی پہلی نماز فرض اور دوسری نفل تھی جبکہ مقتدی دونوں مرتبہ ہی فرض ادا کر رہے تھے جیسا کہ حدیث میں ہے ﴿فكان للنبي ﷺ أربع وللقوم ركعتان﴾ ''نبی ﷺ نے چار رکعتیں پڑھیں اور لوگوں نے دو۔''(۲)

(ملا علی قاری حنفیؒ) اس حدیث کا ظاہر مذہب شافعی کی تائید میں ہے..... لیکن اگر ہم اسے تسلیم کر لیں تو نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی اقتداء لازم ہوگی جو کہ ہمارے مذہب میں صحیح نہیں۔(۳)

(3) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿كان رسول الله ﷺ إذا رجع من المسجد صلى بنا﴾ ''رسول اللہ ﷺ جب مسجد سے واپس لوٹتے تو ہمیں نماز پڑھاتے۔''(٤)

(شافعیؒ) اسی کے قائل ہیں۔

(ابو حنیفہؒ، مالکؒ) نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی نماز درست نہیں کیونکہ امام اور مقتدی کی نیت ایک ہونی چاہیے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ﴿لا تختلفوا على إمامكم﴾ ''اپنے امام سے اختلاف مت کرو۔''(٥)

(ابن حزمؒ) امام نفل پڑھے اور مقتدی فرض تو یہ جائز ہے۔(٦)

(شوکانیؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(۷)

(صدیق حسن خانؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۸)

321- نفلوں کی جماعت (یعنی نفل کے پیچھے نفل)

نفلوں کی جماعت کرانا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

(1) قیام رمضان یعنی نماز تراویح کی آپ ﷺ نے جماعت کرائی۔(۹)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ با جماعت قیام اللیل کیا۔(۱۰)

---

(۱) [بخاری (۷۰۰) كتاب الأذان : باب إذا طول الإمام وكان للرجل حاجة فخرج فصلى، مسلم (٤٦٥) أبو داود (۷۹۰) نسائی (۱۰۲/۲) دارمی (۲۳۹/۱) أبو عوانة (۱٥٦/۲) شرح معاني الآثار (۲۱۳/۱)]

(۲) [بخاری (٤١٣٦) كتاب المغازی : باب غزوه ذات الرقاع، مسلم (۸٤۳) نسائی (۱۷۸/۳) دارقطنی (٦١/٢)]

(۳) [مرقاة شرح مشكاة (۲۸۲/۳)]

(٤) [أخرجه الإسماعيلي كما في تلخيص الحبير (۳۸/۲)]

(٥) [كشف الأستار للبزار (٤٧٤) المجمع (۸۱/۲)] یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں اسماعیل بن مسلم مکی راوی ضعیف ہے۔ [تقريب التهذيب (ص/١٤٤)]

(٦) [المحلى بالآثار (١٤١/٣)]

(۷) [نيل الأوطار (٤٢٨/٢) السيل الجرار (۲٥۳/۱)]

(۸) [الروضة الندية (۳۱۳/۱)]

(۹) [بخاری (۱۱۲۹)]

(۱۰) [بخاری (۸٥۹)]

(3) حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے رات کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا کی۔(۱)
(4) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی (نفل نماز میں) امامت کرائی۔(۲)
(5) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خسوف با جماعت ادا کی۔(۳)
(6) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز استسقاء کی جماعت کرائی۔(٤)

وَتَجِبُ الْمُتَابَعَةُ غَيْرَ مُبْطِلٍ	نماز باطل کر دینے والے کاموں کے علاوہ ہر کام میں امام کی پیروی واجب ہے۔ ❶

❶ (1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إنما جعل الإمام ليؤتم به فإذا كبر فكبروا ولا تكبروا حتى يكبر وإذا ركع فاركعوا ولا تركعوا حتى يركع وإذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم ربنا لك الحمد وإذا سجد فاسجدوا ولا تسجدوا حتى يسجد وإذا صلى قائما فصلوا قياما وإذا صلى قاعدا فصلوا قعودا أجمعين﴾ ”امام اسی لیے مقرر کیا گیا ہے تا کہ اس کی اقتداء کی جائے' لہٰذا جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور اس کے تکبیر کہنے سے پہلے مت تکبیر کہو' اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور اس کے رکوع کرنے سے پہلے مت رکوع کرو اور جب وہ ” سمع الله لمن حمده “ کہے تو تم ” اللّٰهم ربنا لك الحمد “ کہو' اور جب وہ سجدہ کرے تو تم سجدہ کرو اور اس کے سجدہ کرنے سے پہلے سجدہ مت کرو اور جب وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھائے تو تم کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم سب بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔“(٥)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿أما يخشى الذي يرفع رأسه قبل الإمام أن يحول الله رأسه رأس حمار﴾ ”کیا ایسا شخص جو امام سے پہلے اپنا سر اٹھاتا ہے ایسی بات سے ڈرتا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا سر گدھے کا سر نہ بنا دے۔“(٦)

یاد رہے کہ اگر امام کوئی ایسا فعل کرتا ہے جو نماز کو باطل کر دینے والا ہے مثلاً کلام وغیرہ یا ایسے افعال اختیار کرتا ہے جن سے انسان حالت نماز سے خارج ہو جاتا ہے مثلاً لیٹ جانا' بہت زیادہ دائیں بائیں دیکھنا' یا چلنا شروع کر دینا وغیرہ تو ایسے کسی بھی فعل میں امام کی پیروی نہیں کی جائے گی۔

(جمہور) اسی کے قائل ہیں۔(۷)

---

(۱) [مسلم (۷۷۲)]
(۲) [بخاری (۸٦۰) مسلم (٦٥۸)]
(۳) [بخاری (۱۰٤٤) مسلم (۹۰۱)]
(٤) [مسلم (۷۹۷) بخاری (۱۰۱٥) أبو داود (۱۱۷۳)]
(٥) [صحيح : صحيح أبو داود (٥٦۳) كتاب الصلاة : باب الإمام يصلى من قعود' أبو داود (٦۰۳) ابن ماجة (۸٤٦) أحمد (۳۱٤/۲) بخاری (۷۲۲) مسلم (٤۱٤) نسائی (۱۹٦/۲)]
(٦) [بخاری (٦۹۱) كتاب الأذان : باب إثم من رفع رأسه قبل الإمام' مسلم (٤۲۷) أبو عوانة (۱۳۷/۲) أبو داود (٦۲۳) نسائی (۹٦/۱) ترمذی (٥۸۲) ابن ماجة (۹٦۱) دارمی (۳۰۲/۱) أحمد (۲٦۰/۲)]
(۷) [المسوى (۱۷۳/۱)]

322- اگر مریض امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو کیا تندرست مقتدی بھی......

بیٹھ کر ہی نماز پڑھے گا؟ اس میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔

(احمدؒ، اسحاقؒ) ایسی صورت میں مقتدی بھی بیٹھ کر نماز ادا کریں گے۔

(شافعیہ، احناف، اہل ظاہر) مقتدی پیچھے کھڑے ہو کر بھی نماز ادا کر سکتے ہیں۔

(مالکؒ، ابن قاسمؒ) بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی امامت تو جائز ہے لیکن اگر کوئی اس کے پیچھے بیٹھ کر یا کھڑا ہو کر نماز ادا کرے گا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔(۱)

(البانیؒ) مقتدی بیٹھ کر نماز پڑھانے والے امام کے پیچھے بیٹھ کر ہی نماز پڑھیں گے جیسا کہ واضح نص اسی کا تقاضا کرتی ہے ﴿إذا صلى جالسا فصلوا جلوسا﴾ "جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔" اور مرض الموت میں نبی ﷺ کا بیٹھ کر امامت کرانا اور لوگوں کا (پیچھے) کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا مختلف روایات میں مختلف طرح سے ثابت ہے۔ بعض میں ہے کہ نبی ﷺ امام تھے۔(۲) بعض میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ امام تھے۔(۳) اور بعض میں ہے کہ نبی ﷺ کے پیچھے ابتدائے نماز میں لوگ کھڑے تھے پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اشارے پر بیٹھ گئے۔(۴)

اور (اس عمل کی آپ ﷺ کے ساتھ) خصوصیت کی دلیل ضعیف روایت ہے۔ وہ روایت کہ جس میں ہے ﴿لا يؤمن أحد كم بعدي قاعدا قوما قياما﴾ "تم میں سے کوئی بھی میرے بعد اس صورت میں بیٹھ کر امامت نہ کرائے کہ لوگ پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہوں۔"(۵) اس لیے مقتدیوں پر لازم ہے کہ وہ بیٹھ کر نماز پڑھانے والے امام کے پیچھے بیٹھ کر نماز ادا کریں۔(۶)

جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیٹھ کر نماز پڑھانے والے امام کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی۔

(1) حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ۔(۷)

(2) حضرت جابر رضی اللہ عنہ۔(۸)

(3) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسی کے مطابق فتوی دیا۔(۹)

---

(۱) [بداية المجتهد (۱۵۲/۱) المغني (۴۸/۲) التاج المذهب (۱۱۱/۱) الخرش على مختصر سيدى خليل (۲۴/۲) المجموع (۲۶۴/۴)]

(۲) [بخاری (۶۸۳)]

(۳) [ترمذی (۳۶۲ ' ۳۶۳) ابن خزيمة (۱۶۲۰) أحمد (۱۵۹/۶)]

(۴) [مسلم (۴۱۳)]

(۵) [ضعیف : نصب الراية (۴۹/۲) دارقطني (۳۹۸/۱) بيهقي (۸۰/۳) اس کی سند میں جابر جعفی راوی ضعیف ہے۔ الكامل لابن عدى (۵۳۷/۲) الجرح والتعديل (۴۹۷/۲) المجروحين (۲۰۸/۱)]

(۶) [التعليقات الرضية على الروضة الندية للألباني (۳۳۵/۱)]

(۷) [ابن أبي شيبة (۳۲۶/۲) الأوسط لابن المنذر (۲۰۶/۴)] حافظ ابن حجرؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔[فتح الباري (۱۷۶/۲)]

(۸) [ابن ابی شیبة (۳۲۶/۲) الأوسط لابن المنذر (۲۰۶/۴) (۲۰۴۳) باسناد صحيح]

(۹) [ابن أبي شيبة (۳۲۶/۲) حافظ ابن حجرؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔[فتح الباري (۱۷۶/۲)]

(4) حضرت قیس بن قہد انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عہد رسالت میں ان کا امام بیمار ہو گیا تو ﴿فكان يؤمنا جالسا ونحن جلوس﴾ ''وہ بیٹھ کر ہماری امامت کراتا تھا اور ہم بھی بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔'' (۱)

جن حضرات کے نزدیک مقتدی بیٹھ کر نماز پڑھانے والے امام کے پیچھے کھڑے ہو کر بھی نماز پڑھ سکتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿فكان أبو بكر يصلي بصلاة رسول الله والناس يصلون بصلاة أبي بكر﴾ ''حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی اقتداء میں (جبکہ آپ بیماری تھے) نماز پڑھ رہے تھے اور لوگ (پیچھے کھڑے ہو کر) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے۔'' (۲)

اس مسئلے کی مزید تفصیل کے لیے امام شوکانیؒ کی کتاب '' نيل الأوطار ''اور حافظ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ کی کتاب '' تحفة الأحوذي '' کا مطالعہ کیجیے۔

(راجح) دونوں طرح جائز ہے۔ (یعنی بیٹھ کر نماز پڑھانے والے امام کے پیچھے بیٹھ کر اور کھڑے ہو کر دونوں طرح نماز پڑھی جا سکتی ہے) البتہ افضل بیٹھ کر پڑھنا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے اور کھڑے ہو کر اس لیے جائز ہے کیونکہ مرض الموت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر امامت کرائی اور دائیں جانب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر (آپ کی اقتداء میں) نماز ادا کی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو مقرر رکھا (یعنی اس سے منع نہیں فرمایا)۔ (۳)

وَلَا يَؤُمُّ الرَّجُلُ قَوْمًا هُمْ لَهُ كَارِهُوْنَ	اور آدمی ایسے لوگوں کی امامت نہ کرائے جو اسے ناپسند کرتے ہوں۔ ❶

❶ (1) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ثلاثة لا يقبل الله منهم صلاة، من تقدم قوما وهم له كارهون......﴾ ''تین آدمیوں کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتے' پہلا وہ شخص جو (امامت کے لیے) کسی قوم کے آگے بڑھے لیکن وہ لوگ اسے ناپسند کرتے ہوں۔'' (٤)

(2) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ثلاثة لا تجاوز صلاتهم آذانهم ......وإمام قوم وهم له كارهون﴾ ''تین آدمی ایسے ہیں جن کی نماز ان کے کانوں سے تجاوز نہیں کرتی ......ان میں سے ایک لوگوں کا ایسا امام ہے جسے وہ ناپسند کرتے ہیں۔'' (٥)

---

(۱) [عبدالرزاق (٤٠٨٤/٢/٤٦٢)' شیخ محمد صبحی حسن حلاق نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔[التعليق على سبل السلام (٨٢/٣)]

(۲) [بخاری (٦٨٣) كتاب الأذان : باب من قام إلى جنب الإمام لعلة' مسلم (٤١٨)]

(۳) [الإحكام في أصول الأحكام لابن حزم (٤٦٩/١)]

(٤) [صحيح : صحيح أبو داود (٥٥٤) كتاب الصلاة : باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون' أبو داود (٥٩٣) ابن ماجة (٩٧٠)]

(٥) [حسن : صحيح ترمذي (٢٩٥) كتاب الصلاة : باب ما جاء فيمن أم قوما وهم له كارهون' المشكاة (١١٢٢) ترمذي (٣٦٠) ابن أبي شيبة (٣٥٨/١) بيهقي (١٢٨/٣) تحفة الأشراف (١٥٨٤/٤)] امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے جبکہ امام بیہقیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے اور امام نوویؒ نے امام ترمذیؒ کے قول کو ترجیح دی ہے۔[خلاصة الأحكام للنووي (٧٠٤/٢)]

(3) حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ بات کہی جاتی تھی ﴿أشد الناس عذابا اثنان: امرأة عصت زوجها ' وإمام قوم وهم له كارهون﴾ ''لوگوں میں سے جنہیں سب سے سخت عذاب دیا جائے گا دو ہیں: (ایک) ایسی عورت جو اپنے خاوند کی نافرمان ہے اور (دوسرا) وہ امام جسے مقتدی ناپسند کرتے ہیں۔'' (۱)

وَيُصَلِّي بِهِمْ صَلَاةَ أَخَفِّهِمْ	امام کمزوروں کا خیال کرتے ہوئے نماز پڑھائے۔ ❶

❶ (1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا أم أحدكم الناس فليخفف فإن فيهم الصغير والكبير والضعيف وذا الحاجة فإذا صلى وحده فليصل كيف شاء﴾ ''جب تم میں سے کوئی لوگوں کی امامت کرائے تو اسے قراءت میں تخفیف کرنی چاہیے اس لیے کہ مقتدیوں میں بچے' بوڑھے' کمزور اور حاجت مند لوگ بھی ہوتے ہیں ہاں جب تنہا نماز پڑھے تو پھر جس طرح چاہے پڑھے۔'' (۲)

(2) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں نماز کو لمبا کرنا چاہتا ہوں لیکن بچے کے رونے کی آواز سن کر مختصر کر دیتا ہوں کیونکہ اس کے رونے سے اس کی ماں کی سخت پریشانی و تکلیف کو میں جانتا ہوں۔'' (۳)

(3) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طویل نماز پڑھانے سے ان الفاظ میں روکا ﴿أتريد أن تكون يا معاذ فتانا﴾ ''اے معاذ! کیا تو نمازیوں کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔'' (٤)

تخفیف کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ بغیر خشوع و خضوع کے' اطمینان و اعتدال کا لحاظ نہ رکھتے ہوئے جلد از جلد نماز کو سمیٹ لیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مسیئ الصلاۃ نے اس طرح نماز پڑھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہا ﴿ارجع فصل فإنك لم تصل﴾ ''واپس جا کر دوبارہ نماز پڑھو کیونکہ بلاشبہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔'' (٥)

ایک دوسری جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس شخص نے رکوع و سجود میں اپنی کمر سیدھی نہ کی اس کی نماز کفایت نہیں کرے گی۔'' (٦)

اس لیے نماز میں مختصر قراءت یا مختصر اذکار کے ذریعے طوالت تو کم کرنی چاہیے لیکن اس کی ادائیگی میں مکمل خشوع و خضوع اور اطمینان و اعتدال کا لحاظ رکھنا چاہیے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كان النبي ﷺ يوجز الصلاة ويكملها﴾ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو مختصر مگر مکمل پڑھا کرتے تھے۔'' (۷)

---

(۱) [**صحيح** : صحيح ترمذی (٢٩٤) أيضا' ترمذی (٣٥٩)]

(۲) [بخاری (٧٠٣) كتاب الآذان: باب إذا صلى لنفسه فليطول ما شاء' مسلم (٤٦٧) أبو داود (٧٩٤' ٧٩٥) ترمذی (٢٣٦) نسائی (٨٢٣) مؤطا (١٣٤/١) أحمد (٢٥٦/٢) شرح السنة (٣٠٥/٢)]

(۳) [بخاری (٧٠٩' ٧١٠) كتاب الأذان : باب من أخف الصلاة عند بكاء الصبی' مسلم (٤٧٠) ابن ماجة (٩٨٩) أحمد (١٠٩/٣) ابن خزيمة (١٦١٠) ترمذی (٣٧٦)]

(٤) [بخاری (٧٠٥) كتاب الأذان : باب من شكا إمامه إذا طول' مسلم (٤٦٥)]

(٥) [بخاری (٧٥٧) مسلم (٣٩٧) أبو داود (٨٥٦) ترمذی (٣٠٣) ابن ماجة (١٠٦٠) أحمد (٤٣٧/٢)]

(٦) [**صحيح** : صحيح أبو داود (٧٦١) أبو داود (٨٥٥) ترمذی (٢٦٥) نسائی (١٨٣/٢) ابن ماجة (٨٧٠) أحمد (١١٢/٤) حميدی (٤٥٤) عبدالرزاق (٢٨٥٦) ابن خزيمة (٣٠٠/١) بيهقی (٨٨/٢) دارقطنی (٣٤٨/١)]

(٧) [بخاری (٧٠٦) كتاب الأذان : باب الإيجاز في الصلاة وإكمالها' مسلم (٤٦٩) ابن ماجة (٩٨٥)]

وَيُقَدَّمُ السُّلْطَانُ وَرَبُّ الْمَنْزِلِ	امامت کا اولین مستحق حکمران اور پھر گھر کا مالک ہے۔ ❶

❶ (1) حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ولا يؤمن الرجل الرجل في سلطانه﴾ ''کوئی آدمی کسی آدمی کے دائرہ اقتدار میں امامت نہ کرائے۔'' اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿لا يؤمن الرجل الرجل في أهله ولا في سلطانه﴾ ''کوئی آدمی کسی آدمی کے گھر میں یا اس کے دائرہ اقتدار میں امامت نہ کرائے۔'' (۱)

(2) ایک اور روایت میں ہے کہ ﴿لا يؤم الرجل في بيته ولا في سلطانه﴾ ''کسی آدمی کے گھر میں یا اس کے دائرہ اقدار میں اس کی امامت نہ کرائی جائے۔'' (۲)

(3) حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من زار قوما فلا يؤمهم وليؤمهم رجل منهم﴾ ''جو شخص کسی قوم کی زیارت کے لیے جائے تو ان کی امامت مت کرائے بلکہ ان میں سے ہی کسی آدمی کو ان کی امامت کرانی چاہیے۔'' (۳)

(حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ) منتقی میں رقمطراز ہیں کہ اکثر اہل علم کے نزدیک مالک مکان کی اجازت سے اگر مہمان امامت کراتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إلا بإذنه﴾ ''یعنی مالک مکان کی اجازت کے ساتھ زائر کا امامت کرانا درست ہے۔'' (٤)

(ابن عربی رحمہ اللہ) اگر مہمان آدمی اہل علم وفضل لوگوں میں سے ہو تو مالک مکان کے لیے زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ اسے آگے کرے اور اگر دونوں علم وفضل میں برابر ہوں تو بھی حسنِ ادب کا یہی تقاضا ہے کہ اسے ہی امامت کی درخواست کرے۔ (٥)

وَالْأَقْرَأُ ثُمَّ الْأَعْلَمُ ثُمَّ الْأَسَنُّ	پھر جسے قرآن کا زیادہ علم ہو پھر جو سنت کا زیادہ عالم ہو اور پھر جو عمر میں بڑا ہو۔ ❶

❶ (1) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا كانوا ثلاثة فليؤمهم أحدهم وأحقهم بالإمامة أقرأهم﴾ ''جب کہیں تین آدمی ہوں تو ان میں سے ایک امامت کرائے اور ان میں سے سب سے زیادہ امامت کا مستحق وہ ہے جو قرآن کا زیادہ قاری ہو۔'' (٦)

(2) حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا حضرت الصلاة فليؤذن أحدكم وليؤمكم

---

(۱) [مسلم (٦٧٣) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب من أحق بالإمامة ' أبو داود (٥٨٢) ترمذي (٢٣٥) ابن ماجة (٩٨٠) أبو عوانة (٣٥/٢) دارقطني (٢٠٨/١)]

(۲) [**صحيح** : صحيح أبو داود (٥٤٢) أبو داود (٥٨٢)]

(۳) [**صحيح** : صحيح أبو داود (٥٥٦) كتاب الصلاة : باب إمامة الزائر' أبو داود (٥٩٦) ترمذي (٣٥٦) نسائي (٨٠/٢) أحمد (٤٣٦/٣) ابن خزيمة (١٥٢٠) شرح السنة (٣٩٩/٢) بيهقي (١٢٦/٣)]

(٤) [نيل الأوطار (٤١٥/٢) تحفة الأحوذي (٣٥٣/٢)]

(٥) [عارضة الأحوذي (١٥١/٢)]

(٦) [مسلم (٦٧٢) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب من أحق بالإمامة ' نسائي (٧٧/٢) أحمد (٢٤/٣) ابن خزيمة (١٥٠٨) شرح السنة (٣٩٩/٢) بيهقي (٨٩/٣)]

أكثر كم قرآنا﴾ ''جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک آذان کہے اور تم میں سے وہ شخص امامت کرائے جسے قرآن زیادہ یاد ہو۔'' (۱)

(3) حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا﴿يؤم القوم أقرأهم لكتاب الله فإن كانوا في القراءة سواء فأعلمهم بالسنة ' فإن كانوا في السنة سواء فأقدمهم هجرة ' فإن كانوا في الهجرة سواء فأقدمهم سنا﴾ ''لوگوں کا امام ایسا شخص ہونا چاہیے جو قرآن کا زیادہ علم رکھتا ہو' اگر اس وصف میں لوگ برابر ہوں تو پھر وہ شخص امام بنے جسے سنت نبوی کا زیادہ علم ہو' اگر سنت کے علم میں بھی لوگ برابر ہوں تو پھر وہ امام بنے جو ہجرت کرنے میں مقدم ہو' اور اگر اس وصف میں بھی لوگ برابر ہوں تو پھر وہ شخص امام بنے جو عمر میں زیادہ ہو۔'' (۲)

(احمدؒ، ابو حنیفہؒ) قرآن کے بڑے عالم شخص کو قرآن کے زیادہ فقیہ پر ترجیح دی جائے گی۔ امام ابن سیرینؒ اور امام ثوریؒ وغیرہ اسی کے قائل ہیں۔

(مالکؒ، شافعیؒ) زیادہ فقیہ کو قرآن کے زیادہ عالم پر مقدم کیا جائے گا۔ (۳)

(راجح) پہلا موقف راجح ہے (یعنی بڑے قاری کو بڑے فقیہ پر ترجیح ہے)۔

(ابن حجرؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ (٤)

(شوکانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔ (٥)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) میرے نزدیک یہی بات (یعنی گزشتہ موقف) راجح ہے۔ (٦)

وَإِذَا اخْتَلَّتْ صَلَاةُ الْإِمَامِ كَانَ ذَٰلِكَ عَلَيْهِ لَا عَلَى الْمُؤْتَمِّينَ بِهِ	اگر امام کی نماز میں کچھ خلل واقع ہو جائے تو اس کا بوجھ امام پر ہوگا مقتدیوں پر نہیں۔ ❶

❶ **(1)** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا﴿يصلون لكم فإن أصابوا فلكم وإن أخطاوا فلكم وعليهم﴾ ''امام تمہیں نماز پڑھاتے ہیں' اگر وہ ٹھیک نماز پڑھائیں تو اسکا تمہیں ثواب ملے گا اور اگر وہ غلطی کریں تو بھی تم کو ثواب ملے گا اور غلطی کا وبال اُن پر ہوگا۔'' (۷)

---

(۱) [بخاری (٦٣١) كتاب الأذان : باب الأذان للمسافر إذا كانوا جماعة والإقامة كذلك ' مسلم (٦٧٤) ترمذی (٢٠٥) ابن ماجة (٩٧٩) نسائی (٧٨١)]

(۲) [مسلم (٦٧٣) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب من أحق بالإمامة ' ترمذی (٢٣٥) أبو داود (٥٨٢) أحمد (١١٨/٤) ابن ماجة (٩٨٠) أبو عوانة (٣٥/٢) دارقطنی (٢٠٨/١) بیهقی (١١٩/٣) ابن خزیمة (١٠٥٧)]

(۳) [نيل الأوطار (٤١٣/٢)]

(٤) [فتح الباری (٢٠١/٢)]

(٥) [نيل الأوطار (٤١٣/٢)]

(٦) [تحفة الأحوذی (٣٧/٢)]

(۷) [بخاری (٦٩٤) كتاب الأذان : باب إذا لم يتم الإمام وأتم من خلفه ' أحمد (٣٥٥/٢) شرح السنة (٨٤٠) بیهقی (٣٩٧/٢)]

(2) حضرت سھل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿الإمام ضامن فإذا أحسن فله ولهم وإن أساء فعليه و لا عليهم﴾ ''امام ذمہ دار ہے اگر وہ احسن انداز میں نماز پڑھائے تو اسے بھی ثواب ملے گا اور مقتدیوں کو بھی۔ اور اگر وہ نماز میں غلطی وکوتاہی کرے تو اسی پر اس کا وبال ہوگا نہ کہ مقتدیوں پر۔''

وَمَوْقِفُهُمْ خَلْفَهُ إِلَّا الْوَاحِدُ فَعَنْ يَمِينِهِ	مقتدی امام کے پیچھے کھڑے ہوں گے ❶ ہاں اگر اکیلا ہو تو امام کے دائیں جانب کھڑا ہوگا۔ ❷

❶ (1) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے انہیں اپنے دائیں جانب کھڑا کیا پھر ایک دوسرا شخص آیا اور آپ ﷺ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا تو ﴿فأخذ النبي بأيديهما فدفعهم حتى أقامهما خلفه﴾ ''نبی ﷺ نے ان دونوں کے ہاتھوں کو پکڑ کر دھکیلا حتی کہ انہیں اپنے پیچھے کھڑا کر لیا۔'' (۱)

(2) حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أمرنا النبي ﷺ إذا كنا ثلاثة أن يتقدم أحدنا﴾ ''نبی ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جب ہم تین آدمی ہوں تو (امامت کے لیے) ہم میں سے ایک آگے بڑھ جائے۔'' (۲)

جس روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے امام اسود بن یزیدؒ اور امام علقمہؒ کو اپنے دائیں اور بائیں جانب کھڑا کر لیا۔ (۳)

امام شوکانیؒ رقمطراز ہیں کہ وہ روایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔ (٤)

اور یہ بات مسلم ہے کہ مرفوع احادیث کو موقوف پر ترجیح ہوتی ہے۔

(جمہور، مالکؒ، شافعیؒ، ابوحنیفہؒ) سب اسی کے قائل ہیں کہ دو یا دو سے زائد افراد امام کے پیچھے کھڑے ہوں گے۔

(جمہور) اس کے وجوب کے قائل ہیں۔

(سعید بن میسبؒ) اسے صرف مستحب کہتے ہیں۔

(نخعیؒ) اکیلا شخص بھی امام کے پیچھے کھڑا ہوگا۔ (٥)

(نوویؒ) یہ دونوں مذہب (امام سعیدؒ اور امام نخعیؒ کا) فاسد ہیں۔ (٦)

(شوکانیؒ) دو افراد امام کے پیچھے کھڑے ہوں گے اور یہی عمل زمانہ رسالت، زمانہ صحابہ اور زمانہ تابعین وغیرہ میں ثابت ہے۔ (۷)

❷ (1) گزشتہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث اسی پر شاہد ہیں جس میں ہے کہ ﴿أنه صلى مع النبي ﷺ فجعله عن

---

(۱) [مسلم (۳۰۱۰) كتاب الزهد والرقائق : باب حديث جابر الطويل وقصة أبي اليسر' أبو داود (٦٣٤) بيهقي (۲۳۹/۲) شرح السنة (۸۲۷) حاكم (۲٥٤/۱) ابن حبان (٥۷۳/٥)'(۲۱۹۷)]

(۲) [ضعيف : ضعيف ترمذي (۳۷) كتاب الصلاة : باب ما جاء في الرجل يصلي مع الرجلين' ترمذي (۲۳۳)]

(۳) [مسلم (٥۳٤) ترمذي (٤٥۳) أبو داود (۸٦۸) نسائي (۱۸۳/۲) بيهقي (۸۳/۲) دارقطني (۳۳۹/۱) ابن أبي شيبة (۲٤٦/۱) ابن خزيمة (٥۹٥)]

(٤) [السيل الجرار (۲٦۱/۱)]

(٥) [نيل الأوطار (٤٤۳/۲) الروضة الندية (۳۲۱/۱)]

(٦) [المجموع (۲۹٤/٤)]

(۷) [السيل الجرار (۲٦۰/۱)]

یمینه ...... ﴾ ''انہوں نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ ﷺ نے انہیں اپنے دائیں جانب کھڑا کر لیا۔'' (۱)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جب قیام اللیل کے لیے نبی ﷺ کے بائیں جانب آ کر کھڑے ہو گئے تو آپ ﷺ نے انہیں پکڑ کر اپنے دائیں جانب کھڑا کر لیا۔ (۲)

وَإِمَامَةُ النِّسَاءِ وَسْطُ الصَّفِّ	عورتوں کی امام (پہلی) صف کے درمیان میں کھڑی ہو گی۔ ❶

❶ (1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿أنها أمت النساء فقامت وسطهن﴾ ''انہوں نے عورتوں کی امامت کرائی اور ان کے درمیان میں کھڑی ہوئیں۔'' (۳)

(2) ایک روایت میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق مروی ہے کہ ﴿كانت تؤمهن في رمضان وتقوم معهن في الصف﴾ ''وہ رمضان میں عورتوں کی امامت کراتی تھیں اور ان کے ساتھ صف میں کھڑی ہوتی تھیں۔'' (٤)

(4) حضرت اُم ورقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿أن النبي ﷺ أمرها أن تؤم أهل دارها﴾ ''نبی ﷺ نے انہیں اپنے گھر والوں کی امامت کرانے کا حکم دیا۔'' (٥)

ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ عورت بھی امامت کرا سکتی ہے اور وہ مرد امام کی طرح الگ صف میں تنہا کھڑی نہیں ہو گی بلکہ عورتوں کے ساتھ پہلی صف کے وسط میں کھڑی ہو گی نیز عورت صرف عورتوں کو ہی امامت کرا سکتی ہے مردوں کو نہیں جیسا کہ اس کا بیان پیچھے گزر چکا ہے۔

وَتَقَدَّمُ صُفُوفُ الرِّجَالِ ثُمَّ الصِّبْيَانِ ثُمَّ النِّسَاءِ	سب سے آگے مردوں کی صفیں ہوں پھر بچوں کی اور پھر عورتوں کی۔ ❶

❶ (1) حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن النبي ﷺ كان يجعل الرجال قدام الغلمان، والغلمان خلفهم والنساء خلف الغلمان﴾ ''نبی ﷺ مردوں کو بچوں کے آگے کھڑا کرتے اور بچوں کو ان کے پیچھے اور عورتوں کو بچوں کے پیچھے۔'' (٦)

(البانیؒ) بچوں کو مردوں کے پیچھے کھڑا کرنے کی (کوئی دلیل) اس حدیث کے علاوہ مجھے نہیں ملی اور یہ (حدیث) نا قابل حجت ہے اس لیے میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ بچے مردوں کے ساتھ کھڑے ہوں جبکہ صف میں وسعت بھی ہو اور آپ ﷺ کے پیچھے ایک یتیم بچے کا حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر نماز پڑھنا بھی اس مسئلہ میں حجت ہے۔ (۷)

---

(۱) [مسلم (۳۰۱۰)]

(۲) [بخاری (۸۵۹) کتاب الأذان : باب وضوء الصبيان......، مسلم (۷٦۳)]

(۳) [عبدالرزاق (۱٤۱/۳)، (۵۰۸٦) دارقطنی (٤۰٤/۱) بیهقی (۱۳۱/۳) ابن أبی شیبة (۸۹/۲) حاکم (۲۰۳/۱)]

(٤) [ابن أبی شیبة (۸۸/۲) عبدالرزاق (۱٤۰/۳)(۵۰۸۲) دارقطنی (٤۰۵/۱) المحلی بالآثار (۱۳۷/۳)]

(٥) [حسن : صحیح أبو داود (۵۵۳) کتاب الصلاة : باب إمامة النساء، أبو داود (۵۹۲) ابن خزیمة (۱۲۷٦) بیهقی (۱۳۰/۳)]

(٦) [ضعيف : ضعیف أبو داود (۱۳۲) کتاب الصلاة : باب مقام الصبيان من الصف، أحمد (۳٤۵/۵) أبو داود (٦۷۷) یہ حدیث شہر بن حوشب راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ [المجروحين (۳٦۱/۱) میزان الاعتدال (۲۸۳/۲) تقریب التهذیب (۳۵۵/۱) الجرح والتعدیل (۳۸۲/٤)]

(۷) [تمام المنة (ص/ ۲۸٤)]

(2) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿قمت أنا واليتيم وراء ه وقامت العجوز من ورائنا﴾ "میں اور ایک یتیم بچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوئے اور ایک بوڑھی عورت ہمارے پیچھے کھڑی ہوئی۔"

(3) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿خير صفوف الرجال أولها وشرها آخرها وخير صفوف النساء آخرها وشرها أولها﴾ "مردوں کی بہترین صف پہلی ہے اور بدترین آخری ہے اور عورتوں کی بہترین صف آخری ہے اور بدترین پہلی ہے۔"(۲)

معلوم ہوا کہ پہلے مردوں کی صفیں ہوں گی جن میں بچے بھی شامل ہوں گے' ان کے پیچھے عورتوں کی صفیں ہوں گی اور امام شوکانی رحمہ اللہ نے یہاں جو موقف اپنایا ہے ممکن ہے کہ ان کے نزدیک پہلی حدیث قابل اعتبار ہو' لیکن چونکہ فی الحقیقت وہ حدیث ضعیف ہے اس لیے ان کا یہ موقف کہ "بچوں کو مردوں کے پیچھے کھڑا کیا جائے گا" درست نہیں۔

323- اگر امام کے ساتھ ایک مرد اور ایک عورت ہو......

تو مرد امام کے دائیں جانب اور عورت پیچھے اکیلی کھڑی ہوگی۔

جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن النبي ﷺ صلى به وبامه أو خالته قال فأقامني عن يمينه وأقام المرأة خلفنا﴾ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اور ان کی والدہ یا خالہ کو نماز پڑھائی' وہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی دائیں جانب کھڑا کیا اور اس عورت کو ہمارے پیچھے کھڑا کر لیا۔"(۳)

○ اگر عورت اور مرد دونوں ایک ہی صف میں کھڑے ہو جائیں تو کیا نماز ہو جائے گی؟

(جمہور) نماز ہو جائے گی۔

(احناف) مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی لیکن عورت کی فاسد نہیں ہوگی۔(٤)

(ابن حجر رحمہ اللہ) یہ (احناف کا قول نہایت) عجیب ہے۔(٥)

وَالْأَحَقُّ بِالصَّفِّ الْأَوَّلِ أُولُوا الْأَحْلَامِ وَالنُّهٰى	پہلی صف میں کھڑے ہونے کے سب سے زیادہ مستحق عقلمند و سمجھدار لوگ ہیں۔ ❶

❶ (1) حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ليلني منكم أولوا الأحلام والنهى ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم﴾ "تم میں سے عقلمند اور سمجھدار لوگ میرے قریب کھڑے ہوں پھر وہ لوگ جو (فہم وفراست میں)

(۱) [بخاری (۸٦۰) كتاب الأذان : باب وضوء الصبيان......' مسلم (٦٥٨) موطا (١٥٣/١) أحمد (١٣١/٣) أبو داود (٦١٢) ترمذی (٢٣٤) نسائی (٨٥/٢)]

(۲) [مسلم (٤٤٠) كتاب الصلاة : باب تسوية الصفوف وإقامتها......' أبو داود (٦٧٨) ترمذی (٢٢٤) نسائی (٩٣/٢) ابن ماجة (١٠٠٠) أحمد (٣٣٦/٢) ابن خزيمة (١٥٦١)]

(۳) [مسلم (٦٦٠) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب جواز الجماعة في النافلة......' أبو داود (٦٠٩) نسائی (٨٦/٢) ابن ماجة (٩٧٥) أحمد (٢٥٨/٣) أبو عوانة (٧٥/٢) بيهقی (١٠٦/٣)]

(٤) [نيل الأوطار (٤٤٤/٢) سبل السلام (٥٨٨/٢) الهداية (٥٧/١)]

(٥) [فتح البارى (٤٤٩/٢)]

ان کے قریب ہیں پھر وہ جو ان کے قریب ہیں۔'' (۱)

(2) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كان رسول الله يحب أن يليه المهاجرون والأنصار لياخذوا عنه﴾ ''رسول اللہ ﷺ اس بات کو پسند کرتے تھے کہ مہاجرین وانصار آپ ﷺ کے قریب ہوں تا کہ آپ ﷺ سے سیکھیں۔'' (۲)

(3) حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت زر بن حبیش رضی اللہ عنہ اور حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ اگر وہ (پہلی) صف میں کسی بچے کو دیکھتے تو اسے نکال دیتے۔ (۳)

وَعَلَى الْجَمَاعَةِ أَنْ يُسَوُّوا صُفُوفَهُمْ وَأَنْ يَسُدُّوا الْخَلَلَ	نمازیوں پر صفیں برابر کرنا اور خلا کو پر کرنا لازم ہے۔ ❶

❶ (1) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿سووا صفوفكم فإن تسوية الصفوف من إقامة الصلاة﴾ ''اپنی صفیں برابر کرو کیونکہ صفوں کو برابر کرنا نماز قائم کرنے کا حصہ ہے۔'' (٤)

(2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿أقيموا الصفوف و حاذوا بين المناكب وسدوا الخلل ولينوا بأيدي إخوانكم ولا تذروا فرجات للشيطان ومن وصل صفا وصله الله ومن قطع صفا قطعه الله﴾ ''صفوں کو سیدھا کرو، کندھوں کو برابر کرو، خلا کو پر کرو، اپنے بھائیوں کے لیے نرم ہو جاؤ، شیطان کے لیے (صف میں) خالی جگہیں مت چھوڑو، جس نے صف کو ملایا اللہ تعالیٰ اسے ملائے اور جس نے صف کو کاٹا اللہ تعالیٰ اسے کاٹے۔'' (٥)

(3) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿وسطوا الإمام وسدوا الخلل﴾ ''امام کو درمیان میں رکھو اور خلا کو پر کرو۔'' (٦)

(4) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ سے پہلے ہماری طرف چہرہ کر کے فرماتے ﴿تراصوا واعتدلوا﴾ ''ایک دوسرے کے ساتھ مضبوطی سے مل جاؤ اور برابر ہو جاؤ۔'' (۷)

(5) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿عباد الله، لتسون صفوفكم أو ليخالفن الله بين وجوهكم﴾ ''اللہ کے بندو! تم ضرور اپنی صفوں کو برابر کرو گے یا اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کے درمیان مخالفت

---

(۱) [مسلم (٤٣٢) كتاب الصلاة : باب تسوية الصفوف وإقامتها...... ، أبو داود (٦٧٤) نسائی (٨٧/٢) أحمد (١٢٢/٤) ابن خزيمة (١٥٤٢) ابن حبان (٢١٧٢) حاكم (٢١٩/١) بيهقی (٩٧/٣)]

(٢) [صحيح : صحيح ابن ماجة (٧٩٧) كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها : باب من يستحب أن يلي الإمام ، الصحيحة (١٤٠٩) ابن ماجة (٩٧٧) ابن حبان (٧٢٥٨) حاكم (٢١٨/١)]

(٣) [ابن أبي شيبة (٣٦٣/١) كتاب الصلوات : باب إخراج الصبيان من الصف]

(٤) [بخاری (٧٢٣) كتاب الأذان : باب إقامة الصف من تمام الصلاة ، مسلم (٤٣٣) أبو داود (٦٦٨) ابن ماجة (٩٩٣) أحمد (١٧٧/٣) ابن خزيمة (١٥٤٣) شرح السنة (٣٨٢/٢) بيهقی (١٠٠/٣) دارمی (٢٨٩/١)]

(٥) [صحيح : صحيح أبو داود (٦٢٠) كتاب الصلاة : باب تسوية الصفوف ، أبو داود (٦٦٦)]

(٦) [صحيح : صحيح أبو داود (٦٣٢) كتاب الصلاة : باب مقام الإمام من الصف ، أبو داود (٦٨١) بيهقی (١٠٤/٣) اس حدیث کا صرف دوسرا حصہ صحیح ہے جیسا کہ شیخ البانیؒ نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔]

(٧) [أحمد (٢٦٨/٣) مسلم (٤٣٣) أبو يعلى (٣٢٩١) عبدالرزاق (٢٤٢٧) أبو عوانة (٣٩/٢) بيهقی (٢١/٢)]

ڈال دیں گے۔“ (۱)

(نوویؒ) اس حدیث کا معنی بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ((یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء واختلاف القلوب)) ”اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان دشمنی اور بغض اور دلوں کا اختلاف پیدا کر دیں گے۔“ (۲)

(ابن حجرؒ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ عمل واجب ہے اور اس میں کوتاہی حرام ہے۔ (۳)

(6) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿أقيموا الصف في الصلاة فإن إقامة الصف من حسن الصلاة﴾ ”نماز میں صف کو سیدھا کرو کیونکہ صف کو سیدھا کرنا نماز کی خوبصورتی کا ایک حصہ ہے۔“ (٤)

وَأَنْ يُتِمُّوا الصَّفَّ الْأَوَّلَ ثُمَّ الَّذِي يَلِيهِ ثُمَّ كَذٰلِكَ	نمازی پہلی صف کو پہلے مکمل کریں پھر اس سے قریبی صف کو اور پھر اسی طرح (بقیہ صفوں کو)۔ ❶

❶ (1) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿أتموا الصف المقدم ثم الذي يليه فما كان من نقص فليكن في الصف المؤخر﴾ ”پہلے اگلی صف کو مکمل کرو پھر اس سے قریبی کو اور جو بھی کمی ہو وہ پچھلی صف میں ہونی چاہیے۔“ (٥)

(2) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو فرشتوں جیسی صف بنانے کی ترغیب دلائی اور پھر فرشتوں کا صف بنانے کا طریقہ بتلایا کہ ﴿يتمون الصف الأول ويتراصون في الصف﴾ ”وہ پہلی صف کو مکمل کرتے ہیں اور صف میں خوب مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔“ (٦)

324- پہلی صفوں کی فضیلت

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿لو يعلمون ما في النداء والصف الأول ثم لم يجدوا إلا أن يستهموا عليه لاستهموا﴾ ”اگر لوگوں کو آذان اور پہلی صف کے اجر کا علم ہو جائے پھر وہ انہیں صرف قرعہ ڈال کر ہی حاصل ہو تو وہ ضرور قرعہ ڈالیں۔“ (٧)

(2) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿إن الله وملائكته يصلون على الصفوف

(۱) [مسلم (٤٣٦) كتاب الصلاة : باب تسوية الصفوف وإقامتها...... أبو داود (٦٦٣) نسائی (٨٩/٢) ترمذی (٢٢٧) ابن ماجة (٩٩٤) أحمد (٢٧٠/٤) عبدالرزاق (٢٤٢٩) بيهقی (١٠٠/٣)]

(۲) [شرح مسلم (٣٩٤/٢)]

(۳) [فتح الباری (٤٤٣/٢)]

(٤) [بخاری (٧٢٢) كتاب الأذان : باب إقامة الصف من تمام الصلاة ' مسلم (٤٣٤) عبدالرزاق (٢٤٢٤) أحمد (٣١٤/٢) ابن حبان (٢١٧٧) بيهقی (٩٩/٣)]

(٥) [صحيح : صحيح أبو داود (٦٢٣) كتاب الصلاة : باب تسوية الصفوف ' نسائی (٩٣/٢) أحمد (١٣٢/٣) ابن خزيمة (١٥٤٦) ابن حبان (٢١٥٥) أبو يعلی (٣١٦٣) شرح السنة (٣٨٦/٢)]

(٦) [مسلم (٤٣٠) كتاب الصلاة : باب الأمر بالسكون في الصلاة ' أبو داود (٦٦١) نسائی (٩٢/٢) ابن ماجة (٩٩٢) أحمد (١٠١/٥) ابن خزيمة (١٥٤٤) أبو عوانة (٣٩/٢) ابن حبان (٢١٥٤)]

(٧) [مسلم (٦٦٠) كتاب الصلاة : باب تسوية الصفوف وإقامتها......]

الأولی﴾ ''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پہلی صفوں پر رحمت نازل فرماتے ہیں۔''(۱)

(3) حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن رسول الله كان يستغفر للصف المقدم ثلاثا وللثاني مرة﴾ ''بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی صف کے لیے تین مرتبہ استغفار کرتے اور دوسری صف کے لیے ایک مرتبہ۔''(۲)

325- تاخیر سے پہنچنا اور پچھلی صفوں میں کھڑا ہونا

ایسے شخص کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعید بیان کی ہے لہذا تاخیر سے اجتناب کرنا چاہیے۔

(1) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا يزال قوم يتأخرون حتى يؤخرهم الله عزوجل﴾ ''لوگ ہمیشہ تاخیر کرتے رہیں گے حتی کہ اللہ تعالیٰ بھی ان کو موخر کر دیں گے۔''(۳)

(شوکانیؒ) اس حدیث کا مفہوم یوں واضح کرتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت اور عظیم فضل سے موخر کر دیں گے۔''(٤)

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا يزال قوم يتأخرون عن الصف الأول حتى يؤخرهم الله في النار﴾ ''لوگ ہمیشہ پہلی صف سے تاخیر کرتے رہیں گے حتی کہ اللہ تعالیٰ انہیں مؤخر کر کے آخر میں پہنچا دیں گے۔''(٥)

326- صف کے دائیں جانب کھڑا ہونا

(1) حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے (مسعرؒ نے کہا کہ) جسے ہم پسند کرتے یا جسے میں پسند کرتا تھا وہ یہ تھا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں جانب کھڑے ہوں۔(٦)

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إن الله وملئكته يصلون على ميامن الصفوف﴾ ''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے صفوں کی دائیں اطراف پر رحمتیں بھیجتے ہیں۔''(۷)

(3) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿يعجبه التيمن في تنعله وترجله وطهوره وفي شانه كله﴾ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جوتا پہننے، بالوں میں کنگھی کرنے اور وضوء کرنے بلکہ ہر کام میں دائیں جانب کو پسند فرماتے تھے۔''(۸)

---

(۱) [**صحيح** : صحيح أبو داود (٦١٨) كتاب الصلاة : باب تسوية الصفوف ' أبو داود (٦٦٤)]

(۲) [**صحيح** : صحيح ابن ماجة (٨١٥) كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها : باب فضل الصف المقدم ' ابن ماجة (٩٩٦) نسائی (٩٢/٢) أحمد (١٢٦/٤) دارمی (٢٩٠/١) ابن خزيمة (١٥٥٨) ابن حبان (٢١٥٨)]

(۳) [مسلم (٤٣٨) أبو داود (٦٨٠) نسائی (٨٣/٢) ابن ماجة (٩٧٨) أحمد (١٩/٣) ابن خزيمة (١٦١٢)]

(٤) [نيل الأوطار (٤٥٧/٢)]

(٥) [**صحيح** : صحيح أبو داود (٦٣٠) أبو داود (٦٧٩)]

(٦) [**صحيح** : صحيح ابن ماجة (٨٢٤) كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها : باب فضل ميمنة الصف ' ابن ماجة (١٠٠٦)]

(۷) [**ضعيف** : ضعيف ابن ماجة (٢٠٩) أبو داود (٦٧٦) كتاب الصلاة : باب من يستحب أن يلي الإمام ' ابن ماجة (١٠٠٥) ابن حبان (٢١٦٠) بيهقی (١٠٣/٣)]

(۸) [بخاری (١٦٨) كتاب الوضوء : باب التيمن في الوضوء والغسل ' مسلم (٣٩٥) ترمذی (٥٥٣) أحمد (٢٤٣٦٩)]

متفرقات

327- عورتیں مساجد میں جا کر باجماعت نماز ادا کر سکتی ہیں

(1) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿لا تمنعوا إماء الله مساجد الله﴾ ''اللہ کی بندیوں (یعنی خواتین) کو مسجدوں سے مت روکو۔'' (۱)

(2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿إذا استأذنكم نسائكم بالليل إلى المساجد فاذنوا لهن﴾ ''اگر تمہاری عورتیں رات کو مساجد میں جانے کے لیے تم سے اجازت مانگیں تو انہیں اجازت دے دو۔'' (۲)

(نوویؒ) پہلی حدیث میں موجود ممانعت حرمت کے لیے نہیں بلکہ کراہت کے لیے ہے اور ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورتوں کو اپنے خاوندوں سے اجازت لے کر (باہر مساجد یا دوسری جگہوں کی طرف) جانا چاہیے۔ (۳)

328- خواتین کے لیے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے

(1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿لا تمنعوا نسائكم المساجد وبيوتهم خير لهن﴾ ''اپنی عورتوں کو مسجدوں سے مت روکو لیکن ان کے گھر ہی ان کے لیے بہتر ہیں۔'' (٤)

(2) حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿خير مساجد النساء قعر بيوتهن﴾ ''خواتین کی بہترین مساجد ان کے گھروں کی چار دیواری ہے۔'' (٥)

329- عورتوں کا خوشبو لگا کر یا زیب و زینت کے ساتھ مساجد میں جانا

ایسا کرنا کسی عورت کے لیے جائز نہیں ہے بلکہ حرام ہے۔

(1) حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿إذا شهدت إحداكن المسجد فلا تمس طيبا﴾ ''جب تم میں سے کوئی عورت مسجد میں حاضر ہونا چاہے تو خوشبو مت لگائے۔'' (٦)

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿لو أن رسول الله رأى من النساء ما رأينا لمنعهن من المسجد كما

(۱) [**صحيح** : صحيح أبو داود (٥٢٩) كتاب الصلاة : باب ما جاء في خروج النساء إلى المسجد ' أبو داود (٥٦٥) أحمد (٤٣٨/٢) عبدالرزاق (٥١٢١) دارمي (٢٩٣/٢) ابن خزيمة (١٦٧٩) بيهقي (١٣٤/٣)]

(۲) [بخاري (٨٦٥) كتاب الأذان : باب خروج النساء إلى المساجد بالليل والغلس ' مسلم (٤٤٢) أحمد (٧/٢) عبدالرزاق (٥١٠٧) حميدي (٦١٢) دارمي (٢٩٣/١) بيهقي (١٣٢/٣) شرح السنة (٨٦٣)].

(۳) [شرح مسلم (٣٩٩/٣ـ٤٠٠) المجموع (٩٢/٤)]

(٤) [**صحيح** : صحيح أبو داود (٥٣٠) كتاب الصلاة : باب ما جاء في خروج النساء إلى المسجد ' ابن خزيمة (١٦٨٤) أحمد (٧٢/٢)]

(٥) [أحمد (٢٩٧/٦) ابن خزيمة (١٦٨٣) حاكم (٢٠٩/١) بيهقي (١٣١/٣)]

(٦) [مسلم (٤٤٣) نسائي (١٥٥/٨) أحمد (٣٦٣/٦) أبو عوانة (١٦١/٢) ابن خزيمة (١٦٨٠) ابن حبان (٢٢١٢)]

منعت بنو اسرائیل نسائها﴾ ”بلاشبہ اگر رسول اللہ ﷺ عورتوں کی وہ کیفیت وصورتحال دیکھ لیتے جو کہ ہم نے دیکھی ہے تو یقیناً انہیں مسجدوں سے اسی طرح روک دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل نے اپنی عورتوں کو روکا تھا۔“ (۱)

(3) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿أیما امرأة أصابت بخورا فلا تشهدن معنا العشاء الآخرة﴾ ”جو عورت بخور (یعنی خوشبو) لگائے وہ ہمارے ساتھ عشاء میں حاضر نہ ہو۔“ (۲)

330- دور سے چل کر مسجد میں آنے کی فضیلت

(1) حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿إن أعظم الناس فی الصلاة أجرا أبعدهم إلیها ممشی﴾ ”بے شک نماز میں لوگوں میں سے سب سے بڑے اجر کا مستحق وہ شخص ہے جو ان میں سب سے زیادہ دور سے اس کی طرف چل کر آتا ہے۔“ (۳)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿الأبعد فالأبعد من المسجد أعظم أجرا﴾ ”کوئی شخص جس قدر مسجد سے دور سے آئے گا اسی قدر اس کا اجر بھی زیادہ ہوگا۔“ (٤)

331- نماز کے لیے مسجد کی طرف جاتے ہوئے اطمینان سے جانا چاہیے

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ”جب تم نماز کی اقامت سنو تو ﴿علیکم السکینة والوقار﴾ ”نماز کی طرف اطمینان وسکون اور وقار کے ساتھ چل کر آؤ“ جلدی اور عجلت مت کرو۔ جتنی نماز جماعت کے ساتھ پالو اتنی پڑھ لو اور جو باقی رہ جائے اسے (بعد میں) پورا کر لو۔“ (٥)

(2) ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿إذا أتیتم الصلاة فعلیکم السکینة﴾ ”جب بھی تم نماز کے لیے آؤ تو سکون واطمینان سے چل کر آؤ۔“ (٦)

○ فقہاء نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے کہ بعد میں جماعت کے ساتھ ملنے کی صورت میں امام کے ساتھ پڑھی ہوئی نماز پہلی رکعتیں شمار ہوں گی یا پچھلی؟

---

(۱) [بخاری (۸۲۹) کتاب الأذان : باب خروج النسآء إلی المساجد باللیل والغلس' مسلم (٤٤٥) أبو داود (٥٦٩) أحمد (٩١/٦)]

(۲) [مسلم (٤٤٤) أبو داود (٤١٧٥) نسائی (١٥٤/٨) أحمد (٣٠٤/٢)]

(۳) [بخاری (٦٥١) کتاب الأذان : باب فضل صلاة الفجر فی جماعة ' مسلم (٦٦٢) ابن خزیمة (١٥٠١) بیهقی (٦٤/٣)]

(٤) [صحیح : صحیح أبو داود (٥٢٠) کتاب الصلاة : باب ما جاء فی فضل المشی إلی الصلاة ' أبو داود (٥٥٦) ابن ماجة (٧٨٢) أحمد (٣٥١/٢) حاکم (٢٠٨/١) بیهقی (٦٤/٣)]

(٥) [بخاری (٦٣٦) کتاب الأذان : باب لا یسعی إلی الصلاة ولیات بالسکینة والوقار' مسلم (٦٠٢) أبو داود (٥٧٢) نسائی (١١٤/٢) ابن ماجة (٧٧٥) ترمذی (٣٢٧) أحمد (٢٣٩/٢) عبدالرزاق (٣٤٠٥) مؤطا (٦٨/١)]

(٦) [بخاری (٦٣٥) کتاب الأذان : باب قول الرجل فاتتنا الصلاة ' مسلم (٦٠٣) أحمد (٣٠٦/٥) ابن خزیمة (١٦٤٤) أبو عوانة (٨٣/٢) بیهقی (٢٨٩/٢)]

(جمہور) مقتدی کی یہ نماز پہلی شمار ہو گی۔

(ابوحنیفہؒ) یہ نماز پچھلی رکعتیں شمار ہوں گی۔(۱)

(راجح) جمہور کا موقف راجح ہے۔(۲)

اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حدیث نبوی ہے کہ ﴿فما أدركتم فصلوا وما فاتكم فأتموا﴾ ''جتنی نماز تم امام کے ساتھ پالو اتنی پڑھ لو اور جو رہ جائے اسے بعد میں پورا کر لو۔''(۳)

(شوکانیؒ) اتمام کا حکم اس بات کا ثبوت ہے کہ امام کے ساتھ اس نے جتنی نماز پڑھی تھی وہ اس کی ابتدائی نماز تھی۔(٤)

(2) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿ما أدركت مع الإمام فهو أول صلاتك﴾ ''امام کے ساتھ جو تم نماز پالو وہ تمہاری پہلی نماز ہے۔''(٥)

332- اگر کوئی شخص جماعت کے ساتھ دوران رکوع ملے......

تو کیا اس کی وہ رکعت شمار ہو گی یا نہیں؟ اس مسئلے میں اختلاف ہے لیکن راجح یہی ہے کہ فاتحہ کے بغیر رکعت نہیں ہو گی۔

(جمہور، ائمہ اربعہ) جس نے صرف رکوع حاصل کر لیا اس کی رکعت ہو گئی۔(٦)

(ابن قدامہؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۷)

(علامہ عینیؒ) جس نے رکوع پالیا اس نے رکعت پالی۔(۸)

(البانیؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(۹)

(سعودی مجلس افتاء) اسی کے قائل ہیں۔(۱۰)

(شیخ سعدیؒ) انہوں نے اسی کی طرف میلان ظاہر کیا ہے۔(۱۱)

---

(۱) [نیل الأوطار (۳۸۲/۲)]

(۲) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الروضة الندية (۳۲٦/۱) السيل الجرار (۲٦٦/۱)]

(۳) [بخاری (٦۳٥) مسلم (٦۰۳)]

(٤) [السيل الجرار (۱٦٦/۱)]

(٥) [بیهقی (۲۹۹/۲)]

(٦) [نيل الأوطار (٤۰/۲) السيل الجرار (۲٦٥/۱) المجموع (۱۱۳/٤) مغنى المحتاج (٥۰٤/۱) فتح القدير (۳٤٤/۱) المغنى (٥۰٤/۱) الإنصاف (۲۲۳/۲) المدونة الكبرى (٦۹/۱)]

(۷) [المغنى (٥۰٤/۱)]

(۸) [عمدة القارى (۱٥۳/۳)]

(۹) [التعليقات الرضية على الروضة الندية (۳٤٥/۱)]

(۱۰) [فتاوى اللجنة الدائمة (٤۰٤/٦)]

(۱۱) [الفتاوى السعدية (۱۷۱/۱)]

(ابن بازؒ) انہوں نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔(۱)

جمہور اوران کے ہم فتویٰ حضرات نے مندرجہ ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا جئتم إلى الصلاة ونحن سجود فاسجدوا ولا تعدوها شيئا ومن أدرك الركعة فقد أدرك الصلاة﴾ "جب تم نماز کے لیے آؤ اور ہم سجدے کی حالت میں ہوں تو تم بھی سجدے میں چلے جاؤ لیکن اسے کچھ شمار نہ کرو اور جس نے رکعت (جمہور اس سے مراد رکوع لیتے ہیں) کو پالیا اس نے نماز کو پالیا۔"(۲)

علاوہ ازیں جن احادیث میں رکعت کی جگہ لفظ رکوع کی وضاحت ہے وہ ضعیف ہیں مثلاً ﴿من أدرك الركوع من الركعة الأخيرة في صلاته يوم الجمعة فليضف إليها ركعة أخرى﴾ "جو شخص نماز جمعہ کی دوسری رکعت سے رکوع حاصل کر لے تو وہ اس کے ساتھ دوسری رکعت بھی ملا لے۔"

اور جس حدیث میں ہے کہ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے صف میں پہنچنے سے پہلے ہی رکوع کیا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا ﴿زادك الله حرصا ولا تعد﴾ "اللہ تیری حرص وطمع میں اضافہ فرمائے آئندہ ایسا مت کرنا۔"(۳)

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ اگر اس حدیث میں دوبارہ نماز پڑھنے کا ذکر نہیں ہے تو اس میں یہ بھی نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اس رکعت کو شمار کر لیا تھا۔(٤)

(راجح) جس رکعت میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ شمار نہیں ہوگی۔

(بخاریؒ) انہوں نے اپنی کتاب " القراءة خلف الإمام " میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ذکر فرمایا ہے کہ اگر تم جماعت کے افراد کو حالت رکوع میں پاؤ تو اس رکعت کو شمار نہ کرو۔(٥)

(شوکانیؒ) انہوں نے جمہور کے قول کو کمزور قرار دیا ہے۔(٦)

(ابن حزمؒ) رکعت شمار کرنے کے لیے اس میں قیام اور قراءت کا حصول ضروری ہے۔(٧)

(صدیق حسن خانؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٨)

333- ایک مسجد میں فرائض کی دوسری جماعت

ایک ہی مسجد میں فرض نماز کی دوسری جماعت جائز و درست ہے اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) [الفتاوى الإسلامية (۲۳۰/۱)]

(۲) [صحيح: الصحيحة (۲۳۰، ۱۱۸۸) إرواء الغليل (٤٩٦) ابن خزيمة (۱٦۲۲) أبو داود (۸۹۳) دارقطنی (۳٤۷/۱) حاکم (۲۱٦/۱)]

(۳) [بخاری (۷۸۳) أبو داود (٦۸٤)]

(٤) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: نيل الأوطار (٤٠/۲-٤۱) السيل الجرار (۲٦٥/۱)]

(٥) [نيل الأوطار (٤۱/۲)]

(٦) [أيضا]

(٧) [المحلى بالآثار (۲۷٤/۲)]

(٨) [الروضة الندية (۳۲٦/۱)]

(1) ﴿وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾ [البقرۃ : ٤٣] ’’رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔‘‘

(2) ﴿صلاۃ الجماعۃ تفضل علی صلاۃ الفذ بسبع وعشرین درجۃ﴾ ’’جماعت کی نماز اکیلے شخص کی نماز سے ستائیس (27) گنا افضل ہے۔‘‘ (١)

(3) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو اکیلے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا ﴿ألا رجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ﴾ ’’کیا کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو اس پر صدقہ کرتے ہوئے اس کے ساتھ نماز ادا کرے۔‘‘ (٢)

(عبد الرحمٰن مبارکپوریؒ) اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے مسجد میں فرض نماز کی دوسری جماعت جائز قرار دیتے ہیں۔ (٣)

(شمس الحق عظیم آبادیؒ) انہوں نے بھی اس حدیث سے ایک ہی مسجد میں دوسری جماعت کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ (٤)

(حاکمؒ) اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد بیان کرتے ہیں کہ یہ حدیث مساجد میں دو مرتبہ اقامتِ جماعت کی دلیل ہے۔ (٥)

(4) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ایک ایسی مسجد میں آئے جس میں نماز ادا کی جا چکی تھی تو انہوں نے آذان دی' اقامت کہی اور پھر با جماعت نماز ادا کی۔ (٦)

(5) امام ابو یعلیؒ نے اسی روایت کو موصول بیان کیا ہے۔ (٧)

(6) امام ابن ابی شیبہؒ، امام عبد الرزاقؒ اور امام بیہقیؒ نے بھی اسے موصول بیان کیا ہے۔ (٨)

(ترمذیؒ، بغویؒ، داود ظاہریؒ) دوسری جماعت کے جواز کے قائل ہیں۔ (٩)

(ابن حزمؒ) (مسجد میں) دوسری جماعت جائز ہے۔ (١٠)

(احمدؒ، اسحاقؒ، ابن منذرؒ) اسی کے قائل ہیں۔ (١١)

(شیخ صالح عثیمینؒ) اگر کوئی عارضہ و مسئلہ درپیش ہونے کی وجہ سے کوئی جماعت تاخیر سے آئے اور اس وقت لوگ نماز پڑھ چکے ہوں تو بلاشبہ اگر وہ جماعت سے نماز ادا کر لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (١٢)

---

(١) [بخاری (٦٤٥' ٦٤٦) کتاب الأذان : باب فضل صلاۃ الجماعۃ]

(٢) [صحیح : أبو داود (٥٧٤) کتاب الصلاۃ : باب الجمع فی المسجد مرتین]

(٣) [تحفۃ الأحوذی (١١/٢)]

(٤) [عون المعبود (٢٢٥/١)]

(٥) [مستدرك حاکم (٢٠٩/١)]

(٦) [بخاری تعلیقا' کتاب الأذان : باب فضل صلاۃ الجماعۃ]

(٧) [مسند أبی یعلی (٣٥١/٧)]

(٨) [مصنف ابن أبی شیبۃ (٣٢١/٢) مصنف عبدالرزاق (٢٩١/٢) السنن الکبری للبیهقی (٧٠/٣)]

(٩) [جامع ترمذی (٤٣٠/١) شرح السنۃ (٤٣٧/٣) المجموع (١٢١/٤)]

(١٠) [المحلی (٢٣٦/٤)]

(١١) [عمدۃ القاری (١٦٥/٥) المجموع (٢٢٢/٤)]

(١٢) [إعلام العابد (ص/٦٦)]

○ بعض علماء اسے مکروہ سمجھتے ہیں۔
(ابن مسعودؓ، مالکؒ، شافعیؒ، ابو حنیفہؒ) جس مسجد میں ایک مرتبہ باجماعت نماز ادا کی جا چکی ہو اس میں دوبارہ جماعت کروانے سے زیادہ بہتر ہے کہ اکیلے اکیلے نماز پڑھ لی جائے۔(۱)
(البانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۲)
ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿إن رسول اللّٰه أقبل من نواحي المدينة يريد الصلاة فوجد الناس قد صلوا فمال إلى منزله فجمع أهله فصلى بهم﴾ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے گردونواح سے آئے تو نماز پڑھنا چاہتے تھے لیکن لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ انہوں نے نماز پڑھ لی ہے لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر چلے گئے وہاں اپنے گھر والوں کو جمع کیا اور ان کے ساتھ نماز پڑھ لی۔"(۳)

(2) امام علقمہؒ اور امام اسودؒ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد میں آئے ﴿واستقبلهم الناس وقد صلوا فرجع بهما إلى البيت...... ثم صلى بهما﴾ "لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور وہ نماز پڑھ چکے تھے اس لیے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے دونوں ساتھیوں کے ہمراہ گھر کی طرف روانہ ہو گئے ......پھر وہیں ان کے ساتھ نماز پڑھ لی۔"(۴)
شیخ البانیؒ رقمطراز ہیں کہ "اگر دوسری جماعت مسجد میں مطلقاً جائز تھی تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے انہیں گھر میں کیوں جمع کیا اس کے باوجود کہ فرائض مسجد میں ہی افضل ہیں۔(۵)

(3) یہ بات مسلم ہے کہ عبادات توقیفی ہیں یعنی عبادات میں اسی قدر عمل کیا جائے گا جس قدر شریعت سے ثابت ہوگا۔(۶)

(راجح) مسجد میں دوسری جماعت جائز ہے جیسا کہ ابتداء میں بیان کیے جانے والے دلائل اس میں کافی ہیں البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مذکورہ عمل کی وجہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کچھ کراہت ضرور موجود ہے۔ (واللہ اعلم)
اس مسئلے کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ شیخ ابو عبیدہ مشہور بن حسن آل سلمان کی تالیف "إعلام العابد بحكم تكرار الجماعة في المسجد الواحد"۔

334- کیا منفرد دوران نماز امام بن سکتا ہے؟

منفرد کا دوران نماز امام بن جانا، اور مقتدیوں اور امام کے درمیان کسی دیوار وغیرہ کا حائل ہو جانا نماز کے لیے نقصان دہ

(۱) [جامع ترمذی (۴۳۰/۱) شرح السنة (۴۳۷/۳) الأم (۱۸۰/۱) المبسوط (۱۳۵/۱) المدونة الكبرى (۸۹/۱) الحجة على أهل المدينة (۷۸/۱) المعونة على مذهب عالم المدينة (۲۵۸/۱) المجموع (۲۲۲/٤) البناية فى شرح الهداية (۳۰۵/۲) عمدة القارى (۱٦٥/٥) بدائع الصنائع (۱٥٦/۱) بذل المجهود (۱۷۷/٤)
(۲) [تمام المنة (ص/۱٥۷)]
(۳) [حسن : تمام المنة (ص/۱٥٥) مجمع الزوائد (٤٥/۲)]
(٤) [عبدالرزاق (٤۰۹/۲)(۳۸۸۳) المعجم الكبير (۹۳۸۰)]
(٥) [تمام المنة (ص/۱٥۷-۱٥۸)]
(٦) [مجموع الفتاوى (۳۸٥/۲۸) أعلام المؤقعين (۲۹۹/۱) الموافقات (٥۱۳/۲)]

نہیں ہے بلکہ جائز و درست ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے حجرے میں نماز ادا کر رہے تھے اور حجرے کی دیوار چھوٹی تھی لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کا جسم دیکھا تو ﴿فقام ناس یصلون بصلاته﴾ ''آپ ﷺ کی نماز کے ساتھ ہی نماز ادا کرنے لگے...... (پھر دوسری رات بھی ایسا ہی ہوا)۔'' (۱)

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے بھی اس عمل کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ (۲)

(شوکانیؒ) ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نوافل اور اسی طرح دیگر نمازوں میں منفرد (نمازی) کا امام بن جانا جائز ہے۔ (۳)

(بخاریؒ) انہوں نے پہلی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے یہ باب قائم کیا ہے ((إذا کان بین الإمام وبین القوم حائط أو سترة)) ''جب امام اور مقتدیوں کے درمیان کوئی دیوار یا پردہ حائل ہو (تو کچھ قباحت نہیں)۔'' اور اس کے تحت نقل کیا ہے کہ امام حسن بصریؒ نے فرمایا ''اگر امام اور تمہارے درمیان نہر ہو تب بھی نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔'' اور ابو مجلز تابعیؒ نے فرمایا کہ ''اگر امام اور مقتدی کے درمیان کوئی راستہ یا دیوار حائل ہو تب بھی اقتدا کر سکتا ہے بشرطیکہ امام کی تکبیر سن سکتا ہو اور اس کے بعد امام بخاریؒ نے گذشتہ بیان کردہ حدیثِ عائشہ بیان کی ہے۔

335- آذان میں '' ألا صلوا في الرحال '' کی نداء

سخت سرد یا برساتی رات میں مؤذن کے لیے مستحب ہے کہ دوران آذان '' حيي على الصلوة '' کی جگہ ''ألا صلوا في الرحال'' کہہ کر لوگوں کو گھروں میں نماز ادا کرنے کی اطلاع دے۔ (٤)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ﴿أن رسول الله كان يأمر المؤذن إذا كانت ليلة ذات برد ومطر يقول ألا صلوا في الرحال﴾ ''جب رات سخت سرد اور برساتی ہوتی تو رسول اللہ ﷺ موذن کو یہ کہنے کا حکم دیتے کہ '' ألا صلوا في الرحال'' خبردار گھروں میں نماز پڑھ لو۔'' (٥)

336- کھانے کے دوران اگر جماعت کھڑی ہو جائے......

تو کھانا نہیں چھوڑنا چاہیے بلکہ خوب اچھی طرح فارغ ہو کر پھر نماز کی طرف جانا چاہیے۔

جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿إذا كان أحدكم على الطعام فلا يعجل حتى يقضي حاجته منه وإن أقيمت الصلاة﴾ ''جب تم میں سے کوئی کھانے پر ہو تو جب تک اس سے اپنی حاجت پوری نہ کرے

---

(۱) [بخاری (۷۳۱) کتاب الأذان : باب صلاة الليل ' مسلم (۷۸۱) أبو داود (۱٤٤۷) ترمذی (٤٤۹) نسائی (۱۹۸/۳)]

(۲) [مسلم (۱۱۰٤) كتاب الصيام : باب النهي عن الوصال في الصوم ' أحمد (۱۹۳/۳)]

(۳) [نيل الأوطار (۳۹۹/۲)]

(٤) [تفصیل کے لیے دیکھیے : بخاری (٦٦۸) کتاب الأذان : باب هل يصلي الإمام لمن حضر......؟ ' مسلم (٦۹۹) أبو داود (۱۰٦٦) ابن ماجة (۹۳۹) بيهقي (۳۹۸/۱) عن ابن عباس ' بخاری (٦٦٦) كتاب الأذان : باب الرخصة في المطر والعلة أن يصلي في رحله ' عن ابن عمر]

(٥) [بخاری (٦٦٦) أيضا ' مسلم (٦۹۷) مؤطا (۷۳/۱) أبو داود (۱۰٦۱) نسائی (۱٥/۲) ابن ماجة (۹۳۸) أحمد (٤/۲) حميدي (۷۰۰) ابن خزيمة (۱٦٥٥) دارمي (۲۹۲/۱) بيهقي (۳۹۸/۱)]

جلدی مت کرے اگرچہ نماز کے لیے اقامت ہی کیوں نہ کہہ دی جائے۔"(۱)

337- کم سن بچے کی امامت

حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میرے والد نے اپنی قوم سے کہا کہ میں تمہارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حق لے کر آیا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے کوئی ایک آذان کہے اور امامت ایسا شخص کرائے جو قرآن کا زیادہ عالم ہو۔" (حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) میری قوم نے دیکھا کہ میرے سوا کوئی دوسرا مجھ سے زیادہ قرآن کا عالم نہیں ہے تو انہوں نے مجھے آگے کر دیا ﴿وأنا ابن ست أو سبع سنين﴾ "اس وقت میری عمر چھ یا سات برس تھی۔"(۲)

اس واضح حدیث کے باوجود فقہاء نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے۔

(شافعیؒ) بچے کی امامت درست و مباح ہے۔

(مالکؒ) بچے کی امامت مکروہ ہے۔

(احمدؒ، ابوحنیفہؒ) اس کی امامت نوافل میں کفایت کر جائے گی..... فرائض میں نہیں۔(۳)

(راجح) مطلقاً جواز کا قول راجح ہے۔

338- اندھے اور غلام کی امامت

جائز و درست ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل دلائل اس پر شاہد ہیں:

(1) حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کا والی مقرر کیا اور وہ لوگوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے حالانکہ وہ نابینے تھے۔(۴)

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا غلام ذکوان ان کی امامت کراتا تھا۔(۵)

339- مشرک کی اقتدا میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جب کسی انسان کا شرک معلوم و واضح ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔

(1) ﴿وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ [الأنعام: ۸۸] "اگر انبیاء بھی شرک کرتے تو جو کچھ وہ اعمال کرتے تھے سب برباد ہو جاتے۔"

(2) ﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ [الزمر: ٦٠] "اگر تو (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے شرک کیا تو بلاشبہ تیرا عمل ضائع ہو جائے گا۔"

---

(۱) [بخاری تعليقا (٦٧٤) كتاب الأذان : باب إذا حضر الطعام وأقيمت الصلاة]

(۲) [بخاری (٤٣٠٢) كتاب المغازی : باب وقال الليث حدثني يونس......' أبو داود (٥٨٥) نسائی (٩/٢) ابن خزيمة (١٥١٢)]

(۳) [فتح البارى (٤١٥/٢) نيل الأوطار (٤٢٥/٢) المجموع (١٤٤/٤) الأم (٢٩٥/١) رد المحتار (٢١/٢) المبسوط (١٨٠/١) المغنى (٧٠/٣) الهداية (٥٦/١)]

(٤) [حسن : صحيح أبو داود (٥٥٥) كتاب الصلاة : باب إمامة الأعمى ' أبو داود (٥٩٥) أحمد (١٣٢/٣)]

(٥) [بخاری تعليقا (٦٩٢) كتاب الأذان : باب إمامة العبد والمولى]

(3) ﴿وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ [الأعراف : ۱۳۸] ''اور جو بھی وہ عمل کرتے تھے سب باطل ہے۔''
ان آیات سے معلوم ہوا کہ مشرک کا عمل قابل قبول نہیں۔ جب اس کی اپنی نماز باطل ہے تو لامحالہ مقتدیوں کی نماز کیسے درست ہو سکتی ہے۔

340- بدعتی و گنہگار کے پیچھے نماز

بدعت اگر کفر و شرک تک پہنچ جائے تو اس کا حکم مشرک کا ہی ہے لیکن اگر ایسا نہ ہو تو بدعتی یا کسی گنہگار شخص کو مستقل امام نہیں بنانا چاہیے البتہ اگر اس کے پیچھے کبھی بوقت ضرورت نماز پڑھنی پڑ جائے تو نماز درست ہو گی۔ اس کا حکم فاسق کا ہے اور اس کے پیچھے نماز صحیح ہے۔

(شوکانیؒ) انہوں نے اسی کو ترجیح دی ہے۔(۱)

341- تیمم کرنے والے کے پیچھے وضوء کرنے والی کی نماز

جائز و مباح ہے (کیونکہ تیمم کرنے والا بھی وضوء کرنے والے کے ہی حکم میں ہے)۔(۲)

342- مقیم کے پیچھے مسافر اور مسافر کے پیچھے مقیم کی نماز

جائز و درست ہے اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) اگر مسافر مقیم کے پیچھے نماز پڑھے گا تو مکمل پڑھے گا اور اگر اکیلا پڑھے گا تو قصر نماز پڑھے گا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ ''مسافر کی کیا حالت ہے جب وہ اکیلا ہوتا ہے تو دو رکعت نماز پڑھتا ہے اور جب کسی مقیم امام کی اقتدا میں ہوتا ہے تو چار رکعتیں پڑھتا ہے تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ﴿تلك السنة﴾ ''یہ سنت ہے۔''(۳)

(2) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں ہمیشہ دو رکعت نماز ادا کی حتی کہ واپس لوٹ جاتے..... مغرب کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت نماز پڑھتے تو فرماتے ﴿یا أهل مكة قوموا فصلوا ركعتين أخريين فإنا قوم سفر﴾ ''اے مکہ والو! کھڑے ہو جاؤ اور دوسری دو رکعتیں ادا کرو بلاشبہ ہم تو مسافر لوگ ہیں۔''(٤)

(3) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں آ کر دو رکعت نماز پڑھائی اور فرمایا ﴿یا أهل مكة أتموا صلاتكم فإنا قوم سفر﴾ ''اے مکہ والو! اپنی نماز پوری کرو بلاشبہ ہم تو مسافر لوگ ہیں۔''(٥)

343- بے وضو امام کے پیچھے نماز

اگر امام بے وضو تھا اور اس نے بھول کر نماز پڑھا دی پھر بعد میں علم ہوا تو امام اپنی نماز دہرائے گا اور مقتدیوں کی پہلی نماز

---

(۱) [السيل الجرار (۲٤٧/١) نيل الأوطار (٤٢٣/٢)]

(۲) [السيل الجرار (۲٥٣/١)]

(۳) [أحمد (۲١٦/١) بيهقى (۹۸/۲)]

(٤) [ضعيف : ضعيف أبو داود (۲٦٤) كتاب الصلاة : باب متى يتم المسافر ' المشكاة (١٣٤٢) ضعيف الجامع (٦٣٨٠) أبو داود (١٢٢٩) ترمذى (٥٤٥) أحمد (٤٣٠/٤) ابن خزيمة (٧٠/٣)]

(٥) [موطا (١٤٩/١) بيهقى (١٢٦/٢)]

ہی کفایت کر جائے گی۔

(1) ایک حدیث میں ہے کہ ﴿أن عمر صلى بالناس وهو جنب فأعاد ولم يأمرهم أن يعيدوا﴾ ”بلاشبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (بھول کر) حالت جنابت میں ہی لوگوں کو نماز پڑھا دی تو (بعد میں) انہوں نے دوبارہ نماز پڑھی لیکن لوگوں کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔“(۱)

(2) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کا عمل ثابت ہے۔(۲)

(3) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿يصلون لكم فإن أصابوا فلكم وإن أخطاوا فلكم وعليهم﴾ ”امام تمہیں نماز پڑھاتے ہیں اگر وہ ٹھیک نماز پڑھائیں تو اس کا ثواب تمہیں ملے گا' اور اگر وہ غلطی کریں تو بھی تمہیں ثواب ملے گا اور غلطی کا وبال ان پر ہوگا۔“(۳)

344- صف کے پیچھے اکیلے آدمی کی نماز

صف میں اکیلے آدمی کی نماز نہیں ہوگی البتہ اسے نماز شروع کر دینی چاہیے۔ اگر کوئی مل جائے تو ٹھیک ورنہ جتنی نماز اکیلے پڑھی ہے وہ دوبارہ پڑھ لے۔

(1) حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے آدمی کو دیکھا جو صف کے پیچھے تنہا کھڑا نماز پڑھ رہا تھا ﴿فأمره أن يعيد الصلاة﴾ ”تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا۔“(۴)

(2) حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿لا صلاة لمنفرد خلف الصف﴾ ”صف کے پیچھے اکیلے آدمی کی نماز نہیں ہوتی۔“(۵)

فقہاء نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے۔

(احمدؒ) صف کے پیچھے اکیلے آدمی کی نماز نہیں ہوگی۔

(شافعیؒ، مالکؒ، ابوحنیفہؒ) اگر وہ اکیلا ہے تو اسے اکیلے ہی پڑھ لینی چاہیے اور یہ نماز کافی ہو جائے گی۔(۶)

(بیہقیؒ) گزشتہ حدیث کی وجہ سے (اکیلے صف کے پیچھے نماز پڑھنے سے) اجتناب ہی بہتر ہے۔(۷)

---

(۱) [موطا (۴۹/۱) عبدالرزاق (۳۴۷/۲) ابن أبي شيبة (۳۹۷/۱) نيل الأوطار (۴۳۶/۲)]

(۲) [دارقطنی (۳۶۴/۱)]

(۳) [بخاری (۶۹۴) كتاب الأذان : باب إذا لم يتم الإمام وأتم من خلفه ' أحمد (۳۵۵/۲) شرح السنة (۸۴۰) بیهقی (۳۹۷/۲)]

(۴) [**صحيح** : صحیح أبو داود (۶۳۳) كتاب الصلاة : باب الرجل يصلي وحده خلف الصف ' ترمذی (۲۳۱) شرح معانی الآثار (۳۹۳/۱) بیهقی (۱۰۴/۳)]

(۵) [**صحيح** : صحیح ابن ماجة (۸۲۲) كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها : باب صلاة الرجل خلف الصف وحده ' إرواء الغليل (۳۲۸/۲) ابن ماجة (۱۰۰۳) أحمد (۲۳/۴) شرح معانی الآثار (۳۹۴/۱) بیهقی (۱۰۵/۳) ابن أبي شيبة (۱۹۳/۲) ابن خزيمة (۱۵۶۹)]

(۶) [نيل الأوطار (۴۵۱/۲) المغنی (۶۴/۲) المجموع (۲۹۸/۴) معرفة السنن والآثار (۱۸۴/۴)]

(۷) [سبل السلام (۵۹۳/۲)]

(راجح) امام احمدؒ کا موقف راجح ہے کیونکہ گذشتہ صحیح احادیث سے یہی ثابت ہے۔

(ابن حزمؒ) جس نے صف کے پیچھے (اکیلے) نماز پڑھی اس کی نماز باطل ہے۔(۱)

(امیر صنعانیؒ) حدیث وابصہ کے متعلق رقمطراز ہیں کہ اس میں یہ ثبوت موجود ہے کہ صف کے پیچھے جس نے اکیلے نماز پڑھی اس کی نماز باطل ہے۔(۲)

○ طبرانی کی جس روایت میں ہے کہ اگلی صف سے نمازی کھینچ لینا چاہیے۔

(1) پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ ضعیف ہے۔(۳)

(2) وہ روایت اس کے بھی خلاف ہے ﴿أتموا الصف الأول﴾ ''پہلی صف مکمل کرو۔''(٤)

(3) اور یہ وعید بھی اس پر صادق آتی ہے ﴿من قطع صفا قطعه الله﴾ ''جس نے صف کو کاٹا اللہ تعالیٰ اسے تباہ و برباد کر دے۔''

(ابن تیمیہؒ، ابن بازؒ) اگلی صف سے کسی کو نہیں کھینچنا چاہیے کیونکہ جس روایت میں یہ مذکور ہے وہ ضعیف ہے۔(٥)

(البانیؒ) ضعیف حدیث کی وجہ سے کسی کو کھینچنا تو نہیں چاہیے البتہ وہ اکیلا ہی نماز پڑھ لے تو اس کی نماز صحیح ہے۔(٦)

345- دوران جماعت ملنے والا شخص......

دوران جماعت اگر کوئی شخص آئے تو اسے چاہیے کہ جس حالت میں بھی امام کو دیکھے اس میں نماز شروع کر دے' پیچھے کھڑا رہنا اور فضول باتوں میں وقت ضائع کرنا درست نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا أتى أحدكم الصلاة والإمام على حال فليصنع كما يصنع الإمام﴾ ''جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنے کے لیے آئے تو امام کو جس حالت میں پائے اس میں امام کے ساتھ شامل ہو جائے۔''(۷)

(۱) [المحلى بالآثار (۳۷۲/۲)]

(۲) [سبل السلام (۵۹۳/۲)]

(۳) [الضعيفة (۹۲۲)]

(٤) [أبو داود (٦٧١)]

(٥) [التعليق على سبل السلام للشيخ عبدالله بسام (٥٩٥/۲)]

(٦) [الضعيفة (۹۲۲)]

(۷) [صحيح : الصحيحة (۱۱۸۸) ترمذی (٥٩١) كتاب الجمعة : باب ما ذكر في الرجل يدرك الإمام وهو ساجد كيف يصنع]

باب سجود السهو ❶ سجدہ سہو کا بیان

هُوَ سَجْدَتَانِ قَبْلَ التَّسْلِيمِ أَوْ بَعْدَهُ	(سجود السہو) سلام پھیرنے سے پہلے یا بعد میں دو سجدے ہیں۔ ❷

❶ **لغوی وضاحت:** لفظ "سہو" مصدر ہے باب سَهَا يَسْهُوْ (نصر) سے اور اس کا معنی "بھول جانا' کسی چیز سے غافل ہو جانا' یا دل کا دوسری طرف متوجہ ہو جانا" مستعمل ہے۔(۱)

(ابن حجرؒ) سہو کسی چیز سے غفلت اور دل کے کسی اور طرف متوجہ ہو جانے کو کہتے ہیں اور بعض لوگوں نے سہو اور نسیان میں فرق کیا ہے جو کہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔(۲)

(علامہ عینیؒ) ان دونوں میں دقیق فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ سہو میں انسان کا بالکل شعور ختم ہو جاتا ہے اور نسیان میں کچھ شعور باقی بھی ہوتا ہے۔(۳)

اصطلاحی تعریف: سجود السہو ان دو سجدوں کو کہتے ہیں جو نماز میں بھول کر کمی بیشی کر دینے کی صورت میں کیے جاتے ہیں۔

مشروعیت: چونکہ نبی ﷺ ایک انسان تھے اور بحیثیت انسان وہ بھی بعض اوقات دوران نماز بھول جاتے تھے جیسا کہ آپ ﷺ نے خود فرمایا ﴿إنما أنا بشر أنسى كما تنسون فإن نسيت فذكروني﴾ "بے شک میں ایک انسان ہوں' میں بھی بھول جاتا ہوں جیسا کہ تم بھولتے ہو اس لیے اگر میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دہانی کرا دیا کرو۔"(٤)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سہو و نسیان کی وجہ سے نماز میں واقع ہو جانے والے نقص کی تکمیل کے لیے ان سجدوں کو مشروع کیا جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول و فعل کے ذریعے امت تک پہنچایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿لكل سهو سجدتان﴾ "ہر سہو کے لیے دو سجدے ہیں۔"(٥)

علاوہ ازیں جس روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿إنما أنسى أو أُنسى لأسن﴾ "بے شک میں عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے بھول جاتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں۔" اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔(٦)

سہو کے سجدوں کا حکم: اس مسئلے میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔

(احناف) یہ سجدے واجب ہیں۔

(شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ) مسنون و مستحب ہیں۔(۷)

(ابن حزمؒ) دوران نماز ہر کمی بیشی میں یہ سجدے واجب ہیں۔(۸)

---

(۱) [القاموس المحيط (ص/١١٦٨) المنجد (ص/٤٠١)]
(۲) [فتح الباري (١١/٣)]
(۳) [عمدة القاري (٣٣٢/٦)]
(٤) [بخاري (٤٠١) مسلم (٥٧٢)]
(٥) [حسن : إرواء الغليل (٤٧/٢) ابن ماجة (١٢١٩) كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها : باب ما جاء فيمن سجدهما بعد الإمام]
(٦) [الضعيفة (١٠١) شرح الزرقاني على الموطا (٢٠٥/١)]
(٧) [المغني (٤٣٠/٢) فتح القدير (٣٥٥/١) بدائع الصنائع (١٦٣/١) اللباب (٩٥/١) الشرح الصغير (٣٧٧/١)]
(٨) [المحلى بالآثار (٧٧/٣)]

واجب کہنے والوں نے اُن احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں آپ ﷺ سے ان سجدوں کا حکم مروی ہے مثلاً:

(1) ﴿إذا شك ...... وليسجد سجدتين﴾ ”جب کسی کو شک ہو جائے ...... اسے چاہیے کہ دو سجدے کرے۔“ (۱)

(2) ﴿إذا زاد الرجل أو نقص فليسجد سجدتين﴾ ”جب آدمی (نماز میں) کوئی زیادتی یا کمی کر دے تو اسے چاہیے کہ دو سجدے کر لے۔“ (۲)

❷ سلام سے پہلے یا بعد میں دونوں طرح اس لیے جائز ہے کیونکہ نبی ﷺ سے دونوں طرح ثابت ہے البتہ اس میں افضل واولیٰ یہی ہے کہ (سہو کے) سجدوں کے جو اسباب سلام سے پہلے (کسی فعل) کے ساتھ مقید ہوں ان میں سلام سے پہلے سجدے کیے جائیں اور جو سلام کے بعد کے ساتھ مقید ہوں ان میں اس کے بعد سجدے کیے جائیں اور جن اسباب کی ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ بھی قید نہ ہو ان میں قطع نظر زیادتی اور نقصان کے فرق سے انسان کو سلام سے پہلے اور بعد میں سجدے کرنے کا اختیار ہے۔ (۳)

جن احادیث میں سلام سے پہلے سجدوں کا ذکر ہے وہ درج ذیل ہیں:

(1) حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿إذا شك أحدكم في صلاته فلم يدر كم صلّى ثلاثا أم أربعا فليطرح الشك وليبن على ما استيقن ثم ليسجد سجدتين قبل أن يسلم فإن كان صلى خمسا شفعن له صلاته وإن كان صلى تماما كانتا ترغيما للشيطان﴾ ”تم میں سے جب کسی کو شک ہو جائے کہ اس نے کتنی رکعتیں ادا کی ہیں تین یا چار؟ تو ایسی صورت میں شک کو نظر انداز کر کے جس پر یقین ہو اس پر نماز کی بنیاد رکھے۔ پھر سلام پھیرنے سے پہلے سہو کے دو سجدے کرے پس اگر تو اس نے پانچ رکعتیں پڑھی ہوں گی تو یہ دو سجدے اسے چھٹی رکعت کے قائم مقام ہو کر (طاق رکعات کو جفت یعنی) چھ بنا دیں گے اور اگر وہ پہلے ہی پوری نماز پڑھ چکا ہو تو یہ دو سجدے شیطان کے لیے باعث ذلت و رسوائی ہوں گے۔“ (٤)

(2) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿إذا شك أحدكم في صلاته فلم يدر واحدة صلى أم ثنتين فليجعلها واحدة وإذا لم يدر ثنتين صلى أم ثلاثا فليجعلها ثنتين وإذا لم يدر أثلاثا صلى أم أربعا فليجعلها ثلاثا ثم ليسجد إذا فرغ من صلاته وهو جالس قبل أن يسلم سجدتين﴾ ”جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک ہو جائے اور اسے علم نہ ہو کہ اس نے ایک رکعت پڑھی ہے یا دو تو وہ اپنی نماز کو ایک رکعت ہی بنا لے اور اگر اسے یہ علم نہ ہو کہ اس نے دو رکعتیں نماز پڑھی ہے یا تین تو وہ اپنی نماز کو دو رکعت ہی بنا لے اور اگر اسے یہ علم نہ ہو کہ اس نے تین پڑھی ہیں یا چار تو وہ اسے تین رکعت بنا لے۔ پھر جب وہ اپنی نماز سے فارغ ہو تو سلام پھیرنے سے پہلے بیٹھے ہوئے ہی (سہو کے) دو سجدے کر لے۔“ (٥)

(3) حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں دو رکعت نماز پڑھا کر (درمیانے تشہد کے لیے)

---

(۱) [بخاری (٤٠١)]

(۲) [مسلم (٨٩٥) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب السهو في الصلاة والسجود له]

(۳) [نيل الأوطار (٣٥٢/٢)]

(٤) [مسلم (٥٧١) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب السهو في الصلاة والسجود له ' أبو داود (١٠٢٤) ابن ماجة (١٢١٠) أحمد (٨٣/٣) دارقطني (٣٧١/١) بيهقي (٣٣١/٢) ابن أبي شيبة (١٧٥/١)]

(٥) [حسن : الصحيحة (٣٤١/٣)'(١٣٥٦) ترمذي (٣٩٨) أحمد (١٩٠/١) ابن ماجة (١٢٠٩) حاكم (٣٢٤/١)]

بیٹھے بغیر ہی کھڑے ہو گئے' لوگ بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہی کھڑے ہو گئے جب آپ ﷺ اپنی نماز پوری کرنے کے قریب تھے تو ہم آپ ﷺ کی سلام کا انتظار کرنے لگے کہ ﴿كبر قبل التسليم فسجد سجدتين وهو جالس ثم سلم﴾ "آپ ﷺ نے سلام پھیرنے سے پہلے تکبیر کہی اور بیٹھے ہوئے ہی دو سجدے کیے پھر آپ ﷺ نے سلام پھیرا۔" (١)

جن احادیث میں سلام کے بعد سجدوں کا ذکر ہے وہ درج ذیل ہیں:

(1) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز عصر پڑھائی اور تین رکعتوں کے بعد سلام پھیر دیا پھر اپنے گھر میں داخل ہو گئے ...... (اس حدیث میں ہے کہ) ﴿فصلى ركعة ثم سلم ثم سجد سجدتين ثم سلم﴾ "آپ ﷺ نے ایک رکعت پڑھی پھر سلام پھیر دیا پھر دو سجدے کیے اور پھر سلام پھیر دیا۔" (٢)

(2) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے نماز ظہر کی پانچ رکعتیں پڑھا دیں تو آپ ﷺ سے کسی نے کہا کہ کیا نماز میں زیادتی کر دی گئی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں' لیکن بات کیا ہے" تو لوگوں نے کہا کہ آپ نے پانچ رکعتیں پڑھائی ہیں ﴿فسجد سجدتين بعد ما سلم﴾ "تو آپ ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے کر لیے۔" (٣)

(3) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿وإذا شك أحدكم في صلاته فليتحر الصواب فليتم عليه ثم ليسلم ثم ليسجد سجدتين﴾ "اور جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک ہو جائے تو وہ درستگی کی کوشش کرتے ہوئے نماز مکمل کرلے پھر سلام پھیر دے اور پھر (آخر میں) دو سجدے کرے۔" (٤)

(4) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ذوالیدین میں ہے کہ آپ ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد سجدے کیے جیسا کہ اس میں یہ لفظ ہیں کہ ﴿فصلى ماترك ثم سلم ثم كبر و سجد﴾ "آپ ﷺ نے متروکہ نماز پڑھی' پھر سلام پھیر دیا' پھر تکبیر کہی اور سجدے کیے۔" (٥)

(5) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿لكل سهو سجدتان بعد ما يسلم﴾ "ہر سہو کے لیے سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے ہیں۔" (٦)

اس مسئلے میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے۔

(احناف) ہر قسم کا سجدہ سہو سلام کے بعد کیا جائے گا۔ امام نخعیؒ، امام ثوریؒ، امام حسنؒ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ وغیرہ اسی کے

---

(١) [بخاري (١٢٢٤) كتاب السهو: باب ما جاء في السهو إذا قام من ركعتي الفريضة ' مسلم (٥٧٠) أبو داود (١٠٣٤) ترمذي (٣٨٩) نسائي (١٩/٣) ابن ماجة (١٢٠٦) موطا (٩٦/١) ابن أبي شيبة (١٧٩/١) دارمي (٣٥٣/١) بيهقي (١٣٤/٢)]

(٢) [مسلم (٥٧٤) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب السهو في الصلاة والسجود له ' أبو داود (١٠١٨) نسائي (٢٦/٣)]

(٣) [بخاري (١٢٢٦) كتاب السهو: باب إذا صلى خمسا ' مسلم (٩١) ترمذي (٣٩٢) أبو داود (١٠١٩) نسائي (٣١/٣) ابن ماجة (١٢٠٥) بيهقي (٣٤١/٢)]

(٤) [بخاري (٤٠١) كتاب الصلاة : باب التوجه نحو القبلة حيث كان ' مسلم (٥٧٢)]

(٥) [بخاري (٤٨٢) كتاب الصلاة : باب تشبيك الأصابع في المسجد وغيره ' مسلم (٥٧٣) موطا (٩٣/١) أبو داود (١٠٠٨) ترمذي (٣٩٩) نسائي (٢٢/٣) ابن ماجة (١٢١٤) دارمي (٣٥١/١) أحمد (٢٣٤/٢)]

(٦) [حسن : صحيح أبو داود (٩١٧) أبو داود (١٠٣٨)]

قائل ہیں۔

(شافعیؒ) تمام سجدے سلام سے پہلے کیے جائیں گے۔ امام مکحولؒ، امام زہریؒ، امام اوزاعیؒ اور امام لیثؒ وغیرہ بھی یہی موقف رکھتے ہیں۔

(مالکؒ) نماز میں زیادتی کی صورت میں سلام کے بعد اور کمی کی صورت میں سلام سے پہلے سجدے کیے جائیں۔ امام ابوثورؒ، امام مزنیؒ اور ایک قول کے مطابق امام شافعیؒ کا بھی یہی موقف ہے۔

(احمدؒ) سجدہ سہو کے متعلق تمام احادیث میں جو کچھ وارد ہے اسی پر عمل کیا جائے اور جس صورت کے متعلق کوئی حدیث نہیں اس میں سلام سے پہلے سجدے کیے جائیں۔

(اہل ظاہر، ابن حزمؒ) دو صورتوں کے علاوہ تمام صورتوں میں سلام کے بعد یہ سجدے کیے جائیں گے:

① جب انسان دو رکعتوں کے بعد تشہد کے لیے بیٹھنے کے بغیر کھڑا ہو جائے۔

② جب انسان کو شک ہو جائے کہ اس نے تین رکعتیں ادا کی ہیں یا چار۔

بعض حضرات کے نزدیک بھولنے والے کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو سلام پھیرنے سے پہلے سجدے کرے اور چاہے تو بعد میں کرے۔(۱)

(ابن حجرؒ) انہوں نے امام احمدؒ کے قول کو تمام مذاہب میں سے زیادہ مبنی برانصاف قرار دیا ہے۔(۲)

(نوویؒ) امام مالکؒ کا مذہب سب سے زیادہ قوی ہے' اس کے بعد مذہب شافعی ہے۔(۳)

(راجح) پہلے اور بعد میں دونوں طرح جائز ہے البتہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ احادیث میں جو طریقہ جس سہو کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اس پر عمل کیا جائے۔

(شوکانیؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(٤)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٥)

(صدیق حسن خانؒ) سلام سے پہلے اور بعد میں دونوں طرح جائز ہے۔(٦)

وَبِاِحْرَامٍ وَ تَشَهُّدٍ وَ تَحْلِيلٍ	تکبیر تحریمہ' تشہد اور سلام کے ساتھ۔ ❶

❶ جیسا کہ حدیث ذوالیدین میں ہے کہ ﴿ثم كبر وسجد...... ثم سلم﴾ ''پھر آپ ﷺ نے تکبیر کہی اور سجدے

(۱) [نيل الأوطار (۳۰۰/۲) بدائع الصنائع (۱۷۲/۱) رد المحتار (٥٤٠/۲) الهداية (۷٤/۱) المغنى (٤١٥/۲) الأم (۲٤٦/۱) الكافى لابن عبدالبر (ص/٥٦-٥٧) بداية المجتهد (۱٥٠/۱) ابن أبى شيبة (۳۸٦/۱) عبدالرزاق (۳۰۰/۲) شرح مسلم للنووى (٦٩/۳)]

(۲) [فتح البارى (۱۱٤/۳)]

(۳) [شرح مسلم (۷۰/۳)]

(٤) [نيل الأوطار (۳٥۲/۲)]

(٥) [تحفة الأحوذى (٤۲۳/۲)]

(٦) [الروضة الندية (۳۲۷/۱)]

کیے......پھر سلام پھیر دیا۔'' (۱)

علاوہ ازیں یاد رہے کہ کسی صحیح روایت میں تشہد کا ذکر نہیں ہے اور جن روایات میں یہ ذکر ہے وہ قابل حجت نہیں۔ جیسا کہ ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن النبي ﷺ صلى بهم فسها فسجد سجدتين ثم تشهد ثم سلم﴾ ''نبی ﷺ نے انہیں نماز پڑھائی تو آپ ﷺ بھول گئے لہذا آپ ﷺ نے دو سجدے کیے' پھر تشہد پڑھا' اور پھر سلام پھیر دیا۔'' (۲)

(2) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن النبي ﷺ تشهد بعد أن رفع رأسه من سجدتي السهو﴾ ''نبی ﷺ نے سہو کے دو سجدوں سے سر اٹھانے کے بعد تشہد پڑھا۔'' (۳)

(3) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿ثم تشهدت أيضا ثم تسلم﴾ ''پھر تم اس طرح تشہد پڑھو اور پھر سلام پھیرو۔'' (٤)

(4) معجم طبرانی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿تشهدی وانصرفی ثم اسجدی ...... ثم تشهدی﴾ ''تو تشہد پڑھ اور سلام پھیر دے پھر سہو کے سجدے کر...... پھر تشہد پڑھ۔'' (٥)

(نوویؒ) ہمارے مذہب میں صحیح بات یہی ہے کہ ایسا شخص صرف سلام پھیرے گا تشہد نہیں پڑھے گا۔ (٦)

(ابن حزمؒ) سہو کے دونوں سجدوں میں سے ہر ایک کے لیے تکبیر کہنا اور ان کے بعد تشہد پڑھنا پھر سلام پھیر دینا افضل ہے لیکن اگر ان افعال کے علاوہ صرف دو سجدوں پر ہی اکتفاء کرلے تو کفایت کر جائے گا۔ (۷)

وَيُشْرَعُ لِتَرْكِ مَسْنُوْنٍ	کسی مسنون فعل کو (بھول کر) چھوڑنے کی وجہ سے (سجدہ سہو) مشروع کیا گیا ہے۔ ❶

❶ (1) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿لكل سهو سجدتان﴾ ''ہر سہو کے لیے دو سجدے ہیں۔'' (۸)

---

(۱) [بخاری (٤٨٢) کتاب الصلاة : باب تشبيك الأصابع في المسجد وغيره ' مسلم (٥٧٣)]

(۲) [شاذ : ضعيف أبو داود (۲۲۷) كتاب الصلاة : باب سجدتي السهو فيهما تشهد وتسليم ' ضعيف ترمذی (٦٢) إرواء الغليل (٤٠٣) أبو داود (۱۰۳۹) ترمذی (۳۹۳) بیهقی (۳٥٤/۲) ابن خزيمة (۱۰٦۲) ابن حبان (٥٣٦)] شیخ محمد صبحی حلاق نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [التعليق على الروضة (۳۳۱/۱)]

(۳) **ضعیف** : [التعليق على الروضة الندية للحلاق (۳۳۱/۱) بیهقی (۳٥٥/۲)]

(٤) **ضعیف** : [ضعيف أبو داود (۲۲۰) كتاب الصلاة : باب من قال يتم على أكثر ظنه ' ضعيف الجامع (٦٨٤) أحمد (٤٢٨/١) أبو داود (۱۰۲۸) نسائی (۱۰/۲۱)] حافظ ابن حجرؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [فتح الباری (٤٣٠/٣)]

(٥) **ضعیف** : اس کی سند میں موسیٰ بن مطیر عن أبیہ ضعیف ہے۔ [نيل الأوطار (٣٦٥/٢)]

(٦) [شرح مسلم (۷۱/۳)]

(۷) [المحلى بالآثار (۸۲/۳)]

(۸) **حسن** : [إرواء الغليل (٤٧١٢) صحیح أبو داود (۹۱۷) ابن ماجة (۱۲۱۹) كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها : باب ما جاء فيمن سجدها بعد السلام ' أبو داود (۱۰۳۸) أحمد (۲۸۰/٥)]

مسنون فعل کے علاوہ کسی فرض کو چھوڑ دینے میں یہ سجدہ بالاولی ضروری ہے اور آپ ﷺ سے بھی ثابت ہے۔

(1) حضرت ابن بحینہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے درمیانہ تشہد چھوڑ دیا تو آخر میں دو سجدے کر لیے۔(۱)

(2) حدیث ذوالیدین میں ہے کہ آپ ﷺ دو رکعتیں پڑھنا بھول گئے تو آپ ﷺ نے انہیں ادا کرنے کے بعد سجدے کیے۔(۲)

(3) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے نماز عصر کی ایک رکعت بھول کر چھوڑ دی۔ پھر وہ رکعت پڑھی اور سجدے کیے۔(۳)

(4) چونکہ یہ سجدے شیطان کے لیے ذلت و رسوائی کا باعث ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ﴿کانتا ترغیما للشیطان﴾ (٤) اس لیے اگر ہر مسنون فعل چھوڑ دینے پر بھی یہ سجدے کر لیے جائیں تو بہتر ہے۔

وَلِلزِّيَادَةِ وَلَوْ رَكْعَةً سَهْوًا	اور بھول کر زیادتی کی وجہ سے خواہ ایک رکعت ہی زیادہ پڑھ لی جائے۔ ❶

❶ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ ﴿صلی الظهر خمسا﴾ ''آپ ﷺ نے نماز ظہر کی (بھول کر) پانچ رکعتیں پڑھ لیں'' لیکن جب اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے سجدے کر لیے۔(٥)

(جمہور) جس شخص نے بھول کر پانچ رکعتیں ادا کر لیں اور چوتھی میں نہ بیٹھا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

(ابو حنیفہؒ، سفیان ثوریؒ) اگر چوتھی رکعت میں نہ بیٹھا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور مزید امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر چوتھی رکعت میں بیٹھ گیا پھر پانچویں پڑھی تو ایک اور رکعت اس کے ساتھ ملا لے یہ دو رکعتیں اس کے لیے نفل بن جائیں گی۔(٦)

وَلِلشَّكِّ فِي الْعَدَدِ	رکعتوں کی تعداد میں شک کی وجہ سے۔ ❶

❶ جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ ﴿إذا شك أحدكم...... فليطرح الشك وليبن على ما استيقن ثم ليسجد سجدتين﴾ ''جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو جائے......تو وہ شک کو نظر انداز کر کے جس پر یقین ہو اس پر نماز کی بنا رکھے پھر دو سجدے کر لے۔''(۷)

(جمہور، مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ) جب نمازی کو رکعتوں کی تعداد میں شک پڑ جائے تو اسے کم تعداد پر ہی نماز کی بنیاد رکھنی چاہیے کیونکہ اس میں یقین کا امکان ہے۔

(ابو حنیفہؒ) ایسے شخص کو انتہائی سوچ بچار کرنی چاہیے اگر گمان غالب کسی طرف ہو تو اس پر عمل کرے ورنہ اگر دونوں اطراف

(۱) [بخاری (١٢٢٤) كتاب الجمعة : باب ما جاء في السهو...... ، مسلم (٥٧٠)]
(۲) [بخاری (١٢٢٩) كتاب الجمعة : باب من يكبر في سجدتي السهو]
(۳) [مسلم (٥٧٤) كتاب المساجد و مواضع الصلاة : باب السهو في الصلاة......]
(٤) [مسلم (٥٧١) أيضا]
(٥) [بخاری (١٢٢٦) كتاب الجمعة : باب إذا صلى خمسا ، مسلم (٩١)]
(٦) [المجموع (٧٤/٤) المبسوط (٢٢٧/١) المغني (٤٢٨/٢) شرح فتح القدير (٤٤٧/١) الكافي لابن عبدالبر (ص/٥٧) الاستذكار (٣٦٣/٤)]
(۷) [مسلم (٥٧١) كتاب المساجد و مواضع الصلاة : باب السهو في الصلاة...... ، أبو داود (١٠٢٤)]

مساوی ہوں تو کم پر بنیاد رکھے۔(۱)

اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا﴿إذا شك أحدكم فقام في الركعتين فاستتم قائما فليمض ولا يعود وليسجد سجدتين فإن لم يستتم قائما فليجلس ولا سهو عليه﴾ "جب تم میں سے کسی کو شک ہو جائے اور وہ دو رکعتوں میں سیدھا کھڑا نہ ہوا ہو (اور اسے یاد آ جائے) تو وہ بیٹھ جائے اس صورت میں اس پر سہو کے سجدے نہیں ہیں۔"(۲)

وَإِذَا سَجَدَ الْإِمَامُ تَابَعَهُ الْمُؤْتَمُّ	اور جب امام سجدہ سہو کرے تو مقتدی بھی اسی کی پیروی کرے۔ ❶

❶ (1) حدیث نبوی ہے کہ ﴿إنما جعل الإمام ليؤتم به﴾ "امام اسی لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے۔"(۳)

(2) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سجدہ کیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت ابن بحسینہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سہو کے سجدے کیے تو ﴿وسجدهما الناس معه﴾ "آپ کے ساتھ لوگوں نے بھی یہ سجدے کیے۔"(٤)

(شوکانیؒ) (اس سے معلوم ہوا کہ) مقتدی بھی امام کے ساتھ سہو کے سجدے کرے گا۔(٥)

(ابن حزمؒ) امام کے ساتھ سجدہ سہو کرنا مقتدیوں پر فرض ہے اِلا کہ کسی کی کوئی رکعت رہ گئی ہو۔(٦)

○ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی جس روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا﴿إن الإمام يكفي من ورآئه فإن سها الإمام فعليه سجدتا السهو وعلى من ورآءه أن يسجدوا معه وإن سها أحد ممن خلفه فليس عليه أن يسجد والإمام يكفيه﴾ "بلاشبہ امام مقتدیوں سے کفایت کر جاتا ہے وہ اس طرح کہ اگر امام بھول جائے تو اس پر سہو کے دو سجدے کرنا لازم ہے اور اس کے مقتدیوں پر بھی لازم ہے کہ وہ اس کے ساتھ سجدے کریں اور اگر مقتدیوں میں سے کوئی بھول جائے تو اس پر سجدے کرنا لازم نہیں ہے' امام اسے کفایت کر جائے گا۔" وہ ضعیف و ناقابل حجت ہے۔(۷)

یہی وجہ ہے کہ جب امام کے پیچھے کوئی مقتدی بھول جائے تو اس کے سجدہ سہو میں اختلاف ہے۔

---

(۱) [الأم (۲٤٤/۱) بدائع الصنائع (۱٦٨/۱) المغني (٤٠٧/۲) الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف (٥١١/۲) رد المختار (٥٦٣/۲) الكافي لابن عبدالبر (ص/٥٦)]

(۲) [صحیح : صحیح أبو داود (۹۰۹) الصحيحة (۳۲۱) أحمد (۲٥۳/٤) أبو داود (۱۰۳٦) ابن ماجة (۱۲۰۸)] بعض حضرات نے اس حدیث کو جابر جعفی راوی کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔حافظ ابن حجرؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[بلوغ المرام (۲٦۷)] شیخ حازم علی قاضیؒ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔[التعليق على سبل السلام (٤٧٧/۱)]

(۳) [بخاری (۷۲۲) مسلم (٤١٤) أبو داود (٦٠۳) ابن ماجة (٨٤٦) نسائی (۱۹٦/۲) أحمد (۳۱٤/۲)]

(٤) [صحیح : صحيح ترمذي (۳۲۰) كتاب الصلاة : باب ما جاء في سجدتي السهو قبل التسليم ' ترمذي (۳۹۱) بخاري (۸۲۹) مسلم (٥٧٠) أبو داود (۱۰۳٤) نسائی (۳٤/۳) ابن ماجة (۱۲۰٦'۱۲۰۷) مؤطا (۹٦/۱)]

(٥) [نيل الأوطار (۳٦٢/۲)]

(٦) [المحلى بالآثار (٨٠/۳)]

(۷) [ضعيف : بيهقي (۳٥۲/۲) دارقطني (۳۷٦/۱)] اس کی سند میں خارجہ بن مصعب اور حکم بن عبید اللہ ضعیف ہیں اور ابو الحسین المدائنی مجہول ہے۔[نيل الأوطار (۳٦۳/۲)]

(شافعیہ، حنفیہ) مقتدی امام کے سہو کے لیے تو سجدہ کرے گا لیکن اپنے سہو کے لیے سجدہ نہیں کرے گا۔

(ابن حزمؒ) جب سہو مقتدی سے ہو اور امام سے نہ ہو تو مقتدی پر سجدہ سہو کرنا فرض ہے جیسا کہ اگر وہ تنہا ہوتا' یا امام ہوتا' اسے سجدہ سہو کرنا پڑتا...... اس کی دلیل جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے کہ جس شخص سے نماز میں کوئی بھول چوک ہو جائے تو آپ ﷺ نے اسے سجدہ سہو کرنے کا حکم دیا ہے ﴿فمن زاد أو نقص فليسجد سجدتين﴾ اس کے لیے آپ ﷺ نے امام یا مقتدی کی کوئی تخصیص نہیں کی لہٰذا تخصیص جائز نہیں ہو گی۔(۱)

(شوکانیؒ) دلائل کے عموم کی وجہ سے مقتدی پر (اپنے سہو کے لیے) سجدے کرنا واجب ہے۔(۲)

(راجح) امام ابن حزمؒ کا موقف ہی حدیث کے زیادہ قریب ہے۔(واللہ اعلم)

متفرقات

346- اگر سہو زیادہ ہو جائیں تو کیا سجدے بھی زیادہ ہوں گے؟

سہو زیادہ ہونے پر سجدے زیادہ نہیں ہوں گے کیونکہ اگرچہ ہر نمازی سے اس کا امکان تو موجود ہے لیکن نہ تو نبی ﷺ سے یہ عمل ثابت ہے اور نہ ہی کسی ایک صحابی سے منقول ہے کہ انہوں نے سہو کے تکرار کی وجہ سے بار بار سجدے کیے ہوں جیسا کہ امام شوکانیؒ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔(۳)

347- سجدہ سہو کے اذکار

نبی ﷺ سے سجدہ سہو کے دوران کوئی خاص دعا و ذکر ثابت نہیں۔

(۱) [المحلی بالآثار (۱۸۱/۳)]

(۲) [السیل الجرار (۲۸۵/۱)]

(۳) [السیل الجرار (۲۸۵/۱)]

سجدہ تلاوت کے مسائل

348- مشروعیت

سجدہ تلاوت کی مشروعیت پر اجماع ہے۔(۱)

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ﴾ [الإنشقاق : ۲۱] ''اور جب ان (یعنی کفار) کے پاس قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ سجدہ نہیں کرتے۔''

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سورہ'' إذا السماء انشقت'' اور سورہ'' اقراء باسم ربک'' میں سجدہ کیا۔''(۲)

349- سجدہ تلاوت کا حکم

فقہاء نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے۔

(جمہور) سجدہ تلاوت سنت ہے۔

(ابوحنیفہؒ) یہ سجدہ واجب ہے (ان کی دلیل موقوف حدیث ہے ﴿السجدة على من سمعها وعلى من تلاها﴾ ''جس نے سجدے کی آیت سنی اور جس نے تلاوت کی دونوں پر سجدہ لازم ہے۔'')(۳)

عدم وجوب کے قائل حضرات کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿قرأت على النبي ﷺ "والنجم" فلم يسجد فيها﴾ ''میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سورہ نجم کی تلاوت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں کوئی سجدہ نہیں کیا۔''(٤)

معلوم ہوا کہ سجدہ تلاوت فرض نہیں ہے کیونکہ اگر یہ سجدہ فرض یا واجب ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے کبھی نہ چھوڑتے۔

(2) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أنه قرأ على المنبر يوم الجمعة سورة النحل حتى جآء السجدة فنزل وسجد وسجد الناس حتى إذا كانت الجمعة القابلة قرأ بها حتى إذا جآء السجدة قال: "أيها الناس إنا لم نؤمر بالسجود فمن سجد فقد أصاب ومن لم يسجد فلا إثم عليه﴾ ''انہوں نے جمعہ کے دن منبر پر سورہ نحل کی تلاوت کی حتی کہ سجدہ کی آیت آئی تو نیچے اترے اور سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی سجدہ کیا۔ پھر جب اگلا جمعہ آیا تو انہوں نے دوبارہ وہی سورت تلاوت کی حتی کہ جب سجدے کی آیت آئی تو کہا ''اے لوگو! یقیناً ہمیں ان سجدوں کا حکم نہیں دیا گیا لہٰذا جو شخص یہ سجدہ

---

(۱) [سبل السلام (٤٨١/١) نيل الأوطار (٣٣٠/٢)]

(۲) [مسلم (٥٧٨) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب سجود التلاوة]

(۳) [نصب الراية (١٧٨/٢) المغني (٣٦٤/٢) الأم (٢٥٢/١) الهداية (٧٨/١) روضة الطالبين (٤٢٢/١) الدر المختار (٧١٥/١) اللباب (١٠٣/١) الشرح الصغير (٤١٦/١) القوانين الفقهية (ص/٩٠) مغني المحتاج (٢١٤/١) الفقه الإسلامي وأدلته (١١٢٧/٢) سبل السلام (٤٨١/١) بداية المجتهد (١٧٤/١) الكافي (ص/٧٧)]

(٤) [بخاري (١٠٧٢) كتاب الجمعة : باب من قرأ السجدة ولم يسجد ' مسلم (٥٧٧) أبو داود (١٤٠٤) ترمذي (٥٧٣) نسائي (١٦٠/٢) دارقطني (٤١٠/١)]

کرے گا اسے اجر وثواب ملے گا اور جو یہ سجدے نہیں کرے گا اس پر کوئی گناہ نہیں۔''(۱)

یہ واقعہ جمعہ کے دن صحابہ کی ایک جماعت کے سامنے پیش آیا اور کسی نے بھی اس پر اظہار تعجب نہیں کیا (اس لیے ثابت ہوا کہ اس مسئلہ پر صحابہ کا) اجماع ہے۔(۲)

(راجح) عدم وجوب کا قول راجح ہے۔

(ابن حجرؒ) سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے۔(۳)

(نوویؒ) یہ سجدہ ہمارے نزدیک اور جمہور کے نزدیک سنت ہے واجب نہیں۔(٤)

(ابن حزمؒ) قرآن کے سجدے فرض نہیں البتہ اگر کوئی کرلے تو افضل ہے۔(٥)

(شوکانیؒ) یہ سنت ثابت ہے۔(٦)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۷)

(ابن قدامہؒ) جس نے سجدہ تلاوت کیا اس نے اچھا کیا اور جس نے اسے چھوڑ دیا اس پر کوئی گناہ نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام اوزاعیؒ اور امام لیثؒ کا بھی یہی موقف ہے۔(۸)

(شیخ وھبہ زحیلیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۹)

(ابن بازؒ) تلاوت کرنے والے اور سننے والے پر سجدہ تلاوت سنت ہے فرض نہیں۔(۱۰)

معلوم ہوا کہ سجدہ تلاوت سنت ہے واجب نہیں لیکن یاد رہے کہ اس کا کرنا ہی افضل ہے کیونکہ ایک تو یہ سنت ہے اور دوسرا یہ کہ اس کی وجہ سے شیطان بھی روتا پیٹتا ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا قرأ ابن آدم السجدة فسجد اعتزل الشيطان يبكي يقول يا ويلي أمر ابن آدم بالسجود فسجد فله الجنة وأمرت بالسجود فأبيت فلي النار﴾ ''جب ابن آدم کسی سجدہ کی آیت کو تلاوت کرتا ہے اور پھر سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا اس سے علیحدہ ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ ہائے میری ہلاکت' کہ ابن آدم کو سجدے کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کرلیا لہٰذا اس کے لیے جنت

(۱) [بخاری (۱۰۷۷) کتاب الجمعة : باب من رأى أن الله عزو جل لم يوجب السجود' عبدالرزاق (٥٨٨٩) بیهقی (۳۲۱/۲) مؤطا (۲۰٦/۱) شرح معانی الآثار (۳٥٤/۲)]

(۲) [المغنی (۳٦٥/۲)]

(۳) [فتح الباری (۲٦۰/۳)]

(٤) [شرح مسلم (۳۸۸/۳)]

(٥) [المحلی بالآثار (۳۲۸/۳)]

(٦) [السیل الجرار (۲۸۷/۱)]

(۷) [تحفة الأحوذی (۲۰۹/۳)]

(۸) [المغنی لابن قدامة (۳٦٤/۲-۳٦٥)]

(۹) [الفقه الإسلامی وأدلته (۱۱۲۸/۲)]

(۱۰) [الفتاوی الإسلامية (۳٥۳/۱)]

ہے اور مجھے سجدے کا حکم دیا گیا تو میں نے انکار کر دیا لہذا میرے لیے آگ ہے۔''(۱)

واجب کہنے والوں کی دلیل اور اس کا جواب:

ان کی دلیل گذشتہ حدیث ہے کیونکہ اس میں یہ لفظ ہیں ﴿أمر ابن آدم بالسجود﴾ ''یعنی ابن آدم کو سجدے کا حکم دیا گیا۔'' تو اس کا کئی طرح سے جواب دیا گیا ہے جیسا کہ امام نوویؒ نے اسے نقل کیا ہے۔

(1) اس حدیث میں امر کا لفظ ابلیس کا کلام ہے جس میں کوئی حجت و دلیل نہیں۔

(2) اس سے مراد امرِ استحباب ہے نہ کہ امرِ وجوب۔

(3) اس سے مراد سجدے میں مشارکت ہے نہ کہ وجوب میں۔(۲)

350- سجود تلاوت کی تعداد

(1) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن رسول الله أقرأه خمس عشرة سجدة في القرآن منها ثلاث في المفصل وفي الحج سجدتان﴾ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قرآن میں پندرہ سجدے پڑھائے ان میں سے تین مفصل میں ہیں اور دو سورہ حج میں۔''(۳)

(2) حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ سجدے سکھائے۔''(٤)

(3) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! ﴿فضلت سورة الحج بأن فيها سجدتين؟ قال نعم ومن لم يسجدهما فلا يقرأهما﴾ ''کیا سورہ حج کو اس لیے فضیلت دی گئی ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں' اور جو یہ دونوں سجدے نہ کرے وہ انہیں مت پڑھے۔''(٥)

چونکہ یہ تمام روایات ضعیف ہیں اس لیے سجود تلاوت کی تعداد میں اختلاف ہے۔

(احمدؒ) سجود تلاوت پندرہ ہیں۔ (سورہ حج میں دو سجدے ہیں۔) امام لیثؒ، امام اسحاقؒ، امام ابن وھبؒ، امام ابن منذرؒ اور اہل علم کا ایک گروہ اسی کا قائل ہے۔

(ابوحنیفہؒ) سجود تلاوت کی تعداد چودہ ہے (یعنی یہ سورہ حج کے دوسرے سجدے کو تسلیم نہیں کرتے)۔

(شافعیؒ) قدیم قول کے مطابق گیارہ سجدوں (ص اور مفصل کے سجدوں کے علاوہ) اور جدید قول کے مطابق چودہ سجدوں

---

(۱) [مسلم (۱۱۵) كتاب الإيمان : باب إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة ' ابن ماجة (۱۰۵۲)]

(۲) [شرح مسلم (۱٤٦/۲)]

(۳) [ضعيف : ضعيف أبو داود (۳۰۱) كتاب الصلاة : باب ' المشكاة (۱۰۲۹) أبو داود (۱٤۰۱) ابن ماجة (۱۰۵۷) دارقطني (٤۰۸/۱) حاكم (۲۲۳/۱) بيهقي (۳۱٤/۲)]

(٤) [ضعيف : ضعيف أبو داود (۳۰۲) أيضا ' ضعيف ترمذي (۸۷) ضعيف ابن ماجة (۲۱٦) أبو داود (۱٤۰۱) امام ابوداودؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند کمزور ہے۔]

(٥) [ضعيف : ضعيف أبوداود (۳۰۳) ضعيف ترمذي (۸۹) كتاب الجمعة : باب ما جاء في السجدة في الحج ' المشكاة (۱۰۳۰) ترمذي (۵۷۸) أبو داود (۱٤۰۲) دارقطني (٤۰۸/۱)] اس کی سند میں ابن لھیعہ اور شرح بن ھاعان دونوں ضعیف ہیں۔ [نيل الأوطار (۳۲۹/۲) تحفة الأحوذي (۲۱۲/۳)]

(سورہ ص کے علاوہ) کے قائل ہیں۔(۱)

(ابن حزمؒ) چودہ سجدوں کے قائل ہیں (سورہ حج کے دوسرے سجدے کو تسلیم کرتے ہیں)۔(۲)

(راجح) کل پندرہ سجدے ہیں۔ سورہ حج کے دوسرے سجدے والی حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن اکثر و بیشتر امت کا اسی پر عمل ہے اور بعض صحابہ سے بھی اس پر عمل ثابت ہے جس سے اس کی مشروعیت واضح ہو جاتی ہے اور بقیہ تمام سجدے صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔

(البانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۳)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) راجح قول یہی ہے کہ سورہ حج میں دو سجدے ہیں۔(٤)

351- پندرہ سجدوں کے مقامات

(1) خاتمة الأعراف [۲۰٦]

(2) ﴿بالغدو والآصال﴾ [الرعد : ۱۵]

(3) ﴿ويفعلون ما يؤمرون﴾ [النحل : ۵۰]

(4) ﴿ويزيدهم خشوعا﴾ [الإسراء : ۱۰۹]

(5) ﴿خروا سجدا وبكيا﴾ [مريم : ۵۸]

(6) ﴿إن الله يفعل ما يشاء﴾ [الحج : ۱۸]

(7) ﴿وزادهم نفورا﴾ [الفرقان : ٦۰]

(8) ﴿رب العرش العظيم﴾ [النمل : ۲٦]

(9) ﴿وهم لا يستكبرون﴾ [السجدة : ۱۵]

(10) ﴿وخر راكعا وأناب﴾ [ص : ۲٤]

(11) ﴿وهم لا يسئمون﴾ [حم السجدة : ۳۸]

(12) خاتمة النجم [۱۹]

(15) سورہ حج کا دوسرا (مختلف فیہ) سجدہ [۷۷](۵)

(1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ نجم کا سجدہ کیا۔(٦)

(2) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿سجدنا مع النبي ﷺ في "إذا السماء انشقت" و "اقرأ باسم ربك"﴾ ہم نے نبی کے ساتھ "إذا السماء انشقت" اور "اقرأ باسم ربک" میں سجدہ کیا۔"(۷)

(3) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿ص ليست من عزائم السجود ولقد رأيت النبي ﷺ يسجد فيها﴾ "سورہ ص کا سجدہ لازم نہیں ہے لیکن میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سجدہ کیا کرتے تھے۔"(۸)

---

(۱) [المجموع (۵۵۷/۳) الحاوی (۲۰۲/۲) بدائع الصنائع (۱۹۳/۱) المبسوط (٦/۲) المغنی (۲۵٤/۲) تحفة الفقهاء (۳٦۹/۱) بداية المجتهد (۱۷٦/۱) نيل الأوطار (۳۲۸/۲) سبل السلام (٤۸۱/۱)]

(۲) [المحلى بالآثار (۳۲۲/۳)]

(۳) [تمام المنة (ص/۲۷۰)]

(٤) [تحفة الأحوذی (۲۱۳/۳)]

(۵) [نيل الأوطار (۳۲۹/۲) المحلى بالآثار (۳۲۳/۳)]

(٦) [بخاری (۱۰۷۱) كتاب الجمعة : باب سجود المسلمين مع المشركين ' ترمذی (۵۷۲) بيهقی (۳۱٤/۲)]

(۷) [مسلم (۵۷۸) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب سجود التلاوة ' أبو داود (۱٤۰۷) ترمذی (۵۷۰) ابن ماجة (۱۰۵۸)]

(۸) [بخاری (۱۰٦۹) كتاب الجمعة : باب سجدة ص ' أبو داود (۱٤۰۹) ترمذی (۵۷٤) نسائی (۱۵۹/۲) بيهقی (۳۱۸/۲)]

352- فرض نماز میں بھی سجدہ تلاوت مشروع ہے

جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن النبی ﷺ سجد (فی الصلاۃ) لما قرأ إذا السماء انشقت﴾ "نبی ﷺ نے (نماز میں) اس وقت سجدہ تلاوت کیا جب آپ ﷺ نے " إذا السماء انشقت " کی تلاوت فرمائی۔" (١)

(شوکانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٢)

353- نماز کے علاوہ بھی سجدہ تلاوت مشروع ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ﴿کان رسول اللہ یقرأ علینا السورۃ فیقرأ السجدۃ فیسجد ونسجد معه حتی ما یجد أحدنا مکانا لموضع جبھته﴾ "رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس سورت تلاوت کیا کرتے تھے' آپ ﷺ سجدے کی آیت تلاوت فرماتے اور سجدہ کرتے اور آپ ﷺ کے ساتھ ہم بھی سجدہ کرتے حتی کہ ہم میں سے کسی ایک کو (بعض اوقات) اپنی پیشانی رکھنے کی جگہ نہیں ملتی تھی۔"

اور صحیح مسلم کی روایت میں یہ وضاحت موجود ہے کہ ﴿فی غیر صلاۃ﴾ "نماز کے علاوہ (ہماری یہ حالت ہوتی تھی)۔"(٣)

354- سجدہ تلاوت کے لیے وضو اور قبلہ رخ ہونا ضروری نہیں

(1) گزشتہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں ہے ﴿حتی ما یجد أحدنا مکانا لموضع جبھته﴾ "حتی کہ ہم میں سے کوئی (بعض اوقات) اپنی پیشانی رکھنے کی جگہ نہ پاتا تھا۔"(٤)

یقیناً اس قدر ہجوم میں اکٹھے سجدہ کیا جائے تو ہر شخص نہ باوضو ہوتا ہے اور نہ قبلہ رخ۔

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن النبی ﷺ سجد بالنجم وسجد معه المسلمون والمشرکون والجن والإنس﴾ "نبی ﷺ نے سورہ نجم کا سجدہ کیا تو آپ ﷺ کے ساتھ مسلمانوں' مشرکوں' جنوں اور انسانوں نے بھی سجدہ کیا۔"(٥)

اس حدیث میں مشرکین کے سجدے کا ذکر ہے حالانکہ یہ بات معروف ہے کہ مشرکین نجس ہیں اور ان کا وضو اگر قائم ہو تب بھی درست نہیں چہ جائیکہ وہ پہلے ہی بے وضوء ہوں۔

(3) امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ((کان ابن عمر یسجد علی غیر وضوء)) "حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بغیر وضوء کے سجدہ (تلاوت) کیا کرتے تھے۔"(٦)

---

(١) [بخاری (٧٦٦' ٧٦٨' ١٠٧٤) کتاب الجمعة : باب سجدة إذا السماء انشقت' مسلم (٥٧٨) أبو داود (١٤٠٨) نسائی (١٦٢/٢) ابن خزیمة (٥٥٩)]

(٢) [السیل الجرار (٢٨٨/١)]

(٣) [أحمد (١٧/٢) بخاری (١٠٧٥' ١٠٧٦) کتاب الجمعة : باب من سجد بسجود القاری' مسلم (٥٧٥) أبو داود (١٤١٢) ابن خزیمة (٥٥٧' ٥٥٨)]

(٤) [بخاری (١٠٧٥) کتاب الجمعة : باب من سجد بسجود القاری]

(٥) [بخاری (١٠٧١) کتاب الجمعة : باب سجود المسلمین مع المشرکین' ترمذی (٥٧٢) بیھقی (٣١٤/٢)]

(٦) [بخاری تعلیقا (١٠٧١) کتاب سجود القرآن : باب سجود المسلمین مع المشرکین والمشرك نجس لیس له وضوء]

(ابن تیمیہؒ) سجدہ تلاوت چونکہ نماز نہیں ہے اس لیے اس کے لیے شروط نماز مقرر نہیں کی جائیں گی بلکہ یہ بغیر طہارت کے بھی جائز ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل بھی اسکی دلیل ہے۔(۱)

(شوکانیؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(۲)

(ابن حزمؒ) تلاوت قرآن کے دوران سجدے نہ تو ایک رکعت ہیں اور نہ ہی انہیں دو رکعت کہا جاتا ہے اس لیے انہیں نماز شمار نہیں کیا جاتا اور جب یہ نماز نہیں ہیں تو بغیر وضوء جنبی کے لیے' حائضہ کے لیے اور غیر قبلہ کی طرف دیگر تمام اذکار کی طرح مباح و جائز ہیں۔(۳)

(ابن قدامہؒ) ان سجدوں کے لیے وہی شرط لگائی جائے گی جو نفل نماز کے لیے لگائی جاتی ہے یعنی حدث اور نجاست سے طہارت' ستر ڈھانپنا' قبلہ رخ ہونا اور نیت۔ نیز ہمیں اس میں کسی اختلاف کا علم بھی نہیں۔(٤)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) بھی اسی کے قائل ہیں۔(٥)

355- سجدہ تلاوت کے لیے تکبیر کہنا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كان النبي ﷺ يقرأ علينا القرآن فإذا مر بالسجدة كبر وسجد وسجدنا معه﴾ ''نبی ﷺ ہمارے پاس قرآن کی تلاوت فرمایا کرتے تھے اور جب آپ ﷺ کسی سجدے سے گزرتے تو تکبیر کہتے اور سجدہ کرتے اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کرتے۔''(٦)

اس حدیث میں تکبیر کے لفظ درست نہیں ہیں اس لیے سجدہ تلاوت کے لیے تکبیر کہنا ثابت نہیں البتہ نماز میں چونکہ نبی ﷺ جھکتے اور اٹھتے وقت لازماً تکبیر کہتے تھے اس لیے سجدہ تلاوت کے لیے جھکتے وقت بھی تکبیر کہنی چاہیے۔

356- سجدہ تلاوت کی دعا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ رات کو قرآن کے سجدوں میں یہ دعا پڑھتے تھے ''سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِي خَلَقَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ'' (٧)

---

(۱) [مجموع الفتاوی (۱٦٥/۲۳)]

(۲) [نيل الأوطار (۳٤۰/۲)]

(۳) [المحلى (۱۰٥/٥) المحلى بالآثار (۳۳۰۔۳۳۱)]

(٤) [تحفة الأحوذي (۲۱۹/۳)]

(٥) [أيضا]

(٦) [منكر: ضعيف أبو داود (۳۰٦) كتاب الصلاة : باب في الرجل يسمع السجدة......' المشكاة (۱۰۳۲) أبو داود (۱٤۱۳) عبدالرزاق (٥۹۱۱) شیخ البانیؒ رقمطراز ہیں کہ یہ حدیث تکبیر کے ذکر کے ساتھ منکر ہے اور محفوظ اس کے علاوہ ہے۔]

(۷) [صحيح : صحيح أبو داود (۱۲٥٥) كتاب الصلاة : باب ما يقول إذا سجد' أبو داود (۱٤۱٤) ترمذی (٥۸۰) نسائی (۲۲۲/۲) أحمد (۳۰/٦) دارقطنی (٤۰٥/۱) حاكم (۲۲۰۳۱) بیهقی (۳۲٥/۲)] یہ لفظ '' فتبارك الله أحسن الخالقين'' مستدرک حاکم میں زائد ہیں۔[نيل الأوطار (۳٤۰/۲)]

357- سجدہ شکر کے مسائل

کسی نعمت کے حصول' مصیبت و تکلیف سے چھٹکارے اور خوشی و مسرت کے موقع پر یہ سجدہ مشروع ہے۔

(1) حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن النبي ﷺ كان إذا جاء ه أمر يسره خر ساجدا لله﴾ "نبی ﷺ کو جب کوئی خوشخبری ملتی تو اللہ کے حضور سجدے میں گر پڑتے۔" (۱)

(2) حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿سجد النبي ﷺ فأطال السجود ثم رفع رأسه وقال إن جبرئيل أتاني فبشرني فسجدت لله شكرا﴾ "نبی ﷺ نے سجدہ کیا اور لمبا سجدہ کیا پھر اپنا سر اٹھا کر فرمایا کہ بے شک حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھے بشارت دی تو میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے سجدہ ریز ہو گیا۔" (۲)

(3) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ فرمایا" راوی نے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ ﴿فكتب علي بإسلامهم فلما قرأ رسول الله الكتاب خر ساجدا شكرا لله على ذلك﴾ "حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اہل یمن کے قبولِ اسلام کی اطلاع آپ ﷺ کو بھیجی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے وہ مکتوب پڑھا تو اس پر اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے سجدے میں گر گئے۔" (۳)

(احمدؒ، شافعیؒ) سجدہ شکر مشروع ہے۔

(مالکؒ، ابوحنیفہؒ) یہ سجدہ نہ مستحب ہے نہ مکروہ ہے۔ (٤)

(شوکانیؒ) نبی ﷺ سے ثابت ہونے کے باوجود ان دونوں اماموں سے سجدہ شکر کا انکار نہایت عجیب بات ہے۔ (٥)

❁❁❁

---

(۱) [حسن : إرواء الغليل (۲۲٦/۲)' (٤٧٤) أبو داود (۲۷۷٤) كتاب الجهاد : باب في سجود الشكر ' ترمذی (۱٥۷۸) ابن ماجة (۱۳۹٤) دارقطني (٤۱۰/۱) بيهقي (۳۷۰/۲)]

(۲) [صحيح : أحمد (۱۹۱/۱) حاكم (٥٥۰/۱) بيهقي (۳۷۱/۲) امام حاکمؒ نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور امام بیہقیؒ نے بھی ان کی موافقت کی ہے اور مزید فرمایا کہ "سجدہ شکر میں اس سے زیادہ صحیح اور کوئی حدیث نہیں۔" امام ہیثمیؒ نے اس کے رجال کو ثقہ قرار دیا ہے۔ [المجمع (۲۸۷/۲)] شیخ محمد صبحی حلاق نے اسے صحیح کہا ہے۔ [التعليق على سبل السلام (٥۸۲/۱)] شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن کہا ہے۔ [التعليق على سبل السلام (٤۸۸۳۱)]

(۳) [بيهقي (۳٦۹/۲)] امام بیہقیؒ بیان کرتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے اس حدیث کا ابتدائی حصہ "ابراہیم بن یوسف" سے روایت کیا ہے لیکن اسے مکمل نقل نہیں کیا اور سجدہ شکر کی مکمل حدیث امام بخاریؒ کی شرط پر صحیح ہے۔]

(٤) [الأم (۲٥۱/۱) رد المختار (٥۹۷/۲) سبل السلام (٤۸۷/۱) كشاف القناع (٤٤۹/۱)]

(٥) [نيل الأوطار (۳٤۳/۲)]

باب القضاء للفوائت — فوت شدہ نمازوں کی قضائی کا بیان

إِنْ كَانَ التَّرْكُ عَمَدًا لَا لِعُذْرٍ فَدَيْنُ اللّٰهِ تَعَالَى أَحَقُّ أَنْ يُقْضٰى	اگر کسی عذر کی وجہ سے نہیں بلکہ جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی جائے تو اللہ تعالیٰ کا قرض ادائیگی کا زیادہ مستحق ہے۔ ❶

❶ اس مسئلے میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن راجح اور قوی بات یہی ہے کہ ایسے شخص پر قضاء واجب نہیں ہے۔ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) عمداً تارکِ نماز اسلام سے خارج ہے اور ایسے شخص پر توبہ و استغفار اور نئے سرے سے اسلام میں شمولیت لازمی ہے قضاءِ نماز نہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿بين الرجل و بين الكفر ترك الصلاة﴾ ''مسلمان مرد اور کفر کے درمیان صرف نماز چھوڑنے کا ہی فرق ہے۔'' (۱)

(2) قرآن میں تارک نماز کو مشرک قرار دیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ [الروم: ۳۱] ''نماز قائم کرو اور مشرکوں سے نہ ہو جاؤ۔'' اور مشرک کا کوئی عمل جس میں قضاءِ نماز بھی شامل ہے قبول نہیں جیسا کہ قرآن میں ہے کہ ﴿وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ [الأنعام: ۸۸] ''اگر انبیاء بھی شرک کریں تو جو بھی وہ عمل کرتے تھے باطل ہو جائے۔''

(3) جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والے کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس لیے اسے صرف اتنی ہی مہلت دی جائے گی کہ وہ توبہ کرے اور نماز پڑھے اگر وہ ایسا نہیں کرتا (اور استطاعت موجود ہے) تو اسے فوراً قتل کر دیا جائے گا۔

جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله ويقيموا الصلاة......﴾ ''مجھے اس وقت تک لوگوں سے قتال کا حکم دیا گیا ہے جب تک کہ وہ کلمہ نہ پڑھ لیں اور نماز نہ ادا کرنے لگیں۔'' (۲)

(4) زکاۃ کے منکر سے قتال کرنے پر صحابہ کا اجماع ہے۔ (۳)

اور یہ بات ثابت ہے کہ اسلام میں نماز کی اہمیت زکاۃ سے بھی زیادہ ہے۔

(5) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں شرط کا لفظ ﴿من نسى﴾ استعمال کیا ہے اور شرط کے لیے یہ قاعدہ مسلم ہے کہ شرط کی نفی مشروط کی نفی کو مستلزم ہے یعنی جو بھول کر (یا سونے کی وجہ سے) نماز چھوڑ دے وہ اس کی قضائی دے گا اور جو بھول کر نہیں بلکہ جان بوجھ کر نماز چھوڑے گا وہ قضائی نہیں دے گا۔

---

(۱) [مسلم (۸۲) كتاب الإيمان: باب بيان إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، أبو داود (٤٦٧٨) ترمذی (٢٦١٨) ابن ماجة (١٠٧٨) دارمی (٢٨٠/١) أحمد (٣٧٠/٣)]

(۲) [بخاری (٢٥) كتاب الإيمان: باب فإن تابوا وأقاموا الصلاة وآتوا الزكاة فخلوا سبيلهم، مسلم (٢٢) أبو داود (١٥٥٦) ترمذی (٢٦٠٧) نسائی (١٤/٥) أحمد (٤٢٣/٢) شرح معانی الآثار (٢١٣/٣) ابن منده (١٦٦/١)]

(۳) [موسوعة الإجماع لسعدى أبو حبيب (٤٦٥/١) المغنى (٤٧٦/٢) المجموع (٣٠٤/٥)]

(ابن تیمیہؒ) جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والے پر کوئی قضا نہیں۔(۱)

(ابن حزمؒ) جو شخص عمداً نماز چھوڑے رکھے حتی کہ اس کا وقت ختم ہو جائے تو وہ کبھی بھی اس کی قضا نہیں دے سکتا البتہ اسے چاہیے کہ نیک کام کرے اور کثرت سے نفل نماز ادا کرے تاکہ قیامت کے دن اس کا ترازو (یعنی دایاں پلڑا) وزنی ہو سکے اور مزید اسے توبہ واستغفار کرنا چاہیے۔(۲)

(صدیق حسن خانؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۳)

البتہ جمہور کے نزدیک ایسے شخص پر بھی قضاءِ نماز واجب ہے۔(٤)

لیکن ان کے پاس اس کی کوئی واضح دلیل موجود نہیں سوائے خثعمیہ کی حدیث کے' جس میں یہ لفظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿دين الله أحق أن يقضى﴾ ''اللہ کا قرض ادائیگی کا زیادہ مستحق ہے۔''(٥)

(البانیؒ) یہ حدیث وجوب قضاء کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔(٦)

(شوکانیؒ) عمداً تارک نماز پر وجوب قضاء کے لیے کوئی دلیل موجود نہیں البتہ یہ حدیث ﴿دين الله أحق﴾ اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ نماز بھی انسان پر اللہ کا حق ہے اس لیے وہ زیادہ حق دار ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔(۷)

(راجح) جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والے پر قضائی واجب نہیں کیونکہ حدیث کے یہ الفاظ ﴿دين الله أحق﴾ عام ہیں اور ایک خاص واقعہ کے متعلق ہیں جبکہ عمداً تارک نماز کی قضائی خاص ہے اور عبادات میں کسی بھی خاص عمل کے لیے خاص دلیل ہونا ضروری ہے اس لیے چونکہ اس کی کوئی واضح دلیل (ہمارے علم میں) نہیں لہٰذا ہم عدم قضا پر ہی توقف کریں گے۔ البتہ اگر گذشتہ حدیث ﴿دين الله أحق﴾ کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی شخص متروکہ نمازیں ادا کرتا ہے تو بہتر ہے کیونکہ عبادات اجر وثواب اور قربِ الٰہی کا موجب ہے۔

وَإِنْ كَانَ لِعُذْرٍ فَلَيْسَ بِقَضَاءٍ بَلْ أَدَاءٌ فِي وَقْتِ زَوَالِ الْعُذْرِ	اور اگر کسی عذر کی وجہ سے ہو تو یہ قضا نہیں بلکہ عذر ختم ہونے کے وقت ادا ہی ہے۔ ❶

❶ (1) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿من نسي صلاة فليصلها إذا ذكرها فلا كفارة لها إلا ذلك﴾ ''جو شخص نماز پڑھنا بھول گیا وہ اسے اسی وقت پڑھ لے جب اسے یاد آئے کیونکہ اس کا اس کے علاوہ

(۱) [الفتاوى الكبرى (۲۸٥/۲)]

(۲) [المحلى (۲۳٥/۲)]

(۳) [الروضة الندية (۳۳٦/۱)]

(٤) [الفقه الإسلامي وأدلته (۱۲۹/۲-۱٤٥)]

(٥) [بخاری (۱۹٥۳) کتاب الصوم : باب من مات وعليه صوم' مسلم (۱۱۴۸) مؤطا (۳۰۹/۱) أبو داود (۳۳۱۰) نسائی (۲٦۳٥) ترمذی (۹۲۸) ابن ماجة (۲۹۰۹)]

(٦) [التعليقات الرضية على الروضة الندية (۳٥٦/۱)]

(۷) [السيل الجرار (۲۹۰/۱)]

کوئی کفارہ نہیں۔‘‘ (۱)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ﴿من نسی صلاۃ فلیصلها إذا ذکرها فإن اللہ تعالی قال ”وأقم الصلاۃ الذکری“﴾ ”جو شخص نماز پڑھنا بھول جائے تو جب اسے یاد آئے اسے چاہیے کہ نماز پڑھ لے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ’’جب میں تجھے یاد آ جاؤں تو نماز قائم کر۔‘‘ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ اس کا وقتِ ادا ہے قضا نہیں۔ (۳)

(3) حدیث نبوی ہے کہ ﴿رفع القلم عن ثلاثة ...... عن النائم حتی یستیقظ﴾ ’’تین آدمیوں کا گناہ نہیں لکھا جاتا ...... سونے والے شخص کا جب تک وہ بیدار نہ ہو جائے۔‘‘ (٤)

(4) حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب غلبہ نیند کی وجہ سے وقت پر نماز فجر نہ پڑھ سکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إنه لیس في النوم تفریط إنما التفریط في الیقظة فإذا نسی أحدکم صلاۃ أو نام عنها فلیصلها إذا ذکرها﴾ ’’قصور و کوتاہی سونے میں نہیں ہے بلکہ جاگنے میں ہے تو جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنا بھول جائے یا اس سے سو یا رہ جائے تو جب اسے یاد آئے نماز پڑھ لے۔‘‘

اور سنن أبی داود کی ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿إنما التفریط علی من لم یصل حتی یجیئ وقت الصلاۃ الأخری﴾ ’’صرف قصور و کوتاہی ایسے شخص میں ہے جو نماز کو نہ پڑھے حتی کہ دوسری نماز کا وقت آ جائے۔‘‘ (٥)

ان تمام احادیث میں موجود یہ الفاظ ﴿فلیصلها إذا ذکرها﴾ ’’جب یاد آئے اس وقت نماز پڑھ لو۔‘‘ اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ یاد آنے کے فوراً بعد نماز پڑھ لینا واجب ہے۔ مزید برآں اگر نیند اور سہو کے علاوہ کسی عذر مثلاً جنگ، سفر اور شدتِ مرض وغیرہ کی وجہ سے نماز رہ جائے تب بھی یہی حکم ہے کہ موقع میسر آتے ہی نماز پڑھ لی جائے جیسا کہ غزوہ خندق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند نمازیں رہ گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب موقع ملا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ادا فرما لیا۔ (٦)

إِلَّا صَلَاةُ الْعِيدِ فَفِي ثَانِيَة	لیکن عید کی نماز دوسرے دن ادا کرنی چاہیے۔ ❶

❶ مراد یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے علم نہ ہو سکے کہ آج عید کا دن ہے اور پھر وقت گزرنے کے بعد پتہ چلے تو اسی وقت نماز عید نہیں ادا کی جائے گی خواہ دن کا آخری وقت ہو بلکہ اسے دوسرے دن تک مؤخر کیا جائے گا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی ثابت ہے۔

(۱) [بخاری (٥٩٧) کتاب مواقیت الصلاۃ : باب من نسی صلاۃ فلیصل إذا ذکر ...... ، مسلم (٦٨٣) ترمذی (١٧٨) ابن ماجة (٦٩٦) نسائی (٢٩٣/١) أبو داود (٤٤٢) أبو عوانة (٣٨٥/١) دارمی (٢٨٠/١) ابن خزیمة (٩٩٣)]

(۲) [مسلم (٦٨٠) کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ : باب قضاء الصلاۃ الفائتة ...... ، أبو داود (٤٣٥) نسائی (٢٩٦/١) ابن ماجة (٦٩٧) أبو عوانة (٢٥٣/٢) بیهقی (٢١٧/٢)]

(۳) [السیل الجرار (٢٨٩/١) روضة الندیة (٣٣٧/١)]

(٤) [أبو داود (٤٤٠١) کتاب الحدود : باب فی المجنون یسرق أو یصیب حدا]

(٥) [مسلم (٦٨١) کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ : باب قضاء الصلاۃ الفائتة ...... ، أبو داود (٤٣٧، ٤٤١) کتاب الصلاۃ : باب من نام عن الصلاۃ أو نسیها ، صحیح أبو داود (٤٢٥) ترمذی (١٧٧) نسائی (٢٩٤/١) ابن ماجة (٦٩٨)]

(٦) [صحیح : صحیح نسائی (٦٣٨) کتاب الأذان : باب الأذان للفائت من الصلوات ، نسائی (٦٦١)]

حضرت ابوعمیر بن انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ لوگوں نے کہا ﴿غم علینا هلال شوال فأصبحنا صياما فجاء ركب من آخر النهار فشهدوا عند رسول الله أنهم رأوا الهلال بالأمس فأمر الناس أن يفطروا من يومهم وأن يخرجوا لعيدهم من الغد﴾ ''ماہ شوال کا چاند ہم سے پوشیدہ رہ گیا جس بنا پر ہم نے صبح روزہ رکھ لیا پھر دن کے آخری حصے میں کچھ سوار آئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ گواہی دی کہ انہوں نے گذشتہ شب چاند دیکھا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس دن روزہ کھولنے کا اور اگلے دن نماز عید کے لیے آنے کا حکم دیا۔'' (۱)

متفرقات

358- زیادہ نمازوں کی قضائی میں ترتیب کا حکم

(1) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خندق کے دن غروب آفتاب کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور کفار قریش کو گالیاں دینے لگے اور کہا اے اللہ کے رسول! جب میں نے نماز عصر ادا کی' سورج غروب ہونے والا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿والله ما صليتها فتوضأ وتوضأنا فصلى العصر بعد ما غربت الشمس ثم صلى بعدها المغرب﴾ ''اللہ کی قسم میں نے یہ نماز (ابھی تک) نہیں ادا کی' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء کیا اور ہم نے بھی وضوء کیا' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غروب آفتاب کے بعد نماز عصر پڑھی اور پھر اس کے بعد نماز مغرب پڑھی۔'' (۲)

(2) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿شغلنا المشركون يوم الخندق عن صلاة الظهر حتى غربت الشمس وذلك قبل أن ينزل في القتال ما نزل فأنزل الله عزو جل" **وكفى الله المؤمنين القتال**" فأمر رسول الله ﷺ بلالا فأقام لصلاة الظهر فصلاها كما كان يصليها لوقتها ثم أقام للعصر فصلاها كما كان يصليها لوقتها ثم أذن للمغرب فصلاها كما كان يصليها في وقتها'' جنگ خندق کے دن مشرکین نے ہمیں اس قدر مشغول کیا کہ ہم غروب آفتاب تک نماز ظہر ادا نہ کر سکے اور یہ صورتحال قتال کے متعلق جو آیت نازل ہوئی تھی اس سے پہلے کی ہے پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی کہ ''اس جنگ میں اللہ تعالیٰ خود ہی مومنوں کو کافی ہو گیا'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا' انہوں نے نماز ظہر کے لیے اقامت کہی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز اس طرح پڑھائی جیسا کہ اس کے وقت میں پڑھاتے تھے' پھر انہوں نے نماز عصر کے لیے اقامت کہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز بھی اسی طرح پڑھائی جیسا کہ اس کے وقت میں پڑھاتے تھے' پھر انہوں نے نماز مغرب کے لیے آذان کہی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز بھی اسی طرح پڑھائی جیسا

---

(۱) [**صحيح** : صحيح أبو داود (۱۰۲٦) أحمد (۲٦٥/۹ ۔ الفتح الرباني) أبو داود (۱۱۵۷) كتاب الصلاة : باب إذا لم يخرج الإمام للعيد من يومه...' نسائي (۱۵۵۷) ابن ماجة (۱٦۵۳) ابن حبان (۳٤۵٦) امام ابن حبانؒ' امام ابن منذرؒ' امام ابن سکنؒ اور امام ابن حزمؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [تلخيص الحبير (۸۷/۲)] امام خطابیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [معالم السنن (٦۸٤/۱)] حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ [بلوغ المرام (۵۱۰)]

(۲) [بخاري (۵۹٦' ۵۹۸) كتاب مواقيت الصلاة : باب قضاء الصلاة الأولى فالأولى' مسلم (٦۳۱) ترمذي (۱۸۰) نسائي (۸٤/۳) بغوي (۳۹٦) ابن حبان (۲۸۸۹)]

کہ اس کے وقت میں پڑھاتے تھے۔'' (۱)

(3) ایک روایت میں چاروں نمازوں کے رہ جانے کا بھی ذکر ہے جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن المشركين شغلوا النبي ﷺ عن أربع صلوات يوم الخندق فأمر بلالا فأذن ثم أقام فصلى الظهر ثم أقام فصلى العصر ثم أقام فصلى المغرب ثم أقام فصلى العشاء﴾ ''جنگ خندق کے روز مشرکوں نے نبی ﷺ کو اس قدر مشغول کیا کہ آپ ﷺ کی چار نمازیں رہ گئیں تو آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا' انہوں نے آذان دی پھر اقامت کہی تو آپ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی' پھر انہوں نے اقامت کہی تو آپ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی' پھر انہوں نے اقامت کہی تو آپ ﷺ نے مغرب کی نماز پڑھائی' پھر انہوں نے اقامت کہی تو آپ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھائی۔'' (۲)

ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ فوت شدہ نمازوں کو ترتیب سے ادا کرنا ہی نبی ﷺ کا اسوہ وطریقہ ہے لہذا اسی کو اپنانا چاہیے تاہم اس مسئلے میں علماء نے اختلاف کیا ہے کہ فوت شدہ نمازوں کی قضائی اور وقت کی نماز کے درمیان بھی ترتیب ضروری ہے یا پہلے وقت کی نماز (جس کی جماعت کھڑی ہے) ادا کی جائے گی اور پھر سابقہ فوت شدہ نمازیں۔

(ابوحنیفہؒ، مالکؒ) اس میں بھی ترتیب ضروری ہے۔ امام لیثؒ، امام زہریؒ، امام نخعیؒ اور امام ربیعہؒ اسی کے قائل ہیں۔

(شافعیؒ) ایسی صورت میں ترتیب ضروری نہیں کیونکہ مجرد فعل وجوب پر دلالت نہیں کرتا۔ (۳)

(راجح) اگرچہ مجرد فعل وجوب پر دلالت تو نہیں کرتا لیکن نبی ﷺ کے طریقے کو اپنانے میں ہی خیر و برکت ہے۔

359- نمازوں کی قضائی میں آذان اور اقامت

فوت شدہ نمازوں کی قضائی کے وقت پہلی نماز کے ساتھ آذان اور باقی نمازوں کے ساتھ صرف اقامت کہنا اور انہیں باجماعت ادا کرنا مشروع ہے جیسا کہ گذشتہ احادیث اس پر شاہد ہیں۔

360- کافر کی سابقہ نمازوں کی قضائی

اگر کوئی کافر مسلمان ہو جائے تو اس پر اپنی سابقہ زندگی کی متروکہ نمازیں بطور قضاء پڑھنا ضروری نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ﴿إن الاسلام يهدم ما كان قبله﴾ ''بے شک اسلام حالت کفر میں کیے ہوئے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔'' (٤)

اور اس میں یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ ان کے دلوں میں اُلفت ڈالنے کے لیے ایسا کہا گیا ہو کیونکہ ممکن ہے کہ اگر نئے مسلمان ہونے والے شخص کو پتہ چلے کہ اسے اپنی سابقہ زندگی کی تمام نمازوں کی قضائی دینی پڑے گی تو وہ اس خوف سے دوبارہ کفر کی طرف لوٹ جائے۔

---

(۱) [**صحيح** : صحيح نسائى (٦٣٨) كتاب الأذان : باب الأذان للفائت من الصلوات ' نسائى (٦٦١) أحمد (٢٥/٣) دارمى (٣٥٨/١) أبو يعلى (١٢٩٦) ابن خزيمة (٩٩٦) شرح معانى الآثار (٣٢١/١) بيهقى (٤٠٢/١)]

(۲) [**صحيح** : صحيح نسائى (٦٣٩) ترمذى (١٧٩) كتاب الصلاة : باب ما جاء فى الرجل تفوته الصلوات بأيتهن يبدأ ' نسائى (٦/٨) أحمد (٣٧٥/١) بيهقى (٤٠٣/١)]

(۳) [المغنى (٣٣٦/٢) شرح المهذب (٧٥/٣) حلية العلماء فى معرفة مذاهب الفقهاء (٣/٢) الحاوى (٢٧٦/٢) الهداية (٧٢/١) شرح فتح القدير (٤٢٢/١)]

(٤) [مسلم (١٧٣) كتاب الإيمان : باب كون الإسلام يهدم ما قبله...... ' أحمد (١٧١١٢)]

باب صلاة الجمعة — نماز جمعہ کا بیان

تَجِبُ عَلٰی کُلِّ مُکَلَّفٍ	نماز جمعہ ہر مکلف پر واجب ہے۔ ❶

جمعہ کے دن کی فضیلت:

حدیث نبوی ہے کہ ﴿خير يوم طلعت فيه الشمس يوم الجمعة فيه خلق آدم وفيه أدخل الجنة وفيه أخرج منها ولا تقوم الساعة إلا في يوم الجمعة﴾ ''جن دنوں میں آفتاب طلوع ہوتا ہے ان میں سے بہترین دن جمعہ کا دن ہے' اس میں آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا' اسی میں انہیں جنت میں داخل کیا گیا' اسی میں ان کو اس سے نکالا گیا اور قیامت بھی صرف جمعہ کے دن میں ہی قائم ہوگی۔'' (۱)

❶ (1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ﴾ [الجمعة: ۹] ''اے ایمان والو! جمعہ کے دن نماز کی آذان دی جائے تو تم اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔''

(2) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ سے پیچھے رہنے والے لوگوں کے لیے فرمایا ﴿لقد هممت أن آمر رجلا يصلي بالناس ثم أحرق على رجال يتخلفون عن الجمعة بيوتهم﴾ ''بے شک میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں کسی آدمی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے پھر میں ان لوگوں کے گھروں کو جلا ڈالوں جو جمعہ سے پیچھے رہتے ہیں۔'' (۲)

(3) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لينتهين أقوام عن ودعهم الجمعات أو ليختمن الله على قلوبهم ثم ليكونن من الغافلين﴾ ''لوگ نماز جمعہ چھوڑنے سے ضرور باز آ جائیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دیں گے پھر وہ لازماً غافل لوگوں میں شمار ہوں گے۔'' (۳)

(4) حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿الجمعة حق واجب على كل مسلم في جماعة﴾ ''نماز جمعہ ہر مسلمان پر باجماعت ادا کرنا حق اور واجب ہے۔'' (٤)

(5) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿رواح الجمعة واجب على كل محتلم﴾ ''نماز جمعہ کے لیے جانا ہر بالغ شخص پر واجب ہے۔'' (٥)

---

(۱) [مسلم (۸٥٤) ترمذی (٤۸۸) نسائی (۸۹/۳) أحمد (٤٠١/٢) ابن خزيمة (١٧٢٩)]

(۲) [مسلم (٦٥٢) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد في التخلف عنها ' أحمد (٣٩٤/١) ابن خزيمة (١٨٥٣)]

(۳) [مسلم (٨٦٥) كتاب الجمعة : باب التغليظ في ترك الجمعة ' دارمی (٣٦٨/١) بيهقي (١٧١/٣)]

(٤) [صحيح : صحيح أبو داود (٩٤٢) كتاب الصلاة : باب الجمعة للمملوك والمرأة ' أبو داود (١٠٧٦) دارقطني (٣/٢) بيهقي (١٧٢/٣) شیخ محمد صبحی حسن حلاق نے اسے صحیح کہا ہے۔ [التعليق على الروضة الندية (٣٣٩/١)] امام نووی نے اس حدیث کو شیخین کی شرط پر قابل حجت قرار دیا ہے جیسا کہ امام زیلعی نے نقل کیا ہے۔ [نصب الراية (١٩٩/٢)]

(٥) [صحيح : صحيح نسائي (١٢٩٩) كتاب الجمعة : باب التشديد في التخلف عن الجمعة ' نسائي (١٣٧١)]

(6) حضرت ابو جعد ضمری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من ترك ثلاث جمع تهاونا طبع الله على قلبه﴾ ''جس شخص نے محض سستی و کاہلی سے تین جمعے چھوڑ دیے اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیں گے۔'' (۱)

(7) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿نحن الآخرون السابقون يوم القيمة ...... ثم هذا يوم فرض الله عليهم واختلفوا فيه فهدانا الله﴾ ''ہم دنیا میں آخر میں آئے ہیں لیکن قیامت کے دن پہلے (جنت میں داخل) ہوں گے...... پھر یہ (یعنی جمعہ کا) دن ہے جس کی تعظیم ان پر اللہ تعالیٰ نے فرض کی لیکن انہوں نے اس کی مخالفت کی اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی تعظیم پر ثابت رکھا۔'' (۲)

(بخاریؒ) انہوں نے باب قائم کیا ہے کہ ((باب فرض الجمعة)) ''جمعہ کی فرضیت کا بیان'' اور اس کے تحت فرضیت کے دلائل نقل کیے ہیں۔ (۳)

(ابن حجرؒ) جمعہ پڑھنا فرض ہے۔ (٤)

(نوویؒ) اسی کے قائل ہیں۔ (٥)

(شوکانیؒ) حق بات یہی ہے کہ جو شخص آذان سنتا ہے اس پر جمعہ پڑھنا فرض عین ہے۔ (٦)

(ابن حزمؒ) جمعہ پڑھنا واجب ہے۔ (۷)

(ابن قدامہؒ) جمعہ پڑھنا اجماع اُمت کے ساتھ فرض ہے۔ (۸)

(ابن عربیؒ) جمعہ کے وجوب پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ (۹)

(ابن منذرؒ) نماز جمعہ کے فرض عین ہونے پر اجماع ہے۔ (۱۰)

(خطابیؒ) اختلاف اس بات میں ہے کہ جمعہ فرض عین ہے یا فرض کفایہ اور اکثر فقہاء نے اسے فرض کفایہ کہا ہے۔ (۱۱)

(امیر صنعانیؒ) اکثر فقہاء کے نزدیک (جمعہ) فرض عین ہے اور مطلقاً اس کے وجوب پر اجماع ہے۔ (۱۲)

---

(۱) [حسن : صحيح أبو داود (۹۲۸) كتاب الصلاة : باب التشديد في ترك الجمعة ' أبو داود (۱۰۵۲) ترمذى (۵۰۰) ابن ماجة (۱۱۲۵) نسائى (۸۸/۳) أحمد (٤٢٤/۳) ابن حبان (۲۵۸) ابن خزيمة (۱۸۵۷) بيهقى (۱۷۲/۳)]

(۲) [بخارى (۸۷٦) كتاب الجمعة : باب فرض الجمعة ' مسلم (۸۵۵) حميدى (۹۵٤) بيهقى (۱۷۰/۳)]

(۳) [بخارى (۸۷٦)]

(٤) [فتح البارى (٤/۳-۵)]

(۵) [شرح المهذب (۳٤۹/٤)]

(٦) [نيل الأوطار (۵۰۱/۲)]

(۷) [المحلى بالآثار (۲۵۲/۳)]

(۸) [المغنى]

(۹) [عارضة الأحوذى (۲۸٦/۲)]

(۱۰) [الإجماع لابن المنذر (ص/٤٠)' (رقم/٥٤)]

(۱۱) [معالم السنن (۲٤٤/۱)]

(۱۲) [سبل السلام (٦۳۰/۲)]

(البانیؒ) نماز جمعہ واجب ہے' بغیر کسی عذر کے اسے چھوڑنا جائز نہیں۔(۱)

(ابن بازؒ) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر نماز جمعہ کی ادائیگی واجب قرار دی ہے۔(۲)

جس حدیث میں ہے کہ ﴿من ترك الجمعة من غير عذر فليتصدق بدينار فإن لم يجد فبنصف دينار﴾ ''جس شخص نے بغیر کسی عذر کے جمعہ چھوڑا اسے چاہیے کہ ایک دینار صدقہ کرے' اگر ایک دینار موجود نہ ہو تو نصف دینار صدقہ کرے۔'' وہ ضعیف ہے۔(۳)

إِلَّا الْمَرْأَةَ وَالْعَبْدَ وَالْمُسَافِرَ وَالْمَرِيضَ	سوائے عورت' غلام' مسافر اور مریض کے (یعنی ان سب پر جمعہ فرض نہیں ہے)۔ ❶

❶ (1) حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿الجمعة حق واجب على كل مسلم في جماعة إلا أربعة : عبد مملوك أو امرأة أو صبي أو مريض﴾ ''ہر مسلمان پر جمعہ با جماعت ادا کرنا واجب ہے مگر چار قسم کے لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں: غلام' عورت' بچہ اور مریض۔''(٤)

(2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ليس على مسافر جمعة﴾ ''مسافر پر جمعہ ضروری نہیں ہے۔''(٥)

(3) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ ﴿من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فعليه الجمعة إلا امرأة أو مسافرا أو عبدا أو مريضا﴾ ''جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ لازم ہے مگر چار قسم کے لوگ اس حکم میں شامل نہیں: عورت' مسافر' غلام اور مریض۔''(٦)

(نوویؒ) ایسی خواتین جو بوڑھی نہیں ہیں ان پر بلا اختلاف جمعہ واجب نہیں ہے البتہ جو بوڑھی ہیں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان کے لیے جمعہ میں حاضر ہونا مستحب ہے۔(۷)

غلام بھی فرضیت جمعہ سے مستثنیٰ ہے البتہ اہل ظاہر سے امام داودؒ عمومی دلائل کی وجہ سے اس پر بھی جمعہ کو واجب کہتے ہیں۔

---

(۱) [تمام المنة (ص/۳۲۸)]

(۲) [الفتاوى الإسلامية (۳۹۹/۱)]

(۳) [**ضعيف**: ضعيف أبو داود (۲۳۱) ضعيف الجامع (۵۵۲۰) ضعيف نسائی (۷۵) المشكاة (۱۳۷٤) أبو داود (۱۰۵۳)]

(٤) [**صحيح**: صحيح أبو داود (۹٤۲) كتاب الصلاة: باب الجمعة للمملوك والمرأة' أبو داود (۱۰٦۷) دارقطنی (۳/۲) بیهقی (۱۷۲/۳)]

(٥) [**ضعيف**: بلوغ المرام (٤۳۸) رواه الطبرانی كما فی التلخيص (٦٥/۲) حافظ ابن حجرؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ شیخ محمد صبحی حسن حلاق نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ [التعليق على سبل السلام (۱۹٦/۳)] شیخ حازم علی قاضی رقمطراز ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے لیکن معنی صحیح ہے۔ [التعليق على سبل السلام (٦٥۸/۲)]

(٦) [**ضعيف**: دارقطنی (۳/۲) بیهقی (۱۸٤/۳) الكامل لابن عدی (٤۳۲/٦) یہ حدیث اس لیے ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں دو راوی ابن لہیعہ اور معاذ بن محمد انصاری ضعیف ہیں۔ [نيل الأوطار (۵۰۵/۲)]

(۷) [المجموع (٤۹٦/٤)]

مریض پر بھی جمعہ واجب نہیں جبکہ اسے جمعہ میں حاضری کے لیے مشقت اٹھانی پڑے۔

(ابوحنیفہؒ) مریض کی طرح اندھے پر بھی جمعہ فرض نہیں اگرچہ مسجد لے جانے کے لیے کوئی اس کا رہنما موجود ہو۔

(شافعیؒ) اگر کوئی رہنما موجود ہو تو اندھے شخص کے لیے جمعہ چھوڑنے کا کوئی عذر نہیں۔

بالاتفاق نابالغ بچے پر بھی جمعہ واجب نہیں ہے۔ اور مسافر پر جمعہ واجب ہے یا نہیں اس کے متعلق چونکہ احادیث ضعیف ہیں اس لیے علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے لیکن راجح بات یہی ہے کہ مسافر پر جمعہ فرض نہیں (جبکہ وہ حالت سفر میں ہو اور اس پر مسافر کا لفظ صادق آتا ہو) اسی لیے آپ ﷺ نے دوران حج عرفات میں جمعہ نہیں پڑھا بلکہ نماز ظہر ادا کی۔

(جمہور) مسافر پر جمعہ واجب نہیں۔(۱)

(امیر صنعانیؒ) مسافر پر جمعہ واجب نہیں۔(۲)

(سعودی مجلس افتاء) مسافر پر باجماعت نماز جمعہ واجب نہیں اگر وہ حالت سفر میں ہو تو قصر کرے اور اگر مقیم ہو تو ظہر کی چار رکعت ادا کرے۔(۳)

(ابن حزمؒ) مسافر پر جمعہ واجب ہے۔(٤)

یاد رہے کہ ان سب پر جمعہ فرض تو نہیں لیکن اگر ان میں سے کوئی جمعہ پڑھ لے تو درست ہے اور اسی طرح اگر مریض یا مسافر شخص امامت کرائے تو یہ بھی جائز ہے۔ نیز منہاج السنہ میں ہے کہ غلام' بچے اور مسافر کے پیچھے جمعہ صحیح ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ ایسے معذور پر جمعہ ضروری نہیں ہے جسے جماعت چھوڑنے کی رخصت دی گئی ہے۔(٥)

وَهِيَ كَسَائِرِ الصَّلَوَاتِ لَا تُخَالِفُهَا	یہ عام نمازوں کی طرح ہی ہے ان کے مخالف نہیں ہے۔ ❶

❶ کیونکہ ایسی کوئی شرعی دلیل موجود نہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ نماز جمعہ دیگر نمازوں سے ممتاز و الگ ہے اس لیے انعقادِ جمعہ کے لیے خود ساختہ شرائط یعنی مخصوص عدد' مخصوص جگہ یا مخصوص امام کی تعیین کرنا یقیناً ایک غیر شرعی عمل ہے اور دین میں بدعات وخرافات کے اضافے کا موجب ہے۔ ان مسائل کی مزید توضیح وتشریح کی غرض سے آئندہ ان کی قدرے تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔

○ **انعقاد جمعہ کے لیے مخصوص عدد:**

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿مضت السنة أن في كل أربعين فصاعدا جمعة﴾ "یہ سنت طریقہ جاری رہا ہے کہ چالیس یا اس سے کچھ اوپر تعداد پر جمعہ لازم ہے۔"(٦)

(۱) [نيل الأوطار (۲/۵۰۵-۵۰٦) سبل السلام (۲/٦۵۹) المجموع (٤/٤۹٦) البحر (۲/٤)]

(۲) [سبل السلام (۲/٦۵۹)]

(۳) [الفتاوى الإسلامية (۱/۳۹۷)]

(٤) [المحلى بالآثار (۳/۲۵۲)]

(۵) [الروضة الندية (۱/۳٤۱) المسوى (۱/۱۹٤)]

(٦) [**ضعيف** : دارقطنی (۲/۳-٤)] یہ حدیث اس لیے ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن راوی ضعیف ہے۔ امام احمدؒ نے اس راوی کی احادیث کو جھوٹ کا پلندہ اور من گھڑت قرار دیا ہے۔[الكامل لابن عدي (۵/۱۹۲۷)] امام نسائیؒ نے اس راوی کو غیر ثقہ کہا ہے۔[الضعفاء والمتروكين (ص/۱٦۸)'(٤۱۵)] امام دارقطنیؒ نے اسے منکر الحدیث کہا ہے۔[الضعفاء والمتروكين له (ص/۱۷٤)(۳۱۵)] امام ابن حبانؒ رقمطراز ہیں کہ اس سے حجت لینا جائز نہیں۔[المجروحين (۲/۱۳۸)]

اگرچہ اس مسئلہ میں کوئی حدیث بھی صحیح نہیں ہے لیکن بہر حال علماء کا اختلاف اس میں بھی موجود ہے۔

(شافعیؒ) نماز جمعہ کے لیے چالیس آدمیوں کی موجودگی ضروری ہے۔امام احمدؒ سے بھی ایک روایت یہی ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بھی یہی موقف رکھتے ہیں۔

(ابوحنیفہؒ) امام کے علاوہ مزید دو آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔

(مالکیہ) اقامتِ جمعہ کے لیے معتبر عدد بارہ (12) ہے۔

علاوہ ازیں مختلف علماء نے مختلف آراء پیش کی ہیں یعنی چار' سات' نو' بارہ' بیس' چالیس' پچاس اور ستر آدمیوں کی تعداد جمعہ کے لیے ضروری ہے۔(۱)

(ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ) امام کے علاوہ دو آدمیوں کا ہونا ضروری ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے ﴿إذا كانوا ثلثة فليؤمهم أحدهم﴾ ''جب تین آدمی ہوں تو ان میں سے ایک امامت کرائے۔'' (حالانکہ یہ حدیث عام ہے اور نماز جمعہ خاص ہے۔)(۲)

(راجح) نماز جمعہ کے لیے نمازیوں کی تعداد کے متعلق کوئی صحیح حدیث منقول نہیں اس لیے چونکہ دیگر نمازوں کی جماعت علی الأقل دو افراد سے منعقد ہو جاتی ہے تو نماز جمعہ کی جماعت کے لیے بھی کم از کم دو افراد ہی کافی ہیں۔

(شوکانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۳)

(امیر صنعانیؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(٤)

(ابن حزمؒ) دو یا اس سے زائد افراد کے ساتھ جمعہ منعقد ہو جاتا ہے۔(٥)

(صدیق حسن خانؒ) یہی موقف رکھتے ہیں۔(٦)

○ انعقاد جمعہ کے لیے مخصوص جگہ:

اسلام نے نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے کسی خاص جگہ کی قید نہیں لگائی اس کے باوجود بعض حضرات کا کہنا ہے کہ نماز جمعہ صرف شہروں میں ہی ادا کی جائے گی حالانکہ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ بات صریح حدیث کے خلاف ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ ان کا اپنا عمل بھی اس کے مطابق نہیں بلکہ وہ خود گاؤں اور دیہاتوں میں موجود اپنی مساجد میں نماز جمعہ پڑھاتے ہیں۔

علاوہ ازیں مذکورہ مسئلہ کی وضاحت کے لیے مندرجہ ذیل دلائل کافی ہیں:

(1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿إن أول جمعة جمعت ـ بعد جمعة في مسجد رسول الله ﷺ ـ في مسجد عبدالقيس بجواثي من البحرين﴾ ''رسول اللہ ﷺ کی مسجد کے بعد پہلا جمعہ بنو عبدالقیس کی مسجد میں ہوا جو

---

(۱) [المجموع (۳۷۱/٤) بدائع الصنائع (۲٦۸/۱) المبسوط (۲٤/۲) الهداية (۸۳/۱) المغني (۲۰۳/۳) البحر الزخار الجامع لمذاهب الأمصار (۱۱/۲ـ۱۲) سبل السلام (٦٥٥/۲)]

(۲) [التعليق على سبل السلام للشيخ عبدالله بسام (٦٥٤/۲)]

(۳) [نيل الأوطار (٥۱۲/۲)]

(٤) [سبل السلام (٦٥٥/۲)]

(٥) [المحلى بالآثار (۲٥۱/۳)]

(٦) [الروضة الندية (۳٤۲/۱ـ۳٤٤)]

ملک بحرین کے جواثاء مقام میں تھی۔''

سنن ابی داود میں یہ لفظ زائد ہیں ﴿بجواثاء قرية من قرى البحرين﴾ ''جواثاء جو کہ بحرین کی بستیوں میں سے ایک بستی (گاؤں' دیہات) تھی۔''(۱)

(2) امام بخاریؒ نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے ((باب الجمعة في القرى والمدن)) ''گاؤں اور شہروں (دونوں جگہ میں) جمعہ درست ہے۔''

(3) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھ کر دریافت کیا کہ ہم بحرین میں جمعہ پڑھیں یا نہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ﴿أن جمعوا حيث ما كنتم﴾ ''تم جہاں کہیں بھی ہو جمعہ پڑھ لیا کرو۔''(۲)

(4) اسکندریہ اور مصر کے گردونواح کے رہائشی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان دونوں کے حکم سے جمعہ پڑھا کرتے تھے اور وہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت بھی موجود تھی۔''(۳)

(5) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما دیہاتوں میں جمعہ پڑھنے والوں کو کچھ ملامت نہیں فرماتے تھے۔(٤)

(6) گاؤں میں جمعہ درست ہے اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ارشاد الٰہی ہے ﴿يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ......﴾ [الجمعة:٩] ''اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کی آذان دی جائے ......'' یہ آیت تمام ایمان والوں کے لیے عام ہے خواہ شہری ہوں یا دیہاتی۔

(7) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنو مالک کے گاؤں میں نماز جمعہ پڑھائی۔(٥)

اس مسئلے میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے۔

(احناف) جمعہ صرف بڑے شہر کی جامع مسجد میں ہی پڑھا جا سکتا ہے۔

(جمہور) ہر جگہ نماز جمعہ پڑھنا درست ہے خواہ شہر ہو یا دیہات۔(٦)

(راجح) گذشتہ بیان کردہ دلائل جمہور کے موقف کو ترجیح دیتے ہیں۔(٧)

(ابن بازؒ) بستیوں اور شہروں دونوں جگہ میں جمعہ درست ہے۔(٨)

○ انعقاد جمعہ کے لیے مخصوص امام:

جیسا کہ احناف حضرات کی طرف سے یہ شرط عائد کی جاتی ہے کہ ''نماز جمعہ صرف حاکم وقت یا جسے حاکم وقت حکم دے

---

(۱) [بخاری (۸۹۲' ٤٣٧١) كتاب الجمعة : باب الجمعة في القرى والمدن' أبو داود (۱۰٦٨) ابن خزيمة (۱۷۲۵)]

(۲) [ضعيف : تمام المنة (ص/۳۳۲) فتح الباری (٤٨٦/١)]

(۳) [بیهقی (۱۷۸/۳) التعليق المغنى على الدارقطنى (١٦٦/١)]

(٤) [عبدالرزاق (۵۱۸۵) بیهقی (۱۷۸/۳) فتح الباری (٤٨٦/١) التعليق المغنى على الدارقطنى (١٦٦/١)]

(٥) [عون المعبود (٤١٤/١)]

(٦) [الأم (۳۲۸/۱) المجموع (۳۵۳/٤) المبسوط (۲۳۳۲) بدائع الصنائع (۲۵۹/۱) الهداية (۸۲/۱) الإختيار (۸۱/۱)]

(۷) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: نيل الأوطار (٥١٤/٢) الروضة الندية (٣٤٤/١) المحلى بالآثار (٢٥٤/٣)]

(۸) [الفتاوى الإسلامية (۳۹۹/۱)]

وہی شخص پڑھائے۔''(۱)

حالانکہ اسلام نے ایسی کوئی شرط مقرر نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ احناف کے علاوہ دیگر تمام علماء نے صحت جمعہ کے لیے ایسی کوئی شرط مقرر نہیں کی۔ علاوہ ازیں جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محصور تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز (جمعہ) پڑھائی' اس پر کسی نے تعجب نہیں کیا بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے از خود اسے درست قرار دیا۔(۲)

إِلَّا فِي مَشْرُوْعِيَّةِ الْخُطْبَتَيْنِ قَبْلَهَا	لیکن اس سے پہلے دو خطبے مشروع ہیں۔ ❶

❶ جیسا کہ صحیح احادیث میں موجود ہے کہ ﴿كانت للنبي خطبتان يجلس بينهما﴾ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے دیا کرتے تھے اور ان دونوں کے درمیان بیٹھتے تھے۔''(۳)

(شافعیؒ، ابوحنیفہؒ، مالکؒ) جمعہ کا خطبہ واجب ہے۔

(حسنؒ، داود ظاہریؒ) یقیناً خطبہ جمعہ صرف مستحب ہی ہے۔

(ابن حزمؒ) خطبہ جمعہ واجب نہیں ہے۔

(شوکانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔

(صدیق حسن خانؒ) انہوں نے عدم وجوب کو ہی ترجیح دی ہے۔(٤)

(قرطبیؒ) خطبہ جمعہ فرض ہے۔(٥)

(البانیؒ) خطبہ واجب ہے۔(٦)

جن حضرات کے نزدیک خطبہ واجب نہیں ہے ان کا مستدل یہ ہے کہ مجرد فعل سے وجوب ثابت نہیں ہوتا اور جو لوگ وجوب کے قائل ہیں ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ [الجمعة: ۹] ''اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو۔''

(2) خطبہ جمعہ ظہر کی دو رکعتوں کا بدل ہے گو کہ جس نے اسے چھوڑا اس نے ظہر کی دو رکعتیں چھوڑ دیں۔''

(3) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَتَرَكُوكَ قَائِمًا﴾ [الجمعة: ۱۱] ''(لوگ جب کوئی سودا بکتا دیکھتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ کی حالت میں) کھڑا ہی چھوڑ دیتے ہیں۔''

مقصود یہ ہے کہ اس آیت میں خطبہ چھوڑنے والوں کی مذمت کی گئی ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ واجب کو چھوڑنے پر ہی

(۱) [قدوری (ص/۵۳) الدر المختار (۷٤۷/۱) فتح القدير (٤٠٨/۱) بدائع الصنائع (۲٥٩/۱)]

(۲) [الفقه الإسلامي وأدلته (۱۲۹۸/۲)]

(۳) [مسلم (۸٦۲) كتاب الجمعة : باب ذكر الخطبتين قبل الصلاة وما فيها من الجلسة' أبو داود (۱۰۹۳) نسائي (۱٤۱۷)]

(٤) [نيل الأوطار (٥٥٥/۲-٥٥٦) المحلى بالآثار (۲٦۳-۲٦٤) الروضة الندية (۳٤٥/۱)]

(٥) [تفسير قرطبي (۱۸-۱۱٤)]

(٦) [تمام المنة (ص/۳۳۲) التعليقات الرضية على الروضة الندية (۳٦۷/۱)]

مذمت کی جاتی ہے (نہ کہ کسی مستحب عمل کو چھوڑنے پر)۔(۱)

(راجح) وجوب کے دلائل زیادہ قوی ہیں۔ (واللہ اعلم)(۲)

361- دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كان رسول الله يخطب قائما ويجلس بين الخطبتين﴾ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے اور دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھا کرتے تھے۔''(۳)

(شافعیؒ) دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا واجب ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل پر مداومت اختیار فرمائی ہے۔

(جمہور) واجب نہیں ہے کیونکہ مجرد فعل وجوب پر دلالت نہیں کرتا۔(٤)

(راجح) جمہور کا موقف راجح ہے۔(٥)

362- دوران خطبہ وعظ ونصیحت

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ﴿كان يقرأ القرآن ويذكر الناس﴾ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم (دوران خطبہ) قرآن کی تلاوت فرماتے اور لوگوں کو وعظ ونصیحت کرتے۔''(٦)

معلوم ہوا کہ خطبہ جمعہ محض عربی کے چند مخصوص الفاظ کا نام نہیں ہے بلکہ دعوت وارشاد اور وعظ ونصیحت بھی خطبہ جمعہ میں ہی شامل ہے۔

363- مختصر خطبہ اور لمبی نماز

(1) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إن طول صلاة الرجل وقصر خطبته مئنة من فقهه﴾ ''آدمی کی (عام نمازوں سے) لمبی نماز اور (عام خطبوں سے) چھوٹا خطبہ اس کی فقاہت کی علامت ہے۔''(۷)

(2) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كانت صلاة رسول الله قصدا وخطبته قصدا﴾ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اور خطبہ دونوں معتدل (نہ زیادہ طویل اور نہ زیادہ چھوٹے) ہوتے تھے۔''(۸)

امام ابن اثیرؒ رقمطراز ہیں کہ قصد کا معنی یہ ہے کہ ((الوسط بين الطرفين)) ''دونوں طرفوں کے مابین درمیانی حصہ۔''(۹)

---

(۱) [تفسیر قرطبی (۱۱٤/۱۸)]

(۲) [مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: اللباب فی علوم الکتاب "تفسیر القرآن" (۹۷/۱۹)]

(۳) [مسلم (۸٦۲) کتاب الجمعة : باب ذکر الخطبتين قبل الصلاة...... أبو داود (۱۰۹٤) ابن ماجة (۱۱۰٥) نسائی (۱۰۹/۳) أحمد (۹۰/٥)]

(٤) [المجموع (۳۸٤/٤) الأم (۲٤۲/۱) بدائع الصنائع (۲٦۲/۱) المبسوط (۲٦/۲) الهداية (۸۳/۱) الاختيار (۸۲/۱)]

(٥) [نيل الأوطار (٥٥٦/۲)]

(٦) [صحيح : صحيح أبو داود (۹٦۹) كتاب الصلاة : باب الخطبة قائما ' أبو داود (۱۰۹٤)]

(۷) [مسلم (۸٦۹) كتاب الجمعة : باب تخفيف الصلاة والخطبة ' ابن خزيمة (۱۷۸۲) أحمد (۲٦۳/٤)]

(۸) [مسلم (۸٦٦) أيضا ' ترمذی (٥۰۷) نسائی (۱۹۱/۳) ابن ماجة (۱۱۰٦)]

(۹) [النهاية لابن الأثير (٦۷/٤)]

(نوویؒ) ان دونوں احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ لمبی نماز سے مراد خطبے کے لحاظ سے طویل ہے نہ کہ ایسی طوالت مراد ہے جس سے مقتدی مشقت میں پڑ جائیں۔(۱)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ عقلمند و دانا خطیب وہی ہے جو جامع کلمات استعمال کرتے ہوئے مختصر خطبہ دے کیونکہ مختصر بات ہی یاد رکھنے اور ذہن نشین کرنے کے لیے آسان ہوتی ہے اسی لیے نبی ﷺ بھی طویل خطبے سے احتراز کیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كان رسول الله لا يطيل الموعظة ' إنما هن كلمات يسيرات﴾ ''رسول اللہ ﷺ بہت طویل وعظ و نصیحت نہیں فرماتے تھے بلکہ چند مختصر کلمات پر ہی اکتفا فرماتے تھے۔''(۲)

اس کے علاوہ کم از کم کتنا خطبہ جمعہ کے لیے کافی ہے اس میں علماء نے اختلاف کیا ہے جسے فقہ کی ضخیم و طویل کتب میں دیکھا جا سکتا ہے۔(۳)

364- کھڑے ہو کر خطبہ دینا

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَتَرَكُوكَ قَائِمًا﴾ [الجمعة : ١١] ''لوگ (جب تجارت یا کوئی لہو ولعب کا کام دیکھتے ہیں تو) آپ ﷺ کو کھڑے (خطبہ دیتے ہوئے ہی) چھوڑ جاتے ہیں۔''

(2) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن النبي ﷺ كان يخطب قائما يوم الجمعة فجاءت عير من الشام فانفتل الناس إليها حتى لم يبق إلا اثنى عشر رجلا وفي رواية أنا فيهم فنزلت هذه الآية﴾ ''نبی ﷺ کھڑے ہو کر جمعہ کا خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ (ایک مرتبہ دوران خطبہ) شام سے ایک (تجارتی) قافلہ آ گیا۔ (لوگوں کو پتہ چلا تو) خطبہ چھوڑ کر اسی کی طرف چلے گئے حتی کہ صرف بارہ (12) آدمی (مسجد میں) باقی رہ گئے۔'' ایک روایت میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں بھی ان میں تھا تو اس وقت یہ آیت ﴿وَتَرَكُوكَ قَائِمًا﴾ نازل ہوئی۔''(٤)

(3) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ﴿كان النبي ﷺ يخطب يوم الجمعة قائما ثم يجلس ثم يقوم كما يفعلون اليوم﴾ ''نبی ﷺ خطبہ جمعہ کھڑے ہو کر ارشاد فرماتے تھے' پھر بیٹھ جاتے' پھر کھڑے ہو جاتے جیسا کہ آج لوگ کرتے ہیں۔''(٥)

(4) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے اور ﴿فمن قال أنه يخطب جالسا فقد كذب﴾ ''جس نے کہا کہ آپ ﷺ بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے اس نے جھوٹ بولا۔''(٦)

(5) ایک روایت میں ہے کہ ''جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پیٹ کی چربی اور گوشت زیادہ ہو گیا تب انہوں نے بیٹھ کر خطبہ دیا۔''(٧)

(١) [شرح مسلم (٣٢٦/٣)]
(٢) [حسن : صحيح أبو داود (٩٧٩) كتاب الصلاة : باب إقصار الخطب ' أبو داود (١١٠٧)]
(٣) [المجموع (٣٩٢/٤) الأم (٣٤٦/١) بدائع الصنائع (٢٦٢/١) المبسوط (٣٠٠/٢) الهداية (٨٣/١) المغنى (١٨٠/٣)]
(٤) [بخارى (٩٣٦) كتاب الجمعة : باب إذا نفر الناس عن الإمام ' مسلم (٨٦٣)]
(٥) [بخارى (٩٢٠) كتاب الجمعة : باب الخطبة قائما ' مسلم (٨٦١) ترمذى (٥٠٦) نسائى (١٠٩/٣) ابن ماجة (١١٠٣) أحمد (٣٥/٢) دارمى (٣٦٦/١) ابن خزيمة (١٤٤٦)]
(٦) [أحمد (٨٧/٥) مسلم (٨٦٦) أبو داود (١٠٩٤)]
(٧) [ابن أبى شيبة (١١٣/٢) ' (٥١٩٣)]

یہ عذر کی وضاحت ہے اور کسی عذر کی وجہ سے خطبہ میں بیٹھنا بالاتفاق درست ہے۔(۱)
ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دونوں خطبے کھڑے ہو کر دینا مسنون ہے اور جو شخص بغیر کسی شرعی عذر کے ان میں سے کوئی بھی خطبہ بیٹھ کر دینا مسنون سمجھے تو وہ بدعتی ہوگا۔(۲)

○ کھڑے ہو کر خطبہ دینے کے حکم میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے۔

(جمہور) واجب ہے۔

(ابوحنیفہؒ) کھڑے ہو کر خطبہ دینا سنت ہے واجب نہیں۔(۳)

(شوکانیؒ) مجرد فعل وجوب پر دلالت نہیں کرتا اس لیے کھڑا ہونا واجب تو نہیں البتہ آپ ﷺ کا اسوہ وسنت اور عمل متواتر ضرور ہے۔(٤)

(قرطبیؒ) یہ آیت ﴿وَتَرَكُوكَ قَائِمًا﴾ دوران خطبہ خطیب کے منبر پر کھڑے ہونے (کے مسئلے) میں شرط ہے۔(٥)

(راجح) جمہور کا موقف قوی معلوم ہوتا ہے۔(واللہ اعلم)(٦)

365- دوران وعظ نبی ﷺ کی کیفیت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كان رسول الله إذا خطب احمرت عيناه وعلا صوته واشتد غضبه حتى كأنه منذر جيش يقول صبحكم ومساكم﴾ "رسول اللہ ﷺ جب خطبہ ارشاد فرماتے تو آپ ﷺ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں' آپ ﷺ کی آواز بلند ہو جاتی اور آپ ﷺ کا غصہ سخت ہو جاتا گویا کہ کسی لشکر کو ڈانٹ رہے ہیں کہ دشمن کا لشکر صبح کو پہنچا یا شام کو پہنچا۔"(۷)

دوران خطبہ آپ ﷺ اپنی انگشت شہادت سے اشارہ فرماتے تھے۔(۸)

(شوکانیؒ) ان احادیث کا ظاہری مفہوم یہی ہے کہ خطبہ جمعہ میں انگلی کے ساتھ اشارہ کرنا جائز ہے۔(۹)

366- خطبہ مسنونہ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَسَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔

(۱) [سبل السلام (۲/٦۳٤)]
(۲) [السيل الجرار (۱/۲۹۹)]
(۳) [شرح المهذب (٤/۳۸۳) الأم (۱/۳٤۱) بداية المجتهد (۱/۱۲٦) المبسوط (۲/۲٦) الهداية (۱/۸۳) الإختيار (۱/۸۳)]
(٤) [نيل الأوطار (۲/٥٥۹) السيل الجرار (۱/۲۹۹)]
(٥) [تفسير قرطبي (۱۸/۱۱٤)]
(٦) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اللباب في علوم الكتاب "تفسير القرآن" (۱۹/۹۷)]
(۷) [مسلم (۸٦۷) كتاب الجمعة : باب تخفيف الصلاة والخطبة' ابن ماجة (٤٥)]
(۸) [صحيح : صحيح أبو داود (۹۷۷) أبو داود (۱۱۰٤) أحمد (٤/۱۳٥) ترمذي (٥۱٥) نسائي (۳/۱۰۸) ابن خزيمة (۱۷۹٤)]
(۹) [نيل الأوطار (۲/٥٦۳)]

(1) ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ [آل عمران : ١٠٢]

(2) ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾ [النساء : ١]

(3) ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾ [الأحزاب : ٧٠ـ٧١]

أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ۔ (١)

وَوَقْتُهَا وَقْتُ الظُّهْرِ	اس کا وقت ظہر کا وقت ہی ہے۔ ❶

❶ اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ظہر کا وقت ہی جمعہ کا وقت ہے کیونکہ یہ ظہر کا بدل ہے البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا نماز جمعہ زوال سے پہلے ادا کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ جن حضرات کے نزدیک زوال آفتاب سے پہلے نماز جمعہ کی ادائیگی درست ہے ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كنا نجمع مع رسول الله إذا زالت الشمس ثم نرجع نتتبع الفيئ﴾ ''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس وقت جمعہ ادا کرتے جب سورج ڈھلتا پھر ہم واپس لوٹتے تو سایہ تلاش کرتے (کیونکہ سایہ ہوتا ہی نہیں تھا یا بہت کم ہوتا تھا)۔''

اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿ثم ننصرف وليس للحيطان ظل نستظل به﴾ ''پھر ہم اپنے گھروں کو جاتے تو اس وقت دیواروں کا اس قدر سایہ نہیں ہوتا تھا کہ ہم سائے میں بیٹھ کر آرام کر لیں۔'' (٢)

(2) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كان رسول الله يصلي الجمعة حين تميل الشمس﴾ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نمازِ جمعہ پڑھاتے جب سورج ڈھلتا تھا۔'' (٣)

(3) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ پڑھاتے ﴿ثم نذهب إلى جمالنا فنريحها حين تزول الشمس يعني النواضح﴾ ''پھر ہم اپنے اونٹوں کے پاس جاتے اور انہیں لے کر چلتے جبکہ اس وقت سورج ڈھل رہا ہوتا تھا۔ مراد ایسے اونٹ ہیں کہ جن پر سیراب کرنے کے لیے پانی لایا جاتا ہے۔'' (٤)

(4) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿ما كنا نقيل ولا نتغدى إلا بعد الجمعة﴾ ''ہم قیلولہ اور دوپہر کا کھانا

(١) [تمام المنة (ص/٣٣٤ـ٣٣٥) إرواء الغليل (٦٠٨)]

(٢) [بخاری (٤١٦٨) كتاب المغازی : باب غزوة الحديبية ' مسلم (٨٥٩ ' ٨٦٠) أبو داود (١٠٨٥) ابن ماجة (١١٠٠) نسائی (١٠٠/٣) دارمی (٣٦٣/١) ابن أبی شيبة (٢٠٧/١) أحمد (٤٦/٤) بيهقی (١٩٠/٣)]

(٣) [أحمد (١٢٨/٣) بخاری (٩٠٤) كتاب الجمعة : باب وقت الجمعة إذا زالت الشمس ' أبو داود (١٠٨٤) ترمذی (٥٠٣) بيهقی (١٩٠/٣) شرح السنة (٥٧٢/٢)]

(٤) [أحمد (٣٣١/٣) مسلم (٨٥٨) كتاب الجمعة : باب صلاة الجمعة حين تزول الشمس ' نسائی (١٠٠/٣)]

دونوں کام جمعہ کے بعد کرتے تھے۔'' (۱)

یہ تمام دلائل اس بات کا ثبوت ہیں کہ نماز جمعہ زوالِ آفتاب سے قبل بھی ادا کی جاسکتی ہے۔

(جمہور) جمعے کا وقت وہی ہے جو ظہر کا وقت ہے اور وہ صرف بعد از زوالِ آفتاب ہے۔

(مالکؒ) خطبہ جمعہ زوالِ آفتاب سے پہلے بھی درست ہے۔

(احمدؒ) نماز جمعہ زوالِ آفتاب سے پہلے بھی جائز ہے۔ (۲)

(ابن حزمؒ) نماز جمعہ صرف زوالِ آفتاب کے بعد ہی درست ہے۔ (۳)

(عبدالرحمن مبارکپوریؒ) اسی کے قائل ہیں۔

(راجح) امام احمدؒ کا موقف راجح ہے کیونکہ یہی احادیث کے زیادہ قریب ہے۔

(شوکانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔ (٤)

(صدیق حسن خانؒ) اس کو برحق مانتے ہیں۔ (٥)

وَعَلٰی مَنْ حَضَرَهَا أَنْ لَا يَتَخَطّٰی رِقَابَ النَّاسِ	جمعہ کے لیے آنے والے پر لازم ہے کہ وہ لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے۔ ❶

❶ (1) حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿جاء رجل يتخطى رقاب الناس يوم الجمعة والنبي ﷺ يخطب فقال له رسول الله ﷺ "اجلس فقد آذيت"﴾ ''ایک آدمی جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے آیا اور اس وقت نبی ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا ''بیٹھ جاؤ بے شک تم نے بہت تکلیف دی ہے۔'' (٦)

(2) جن اعمال کو دو جمعوں کے درمیانی گناہوں کی بخشش کا ذریعہ قرار دیا گیا ان میں یہ بھی ہے کہ ﴿ولا يفرق بين اثنين﴾ ''انسان دو آدمیوں کے درمیان فاصلہ نہ کرے (یعنی انہیں پھلانگ کر درمیان سے نہ گزرے)۔'' (٧)

(3) حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿من تخطى رقاب الناس يوم الجمعة اتخذ

(۱) [بخاری (۹۳۹) كتاب الجمعة : باب قول الله تعالى "فإذا قضيت الصلاة فانتشروا......" مسلم (۸۵۹) أبو داود (۱۰۸٦) ترمذی (٥٢٤) أحمد (۳۳٦/٥) ابن ماجة (۱۰۹۹)]

(۲) [تحفة الأحوذی (۳٦/۳) نيل الأوطار (٥٤٩/٢) شرح مسلم للنووی (٤١٣/٣) المغنی (١٤٤/٢) الشرح الكبير (١٦٣/٢) بداية المجتهد (١١٤/١) المجموع (٥١١/٤)]

(۳) [المحلى بالآثار (٢٤٤/٣)]

(٤) [نيل الأوطار (٥٤٩/٢) السيل الجرار (٢٩٦/١)]

(٥) [الروضة الندية (٣٤٦/١)]

(٦) [صحيح : صحيح نسائی (۱۳۲٦) أحمد (١٨٨/٤) أبو داود (١١١٨) كتاب الصلاة : باب تخطى رقاب الناس يوم الجمعة ' نسائی (١٠٢/٣) ابن خزيمة (١٨١١) ابن حبان (٢٧٩٠)]

(٧) [بخاری (۸۸۳ ' ۹۱۰) كتاب الجمعة : باب الدهن للجمعة ' أحمد (٤٣٨/٥) دارمی (٣٦٢/١)]

حسرا إلى جهنم﴾ ’’جس نے جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگیں اسے جہنم کی طرف پل بنایا جائے گا۔‘‘ (۱)

(4) حضرت ارقم بن ابی الارقم مخزومی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگنے والے اور امام کے آنے کے بعد دو آدمیوں کے درمیان تفریق ڈالنے والے کے متعلق فرمایا﴿ کالحار قصبه فی النار﴾ ’’ایسا شخص آگ میں اپنی آنت کھینچنے والے کی طرح ہے۔‘‘ (۲)

(حنابلہ) دوران خطبہ گردنیں پھلانگنا مکروہ ہے۔

(نوویؒ) یہ عمل حرام ہے (امام شافعیؒ سے بھی یہی حکم نقل کیا گیا ہے)۔

(ابن قیمؒ) یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ (۳)

اس حکم سے امام اور ایسا شخص مستثنیٰ ہے جو اگلی صفوں میں کچھ خالی جگہ دیکھتا ہے اور پھر وہاں پہنچنے کے لیے گردنیں پھلانگنا ناگزیر ہے۔ (۴)

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ جب امام کے لیے منبر یا محراب تک پہنچنے کے لیے گردنے پھلانگنے کے سوا کوئی راستہ نہ ہو تو یہ عمل مکروہ نہیں کیونکہ یہ ضرورت ہے۔ (۵)

○ علاوہ ازیں ایک حدیث سے بوقت ضرورت نماز جمعہ کے علاوہ گردنیں پھلانگنے کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے۔ (٦) اور وہ مندرجہ ذیل ہیں:

حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿صليت وراء رسول الله بالمدينة العصر ثم قام مسرعا فتخطى رقاب الناس إلى بعض حجر نساءه...... قال ذكرت شيئا من تبر كان عندنا فكرهت أن يحبسني فأمرت بقسمته﴾ ’’میں نے مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز عصر ادا کی پھر آپ ﷺ جلدی سے کھڑے ہوئے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے اپنی کسی بیوی کے حجرے میں چلے گئے ...... واپس آ کر آپ ﷺ نے کہا کہ ہمارے پاس سونے کی ایک ڈلی (تقسیم کرنے سے) بچ گئی تھی مجھے اس میں دل لگا رہنا برا معلوم ہوا لہٰذا میں نے اسے تقسیم کرنے کا حکم دے دیا۔‘‘ (۷)

---

(۱) [ضعیف : ضعيف ترمذی (۷۹) کتاب الجمعة : باب ما جاء فی کراهية التخطى يوم الجمعة ' المشكاة (۱۳۹۲) ترمذی (۵۱۳) ابن ماجة (۱۱۱٦) أحمد (۴۳۷/۳)] شیخ احمد شاکرؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [شرح ترمذی (۳۷۹/۲)] شیخ محمد صبحی حسن حلاق نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [التعليق على الروضة الندية (۳۴۸/۱)]

(۲) [ضعیف : أحمد (۴۱۷/۳) امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں ہشام بن زیاد راوی ہے جس کے ضعف پر (علماء نے) اجماع کیا ہے۔ [مجمع الزوائد (۱۷۹/۲)] مزید اس راوی کے حکم کے لیے دیکھیے۔ [ميزان الاعتدال (۲۹۸/۴)]

(۳) [نيل الأوطار (۵۴۰/۲) تحفة الأحوذی (٦۲/۳) الروضة الندية (۳۴۸/۱)]

(۴) [فتح الباری (۳۹۲/۲)]

(۵) [المجموع (۴۲۰/۴)]

(٦) [تحفة الأحوذی (٦۳/۳)]

(۷) [بخاری (۸۵۱' ۱۲۲۱) کتاب الأذان : باب من صلى بالناس فذكر حاجة فتخطاهم ' نسائی (۴۰٦/۱)]

وَأَنْ يُنْصِتَ حَالَ الْخُطْبَتَيْنِ	اور دونوں خطبوں کے درمیان خاموش رہے۔ ❶

❶ (1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة أنصت والإمام يخطب فقد لغوت﴾ ''جمعہ کے دن دوران خطبہ جب تم اپنے کسی ساتھی سے کہو کہ خاموش ہو جاؤ تو (یاد رکھو) بے شک تم نے لغو حرکت کی ہے۔'' (۱)

(2) جن افعال کی وجہ سے ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور مزید تین دن کے گناہوں کی بخشش کا ذکر حدیث میں ہے ان میں یہ بھی ہے ﴿ثم أنصت حتى يفرغ الإمام من خطبته﴾ ''پھر انسان اس وقت تک خاموش رہے جب تک کہ امام اپنے خطبے سے فارغ نہ ہو جائے۔'' (۲)

(3) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من تكلم يوم الجمعة والإمام يخطب فهو كمثل الحمار يحمل أسفارا والذي يقول له أنصت ليست له الجمعة﴾ ''جس شخص نے جمعہ کے دن اس وقت کلام کیا کہ جب امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ ایسے گدھے کی طرح ہے جس نے کتابیں اٹھا رکھی ہیں اور جو شخص کسی کو کہتا ہے کہ خاموش ہو جاؤ اس کا جمعہ نہیں ہوا۔'' (۳)

(4) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''جو شخص امام کے قریب ہو کر بیٹھا اور اس نے لغو حرکت کی' خطبہ توجہ سے نہ سنا ﴿ولم ينصت﴾ ''اور خاموش نہ رہا'' تو اس پر (گناہوں کے) بوجھ کا ایک حصہ ہو گا اور جس نے کسی کو کہا ٹھہر جاؤ اس نے لغو حرکت کی ﴿ومن لغا فلا جمعة له﴾ ''اور جس نے کوئی لغو حرکت کی اس کا کوئی جمعہ نہیں۔'' (٤)

(5) ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿كفى لغوا إذا صعد الإمام المنبر أن تقول لصاحبك أنصت﴾ ''اتنی لغو حرکت ہی کافی ہے کہ جب امام منبر پر چڑھے تو تم اپنے ساتھی سے اتنا کہہ دو کہ تم خاموش ہو جاؤ۔'' (٥)

ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ دوران خطبہ کلام کرنا ممنوع ہے اور لغو حرکت ہے۔ اور جن احادیث میں کلام کی وجہ سے جمعہ ضائع ہونے کا ذکر ہے وہ ضعیف ہیں اس لیے اس عمل سے جمعہ تو ضائع نہیں ہو گا البتہ اجر و ثواب میں نقص و کمی اور ممانعت سے گریز نہ کرنے کا گناہ بہر حال ضرور ہو گا۔

---

(۱) [بخاری (۹۳٤) كتاب الجمعة : الإنصات يوم الجمعة..... مسلم (٥٨١) موطا (١٠٣/١) أبو داود (١١١٢) ترمذی (٥١٢) ابن ماجة (١١١٠) دارمی (٣٦٤/١) نسائی (١٠٤/٣) ابن خزيمة (٢٩٩)]

(۲) [مسلم (٧٥٧) كتاب الجمعة : باب فضل من استمع وأنصت فى الخطبة]

(۳) [**ضعيف** : الضعيفة (١٧٦٠) تمام المنة (ص/٣٣٨) أحمد (٢٣٠/١) كشف الأستار للبزار (٢٠٩/١) مجمع الزوائد (١٨٧/٢) اس کی سند میں مجالد بن سعید راوی ہے جو جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔ [ميزان الاعتدال (٤٣٨/٣) المغنى (٥٤٢/٢) التاريخ الكبير (٩/٨) الجرح والتعديل (٣٦١/٧) المجروحين (١٠/٣)]

(٤) [**ضعيف** : ضعيف أبو داود (٢٣٠) كتاب الصلاة : باب فضل الجمعة' أبو داود (١٠٥١) أحمد (٩٣/١) اس کی سند میں عطاء خراسانی کی بیوی کا آزاد کردہ غلام مجہول ہے۔ [الروضة الندية (٣٤٩/١)]

(٥) [طبرانی (٩٠٤٣) ابن أبی شيبة (٥٢٩٢) امام ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ [مجمع الزوائد (١٨٩/٢)]

(جمہور) دوران خطبہ خاموش رہنا واجب ہے اور ہر قسم کا کلام حرام ہے۔

علاوہ ازیں فقہاء نے اس مسئلہ میں مزید فروعات پیش کی ہیں کہ یہاں جنکا بیان طوالت سے اجتناب کی غرض سے ناممکن ہے۔(۱)

367- امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد ابتدائے خطبہ سے پہلے کلام درست ہے

جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ خطبہ سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھ جاتے تب بھی لوگ باتیں کرتے رہتے تھے۔(۲) البتہ خطیب کے لیے جائز ہے کہ دوران خطبہ کسی سائل کے سوال کا جواب دے اور جس نے کوئی ضروری کام چھوڑ دیا ہو اسے کرنے کا حکم دے جیسا کہ صحیح روایات سے یہ عمل ثابت ہے۔(۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گردنیں پھلانگنے والے شخص کو دوران خطبہ کہا ﴿اجلس فقد آذیت﴾ "بیٹھ جاؤ' بیشک تم نے تکلیف دی ہے۔"(٤)

جو تحیۃ المسجد پڑھنے کے بغیر بیٹھ گیا اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوران خطبہ فرمایا ﴿فصل رکعتین﴾ "دو رکعت نماز ادا کرو۔"(٥)

368- دوران خطبہ سلام کا جواب اور دیگر اذکار

(ابو یوسفؒ، احمدؒ، اسحاقؒ) جس شخص کو چھینک آئے اس کا جواب دینا اور سلام کا جواب دینا دوران خطبہ درست ہے۔

(شافعیؒ) یہ دونوں کام درست نہیں۔(٦)

(البانیؒ) زیادہ مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ دوران خطبہ سلام کا جواب دینا اور جسے چھینک آئے اس کے لیے "یرحمک اللہ" کہنا ناجائز و ممنوع ہے۔(۷)

(نوویؒ) یہی بات شافعیہ کے نزدیک صحیح منصوص ہے۔(۸)

(ابن حزمؒ) دوران خطبہ خاموشی فرض ہے لیکن (صرف) سلام کہنا' سلام کا جواب دینا' اگر چھینک آئے تو "الحمدللہ" کہنا' اگر کوئی الحمدللہ کہے تو (اس کے جواب میں) "یرحمک اللہ" کہنا' پھر اس کے جواب میں "یھدیکم اللہ ویصلح بالکم" کہنا' اگر امام درود کا کہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا' اس کی دعا پر آمین کہنا' بوقت ضرورت امام سے مخاطب ہونا اور کسی بھی کام میں اگر امام کسی سے کلام شروع کرے تو اسے جواب دینا (درست) ہے۔(۹)

---

(۱) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الأم (۳٤٥/۱) المجموع (۳۹۳/٤) بدائع الصنائع (۲٦٤/۱) المبسوط (۲۷/۲) الهداية (۸٤/۱) المغنى (۱۹۷/۳) بداية المجتهد (۱۲۷/۱)]

(۲) [نيل الأوطار (٥٦۸/۲) ترتيب المسند للشافعي (٤٠۹) المجموع (۳۹۳/٤) الأم (۳٤٦/۱) بدائع الصنائع (۲٦٤/۱) المبسوط (۲۸/۲) الهداية (۸٤/۱) المغنى (۳٠۳/۲) فتح العلام (۲۷۱)]

(۳) [السيل الجرار (/۱)]

(٤) [صحيح : صحيح نسائى (۱۳۲٦)]

(٥) [مسلم (۸۷٥)]

(٦) [تحفة الأحوذى (٥۸/۳) عمدة القارى (۳۲۱/٥)]

(۷) [تمام المنة (ص/۳۳۹)]

(۸) [المجموع (٥۲٤/٤)]

(۹) [المحلى بالآثار (۲٦۸/۳)]

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) میرے نزدیک زیادہ مناسب یہ ہے کہ دوران خطبہ کلام سے ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی باہمی گفتگو ممنوع ہے اور اسی طرح خاموشی سے مراد لوگوں کی باہمی گفتگو سے خاموشی ہے نہ کہ اللہ کے ذکر سے خاموشی مراد ہے جیسا کہ امام ابن خزیمہؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ لہٰذا اگر انسان دوران خطبہ لوگوں سے کلام کرنے سے خاموش رہے لیکن خفیہ اپنے دل میں سلام کا جواب دے یا جسے چھینک آئے اسے خفیہ جواب دے یا نبی ﷺ کے (نام کا) ذکر آئے تو آپ ﷺ پر خفیہ ہی درود بھیجے تو یہ شخص ہر مذکورہ ممانعت (سے اجتناب) اور حکم پر عمل کرنے والا ہے۔(۱)

(ابن بازؒ) جیسے دوران نماز چھینکنے والے کا جواب (یعنی "یرحمک اللہ") نہیں دیا جاتا اسی طرح دوران خطبہ بھی نہیں دیا جائے گا۔(۲)

(راجح) عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ اور ان کے موافق جن کا موقف ہے وہ راجح ہے کیونکہ ان تمام اشیاء کو کلام نہیں جاسکتا نیز یہ انصات کے بھی خلاف نہیں۔ (واللہ اعلم)

نُدِبَ لَهُ التَّبْكِيرُ	جمعہ کے لیے جلدی آنا مستحب ہے۔ ❶

❶ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿من اغتسل يوم الجمعة غسل الجنابة ثم راح فكأنما قرب بدنة ومن راح في الساعة الثانية فكأنما قرب بقرة ومن راح في الساعة الثالثة فكأنما قرب كبشا أقرن ومن راح في الساعة الرابعة فكأنما قرب دجاجة ومن راح في الساعة الخامسة فكأنما قرب بيضة فإذا خرج الإمام حضرت الملائكة يستمعون الذكر﴾ "جو شخص جمعہ کے دن غسلِ جنابت کر کے (سب سے پہلے مسجد میں) جائے تو گویا اس نے ایک اونٹ کی قربانی دی' اور اگر دوسرے نمبر پر گیا تو گویا ایک گائے کی قربانی دی' اور جو تیسرے نمبر پر گیا تو گویا اس نے ایک سینگ والے مینڈھے کی قربانی دی' اور جو کوئی چوتھے نمبر پر گیا تو اس نے گویا ایک مرغی کی قربانی دی' اور جو کوئی پانچویں نمبر پر گیا تو اس نے گویا انڈہ اللہ کی راہ میں دیا۔ لیکن جب امام خطبہ کے لیے باہر آ جاتا ہے تو فرشتے خطبہ سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔"(۳)

(2) حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس شخص نے جمعہ کے دن غسل کرایا (یعنی اپنی بیوی سے ہم بستر ہوا) اور خود غسل کیا ﴿وبكر وابتكر﴾ "اور جلدی آیا (دونوں کا ایک ہی معنی ہے)" اور سوار ہو کر نہیں بلکہ پیدل گیا' امام کے قریب ہوا' خطبہ سنا اور کوئی لغو کام نہ کیا ﴿كان له بكل خطوة عمل سنة أجر صيامها وقيامها﴾ "اس کے ہر قدم کے بدلے اسے ایک سال کے عمل یعنی ایک سال کے روزوں اور ایک سال کی تہجد کا ثواب ملے گا۔"(٤)

وَالتَّطَيُّبُ وَالتَّجَمُّلُ	خوشبو لگانا اور صاف ستھرے کپڑے پہن کر خوبصورت بننا (مستحب ہے)۔ ❶

❶(1) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿الغسل يوم الجمعة واجب على كل

(۱) [تحفة الأحوذي (۵۹/۳)]

(۲) [الفتاوى الإسلامية (۳۹۰/۱)]

(۳) [بخاري (۸۸۱) كتاب الجمعة : باب فضل الجمعة ' مسلم (۸۵۰) موطا (۱۰۱/۱) أبو داود (۳۵۱) ترمذي (٤۹۹) ابن ماجة (۱۰۹۲) نسائي (۹۹/۳) أحمد (۲۳۹/۲) ابن خزيمة (۱۳۳/۳)]

(٤) [صحيح : صحيح أبو داود (۳۳۳) كتاب الطهارة : باب في الغسل يوم الجمعة ' أبو داود (۳٤۵) المشكاة (۱۳۸۸)]

محتلم وأن يستن وأن يمس طيبا إن وجد﴾ ”ہر بالغ پر جمعہ کا غسل واجب ہے اور مسواک کرنا اور خوشبو لگانا اگر میسر ہو۔“ (۱)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے عمرو بن سلیمؒ فرماتے ہیں کہ غسل کے واجب ہونے کی تو میں گواہی دیتا ہوں البتہ مسواک کرنا اور خوشبو لگانا اللہ تعالیٰ ہی زیادہ علم رکھتے ہیں کہ یہ دونوں واجب ہیں یا نہیں۔ (۲)

(2) حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا يغتسل رجل يوم الجمعة ويتطهر ما استطاع من طهر ويدهن من دهنه أو يمس من طيب بيته ثم يخرج فلا يفرق بين اثنين ثم يصلي ما كتب له ثم ينصت إذا تكلم الإمام إلا غفرله ما بينه وبين الجمعة الأخرى﴾ ”جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے نہایت مبالغہ آرائی کے ساتھ پاکیزگی اختیار کرے' تیل لگائے یا گھر کی خوشبو لگائے' پھر جمعہ کی نماز کے لیے نکلے اور دو انسانوں کے درمیان تفریق نہ کرے (یعنی ان کے درمیان نہ بیٹھے)' پھر جس قدر (نوافل) اس کے مقدر میں ہیں ادا کرے پھر امام کے خطبہ دینے کے وقت خاموش رہے تو اس کے وہ گناہ جو اس جمعہ اور دوسرے جمعہ کے درمیان ہیں معاف کر دیے جاتے ہیں۔“ (۳)

(3) حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من اغتسل يوم الجمعة ومس من طيب إن كان عنده ولبس من أحسن ثياب ثم خرج وعليه السكينة حتى يأتي المسجد فيركع إن بدا له ولم يؤذ أحدا ثم أنصت إذا خرج إمامه حتى يصلي "كانت كفارة لما بينها وبين الجمعة الأخرى"﴾ ”جو جمعہ کے دن غسل کرے' اور اگر اس کے پاس موجود ہو تو خوشبو لگائے' اور اپنے بہترین کپڑے پہنے' اور اطمینان کے ساتھ مسجد میں آئے' پھر اگر موقع ملے تو رکعتیں پڑھ لے' اور کسی ایک کو بھی تکلیف نہ دے' پھر جب امام نکلے تو خاموش رہے حتی کہ نماز ادا کر لے' تو یہ (سارا عمل) اس کے اس جمعے سے لے کر اگلے جمعے تک کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا۔“ (٤)

غسلِ جمعہ واجب ہے اس کا مفصل بیان ابتدائے کتاب میں " باب الغسل " کے زیرِ عنوان گزر چکا ہے۔

وَالدُّنُوُّ مِنَ الْإِمَامِ	اور امام کے قریب بیٹھے۔ ❶

❶ (1) حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿احضروا الذكر وادنوا من الإمام فإن الرجل يتباعد حتى يؤخر في الجنة وإن دخلها﴾ ”خطبہ جمعہ میں حاضری دو اور امام کے قریب بیٹھو بے شک آدمی ہمیشہ دور رہتا ہے حتی کہ وہ جنت میں بھی تاخیر سے داخل کیا جائے گا اگرچہ وہ جنت میں داخل ہوگا۔“ (٥)

(2) حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں جن افعال کے عامل شخص کے لیے جمعہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے ان میں یہ بھی ہے ﴿ودنا من الإمام﴾ ”وہ امام کے قریب ہو کر بیٹھا۔“ (٦)

(١) [بخاری (٨٨٠، ٢٦٦٥) كتاب الجمعة : باب الطيب للجمعة، مسلم (٨٤٦)]

(٢) [بخاری (بعد الحديث / ٨٨٠) أيضا]

(٣) [بخاری (٨٨٣) كتاب الجمعة : باب الدهن للجمعة، أحمد (٤٣٨/٥) دارمی (٣٦٢/١)]

(٤) [أحمد (٤٢٠/٥) ابن خزيمة (١٧٧٥) طبرانی كبير (١٦٠/٤) امام ہیثمیؒ نے اس کے رجال کو ثقہ کہا ہے۔ [مجمع الزوائد (١٧٤/٢)]

(٥) [صحيح : صحيح أبو داود (٩٨٠) كتاب الصلاة: باب الدنو من الإمام عند الموعظة، أحمد (١١/٥)]

(٦) [صحيح : صحيح أبو داود (٣٣٣) كتاب الطهارة : باب في الغسل يوم الجمعة، أبو داود (٣٤٥)]

وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنْهَا فَقَدْ أَدْرَكَهَا	جس نے جمعہ کی ایک رکعت پالی اس کا جمعہ ہو گیا۔ ❶

❶ (1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من أدرك ركعة من صلاة الجمعة أو غيرها فقد أدرك الصلاة﴾ ”جس نے نماز جمعہ یا کسی اور نماز کی ایک رکعت حاصل کر لی تو یقیناً اس نے مکمل نماز حاصل کر لی۔“ (۱)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من أدرك من الجمعة ركعة فليصل إليها أخرى﴾ ”جسے نماز جمعہ کی ایک رکعت مل جائے وہ دوسری رکعت بھی اس کے ساتھ ملا لے۔“ (۲)

(3) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من أدرك من الصلاة ركعة فقد أدرك﴾ ”جس نے کسی نماز کی ایک رکعت حاصل کر لی تو بے شک اس نے (مکمل نماز) حاصل کر لی۔“ (۳)

(4) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من أدرك من صلاة الجمعة ركعة فقد أدرك﴾ ”جس نے نماز جمعہ کی ایک رکعت حاصل کر لی تو بے شک اس نے مکمل نماز حاصل کر لی۔“ (٤)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جس نے نماز جمعہ کی ایک رکعت پالی اس کا جمعہ ہو گیا یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز جمعہ کے لیے خطبہ شرط نہیں۔

(ابو حنیفہؒ، شافعیؒ، احمدؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ (٥)

(صدیق حسن خانؒ) خطبہ جمعہ شرط نہیں ہے اور جس نے ایک رکعت پالی اس کا جمعہ مکمل ہے۔ (٦)

369- اگر ایک رکعت سے کم ملے......

مثلاً دوسری رکعت کے سجدہ یا تشہد میں پہنچے تو تب بھی اپنی بقیہ نمازِ جمعہ مکمل کرے، ظہر نہ پڑھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿فما أدركتم فصلوا وما فاتكم فأتموا﴾ ”جتنی نماز تمہیں امام کے ساتھ مل جائے وہ پڑھ لو اور جو رہ جائے اسے (بعد میں) پورا کر لو۔“ (۷)

(ابو حنیفہؒ) اسی کے قائل ہیں۔ (۸)

---

(۱) [صحیح : صحیح ابن ماجة (۹۲۲) کتاب إقامة الصلاة والسنة فيها : باب ما جآء فيمن أدرك من الجمعة ركعة، ابن ماجة (۱۱۲۳) نسائی (۵۵۷) دارقطنی (۱۲/۲)]

(۲) [صحیح : صحیح ابن ماجة (۹۲۰) أيضا، إرواء الغليل (٦۲۲) ابن ماجة (۱۱۲۱)]

(۳) [صحیح : صحیح ابن ماجة (۹۲۱) أيضا، إرواء الغليل (۸۷/۳) صحیح أبو داود (۱۰۲٦) ابن ماجة (۱۱۲۲)]

(٤) [شاذ : ضعيف نسائي (۷۸) كتاب الجمعة : باب من أدرك ركعة من صلاة الجمعة، نسائی (۱٤۲۵) حاکم (۲۹۱/۱) شیخ البانیؒ نے جمعہ کے الفاظ کے ساتھ اس حدیث کو شاذ کہا ہے۔ شیخ محمد صبحی حسن حلاق نے اسے صحیح کہا ہے۔ [التعليق على سبل السلام (۱٦۱/۳)]

(٥) [الروض النضير (۲۱٤/۲) مغني المحتاج (۲۹٦/۱) بدائع الصنائع (۲٦۷/۱) سبل السلام (٦۳۳/۲)]

(٦) [الروضة الندية (۳٥٤/۱)]

(۷) [تحفة الأحوذی (۸۳/۳)]

(۸) [أيضا]

(ابن حزمؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(۱)
(مالکؒ، شافعیؒ) اگر مکمل ایک رکعت نہ ملے تو ظہر کی چار رکعتیں پڑھنی چاہییں' جمعہ کی دو رکعتیں نہیں۔(۲)

وَهِيَ فِي يَوْمِ الْعِيدِ رُخْصَةٌ	اور عید کے دن جمعہ (آ جائے تو اس) کی رخصت ہے۔ ❶

❶ (1) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن النبي ﷺ صلى العيد في يوم جمعة ثم رخص من الجمعة فقال من شاء أن يجمع فليجمع﴾ "بلاشبہ نبی ﷺ نے بروز جمعہ نماز عید پڑھائی پھر جمعہ کی رخصت دیتے ہوئے فرمایا کہ جو جمعہ بھی پڑھنا چاہے وہ پڑھ لے۔"(۳)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿قد اجتمع في يومكم هذا عيدان فمن شاء أجزأه من الجمعة وإنا مجمعون﴾ "یقیناً تمہارے اس دن میں دو عیدیں اکٹھی ہو گئی ہیں پس جو چاہے اسے (نمازِ عید ہی) نمازِ جمعہ سے کفایت کر جائے گی لیکن ہم تو جمعہ ادا کریں گے۔"(٤)

یاد رہے کہ ﴿إنا مجمعون﴾ سے یہ مراد نہیں ہے کہ یہ رخصت محض عوام کے لیے ہے امام کے لیے نہیں بلکہ یہاں صرف یہی منقول ہے کہ آپ ﷺ نے رخصت نہیں بلکہ عزیمت کو اختیار کیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ﷺ کے لیے یہ رخصت موجود ہی نہیں تھی جیسا کہ اس کی وضاحت اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں نماز عید پڑھائی لیکن نماز جمعہ نہیں پڑھائی بلکہ لوگ انتظار ہی کرتے رہے حتی کہ انہوں نے اکیلے نماز پڑھ لی۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ ﴿أصاب السنة﴾ "ابن زبیر رضی اللہ عنہ سنت کو پہنچ گئے ہیں۔"(٥)

(ابن حزمؒ) عید بھی پڑھی جائے اور جمعہ بھی کیونکہ جمعہ فرض ہے اور عید نفل اور نفل فرض کو ساقط نہیں کر سکتے۔(٦)
یہ قول گذشتہ صحیح احادیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے درست نہیں۔

370- بروز جمعہ عید ہو تو کیا ظہر پڑھی جائے گی یا......

اس کی بھی ضرورت نہیں؟

امام عطاء سے مروی ہے کہ ﴿اجتمع يوم جمعة ويوم فطر على عهد ابن الزبير فقال عيدان اجتمعا في يوم واحد فجمعهما جميعا فصلاهما ركعتين بكرة لم يزد عليهما حتى صلى العصر﴾ "حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے دور

(۱) [المحلى بالآثار (۲۸۳/۳)]
(۲) [أيضا]
(۳) [صحيح : صحيح أبو داود (۹٤٥) كتاب الصلاة : باب إذا وافق يوم الجمعة يوم عيد' أحمد (۳۷۲) أبو داود (۱۰۷۰) ابن ماجة (۱۳۱) نسائی (۱۵۹۱) حاكم (۲۸۸/۱) بیهقی (٤۱۷/۳)]
(٤) [صحيح : صحيح أبو داود (۹٤۸) أيضا' أبو داود (۱۰۷۳) ابن ماجة (۱۳۱۱) بیهقی (۳۱۸/۳)]
(٥) [صحيح : صحيح أبو داود (۹٤٦) أيضا' أبو داود (۱۰۷۱) نسائی (۱۹٤/۳)]
(٦) [المحلى بالآثار (۳۰۳/۳-۳۰٤)]

خلافت میں ایک مرتبہ جمعہ اور عید الفطر ایک ہی دن میں اکٹھے ہو گئے تو انہوں نے کہا کہ ایک ہی دن میں دو عیدیں جمع ہو گئی ہیں' پھر انہوں نے ان دونوں کو اس طرح اکٹھے جمع کیا کہ صبح کے وقت ان دونوں نمازوں کے لیے دو رکعت نماز ادا کر لی اس سے زائد کچھ نہ پڑھا تا آنکہ نماز عصر ادا کی۔''(۱)

(شوکانیؒ) اس حدیث کا ظاہری مفہوم یہی ہے کہ انہوں نے نماز ظہر نہیں ادا کی اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یقیناً اگر کسی وجہ سے جمعہ ساقط ہو جائے تو جس سے ساقط ہوا ہے اس پر نماز ظہر کی ادائیگی بھی واجب نہیں جیسا کہ امام عطاءؒ بھی اسی کے قائل ہیں......اور ظاہر یہ ہے کہ یہ بات وہی لوگ کہتے ہیں جو جمعہ کو اصل قرار دیتے ہیں۔ اور آپ کو اس بات کا علم ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بروز جمعہ بندوں پر جو فرض ہے وہ محض نماز جمعہ ہی ہے لہذا کسی عذر یا بغیر کسی عذر کے نماز جمعہ چھوڑنے والے شخص پر نماز ظہر کو واجب قرار دینے کے لیے دلیل کی ضرورت ہے......اور میرے علم کے مطابق ایسی کوئی صحیح دلیل موجود نہیں ہے۔(۲)

(امیر صنعانیؒ) (1) یہ بات مخفی نہیں ہے کہ عطاءؒ نے یہ خبر دی ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نماز جمعہ کے لیے نہیں نکلے لیکن محض اتنی بات اس میں نص قطعی کی حیثیت نہیں رکھتی کہ انہوں نے گھر میں بھی نماز ادا نہیں کی اس لیے بالجزم یہ کہنا کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا موقف بھی یہی تھا کہ نماز ظہر ضروری نہیں......اس احتمال کی وجہ سے صحیح نہیں کہ عین ممکن ہے کہ انہوں نے وہ نماز گھر میں ہی پڑھ لی ہوگی۔

(2) بلکہ اس کی مزید تائید امام عطاءؒ نے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ ﴿أنهم صلوا وحدانا﴾ ''لوگوں نے اکیلے اکیلے نماز ادا کر لی''......اور (اس کے برخلاف) بالاتفاق نماز جمعہ جماعت کے ساتھ ہی درست ہے (لہذا انہوں نے جمعہ نہیں پڑھا بلکہ صرف نماز ظہر ہی اکیلے ادا کر لی)۔

(3) اور یہ کہنا کہ جمعہ کے دن نمازِ جمعہ اصل ہے اور نمازِ ظہر کا بدل ہے مرجوح قول ہے بلکہ اصل فرض جو اسراء کی رات مقرر کیا گیا وہ ظہر ہی ہے اور جمعہ کی فرضیت متاخر ہے پھر (یہ مسئلہ بھی محتاج بیان نہیں ہے کہ) جب جمعہ رہ جائے تو نمازِ ظہر پڑھنا اجماعاً واجب ہے تو (ثابت ہوا کہ) جمعہ ظہر کا بدل ہے (نہ کہ ظہر جمعہ کا بدل ہے)۔(۳)

(شمس الحق عظیم آبادیؒ) انہوں نے امیر صنعانیؒ کے قول کو درست قرار دیا ہے۔(٤)

(راجح) عید کے دن جمعہ کی رخصت ہے نماز ظہر کی نہیں۔ (واللہ اعلم)

متفرقات

371- کیا نماز جمعہ کے لیے دو آذانیں دی جائیں گی؟

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كان النداء يوم الجمعة أوله إذا جلس الإمام على المنبر على

(۱) [صحيح : صحيح أبو داود (٩٤٧) أيضا ' أبو داود (١٠٧٢)]

(۲) [نيل الأوطار (٥٧٨/٢) معنا ومفهوما]

(۳) [سبل السلام (٦٤٦/٢)]

(٤) [عون المعبود (٢٨٨/٣)]

عهد النبي ﷺ وأبي بكر ؓ وعمر ؓ فلما كان عثمان ؓ وكثر الناس زاد النداء الثالث على الزوراء﴾ ''نبی ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جمعہ کی پہلی آذان اس وقت دی جاتی تھی جب امام خطبے کے لیے منبر پر بیٹھتا لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب لوگوں کی بہت زیادہ ہوگئی تو وہ مقام زوراء سے ایک (تیسری یعنی آذان اور اقامت کے علاوہ) آذان دلوانے لگے۔'' (۱)

(بخاریؒ) بیان کرتے ہیں کہ ((الزوراء موضع بالسوق بالمدينة)) ''زوراء مدینہ کے بازار میں ایک جگہ کا نام ہے۔'' (۲)

(ابن حجرؒ) زوراء کی جو تفسیر امام بخاریؒ نے کی ہے وہی قابل اعتماد ہے اور جو ظاہری طور پر معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو تمام شہروں میں اختیار کر لیا کیونکہ وہ خلیفۂ وقت تھے اور یقیناً خلیفہ کی اقتداء کرنا عوام اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ (۳)

(شوکانیؒ) تیسری آذان کا ذکر اس بات کو لازم کرتا ہے کہ پہلے دو آذانیں موجود تھیں اور ان سے مراد آذان اور اقامت ہے۔ (٤)

معلوم ہوا کہ نبی ﷺ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جمعہ کے لیے صرف ایک ہی آذان دی جاتی تھی لیکن پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی کثرت کے باعث بازار میں ایک اونچے مقام (زوراء) پر ایک آذان کا اضافہ محض اس لیے کیا تا کہ لوگوں کو بآسانی خبردار کیا جا سکے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پھر اسی کو اختیار کر لیا۔ یقیناً اگر آج بھی ایسی صورت ہو تو یہ عمل مباح ہوگا لیکن اگر ایسا نہ ہو جیسا کہ عصر حاضر میں تقریباً ہر مسجد میں لاؤڈ سپیکر موجود ہوتا ہے جس کے ذریعے دور دراز علاقوں تک آذان کی آواز پہنچانا کوئی مسئلہ نہیں رہا اس لیے ایسی کسی آذان کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ اس صورت میں پہلی آذان کا جواز نکالنا قطعی طور پر درست نہیں۔

علاوہ ازیں صرف مسجد میں ہی دونوں آذانیں کہنا (جیسا کہ ہمارے ہاں اکثر یہی رواج ہے) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بھی سنت نہیں ہے اس لیے اگر یہ لوگ سنت عثمانی پر ضرور ہی عمل کرنا چاہتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ بازار میں جا کر کسی اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر پہلی آذان دیں۔ اپنے اس موقف کے اثبات کے لیے یہ دلیل پیش کرنا ﴿عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين﴾ ''میری اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔'' بھی درست نہیں کیونکہ خلفائے راشدین کی وہی سنت اختیار کی جا سکتی ہے جو در حقیقت نبی ﷺ سے ثابت ہو۔ (٥)

اس کے علاوہ یہ دعوی کرنا' کہ تیسری آذان کے جواز پر صحابہ کا اجماع سکوتی ہے' پایہ تکمیل کو نہیں پہنچتا کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ﴿الأذان الأول يوم الجمعة بدعة﴾ ''جمعہ کے دن پہلی آذان کہنا بدعت ہے۔'' (٦)

---

(۱) [بخاری (۹۱۲) کتاب الجمعة : باب الأذان يوم الجمعة ' أبو داود (۱۰۸۷) ترمذی (٥١٦) نسائی (۱۰۰/۳) ابن ماجة (۱۱۳٥) بیهقی (۲۰٥/۳) أحمد (٤٥٠/۳) ابن خزيمة (۱۷۷۳) بغوی (٥٧٤/۲)]

(۲) [بخاری (۹۱۲)]

(۳) [فتح الباری (٥٥/۳)]

(٤) [نیل الأوطار (٥٥٢/۲)]

(٥) [تحفة الأحوذی (٦٩/۳)]

(٦) [ابن أبي شيبة (٥٤٣٧)]

(ابن حجرؒ) اس میں احتمال ہے کہ (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما) نے یہ بات علی سبیل الانکار (یعنی اظہار تعجب کرتے ہوئے) کہی ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے اس سے یہ مراد لیا ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ آذان نہیں تھی اور ہر ایسی چیز جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ ہو اس کا نام بدعت ہے۔(۱)

(ابن أبی شیبہؒ) حافظ ابن حجرؒ کے دونوں احتمالوں میں سے پہلا راجح ہے۔(۲)

یاد رہے کہ اسے ہم بدعت نہیں کہہ سکتے کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ آذان دوسری نمازوں پر قیاس کرتے ہوئے شروع کر دی تھی۔ وہ اس طرح کہ کسی بھی نماز کے لیے آذان اس لیے دی جاتی ہے تاکہ لوگوں کو نماز کے وقت سے خبردار کیا جا سکے اب چونکہ لوگوں کی کثرت کے باعث جمعہ کے دن ایسا ممکن نہ تھا کہ ایک ہی آذان سے سب کو اطلاع ہو جائے اور یقیناً دیر سے آنے کی وجہ سے کثیر تعداد کے جمع کا اجر بھی ضائع ہونے کا اندیشہ تھا اس لیے انہوں نے یہ آذان شروع کروا دی۔(۳)

372- جمعہ سے پہلے غیر محدود نوافل پڑھے جا سکتے ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو جمعہ کے دن غسل کرے' پھر جمعہ کے لیے آئے ﴿فصلى ما قدر له﴾ ''اور جتنی اس کے مقدر میں ہو نماز پڑھے'' پھر خاموشی سے اس وقت تک بیٹھا رہے جب تک امام خطبے سے فارغ نہ ہو' پھر امام کے ساتھ فرض نماز ادا کرے تو اس کے دونوں جمعوں کے درمیانی گناہ معاف کر دیے جائیں گے بلکہ مزید تین دن کے اور بھی۔''(٤)

(شوکانیؒ) ﴿فصلى ماقدر له﴾ سے معلوم ہوا کہ جمعہ سے پہلے نماز کی کوئی حد متعین نہیں۔(٥)

(امیر صنعانیؒ) (جمعہ کے لیے آنے والے کو) حسب امکان نوافل پڑھ لینے چاہییں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی۔(٦)

373- دوران خطبہ تحیۃ المسجد کا حکم

(1) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جمعہ کے روز ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے سے پوچھا ﴿صليت؟﴾ ''تو نے نماز پڑھی ہے؟'' اس نے کہا نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿قم فصل ركعتين﴾ ''کھڑا ہو جا اور دو رکعت نماز ادا کر۔''(٧)

(2) ایک اور روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿إذا جاء أحدكم يوم الجمعة والإمام يخطب فليركع ركعتين وليتجوز

---

(۱) [فتح الباری (۳/۵۵)]

(۲) [مصنف ابن أبی شیبة (۲/۱٤٥)]

(۳) [مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: نیل الأوطار (۲/٥٥۲) فتح الباری (۳/٥٥)]

(٤) [مسلم (۸٥۷) کتاب الجمعة: باب فضل من استمع وأنصت فی الخطبة]

(٥) [نیل الأوطار (۲/٦٤۹)]

(٦) [سبل السلام (۲/٦٤۹)]

(۷) [بخاری (۹۳۱) کتاب الجمعة: باب من جاء والإمام یخطب صلی رکعتین خفیفتین' مسلم (۸۷٥) أبو داود (۱۱۱٥) ترمذی (٥۱۰) نسائی (۱٤۰۰) بیهقی (۳/۱۹٤)]

فیھما﴾ ”جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ دو رکعتیں ادا کرے اور ان دونوں کو اختصار کے ساتھ پڑھے۔“(۱)

(احمدؒ، شافعیؒ) کوئی شخص دوران خطبہ مسجد میں داخل ہو تو تحیۃ المسجد ادا کر سکتا ہے۔

(مالکؒ، ابوحنیفہؒ) دوران خطبہ تحیۃ المسجد پڑھنا جائز نہیں۔ ان کی دلیل یہ آیت ہے ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا﴾ [الأعراف : ۲۰۴] ”جب قرآن پڑھا جائے تو اسے سنو اور خاموش رہو۔“ (حالانکہ یہ عام ہے اور دوران خطبہ دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھنا خاص ہے اور ہمیشہ خاص کو عام پر مقدم کیا جاتا ہے۔)(۲)

(راجح) پہلا موقف احادیث کے مطابق ہے جبکہ دوسرا موقف صریح دلائل کے خلاف ہے اور جن دلائل سے انہوں نے استدلال کیا ہے وہ ناقابل حجت ہیں۔(۳)

(ابن بازؒ) انہوں نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔(٤)

374- نماز جمعہ کے بعد نوافل

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا صلى أحدكم الجمعة فليصل بعدها أربع ركعات﴾ ”جب تم میں سے کوئی نماز جمعہ ادا کرے تو اس کے بعد چار رکعات ادا کرے۔“(٥)

(2) جامع ترمذی کی ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿من كان منكم مصليا بعد الجمعة فليصل أربعا﴾ ”تم میں سے جو جمعہ کے بعد نماز پڑھے وہ چار رکعت نماز پڑھے۔“(٦)

(3) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ﴿أن النبي ﷺ كان يصلي بعد الجمعة ركعتين في بيته﴾ ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد اپنے گھر میں دو رکعتیں ادا کیا کرتے تھے۔“(٧)

نماز جمعہ کے بعد چار رکعتیں پڑھنا افضل ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کا حکم دیا ہے اور اذکار و ادعیہ کی زیادتی کی وجہ سے اجر میں بھی یقیناً زیادتی ہوتی ہے لیکن اگر کوئی صرف دو رکعتیں بھی پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے یہی جواز نکلتا ہے۔

---

(۱) [صحیح : صحیح أبو داود (۹۸۸) کتاب الصلاة : باب إذا دخل الرجل والإمام یخطب ' أبو داود (۱۱۱۷)]

(۲) [المجموع (٤۲۸/٤) المغنی (۱۹۲/۳) الأم (۳۳۸/۱) بدائع الصنائع (۲٦۳/۱)]

(۳) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: نیل الأوطار (٥٤٤/۲) تحفة الأحوذی (٥۱/۳) شرح مسلم للنووی (٤۳۰/۳) فتح الباری (۷۳/۳) سبل السلام (٦٤۲/۲)]

(٤) [الفتاوی الإسلامیة (٤۰٦/۱)]

(٥) [مسلم (۸۸۱) کتاب الجمعة : باب الصلاة بعد الجمعة ' أبو داود (۱۱۳۱) ترمذی (٥۲۲) نسائی (۱۱۳/۳) ابن ماجة (۱۱۳۲) بیهقی (۲۳۹/۳) أحمد (۲٤۹/۲)]

(٦) [صحیح : صحیح ترمذی (٤۳۲) کتاب الجمعة : باب ما جاء فی الصلاة قبل الجمعة و بعدها ' ترمذی (٥۲۳)]

(۷) [نسائی (۱۱۳/۳) کتاب الجمعة : باب صلاة الإمام بعد الجمعة ' بخاری (۹۳۷ ' ۱۱٦٥) مسلم (۸۸۲) أبو داود (۱۱۲۸) ترمذی (٥۲۱) ابن ماجة (۱۱۳۰) أحمد (۱۰۳/۲)]

375- بروز جمعہ نماز فجر کی قراءت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز نماز فجر میں سورت " أَلَمْ تَنْزِيْل " اور " هَلْ أَتٰى عَلَى الْإِنْسَانِ " کی قراءت کرتے تھے۔(۱)

376- نماز جمعہ کی قراءت

(1) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ میں " سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى " اور " هَلْ أَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ " کی قراءت کرتے۔(۲)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ میں سورہ " **الجمعة** " اور سورہ " **المنافقون** " کی قراءت فرماتے۔(۳)

377- دوران خطبہ سورۂ ق کی قراءت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کثرت کے ساتھ خطبہ میں اس سورت کی قراءت فرماتے تھے جیسا کہ حضرت ام ہشام بنت حارثہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے سورۂ "ق" رسول اللہ کی زبان سے سن سن کر یاد کر لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جمعہ کو منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ جمعہ میں اس سورت کی تلاوت کیا کرتے تھے۔"(٤)

378- دوران خطبہ اونگھ آئے تو جگہ تبدیل کر لینی چاہیے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا نعس أحدكم يوم الجمعة فليتحول من مجلسه ذلك﴾ "جمعہ کے روز جب تم میں سے کسی کو (مسجد میں) اونگھ آئے تو وہ اپنی جگہ تبدیل کر لے۔"(٥)

اس میں حکمت یہ ہے کہ حرکت کی وجہ سے اونگھ (یعنی نیند) ختم ہو جائے گی۔(٦)

379- دوران خطبہ احتباء ممنوع ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن رسول الله ﷺ نهى عن الحبوة يوم الجمعة والإمام يخطب﴾ "رسول

---

(۱) [بخاری (۸۹۱) کتاب الجمعة : باب ما يقرأ في صلاة الفجر يوم الجمعة ' مسلم (۸۸۰) نسائی (۱۵۹/۲)]

(۲) [مسلم (۸۷۸) کتاب الجمعة : باب ما يقرأ في صلاة الجمعة ' أبو داود (۱۱۲۲) ترمذی (۵۳۳) نسائی (۱۱۲/۳) ابن ماجة (۱۲۸۱) بيهقی (۲۰۱/۳) دارمی (۳۱۵/۱) ابن خزيمة (۳۵۸/۲) أحمد (۲۷۱/٤)]

(۳) [مسلم (۸۷۹) أيضا ' أحمد (۲۲٦/۱) أبو داود (۱۰۷٤) ترمذی (۵۲۰) ابن ماجة (۸۲۰) نسائی (۱۵۹/۲) ابن خزيمة (۵۳۳) ابن حبان (۱۸۲۱) بيهقی (۲۰۱/۳)]

(٤) [مسلم (۸۷۳) کتاب الجمعة : باب تخفيف الصلاة والخطبة ' نسائی (۱٤۱۱) أبو داود (۱۱۰۰)]

(٥) [**صحيح** : صحيح ترمذی (٤۳٦) کتاب الصلاة : باب في من ينعس يوم الجمعة أنه يتحول من مجلسه ' صحيح أبوداود (۱۰۲۵) ترمذی (۵۲٦) أبو داود (۱۱۱۹)]

(٦) [تحفة الأحوذی (۸٥/۳) نيل الأوطار (۵۳۷/۲)]

اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن جب امام خطبہ دے رہا ہو گوٹ مار کر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔''(۱)

پیٹھ اور پنڈلیوں کو کسی کپڑے سے باندھ لینے یا گھٹنوں کو اپنے ہاتھوں سے پکڑ لینے کو'' احتباء'' کہتے ہیں (جبکہ پشت زمین پر لگی ہو)۔(۲)

'' احتباء'' سے ممانعت اس لیے ہے کیونکہ اس سے نیند آ جاتی ہے' وضوء ٹوٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے اور ستر کھلنے کا موجب بن سکتا ہے۔(۳)

380- بروز جمعہ قبولیت دعا کا وقت

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز جمعے کا ذکر فرمایا کہ ﴿فیه ساعة لا یوا فقها عبد مسلم وهو قائم یصلی یسأل الله عزوجل شیئا إلا أعطاه إیاه﴾ ''اس میں ایک ایسی گھڑی ہے' جو مسلمان بندہ اس گھڑی میں نماز پڑھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور عطا فرماتے ہیں۔'' اور پھر آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اشارہ کیا کہ وہ وقت بہت تھوڑا ہے۔(٤)

(2) حضرت ابولبابہ بدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یہ لفظ ہیں کہ ﴿فیه ساعة لا یسأل العبد فیها شیئا إلا آتاه الله إیاه﴾ ''اس میں ایک ایسی گھڑی ہے جو بندہ اس گھڑی میں اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا سوال کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ضرور وہ چیز عنایت فرما دیں گے۔''(٥)

اس خاص گھڑی کے وقت کی تعیین کے بارے میں احادیث کے مختلف ہونے کی وجہ سے علماء میں اختلاف ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے اس میں مختلف علماء کے چالیس اقوال نقل فرمائے ہیں۔(٦)

لہٰذا سب سے زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس گھڑی کو حاصل کرنے کے لیے اس (نماز جمعہ کے بعد سے) دن کے آخر تک دعا کی کوشش کرنی چاہیے جیسا کہ شیخ ابن جبرین نے بھی اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔(۷)

○ اس وقت کے متعلق چند مختلف احادیث:

(1) حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿هی ما بین أن یجلس الإمام (یعنی علی المنبر)

---

(۱) [حسن : صحیح أبو داود (۹۸۲) کتاب الصلاة : باب الإحتباء والإمام یخطب' أبو داود (۱۱۱۰) ترمذی (٥١٤) أحمد (۴۳۹/۳) ابن خزیمة (۱۸۱٥) بیهقی (۲۳٥/۳)]

(۲) [النهایة (۳۳٥/۱)]

(۳) [معالم السنن (۲٤۸/۱) نیل الأوطار (٥۳۸/۲)]

(٤) [بخاری (۹۳٥' ٥۲۹٤) کتاب الجمعة : باب الساعة التی فی یوم الجمعة' مسلم (۸٥۲) نسائی (۱۱۰/۳) ابن ماجة (۱۱۳۷) أحمد (۲۳۰/۲) أبو داود (۱۰٤٦) ترمذی (٤۸۸)]

(٥) [حسن : صحیح ابن ماجة (۸۸۸) کتاب إقامة الصلاة والسنة فیها : باب فضل الجمعة' ابن ماجة (۱۰۸٤) أحمد (٤۳۰/۳)]

(٦) [فتح الباری (۸۲/۳)]

(۷) [الفتاوی الإسلامیة (٤۰۰/۱)]

إلى أن تقضى الصلاة﴾ ''اس گھڑی کا وقت بروز جمعہ امام کے منبر پر بیٹھنے سے نماز مکمل ہونے تک ہے۔'' (۱)

(2) حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ ﴿آخر ساعة من ساعات النهار﴾ ''وہ گھڑی دن کی گھڑیوں میں سے آخری گھڑی ہے۔'' (۲)

(3) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ ﴿فالتمسوها آخر ساعة بعد العصر﴾ ''اس وقت کو عصر کے بعد آخری گھڑی میں تلاش کرو۔'' (۳)

(احمدؒ) اکثر احادیث جو قبولیتِ دعا کی گھڑی کے متعلق ہیں (ان میں یہ ہے کہ) وہ گھڑی نمازِ عصر کے بعد یا زوالِ آفتاب کے بعد ہے۔ (٤)

(شوکانیؒ) تمام اقوال میں سے راجح قول یہ ہے ﴿آخر ساعة من اليوم﴾ ''یعنی وہ دن کی آخری گھڑی ہے۔'' جمہور صحابہ و تابعین اور آئمہ اسی کے قائل ہیں۔ (٥)

381- بروز جمعہ سورہ کہف کی تلاوت

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من قرأ سورة الكهف في يوم الجمعة أضاء له من النور ما بين الجمعتين﴾ ''جس نے جمعہ کے روز سورۂ کہف تلاوت کی اس کے لیے دونوں جمعوں کے درمیان (یعنی اگلے جمعہ تک) نور روشن ہو جاتا ہے۔'' (٦)

382- بروز جمعہ کثرت سے درود پڑھنا

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے متعلق فرمایا کہ ﴿فأكثروا على من الصلاة فيه فإن صلاتكم معروضة على﴾ ''اس دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جائے گا۔'' صحابہ نے سوال کیا کہ درود کیسے پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو بوسیدہ ہڈیوں کی صورت اختیار کر چکے ہوں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إن الله عزو جل حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء﴾ ''بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھانا حرام کر دیا ہے۔'' (۷)

ایک حدیث میں یہ لفظ ہیں ﴿يوم الجمعة وليلة الجمعة﴾ ''جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات (مجھ پر کثرت سے

---

(۱) [مسلم (۸۵۳) كتاب الجمعة : باب فى الساعة التى فى يوم الجمعة ' أبو داود (۱۰٤۹) ابن خزيمة (۱۷۳۹)]

(۲) [حسن : صحيح ابن ماجة (۹۳٤) ابن ماجة (۱۱۳۹) أحمد (٤٥١/٥) مؤطا (۱۰۸/۱)] حافظ بوصیریؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ [مصباح الزجاجة (۳۸۰/۱)]

(۳) [صحيح : صحيح أبو داود (۹۲٦) كتاب الصلاة : باب الإجابة أية ساعة هى فى يوم الجمعة ' أبو داود (۱۰٤۸)]

(٤) [نيل الأوطار (٥۳۱/۲)]

(٥) [أيضا]

(٦) [صحيح : إرواء الغليل (٦۲٦) بيهقى (۲٤۹۱۳) حاكم (۳٦۸/۲)]

(۷) [صحيح : صحيح أبو داود (۹۲٥) كتاب الصلاة : باب فضل يوم الجمعة وليلة الجمعة ' أبو داود (۱۰٤۷) ابن ماجة (۱۰۸٥) نسائى (۹۱/۳) أحمد (۸/٤) دارمى (۳٦۱/۱) ابن خزيمة (۱۷۳٤) ابن حبان (۹۱۰)]

درود پڑھا کرو)۔"(۱)

383- خطیب کے علاوہ کسی اور کا نماز جمعہ پڑھانا

(ابن بازؒ) سنت طریقہ یہ ہے کہ جو شخص خطبہ دے وہی نماز پڑھائے کیونکہ نبی ﷺ نے اسی پر مداومت اختیار کی اور خلفائے راشدین بھی آپ ﷺ کے بعد ہمیشہ یہی عمل کرتے رہے......اور آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ﴿صلوا كما رأيتموني أصلي﴾ "اس طرح نماز پڑھو جیسے تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔" اور ایک دوسری روایت میں فرمایا ﴿عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين﴾ "میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔" لیکن اگر کسی عذر کی وجہ سے کوئی دوسرا شخص نماز پڑھائے تو جائز ہے اور نماز درست ہوگی البتہ اگر بغیر عذر کے ایسا کرے تو یہ عمل خلاف سنت تو ہوگا لیکن نماز بہر حال ہو جائے گی۔(۲)

(سعودی مجلس افتاء) جمہور اہل علم کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے کہ جمعے کا خطیب ہی نماز بھی پڑھائے۔(۳)

(شوکانیؒ) خطیب کے علاوہ اگر کوئی اور نماز پڑھائے گا تو یہ خلاف سنت عمل ہوگا کیونکہ نبی ﷺ، خلفائے راشدین اور ان کے بعد والے بالاستمرار اسی پر قائم رہے کہ جو خطبہ دیتا وہی نماز بھی پڑھاتا۔(٤)

384- خواتین کی جمعہ میں شرکت

(سعودی مجلس افتاء) عورتوں پر جمعہ میں شرکت ضروری تو نہیں لیکن اگر کوئی عورت امام کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرے تو اس کی نماز صحیح ہوگی۔ اگر گھر میں پڑھے گی تو چار رکعت نماز (ظہر) ادا کرے گی۔(٥)

(۱) [حسن : تمام المنة (ص/٣٢٤) الصحيحة (١٤٠٧)]

(۲) [الفتاوى الإسلامية (٣٩٣/١)]

(۳) [الفتاوى الإسلامية (٣٩٠/١)]

(٤) [السيل الجرار (٣٠١/١)]

(٥) [الفتاوى الإسلامية (٣٩٢/١)]

باب صلاۃ العیدین ❶ نماز عیدین کا بیان

هِيَ رَكْعَتَانِ	یہ نماز دو رکعتیں ہے۔ ❷

❶ "عیدین" لفظ "عید" کا تثنیہ ہے جو دراصل باب عَادَ يَعُوْدُ (نصر) سے مشتق ہے۔اس کا معنی "لوٹنا" یا بار بار لوٹ کر آنے والا دن" مستعمل ہے۔عیدین سے مراد عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہے۔ان دونوں کا نام اس لیے عید رکھا گیا ہے کیونکہ یہ دن بار بار خوشی لے کر لوٹتے ہیں۔اس کی جمع " أعیاد" آتی ہے۔(۱)

کتب سیر کے مطابق یہ عید دوسری ہجری میں مشروع ہوئی۔(۲) لیکن بعض حضرات نے یہ موقف ظاہر کیا ہے کہ عید ہجرت کے پہلے سال مشروع ہوئی۔(۳)

385- نماز عیدین کا حکم

نماز عیدین ہر مکلّف شخص پر واجب ہے۔

(1) حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿أمرنا أن نخرج العواتق والحیض فی العیدین یشهدن الخیر ودعوة المسلمین و تعتزل الحیض المصلی﴾ "ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم جوان لڑکیوں اور حائضہ عورتوں کو بھی عیدین میں ساتھ لے کر نکلیں تاکہ وہ بھی مسلمانوں کے امور خیر اور دعاؤں میں شریک ہوں البتہ حائضہ عورتیں عیدگاہ سے الگ رہیں (یعنی نماز ادا نہ کریں)۔(٤)

(2) صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿أمرنا نبینا أن نخرج......﴾ "ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم (ان خواتین کو) نکالیں......"(٥)

(3) ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا جب ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہ ہو اور اس وجہ سے وہ (نماز عید کے لیے) نہ جاسکے تو کیا اس پر کوئی حرج ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لتلبسها صاحبتها من جلبابها فلیشهدن الخیر و دعوة المسلمین﴾ "اس کی سہیلی اپنی چادر کا ایک حصہ اسے اوڑھا دے اور پھر وہ خیر اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوں۔"(٦)

(4) کچھ لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر گذشتہ روز چاند دیکھنے کی شہادت دی تو ﴿فأمرهم أن یفطروا وإذا أصبحوا أن یغدوا إلی مصلاهم﴾ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ روزہ کھول دیں اور جب صبح ہو تو وہ عیدگاہ کی طرف جائیں۔"(٧)

---

(١) [القاموس المحیط (ص/٢٧٤) المنجد (ص/٥٩٠) نیل الأوطار (٥٧٩/٢) تحفة الأحوذی (٩١/٣)]

(٢) [سبل السلام (٦٨٤/٢)]

(٣) [الفقه الإسلامی وأدلته (١٣٨٦/٢)]

(٤) [بخاری (٩٨١) کتاب الجمعة : باب اعتزال الحیض المصلی ' مسلم (٨٩٠) أبو داود (١١٣٦) ترمذی (٥٣٧) نسائی (١٨٠/٣) ابن ماجة (١٣٠٨) أحمد (٨٤/٥) بیهقی (٣٠٥/٣)]

(٥) [بخاری (٩٧٤)]

(٦) [بخاری (٩٨٠) کتاب العیدین : باب إذا لم یکن لها جلباب فی العید]

(٧) [**صحیح** : صحیح أبو داود (١٠٢٦) کتاب الصلاة : باب إذا لم یخرج الإمام للعید من یومه یخرج من الغد ' أبو داود (١١٥٧) أحمد (٥٨/٥) نسائی (١٥٥٧) ابن ماجة (١٦٥٣) إرواء الغلیل (٦٣٤)]

جب حائضہ اور بغیر چادر والی معذور خواتین کو عید گاہ میں حاضر ہونے کا حکم ہے تو مردوں کو بالاولی حکم ہے۔

بعض حضرات نے اس آیت ﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴾ سے نماز عید مراد لی ہے لیکن یہ بات راجح نہیں کیونکہ یہ سورت مکی ہے اور نماز عید مدینہ میں مشروع ہوئی۔(۱)

(شوکانیؒ) نماز عید واجب ہے۔(۲)

(امیر صنعانیؒ) نماز عید فرض عین ہے۔(۳)

(صدیق حسن خانؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٤)

(البانیؒ) حق بات یہی ہے کہ نماز عید واجب ہے۔(٥)

اس مسئلہ میں فقہاء نے کچھ اختلاف کیا ہے۔

(احمدؒ) نماز عید فرض کفایہ ہے۔

(ابو حنیفہؒ) نماز عیدین صرف اسی پر واجب ہے جس پر جمعہ واجب ہے۔

(مالکؒ، شافعیؒ) یہ نماز سنت موکدہ ہے۔(٦)

(راجح) یہ نماز ہر مکلف شخص پر فرض عین ہے اور اس کے دلائل پیچھے بیان کیے جا چکے ہیں۔

❷ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن النبي ﷺ صلى يوم العيد ركعتين لم يصل قبلهما و لا بعدهما﴾ ''نبی ﷺ نے عید کے روز دو رکعت نماز پڑھائی جبکہ ان دو رکعتوں سے پہلے اور بعد میں کوئی نماز نہیں پڑھی۔''(۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز عید دو رکعت مسنون ہے۔

386- نماز عید کے بعد گھر جا کر نماز

عید گاہ میں تو سوائے دو رکعت کے کوئی نماز پہلے یا بعد میں پڑھنا آپ ﷺ سے ثابت نہیں البتہ عید گاہ سے فارغ ہونے کے بعد گھر جا کر دو رکعتیں پڑھی جا سکتی ہیں جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ ﴿كان النبي ﷺ لا يصلي قبل العيد شيئا فإذا رجع إلى منزله صلى ركعتين﴾ ''نبی ﷺ عید سے پہلے کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے البتہ جب

---

(۱) [فتح البيان (٧/٥٦٣) أحكام القرآن لابن العربي (١٩٨٦/٤)]

(۲) [السيل الجرار (١/٣١٥)]

(۳) [سبل السلام (٢/٦٧٧)]

(٤) [الروضة الندية (١/٣٥٨)]

(٥) [تمام المنة (ص/٣٤٤)]

(٦) [المغني (٢/٣٦٧) كشاف القناع (٢/٥٥) فتح القدير (١/٤٢٢) الدر المختار (١/٧٧٤) تبيين الحقائق (١/٢٢٣) مراقي الفلاح (ص/٨٩) الشرح الصغير (١/٥٢٣) القوانين الفقهية (ص/٨٥) مغني المحتاج (١/٣١٠) المهذب (١/١١٨)]

(۷) [بخاري (٩٨٩) كتاب الجمعة : باب الصلاة قبل العيد وبعدها ' مسلم (٨٨٤) أبو داود (١١٥٩) ترمذي (٥٣٧) ابن ماجة (١٢٩١) نسائي (٣/١٩٣) أحمد (١/٣٥٥) ابن خزيمة (٢/٣٤٥) بيهقي (٣/٢٩٥)]

اپنے گھر کی طرف لوٹتے تو دو رکعت نماز ادا فرما لیتے تھے۔'' (۱)

(احمدؒ، مالکؒ) نماز عید سے پہلے اور بعد میں نفل نماز پڑھنا درست نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ وغیرہ کا بھی یہی موقف ہے۔

(احناف) نماز عید سے پہلے کوئی نماز پڑھنا درست نہیں جبکہ بعد میں پڑھی جا سکتی ہے۔

(شافعیؒ) امام نہیں پڑھ سکتا البتہ مقتدی پہلے بھی اور بعد میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ (۲)

(ابن حجرؒ) حاصل کلام یہ ہے کہ نماز عید سے پہلے اور نماز عید کے بعد اس کی کوئی سنتیں ثابت نہیں۔ (۳)

387- نماز عید کی قراءت

(1) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدین میں "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْأَعْلٰی" اور "هَلْ أَتَاکَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَةِ" کی قراءت کرتے تھے۔ (٤)

(2) حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز میں "قٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ" اور "اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ" کی قراءت فرماتے۔ (٥)

فِی الْأُوْلٰی سَبْعُ تَکْبِیْرَاتٍ قَبْلَ الْقِرَاءَ ةِ وَفِی الثَّانِیَةِ خَمْسٌ کَذٰلِکَ	پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری میں پانچ کہی جائیں گی۔ ❶

❶ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿التکبیر فی الفطر سبع فی الأولی وخمس فی الأخری والقراء ة بعدهما کلتیهما﴾ ''عید الفطر کی پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہی جائیں گی اور قراءت ان دونوں کے بعد کی جائے گی۔'' (٦)

(2) حضرت عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن النبی ﷺ کبر فی العیدین فی الأولی سبعا قبل القراء ة

---

(۱) [حسن : صحیح ابن ماجة (۱۰٦۹) کتاب إقامة الصلاة والسنة فیها : باب ما جآء فی الصلاة قبل صلاة العید وبعدها، ابن ماجة (۱۲۹۳)] حافظ بوصیریؒ نے اس کی سند کو سند کہا ہے۔ [مصباح الزجاجة (٤۲۳/۱)] اور حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسے حسن کہا ہے۔ [فتح الباری (۱٥۹/۳)]

(۲) [المغنی لابن قدامة (۲۸۰/۳) نیل الأوطار (٦۰۳/۲) فتح الباری (۱٥۹/۳) شرح مسلم للنووی (٤٤۸/۳)]

(۳) [فتح الباری (۱٥۹/۳)]

(٤) [مسلم (۸۷۸) کتاب الجمعة : باب ما یقرأ فی صلاة الجمعة، أبو داود (۱۱۲۲) ترمذی (٥۳۳) نسائی (۱٤۲٤)]

(٥) [مسلم (۸۹۱) کتاب صلاة العیدین : باب ما یقرأ فی صلاة العیدین، موطا (۱۸۰/۱) أحمد (۲۱۷/٥) أبو داود (۱۱٥٤) ترمذی (٥۳۲) نسائی (۱۸۳/۳) ابن ماجة (۱۲۸۲)]

(٦) [حسن : صحیح أبو داود (۱۰۲۰) کتاب الصلاة : باب التکبیر فی العیدین، أبو داود (۱۱٥۱) ابن ماجة (۱۲۷۸) أحمد (۱۸۰/۲) دارقطنی (٤۸/۲) بیهقی (۲۸٥/۳)] امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے کہ امام بخاریؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [العلل الکبیر (ص/۹۳-۹٤)، (۱۰٤)] شیخ محمد صبحی حلاق نے اسے شواہد کی وجہ سے صحیح کہا ہے۔ [التعلیق علی سبل السلام (٦۷۹/۲)]

وفی الثانية خمسا قبل القراءة ﴾ ''نبی ﷺ نے نمازِ عیدین کی پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔'' (١)

(3) حضرت سعد القرظ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی معنی میں حدیث مروی ہے۔(٢)

نمازِ عید کی تکبیروں کی تعداد میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے۔

(احمدؒ، شافعیؒ، مالکؒ) پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے سات اور دوسری میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں کہی جائیں۔ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو سعید، حضرت جابر، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ابو ایوب، حضرت زید بن ثابت، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ، امام زہریؒ، امام مکحولؒ، امام اوزاعیؒ اور امام اسحاقؒ وغیرہ سے بھی یہی موقف مروی ہے۔

(ابو حنیفہؒ) پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے بعد قراءت سے پہلے تین تکبیریں اور دوسری رکعت میں قراءت کے بعد تین تکبیریں کہی جائیں۔(٣)

اس مسئلے میں فقہاء کے دس مختلف اقوال ہیں جیسا کہ امام شوکانیؒ نے اپنی معروف کتاب ''نيل الأوطار'' میں یہ تمام اقوال نقل کیے ہیں تفصیل کا طالب ان کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔(٤)

(راجح) امام احمدؒ اور ان کے رفقاء کا موقف راجح ہے۔

(شوکانیؒ) انہوں نے اسی کو ترجیح دی ہے۔(٥)

(عبد الرحمٰن مبارکپوریؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٦)

(امیر صنعانیؒ) ان کے نزدیک اسی پر عمل زیادہ درست ہے۔(٧)

(صدیق حسن خانؒ) یہی موقف رکھتے ہیں۔(٨)

---

(١) [**صحيح** : صحيح ترمذی (٤٤٢) كتاب الجمعة : باب ما جاء فی التكبير فی العيدين ' ترمذی (٥٣٦) ابن ماجة (١٢٧٩) ابن خزيمة (١٤٣٨) بيهقی (٢٨٦/٣) دارقطنی (٤٨/٢) شرح معانی الآثار (٣٩٩٣٢)] اگرچہ اس حدیث کی سند میں کثیر بن عبد اللہ راوی ضعیف ہے۔ [ميزان الاعتدال (٤٠٦/٣)] لیکن شواہد کی وجہ سے قوی و مضبوط ہو جاتی ہے۔ [المجموع للنووی (١٦/٥)]

(٢) [**صحيح** : صحيح ابن ماجة (١٠٥٥) كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها : باب ما جاء فی كم يكبر الإمام فی صلاة العيدين ' ابن ماجة (١٢٧٧) بيهقی (٢٨٧/٣)] شیخ محمد صبحی حسن حلاق نے شواہد کی وجہ سے اسے صحیح کہا ہے۔ [التعليق على سبل السلام (٢٣٤/٣)]

(٣) [المجموع (٢٠/٥) الأم (٣٩٥/١) المغنی (٢٧٠/٣) بدائع الصنائع (٢٧٧/١) المبسوط (٤٠/٢) الهداية (٨٦٣١) الاختيار (٨٦٣١) بداية المجتهد (١٧١٣١)]

(٤) [نيل الأوطار (٦٠٠/٢-٦٠١)]

(٥) [نيل الأوطار (٦٠١/٢)]

(٦) [تحفة الأحوذی (١٠٧/٣)]

(٧) [سبل السلام (٦٨١/٢)]

(٨) [الروضة الندية (٣٥٨/١)]

388- ہر دو تکبیروں کا درمیانی فاصلہ

ہر دو تکبیروں کے درمیان ایک معتدل آیت کے برابر ٹھہرنا چاہیے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے قولا اور فعلا اسی طرح مروی ہے ﴿أن بین کل تکبیرتین قدر کلمۃ﴾ "ہر دو تکبیروں کے درمیان ایک کلمے کی مقدار کے برابر فاصلہ ہونا چاہیے۔" (۱)

389- تکبیرات عیدین کا حکم

بعض حضرات ان کی فرضیت کے قائل ہیں جبکہ اکثر کے نزدیک عیدین کی تکبیریں سنت ہیں۔

(ابو حنیفہؒ، مالکؒ) اگر کوئی تکبیر چھوڑ دے گا تو سجدہ سہو کرے گا۔

(جمہور) ایسے شخص پر کوئی سجدہ سہو نہیں۔

(شوکانیؒ) یہ تکبیریں اس لیے واجب نہیں ہیں کیونکہ وجوب کی کوئی دلیل موجود نہیں۔

(صدیق حسن خانؒ) عید کی تکبیر جان بوجھ کر یا بھول کر چھوڑ دینے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ (۲)

(ابن قدامہؒ) اس مسئلے میں کوئی اختلاف میرے علم میں نہیں (یعنی تکبیریں سنت ہیں)۔ (۳)

390- تکبیرات عیدین کے ساتھ رفع الیدین

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما (عید کی) ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے جیسا کہ امام ابن قیمؒ نے یہ بات نقل فرمائی ہے۔ (٤)

اس اثر کے متعلق شیخ البانیؒ رقمطراز ہیں کہ ﴿لم أجده إلى الآن﴾ "ابھی تک ایسا کوئی اثر مجھے نہیں ملا۔" اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ﴿لم أسمع فیہ شیئا﴾ "اس کے متعلق میں نے کچھ نہیں سنا۔" (٥)

(شافعیؒ، احمدؒ، اوزاعیؒ، عطاؒ) ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کیا جائے گا۔

(مالکؒ) تکبیر تحریمہ کے علاوہ کسی تکبیر میں رفع الیدین نہ کیا جائے۔

(ابن حزمؒ، ثوریؒ) اسی کے قائل ہیں۔ (٦)

(البانیؒ) یہ عمل مسنون نہیں ہے نیز کسی صحابی کا عمل کسی کام کو سنت نہیں بنا سکتا۔ (٧)

البتہ جو لوگ تکبیرات عیدین میں رفع الیدین کے قائل ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ﴿ویرفعھما فی کل رکعۃ وتکبیرۃ کبرھا قبل الرکوع﴾ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر رکعت اور ہر اس تکبیر میں دونوں ہاتھ اٹھاتے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے پہلے کہتے۔" (٨)

---

(۱) [رواہ الطبرانی فی المعجم الزوائد (۲/۲۰۵) یہ بات حافظ ابن حجرؒ نے نقل فرمائی ہے۔ [تلخیص الحبیر (۲/۸۵)]

(۲) [الروضۃ الندیۃ (۱/۳٦۱)]

(۳) [المغنی (۳/۲۷٥)]

(٤) [زاد المعاد (۱/٤٤۳)]

(٥) [تمام المنۃ (ص/۳٤۹) إرواء الغلیل (٦٤۰) المجموع (٥/۲٦) المدونۃ الکبری (۱/۱٦۹)]

(٦) [الأوسط لابن المنذر (٤/۲۸۲) المدونۃ الکبری (۱/۱٦۹) المحلی (٥/۸۳) المجموع (٥/۲۱)]

(٧) [تمام المنۃ (ص/۳٤۹)]

(٨) [**صحیح** : إرواء الغلیل (۳/۱۱۳) أبو داود (۷۲۲) أحمد (۲/۱۳٤) دارقطنی (۱/۲۸۹)]

(راجح) عیدین کی تکبیروں میں رفع الیدین کرنا کسی صحیح حدیث واثر سے ثابت نہیں اور مذکورہ حدیث اس مسئلے میں نص صریح نہیں ہے۔(۱)

○ اور عجیب بات یہ ہے کہ احناف بھی اسے مستحب کہتے ہیں حالانکہ اس ضمن میں تمام احادیث ضعیف ہیں اور فرض نماز میں رفع الیدین صحیح احادیث سے ثابت ہے لیکن وہاں وہ اس کا انکار کرتے ہیں۔(۲)

امام نماز کے بعد خطبہ دے۔ ❶	وَيَخْطُبُ بَعْدَهَا

❶ (1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ﴿کان رسول الله وأبوبكر وعمر يصلون العيد قبل الخطبة﴾ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبے سے پہلے نماز عید ادا فرماتے تھے۔''(۳)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی معنی میں حدیث مروی ہے ﴿فكلهم كانوا يصلون قبل الخطبة﴾ ''یہ سب لوگ خطبے سے پہلے نماز عید پڑھتے تھے۔''(٤)

(3) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ﴿خرج يوم الفطر فصلى قبل الخطبة﴾ ''عید الفطر کے دن باہر نکلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبے سے پہلے نماز پڑھائی۔''(٥)

(4) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے لیے عیدگاہ تشریف لے جاتے ﴿وأول شيئ يبدأ به الصلاة﴾ ''اور پہلی چیز جس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم آغاز فرماتے وہ نماز ہوتی۔'' ادائیگی نماز کے بعد رخ پھیر کر لوگوں کی طرف کھڑے ہوتے' لوگ اس وقت اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے ﴿فيعظهم ويأمرهم﴾ ''اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو وعظ و نصیحت فرماتے اور نیکی کا حکم کرتے۔''(٦)

معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ نماز عید کے بعد ارشاد فرماتے اور خطبے میں لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عید پڑھائی ﴿ثم قام متوكئا على بلال فأمر بتقوى الله وحث على الطاعة ووعظ الناس وذكرهم ثم مضى حتى أتى النساء فوعظهن وذكرهن﴾ ''پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا تقوی اختیار کرنے کا حکم دیا' اطاعت کی ترغیب دلائی' لوگوں کو وعظ و نصیحت کیا' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلے حتی کہ عورتوں کے پاس آئے اور انہیں بھی وعظ و نصیحت کیا۔''(۷)

---

(۱) [مزید تفصیل کے لیے دیکھیے : فتاوی الدین الخالص (۸۸/٤ ـ ۹۰)]

(۲) [المحلی (۲۹٦/۲)]

(۳) [بخاری (۹٦۳) کتاب الجمعة : باب الخطبة بعد العید ' مسلم (۸۸۸) ترمذی (۹۲۹) ابن ماجة (۱۲۷٦) بیهقی (۲۹٦/۳) أحمد (۱۲/۲)]

(٤) [بخاری (۹٦۲) أیضا ' مسلم (۸۸٤) أبو داود (۱۱٤۷) ابن ماجة (۱۲۷٤) أحمد (۲۲۷/۱) ابن خزیمة (۱٤٥۸)]

(٥) [بخاری (۹٥۸) کتاب الجمعة : باب المشی والرکوب إلی العید...... ' مسلم (۸۸٥) أبو داود (۱۱٤۱) ابن خزیمة (۱٤٥۹)]

(٦) [بخاری (۹٥٦) کتاب الجمعة : باب الخروج إلی المصلی بغیر منبر ' مسلم (۸۸۹) نسائی (۱۸۷/۳) أحمد (۳٦/۳) أبو یعلی (۱۳٤۳) بیهقی (۲۹۷/۳)]

(۷) [مسلم (۸۸٥) کتاب صلاة العیدین ' نسائی (۱۸٦/۳)]

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خواتین کا عیدگاہ میں جانا مشروع ہے۔ سب سے پہلے جس شخص نے نماز عید سے پہلے خطبہ دے کر سنت کی مخالفت کی تھی وہ مروان (اموی خلیفہ) تھا یہی وجہ ہے کہ اسی وقت ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا تھا ﴿یا مروان خالفت السنة﴾ "اے مروان! تو نے سنت کی مخالفت کی ہے۔" ...... (وہ اس طرح کہ) تو نے نماز سے پہلے خطبہ شروع کر دیا ہے۔(۱)

علاوہ ازیں ایک روایت میں یہ بھی ہے ﴿أول من أحدث الخطبة قبل الصلاة في العيد معاوية﴾ "نماز عید سے پہلے خطبہ جس شخص نے سب سے پہلے شروع کیا وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔"(۲)

(شوکانیؒ) نماز خطبے سے پہلے پڑھی جائے۔(۳)

391- خطبہ عید کا حکم

حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید میں حاضر ہوا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مکمل کی تو فرمایا ﴿إنا نخطب فمن أحب أن يجلس للخطبة فليجلس ومن أحب أن يذهب فليذهب﴾ "یقیناً ہم خطبہ دیں گے پس جو خطبے کے لیے بیٹھنا پسند کرے وہ بیٹھ جائے اور جو جانا پسند کرے وہ چلا جائے۔"(۴)

392- نماز عید کا صرف ایک خطبہ ہے

گذشتہ تمام احادیث جن میں خطبے کا ذکر ہے وہ سب اس کی دلیل ہیں کیونکہ ان میں محض خطبہ دینے کا ہی ذکر ہے جو ایک مرتبہ خطبہ دینے کی تو دلیل ہے لیکن دو خطبوں کے لیے کوئی واضح دلیل ہونی چاہیے جو کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ تاہم اس ضمن میں چند ضعیف احادیث موجود ہیں جن میں سے ایک مندرجہ ذیل ہے:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ﴿أن النبي ﷺ صلى العيد بغير أذان ولا إقامة وكان يخطب خطبتين قائما يفصل بينهما بجلسة﴾ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم آذان اور اقامت کے بغیر نماز عید پڑھاتے اور کھڑے ہو کر دو خطبے دیتے اور ان دونوں کے درمیان بیٹھ کر فاصلہ کرتے۔"(۵)

خطبہ عید کو جمعہ کے خطبوں پر قیاس کرنا بھی کسی طور پر درست نہیں کیونکہ عبادات میں قیاس کا دخل نہیں۔

جس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد حضرات کو خطبہ دینے کے بعد خواتین کے پاس جا کر انہیں وعظ و نصیحت کیا اس سے بھی دوسرے خطبے کی مشروعیت کے لیے دلیل پکڑنا درست نہیں کیونکہ دوسری روایت میں یہ وضاحت ہے کہ ﴿ثم خطب فرأى أنه لم يسمع النساء فأتاهن وذكرهن﴾ "پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خیال کیا کہ

---

(۱) [مسلم (٤٩) كتاب الإيمان : باب بيان كون النهي عن المنكر من الايمان...... ' أبو داود (١١٤٠ ' ٤٣٤٠) ترمذی (٢١٧٢) نسائی (١١١/٨) ابن ماجة (١٢٧٥) أحمد (٢٠/٣) بيهقي (٢٩٦/٣)]

(۲) [عبدالرزاق (٥٦٤٦)]

(۳) [نيل الأوطار (٥٩٣/٢)]

(۴) [**صحيح** : صحيح أبو داود (١٠٢٤) كتاب الصلاة : باب الجلوس للخطبة ' أبو داود (١١٥٥) ابن ماجة (١٢٩٠) نسائي (١٨٥/٣) ابن خزيمة (١٣٦٢) بيهقي (٣٠١/٣)]

(۵) [كشف الأستار للبزار (٣١٥/١ ' (٦٥٧)] شیخ البانیؒ رقمطراز ہیں کہ یہ حدیث نہ تو صحیح ہے اور نہ ہی حسن۔ [تمام المنة (ص/٣٤٨)]

آپ ﷺ عورتوں کو نہیں سنا سکے لہذا آپ ﷺ ان کے پاس آئے اور انہیں نصیحت کی۔''(۱)

وَيُسْتَحَبُّ التَّجَمُّلُ	(عید کے دن) صاف ستھرے لباس کے ساتھ خوبصورت بننا مستحب ہے۔ ❶

❶ (1) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن النبی ﷺ کان یلبس البرد الأحمر فی العیدین وفی الجمعة﴾ ''نبی ﷺ عیدین میں اور جمعہ کے دن سرخ چادریں پہنا کرتے تھے۔''(۲)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿ أن النبی ﷺ کان یلبس برد حبرة فی کل عید﴾ ''نبی ﷺ ہر عید میں دھاری دار چادریں پہنا کرتے تھے۔''(۳)

(3) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ریشمی لباس بازار میں بکتا ہوا پایا تو اسے پکڑ کر نبی ﷺ کے پاس لے آئے اور عرض کیا ﴿یا رسول الله ابتع هذه فتجمل بها للعید والوفد﴾ ''اے اللہ کے رسول! آپ اسے خرید لیجیے اور اس کے ذریعے عید اور وفد کے لیے خوبصورتی اختیار کیجیے۔'' تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿إنما هذه لباس من خلاق له﴾ ''بے شک یہ ایسے شخص کا لباس ہے جس کا (آخرت میں) کوئی حصہ نہیں۔''(٤)

(شوکانی) دونوں عیدوں میں میسر لباس میں سے سب سے اچھا پہننا اور اسی طرح سب سے عمدہ خوشبو لگانا مسنون و ماثور ہے۔(٥)

وَالْخُرُوجُ إِلَى خَارِجِ الْبَلَدِ	اور آبادی سے باہر نکلنا (مستحب) ہے۔ ❶

❶ (1) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿کان النبی ﷺ یخرج یوم الفطر والأضحی إلی المصلی﴾ ''نبی ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ کی طرف باہر نکلتے تھے۔''(٦)

(2) ایک قافلے نے گذشتہ روز چاند دیکھنے کی شہادت دی تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ﴿وإذا أصبحوا أن یغدوا إلی مصلاهم﴾ ''جب صبح ہو تو وہ عید گاہ کی طرف نکل آئیں۔''(٧)

معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے نماز عید کے لیے مسجد نہیں بلکہ عید گاہ کو ہی ہمیشہ اختیار فرمایا۔(٨)

---

(۱) [مسلم (١٤٦٥) کتاب صلاة العیدین' ابن ماجة (١٢٦٣) کتاب إقامة الصلاة والسنة فیها : باب ما جاء فی صلاة العیدین]

(۲) [ضعیف : التعلیقات الرضیة علی الروضة الندیة (٣٨٥/١) ابن خزیمة (١٣٢/٣)'(١٧٦٦) شیخ البانیؒ بیان کرتے ہیں کہ اس کی سند میں حجاج بن ارطاۃ راوی ضعیف ہے۔]

(۳) [طبرانی أوسط (٧٦٠٩)] امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس کے رجال ثقہ ہیں۔[مجمع الزوائد (١٩٨/٢)]

(٤) [بخاری (٩٤٨' ٨٨٦) کتاب الجمعة : باب فی العیدین والتجمل فیه' مسلم (٢٠٦٨) أبو داود (١٠٧٦) نسائی (٩٦/٣) ابن ماجة (٣٥٩١) أحمد (٢٠/٢)]

(٥) [السیل الجرار (٣٢٠/١)]

(٦) [بخاری (٩٥٦) کتاب الجمعة : باب الخروج إلی المصلی بغیر منبر' مسلم (٨٨٩)]

(٧) [صحیح : صحیح أبو داود (١٠٢٦) کتاب الصلاة : باب إذا لم یخرج الإمام للعید...... ' أبو داود (١١٥٧) أحمد (٥٨/٥) نسائی (١٨٠/٣) ابن ماجة (١٦٥٣) دارقطنی (١٧٠/٢) بیهقی (٣١٦/٣)]

(٨) [تفصیل کے لیے دیکھیے : الروضة الندیة (٣٦٣/١) سبل السلام (٦٧٩/٢)]

393- کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں نماز عید

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أنهم أصابهم مطر في يوم عيد فصلى بهم النبي ﷺ صلاة العيد في المسجد﴾ ''ایک عید کے موقع پر لوگوں کو بارش نے آلیا تو نبی ﷺ نے انہیں نماز عید مسجد میں پڑھا دی۔'' (۱)

یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفا بھی ایسی روایت موجود ہے کہ بارش ہو جائے تو مسجد میں نماز عید پڑھی جا سکتی ہے۔(۲) اور اس قاعدے کی وجہ سے بھی جواز کا اشارہ ملتا ہے ((الضرورات تبيح المحظورات)) ''ضرورتیں ممنوع کاموں کو مباح بنا دیتی ہیں۔'' (۳)

○ علماء نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے کہ نماز عید وسیع و کشادہ مسجد میں پڑھنا افضل ہے یا آبادی سے باہر نکل کر پڑھنا افضل ہے۔

(شافعیؒ) اگر علاقے کی مسجد ہی وسیع و کشادہ ہو تو مسجد میں پڑھنا افضل ہے کیونکہ اصل مقصود مرد اور خواتین کا اجتماع ہے اور وہ مسجد میں ہی ہو سکتا ہے تو باہر نکلنے کی ضرورت نہیں۔

(مالکؒ) آبادی سے باہر نکلنا ہی افضل ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اس پر مداومت اختیار فرمائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آبادی سے باہر نماز عید کے متعلق کہا کہ ﴿لولا أنه سنة لصليت في المسجد﴾ ''اگر یہ عمل (یعنی آبادی سے باہر نکل کر نمازِ عید ادا کرنا) سنت نہ ہوتا تو میں مسجد میں نماز پڑھ لیتا۔'' (٤)

(راجح) امام مالکؒ کا موقف راجح ہے۔(٥)

394- نماز عید کے لیے پیدل چل کے جانا

(1) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿من السنة أن يخرج إلى العيد ماشيا﴾ ''عید گاہ کی جانب پیدل چل کے جانا سنت ہے۔'' (٦)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں عام لفظ ہیں ﴿إذا نودي بالصلاة فاتوها وأنتم تمشون﴾ ''جب نماز کے لیے آذان دی جائے تو تم اس کی طرف چلتے ہوئے آؤ۔'' (٧)

---

(۱) [**ضعيف** : ضعيف أبو داود (٢٤٨) كتاب الصلاة : باب يصلى بالناس العيد في المسجد إذا كان يوم مطر' المشكاة (١٤٤٨) ضعيف ابن ماجة (٢٧٠) أبو داود (١١٦٠) ابن ماجة (١٣١٣)]

(۲) [بيهقي (٣١٠/٣)]

(۳) [القوانين الفقهية الكبرى للدكتور صالح بن غانم (ص/٢٤٧)]

(٤) [ابن أبي شيبة (١٨٥/٢) نيل الأوطار (٥٩١/٢) سبل السلام (٦٨٦/٢) فتح الباري (١٢٦/٣)]

(٥) [السيل الجرار (٣٢٠/١)]

(٦) [**حسن** : صحيح ترمذي (٤٣٧) كتاب الجمعة : باب ما جاء في المشي يوم العيد' ترمذي (٥٣٠) ابن ماجة (١٢٩٦) اس کی سند میں حارث اعور راوی ہے جسے امام نوویؒ نے بالاتفاق کذاب کہا ہے لہذا یہ حدیث ضعیف ہے۔ خلاصة الأحكام (٨٢٢/٢) نيل الأوطار (٥٨٢/٢)]

(٧) [مسلم (٦٠٢) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب استحباب اتيان الصلاة بوقار و سكينه]

(ترمذیؒ) اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ وہ عید کے لیے مردوں کا پیدل جانا پسند کرتے ہیں اور یہ کہ کوئی بھی بغیر عذر کے سوار نہ ہو۔(۱)

(بخاریؒ) انہوں نے یہ باب قائم کیا ہے((المشی والرکوب إلی العید......)) ''عید کے لیے پیدل چلنا اور سوار ہو کر جانا......''(۲)

(ابن حجرؒ) شاید امام بخاریؒ نے اس باب کو قائم کر کے نماز عید کے لیے چل کر جانے کے استحباب میں وارد روایات کی تضعیف کی طرف اشارہ کیا ہے (یعنی امام بخاریؒ عید کے لیے چل کر جانا اور سوار ہو کر جانا دونوں طرح جائز سمجھتے ہیں)۔(۳)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) راجح قول وہی ہے جسے اکثر اہل علم نے اختیار کیا ہے (یعنی چل کر جانا مستحب ہے)۔

(شوکانیؒ) عیدین کے مسنون افعال میں سے پیدل چل کر جانا بھی ہے۔(٤)

وَمُخَالَفَةُ الطَّرِيْقِ	اور راستہ تبدیل کرنا (مستحب ہے)۔ ❶

❶ (1) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿کان النبی ﷺ إذا کان یوم عید خالف الطریق﴾ ''جب عید کا دن ہوتا تو نبی ﷺ راستہ تبدیل کر لیتے۔''(٥)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿کان النبی ﷺ إذا خرج یوم العید فی طریق رجع فی غیرہ﴾ ''نبی ﷺ عید کے روز جب کسی راستے سے نکلتے تو واپسی پر کسی دوسرے راستے سے لوٹتے۔''(٦)

وَالْأَكْلُ قَبْلَ الْخُرُوْجِ فِي الْفِطْرِ دُوْنَ الْأَضْحٰى	عید الفطر کے لیے جانے سے پہلے کچھ کھانا اور عید الاضحیٰ کے لیے جانے سے پہلے نہ کھانا بہتر ہے۔ ❶

❶ (1) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿کان النبی ﷺ لا یخرج یوم الفطر حتی یطعم ولا یطعم یوم الأضحی حتی یصلی﴾ ''نبی ﷺ عید الفطر کے دن اس وقت تک نہ نکلتے جب تک کہ کچھ کھا نہ لیتے اور عید الاضحیٰ کے دن اس وقت تک کچھ نہ کھاتے جب تک کہ نماز نہ پڑھ لیتے۔''(٧)

(2) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿کان رسول اللہ ﷺ لا یغدو یوم الفطر حتی یأکل تمرات ویأکلھن وترا﴾ ''رسول اللہ ﷺ نماز عید الفطر کے لیے نکلنے سے پہلے چند کھجوریں تناول فرمایا کرتے تھے اور طاق عدد میں کھجوریں

(۱) [ترمذی (۵۳۰)]
(۲) [بخاری (۹۵۷)]
(۳) [فتح الباری (۱۲۷/۳۔ ۱۲۸)]
(٤) [السیل الجرار (۳۲۰/۱)]
(٥) [بخاری (۹۸٦) کتاب الجمعة : باب ما خالف الطریق إذا رجع یوم العید]
(٦) [صحیح : صحیح ترمذی (٤٤٦) کتاب الجمعة : باب ما جآء فی خروج النبی إلی العید فی طریق و رجوعه من طریق آخر ' ترمذی (٥٤١) ابن ماجة (۱۳۰۱) أحمد (۳۳۸/۲) حاکم (۲۹٦/۱) ابن خزیمة (۱٤٦۸)]
(٧) [صحیح : صحیح ترمذی (٤٤٧) کتاب الصلاة : باب ما جآء فی الأکل یوم الفطر قبل الخروج ' ترمذی (٥٤٢) ابن ماجة (۱۷٥٦) دارمی (۳۷٥/۱) ابن خزیمة (۱٤۲٦)]

کھایا کرتے تھے۔‘‘ (۱)

وَوَقْتُهَا بَعْدَ إِرْتِفَاعِ الشَّمْسِ قَدْرَ رُمْحٍ إِلَى الزَّوَالِ	نماز عید کا وقت سورج کے نیزے کے برابر بلند ہونے سے ڈھلنے تک ہے۔ ❶

❶ (1) حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أنه خرج مع الناس يوم عيد فطر أو أضحى فأنكر إبطاء الإمام وقال إنا كنا قد فرغنا ساعتنا هذه وذلك من التسبيح﴾ ’’وہ لوگوں کے ساتھ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے دن نکلے تو انہیں امام کے تاخیر کر دینے پر نہایت تعجب ہوا اور انہوں نے کہا کہ بے شک ہم تو اس وقت (نماز پڑھ کے) فارغ ہو چکے ہوتے تھے اور وہ نماز چاشت کا وقت تھا۔‘‘ (۲)

(2) حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كان النبي ﷺ يصلي بنا يوم الفطر والشمس على قيد رمحين والأضحى على قيد رمح﴾ ’’نبی ﷺ عید الفطر اس وقت پڑھتے تھے جب سورج دو نیزوں کے برابر بلند ہو جاتا اور عید الاضحیٰ اس وقت پڑھتے جب سورج ایک نیزے کے برابر ہوتا۔‘‘ (۳)

(شوکانیؒ) نماز عیدین کے وقت کی تعیین میں سب سے اچھی وارد شدہ حدیث حدیث جندب رضی اللہ عنہ ہے۔ (٤)

امام شافعیؒ نے مرسلا روایت کیا ہے کہ ﴿أن النبي ﷺ كتب إلى عمرو بن حزم وهو بنجران أن عجل الأضحى وأخر الفطر﴾ ’’نبی ﷺ نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی طرف جو کہ نجران میں تھے خط لکھا کہ عید الاضحیٰ جلدی پڑھا کرو اور عید الفطر کچھ تاخیر سے پڑھا کرو۔‘‘ (٥)

اگرچہ ان احادیث میں ضعف ہے لیکن ان سے ماخوذ مسائل پر اتفاق ہے۔ (٦)

نماز عیدین کا آخری وقت زوال آفتاب ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے زوالِ آفتاب کے بعد چاند نظر آنے کی اطلاع ملنے پر کہا کہ ’’کل صبح لوگ نماز عید کے لیے عیدگاہ پہنچیں۔‘‘ (۷)

اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (۸)

---

(۱) [بخاری (۹۵۳) کتاب العیدین : باب الأکل یوم الفطر قبل الخروج ' ابن ماجة (۱۷۵٤) أحمد (۱۲٦/۳) ابن خزیمة (۱٤۲۹)]

(۲) [صحیح : صحیح أبو داود (۱۰٤۰) کتاب الصلاة : باب وقت الخروج إلی العید ' إرواء الغلیل (۱۰۱/۳) أبو داود (۱۱۳۵) ابن ماجة (۱۳۱۷) بخاری تعلیقا (۹٦۸) تمام المنة (ص/۳٤۸) التعلیقات الرضیة علی الروضة الندیة (۳۸۷/۱)]

(۳) [ضعیف : تلخیص الحبیر (۱٦۷/۲) اس کی سند میں معلی بن ہلال راوی کذاب ہے اس لیے یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ شیخ البانیؒ نے یہ وضاحت کی ہے۔ [التعلیقات الرضیة علی الروضة الندیة (۳۸٦/۱) تمام المنة (ص/۳٤۷)]

(٤) [نیل الأوطار (۵۹۲/۲)]

(٥) [بدائع المنن (۱/۲۷۲_۱۷۳)' (٤۹۰) اس کی سند میں ابراہیم بن محمد شیخ الشافعی ضعیف ہے۔ [الروضة الندیة (۳٦٥/۱)]

(٦) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فتح الباری (۳۵۷/۲) الموعظة الحسنة (٤۳_٤٤) زاد المعاد (٤٤۲/۱) موسوعة الإجماع فی الفقه الإسلامی (٦٥٤/۲)]

(۷) [صحیح : صحیح أبو داود (۱۰۲٦) أبو داود (۱۱۵۷)]

(۸) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: البحر الزخار (۵۵۳۲) نیل الأوطار (۵۹۲/۲) الروضة الندیة (۳٦٥/۱)]

وَلَا أَذَانَ فِيهَا وَلَا إِقَامَةَ	اس نماز کے لیے نہ آذان ہے اور نہ اقامت۔ ❶

❶ (1) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿صليت مع النبي ﷺ العيد غير مرة ولا مرتين بغير أذان ولا إقامة﴾ ''میں نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز عید ایک مرتبہ یا دو مرتبہ نہیں (بلکہ کئی مرتبہ) بغیر آذان واقامت کے پڑھی۔'' (۱)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿لم يكن يؤذن يوم الفطر ولا يوم الأضحى﴾ ''عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن آذان نہیں کہی جاتی تھی۔'' (۲)

متفرقات

395- خطبہ عید کے لیے منبر مشروع نہیں

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے نماز عید کے متعلق مروی روایت میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نماز کی ادائیگی کے بعد رخ پھیرتے ﴿فيقوم مقابل الناس﴾ ''اور لوگوں کے بالمقابل کھڑے ہو جاتے۔'' (۳)

یہ حدیث اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ ﷺ نے منبر استعمال نہیں فرمایا۔ (٤)

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ ﴿إن أول من اتخذ المنبر في مصلى العيد مروان﴾ ''سب سے پہلے مروان نے عیدگاہ میں منبر رکھوایا۔'' (٥) البتہ ابن حبان کی روایت میں ہے کہ ﴿خطب يوم عيد على راحلته﴾ ''نبی ﷺ نے اپنی سواری پر خطبہ عید ارشاد فرمایا۔'' (٦) اس سے معلوم ہوا کہ کسی سواری وغیرہ پر بیٹھ کر خطبہ دینا مباح ودرست ہے۔

396- تکبیرات ایام تشریق اور عشرہ ذی الحجۃ

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ﴾ [البقرة: ۲۰۳] ''اور گنتی کے چند دنوں میں اللہ کو یاد کرو۔''

(ابن عباس رضی اللہ عنہ) ایام معدودات سے مراد ایام تشریق ہیں۔ (۷)

(شوکانیؒ) ان دنوں سے مراد ایام تشریق ہیں۔ (۸)

(2) حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿كنا نؤمر أن نخرج الحيض فيكبرن بتكبيرهم﴾ ''ہمیں حکم دیا جاتا تھا

(۱) [مسلم (۸۸۷) كتاب صلاة العيدين، أحمد (۹۱/٥) أبو داود (۱۱٤۸) ترمذی (٥۳۲)]

(۲) [بخاری (۹٥۹، ۹٦۰) كتاب الجمعة : باب المشي والركوب إلى العيد...... مسلم (۷۷٦)]

(۳) [بخاری (۹٥٦) كتاب الجمعة : باب الخروج إلى المصلى بغير منبر، مسلم (۸۸۹)]

(٤) [سبل السلام (٦۷۹/۲)]

(٥) [بخاری (۹٥٦)]

(٦) [الإحسان (٦٥/۷)(۲۸۲٥) أبو يعلى (۱۱۸۲) امام ہیثمیؒ نے اس کے رجال کو صحیح کے رجال کہا ہے۔ [المجمع (۲۰٥/۲) ابن خزيمة (۱٤٤٥) اس حدیث کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے جیسا کہ شیخ شعیب ارنؤوطؒ نے نقل کیا ہے۔ [التعليق على سبل السلام للشيخ صبحي حسن حلاق (۲۳۱/۳)]

(۷) [بخاری (۹٦۹)]

(۸) [السيل الجرار (۳۲۰/۱)]

کہ ہم (عید کے روز) حائضہ عورتوں کو بھی نکالیں تا کہ وہ بھی تکبیرات کہنے میں لوگوں کی شریک ہوں۔'' (۱)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایام تشریق (یعنی ۱۱' ۱۲' ۱۳ ذوالحجہ) میں تکبیریں کہنا مشروع ہے۔اسی طرح عشرہ ذوالحجہ میں بھی بلند آواز سے تکبیریں کہنا ثابت ہے۔

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ﴾[الحج : ۲۸] ''اور لوگ معلوم دنوں میں اللہ کے نام کا ذکر کریں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایام معلومات سے مراد عشرہ ذوالحجہ ہے۔(۲)

(2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا﴿ما من أيام أعظم عند الله سبحانه و لا أحب إليه العمل فيهن من هذه الأيام العشر فأكثروا فيهن من التهليل و التكبير والتحميد﴾ ''کوئی دن ایسے نہیں ہیں جن میں عمل کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان دس دنوں سے زیادہ پر عظمت اور پسندیدہ ہو۔اس لیے ان میں کثرت سے یہ ذکر کیا کرو''لا إله الا الله ' الله اكبر اور الحمد لله''(۳)

امام بخاریؒ رقمطراز ہیں کہ عشرہ ذوالحجہ کے دنوں میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بازار کی طرف نکلتے اور تکبیریں کہتے اور لوگ بھی ان کی تکبیروں کے ساتھ تکبیریں کہتے۔''(٤)

ایام معدودات اور ایام معلومات کی تعیین میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے جسے طویل وضخیم کتب فقہ میں دیکھا جا سکتا ہے۔(٥)

معلوم ہوا کہ عشرہ ذوالحجہ اور ایام تشریق میں کثرت سے ذکر کرنا چاہیے اور تکبیرات کہنی چاہییں۔بعض علماء نے ان تکبیرات کے لیے مختلف اوقات کی تعیین بھی کی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔(٦)

اور اسی طرح تکبیرات کے ابتدائی اور انتہائی وقت میں بھی اختلاف کیا گیا ہے۔(۷)

اس سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تو کچھ بھی ثابت نہیں ہے البتہ جو سب سے زیادہ صحیح قول مروی ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے۔وہ یہ ہے کہ''نو ذوالحجہ کو نماز فجر سے لے کر تیرہ ذوالحجہ کی نماز عصر تک بآواز بلند تکبیریں کہنی چاہییں۔(۸)

397- تکبیرات کے الفاظ

(1) حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ لفظ ہیں ''الله أكبر الله أكبر الله أكبر كبيرا﴾''(۹)

---

(۱) [بخاری (۲۹۸_البغا)]

(۲) [بخاری (۹٦۹)]

(۳) [أحمد (۷٥/۲) عبد بن حميد (۸۰۷)]

(٤) [بخاری (۹٦۹)]

(٥) [المجموع (۳٥۰/۸) الحاوی (۳٦٦/٤) المبسوط (٤۳۳۲) تحفة الفقهاء (۲۸۷/۱) الاختيار (۸۱/۱) الكافی لابن عبدالبر (ص/۱٤٥)]

(٦) [فتح البارى (۱٤۱/۳)]

(۷) [المجموع (۳٦/٥) المبسوط (٤۲/۲) بدائع الصنائع (۱۹٥/۱) الأم (٤۰۰/۱)]

(۸) [الأوسط لابن المنذر (۳۰۰/٤) نيل الأوطار (٦۲۱/۲)]

(۹) [بيهقی فی السنن الكبرى (۳۱٦/۳) نيل الأوطار (٦۲۱/۲)]

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یہ لفظ ہیں "اللہ أکبر کبیرا اللہ أکبر کبیرا ' اللہ أکبر و أجل' اللہ اکبر وللہ الحمد"(۱)

(3) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ مروی ہیں "اللہ أکبر اللہ أکبر لا إله إلا اللہ واللہ أکبر اللہ أکبر وللہ الحمد"(۲)

(احمدؒ، اسحاقؒ) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی الفاظ کہنے چاہییں ۔(۳)

398- عیدین کے متعلق ایک من گھڑت روایت

﴿من أحيى ليلة الفطر والأضحى لم يمت قلبه يوم تموت القلوب﴾ ''جس شخص نے (عبادت واذکار کے ذریعے) عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی رات کو زندہ رکھا تو جس دن دلوں کو موت آئے گی اس کا دل نہیں مرے گا۔''(٤)

399- عید کے روز ملاقات کے وقت دعا دینا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عید کے روز جب ایک دوسرے کو ملتے تو ان الفاظ میں دعا دیتے " تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْکَ "(٥)

400- عید کے روز جہادی کھیل اور بے ہودگی سے پاک اشعار کہنا مستحب ہے

(1) عید کے روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حبشہ کے کچھ لوگ مسجد میں ڈھالوں اور برچھوں سے کھیل رہے تھے۔(٦)

(2) عید کے روز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جنگ بعاث کے متعلق اشعار گانے والی دو انصاری لڑکیوں کو جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ڈانٹنا چاہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿يا أبا بكر إن لكل قوم عيد وهذا عيدنا﴾ ''اے ابوبکر! ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور آج یہ ہماری عید ہے۔''(٧)

---

(١) [ابن أبي شيبة (٤٨٩/١) الكنى للدولابي (١٢٤/١)]

(٢) [تمام المنة (ص/٣٥٦) إرواء الغليل (١٢٥/٣) نيل الأوطار (٦٢١/٢) ابن أبي شيبة (٤٨٨/١) طبراني (٣٥٥/٩)]

(٣) [الأم (٤٠١/١) المجموع (٤٧/٥) المبسوط (٤٣/٢) الهداية (٨٧/١) المغنى (٢٩٠/٣) بداية المجتهد (١٧٤/١)]

(٤) [موضوع : الضعيفة (٥٢٠ ' ٥٢١)]

(٥) [تمام المنة (ص/٣٥٥)]

(٦) [بخارى (٩٥٠) كتاب العيدين : باب الحراب والدرق يوم العيد]

(٧) [بخارى (٩٥٢) كتاب العيدين : باب سنة العيدين لأهل الإسلام]

باب صلاة الخوف ❶ — نماز خوف کا بیان

قَدْ صَلَّاهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلٰى صِفَاتٍ مُخْتَلِفَةٍ	یہ نماز رسول اللہ ﷺ نے مختلف طریقوں سے ادا کی ہے۔ ❷

❶ خوف کی حالت میں پڑھی جانے والی نماز کو "صلاۃ خوف" کہتے ہیں۔ یعنی لشکرِ اسلام کفار کے لشکر کے بالمقابل ہو لیکن فریقین میں باہم مڈبھیڑ شروع نہ ہوئی ہو اور اگر دونوں لشکر گتھم گتھا ہو کر لڑائی شروع کر چکے ہوں تو پھر ہر ممکن صورت میں نماز درست ہے جیسا کہ آئندہ اس کا بیان آئے گا۔

مشروعیت: ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ ...... الخ﴾ "جب تم ان میں ہو اور ان کے لیے نماز کھڑی کرو تو چاہیے کہ ان کی ایک جماعت تمہارے ساتھ اپنے ہتھیار لیے کھڑی ہو پھر جب یہ سجدہ کر چکیں تو ہٹ کر تمہارے پیچھے جائیں اور وہ دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی وہ آ جائے اور تیرے ساتھ نماز ادا کرے اور اپنا بچاؤ اور اپنے ہتھیار لیے رہے۔"

نماز خوف کی مشروعیت پر صحابہ کا اجماع ہے۔(۱)

(جمہور) بیشتر علماء کا بھی یہی موقف ہے کہ نماز خوف آج بھی اسی طرح مشروع ہے جیسے (عہد نبوی) میں تھی۔

(ابو یوسفؒ) نماز خوف صرف نبی ﷺ کے ساتھ خاص تھی۔

(راجح) جمہور کا موقف راجح ہے۔(۲)

علماء نے حضر میں نماز خوف پڑھنے میں اختلاف کیا ہے۔

(جمہور، ابو حنیفہؒ، احمدؒ، شافعیؒ) سفر و حضر دونوں میں نماز خوف پڑھنا جائز ہے۔

(مالکؒ) نماز خوف کے لیے سفر شرط ہے۔

(راجح) پہلا موقف راجح ہے۔(۳)

❷ نمازِ خوف کے طریقوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ ابن قصار مالکیؒ نے دس' امام نوویؒ نے سولہ' امام ابن قیمؒ نے چھ (اصلی طریقے) بیان کیے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے امام ابن قیمؒ کی بات کو قابل اعتماد کہا ہے۔ اس کے علاوہ بعض نے سترہ' اٹھارہ اور ان سے کم و بیش طریقے بھی بیان کیے ہیں۔(٤)

صحیح اور ثابت طریقوں میں سے چند حسب ذیل ہیں:

---

(۱) [الفقه الإسلامي وأدلته (۱٤٥٨/۲) تحفة الأحوذي (۱۷۸/۳)]

(۲) [تفصیل کے لیے دیکھیے: فتح الباري (۱۰۰/۳) شرح مسلم للنووي (۳۹۱/۳) نيل الأوطار (٦۲۳/۲) الفقه الإسلامي وأدلته (۱٤٥٨/۲)]

(۳) [نيل الأوطار (٦۲٤/۲)]

(٤) [نيل الأوطار (٦۲۲/۲-٦۲۳) فتح الباري (۱۰۲/۳) شرح مسلم للنووي (۳۹۰/۳) الروضة الندية (۳٦۸/۱)]

(1) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ''نبی ﷺ نے ہر گروہ کو دو دو رکعتیں پڑھائیں اس طرح نبی ﷺ کی چار رکعتیں ہوئی اور لوگوں کی دو۔''(۱)

(2) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ ''نبی ﷺ نے ہر گروہ کو ایک ایک رکعت پڑھائی۔'' یعنی آپ ﷺ کی دو رکعتیں ہوئیں اور لوگوں کی ایک۔''(۲)

(3) حضرت صالح بن خوات رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے کسی صحابی سے بیان کیا ہے کہ ''ایک گروہ نے آپ ﷺ کے ساتھ صف بندی کی اور ایک دوسرا گروہ دشمن کے مقابلے کے لیے اس کے روبرو صف بند ہو گیا۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو جو آپ ﷺ کے ساتھ صف باندھ کر کھڑے تھے ایک رکعت پڑھائی اور آپ ﷺ سیدھے کھڑے رہے۔ انہوں نے اپنے طور پر باقی نماز ادا کر لی اور چلے گئے۔ جا کر دشمن کے سامنے صف بند ہو گئے۔ پھر دوسرا گروہ آیا' آپ ﷺ نے اسے باقی اپنی ایک رکعت پڑھائی اور بیٹھے رہے۔ انہوں نے اس دوران اپنے طور پر نماز مکمل کر لی پھر آپ ﷺ نے ان کے ساتھ سلام پھیر دیا۔''(۳)

(4) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں ہے کہ ''ایک جماعت نماز ادا کرنے کے لیے آپ ﷺ کے ساتھ کھڑی ہو گئی اور ایک جماعت دشمن کے سامنے صفیں باندھ کر کھڑی ہو گئی۔ جو جماعت آپ ﷺ کے ساتھ نماز میں شریک تھی اس نے آپ ﷺ کے ساتھ ایک رکوع اور دو سجدے کیے اور اس گروہ کی جگہ واپس چلی گئی جس نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی تھی۔ اس جماعت کے افراد آئے آپ ﷺ نے ان کو بھی دو سجدوں کے ساتھ ایک رکعت پڑھائی۔ پھر آپ ﷺ نے سلام پھیر دیا مگر دونوں گروہوں نے اٹھ کر الگ الگ اپنی رکعت پوری کی۔''(٤)

(5) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ایک اور طریقہ بھی منقول ہے کہ ''آپ ﷺ نے دونوں گروہوں کو اکٹھی نماز پڑھائی۔ آپ ﷺ نے تکبیر کہی تو انہوں نے بھی تکبیر کہی' آپ ﷺ نے رکوع کیا تو انہوں نے بھی رکوع کیا' آپ ﷺ نے سر اٹھایا تو انہوں نے بھی سر اٹھایا' پھر آپ ﷺ نے سجدہ کیا تو اس صف نے آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کیا جو آپ ﷺ کے قریب تھی اور دوسری صف دشمن کے سامنے کھڑی رہی۔ آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے قریبی صف نے جب سجدے مکمل کیے تو دوسری صف نے سجدے کیے' پھر پہلی صف پیچھے ہٹ گئی اور دوسری صف آگے آ گئی۔ انہوں نے بھی ویسے ہی کیا جیسا کہ پہلی صف والوں

---

(۱) [بخاری تعلیقا (٤١٣٦) کتاب المغازی : باب غزوہ ذات الرقاع' مسلم (٣١٢) نسائی (١٧٨/٣) دارقطنی (٦١/٢) الروضة الندية (٣٧١/١)]

(۲) [صحیح : صحیح أبو داود (١١٠٩) نسائی (١٥١٢) کتاب الصلاة : باب من قال یصلی بکل طائفة رکعة ولا یقضون' أحمد (٣٨٥/٥) أبو داود (١٢٤٦) بیهقی (٢٦١/٣)] شیخ محمد صبحی حلاق نے اسے صحیح کہا ہے۔ [التعليق على سبل السلام (٢١١/٣) التعليق على الروضة الندية (٣٦٨/١)]

(۳) [بخاری (٤١٢٩) کتاب المغازی : باب غزوة ذات الرقاع' مسلم (٨٤٢) موطا (١٨٣/١) أحمد (٤٤٨/٣) أبو داود (١٢٣٨) نسائی (١٧١/٣) دارقطنی (٦٠/٢) بیهقی (٢٥٣/٣)]

(٤) [بخاری (٩٤٢) کتاب الجمعة : باب وقول الله تعالى وإذا ضربتم في الأرض ......' مسلم (٨٣٩) أحمد (١٠٠/٢) نسائی (١٧٣/٣) دارقطنی (٥٩/٢)]

نے کیا تھا پھر آخر میں دونوں صفوں نے اکٹھے نبی ﷺ کے ساتھ سلام پھیر دیا۔'' (۱)

(6) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ''ایک گروہ نبی ﷺ کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور دوسرا گروہ دشمن کے سامنے کھڑا ہو گیا' ان کی کمریں قبلے کی جانب تھیں۔ آپ ﷺ نے تکبیر کہی تو جو آپ ﷺ کے ساتھ تھے اور جو دشمن کے بالمقابل تھے سب نے اکٹھے تکبیر کہی پھر آپ ﷺ نے رکوع کیا تو آپ ﷺ کے ساتھ موجود لوگوں نے بھی رکوع کیا اور اسی طرح سجدہ بھی کیا لیکن دریں اثناء دوسرا گروہ دشمن کے سامنے کھڑا رہا۔ پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ کے قریبی صف والے بھی کھڑے ہوئے اور دشمن کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے جبکہ وہ گروہ جو پہلے دشمن کے مقابلے میں تھا نبی ﷺ کے پیچھے آ گیا اور آ کر رکوع اور سجدے کیے۔ اس دوران نبی ﷺ کھڑے ہی رہے پھر وہ کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے رکوع کیا اور انہوں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ رکوع کیا۔ آپ ﷺ نے سجدہ کیا تو انہوں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کیا پھر وہ گروہ جو دشمن کے مقابلے میں تھا آیا اور انہوں نے رکوع اور سجدے کیے لیکن اس دوران نبی ﷺ اور آپ کے قریبی صف والے بیٹھے ہی رہے' پھر آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو ان سب نے اکٹھے سلام پھیر دیا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کی بھی دو رکعتیں ہوئیں اور ہر گروہ کی بھی دو رکعتیں ہو گئیں۔(۲)

وَكُلُّهَا مُجْزِئَةٌ	یہ سب طریقے کفایت کرنے والے ہیں۔ ❶

❶ کیونکہ یہ تمام طریقے نبی ﷺ سے ثابت ہیں اور ہر ایسا کام جو نبی ﷺ کے فعل سے ثابت ہو وہ جائز ہوتا ہے اس لیے حسبِ مصلحت وضرورت ان میں سے کسی کو بھی اختیار کر لیا جائے تو یقیناً کافی ہوگا۔

(احمدؒ) ان طریقوں میں سے کسی کو بھی انسان اختیار کرے تو یہ جائز ہے۔(۳)

(نوویؒ) یہ تمام طریقے جائز ہیں۔(٤)

(خطابیؒ) ہر وہ طریقہ جو نماز کے لیے زیادہ احتیاط والا اور پہرے کے لیے زیادہ سودمند ہو اختیار کیا جا سکتا ہے۔(٥)

(شوکانیؒ) نمازی ان میں سے کوئی بھی طریقہ اپنا لے کفایت کر جائے گا۔(٦)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۷)

---

(۱) [مسلم (۸٤۰) کتاب صلاة المسافرین وقصرها : باب صلاة الخوف ' أحمد (۳۱۹/۳) نسائی (۱۷٥/۳) بیهقی (۲٥۷/۳) ابن ماجة (۱۲٦۰)]

(۲) [**صحیح** : صحیح أبو داود (۱۱۰٥) کتاب الصلاة : باب من قال یکبرون جمیعا ' أحمد (۳۲۰/۲) أبو داود (۱۲٤۰)]

(۳) [نیل الأوطار (٦۲۳/۲)]

(٤) [شرح مسلم (۳۹۰/۳)]

(٥) [معالم السنن (۲٦۹/۱)]

(٦) [السیل الجرار (۳۱۳/۱)]

(۷) [تحفة الأحوذی (۱۷۹/۳)]

(صدیق حسن خانؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(۱)

اگر یہ بات کہی جائے کہ مختلف طریقوں کے ساتھ نماز پڑھنے میں بالآخر حکمت کیا ہے تو دو باتیں ہی سامنے آتی ہیں:

(1) واقعات وحوادث اور خوف کی کمی بیشی میں احوال وصورتحال مختلف ہونے کے پیش نظر نماز کے بعض طریقے ایک دوسرے سے زیادہ نفع رساں تھے اس لیے انہیں اختیار کیا گیا۔

(2) آپ ﷺ نے یہ نماز مختلف طریقوں سے اس لیے پڑھی تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ تمام طریقے شرعی ہیں۔(۲)

وَإِذَا اشْتَدَّ الْخَوْفُ وَالْتَحَمَ الْقِتَالُ صَلَّاهَا الرَّاجِلُ وَالرَّاكِبُ وَلَوْ إِلَى غَيْرِ الْقِبْلَةِ وَلَوْ بِالْإِيْمَاءِ	اور جب خوف سخت ہو جائے اور گھمسان کی لڑائی شروع ہو جائے تو پیدل یا سوار (ہر حالت میں) نماز پڑھ لی جائے خواہ انسان قبلہ رخ نہ ہو اور خواہ اشارے کے ساتھ ہی پڑھ لے۔ ❶

❶ (1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا﴾ [البقرة: ۲۳۹] ”اگر تمہیں خوف ہو تو پیدل یا سوار ہو کر (جیسے بھی ممکن ہو نماز پڑھ لو)۔“

(2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نماز خوف کا طریقہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ﴿فإن كان خوف هو أشد من ذلك صلوا رجالا قياما على أقدامهم أو ركبانا مستقبل القبلة أو غير مستقبليها﴾ ”اگر خوف اس سے زیادہ سخت ہو تو پیدل اپنے قدموں پر کھڑے، یا سوار (اسی حالت میں) قبلہ رخ ہو کر، یا قبلہ کے علاوہ کسی اور سمت میں (جیسے بھی ممکن ہو) نماز پڑھ لو۔“

امام مالکؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت نافعؒ نے کہا ”میں گمان کرتا ہوں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہی بیان کی ہے۔“(۳)

(3) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿فإن كان خوف أشد من ذلك فرجالا أو ركبانا﴾ ”اگر خوف اس سے بھی زیادہ سخت ہو تو پیدل یا سوار (جیسے بھی ممکن ہو نماز پڑھ لو)۔“(٤)

(4) حضرت عبد اللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے خالد بن سفیان ھذلی کو قتل کرنے کے لیے روانہ کیا۔ جب میں نے اسے دیکھا تو نماز عصر کا وقت ہو چکا تھا۔ مجھے خدشہ لاحق ہوا کہ میرے درمیان اور اس کے درمیان کوئی ایسی چیز نہ حائل ہو جائے جو نماز کو لیٹ کر دے لہذا میں نے چلنا شروع کیا اور اشاروں سے ہی نماز پڑھنے لگا۔ جب میں اس کے قریب پہنچا تو اس نے کہا تو کون ہے...... الخ۔(٥)

---

(۱) [الروضة الندية (۱/۳۷۰)]

(۲) [الروضة الندية (۱/۳۷۱)]

(۳) [بخاری (٤٥٣٥) كتاب التفسير : باب وقوموا لله قانتين]

(٤) [**صحيح** : صحيح ابن ماجة (۱۰٤۰) كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها : باب ما جاء في صلاة الخوف ' إرواء الغليل (٥٨٨) ابن ماجة (۱۲٥٨)]

(٥) [**ضعيف** : ضعيف أبو داود (۲۳۲) كتاب الصلاة : باب صلاة الطالب ' تمام المنة (ص/۳۱٥) إرواء الغليل (٥٨٩) أحمد (۳/٤٩٦) أبو داود (۱۲٤٩) ابن خزيمة (٩٨٢)] حافظ ابن حجرؒ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ [فتح الباری (۳/۱۱۰)]

اگر چہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن اس میں محل شاہد "بوقت خوف اشاروں کے ساتھ نماز پڑھنا" گزشتہ صحیح احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ پیدل یا سواری کی حالت میں انسان یقیناً اشاروں سے ہی نماز پڑھے گا۔

401- ایک اشکال اور اس کا جواب

اگر کوئی کہے کہ اس رخصت کے باوجود نبی ﷺ اور صحابہ نے اس کیفیت کے برخلاف جنگِ احزاب کے دن چاروں نمازیں رات کو اکٹھی کیوں پڑھیں؟ (۱)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ یہ معاملہ (یعنی جنگ احزاب میں آپ ﷺ اور صحابہ کا بعد میں نمازیں جمع کرنا) اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے نازل ہونے سے پہلا کا ہے ﴿فرجالا أو ركبانا﴾ "پیدل یا سوار ہی نماز پڑھ لو۔" اور اُس حدیث میں یہ لفظ ہیں ﴿وذلك قبل أن ينزل فى القتال ما نزل﴾ "یہ قتال کے بارے میں جو کچھ نازل ہو چکا ہے' اس کے نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔" (۲)

---

(۱) [مذکورہ حدیث کے لیے دیکھیے: بخاری (۵۹۶ ' ۵۹۸ ' ۴۱۱۲) مسلم (۶۳۱) ترمذی (۱۸۰) نسائی (۸۴/۳) شرح السنة (۳۹۶) موطا (۱۸۳/۱)]

(۲) [صحیح : صحیح نسائی (۶۳۸) كتاب الأذان : باب الأذان للفائت من الصلوات ' نسائی (۶۶۱) أحمد (۲۵/۳) دارمی (۳۵۸/۱)] شیخ محمد صبحی حلاق فرماتے ہیں کہ اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ [التعليق على السيل الجرار (۶۳۰/۱)]

باب صلاة السفر — نماز سفر کا بیان

يَجِبُ الْقَصْرُ	(سفر میں) قصر کرنا واجب ہے۔ ❶

❶ قصر نماز سے مراد یہ ہے کہ چار رکعت والی نماز کو کم کر کے حالت سفر میں دو رکعت ادا کرنا۔ اس کے حکم میں علماء کا اختلاف تو موجود ہے لیکن زیادہ قوی دلائل ان لوگوں کے ہیں جو وجوب کے قائل ہیں۔ (واللہ اعلم)

(1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿أول ما فرضت الصلاة ركعتان فأقرت صلاة السفر وأتمت صلاة الحضر﴾ "ابتداء میں (سفر و حضر میں) دو رکعت نماز فرض کی گئی تھی پھر سفر کی نماز کو باقی رکھا گیا اور حضر کی نماز مکمل کر دی گئی۔"(۱)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿إن الله فرض الصلاة على لسان نبيكم على المسافر ركعتين وعلى المقيم أربعا والخوف ركعة﴾ "بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان کے ذریعے مسافر پر دو رکعتیں، مقیم پر چار رکعتیں اور حالت خوف میں ایک رکعت نماز فرض کی ہے۔"(۲)

(3) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھائی ہوئی باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ ﴿أن الله أمرنا أن نصلي ركعتين في السفر﴾ "بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم دوران سفر صرف دو رکعت نماز ادا کریں۔"(۳)

(4) حضرت یعلی بن اُمیہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصر نماز کے متعلق فرمایا ﴿صدقة تصدق الله بها عليكم فاقبلوا صدقته﴾ "یہ ایسا صدقہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تم پر صدقہ کیا ہے لہذا تم اُس کے صدقے کو قبول کرو۔"(٤)

(5) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ﴿صلاة السفر ركعتان﴾ "سفر کی نماز دو رکعت ہے۔"(٥)

(6) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إن الله يحب أن تؤتى رخصه كما يكره أن تؤتى معصيته﴾ "بے شک اللہ تعالیٰ اپنی دی ہوئی رخصتوں پر عمل کو اُس طرح پسند کرتے ہیں جیسے اپنی نافرمانی کے ارتکاب کو

---

(۱) [بخاری (۱۰۹۰، ۳۹۳۵) كتاب الجمعة : باب يقصر إذا خرج من موضعه، مسلم (٦٨٥) أحمد (٢٧٢/٦) بيهقي (١٤٣/٣) دارمي (٣٥٥/١) نسائي (٢٥٥/١)]

(۲) [مسلم (٦٨٧) كتاب صلاة المسافرين وقصرها : باب صلاة المسافرين وقصرها، أحمد (٢٣٧/١) أبو داود (١٢٤٧) بيهقي (١٣٥/٣) ابن خزيمة (١٣٤٦)]

(۳) [صحيح : صحيح نسائي (٤٤٣) كتاب الصلاة : باب كيف فرض الصلاة، نسائي (٤٥٨) ابن حبان (١٤٥١، ٢٧٣٥) ابن خزيمة (٩٤٦) ابن ماجة (١٠٦٦) أحمد (٩٤/٢) بيهقي (١٣٦/٣) مؤطا (١٤٥/١)] شیخ محمد صبحی حلاق نے اسے صحیح کہا ہے۔ [التعليق على السيل الجرار (٦٢١/١)]

(٤) [أحمد (٣٦/١) مسلم (٦٨٦) كتاب صلاة المسافرين وقصرها : باب صلاة المسافرين وقصرها، أبو داود (١١٩٩) ترمذي (٥٠٢٥) ابن ماجة (١٠٦٥) نسائي (١١٦/٣) دارمي (٣٥٤/١) ابن أبي شيبة (٢٠٣/٢) ابن خزيمة (٩٤٥)]

(٥) [صحيح : صحيح ابن ماجة (١٣٦٤) كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها : باب تقصير الصلاة في السفر، ابن ماجة (١٠٦٤) أحمد (٣٧/١) نسائي (١١١/٣) بيهقي (١٩٩/٣)]

ناپسند کرتے ہیں۔''(۱)

(7) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ﴿فکان لا یزید فی السفر علی رکعتین وأبا بکر وعمر وعثمان کذلک﴾ ''نبی ﷺ دوران سفر دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عمل بھی اسی طرح تھا۔(۲)

(ابن تیمیہؒ) رسول اللہ ﷺ نے حالت سفر میں کبھی چار رکعت نماز نہیں ادا کی۔(۳)

(شوکانیؒ) آپ ﷺ سے تمام سفروں میں صرف قصر ہی ثابت ہے۔(٤)

اس کے حکم میں فقہا کا اختلاف ہے۔

(ابو حنیفہؒ) قصر نماز واجب ہے، امام مالکؒ سے بھی ایک قول یہی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ، امام قتادہؒ اور امام حسنؒ سے بھی یہی موقف مروی ہے۔

(احمدؒ، شافعیؒ) مسافر کو مکمل یا قصر نماز پڑھنے میں اختیار ہے لیکن قصر افضل ہے۔

(مالکؒ) قصر نماز سنت مؤکدہ ہے۔(٥)

(ابن تیمیہؒ) قصر نماز سنت ہے اور مکمل پڑھنا مکروہ ہے۔(٦)

قصر نماز کو غیر واجب کہنے والوں کے دلائل درج ذیل ہیں:

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ﴾ [النساء: ۱۰۱] اس آیت میں قصر کرنے والے شخص پر کوئی گناہ نہ ہونے کا ذکر ہے نہ کہ قصر نہ کرنے والے پر گناہ ہونے کا ذکر ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگرچہ اس آیت سے صرف جواز ہی ثابت ہوتا ہے لیکن دیگر (گذشتہ) احادیث وجوب پر شاہد ہیں اور اصول میں یہ بات ثابت ہے کہ وجوب کو اباحت و جواز پر ترجیح ہوتی ہے۔(۷)

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿أن النبی ﷺ کان یقصر فی السفر ویتم﴾ ''نبی ﷺ دوران سفر قصر نماز

(۱) [صحیح : أحمد (۱۰۸/۲) ابن حبان (۲۷٤۲) بیهقی (۱٤۰/۳) شیخ محمد صبحی حلاق نے اسے صحیح کہا ہے۔ [التعلیق علی سبل السلام (۱۳۲/۳)]

(۲) [بخاری (۱۱۰۲) کتاب الجمعة : باب من لم یتطوع فی السفر دبر الصلاة وقبلها، مسلم (٦۸۹) أبو داود (۱۲۲۳) نسائی (۱۲۳/۳) ابن ماجة (۱۰۷۱) أحمد (۲٤/۲) ابن خزیمة (۱۲۵۷)]

(۳) [مجموع الفتاوی (۷/۲٤)]

(٤) [السیل الجرار (۳۰٦/۱)]

(٥) [بدائع الصنائع (۹۷/۱) المبسوط (۲۳٦/۱) رد المختار (٦۰٦/۲) المغنی (۱٤۸/۳) الأم (۳۲۱/۱) المجموع (۲٤۱/٤) المدونة الکبری (۱۱٥/۱) الکافی لابن عبدالبر (۲۰۸/۱) تفسیر قرطبی (۳٥۲/٥) بدایة المجتهد (۱۲۰/۱) قوانین الأحکام لابن جزی (ص/۹۹)]

(٦) [مجموع الفتاوی (۷/۲٤)]

(۷) [المستصفی (۳۱۸/۲) المحصول (٥۸۳/۲)]

بھی پڑھتے تھے اور مکمل بھی۔"(۱)

(3) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عمرہ رمضان کے لیے گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصر نماز پڑھی جبکہ میں نے مکمل پڑھی پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصر اور میں نے مکمل نماز پڑھی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿أحسنت یا عائشة﴾ "اے عائشہ! تو نے بھی اچھا کیا ہے۔"(۲)

(4) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مقام منیٰ میں چار رکعت نماز پڑھی۔(۳)

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ اسی حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس پر اظہار تعجب کرتے ہوئے کہا کہ میں نے منیٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دو رکعتیں ادا کی ہیں۔ نیز یہ حدیث اس لیے بھی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ مجرد صحابی کا فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح و ثابت اوامر کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔

(راجح) وجوب کے دلائل زیادہ قوی ہیں۔ لیکن اگر بالفرض قصر نماز کو غیر واجب بھی سمجھا جائے تب بھی حالت سفر میں اس کا اسی طرح التزام مستحب و اولیٰ ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا التزام کیا۔

(عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ) اسی کے قائل ہیں۔(٤)

(شوکانی رحمہ اللہ) دوران سفر قصر نماز واجب ہے۔(٥)

(ابن حزم رحمہ اللہ) قصر نماز فرض ہے۔(٦)

(صدیق حسن خان رحمہ اللہ) حق بات یہی ہے کہ قصر واجب ہے۔(٧)

---

(۱) [دارقطني (۱۸۸/۲) بيهقي (۱٤۱/۳)] امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ لیکن فی الحقیقت یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں سعید بن محمد بن ثواب راوی مجہول ہے۔ [إرواء الغليل (۷/۳)] امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے جھوٹ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ [مجموع الفتاوى (۱٤٥/۲٤)] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ قمطراز ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ نے اسے منکر کہا ہے اور اس کی صحت بہت دور کی بات ہے۔ [تلخيص الحبير (۹۲/۲)]

(۲) [دارقطني (۱۸۷/۲)] امام دارقطنی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ دراصل یہ حدیث قابل حجت نہیں کیونکہ عبدالرحمن بن اسود کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع میں اختلاف ہے۔ [نيل الأوطار (٤٧٤/۲)] اور اس وجہ سے بھی کہ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح احادیث میں ثابت (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ رمضان میں کوئی عمرہ نہیں کیا) کے مخالف ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کیے اور سب ذوالقعدہ میں کیے سوائے اُس کے جو حج کے ساتھ کیا۔" [بخاري مع الفتح (٦۰۰/۳) مسلم (۹۱٦/۲)] امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو باطل قرار دیا ہے۔ [مجموع الفتاوى (۱٤٦/۲٤)] خلاصہ بحث یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ [مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: نصب الراية (۹۱/۲) تلخيص الحبير (٤٦/۲) إرواء الغليل (۸/۳) زاد المعاد (٤٦٥/۱)]

(۳) [بخاري (۱۰۸٤) كتاب تقصير الصلاة : باب الصلاة بمنى ' أبو داود (۱۹٦۰) مسلم (٦۹٤) نسائي (۱٤٤۹)]

(٤) [تحفة الأحوذي (۱۳۳/۳)]

(٥) [السيل الجرار (۳۰٦/۱)]

(٦) [المحلى بالآثار (۱۸٥/۳)]

(٧) [الروضة الندية (۳۷٤/۱)]

(خطابیؒ) اکثر علمائے سلف اور فقہائے امصار کا مذہب یہ ہے کہ سفر میں قصر واجب ہے۔(۱)

(امیر صنعانیؒ) حدیث ﴿فرضت الصلاۃ رکعتین﴾ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ یہ حدیث وجوب قصر کی دلیل ہے۔(۲)

اور قصر کا وجوب ایسے شخص پر ہے جو اپنے شہر سے سفر کے ارادے سے نکلے اگرچہ اس کا سفر بارہ میل سے کم ہو۔ ❷	وَإِيْجَابُ الْقَصْرِ عَلٰى مَنْ خَرَجَ مِنْ بَلَدِهِ قَاصِدًا لِلسَّفَرِ وَإِنْ كَانَ دُوْنَ بَرِيْدٍ ❶

❶ ایک برید میں چار فرسخ اور ایک فرسخ میں تین میل ہوتے ہیں۔(۳)

❷ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ﴾[النساء:۱۰۱] ''جب تم سفر میں جا رہے ہو تو تم پر نمازوں کے قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔''

اس آیت میں مطلقاً ضرب (یعنی چلنے) کا ذکر ہے جو ہر ضرب کو شامل ہے جبکہ اس سے سفر مقصود ہو۔ اسی طرح نبی ﷺ کے متعلق حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿فکان لا یزید فی السفر علی رکعتین﴾ ''آپ ﷺ دوران سفر دو رکعتوں سے زیادہ نماز نہیں پڑھتے تھے۔''(٤)

اس حدیث میں بھی مطلقاً سفر کا ذکر ہے جس کی کوئی حد متعین نہیں کہ اتنے فاصلے پر قصر کی جائے گی اور اس سے کم پر قصر نہیں کی جائے گی لہٰذا ہم بھی اس کی کوئی حد متعین نہیں کر سکتے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات میں بھی ہم سفر کی کوئی حد متعین نہیں کرتے۔''

(1) ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ﴾ [البقرۃ:۱۸٤] ''تم میں سے جو مریض ہو یا سفر پر ہو (تو وہ دوسرے دنوں میں روزے رکھ کر تعداد پوری کرے)۔''

(2) ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضٰى أَوْ عَلٰى سَفَرٍ......﴾ [المائدۃ:٦] ''اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو......(اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کر لو)۔''

(راجح) اس لیے راجح بات یہی ہے کہ جتنی مسافت کو عرف عام میں سفر تصور کیا جاتا ہے وہاں قصر پڑھ لی جائے۔(واللہ اعلم)

(ابن تیمیہؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٥)

(ابن قیمؒ) یہی موقف رکھتے ہیں۔(٦)

(شوکانیؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(٧)

---

(۱) [معالم السنن (۱/۲٦٠)]

(۲) [سبل السلام (۲/٦٠٨)]

(۳) [الأموال فی دولة الخلافة لعبد القدیم زلوم (ص/٦٠)]

(٤) [بخاری (۱۱۰۲) كتاب الجمعة : باب من لم يتطوع فی السفر دبر الصلاة وقبلها ' مسلم (٦٨٩) أبو داود (۱۲۲۳) ابن ماجة (۱۰۷۱)]

(٥) [مجموع الفتاوی (۲٤/٥۱)]

(٦) [زاد المعاد (۱/٤٨۱)]

(٧) [نيل الأوطار (۲/٤٨٠) السيل الجرار (۱/۳٠٨)]

(صدیق حسن خانؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۱)

اس مسئلے میں فقہا نے اختلاف کیا ہے۔

(ابو حنیفہؒ) تین دن کی مسافت پر قصر کی جائے۔

(مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ) چار برید (اڑتالیس (48) میل ہاشمی) پر قصر کرے۔

(اوزاعیؒ) کم از کم قصر کی مسافت ایک دن اور رات ہے۔(۲)

مسافتِ قصر کی حد متعین کرنے والے حضرات مندرجہ ذیل دلائل سے استدلال کرتے ہیں:

(1) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿صليت مع رسول الله الظهر بالمدينة أربعا و صليت معه العصر بذى الحليفة ركعتين﴾ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ میں ظہر کی چار رکعت نماز ادا کی اور پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ذوالحلیفہ میں عصر کی دو رکعت نماز پڑھی۔"(۳)

یاد رہے کہ مدینہ اور ذوالحلیفہ کا درمیانی فاصلہ چھ میل ہے۔(۴)

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ یہ حدیث مسافت کی تحدید نہیں کرتی اور نہ ہی اس میں یہ ذکر ہے کہ چھ میل سے کم فاصلے کا سفر سفر نہیں کہلاتا۔

(2) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كان إذا خرج مسيرة ثلاثة أميال أو ثلاثة فراسخ صلى ركعتين﴾ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر تین میل یا تین فرسخ (شعبہ راوی کو شک ہے) کے لیے نکلتے تو دو رکعت نماز ادا فرماتے۔"(۵)

شعبہ راوی کے شک کی وجہ سے علماء نے تین فرسخ یعنی نو (9) میل کو اُحوط قرار دیا ہے۔

اگرچہ علماء نے اس حدیث کو حدِ مسافت کی تعیین میں سب سے عمدہ کہا ہے لیکن اس میں بھی یہ ذکر نہیں ہے کہ نو (9) میل سے کم فاصلے کا سفر سفر نہیں حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود چھ میل کے فاصلے پر بھی قصر کی ہے جیسا کہ پہلی حدیث میں یہ ذکر موجود ہے۔

(3) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تسافر ثلاثة أيام بغير ذى محرم﴾ "کسی ایسی عورت کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو یہ جائز نہیں ہے کہ وہ بغیر کسی محرم رشتہ دار کے تین دن کا سفر کرے۔"(۶)

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿يوما و ليلة﴾ "کوئی عورت ایک دن اور رات کا بھی سفر بغیر محرم کے نہ کرے۔"(۷)

---

(۱) [الروضة الندية (۳۷۶/۱-۳۷۹)]

(۲) [بدائع الصنائع (۹۳/۱) رد المختار (۶۰۲/۲) المبسوط (۲۳۵/۱) الهداية (۸۰/۱) الأم (۳۱۹/۱) المجموع (۲۱۰/٤) شرح مسلم للنووى (۲۱۷/۳) نيل الأوطار (٤۷۸/۲)]

(۳) [بخارى (۱۰۸۹) كتاب الجمعة : باب يقصر إذا خرج من موضعه ' مسلم (۶۹۰)]

(٤) [نيل الأوطار (٤۷۷/۲)]

(۵) [مسلم (۶۹۱) كتاب صلاة المسافرين وقصرها : باب صلاة المسافرين وقصرها ' أحمد (۱۳۶/۳) أبو داود (۱۲۰۱) أبو عوانة (۳٤۶/۲)]

(۶) [بخارى (۱۰۸۷) كتاب الجمعة : باب فى كم يقصر الصلاة ' مسلم (۱۳۳۸) أبو داود (۱۷۲۷)]

(۷) [بخارى (۱۰۸۸) أيضا ' مسلم (۱۳۳۹) أبو داود (۱۷۲٤) مؤطا (۹۷۹/۲) ترمذى (۱۱۷۰)]

ایک اور روایت میں ہے کہ ﴿بریدا﴾ ”کوئی عورت ایک برید یعنی بارہ میل کا سفر بغیر محرم کے نہ کرے۔“(١)
اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ یہ احادیث مسافت قصر کے بیان کے لیے نہیں ہیں۔

(4) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿یا أهل مكة لا تقصروا في أقل من أربعة برد من مكة إلى عسفان﴾ ”اے اہل مکہ! چار برید یعنی اڑتالیس (48) میل سے کم مسافت پر قصر نہ کرو اور چار برید مکہ سے عسفان تک کا درمیانی فاصلہ ہے۔“(٢)
اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ حدیث مرفوع ثابت نہیں ہے بلکہ موقوف ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے یہی وضاحت فرمائی ہے۔(٣)
نیز اس کی سند میں عبدالوھاب بن مجاہد بن جبر راوی متروک ہے لہذا یہ قابل حجت نہیں۔(٤)

(5) حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كان ﷺ إذا سافر فرسخا يقصر الصلاة﴾ ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب ایک فرسخ (یعنی تین میل) سفر کرتے تو قصر نماز پڑھتے۔“(٥)
اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس کی سند میں ابو ھارون العبدی (عمارۃ بن جوین) راوی ہے جسے حافظ ابن حجرؒ نے متروک کہا ہے اس لیے یہ روایت بھی قابل حجت نہیں۔(٦)

402- قصر نماز کی ابتدا اپنی بستی یا علاقے سے باہر نکل کر کرنی چاہیے

(ابو حنیفہؒ، شافعیؒ، احمدؒ) شہری آبادی کے ختم ہو جانے کے بعد نماز قصر کی جائے۔ امام مالکؒ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ علاوہ ازیں امام مالکؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ شہر سے تین میل کے فاصلے پر قصر کی ابتدا کی جائے تاہم بعض تابعین نے تو اپنے گھر سے ہی قصر نماز کو جائز قرار دیا ہے۔(٧)

(ابن منذرؒ) علماء نے اجماع کیا ہے کہ سفر کا ارادہ رکھنے والا شخص جس بستی سے نکل رہا ہے اس کے تمام گھروں سے نکل کر قصر کر سکتا ہے۔(٨)

(شوکانیؒ) اہل لغت مسافر کا لفظ اسی پر بولتے ہیں جو اپنے وطن سے نکل کر کسی دوسری جگہ جانے کا ارادہ رکھتا ہو۔(٩)

(بخاری) صحیح بخاری میں رقمطراز ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ (کوفہ سے سفر کے ارادے سے) نکلے تو اسی وقت نماز قصر پڑھنی شروع کر دی جبکہ ابھی کوفہ کے مکانات دکھائی دے رہے تھے اور پھر واپسی پر جب آپ رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ یہ کوفہ سامنے ہے تو

---

(١) [شاذ : ضعيف أبو داود (٣٧٩) كتاب المناسك : باب في المرأة تحج بغير محرم، أبو داود (١٧٢٥)]
(٢) [دارقطني (٣٨٧/١) بيهقي (١٣٧/٣) طبراني كبير (١١١٦٢)]
(٣) [بلوغ المرام (٣٤٩)]
(٤) [المجروحين (١٤٦/٢) ميزان الاعتدال (٦٨٢/٢) الجرح والتعديل (٦٩/٦) التاريخ الكبير (٩٨/٦)]
(٥) [ابن أبي شيبة (٨١١٣) تلخيص الحبير (٩٨/٢)]
(٦) [تقريب التهذيب (٤٨٧٤)]
(٧) [تحفة الأحوذي (١٣٥/٣)]
(٨) [نيل الأوطار (٤٨٠/٢)]
(٩) [السيل الجرار (٣٠٨/١)]

انہوں نے کہا کہ جب تک ہم شہر میں داخل نہ ہو جائیں نماز مکمل نہیں پڑھیں گے۔" (۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ وہ (سفر سے) واپسی پر بستی میں داخل ہونے سے پہلے تک قصر کرتے رہتے تھے۔ (۲)

وَإِذَا أَقَامَ بِبَلَدٍ مُتَرَدِّدًا قَصَرَ إِلَى عِشْرِينَ يَوْمًا	اگر انسان کسی شہر میں تردد کی حالت میں ہو تو بیس دن تک قصر کرے۔ ❶

❶ امام شوکانیؒ نے جن دلائل کی بنا پر یہ موقف اختیار کیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(1) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے تبوک میں بیس دن قیام فرمایا ﴿یقصر الصلاۃ﴾ "وہاں آپ ﷺ قصر نماز پڑھتے رہے۔ (۳)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی ﷺ نے مکہ فتح کیا تو وہاں انیس (19) روز قیام فرمایا اس دوران آپ ﷺ دو رکعت نماز پڑھتے رہے ﴿فنحن إذا سافرنا فأقمنا تسع عشرة قصرنا وإن زدنا أتممنا﴾ "لہٰذا اگر ہم بھی دوران سفر انیس (19) روز کہیں اقامت اختیار کرتے تو قصر نماز پڑھتے اور اگر اس سے زیادہ ٹھہرے تو مکمل نماز ادا کر لیتے۔" (٤)

سنن ابی داود کی روایت میں سترہ (17) دن کا ذکر ہے۔ (٥)

سنن ابی داود کی ہی ایک اور روایت میں پندرہ (15) دن کا ذکر ہے۔ (٦)

ان روایات میں چونکہ حالتِ تردد میں جو زیادہ سے زیادہ دنوں کی تعداد موجود ہے وہ بیس دن ہے اس لیے امام شوکانیؒ کے مطابق اسی پر عمل کیا جائے گا۔

(شوکانیؒ) فی الحقیقت مقیم کے لیے مکمل نماز فرض ہے کیونکہ نمازِ قصر تو صرف شارع علیہ السلام نے مسافر کے لیے مشروع قرار دی ہے اور مقیم مسافر نہیں ہے۔ لہٰذا اگر مکہ اور تبوک میں آپ ﷺ سے اقامت کے باوجود قصر ثابت نہ ہوتی تو مکمل نماز پڑھنا ہی لازم ہوتا اس لیے اس اصل سے صرف کسی دلیل کی وجہ سے ہی منتقل ہوا جا سکتا ہے اور بے شک تردد کی حالت میں صرف بیس دن تک ہی قصر کرنے کی دلیل ثابت ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی (گذشتہ) حدیث میں ہے اور آپ ﷺ سے اس سے زیادہ حالتِ اقامت میں قصر ثابت نہیں ہے اس لیے اسی مقدار پر اکتفاء کیا جائے گا۔ (۷)

---

(۱) [بخاری (۱۰۸۹) کتاب تقصیر الصلاۃ : باب یقصر إذا خرج من موضعه]

(۲) [نصب الرایة (۱۸۳/۲)]

(۳) [صحیح : إرواء الغلیل (٥٧٤) أبو داود (۱۲۳٥) کتاب الصلاۃ : باب إذا أقام بأرض العدو یقصر ' أحمد (۲۹٥/۳) ابن حبان (۲۷٤۹) عبدالرزاق (٤۳۳٥)] امام ابن حزمؒ اور امام نوویؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [تلخیص الحبیر (٤٥/۲)]

(٤) [بخاری (۱۰۸۰) کتاب الجمعة : باب ما جاء فی التقصیر و کم یقیم حتی یقصر ' ترمذی (٥٤۹)]

(٥) [صحیح : أبو داود (۱۲۳۰)] شیخ البانیؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے لیکن انیس دن والی روایت کو ترجیح دی ہے۔ [صحیح أبو داود (۱۰۸۸)]

(٦) [ضعیف : ضعیف أبو داود (۲٦٥) أبو داود (۱۲۳۱)]

(۷) [نیل الأوطار (٤۸٤/۲)]

(صدیق حسن خانؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۱)

(احناف) حالت تردد میں ہمیشہ (یعنی واپسی تک) قصر کی جائے گی۔ امام شافعیؒ سے بھی ایک روایت میں یہی مروی ہے۔(۲)

(راجح) تردد کی حالت میں (یعنی اگر مسافر کہے کہ میں آج سفر کرتا ہوں' کل سفر کرتا ہوں) ہمیشہ قصر نماز پڑھنا درست ہے جب تک کہ واپسی نہ ہو جائے۔ (واللہ اعلم)

(ابن تیمیہؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۳)

(امیر صنعانیؒ) انہوں نے اسی کو زیادہ مناسب قرار دیا ہے۔(٤)

(ترمذیؒ) اہل علم نے اجماع کیا ہے کہ مسافر جب تک اقامت کی نیت نہ کرے وہ قصر کر سکتا ہے خواہ ایسا کرتے ہوئے کئی برس گزر جائیں۔(٥)

اس موقف کو ترجیح دینے کی وجوہات درج ذیل ہیں:

(1) نبی ﷺ نے حالت تردد میں دنوں کی کوئی تعیین نہیں فرمائی۔

(2) نبی ﷺ جتنی دیر تک حالت تردد میں رہے قصر ہی کرتے رہے جیسا کہ فتح مکہ اور تبوک وغیرہ کے موقع پر۔

(3) تردد کی حالت میں انسان مقیم نہیں بلکہ مسافر کے حکم میں ہوتا ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب مکہ تشریف لاتے تو دو رکعت نماز پڑھا کر فرماتے ﴿أتموا يا أهل مكة فإنا قوم سفر﴾ ''اے مکہ والو! نماز مکمل کر لو بے شک ہم تو مسافر لوگ ہیں۔''(٦)

(4) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما آذربائیجان کے علاقے میں برف کی وجہ سے راستے بند ہو جانے کی بنا پر چھ ماہ دو رکعت نماز ادا کرتے رہے۔(۷)

(5) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کچھ صحابہ رامہرمز کے علاقے میں نو ماہ رہے اور قصر نماز ادا کرتے رہے۔(۸)

(6) حضرت انس رضی اللہ عنہ (کسی غزوے کی وجہ سے) فارس کے علاقے میں دو سال مقیم رہے اور قصر نماز ادا کرتے رہے۔(۹)

---

(۱) [الروضة الندية (۳۸۰/۱)]

(۲) [نيل الأوطار (٤٨٣/۲) سبل السلام (٦١٩/۲)]

(۳) [مجموع الفتاوى (۱۰/۲٤)]

(٤) [سبل السلام (٦١٩/۲)]

(٥) [جامع ترمذی (٥٤٨)]

(٦) [مؤطا (۱٤٩/۱) شیخ محمد صبحی حلاق نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ [التعليق على الروضة الندية (۳۸۰/۱)]

(۷) [بيهقي في السنن الكبرى (۱٥۲/۳) و في المعرفة (۲۷٤/٤)] امام نوویؒ نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر (صحیح) کہا ہے۔[نصب الراية (۱۸٥/۲)]

(۸) [بيهقي (۱٥۲/۲) امام نوویؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔[نصب الراية (۱۸٦/۲)] حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ [الدراية (۲۱۲/۱)]

(۹) [تهذيب الآثار مسند عمر (۲٥۷/۱)]

وَإِذَا عَزَمَ عَلَى إِقَامَةِ أَرْبَعٍ أَتَمَّ بَعْدَهَا	اور اگر چار دن ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو ان کے گزرنے کے بعد مکمل نماز پڑھے۔ ❶

❶ امام شوکانیؒ کے اس موقف کو اختیار کرنے کی وجہ وہی ہے جو پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ سنت سے جس قدر ہمیں ثبوت ملتا ہے اسی پر اکتفاء کرنا چاہیے جیسا کہ اس مسئلے کے متعلق ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے مکہ اور اس کے گرد و نواح کے علاقے میں حجۃ الوداع کے موقع پر دس دن گزارے اس دوران آپ ﷺ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہے اور دو رکعت نماز ادا کرتے رہے۔(۱)
لیکن اس دوران آپ ﷺ صرف چار دن مکہ میں مسلسل مقیم رہے اور قصر نماز ادا کرتے رہے جیسا کہ نبی ﷺ چار (ذوالحجہ) کی صبح کو مکہ میں تشریف لائے پھر پانچ' چھ اور سات تاریخ تک وہیں مقیم رہے حتی کہ آٹھ تاریخ کی صبح کو نمازِ فجر پڑھ کر منیٰ کی طرف روانہ ہو گئے۔(۲)
حافظ ابن حجرؒ نقل فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ مکہ میں چار دن مقیم رہے۔(۳)
اس سے ثابت ہوا کہ نبی ﷺ نے چار دن اقامت کا ارادہ کیا اور قصر پڑھتے رہے اسی طرح جو بھی چار دن کا ارادہ کرے گا تو قصر پڑھے گا اور اگر اس سے زیادہ کا ارادہ کرے گا تو رسول اللہ ﷺ کی اقتدا اور اصل کی طرف لوٹتے ہوئے مکمل نماز ادا کرے گا۔(٤)
اس مسئلہ میں فقہا کا اختلاف ہے۔
(شافعیؒ، مالکؒ، احمدؒ) چار دن کا ارادہ ہو تو مکمل نماز پڑھے گا اگر اس سے کم کا ارادہ ہو گا تو قصر نماز پڑھے گا۔
(ابوحنیفہؒ) پندرہ دن کا ارادہ ہو تو مکمل پڑھے گا اور اس سے کم کا ہو تو قصر پڑھے گا۔(٥)
(راجح) فی الحقیقت اس کی بھی کوئی حد متعین نہیں۔ اصول وہی ہے کہ جب تک انسان عرفِ عام میں مسافر ہے قصر کر سکتا ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ زیادہ احتیاط کا باعث یہی ہے کہ انسان جب چار دن یا اس سے کم ٹھہرنے کی نیت کرے تو قصر پڑھے جیسا کہ نبی ﷺ سے حجۃ الوداع کے موقع پر ثابت ہے اور اگر اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت ہو تو مکمل پڑھے۔ (واللہ اعلم)
(ابن تیمیہؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٦)
(ابن بازؒ) جمہور اہل علم کے نزدیک اگر مسافر کسی شہر میں چار دن سے زائد ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو مکمل نماز پڑھے گا اور اگر اس سے کم ٹھہرنے کا ارادہ رکھے تو قصر کرنا ہی افضل ہے البتہ مکمل پڑھے تو پھر بھی جائز ہے۔(٧)

(۱) [بخاری (۱۰۸۱) کتاب الجمعة : باب ما جاء في التقصير وكم يقيم حتى يقصر' مسلم (٦٩٣) أبو داود (۱۲۳۳) ترمذی (٥٤٨) نسائی (۱۱۸/۳) ابن ماجة (۱۰۷۷) أحمد (۱۸۷/۳) ابن خزيمة (٩٥٦)]
(۲) [بخاری (۱۰۸٥) نيل الأوطار (٤٨٠/۲) السيل الجرار (۳۰۹)]
(۳) [فتح الباری (۲۷۰/۳)]
(٤) [السيل الجرار (۳۰۹/۱)]
(٥) [الأم (۳۱۹/۱) المجموع (۲۳۸/٤) المغنى (١٤٨/٣) فتح العلام (۲٥۹) المبسوط (۱۰۷/۲) الهداية (۸۲/۱) تحفة الفقهاء (۲٥۷/۱)]
(٦) [مجموع الفتاوى (۱۰/۲٤)]
(٧) [الفتاوى الإسلامية (۳۷۹/۱)]

وَلَهُ الْجَمْعُ تَقْدِيمًا وَتَأْخِيرًا	مسافر دو نمازوں کو تقدیم و تاخیر کے ساتھ جمع کر سکتا ہے۔ ❶

❶ جمع تقدیم و تاخیر کا معنی یہ ہے کہ دوسری نماز کو مقدم کر کے پہلی نماز کے وقت میں یا پہلی کو موخر کر کے دوسری کے وقت میں ادا کرنا اور یہ نبی ﷺ سے دوران سفر ثابت ہے۔

(1) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب زوالِ آفتاب سے پہلے سفر کا آغاز فرماتے تو نمازِ ظہر کو نمازِ عصر تک مؤخر کر لیتے۔ پھر سواری سے نیچے تشریف لاتے اور ظہر و عصر دونوں نمازوں کو اکٹھا ادا فرما لیتے اور اگر آفتاب آغاز سفر سے پہلے زوال پذیر ہو جاتا تو پھر نمازِ ظہر ادا فرما کر سوار ہوتے اور سفر پر روانہ ہو جاتے۔'' (۱)

(2) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ﴿وإذا ارتحل بعد زيغ الشمس صلى الظهر و العصر جميعا﴾ ''اور جب آپ ﷺ زوالِ آفتاب کے بعد سفر کا ارادہ فرماتے تو ظہر و عصر کو اکٹھا ادا فرما لیتے۔'' (۲)

(3) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ ﴿إذا أعجله السير في السفر يؤخر المغرب حتى يجمع بينها و بين العشاء﴾ ''جب سفر میں جانے کی جلدی ہوتی تو آپ ﷺ نمازِ مغرب مؤخر کر دیتے حتی کہ مغرب و عشاء کو اکٹھا پڑھ لیتے۔''

ایک روایت میں ہے کہ ﴿حتى غاب الشفق﴾ ''آپ ﷺ مغرب کو اتنا مؤخر کرتے کہ شفق (سرخی) غائب ہو جاتی۔'' (۳)

(4) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے غزوہ تبوک کے سفر میں ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کیا۔ (٤)

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو ان میں سے کسی ایک کے وقت میں دوران سفر جمع کر لینا جائز و درست ہے۔ (٥)

(احمدؒ، شافعیؒ، مالکؒ) اسی کے قائل ہیں۔

(ابو حنیفہؒ) مزدلفہ اور عرفہ کے علاوہ کسی اور جگہ میں جمع تقدیم و تاخیر جائز نہیں البتہ جمع صوری جائز ہے (وہ یہ ہے کہ ایک نماز کو آخری وقت میں اور دوسری کو ابتدائی وقت میں پڑھنا' اس طرح نمازیں جمع بھی ہو جائیں گی اور ہر ایک اپنے اپنے وقت میں ہی ادا ہوگی)۔ (٦)

(ابن بازؒ) مسافر نمازیں جمع کر سکتا ہے۔ (٧)

---

(١) [بخاري (١١١٢) كتاب الجمعة : باب إذا ارتحل بعد ما زاغت الشمس صلى الظهر ثم ركب' مسلم (٧٠٤) أبو عوانة (٣٥١/٢) أبو داود (١٢١٨) نسائي (٢٨٤/١) دارقطني (٣٨٩/١)]

(٢) [صحيح : صحيح أبو داود (١٠٨٠) كتاب الصلاة : باب الجمع بين الصلاتين' أبو داود (١٢٢٠) أحمد (٢٤١/٥) ترمذي (٥٥٢) دارقطني (٣٩٢/١) بيهقي (١٦٣/٣) إرواء الغليل (٢٨/٣)' (٥٧٨)]

(٣) [بخاري (١٠٩١) كتاب الجمعة : باب يصلي المغرب ثلاثا في السفر' مسلم (٧٠٣) أحمد (٥١/٢) أبو داود (١٢٠٧) ترمذي (٥٥٢) نسائي (٢٨٩/١) بيهقي (١٥٩/٣) شرح معاني الآثار (١٦١٣١)]

(٤) [مسلم (٧٠٥)]

(٥) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الإنتصار في المسائل الكبار لأبي الخطاب الحنبلي (٥٤٨/٢)]

(٦) [المغني والشرح (١١٢/٢) المبدع (١١٧/٢) الإنصاف (٣٣٤/٢) المدونة (١١١/١) بداية المجتهد (١٢٥/١) المجموع (٣٧٠/٤) الروضة الندية (٣٩٥/١) فتح القدير (٤٨/٢) الحجة لمحمد بن حسن الشيباني (١٥٩/١)]

(٧) [الفتاوى الإسلامية (٣٨٠/١)]

(ابن تیمیہؒ) مطلقاً نمازیں جمع کرنا درست ہے جبکہ رفع حرج مقصود ہو۔(۱)

○ نبی ﷺ سے بغیر کسی بیماری، بارش، سفر اور خوف کے بھی نمازیں جمع کرنا ثابت ہے۔(۲)

لیکن یاد رہے کہ سفر کے علاوہ صرف جمع صوری جائز ہے جمع تقدیم و تاخیر نہیں۔ اس کا مفصل بیان " باب مواقیت الصلاۃ " کے تحت گزر چکا ہے۔

بِأَذَانٍ وَاحِدٍ وَإِقَامَتَيْنِ	ایک آذان اور دو اقامتوں کے ساتھ۔ ❶

❶ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب و عشاء جمع کی ﴿بأذان واحد وإقامتين﴾ "ایک آذان اور دو اقامتوں کے ساتھ۔"(۳)

متفرقات

403- مقیم کی اقتداء میں مسافر مکمل نماز پڑھے

مسافر جب کسی مقیم شخص کی اقتداء میں نماز پڑھے گا تو اس پر مکمل نماز پڑھنا لازم ہوگا جیسا کہ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا: مسافر کی کیا حالت ہے کہ جب اکیلا نماز پڑھتا ہے تو دو رکعتیں پڑھتا ہے اور جب مقیم کی اقتداء میں پڑھتا ہے تو چار رکعتیں پڑھتا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ﴿تلك السنة﴾ "یہی سنت ہے۔"
ایک روایت میں ہے کہ ﴿تلك سنة أبي القاسم﴾ "یہ ابوالقاسم ﷺ کی سنت ہے۔"(٤)

404- کیا مسافر مقیم حضرات کی امامت کرا سکتا ہے؟

ایسا کرنا جائز و درست ہے بشرطیکہ مسافر امامت کا اہل ہو۔(٥)
جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب مکہ تشریف لائے تو انہوں نے لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی اور فرمایا ﴿يا أهل مكة أتموا صلاتكم فإنا قوم سفر﴾ "اے مکہ والو! اپنی نماز مکمل کر لو بے شک ہم تو مسافر لوگ ہیں۔"(٦)

405- روزانہ کاروبار کے سلسلے میں سفر کرنے والا شخص

ہر ایسا شخص جو سفر میں ہو قصر نماز پڑھ سکتا ہے خواہ وہ روزانہ سفر کرے یا دن میں دو بار کرے۔ (واللہ اعلم)

---

(۱) [مجموع الفتاوی (۹/۲٤)]
(۲) [مسلم (۷۰٥) أحمد (۲۲۳/۱) أبو داود (۱۲۱٤) ترمذی (۱۸۷) نسائی (۲۹۰/۱) شرح معانی الآثار (۱٦۰/۱) بیهقی (۱٦٦/۳) صحیح أبو داود (۱۰۷٤، ۱۰۷٥)]
(۳) [مسلم (۱۲۱۸) كتاب الحج : باب حجة النبي، أبو داود (۱۹۰٥) نسائی (۱٤۳/٥) ابن ماجة (۳۰۷٤)]
(٤) [الفتاوى الإسلامية (۳۷۸/۱)]
(٥) [الفتاوى الإسلامية (۳۷۷/۱)]
(٦) [مؤطا (۱٤۹/۱) شیخ محمد صبحی حسن حلاق نے اسے صحیح کہا ہے۔ [التعليق على الروضة الندية (۳۸۰/۱)]

باب صلاة الكسوفين — نماز کسوف ❶ کا بیان

وَهِيَ سُنَّةٌ	یہ نماز سنت ہے۔ ❷

❶ نماز کسوف ایسی نماز کو کہتے ہیں جسے سورج یا چاند گہن کے وقت پڑھا جاتا ہے۔اس کے لیے عربی گرائمر میں مختلف ابواب استعمال ہوتے ہیں مثلاً کَسَفَ (ضرب) ' تَكَشَّفَ (تفعّل) 'إِنْكَسَفَ (إنفعال) ان سب کا معنی ''آفتاب یا ماہتاب کا گہن زدہ ہونا'' ہے۔اور خسوف بھی اسی معنی میں مستعمل ہے۔بعض اہل لغت کے نزدیک سورج گہن کے لیے لفظ ''کسوف'' اور چاند گہن کے لیے لفظ ''خسوف'' استعمال کرنا زیادہ بہتر ہے۔(۱)

❷ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''شمس وقمر اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں ان کو گہن کسی کی موت وحیات کی وجہ سے نہیں لگتا ﴿فإذا رأيتموهما فادعوا الله وصلوا حتى تنكشف﴾ ''چنانچہ جب تم انہیں اس حالت میں دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور نماز پڑھو حتی کہ سورج گہن کھل جائے۔''(۲)

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿فإذا رأيتموهما فافزعوا إلى الصلاة﴾ ''جب تم انہیں دیکھو تو فوراً نماز کی طرف لپکو۔''(۳)

(شوکانیؒ) ظاہر تو وجوب ہی معلوم ہوتا ہے لیکن اگر اس نماز کے عدم وجوب پر اجماع والی بات درست ہو تو وہ وجوب کو ختم کر دے گی ورنہ نہیں۔(٤)

(البانیؒ) ایسے کسی اجماع کا دعویٰ درست نہیں لہذا وجوب کا قول ہی برحق ہے۔(٥)

(ابوعوانہؒ) انہوں نے یہ باب قائم کیا ہے کہ ((بيان وجوب صلاة الكسوف)) ''نماز کسوف کے وجوب کا بیان۔''(٦)

(ابوحنیفہؒ) یہ نماز ادا کرنا واجب ہے۔(۷)

(جمہور) یہ سنت مؤکدہ ہے۔(۸)

(راجح) جمہور کا موقف راجح معلوم ہوتا ہے۔(واللہ اعلم)

---

(۱) [القاموس المحيط (ص/٧٦٤) المنجد (ص/٧٥١) الصحاح (١٤٢١/٤) فتح الباری (٢٣٤/٣) سبل السلام (٦٨٩/٢)]

(۲) [بخاری (١٠٤٣) كتاب الجمعة : باب الصلاة فی كسوف الشمس' مسلم (٩١٥)]

(۳) [بخاری (١٠٤٦) كتاب الجمعة : باب خطبة الإمام فی الكسوف' مسلم (٩٠١) موطا (١٨٦/١) أبو داود (١١٧٧) ترمذی (٥٥٨) نسائی (١٣٢/٣) ابن ماجة (١٢٦٣)]

(٤) [السيل الجرار (٣٢٣/١)]

(٥) [التعليقات الرضية على الروضة الندية (٤١٠/١) تمام المنة (ص/٢٦٤)]

(٦) [فی صحیحه (٣٦٦/٢)]

(۷) [بدائع الصنائع (٢٨٠/١)]

(۸) [سبل السلام (٦٩٠/٢)]

وَأَصَحُّ مَا وَرَدَ فِي صِفَتِهَا رَكْعَتَانِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ رُكُوعَانِ	اس کے طریقے میں وارد زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ اس کی دو رکعتیں ہیں اور ہر رکعت میں دو رکوع ہیں۔ ❶

❶ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں سورج گہن ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف ادا فرمائی' اس میں سورۂ بقرہ کی تلاوت کے برابر قیام کیا' پھر رکوع بھی بہت لمبا کیا' پھر رکوع سے کھڑے ہوئے تو قیام بھی طویل کیا مگر پہلے سے کم' پھر دوبارہ لمبا رکوع کیا لیکن پہلے رکوع سے کم' پھر سجدہ ریز ہوئے' پھر لمبا قیام کیا اور وہ پہلے قیام سے کچھ کم تھا' پھر ایک لمبا رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کچھ کم تھا' پھر اپنا سر اٹھایا اور ایک لمبا قیام کیا جو پہلے قیام سے کم تھا اور دوبارہ لمبا رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کم تھا' پھر سجدہ کیا' پھر جب سلام پھیرا تو سورج روشن ہو چکا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو وعظ بھی کیا۔(۱)

وَ وَرَدَ ثَلَاثَةٌ وَأَرْبَعَةٌ وَخَمْسَةٌ	تین' ❶ چار ❷ اور پانچ ❸ رکوع بھی منقول ہیں۔

❶ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عہد رسالت میں سورج گہن زدہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دو رکعتوں میں) چھ رکوع اور چار سجدے کیے۔(۲)

❷ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دو رکعتوں میں) آٹھ رکوع اور چار سجدے کیے۔(۳)

❸ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت میں طویل قیام کے بعد پانچ رکوع اور دو سجدے کیے پھر اسی طرح دوسری رکعت میں کیا۔(٤)

يَقْرَأُ بَيْنَ كُلِّ رُكُوعَيْنِ وَوَرَدَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ رُكُوعٌ	نمازی ہر دو رکوعوں کے درمیان قراءت کرے ❶ اور ہر رکعت میں ایک رکوع بھی (روایات میں) مذکور ہے۔ ❷

❶ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف پڑھائی ﴿فقرأ ثم ركع ثم قرأ ثم ركع ثم قرأ ثم ركع ثم سجد﴾ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قراءت کی' پھر رکوع کیا' پھر قراءت کی' پھر رکوع کیا' پھر قراءت کی' پھر رکوع کیا' پھر سجدہ کر لیا۔''(٥)

---

(۱) [بخاری (۱۰۵۲) كتاب الجمعة : باب صلاة الكسوف جماعة ' مسلم (۹۰۷) مؤطا (۱۸٦۳۱) أبو داود (۱۱۸۱) نسائی (۱٤٦/۳)]

(۲) [مسلم (۹۰٤) كتاب الكسوف : باب ما عرض على النبي في صلاة الكسوف' أبو داود (۱۱۷۸) شرح معاني الآثار (۳۲۸/۱) بیهقی (۳۲٥/۳) أبو عوانة (۳۷۱/۲)]

(۳) [مسلم (۹۰۹) كتاب الكسوف : باب ذكر من قال إنه ركع ثمان ركعات ' أبو داود (۱۱۸۳) نسائی (۱۲۹/۳)]

(٤) [ضعیف : ضعيف أبو داود (۲٥۱) كتاب الصلاة : باب من قال أربع ركعات ' أبو داود (۱۱۸۲) حاکم (۳۳۳/۱) بیهقی (۳۲۹/۳)] شیخ محمد صبحی حلاق نے اسے ضعیف کہا ہے۔[التعليق على سبل السلام (۲٦۰/۳)] اس کی سند میں ابو جعفر رازی (عیسیٰ بن عبداللہ بن ماہان) راوی میں مقال ہے۔[ميزان الاعتدال (۳۸٥/٥)]

(٥) [مسلم (۹۰۹) كتاب الكسوف : باب ذكر من قال إنه ركع ثمان ركعات...... ' أبو داود (۱۱۸۳) نسائی (۱۲۹/۳) ابن خزيمة (۱۳۸٥)]

❷ (1) حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل روایت میں صرف ایک رکوع کا ذکر ہے۔(۱)

(2) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ایک رکوع کا بھی ذکر ہے۔(۲)

(3) حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿قرأ سورتين وصلى ركعتين﴾ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سورتوں کی قراءت کی اور دو رکعت نماز ادا کی۔''(۳)

مذکورہ حدیث کے الفاظ کے ساتھ بھی ایک رکوع کے جواز پر استدلال کیا جاتا ہے لیکن یہ الفاظ ایک رکوع کے اثبات کے لیے صریح نہیں ہیں۔

(البانی ؒ) اسی کے قائل ہیں کہ ان الفاظ سے یہ وضاحت نہیں ہوتی۔(٤)

(ابن قیم ؒ) تکرار رکوع والی حدیث سنداً زیادہ صحیح' علت و اضطراب سے سالم' کبار صحابہ سے مروی اور زیادہ (علم) پر مشتمل ہے لہٰذا انہیں اختیار کرنا درست ہے۔(٥)

○ محققین نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ نمازِ کسوف کا واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں صرف ایک ہی مرتبہ پیش آیا۔

(امیر صنعانی ؒ) یہ تمام روایات ایک ہی واقعے کا بیان ہے۔(٦)

(ابن قیم ؒ) کبار صحابہ تعدد کو صحیح قرار نہیں دیتے۔(٧)

(شوکانی ؒ) درست یہی ہے کہ نمازِ کسوف آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف ایک مرتبہ ہی ثابت ہے۔(٨)

(البانی ؒ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک مرتبہ نمازِ کسوف پڑھائی۔(٩)

واضح رہے کہ اگر یہ ایک ہی قصہ ہے تو مختلف روایات میں سے کسی ایک کو ترجیح دی جائے گی اور بلاتردد دو رکوعوں والی روایت جو کہ صحیحین میں ہے زیادہ صحیح ہے۔

(ابن تیمیہ ؒ) اسی کے قائل ہیں۔(١٠)

---

(۱) [**ضعيف** : ضعيف أبو داود (۲۵۳) كتاب الصلاة : باب من قال أربع ركعات ' أبو داود (١١٨٤) ضعيف ترمذی (۸٦) ضعيف ابن ماجة (٢٦٠) نسائی (١٤٠/٣) حاكم (٣٣٠/١) بيهقی (٣٣٥/٣)]

(۲) [**ضعيف** : ضعيف أبو داود (۲۵۷) كتاب الصلاة : باب من قال يركع ركعتين ' أبو داود (١١٩٤) شیخ البانی ؒ فرماتے ہیں کہ دو رکوعوں کے ذکر کے ساتھ صحیح ہے جیسا کہ صحیحین میں ہے۔]

(۳) [مسلم (٩١٣) كتاب الكسوف : باب ذكر النداء بصلاة الكسوف]

(٤) [التعليقات الرضية على الروضة الندية (٤١٢/١)]

(٥) [إعلام الموقعين (٣٦٩/٢)]

(٦) [سبل السلام (٦٩٦/٢)]

(٧) [زاد المعاد (٤٥٣/١)]

(٨) [نيل الأوطار (٦٤١/٢)]

(٩) [تمام المنة (ص/٢٦٣)]

(١٠) [مجموع الفتاوى (١١٥/٢٤)]

(مالکؒ، احمدؒ، شافعیؒ، بخاریؒ) دو رکوعوں والی روایت کو ہی ترجیح حاصل ہے۔(۱)
(شوکانیؒ) بلاشبہ دو رکوعوں والی احادیث زیادہ صحیح ہیں۔(۲)

وَنُدِبَ الدُّعَاءُ وَالتَّكْبِيرُ وَالتَّصَدُّقُ وَالْاِسْتِغْفَارُ	اس موقع پر دعا، تکبیر، صدقہ اور استغفار کرنا مستحب ہے۔ ❶

❶ (1) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ نماز کسوف ادا کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿فإذا رأيتموهما فادعوا الله وصلوا حتى ينجلي﴾ ”جب تم ان دونوں (یعنی سورج گہن یا چاند گہن) کو دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور نماز پڑھو تاوقتیکہ وہ ظاہر ہو جائے۔“(۳)
(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں ہے کہ ﴿فإذا رأيتم ذلك فاذكروا الله وكبروا وصلوا وتصدقوا﴾ ”جب تم سورج گہن دیکھو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، تکبیریں کہو، نماز پڑھو اور صدقہ کرو۔“(٤)
(3) حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ﴿إذا رأيتم شيئا من ذلك فافزعوا إلى ذكر الله ودعاءه واستغفاره﴾ ”جب تم اس (یعنی آفتاب و ماہتاب گہن) سے کچھ بھی دیکھو تو فوراً اللہ کا ذکر، اس سے دعا اور استغفار شروع کر دو۔“(٥)

متفرقات

406- نماز کسوف باجماعت ادا کرنا

چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف باجماعت ادا کی ہے جیسا کہ مختلف روایات سے یہ بات ثابت ہے۔(٦) حتی کہ امام بخاریؒ نے اس پر باب قائم کیا ہے کہ ((صلاة الكسوف جماعة)) ”نماز کسوف باجماعت ادا کرنا۔“(٧)
اس کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کو بھیج کر اعلان کروایا کہ ﴿الصلاة جامعة﴾ ”یعنی نماز کے لیے سب جمع ہو جاؤ۔“(٨)
لہٰذا یہ نماز باجماعت ادا کرنا ہی افضل ہے تاہم جس روایت سے وجوب پر استدلال کیا جاتا ہے وہ ضعیف ہے جیسا کہ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿إذا رأيتم ذلك فصلوها كأحدث صلاة صليتموها من المكتوبة﴾ ”جب تم اسے دیکھو تو

---

(۱) [كما في زاد المعاد (٤٥٣/١)]
(۲) [نيل الأوطار (٦٣٥/٢)]
(۳) [بخاری (١٠٦٠) كتاب الجمعة : باب الدعاء في الخسوف، مسلم (٩١٥)]
(٤) [بخاری (١٠٤٤) كتاب الكسوف : باب الصدقة في الكسوف، مسلم (٩٠١) موطا (١٨٦/١) أبو داود (١١٧٧) ترمذی (٥٠٨) نسائی (١٣٢/٣) ابن ماجة (١٢٦٣)]
(٥) [بخاری (١٠٥٩) كتاب الجمعة : باب الذكر في الكسوف، مسلم (٩١٢) شرح السنة (١١٣١)]
(٦) [حجة الله البالغة (٢٠/٢)]
(٧) [بخاری (١٠٥٢) كتاب الكسوف]
(٨) [بخاری (١٠٤٥، ١٠٥١) مسلم (٩١٠) أبو داود (١١٩٤) نسائی (١٣٦/٣) أحمد (١٧٥/٢) ابن خزيمة (١٣٧٥) شرح معاني الآثار (٣٢٩/١) بيهقي (٣٢٤/٣)]

اس طرح نماز پڑھو جیسے تم نے ابھی کوئی فرض نماز پڑھی ہو۔" (۱)

(جمہور) اگر مقررہ امام نہ ہو تو مقتدیوں میں سے کسی کو امام بنا دیا جائے۔

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) اسی کے قائل ہیں۔ (۲)

407- نماز کسوف میں جہری قراءت ہوگی یا سری؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿جهر النبي ﷺ في صلاة الكسوف بقرائته﴾ "نبی ﷺ نے نماز کسوف میں جہری قراءت فرمائی۔" (۳)

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی جس روایت میں ہے کہ ﴿لا نسمع له صوتا﴾ "ہم آپ ﷺ کی آواز نہیں سنتے تھے۔" وہ ضعیف ہے۔ (٤)

جب یہ بات ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے صرف ایک مرتبہ نماز کسوف پڑھائی تھی اور یہ بھی صحیح ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اس میں جہری قراءت فرمائی جیسا کہ گذشتہ صحیح بخاری کی حدیث میں موجود ہے اور اس کے مخالف روایت بھی قابل حجت نہیں تو پھر اسی پر عمل کرتے ہوئے جہری قراءت کی جائے گی۔

(شوکانیؒ) جہری قراءت سری قراءت سے زیادہ بہتر ہے۔ (٥)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) جہری قراءت کا قول راجح ہے۔ (٦)

(البانیؒ) صحیح احادیث سے جہری قراءت ہی ثابت ہے۔ (۷)

(احمدؒ، اسحاقؒ، ابن منذرؒ) اسی کے قائل ہیں۔

(شافعیؒ، مالکؒ، ابوحنیفہؒ) سورج گہن کے موقع پر سری قراءت اور چاند گہن کے موقع پر جہری قراءت کی جائے گی۔ (۸)

408- نماز کسوف کے بعد خطبے کی شرعی حیثیت

نماز کسوف کے بعد خطبہ بھی مسنون ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی صحیح روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے نماز سے فراغت کے بعد وعظ و نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ﴿إن الشمس والقمر آيتان من آيت الله......﴾ "بیشک شمس و قمر

---

(۱) [ضعيف : ضعيف أبو داود (٢٥٤) كتاب الصلاة : باب من قال أربع ركعات، ضعيف نسائی (٨٩) تمام المنة (ص/٢٦٢) أبو داود (١١٨٥) نسائی (١٤٤/٣)]

(۲) [تحفة الأحوذي (١٧١/٣)]

(۳) [بخاري (١٠٦٥) كتاب الكسوف : باب الجهر بالقراءة في الكسوف، مسلم (٩٠١)]

(٤) [ضعيف أبو داود (٢٥٣)]

(٥) [نيل الأوطار (٦٤١/٢)]

(٦) [تحفة الأحوذي (١٧١/٣)]

(۷) [تمام المنة (ص/٢٦٣)]

(۸) [المغني (٣٢٤/٣) المجموع (٥٧/٥) الأم (٤٠٦/١) بدائع الصنائع (٢٨١/١) المبسوط (٨٦/٢) حاشية الدسوقي (٤٠٢/١) نيل الأوطار (٦٤١/٢)]

اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔''(۱)

امام بخاریؒ نے باب قائم کیا ہے کہ ((خطبة الإمام فی الکسوف)) ''دوران کسوف امام کا خطبہ ارشاد فرمانا (مسنون ہے)۔'' اور اس کے تحت نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا ﴿خطب النبی ﷺ......﴾ ''نبی ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔''(۲)

409- نماز کسوف کے لیے آذان و اقامت کہنا

اس نماز کے لیے آذان و اقامت کہنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔

410- کسوف و خسوف سے اللہ کے بندوں کو ڈرانا مقصود ہے

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿ولكن الله يخوف بهما عباده﴾ ''لیکن اللہ تعالیٰ ان دونوں (یعنی آفتاب و ماہتاب کے گہن) کے ذریعے اپنے بندوں کو ڈراتے ہیں۔''(۳)

411- ایک ضعیف روایت

جس روایت میں ہے کہ ''نبی ﷺ نے زلزلے کے موقع پر چار سجدوں اور چھ رکوعوں کے ساتھ نماز پڑھی اور فرمایا آیات الٰہی کی نماز اسی طرح پڑھی جاتی ہے۔'' وہ ضعیف ہے۔(۴)

(۱) [بخاری (۱۰۵۲) کتاب الجمعة : باب صلاة الکسوف جماعة ' مسلم (۹۰۷) موطا (۱۸۶/۱) أبو داود (۱۱۸۱)]

(۲) [بخاری تعلیقا (۱۰٤٦)]

(۳) [بخاری (۱۰٤۸) کتاب الکسوف : باب قول النبی ﴿یخوف الله عباده بالکسوف﴾]

(٤) [بیهقی (۳٤۳/۳) عبدالرزاق (٤۹۳۲) التعلیق علی سبل السلام للشیخ صبحی حلاق (۲٦۳/۳)]

باب صلاة الاستسقاء — نمازِ استسقاء ❶ کا بیان

تُسَنُّ عِنْدَ الْجَدْبِ رَكْعَتَانِ بَعْدَهُمَا خُطْبَةٌ	قحط سالی کے وقت دو رکعتیں نماز جس کے بعد خطبہ ہو مسنون ہے۔ ❷

❶ **لغوی وضاحت:** لفظ "استسقاء" باب اِسْتَسْقَى يَسْتَسْقِي (استفعال) سے مصدر ہے۔ اس کا معنی "پانی مانگنا یا پانی طلب کرنا" مستعمل ہے۔(۱)

شرعی تعریف: قحط سالی کے وقت اللہ تعالیٰ سے ایک مخصوص طریقے کے ساتھ بارانِ رحمت طلب کرنا استسقاء کہلاتا ہے۔(۲)

○ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "جس قوم نے ماپ تول میں کمی کی انہیں قحط سالی سے دوچار ہونا پڑا...... اور جنہوں نے زکوۃ ادا نہیں کی وہ آسمانی بارش سے محروم کر دیے گئے اور اگر چوپائے نہ ہوتے تو ان پر بارش نہ برسائی جاتی۔"(۳)

❷ (1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط سالی کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے عیدگاہ میں منبر لے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ منبر رکھ دیا گیا۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے ایک دن کا وعدہ کیا جس میں وہ سب باہر نکلیں۔ پھر آپ ﷺ اس وقت نکلے جب سورج کا ایک کنارہ ظاہر ہوا ﴿فقعد على المنبر﴾ "آپ ﷺ منبر پر بیٹھ گئے۔" پھر آپ ﷺ نے وعظ و نصیحت کیا اور دعا مانگی......' پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں دست مبارک اس طرح اوپر اٹھائے کہ وہ بتدریج آہستہ آہستہ اوپر اٹھتے گئے حتی کہ آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔ پھر آپ ﷺ لوگوں کی جانب اپنی پشت کر کے کھڑے ہو گئے اور اپنی چادر کو پھیر کر پلٹایا۔ آپ ﷺ اس وقت اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے ہوئے تھے۔ پھر لوگوں کی جانب متوجہ ہوئے اور منبر سے نیچے تشریف لے آئے اور دو رکعت نماز پڑھائی۔ اسی لمحہ اللہ تعالیٰ نے آسمان پر بادل پیدا کیا' وہ بدلی گرجی اور چمکی' اور بارش برسنے لگی۔(٤)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ بڑی تواضع کے ساتھ' سادہ لباس میں نہایت عاجزی و انکساری' بہت خشوع اور بڑے تضرع کے ساتھ نماز کے لیے باہر نکلے' عید کی نماز کی طرح لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی۔ تمہارے عام خطبے کی طرح خطبہ ارشاد نہیں فرمایا (بلکہ آپ ﷺ خطبہ کی حالت میں دعا' تضرع اور اللہ کی بڑائی و کبریائی بیان فرماتے)۔(٥)

---

(۱) [القاموس المحیط (ص/١١٦٦) المنجد (ص/٣٨١)]

(۲) [فتح الباری (١٧٩/٣) نیل الأوطار (٦٤٥/٢)]

(۳) [حسن : صحیح ابن ماجة (٣٢٤٦) کتاب الفتن : باب العقوبات ' الصحیحة (١٠٦) ابن ماجة (٤٠١٩) حاکم (٥٤٠/٤)] حافظ ابوصیری ؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ [مصباح الزجاجة (٢٤٦/٣)] شیخ محمد صبحی حلاق نے اسے حسن کہا ہے۔ [التعلیق علی سبل السلام (٢٦٥/٣)]

(٤) [حسن : صحیح أبو داود (١٠٤٠) کتاب الصلاة : باب رفع الیدین فی الاستسقاء ' أبو داود (١١٧٣) حاکم (٣٢٨/١) شرح معانی الآثار (٣٢٥/١) بیهقی (٣٤٩/٣)]

(٥) [حسن : صحیح ترمذی (٤٥٩) أبو داود (١١٦٥) کتاب الصلاة ' ترمذی (٥٥٥) ابن ماجة (١٢٦٦) نسائی (١٥٦/٣) أحمد (٢٣٠/١) ابن خزیمة (١٤٠٥) بیهقی (٤٣٧/٣) شرح معانی الآثار (٣٢٤/١) دارقطنی (٦٨/٢) حاکم (٣٢٦/١) ابن أبی شیبة (٤٧٣/٢)]

(3) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز استسقاء کے لیے ایک روز نکلے ﴿فصلی بنا رکعتین بلا أذان ولا إقامة ثم خطبنا ودعا الله وحول وجهه نحو القبلة رافعا يديه ثم قلب رداءه فجعل الأيمن على الأيسر والأيسر على الأيمن﴾ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بغیر آذان واقامت کے دو رکعت نماز پڑھائی پھر ہمیں خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا شروع کر دی' اپنے ہاتھ بلند کیے ہوئے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چہرہ قبلے کی جانب پھیر دیا پھر اپنی چادر کو پلٹا یا وہ اس طرح کہ اس کے دائیں حصے کو بائیں جانب اور بائیں کو دائیں جانب کر دیا۔"(۱)

(4) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کے لیے دعا فرمائی تو اپنے دونوں ہاتھ الٹی سمت سے آسمان کی طرف اٹھا کر اشارہ فرمایا۔(۲)

(5) حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ﴿ثم صلى ركعتين جهر فيهما بالقراءة﴾ "پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھائی اور ان میں جہری قراءت فرمائی۔"(۳)

(6) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كان النبي ﷺ لا يرفع يديه في شيء من دعائه إلا في الاستسقاء﴾ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعائے استسقاء کے علاوہ کسی دعا میں اپنے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔"(٤)

ان احادیث سے مندرجہ ذیل مسائل ثابت ہوتے ہیں:

1- نماز استسقاء قحط سالی کے وقت مشروع ہے۔
2- اس نماز کے لیے نہایت عاجزی وانکساری کی حالت میں نکلنا چاہیے۔
3- یہ نماز باہر کھلے میدان میں پڑھنی چاہیے۔
4- یہ نماز دو رکعت ہے۔
5- اس میں خطبہ بھی مشروع ہے۔
6- خطبہ نماز سے پہلے اور بعد میں دونوں طرح درست ہے۔
7- اس میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا مسنون ہے۔
8- دعا کے لیے الٹے ہاتھ آسمان کی جانب اٹھائے جائیں گے۔
9- امام قبلہ رخ ہو کر اپنی چادر پلٹے گا۔
10- امام جہری قراءت کرے گا۔
11- اس میں بھی آذان واقامت ثابت نہیں۔

---

(۱) [**ضعیف** : ضعیف ابن ماجة (۲٦۱) كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها : باب ما جآء في صلاة الاستسقاء' ابن ماجة (۱۲٦۸) أحمد (۳٦۲/۲) بيهقي (۳٤۷/۳)]

(۲) [مسلم (۸۹٦) كتاب صلاة الاستسقاء]

(۳) [بخاري (۱۰۲٤) كتاب الجمعة : باب الجهر بالقراءة في الاستسقاء' مسلم (۸۹٤) أبو داود (۱۱٦۱) ترمذي (۵۵۳) نسائي (۱٦٤/۳) ابن ماجة (۱۲٦۷) أحمد (۳۹/٤) دارمي (۳٦۱/۱) شرح معاني الآثار (۳۲٦/۱)]

(٤) [بخاري (۱۰۳۱) كتاب الجمعة : باب رفع الإمام يده في الإستسقاء' مسلم (۸۹٦/٦)]

اس قدر واضح دلائل کے باوجود اس نماز کی مشروعیت میں اختلاف ہے۔

(جمہور) یہ نماز مشروع ہے۔

(ابوحنیفہؒ) یہ نماز مشروع نہیں ہے۔

(شوکانیؒ) اس نماز کی مشروعیت میں امام ابوحنیفہؒ کے سوا کسی نے اختلاف نہیں کیا۔(۱)

تَتَضَمَّنُ الذِّكْرَ وَالتَّرْغِيبَ فِي الطَّاعَةِ وَالزَّجْرَ عَنِ الْمَعْصِيَةِ وَيَسْتَكْثِرُ الْإِمَامُ وَمَنْ مَعَهُ مِنَ الْاِسْتِغْفَارِ وَالدُّعَاءِ بِرَفْعِ الْجَدْبِ	خطبہ میں ذکر الٰہی' اطاعت کی ترغیب' نافرمانی سے بچنے کی تلقین' امام اور اس کے ساتھ دوسرے لوگوں کا استغفار اور قحط سالی کے خاتمے کی دعا شامل ہونی چاہیے۔ ❶

❶ (1) جیسا کہ گذشتہ احادیث میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے نماز کے ساتھ خطبہ بھی ارشاد فرمایا جس میں آپ ﷺ نے وعظ ونصیحت کے ساتھ مزید دعا بھی مانگی۔

(2) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا﴾ [نوح : ۱۰ ـ ۱۱] ''(حضرت نوح علیہ السلام اپنے رب سے مخاطب ہیں کہ) میں نے (اپنی قوم سے) کہا اپنے رب سے استغفار کرو یقیناً وہ بڑا بخشنے والا ہے اور وہ آسمان کو تم پر خوب برستا ہوا چھوڑ دے گا۔''
حضرت حسن بصریؒ سے جب کوئی قحط سالی کی شکایت کرتا تو وہ اسے (اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے) استغفار کی تلقین کرتے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ دعائے استسقاء کے لیے منبر پر چڑھے تو انہوں نے صرف وہی آیات تلاوت کیں جن میں استغفار کا ذکر ہے۔(۲)

(3) ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ﴿وَأَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا إِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَتَاعًا حَسَنًا﴾ [هود : ۳] ''تم لوگ اپنے رب سے استغفار کرو پھر اسی کی طرف متوجہ رہو وہ تمہیں اچھا سامانِ زندگی عطا کرے گا۔''
ان آیات سے معلوم ہوا کہ قحط سالی اور فقر و فاقے سے نجات کے لیے کثرت سے استغفار کرنا خود اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا فارمولا ہے۔

412- بارش طلب کرنے کے لیے مسنون دعائیں

(1) ''اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا ' اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا ' اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا''(۳)

(2) '' اَللّٰهُمَّ أَغِثْنَا ' اَللّٰهُمَّ أَغِثْنَا ' اَللّٰهُمَّ أَغِثْنَا ''(٤)

---

(۱) [سبل السلام (۶۹۹/۲) نيل الأوطار (۶٤۹/۲)]

(۲) [تفسیر ابن کثیر (۳۱٤/۶) تفسیر أحسن البیان (ص/۱۶۳٤)]

(۳) [بخاری (۱۰۱۳) کتاب الإستسقاء : باب الإستسقاء فی المسجد الجامع]

(٤) [بخاری (۱۰۱٤) کتاب الاستسقاء : باب الاستسقاء فی خطبة الجمعة غیر مستقبل القبلة]

(3) " اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا غَیْثًا مُغِیْثًا مَّرِیْئًا مُرِیْعًا نَافِعًا غَیْرَ ضَآرٍّ عَاجِلًا غَیْرَ آجِلٍ "(۱)

(4) " اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ ' اَللّٰھُمَّ أَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا أَنْتَ الْغَنِیُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ أَنْزِلْ عَلَیْنَا الْغَیْثَ وَاجْعَلْ مَا أَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَبَلَاغًا إِلٰی حِیْنٍ "(۲)

وَيُحَوِّلُوْنَ أَرْدِيَتَهُمْ	اور تمام لوگ اپنی چادریں پلٹیں۔ ❶

❶ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ﴿...... وحول رداء ہ فقلبه ظهرا لبطن وتحول الناس معه﴾ ''......آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر کے ظاہری حصے کو باطنی حصے کی طرف پھیر دیا اور لوگوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (اپنی چادریں) پلٹیں۔''(۳)

اگر شیخ البانیؒ کی بات ٹھیک ہو تو عوام کے لیے چادریں پلٹنا مشروع نہیں ہوگا جب تک کہ اس کی کوئی اور صحیح دلیل نہ مل جائے۔ (واللہ اعلم)

(جمہور) چادریں پلٹنا صرف مستحب ہے۔(٤)

اس کے طریقے میں فقہا نے اختلاف کیا ہے' کہ جسے کتب طوال میں دیکھا جا سکتا ہے۔'(٥) تاہم پلٹتے وقت چادر کا دایاں کنارہ بائیں کندھے پر اور بایاں کنارہ دائیں کندھے پر ڈال دینا ہی بہتر ہے۔(٦)

413- بارش طلب کرنے کے لیے نماز کے سوا صرف دعا بھی ثابت ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص جمعہ کے روز اس وقت مسجد میں داخل ہوا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو اس نے کہا اے اللہ کے رسول! ﴿هلكت الأموال وانقطعت السبل فادع الله يغيثنا﴾ ''اموال و مویشی ہلاک ہو گئے' راستے بند ہو گئے لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ ہم پر بارش نازل فرمائے۔'' چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی کہ " اَللّٰھُمَّ أَغِثْنَا ' اَللّٰھُمَّ أَغِثْنَا ' اَللّٰھُمَّ أَغِثْنَا " جسے اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت سے نوازا اور اتنی بارش ہوئی کہ اگلے جمعہ خطبہ کے دوران پھر ایک شخص آیا اور اس نے کہا اے اللہ کے رسول! ﴿هلكت الأموال وانقطعت السبل فادع الله يمسكها

(۱) [صحيح : صحيح أبو داود (١٠٣٦) كتاب الصلاة : باب رفع اليدين في الإستسقاء ' أبو داود (١١٦٩) ابن خزيمة (١٤١٦) حاكم (٣٢٧/١)]

(۲) [حسن : صحيح أبو داود (١٠٤٠) أيضا ' أبو داود (١١٧٣) ابن حبان (٦٠٤ ـ الموارد) حاكم (٣٢٨/١) شرح معاني الآثار (٣٢٥/١) بيهقي (٣٤٩/٣)]

(۳) [أحمد (٤١/٤) أبو داود (١١٦٤) شرح معاني الآثار (٣٢٤/١) حاكم (٣٢٧/١) ابن خزيمة (١٤١٥) ابن حبان (٢٨٦٧)] اس حدیث کو امام حاکمؒ ' امام ابن خزیمہؒ اور امام ابن حبانؒ نے صحیح کہا ہے۔ لیکن شیخ البانیؒ فرماتے ہیں کہ "وتحول الناس معه" کے لفظ شاذ ہیں باقی حدیث قوی ہے۔ [تمام المنة (ص/٢٦٤) الضعيفة (٥٦٢٩)]

(٤) [نيل الأوطار (٦٥٦/٢)]

(٥) [الأم (٤١٧/١) الحاوى (٤١٩/٢) بدائع الصنائع (٢٨٤/١) المبسوط (٧٧/٢) الهداية (٨٩/١) الإختيار (٧٢/١) الحجة على أهل المدينة (٣٤٠/١) المغنى (٣٤٠/٣)]

(٦) [صحيح : صحيح أبو داود (١٠٣٠) كتاب الصلاة ' أبو داود (١١٦٣)]

عنا﴾ ”اموال ومویشی ہلاک ہوگئے، راستے بند ہوگئے لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ بارش کو ہم سے روک لے۔“ پھر نبی ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی ”اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا اَللّٰهُمَّ عَلَى الْآكَامِ وَالظِّرَابِ وَبُطُوْنِ الْأَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ“ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا قبول فرمائی اور بارش تھم گئی۔(۱)

414- بارش رحمت ہے

(1) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بارش کی لپیٹ میں آ گئے ﴿فحسر ثوبه حتى أصابه من المطر﴾ ”آپ ﷺ نے اپنے بدن سے کپڑا ہٹا لیا حتی کہ آپ ﷺ کے بدن پر بارش پڑنے لگی“ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اپنے مالک کے ارشاد سے نئی نئی برسی ہے۔“(۲)

چونکہ یہ بارش عالم قدس کی طرف سے نازل شدہ ہے اور اسے کسی گنہ گار نے چھوا بھی نہیں لہٰذا یہ باعث برکت ورحمت ہے۔

(امیر صنعانیؒ) مذکورہ حدیث سے مراد یہ ہے کہ بارش رحمت ہے۔(۳)

(نوویؒ) یقیناً بارش رحمت ہے۔(٤)

415- بارش کو دیکھ کر کیا کہنا چاہیے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب بارش دیکھتے تو فرماتے ﴿اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا﴾ ”اے اللہ اس بارش کو نفع بخش بنا دے۔“(٥)

416- ایک ضعیف روایت

جس روایت میں نمازِ استسقاء کی دو رکعتوں میں سے پہلی میں ”سبح اسم ربک الاعلی“ اور دوسری میں ”هل أتاک حديث الغاشية“ کی قراءت کا ذکر ہے وہ ثابت نہیں جیسا کہ شیخ البانیؒ نے اس کی وضاحت کی ہے۔(٦)

(۱) [بخاری (۱۰۱٦ ' ۱۰۱۷) کتاب الجمعة : باب من اكتفى بصلاة الجمعة فى الاستسقاء ' مؤطا (۱۹۱/۱) مسلم (۸۹۷) أبو داود (۱۱۷٥) نسائی (۱٥٤/۳) ابن حبان (۲۸٥۷) بیهقی (۳٤۳/۳)]

(۲) [أحمد (۱۳۳/۳) مسلم (۸۹۸) كتاب صلاة الاستسقاء ' أبو داود (٥۱۰۰) ابن أبی عاصم فی السنة (۲۷٦/۱)]

(۳) [سبل السلام (۷۰٦/۲)]

(٤) [شرح مسلم (٤٦٤/۳)]

(٥) [بخاری (۱۰۳۲) كتاب الجمعة : باب ما يقال إذا مطرنا ' أحمد (۱۲۹/٦) بیهقی (۳٦۱/۳) نسائی (۱٥۲۳) ابن ماجة (۳۸۹۰) أبو داود (٥۰۹۹) ابن السنی فی عمل اليوم والليلة (۳۰٤)]

(٦) [تمام المنة (ص/ ۲٦٤) الضعيفة (٥۲۳۱) إرواء الغليل (۱۳٤/۳)]

کتاب الجنائز

جنازے کے مسائل

پہلی فصل : قریب المرگ شخص کے متعلق احکام

دوسری فصل: میت کو غسل دینے کا بیان

تیسری فصل : میت کو کفن دینے کا بیان

چوتھی فصل: نماز جنازہ کا بیان

پانچویں فصل : جنازے کے ساتھ چلنا

چھٹی فصل: میت کی تدفین

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ [آل عمران : ١٨٥]

''ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے۔''

حدیث نبوی ہے کہ

﴿أكثروا ذكر هازم اللذات : الموت﴾

''لذتوں کو مٹا دینے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔''

[صحيح الجامع الصغير للألباني (١٢١٠)]

کتاب الجنائز ❶

جنازے کے مسائل

پہلی فصل

قریب المرگ شخص کے متعلق احکام

مِنَ السُّنَّةِ عِيَادَةُ الْمَرِيضِ	مریض کی عیادت کرنا مسنون ہے۔ ❷

❶ لفظ " جنائز " جنازۃ کی جمع ہے جیم کے کسرہ کے ساتھ اس سے مراد میت ہے اور بعض نے جیم کے فتحہ کے ساتھ بھی یہی مراد لیا ہے یا کسرہ کے ساتھ میت اور فتحہ کے ساتھ وہ چار پائی مراد ہے جس پر میت ہو۔ علاوہ ازیں ایک قول اس کے برعکس بھی ہے یعنی کسرہ کے ساتھ وہ چار پائی مراد ہے جس پر میت پڑی ہو۔ لفظ جنائز باب جَنَزَ يَجْنِزُ (ضرب) سے مشتق ہے جس کا معنیٰ "چھپانا" مستعمل ہے۔ امام نوویؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے لفظ جنائز میں جیم پر صرف فتحہ کو ہی ثابت کیا ہے۔(١)

❷ (1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں: سلام کا جواب دینا' ﴿عيادة المريض﴾ "مریض کی عیادت کرنا' جنازے میں شرکت کرنا' دعوت قبول کرنا' جسے چھینک آئے اسے "یرحمک اللہ" کہنا۔"

صحیح مسلم کی روایت میں چھ حقوق کا ذکر ہے اور ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ ﴿وإذا استنصحك فانصحه﴾ "اور جب وہ خیر خواہی طلب کرے تو اس کی خیر خواہی کرو۔"(٢)

(2) حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿عودوا المريض وأطعموا الجائع......﴾ "مریض کی عیادت کرو اور بھوکے کو کھانا کھلاؤ۔"(٣)

(3) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میری آنکھ میں تکلیف تھی تو رسول اللہ ﷺ نے میری عیادت کی۔(٤)

(4) حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ غزوہ احزاب کے روز زخمی ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا خیمہ مسجد میں لگوا دیا ﴿ليعوده

---

(١) [القاموس المحيط (ص/٤٥٦) نيل الأوطار (٦٦٠/٢) شرح مسلم للنووي (٤٨٩/٣) فتح الباري (٤٤٣/٣)]

(٢) [بخاري (١٢٤٠) كتاب الجنائز : باب الأمر باتباع الجنائز ' مسلم (٢١٦٢) كتاب السلام : باب من حق المسلم للمسلم رد السلام ' أبو داود (٥٠٣٠) ابن ماجة (١٤٣٥) أحمد (٣٣٢/٢) بيهقي (٣٨٦/٣)]

(٣) [بخاري (٧١٧٣) كتاب الأحكام : باب إجابة الحاكم الدعوة ' أبو داود (٣١٠٥) أحمد (٣٩٤/٤)]

(٤) [حسن : صحيح أبو داود (٢٦٥٩) كتاب الجنائز : باب في العيادة من الرمد ' أحمد (٣٧٥/٤) أبو داود (٣١٠٢) بخاري في الأدب المفرد (٥٣٢) حاكم (٣٤٢/١)]

من قریب﴾ ’’تاکہ قریب سے ان کی عیادت کر سکیں۔‘‘ (۱)

(5) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا﴿إن المسلم إذا عاد أخاه المسلم لم يزل في مخرفة الجنة حتى يرجع﴾ ’’بلا شبہ جب مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو واپسی تک جنت کے باغیچے میں رہتا ہے۔‘‘ (۲)

(6) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ’’جب کوئی مسلمان عیادت کی غرض سے اپنے مسلمان بھائی کے پاس بیٹھتا ہے اگر وہ صبح کو عیادت کرے تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں اور اگر شام کو عیادت کرے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ (۳)

417- عیادت کے وقت مریض کو دعا دینا

(1) حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ’’جب کوئی آدمی کسی مریض کی عیادت کے لیے آئے تو کہے ’’اَللّٰهُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ يَنْكَأُ لَكَ عَدُوًّا أَوْ يَمْشِي لَكَ جَنَازَةً‘‘ (٤)

(2) نبی ﷺ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو یہ دعا کیا کرتے﴿اللهم اشف سعدا وأتمم له هجرته﴾ ’’اے اللہ! سعد کو شفا عطا فرما اور اس کے لیے اس کی ہجرت کو پورا کر دے۔‘‘ (٥)

(3) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ’’جو شخص کسی مریض کی عیادت کے دوران اس کے پاس سات مرتبہ کہے ’’ أَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَظِيمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ أَنْ يَّشْفِيَكَ‘‘ اگر اس کی وفات کا وقت نہیں آیا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے اس بیماری سے عافیت عطا فرمائیں گے۔ (٦)

(4) حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ’’جب تم مریض یا میت کے پاس موجود ہو تو اچھی بات کہو کیونکہ فرشتے تمہاری کہی ہوئی بات پر آمین کہتے ہیں۔ (٧)

وَتَلْقِينُ الْمُحْتَضَرِ الشَّهَادَتَيْنِ	قریب الموت شخص کو کلمہ شہادت کی تلقین کرنا۔ ❶

❶ (1) حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا﴿لقنوا موتاكم لا إله إلا الله﴾ ’’قریب المرگ

(۱) [صحیح : صحیح أبو داود (۲۶۵۸) کتاب الجنائز : باب في العيادة مرار' أبو داود (۳۱۰۱)]

(۲) [مسلم (۲۵٦۸) کتاب البر والصلة والأداب : باب فضل عيادة المريض ' بخاري في الأدب المفرد (۵۱۹) أحمد (۲۷٦/۵) ترمذي (۹٦۷)]

(۳) [صحیح : صحیح ترمذي (۷۷۵) الصحيحة (۱۳٦۷) أبو داود (۳۰۹۸) ابن ماجة (۱٤٤۲)]

(٤) [صحیح : صحیح أبو داود (۲٦٦٤) کتاب الجنائز : باب الدعاء للمريض عند العيادة ' الصحيحة (۱۵۰٤) أبو داود (۳۱۰۷)]

(٥) [صحیح : صحیح أبو داود (۲٦٦۱) کتاب الجنائز : باب الدعاء للمريض بالشفاء عند العيادة ' أبو داود (۳۱۰٤)]

(٦) [صحیح : صحیح أبو داود (۲٦٦۳) کتاب الجنائز : باب الدعاء للمريض عند العيادة ' أبو داود (۳۱۰٦) ترمذي (۲۰۸۳) حاكم (٤۱٦/٤)]

(٧) [رواه مسلم كما في أحكام الجنائز للألباني (ص/۱۹)]

آدمی کو " لا إله إلا الله " کی تلقین کرو۔''(١)

(2) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری شخص کی عیادت کی تو فرمایا﴿یا خال قل لا إله إلا الله﴾ ''اے ماموں! " لا إله الا الله" کہہ دو۔''(٢)

(3) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا﴿من كان آخر كلامه لا إله إلا الله دخل الجنة﴾ ''جس کا آخری کلام " لا إله إلا الله" ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا۔''(٣)

(4) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی انہی الفاظ میں حدیث مروی ہے۔(٤)

(نوویؒ) اس تلقین کا حکم استحباب پر مبنی ہے۔(٥)

وَتَوْجِيهُهُ وَتَغْمِيضُهُ إِذَا مَاتَ	اسے قبلہ رخ کرنا ❶ اور (وفات کے بعد) اس کی آنکھیں بند کرنا۔ ❷

❶ قریب المرگ انسان کو قبلہ رخ کرنا تا کہ اسی حالت میں اس کی وفات ہو کسی صحیح مرفوع حدیث سے ثابت نہیں۔

(البانیؒ) (غالباً یہی وجہ ہے کہ) انہوں نے اس عمل کو بدعات میں شمار کیا ہے۔(٦)

البتہ جو لوگ قبلہ رخ کرنے کے قائل ہیں وہ مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال کرتے ہیں:

(1) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبیرہ گناہوں کی تعداد نو (9) بتلائی اور انہیں اس طرح شمار کیا کہ شرک' جادو' ناحق کسی جان کا قتل' سود کھانا' یتیم کا مال کھانا' جنگ کے وقت پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا' پاک دامنہ عورتوں پر تہمت لگانا' والدین کی نافرمانی کرنا اور﴿استحلال البيت الحرام قبلتكم أحياء وأمواتا﴾ ''بیت الحرام کو حلال سمجھ لینا حالانکہ وہ تو زندہ اور مردہ حالت میں تمہارا قبلہ ہے۔''(٧)

اس حدیث میں محل شاہد یہ ہے کہ ''بیت اللہ کو حلال سمجھ لینا حالانکہ وہ زندہ اور مردہ حالت میں تمہارا قبلہ ہے۔'' لیکن یہ بات مذکورہ مسئلے کی دلیل نہیں بنتی کیونکہ اس میں مردہ حالت میں بیت اللہ کو قبلہ کہا گیا ہے نہ کہ قریب المرگ انسان کے لیے۔ علاوہ ازیں زندوں کے لیے بیت اللہ نماز کے وقت قبلہ ہے اور مردوں کے لیے قبر میں لہٰذا قریب المرگ انسان ان دونوں میں شامل نہیں ہے۔ تاہم اگر اس منطق کو تسلیم کر لیا جائے تو ہر زندہ شخص پر قبلہ رخ ہونا لازم ہوگا قطع نظر اس بات سے کہ نماز کا وقت

(١) [مسلم (٩١٦) كتاب الجنائز : باب تلقين الموتى لا إله إلا الله' أبو داود (٣١١٧) أحمد (٣/٣) ترمذي (٩٨٣) نسائي (٥/٤) ابن ماجة (١٤٤٥) بيهقي (٣٨٣/٣) أبو يعلى (١٠٩٦) شرح السنة (١١٧/٣)]

(٢) [صحيح : أحكام الجنائز (ص/٢٠) أحمد (١٥٢/٣) شیخ البانیؒ نے مسلم کی شرط پر اسے صحیح کہا ہے۔]

(٣) [صحيح : صحيح أبو داود (٢٦٧٣) كتاب الجنائز : باب في التلقين' أبو داود (٣١١٦) أحمد (٢٣٣/٥) حاكم (٣٥١/١)]

(٤) [مسلم (٩١٨) كتاب الجنائز : باب ما يقال عند المصيبة' ابن ماجة (١٤٤٤) ابن الجارود (٥١٣) أبو يعلى (٦١٨٤) بيهقي (٣٨٣/٣)]

(٥) [المجموع (١٠٥/٥)]

(٦) [أحكام الجنائز (ص/٣٠٧)]

(٧) [حسن : صحيح أبو داود (٢٤٩٩) كتاب الوصايا : باب ما جاء في التشديد في أكل مال اليتيم' أبو داود (٢٨٧٥) نسائي (٨٩/٧) حاكم (٢٥٩/٤)]

ہو یا نہ ہو۔تو یقیناً یہ بات نقل وعقل کے خلاف ہے۔

(2) حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ جب ان کی وفات کا وقت آئے تو انہیں قبلہ رخ کیا جائے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا ﴿أصاب الفطرة﴾ ''یہ تو فطرت کو پہنچ گیا ہے۔''(۱)

(3) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وفات کے وقت قبلہ رخ ہو کر اپنے دائیں ہاتھ کا تکیہ بنا لیا۔(۲)

تاہم حضرت سعید بن مسیبؒ کے متعلق مروی ہے کہ انہوں نے قریب المرگ انسان کو قبلہ رخ کرنا ناپسند کیا ہے۔(۳)

❷ (1) حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا حضرتم موتاكم فأغمضوا البصر فإن البصر يتبع الروح وقولوا خيرا فانه يؤمن على ما قال أهل البيت﴾ ''جب تم اپنے مردوں کے پاس حاضر ہو تو ان کی آنکھیں بند کر دیا کرو بے شک نظر روح کا پیچھا کرتی ہے۔اور اچھی بات کہو کیونکہ (میت کے) گھر والوں کی کہی ہوئی بات پر آمین کہی جاتی ہے۔''(٤)

(2) حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت تشریف لائے تو اس وقت اس کی آنکھ کھلی تھی ﴿فأغمضه﴾ ''تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بند کر دیا۔''(٥)

(شوکانیؒ) اس سے ثابت ہوا کہ میت کی آنکھیں بند کرنا مشروع ہے۔(٦)

(نوویؒ) اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔(۷)

وَقِرَائَةُ يٰسٓ عَلَيْهِ وَالْمُبَادَرَةُ بِتَجْهِيزِهِ إِلَّا لِتَجْوِيزِ حَيَاتِهِ	اس کے قریب سورہ یٰس کی قراءت کرنا ❶ اور اس کے کفن دفن میں جلدی کرنا اِلا کہ اس کے زندہ ہونے کے امکان کی وجہ سے تاخیر کی جائے۔ ❷

❶ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿اقرأوا على موتاكم يٰسٓ﴾ ''اپنے مرنے والوں کے قریب سورہ یٰس پڑھا کرو۔''(۸)

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿ما من ميت يموت فيقرأ عنده (يٰسٓ) إلا هون الله عليه﴾ ''جس مردے پر سورہ

(۱) [تلخيص الحبير (۲/۲۰۸) حافظ ابن حجرؒ نے اسے نقل تو کیا ہے لیکن اس پر سکوت فرمایا ہے۔]

(۲) [أحمد (٦/٤٦١-٤٦٢)]

(۳) [أحكام الجنائز (ص/۲۰)]

(٤) [حسن : صحيح ابن ماجة (۱۱۹۰) الروض النضير (۱۱۹۱) ابن ماجة (۱٤٥٥) كتاب ما جاء في الجنائز: باب ما جاء في تغميض الميت' أحمد (٤/١٢٥) حاكم (۳٥۲/۱)] حافظ بوصیریؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[مصباح الزجاجة (٤٧٠/١)]

(٥) [مسلم (۹۲۰) كتاب الجنائز : باب في إغماض الميت والدعاء له إذا حضر' أبو داود (۳۱۱۷) شرح السنة (١٤٦٨) ترمذی (۹۷۷)]

(٦) [نيل الأوطار (٦٦٩/٢)]

(۷) [شرح مسلم للنووی (٤٩٣/٣)]

(۸) [ضعيف : ضعيف أبو داود (٦٨٣) كتاب الجنائز: باب القراءة على الميت' إرواء الغليل (٦٨٨) أبو داود (۳۱۲۱) ابن ماجة (١٤٤٨) ابن أبي شيبة (۲۷۳/۳) أحمد (٢٦/٥) حاكم (٥٦٥/١) بيهقى (۳۸۳/۳)]

یٰس کی تلاوت کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس پر آسانی فرمادیتے ہیں۔''(۱)
(البانیؒ) میت کے قریب سورہ یٰس پڑھنے کی کوئی حدیث صحیح نہیں۔(۲)

❷ (1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿أسرعوا بالجنازة......﴾ ''جنازے کے ساتھ (تجہیز و تکفین میں) جلدی کرو......''(۳)

(2) نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تین چیزوں میں تاخیر نہ کرنے کی وصیت فرمائی۔(ان میں ایک یہ تھی) ﴿والجنازه إذا حضرت﴾ ''جب جنازہ حاضر ہو جائے (تو اسے لے جانے میں تاخیر نہ کی جائے)۔''(٤)

(3) حضرت طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو نبی ﷺ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے اور فرمایا ﴿فآذنوني به وعجلوا فإنه لا ينبغي لجيفة مسلم أن تحبس بين ظهر انى أهله﴾ ''مجھے اس کی اطلاع دے دینا اور جلدی کرو کیونکہ مسلمان کے مردہ جسم کو اس کے گھر والوں کے درمیان روکے رکھنا جائز نہیں۔''(٥)
یہ اس وقت ہے کہ جب کسی شخص کی موت یقینی ہو اور جب ایسا نہ ہو تو اسے دفن نہیں کیا جائے گا جب تک کہ موت متحقق نہ ہو جائے۔

(4) حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ ﴿إذا انطلقتم بجنازتي فأسرعوا بي المشي﴾ ''جب تم میرا جنازہ لے کر جاؤ گے تو مجھے جلدی لے کر چلنا۔''(٦)

وَالْقَضَاءُ لِدَيْنِهِ وَتَسْجِيَتُهُ وَتَجُوزُ تَقْبِيلُهُ	میت کا قرض ادا کرنا ❶ اسے (کسی کپڑے سے) ڈھانپنا ❷ اور اس کا بوسہ لینا جائز ہے۔ ❸

❶ (1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿نفس المومن معلقة بدينه حتى يقضى عنه﴾ ''مومن کی روح قرض کے ساتھ اس وقت تک معلق رہتی ہے جب تک کہ اسے ادا نہیں کر دیا جاتا۔''(۷)

(2) حضرت سعد بن اطول رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کا بھائی تین سو درہم ترکہ چھوڑ کر فوت ہو گیا چونکہ میت کے اہل و عیال بھی

---

(۱) [أخبار أصبهان لأبى نعيم (۱۸۸/۱)] اس کی سند میں مروان بن سالم راوی ثقہ نہیں ہے۔[ميزان الإعتدال (۹۰/٤) المجروحين (۱۳/۳)]
(۲) [أحكام الجنائز (ص/۲۰)]
(۳) [بخارى (۱۳۱۵) كتاب الجنائز : باب السرعة بالجنازة ' مسلم (۹٤٤) مؤطا (۲٤۳/۱) أبو داود (۳۱۸۱) ترمذى (۱۰۱۵) نسائى (٤۲/٤) ابن ماجة (۱٤۷۷)]
(٤) [ضعيف : ضعيف ترمذى (۲٥) كتاب الصلاة : باب ما جاء فى الوقت الأول من الفضل ' ترمذى (۱۷۲) ابن ماجة (۱٤۸٦) أحمد (۱۰٥/۱) حاكم (۱٦۲/۲)]
(٥) [ضعيف : ضعيف أبو داود (٦۹۲) كتاب الجنائز : باب التعجيل بالجنازة وكراهية حبسها ' أبو داود (۳۱٥۹) بيهقى (۳۸٦/۳)]
(٦) [حسن : أحكام الجنائز (ص/۱۸) بيهقى (۳۹٥/۳)]
(۷) [صحيح : صحيح ابن ماجة (۱۹٥۷) كتاب الصدقات : باب التشديد فى الدين ' ابن ماجة (۲٤۱۳) ترمذى (۱۰۷۹'۱۰۷۸) أحمد (٤٤۰/۲) دارمى (۲٦۲/۲) حاكم (۲۷/۲) بيهقى (٤۹/٦)]

تھے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کے عیال پر یہ درہم خرچ کرنے کا ارادہ کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إن أخاك محبوس بدينه فاقض عنه﴾ ''بے شک تمہارا بھائی اپنے قرض کی وجہ سے روک دیا گیا ہے' اس کی طرف سے قرض ادا کرو۔'' (۱)

(3) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عہد رسالت میں اگر کوئی مقروض فوت ہو جاتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم دریافت فرماتے کہ کیا اس نے قرض کی ادائیگی کے لیے کچھ چھوڑا ہے؟ اگر لوگ کہتے ہاں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نماز جنازہ پڑھا دیتے اور اگر لوگ کہتے نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ﴿صلوا على صاحبكم﴾ ''اپنے ساتھی کی نماز جنازہ خود ہی پڑھ لو'' پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو فتوحات سے نوازا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿أنا أولى بالمومنين من أنفسهم فمن توفي' عليه دين فعلي قضاء ومن ترك مالا فهو لورثته﴾ ''میں مومنوں کے اپنے نفسوں سے بھی ان کے زیادہ قریب ہوں لہٰذا جو فوت ہو جائے اور اس پر قرض ہو تو اس کی ادائیگی میرے ذمے ہے اور جس نے ترکے میں کوئی مال چھوڑا تو وہ اس کے ورثاء کے لیے ہے۔'' (۲)

(4) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من أخذ أموال الناس يريد أداءها أدى الله عنه ومن أخذها يريد إتلافها أتلفه الله﴾ ''جس شخص نے لوگوں سے ادا کر دینے کے ارادے سے مال حاصل کیا (پھر کسی وجہ سے وہ زندگی میں ادا نہ کر سکا) تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا فرما دیں گے۔ اور جس نے لوگوں سے ہلاک (یا ضبط) کر لینے کی نیت سے مال لیا تو اللہ تعالیٰ بھی اسے ہلاک کر دیں گے۔'' (۳)

❷ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿أن النبي ﷺ حين توفي سجي ببرد حبرة﴾ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب فوت ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھاری دار چادر سے ڈھانپ دیا گیا۔'' (٤)

جو شخص حالت احرام میں فوت ہو گیا اس کا سر اور چہرہ نہیں ڈھانپا جائے گا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ولا تخمروا رأسه (ولا وجهه)......﴾ ''اس کے سر (اور چہرے کو) مت ڈھانپو......'' (٥)

❸ (1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ﴿أن ابا بكر قبل النبي بعد موته﴾ ''بے شک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بوسہ لیا۔'' (٦)

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿قبل رسول الله عثمان بن مظعون وهو ميت حتى رأيت الدموع تسيل﴾ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا بوسہ لیا اور اس وقت وہ فوت ہو چکے تھے حتیٰ کہ میں نے دیکھا

---

(۱) [صحيح : أحكام الجنائز (ص/٢٦) ابن ماجة (٢٤٣٣) كتاب الصدقات : باب الدين على الميت ' أحمد (١٣٦/٤) بيهقى (١٤٢/١٠)]

(۲) [صحيح : صحيح ابن ماجة (١٩٥٩) كتاب الصدقات : باب التشديد فى الدين ' ابن ماجة (٢٤١٥)]

(۳) [بخارى (٢٣٨٧) كتاب فى الاستقراض وأداء الديون والحجر والتفليس : باب من أخذ أموال الناس يريد أدائها أو إتلافها ' ابن ماجة (٢٤١١)]

(٤) [بخارى (٥٨١٤) كتاب اللباس : باب البرود والحبرة والشملة ' مسلم (٩٤٢) أبو داود (٣١٢٠)]

(٥) [بخارى (١٢٦٥) كتاب الجنائز : باب الكفن فى ثوبين ' مسلم (٢٠٩٢) بيهقى (٣٩٠/٣) أحكام الجنائز (ص/٢٢)]

(٦) [بخارى (٤٤٥٥ ' ٤٤٥٦ ' ٤٤٥٧) كتاب المغازى : باب مرض النبى ووفاته ' نسائى (١١/٤) ابن ماجة (١٤٥٧) أحمد (٥٥/٦)]

کہ آپ ﷺ کے آنسو بہہ رہے ہیں۔'' (۱)

وَ عَلَى الْمَرِيضِ أَنْ يُحْسِنَ الظَّنَّ بِرَبِّهِ وَيَتُوبَ إِلَيْهِ	مریض کو چاہیے کہ اپنے رب پر اچھا گمان رکھے ❶ اور اس کی طرف رجوع کرے۔ ❷

❶ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿لا یموتن أحدکم إلا وھو یحسن باللہ الظن﴾ ''تم میں سے ہرگز کوئی فوت نہ ہو مگر صرف اس حال میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان رکھتا ہو۔'' (۲)

(2) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ ایک ایسے نوجوان کے پاس گئے جو قریب المرگ تھا تو آپ ﷺ نے دریافت کیا ''تم اپنے آپ کو کیسا محسوس کرتے ہو؟ تو اس نے کہا ﴿أرجو اللہ وأخاف ذنوبی﴾ ''میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں سے خائف ہوں۔'' (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿لا یجتمعان فی قلب عبد فی مثل ھذا الموطن إلا أعطاہ اللہ ما یرجو وآمنہ مما یخاف﴾ ''جس بندے کے دل میں اس وقت یہ دونوں چیزیں جمع ہو جائیں اللہ تعالیٰ اسے وہی عطا فرما دیتے ہیں جس کی وہ امید رکھتا ہے اور اسے اس چیز سے امن بخش دیتے ہیں جس سے وہ خائف ہوتا ہے۔'' (۳)

❷ مندرجہ ذیل آیات اس مسئلے میں کافی ہیں:

(1) ﴿تُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ [النور: ۳۱] ''اے مومنو! تم سب اکٹھے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو تا کہ تم فلاح پا جاؤ۔''

(2) ﴿اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ﴾ [ھود: ۳] ''اپنے رب سے بخشش طلب کرو پھر اس کی طرف رجوع کرو۔''

(3) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَصُوحًا﴾ [التحریم: ۸] ''تم اللہ کے سامنے سچی خالص توبہ کرو۔''

وَيَتَخَلَّصَ عَنْ كُلِّ مَا عَلَيْهِ	(موت سے پہلے) اپنی تمام تر ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو جائے۔ ❶

❶ (1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اگر کسی شخص کا ظلم کسی دوسرے کی عزت پر ہو یا کسی طریقے (سے بھی ظلم کیا ہو) تو اسے آج ہی اُس دن کے آنے سے پہلے معاف کرا لے کہ جس دن نہ دینار ہوں گے نہ درہم بلکہ اگر اس کا کوئی نیک عمل ہوگا تو اس کے ظلم کے بدلے میں وہی لے لیا جائے گا اور اگر کوئی نیک عمل اس کے پاس نہیں ہو گا تو اس کے ساتھی (مظلوم) کی برائیاں اس پر ڈال دی جائیں گی۔'' (٤)

(۱) [صحیح: صحیح أبو داود (۲۷۰۹) کتاب الجنائز: باب فی تقبیل المیت، أبو داود (۳۱۶۳) ترمذی (۹۸۹) ابن ماجۃ (۱٤٥٦) أحمد (٤۳/٦) عبد بن حمید (۱٥۲٦)]

(۲) [مسلم (۲۸۷۷) کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا وأھلھا: باب الأمر بحسن الظن باللہ تعالی عند الموت، أبو داود (۳۱۱۳) ابن ماجۃ (٤۱٦۷)]

(۳) [حسن: صحیح ابن ماجۃ (۳٤۳٦) ترمذی (۹۸۳) کتاب الجنائز: باب ما جاء أن المومن یموت بعرق الجبین، ابن ماجۃ (٤۲٦۱)] حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسے حسن کہا ہے۔ [الترغیب والترھیب (٤/۲٦۸)]

(٤) [بخاری (۲٤٤۹) کتاب المظالم والغصب: باب من کانت لہ مظلمۃ عند الرجل......]

(2) ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے دریافت کیا کہ ”کیا تمہیں علم ہے کہ مفلس شخص کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم و دینار اور مال و متاع نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! میری امت میں سے مفلس وہ ہے جو روز قیامت نماز' روزے اور زکوۃ کے ساتھ آئے گا لیکن اس نے کسی کو گالی دی ہوگی اور کسی کو تہمت لگائی ہوگی' کسی کا مال کھایا ہوگا' کسی کا خون بہایا ہوگا' اور کسی کو بے جا مارا ہوگا۔ اسے بٹھا دیا جائے گا اور اس کی نیکیاں ان لوگوں کو دی جائیں گی (جن پر اس نے زیادتی کی ہوگی) اور اگر اپنی غلطیوں کا بدلہ دینے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو لوگوں سے ان کی غلطیاں لے کر اس پر ڈال دی جائیں گی پھر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔“ (۱)

اگر ایسے شخص پر لوگوں کے حقوق (یعنی قرض' امانت' غصب شدہ مال وغیرہ) ہوں تو اسے چاہیے کہ مستحقین کی طرف انہیں لوٹا دے اور اگر بروقت اس کی طاقت نہ ہو تو اس کی وصیت کر دے۔ (۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿ما حق امری مسلم له شیئ یوصی فیه یبیت لیلتین إلا ووصیته مکتوبة عنده﴾ ”کسی بھی مسلمان کے لیے جس کے پاس قابل وصیت کوئی مال ہو درست نہیں کہ دو راتیں بھی وصیت کو لکھ کر اپنے پاس محفوظ کیے بغیر گزارے۔“ (۳)

418- وصیت ثلث مال سے زائد میں نہ ہو

نبی ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا ﴿الثلث والثلث کثیر﴾ ”ایک تہائی حصے کی وصیت کر دو اور تہائی بھی بہت زیادہ ہے۔“ (٤)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے یہ پسند ہے کہ لوگ وصیت میں ثلث سے ربع کی طرف مائل ہو جائیں کیونکہ نبی ﷺ نے ثلث کو بھی بہت زیادہ قرار دیا ہے۔ (٥)

419- ورثاء کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں

حدیث نبوی ہے کہ ﴿إن الله أعطی کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث﴾ ”بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کو اس کا حق عطا کر دیا ہے لہٰذا کسی وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں۔“ (٦)

---

(۱) [**صحیح** : صحیح ترمذی (۱۹۷۱) ابواب صفة القیامة والرقاق والورع : باب ما جاء فی شأن الحساب والقصاص' ترمذی (۲٤۱۸) الصحیحة (۸٤٥)]

(۲) [أحکام الجنائز (ص/۱۲)]

(۳) [بخاری (۲۷۳۸) کتاب الوصایا : باب الوصایا' مسلم (۱٦۲۷) مؤطا (۷٦۱/۲) أبو داود (۲۸٦۲) ترمذی (۹۷٤) نسائی (۳٦۱٥' ۳٦۱٦)]

(٤) [بخاری (۲۷٤۲) کتاب الوصایا : باب أن یترک ورثته أغنیاء خیر من أن یتکففوا الناس' مسلم (۳۰۷٦)]

(٥) [أحمد (۲۰۲۹' ۲۰۷٦) بیهقی (۲٦۹/٦) أحکام الجنائز للألبانی (ص/۱٤)]

(٦) [**حسن** : صحیح أبو داود (۲٤۹٤) کتاب الوصایا : باب ما جاء فی الوصیة للوارث' أبو داود (۲۸۷۰) دارمی (۳۱۲۸) أحمد (۱۷۰۰٤)]

متفرقات

420- موت کی آرزو کرنا جائز نہیں

1) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا يتمنين أحدكم الموت لضر نزل به﴾ ''تم میں سے کوئی بھی کسی درپیش مصیبت و تکلیف کے سبب ہرگز موت کی تمنا نہ کرے۔'' اور اگر ضرور ہی تمنا کرنا چاہتا ہو تو اس طرح کہہ لے ﴿اللّٰهم أحيني ما كانت الحياة خيرا لي وتوفني ما كانت الوفاة خيرا لي﴾ ''اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہے اور اس وقت مجھے فوت کر دینا جب میرے لیے وفات بہتر ہوگی۔'' (۱)

2) ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حالت مرض میں موت کی تمنا کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿یا عم لا تمن الموت﴾ ''اے چچا جان! موت کی تمنا مت کیجیے۔'' کیونکہ اگر آپ نیک ہیں تو آپ (بقیہ زندگی میں) اپنی نیکیوں میں اضافہ کریں گے یہ آپ کے لیے بہتر ہے اور اگر آپ گنہگار ہیں تو آپ اپنے گناہوں سے تائب ہو سکتے ہیں یہ بھی آپ کے لیے بہتر ہے لہذا آپ ہرگز موت کی تمنا نہ کریں۔'' (۲)

421- اہل و عیال کو وفات کے وقت رونے سے روکنا

کیونکہ اگر یہ شخص نہیں روکے گا تو وفات کے بعد گھر والوں کے رونے کی وجہ سے اسے عذاب دیا جائے گا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ﴿إن الميت يعذب ببكاء أهله﴾ ''بے شک میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔'' (۳)

اس رونے سے مراد ایسا رونا ہے جو نوحہ کی صورت میں ہو البتہ مجرد آنسو بہہ جانے میں کوئی حرج نہیں۔ اس مسئلے کا مفصل بیان آئندہ فصل ''جنازے کے ساتھ چلنا'' میں آ رہا ہے۔

422- قریب المرگ کافر کے پاس دعوتِ اسلام کے لیے جانا

(البانیؒ) اس میں کوئی حرج نہیں۔ (٤)

جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی بچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا۔ وہ بیمار ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لیے اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کے سر کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہا ﴿أسلم﴾ ''تو مسلمان ہو جا۔'' اس نے اپنے قریب موجود والد کی طرف دیکھا تو اس نے بچے کو کہا کہ ابو القاسم کی بات مان لو پھر وہ بچہ مسلمان ہو گیا لہذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے ہوئے باہر نکل گئے کہ ﴿الحمد لله الذي أنقذه من النار﴾ ''تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے اسے آگ سے بچا لیا۔'' پس جب وہ بچہ فوت ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿صلوا على صاحبكم﴾ ''اپنے

---

(۱) [بخاری (۲۳۵۱) كتاب الدعوات : باب الدعاء بالموت والحياة ' مسلم (۲۶۸۰) أبو داود (۳۱۰۸) ترمذی (۹۷۱) نسائی (۱۸۲۰) ابن ماجة (٤۲٦٥) أحمد (۱۰۱/۳)]

(۲) [صحیح : أحكام الجنائز (ص/۱۲) أحمد (۳۳۹/٦) حاکم (۳۳۹/۱) شیخ البانیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث بخاری کی شرط پر ہے۔]

(۳) [بخاری (۱۲۹۲) كتاب الجنائز : باب ما يكره من النياحة على الميت ' مسلم (۹۳۲)]

(٤) [أحكام الجنائز (ص/۲۱)]

ساتھی کی نماز جنازہ پڑھو۔'' (۱)

423- میت کے اقرباء پر لازم ہے کہ صبر کریں اور '' إنا لله وإنا إليه راجعون '' پڑھیں

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ O الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ [البقرة : ۱۰۰-۱۰۶] ''ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے، دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے، مال وجان اور پھلوں کی کمی سے، اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے جنہیں جب کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ''إنا لله وإنا إليه راجعون'' (ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں)۔

(2) رسول اللہ ﷺ نے ایک قبر کے پاس بیٹھ کر روتی ہوئی عورت سے کہا ﴿إتقي الله واصبري﴾ ''اللہ تعالیٰ سے ڈر جا اور صبر کر'' اور یہ بھی کہا ﴿إن الصبر عند الصدمة الأولى﴾ ''بے شک صبر پہلے صدمے کے وقت ہے۔'' (۲)

''إنا لله وإنا إليه راجعون'' کے ساتھ یہ الفاظ پڑھنا بھی مسنون ہے '' اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاخْلُفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا ''۔ (۳)

424- میت کے چہرے سے کپڑا اٹھانا

وفات کے وقت حاضر افراد کے لیے میت کے چہرے سے کپڑا اٹھانا درست ہے۔

(البانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔ (٤)

(1) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿لما قتل أبي جعلت أكشف الثوب عن وجهه أبكي وينهوني والنبي ﷺ لا ينهاني﴾ ''جب میرے والد قتل کر دیے گئے تو میں ان کے چہرے سے کپڑا اٹھانے لگا اس وقت میں رو رہا تھا۔ لوگوں نے مجھے روکا لیکن نبی ﷺ مجھے نہیں روک رہے تھے۔'' (۵)

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ ﷺ کو دھاری دار چادر سے ڈھانپ دیا گیا تھا ﴿فكشف عن وجهه ثم أكب عليه فقبله﴾ ''تو انہوں نے آپ ﷺ کے چہرے سے کپڑا اٹھایا پھر اس پر جھکے اور آپ ﷺ کا بوسہ لیا۔'' (٦)

425- وفات کی اطلاع دینا

جائز ہے بشرطیکہ اس میں جاہلیت کا طریقہ کار نہ ہو۔ اس کا مزید بیان آئندہ فصل ''جنازے کے ساتھ چلنا'' میں آئے گا۔

---

(۱) [أحمد (۱۷۵/۳) أحكام الجنائز (ص/۲۱)]

(۲) [بخاری (۱۲۸۳) كتاب الجنائز : باب زيارة القبور، مسلم (۱۵۳٤)]

(۳) [مسلم (۱۵۲۵) كتاب الجنائز : باب ما يقال عند المصيبة]

(٤) [أحكام الجنائز (ص/۳۱)]

(۵) [أيضا]

(٦) [بخاری (۱۲٤۱، ۱۲٤۲) كتاب الجنائز : باب الدخول على الميت بعد الموت...... ابن حبان (۲۱۵۵) بيهقی (٤۰٦/۳)]

426- حسن خاتمہ کی علامات

(1) وفات کے وقت کلمہ شہادت پڑھنا:

کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے" جس کا آخری کلام "لا إله إلا الله" ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا۔" (١)

(2) وفات کے وقت پیشانی پر پسینہ نمودار ہونا:

جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿موت المومن بعرق الجبين﴾ "مومن کی موت پیشانی کے پسینے کے ساتھ ہوتی ہے۔" (٢)

(3) جمعہ کی رات یا دن میں فوت ہونا:

کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے ﴿ما من مسلم يموت يوم الجمعة أو ليلة الجمعة إلا وقاه الله فتنة القبر﴾ "جو بھی مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو فوت ہوگا اللہ تعالیٰ اسے قبر کے فتنے سے بچالیں گے۔" (٣)

(4) میدان قتال میں شہادت کی موت حاصل کرنا:

کیونکہ شہید کو ایسے چھ انعامات عطا کیے جاتے ہیں جو کسی دوسرے کو عطا نہیں کیے جاتے۔ (٤)

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ کی راہ میں قتل ہونے والوں کو مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جارہا ہے۔" [آل عمران : ١٦٩۔١٧١]

(5) فی سبیل اللہ غزوہ کے لیے جاتے ہوئے طبعی موت سے وفات پاجانا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ﴾ [النساء : ١٠٠] "جو کوئی اپنے گھر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف نکل کھڑا ہوا پھر اسے موت نے آلیا تو بھی یقیناً اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمے ثابت ہوگیا۔"

(6) طاعون کے مرض سے موت آنا:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿الطاعون شهادة لكل مسلم﴾ "طاعون ہر مسلمان کے لیے شہادت ہے۔" (٥)

(7) پیٹ کی بیماری سے، غرق ہوکر، ملبے کے نیچے دب کر، جل کر، عورت کو حالت نفاس میں اور فالج کے سبب موت آنا:

کیونکہ حدیث نبوی میں ان سب کو شہید قرار دیا گیا ہے۔ (٦)

---

(١) [صحيح : صحيح أبو داود (٢٦٧٣) كتاب الجنائز : باب في التلقين، أبو داود (٣١١٦)]

(٢) [صحيح : أحكام الجنائز (ص/٤٩) ترمذى (٩٨٢) كتاب الجنائز : باب ما جآء أن المومن يموت بعرق الجبين، نسائى (١٨٢٩) ابن ماجة (١٤٥٢) أحمد (٣٥٠/٥) حاكم (٣٦١/١)]

(٣) [حسن صحيح : أحكام الجنائز (ص/٥٠) أحمد (٦٥٨٢)]

(٤) [صحيح : أحكام الجنائز (ص/٥٠) ترمذى (١٦٦٣) ابن ماجة (٢٧٩٩) كتاب الجهاد : باب فضل الشهادة فى سبيل الله، أحمد (١٣١/٤)]

(٥) [بخارى (٢٨٣٠) كتاب الجهاد والسير : باب الشهادة سبع سوى القتال]

(٦) [صحيح : أحكام الجنائز (ص/٥٥) مؤطا (٢٣٢/١) نسائى (٢٦١/١)]

(8) سل کی بیماری سے موت آنا:

کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے ﴿والسل شهادة﴾ "اور سل (یعنی ٹی بی کے مرض) کے باعث موت آنا شہادت ہے۔" (۱)

(9) اپنی جان' مال' دین' اہل وعیال اور عزت کے دفاع میں موت آنا:

حدیث نبوی ہے کہ ﴿من قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون أهله فهو شهيد ومن قتل دون دينه فهو شهيد ومن قتل دون دمه فهو شهيد﴾ "جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے' جو اپنے اہل وعیال کے دفاع میں قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے' جو اپنا دین بچاتے ہوئے قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے' اور جو اپنی جان بچاتے ہوئے قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے۔ (۲)

(10) پہرے کی حالت میں موت آنا:

حدیث نبوی ہے کہ ﴿رباط يوم و ليلة خير من صيام شهر وقيامه وإن مات جرى عليه عمله الذي كان يعمله وأجرى عليه رزقه وأمن الفتان﴾ "ایک دن اور رات پہرہ دینا ایک ماہ کے روزے اور اس کے قیام سے بہتر ہے اور اگر وہ شخص (پہرے کی حالت میں) فوت ہو جائے تو اس کا وہ عمل جسے وہ کیا کرتا تھا اس پر جاری ہو جاتا ہے اور اس کا رزق بھی اس کے لیے جاری کر دیا جاتا ہے اور دو فتنے میں ڈالنے والے (فرشتوں یعنی منکر نکیر) سے بھی محفوظ کر لیا جاتا ہے۔" (۳)

(11) کسی بھی نیک عمل پر موت آنا:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے رضائے الٰہی کے لیے کلمہ لا إله إلا الله کہا پھر اسی کے ساتھ اس کا خاتمہ کر دیا گیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور جس نے رضائے الٰہی کے لیے ایک دن روزہ رکھا پھر اسی کے ساتھ اس کا خاتمہ کر دیا گیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور جس نے رضائے الٰہی کی خاطر کوئی چیز صدقہ کی پھر اسی کے ساتھ اس کا خاتمہ کر دیا گیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔" (٤)

(12) لوگوں کا میت کی تعریف کرنا:

ایک مرتبہ نبی ﷺ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو لوگوں نے اس کی تعریف کی۔ اس پر آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا ﴿وجبت﴾ "واجب ہوگئی۔" اسی طرح پھر ایک جنازہ گزرا تو لوگوں نے اس کی برائی بیان کی۔ اس پر نبی ﷺ نے تین مرتبہ پھر فرمایا ﴿وجبت﴾ "واجب ہوگئی۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دریافت کرنے پر آپ ﷺ نے فرمایا ﴿من أثنيتم عليه خيرا وجبت له الجنة ومن أثنيتم عليه شرا وجبت له النار﴾ "جس شخص کی تم لوگوں نے اچھی تعریف کی ہے اس کے لیے جنت واجب ہوگئی اور جس کی تم نے بری تعریف کی ہے اس کے لیے آگ واجب ہوگئی۔" (٥)

---

(۱) [صحيح : أحكام الجنائز (ص/٥٥) أخبار أصبحان (٢١٧/١ـ٢١٨)]

(۲) [صحيح : أحكام الجنائز (ص/٥٧) صحيح أبو داود (٣٩٩٣) كتاب السنة : باب في قتال اللصوص ' أبو داود (٤٧٧٢)]

(۳) [مسلم (٣٥٣٧) كتاب الإمارة : باب فضل الرباط في سبيل الله عزوجل]

(٤) [صحيح : أحكام الجنائز (ص/٥٨) أحمد (٣٩١/٥)]

(٥) [مسلم (١٥٧٨) كتاب الجنائز : باب فيمن يثنى عليه خير أو شر من الموتى ' حاكم (٣٧٧/١) طيالسي (٢٠٦٢) أحمد (١٧٩/٣)]

دوسری فصل

میت کوغسل دینے کا بیان

وَيَجِبُ غَسْلُ الْمَيِّتِ الْمُسْلِمِ عَلَى الْأَحْيَاءِ	زندہ افراد پر مسلمان میت کوغسل دینا واجب ہے۔ ❶

❶ (1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو حالت احرام میں سواری سے گر کر جاں بحق ہو گیا تھا ﴿اغسلوہ بماء و سدر......﴾ ''اسے پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ غسل دو......'' (۱)

(2) حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کے متعلق فرمایا ﴿إغسلنها ثلاثا أو خمسا أو أكثر من ذلك﴾ ''اسے تین یا پانچ مرتبہ یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ غسل دو۔'' (۲)

(نوویؒ) میت کوغسل دینا فرض کفایہ ہے اور اس پر اجماع ہے۔ (۳)

(ابن حجرؒ) اس پر اعتراض کیا ہے کہ اجماع کا دعویٰ کیسے درست ہو سکتا ہے جبکہ مالکیہ اس کے مخالف ہیں۔ (٤)

(قرطبیؒ) انہوں نے اس غسل کے مسنون ہونے کو ترجیح دی ہے۔ (٥)

(ابن عربیؒ) مالکیہ وغیرہ کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ عمل قولا اور فعلا متواتر ہے۔ (٦)

(جمہور) میت کوغسل دینا واجب ہے۔ (٧)

(امیر صنعانیؒ) اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں ﴿اغسلوہ بماء و سدر......﴾ کہ یہ میت کوغسل دینے کے وجوب کی دلیل ہے۔ (٨)

(ابن حزمؒ) میت کوغسل دینا فرض ہے۔ (٩)

(صدیق حسن خانؒ) غسلِ میت کا وجوب متفق علیہ مسئلہ ہے۔ (١٠)

(البانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔ (١١)

---

(١) [بخاری (١٨٤٩) کتاب الحج : باب المحرم یموت بعرفة ' مسلم (١٢٠٦) أبو داود (٣٢٣٨) ترمذی (٩٥١) ابن ماجة (٣٠٨٤) نسائی (١٩٥/٥)]

(٢) [بخاری (١٢٥٣) کتاب الجنائز: باب غسل المیت ووضوئه بالماء والسدر' مسلم (٩٣٩) أبو داود (٣١٤٢) ترمذی (٩٩٠) ابن ماجة (١٤٥٨) أحمد (٨٤/٥) نسائی (٣١/٤)]

(٣) [المجموع (١١٢/٥) شرح مسلم (٣/٧)]

(٤) [فتح الباری (١٢٥/٢)]

(٥) [المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم للحافظ أبي العباس أحمد بن عمر القرطبي (٥٩٢/٢)]

(٦) [كما في فتح الباری (١٦٢/٢)]

(٧) [نيل الأوطار (٦٧٥/٢)]

(٨) [سبل السلام (٧٢٨/٢)]

(٩) [المحلی بالآثار (٣٣٣/٣)]

(١٠) [الروضه الندية (٤٠٦/١)]

(١١) [أحكام الجنائز (ص/٦٤)]

وَالْقَرِيبُ أَوْلَى بِالْقَرِيبِ إِذَا كَانَ مِنْ جِنْسِهِ	قریبی رشتہ دار دوسروں سے زیادہ مستحق ہیں جبکہ میت اس کی جنس (یعنی صنف) سے ہو۔ ❶

❶ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ليله أقربكم إن كان يعلم فإن كان لا يعلم فمن ترون عنده حظا من ورع وأمانة﴾ ''میت کو غسل دینے کا سب سے زیادہ مستحق اس کا سب سے زیادہ قریبی ہے بشرطیکہ اسے (اس کے صحیح طریقہ کار کا) علم ہو' لیکن اگر علم نہ ہو تو پھر جسے تم سمجھو کہ اس کے پاس تقوی و امانت کا کچھ حصہ موجود ہے (وہ غسل دے)۔'' (۱)

اگرچہ یہ حدیث قابل حجت نہیں لیکن یہ بات درست ہے کہ قریبی رشتہ دار ہی محبت' شفقت' راز کی باتیں چھپانے میں زیادہ امین اور مکمل توجہ کے حامل ہونے کی وجہ سے زیادہ مستحق ہیں۔ (واللہ اعلم)

علاوہ ازیں ایک جنس کا ہونا سوائے استثنائی صورتوں کے قابل عمل ہے جیسا کہ گذشتہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کو عورتوں نے غسل دیا۔ (۲)

(شوکانیؒ) دور نبوی اور دور صحابہ میں مردوں کو مرد اور عورتوں کو عورتیں ہی غسل دیا کرتی تھیں۔ (۳)

(البانیؒ) استثنائی صورتوں کے علاوہ مرد مردوں کو اور عورتیں عورتوں کو غسل دیں۔ (٤)

وَأَحَدُ الزَّوْجَيْنِ بِالْآخَرِ	میاں بیوی ایک دوسرے کو غسل دینے کے زیادہ مستحق ہیں۔ ❶

❶ (1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا ﴿لو مت قبلي لغسلتك﴾ ''اگر تو مجھ سے پہلے فوت ہو گئی تو میں تمہیں غسل دوں گا۔'' (٥)

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿لو استقبلت من أمري ما استدبرت ما غسل رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم إلا نسائه﴾ ''اگر مجھے اپنے اس معاملے کا پہلے علم ہو جاتا کہ جس کا مجھے تاخیر سے علم ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہی غسل دیتیں۔'' (٦)

(3) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وصیت کی کہ انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ غسل دیں۔ (۷)

---

(۱) [أحمد (۱۱۹/٦) بيهقي (۳۹٦/۳) طبراني أوسط كما في المجمع (٤۰۷/۲)] اس کی سند میں جابر جعفی راوی ہے جس میں بہت زیادہ کلام ہے۔ [نيل الأوطار (٦۷٤/۲)]

(۲) [بخاري (۱۲٥۳)]

(۳) [السيل الجرار (۳٤٤/۱)]

(٤) [أحكام الجنائز (ص/٦٥)]

(٥) [حسن : صحيح ابن ماجة (۱۱۹۷) إرواء الغليل (۷۰۰) أحكام الجنائز (ص/٦۷) أحمد (۲۲۸/٦) ابن ماجة كتاب ما جاء في الجنائز : باب ما جاء في غسل الرجل امرأته......' دارمي (۳۷/۱) بيهقي (۳۹٦/۳) دارقطني (۷٤/۲)]

(٦) [صحيح : صحيح ابن ماجة (۱۱۹٦) أبو داود (۳۱٤۱) كتاب الجنائز : باب في ستر الميت عند غسله' ابن ماجة (۱٤٦٤)] حافظ ابن حجرؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [تلخيص الحبير (٤۷۲/۳)] حافظ بوصیریؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ [مصباح الزجاجة (٤۷٤/۱)]

(۷) [دارقطني (۷۹/۲)] شیخ محمد صبحی حلاق نے اسے حسن کہا ہے۔ [التعليق على سبل السلام (۳۳٥/۳)]

(4) چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا۔(۱)

(5) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو غسل دیا۔(۲)

(شوکانیؒ) تمام صحابہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا (کے اس عمل) پر کوئی انکار نہیں کیا تو یہ اجماع (کی مانند) ہے۔(۳)

(جمہور) اسی کے قائل ہیں۔

(ابوحنیفہؒ) مرد اپنی بیوی کو غسل نہیں دے سکتا حتی کہ اگر خاوند کے سوا غسل دینے کے لیے کوئی اور نہ ہو تو پھر بھی اسے غسل نہ دے بلکہ تیمم کرا دے تاہم بیوی اپنے خاوند کو غسل دے سکتی ہے۔(٤)

(راجح) بلاشبہ گذشتہ صحیح احادیث جمہور کے موقف (یعنی میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کو غسل دے سکتے ہیں) کو ترجیح دیتی ہیں۔

(شوکانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔

(صدیق حسن خانؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔

(ابن حزمؒ) یہی موقف رکھتے ہیں۔

(امیر صنعانیؒ) اسی کو برحق گردانتے ہیں۔

(البانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٥)

وَيَكُوْنُ الْغُسْلُ ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ أَكْثَرَ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَفِي الْآخِرَةِ كَافُوْرٌ	غسل تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ یا اس سے زیادہ مرتبہ پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ دیا جائے ❶ اور آخری مرتبہ کافور بھی استعمال کیا جائے۔ ❷

❶ حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس اس وقت تشریف لائے جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کو غسل دے رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿اغسلنها ثلاثا أو خمسا أو أكثر من ذلك إن رأيتن ذلك بماء وسدر واجعلن في الأخيرة كافورًا﴾ ”اسے تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ غسل دو اگر تم ضرورت محسوس کرو۔ غسل پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ دو اور آخر میں کافور ڈالو۔“(٦)

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿ثلاثا أو خمسا أو سبعا﴾ ”تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ یا سات مرتبہ غسل دو۔“ اور اس میں

(۱) [دارقطنی (۷۹/۲) ترتیب المسند للشافعی (۲۰٦/۱) الحلية لأبي نعيم (٤۳/۲) بیهقی (۳۹٦/۳) شیخ محمد صبحی حلاق نے اسے حسن کہا ہے۔ [التعليق على السيل الجرار (٦۸٥/۱)]

(۲) [بیهقی (۳۹۷/۳)] امام بیہقیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [التعليق على السيل الجرار للحلاق (٦۸٥/۱)] شیخ البانیؒ فرماتے ہیں کہ امام بیہقیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے لیکن اس کے شواہد بھی ذکر کیے ہیں۔ (واللہ اعلم) [التعليقات الرضية على الروضة الندية (٤۳۰/۱)]

(۳) [نيل الأوطار (٦۷٦/۲)]

(٤) [المغنی (٤٦۱/۳) الحاوی (٤٦۱/۳) الأم (٤۷۲/۱) بدائع الصنائع (۳۰٤/۱) المبسوط (۷۱/۲) حاشية الدسوقی (٤۰۸/۱) نيل الأوطار (٦۷٦/۲)]

(٥) [السيل الجرار (۳٤٤/۱) نيل الأوطار (٦۷۷/۲) الروضة الندية (٤۰۷/۱) المحلى بالآثار (٤۰٥/۳) سبل السلام (۷٤۲/۲) أحكام الجنائز (ص/٦۷)]

(٦) [بخاری (۱۲٥۳) كتاب الجنائز : باب غسل الميت ووضوءه بماء وسدر، مسلم (۹۳۹) أبو داود (۳۱٤۲) ترمذی (۹۹۰) نسائی (۳۱/٤) ابن ماجة (۱٤٥۸) أحمد (۸٤/٥)]

یہ لفظ بھی ہیں کہ ﴿اغسلنها وترا﴾ "اور اسے طاق عدد میں غسل دو۔" (۱)

سنن ابی داود کی روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ﴿أو سبعا أو أكثر من ذلك إن رأيتنه﴾ "یا سات مرتبہ یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ غسل دو اگر تم اس کی ضرورت محسوس کرو۔" (۲)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ میت کو کم از کم تین مرتبہ ضرور غسل دینا چاہیے اور بوقت ضرورت پانچ' سات یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ طاق عدد کا لحاظ رکھتے ہوئے غسل دیا جا سکتا ہے۔ بیری کے پتے استعمال کرنے کا حکم محض نظافت وصفائی کی غرض سے ہے اگر اس کے قائم مقام کوئی چیز مثلاً صابن وغیرہ استعمال کر لیا جائے تو وہ بھی درست ہے۔

(البانیؒ) یہی موقف رکھتے ہیں۔ (۳)

427- غسل کے لیے عورت کے بال کھولنا

(البانیؒ) عورت کے بال کھول کر اچھی طرح دھونے چاہئیں۔ (٤)

حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں ہے کہ ﴿......نقضنه ثم غسلنه ثم جعلنه ثلاثة قرون﴾ "انہوں نے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کو غسل دیتے ہوئے) اس کے بالوں کو کھولا' پھر انہیں دھویا' پھر ان کی تین مینڈھیاں بنا دیں۔" (٥)

428- میت کے بالوں میں کنگھی کرنا بالخصوص عورت کے

ایسا کرنا بالخصوص اگر میت خاتون ہو تو اس کے بالوں کی تین مینڈھیاں بنا کے پیچھے ڈال دینا مسنون ہے۔

حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک روایت میں یہ لفظ بھی ہیں ﴿فضفرنا شعرها ثلاثة قرون وألقيناها خلفها﴾ "ہم نے اس کے سر کے بالوں کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا اور انہیں پشت پر ڈال دیا۔" (٦)

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿ومشطناها ثلاثة قرون﴾ "ہم نے کنگھی کر کے ان کے بالوں کو تین مینڈھوں میں تقسیم کر دیا۔" (۷)

(احناف، اوزاعیؒ) عورت کے بال اس کی پشت پر اور اس کے چہرے پر ڈالے جائیں گے۔ (۸)

(ابن قیمؒ) صحیح اور واضح سنت طریقہ یہ ہے کہ تین مینڈھیاں بنا کر میت کے پیچھے ڈالی جائیں۔ (۹)

❷ گذشتہ حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں یہ لفظ بھی ہیں ﴿واجعلن في الأخيرة كافورا﴾ "آخر میں کافور ڈالو۔"

(جمہور) اس کا معنی یہ ہے کہ آخری مرتبہ پانی میں کافور (یا کوئی خوشبو وغیرہ) ملا لینا۔

---

(۱) [بخاری (۱۲٥٤)]
(۲) [صحيح : صحيح أبو داود (۲٦۹۸) أبو داود (۳۱٤٦)]
(۳) [أحكام الجنائز (ص/٦٤)]
(٤) [أحكام الجنائز (ص/٦٥)]
(٥) [بخاری (۱۲٦۰)]
(٦) [بخاری (۱۲٦۳) كتاب الجنائز : باب يلقى شعر الميت خلفها]
(۷) [بخاری (۱۲٥٤) كتاب الجنائز : باب ما يستحب أن يغسل وترا]
(۸) [الأم (۱/٤٤۳) الحاوی (۳/۲۸) الأصل (۱/۳۹۰) بدائع الصنائع (۱/۳۰۸) الإختيار (۱/۹۳) حاشية الدسوقی (۱/٤۱۰) المغنی (۳/۳۹۳) نيل الأوطار (۲/٦۸۲)]
(۹) [أعلام الموقعين (۲/٤۰۰)]

(احناف، اوزاعیؒ) اس کا مفہوم یہ ہے کہ غسل کے بعد جسم پر کافور ڈال دینا۔(۱)
(شوکانیؒ) ظاہر یہی ہے کہ کافور کو پانی میں ملایا جائے گا۔(۲)
کافور لگانے میں یہ حکمت بتلائی گئی ہے کہ میت خوشبودار ہو جائے کیونکہ اس وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور بالخصوص کافور کا ہی اس لیے حکم دیا گیا ہے کیونکہ اس کی خاصیت ہے کہ جس چیز میں اسے استعمال کیا جاتا ہے وہ جلدی متغیر نہیں ہوتی اور اس کا فائدہ یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ اسے لگانے کے بعد کوئی بھی موذی جانور میت کے قریب نہیں آتا۔(۳)

وَتُقَدَّمُ الْمَيَامِنُ وَلَا يُغَسَّلُ الشَّهِيدُ	دائیں اعضاء کو پہلے دھویا جائے ❶ اور شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ ❷

❶ حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی کے غسل کے وقت فرمایا ﴿ابدأن بميامنها ومواضع الوضوء منها﴾ "دائیں جانب سے اور اعضائے وضوء سے غسل شروع کرو۔"(٤)

❷ (1) شہدائے احد کے متعلق حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿وأمر بدفنهم في دمائهم ولم يصل عليهم ولم يغسلهم﴾ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خون سمیت دفن کرنے کا حکم دیا' نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی اور نہ ان کو غسل دیا۔"(٥)

(2) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی کو حلق میں تیر لگا اور وہ مر گیا ﴿فأدرج في ثيابه كما هو قال ونحن مع رسول الله﴾ "اسے اس کے اپنے کپڑوں سمیت کہ جن میں وہ تھا دفن کر دیا گیا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔"(٦)

(3) ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿لا تغسلوهم فإن كل جرح يفوح مسكا يوم القيمة ولم يصل عليهم﴾ "انہیں غسل نہ دو کیونکہ روز قیامت (ان کا) ہر زخم خوشبو پھینک رہا ہوگا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی۔"(۷)

(ابن حزمؒ) شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا۔(۸)
(جمہور، شافعیؒ، مالکؒ) شہید کو کسی حال میں بھی غسل نہیں دیا جائے گا۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا بھی یہی موقف ہے۔

---

(۱) [المغنی (۳/۳۷۸) الأم (۱/٤٤۳) الحاوی (۳/۱۱) بدائع الصنائع (۱/۳۰۱) المبسوط (۲/٦۰) الهداية (۱/۹۰) الإختيار (۱/۹۲)]
(۲) [نيل الأوطار (۲/٦۸۱)]
(۳) [نيل الأوطار (۲/٦۸۲) الروضة الندية (۱/٤۰۸)]
(٤) [بخاری (۱۲۵۵) كتاب الجنائز : باب يبدأ بميامن الميت]
(٥) [بخاری (۱۳٤۷) كتاب الجنائز : باب من يقدم في اللحد ' ترمذی (۱۰٤۱) نسائی (٤/٦۲) ابن ماجة (۱٥۱٤) أحمد (٥/٤۳۱) بيهقي (٤/١٤)]
(٦) [حسن : صحيح أبو داود (۲٦۸۷) كتاب الجنائز : باب في الشهيد يغسل ' أبو داود (۳۱۳۳)] امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند مسلم کی شرط پر ہے۔ [نيل الأوطار (۲/٦۷۸)] حافظ ابن حجرؒ سے بھی یہی قول مروی ہے۔ [تلخيص الحبير (۲/۲٤۰)]
(۷) [صحيح : أحكام الجنائز (ص/۷۳) أحمد (۳/۲۹٦) الفتح الرباني (۷/۱٥۹)]
(۸) [المحلى بالآثار (۳/۳۳٦)]

(احمدؒ، ابوحنیفہؒ) شہید کو صرف حالت جنابت میں غسل دیا جائے گا۔(۱)
جن حضرات کے نزدیک حالت جنابت میں شہید ہونے والے شخص کو غسل دینا ضروری ہے ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ حالت جنابت میں شہید ہونے کی وجہ سے فرشتوں نے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو غسل دیا۔(۲)
ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿لذالك غسلته الملائكة﴾ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنبی ہونے کی وجہ سے ہی فرشتوں نے انہیں غسل دیا ہے۔''(۳)
(راجح) شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا خواہ جنبی ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اگر انسانوں پر شہید کو غسل دینا فرض ہوتا تو محض فرشتوں کے غسل دینے سے یہ فرض ساقط نہ ہوتا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو حکم دیتے کہ وہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو غسل دیں لیکن ایسا کچھ منقول نہیں۔
(شوکانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٤)
(البانیؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(٥)

429- جن پر شہید کا لفظ بولا گیا ہے انہیں غسل دینا

مثلاً طاعون کی بیماری سے فوت ہونے والا' غرق ہو کر مرنے والا' جل کر فوت ہونے والا وغیرہ۔ ان سب کو بالا جماع غسل دیا جائے گا جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام شہید ہیں لیکن انہیں غسل بھی دیا گیا' کفن بھی پہنایا گیا' اور ان کی نماز جنازہ بھی ادا کی گئی۔
(نوویؒ) ان تمام لوگوں کو بلا اختلاف غسل بھی دیا جائے گا اور ان کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔(٦)
(ابن حزمؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٧)

430- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑوں سمیت غسل دیا گیا

جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں ہے کہ جب لوگوں کے درمیان اختلاف ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند ڈال دی پھر کسی کلام کرنے والے نے کہا کہ ﴿أن اغسلو النبي ﷺ وعليه ثيابه﴾ ''کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے کپڑوں سمیت غسل دے دو۔''(۸)

---

(۱) [المدونة الكبرى (١٦٥/١) الكافي (٢٤٠/١) بداية المجتهد (١٦٤/١) تفسير قرطبي (٢٧٠/٤) قوانين الأحكام (ص/١١٠) الأم (٢٦٧/١) شرح المهذب (٢٦٠/٥) حلية الأولياء (٣٠١/٢) المغني والشرح (٤٠١/٢) الإنصاف (٤٩٨/٢) المبسوط (٤٩/٢) تحفة الفقهاء (٢٥٨/١) بدائع الصنائع (٨٠٢/٢)]
(۲) [**صحيح** : إرواء الغليل (١٦٧/٣) بيهقي (١٥/٤) ابن حبان (٨٤/٩ ـ الإحسان)]
(۳) [أحكام الجنائز (ص/٧٤) شیخ البانیؒ فرماتے ہیں کہ امام حاکمؒ نے اسے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور امام ذہبیؒ نے اسی کو ثابت کیا ہے۔]
(٤) [نيل الأوطار (٦٧٨/٢)]
(٥) [أحكام الجنائز (ص/٧٥)]
(٦) [نيل الأوطار (٦٧٨/٢) المجموع (٢٦٤/٥) الروضة الندية (٤١٠/١) البحر الزخار (٩٦/١)]
(٧) [المحلى بالآثار (٣٣٧/٣)]
(٨) [**حسن** : صحيح أبو داود (٢٦٩٣) كتاب الجنائز : باب في ستر الميت عند غسله' أبو داود (٣١٤١)]

تیسری فصل

میت کو کفن دینے کا بیان

وَيَجِبُ تَكْفِينُهُ بِمَا يَسْتُرُهُ وَلَوْ لَمْ يَمْلِكْ غَيْرَهُ	میت کو ایسا کفن دینا واجب ہے ❶ جو اسے چھپا لے ❷ خواہ وہ اس کے علاوہ کسی چیز کا مالک نہ ہو۔ ❸

❶ حالت احرام میں اپنی سواری سے گر کر جو شخص فوت ہوا تھا نبی ﷺ نے اس کے متعلق حکم دیا تھا ﴿و کفنوه﴾ ''اور اسے کفن دو۔'' (۱)

❷ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿إذا كفن أحدكم أخاه فليحسن كفنه﴾ ''جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کفن دے تو اسے اچھا کفن دینا چاہیے۔'' (۲)

عمدہ اور اچھا کفن دینے سے مراد یہ ہے کہ کفن کا کپڑا صاف ستھرا' عمدہ' وسیع اور اس قدر ہو کہ میت کے جسم کو اچھی طرح ڈھانپ سکے اس سے یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ کفن کا کپڑا بہت زیادہ قیمتی ہو۔ (۳)

وہ حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے جسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿من ستر مسلما ستره الله في الدنيا والآخرة﴾ ''جس نے کسی مسلمان پر پردہ ڈالا اللہ تعالیٰ اس پر دنیا اور آخرت میں پردہ ڈال دیں گے۔'' (٤)

❸ مراد یہ ہے کہ کفن کا انتظام وانصرام میت کے ترکہ سے ہی کیا جائے گا خواہ میت کا ترکہ صرف اس قدر ہی ہو کہ جس سے صرف کفن کا بندوبست ہی کیا جا سکے۔ (٥)

(1) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے اور وہ مجھ سے بہتر تھے ﴿فلم يوجد له ما يكفن فيه إلا بردة﴾ ''ایک چادر کے سوا ان کی کوئی ایسی چیز نہیں ملی کہ جس میں انہیں کفن دیا جا سکے۔'' اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ' یا دوسرا شخص شہید ہوا ﴿فلم يوجد له ما يكفن فيه إلا بردة﴾ ''ایک چادر کے سوا اس کی کوئی ایسی چیز نہ مل سکی جس میں اسے کفن دیا جا سکے۔'' (٦)

---

(۱) [بخاری (۱۸٤۹) کتاب الحج : باب المحرم يموت بعرفة' مسلم (۱۲۰٦) أبو داود (۳۲۳۸) ترمذی (۹٥۱) ابن ماجة (۳۰۸٤) نسائی (۱۹٥/٥) شرح السنة (۱٤۸۰)]

(۲) [مسلم (۹٤۳) کتاب الجنائز: باب فی تحسين كفن الميت' أبو داود (۳۱٤۸) نسائی (۳۳/٤) أحمد (۲۹٥/۳)]

(۳) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تحفة الأحوذی (٥۱/۳) شرح مسلم للنووی (۱٥/٤) نيل الأوطار (٦۸٦/۲) أحكام الجنائز للألبانی (ص/۷۷)]

(٤) [بخاری (۲۳۱۰_البغا) کتاب المظالم والغصب : باب لا يظلم المسلم المسلم ولا يسلمه' مسلم (۲٥۸۰)]

(٥) [أحكام الجنائز للألبانی (ص/۷٦)]

(٦) [بخاری (٤۰٤٥) کتاب المغازی : باب غزوه احد]

(2) حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ احد کے دن شہید کر دیے گئے ﴿ولم یترك إلا نمرة﴾ ''انہوں نے (ترکہ میں) صرف ایک چادر چھوڑی۔'' جب ہم ان کا سر ڈھانپتے تو ان کے قدم ظاہر ہو جاتے اور جب ان کے قدم ڈھانپتے تو ان کا سر ظاہر ہو جاتا بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ان کا سر ڈھانپنے اور قدموں پر کچھ اذخر (گھاس) ڈال دینے کا حکم دیا۔(۱)

یہ حدیث اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ میت کے پورے جسم کو ڈھانپنا واجب نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے ساتھیوں سے کپڑا لے کر ان کے قدموں کو ڈھانپ دیتے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کچھ نہیں کیا۔(۲)

لہٰذا اگر کفن کم پڑ جائے تو سر کو ڈھانپ لیا جائے گا اور قدموں پر اذخر گھاس یا کوئی اور گھاس وغیرہ ڈال دی جائے گی۔(۳)

مذکورہ مسئلے کے لیے درج ذیل حدیث سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿کان النبی ﷺ یجمع بین الرجلین من قتلی أحد فی ثوب واحد﴾ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہدائے احد کے دو دو آدمیوں کو ایک کپڑے میں جمع کرتے تھے۔''(٤)

وَلَا بَأْسَ بِالزِّيَادَةِ مَعَ التَّمَكُّنِ مِنْ غَيْرِ مُغَالَاةٍ	حسب توفیق عمدہ کفن پہنانے میں کوئی حرج نہیں لیکن بہت زیادہ قیمتی نہ ہو۔ ❶

❶ (1) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا ولی أحدکم أخاه فلیحسن کفنه﴾ ''جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کا والی بنے تو اسے اچھا کفن پہنائے۔''(٥)

(2) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا تغالوا فی الکفن فإنه یسلب سریعا﴾ ''بہت قیمتی کفن نہ دیا کرو کیونکہ یہ تو بہت جلد بوسیدہ ہو جاتا ہے۔''(٦)

(البانیؒ) اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن پھر بھی بہت زیادہ قیمتی کفن پہنانا جائز نہیں کیونکہ اس میں مال کا ضیاع ہے جو کہ صحیح حدیث میں ممنوع ہے۔(۷)

---

(۱) [بخاری (۱۲۷٦) کتاب الجنائز : باب إذا لم یجد کفنا إلا ما یواری رأسه أو قدمیه...... ' مسلم (۹٤۰) أبو داود (۳۱۵۵) ترمذی (۳۹٤۳) نسائی (۳۸/٤)]

(۲) [نیل الأوطار (٤۰۱/۲)]

(۳) [أحکام الجنائز للألبانی (ص/۷۸)]

(٤) [بخاری (۱۳٤۳ ' ۱۳٤۵) کتاب الجنائز : باب الصلاة علی الشهید ' أبو داود (۳۱۳۸) ترمذی (۱۰۳٦) ابن ماجة (۱۵۱۵)]

(٥) [**صحیح** : صحیح ابن ماجة (۱۲۰۲) أحکام الجنائز (ص/۵۸) صحیح الجامع (۸٤٤) ترمذی (۹۹۵) کتاب الجنائز : باب منه ' ابن ماجة (۱٤۷٤)]

(٦) [**ضعیف** : ضعیف أبو داود (٦۸۹) کتاب الجنائز : باب کراهیة المغالاة فی الکفن ' المشکاة (۱٦۳۹) أبو داود (۳۱۵٤)]

(۷) [أحکام الجنائز (ص/۸٤)]

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إن الله كره لكم ثلاثا قيل وقال وإضاعة المال و كثرة السوال﴾ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تین چیزوں کو ناپسند کیا ہے: بہت زیادہ باتیں کرنا' مال کو ضائع کرنا اور کثرت سے سوال کرنا۔''(۱)

(3) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے اس کپڑے کو (جس پر زعفران کا دھبہ تھا) دھو لینا اور اس کے ساتھ دو اور کپڑے ملا کر مجھے کفن دینا (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ) میں نے کہا یہ تو پرانا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ﴿إن الحي أحق بالجديد من الميت﴾ ''زندہ آدمی نئے کپڑے کا مردہ سے زیادہ حق دار ہے۔''(۲)

وَيُكَفَّنُ الشَّهِيدُ فِي ثِيَابِهِ الَّتِي قُتِلَ فِيهَا	شہید کو انہی کپڑوں میں کفن دیا جائے جن میں وہ شہید ہوا ہے۔ ❶

❶ (1) حضرت عبداللہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کے متعلق فرمایا ﴿زملوهم في ثيابهم﴾ ''انہیں ان کے کپڑوں میں ہی لپیٹ دو۔''

مسند احمد کی ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿زملوهم بدمائهم﴾ ''انہیں ان کے خونوں میں ہی چھپا دو۔''(۳)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کے متعلق حکم ارشاد فرمایا کہ ان سے لوہا اور چمڑے اتار لیے جائیں اور فرمایا ﴿ادفنوهم بدمائهم و ثيابهم﴾ ''انہیں ان کے خونوں اور ان کے کپڑوں سمیت ہی دفن کر دو۔''(٤)

(شوکانیؒ) ظاہر بات یہی ہے کہ شہید کو انہی کپڑوں میں دفن کرنے کا حکم کہ جن میں وہ قتل کیا گیا ہے' وجوب کے لیے ہے۔(٥)

(البانیؒ) شہید کے ان کپڑوں کو اتارنا جائز نہیں جن میں وہ قتل کیا گیا ہے بلکہ اسے انہی کپڑوں میں دفن کیا جائے گا۔(٦)

وَنُدِبَ تَطْيِيبُ بَدَنِ الْمَيِّتِ وَكَفَنِهِ	میت کے جسم اور کفن کو خوشبو لگانا بہتر ہے۔ ❶

❶ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا أجمرتم الميت فأجمروه ثلاثا﴾ ''جب تم میت کو دھونی دو (یعنی خوشبو لگاؤ) تو تین مرتبہ دو۔''(۷)

(۱) [بخاری (۵۹۷۵) كتاب الأدب : باب عقوق الوالدين من الكبائر ' مسلم (۵۹۳) أحمد (۲٤٦/٤)]

(۲) [بخاری (۱۳۸۷) كتاب الجنائز : باب موت يوم الاثنين ' موطا (۲۲٤/۱)]

(۳) [**صحيح** : صحيح نسائی (۱۸۹۲) كتاب الجنائز : باب مواراة الشهيد فی دمه ' أحمد (٤۳۱/۵) نسائی (۷۸/٤)]

(٤) [**ضعيف** : ضعيف أبو داود (٦۸٦) كتاب الجنائز : باب فی الشهيد يغسل ' أبو داود (۳۱۳٤) ابن ماجة (۱۵۱۵) إرواء الغليل (۷۰۹)]

(٥) [نيل الأوطار (٦۹۲/۲)]

(٦) [أحكام الجنائز (ص/۸۰)]

(۷) [**صحيح** : أحمد (۳۳۱/۳) أبو يعلى (۲۳۰۰) حاكم (۳۵۵/۱) بزار (۸۱۳) بيهقی (٤۰۵/۳)] امام نوویؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔[المجموع (۱۵۵/۵)] امام حاکمؒ نے اسے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور امام ذہبیؒ نے بھی اس کی موافقت کی ہے۔[ذكره الهيثمی فی المجمع (۲۹/۳)]

یہ حکم محرم شخص کے لیے نہیں ہے کیونکہ وہ محرم جو اپنی سواری سے گر کر موت سے دوچار ہوا تھا اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا ﴿ولا تطیبوه﴾ ''اسے خوشبو مت لگاؤ'' ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿ولا تحنطوه﴾ ''اسے حنوط (مُردوں کی خوشبو) نہ لگاؤ'' اور ایک اور روایت میں یہ ہے کہ ﴿ولا تمسوه طیبا﴾ ''اور اسے خوشبو نہ لگاؤ۔'' (۱)

اس روایت میں خوشبو سے ممانعت کا سبب یہ بتلایا گیا ہے کہ ﴿فإن الله یبعثه یوم القیمة ملبیا﴾ ''بے شک اللہ تعالیٰ اسے تلبیہ کہتے ہوئے ہی روز قیامت اٹھائیں گے۔'' (۲)

چونکہ وہ شخص حالت احرام میں اٹھایا جائے گا اور حالت احرام میں خوشبو لگانا منع ہے اس لیے اس کی میت کو بھی خوشبو لگانے سے روکا گیا ہے۔

متفرقات

431- کفن کے لیے چند مستحب اعمال

(1) کفن کا رنگ سفید ہو:

(نوویؒ) اس کے استحباب پر اجماع ہے۔ (۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿البسوا من ثیابکم البیاض فإنها من خیر ثیابکم و کفنوا فیها موتاکم﴾ ''سفید لباس زیب تن کیا کرو یہ تمہارے ملبوسات میں بہترین اور عمدہ لباس ہے اور اپنے مرنے والوں کو بھی اسی میں کفن دیا کرو۔'' (٤)

(2) تین کپڑوں میں کفن دینا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿کفن رسول الله فی ثلاثة أثواب بیض سحولیة من کرسف لیس فیها قمیص ولا عمامة﴾ ''رسول اللہ ﷺ کو سحولیہ کے ساختہ، سوتی، سفید رنگ کے تین کپڑوں میں کفن دیا گیا جن میں قمیض اور پگڑی نہیں تھی۔'' (٥)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ انہیں تین کپڑوں میں کفن دیا جائے۔ (٦)

---

(١) [بخاری (١٢٦٧) کتاب الجنائز : باب کیف یکفن المحرم، مسلم (١٢٠٦) أبو داود (٣٢٣٨) ترمذی (٩٥١) نسائی (١٤٤/٥) ابن ماجة (٣٠٨٤) دارمی (٥٠/٢) أحمد (٢٢٠/١) دارقطنی (٢٩٦/٢) بیهقی (٣٩٠/٣)]

(٢) [أیضا]

(٣) [شرح مسلم (١٢/٤)]

(٤) [**صحیح** : صحیح أبو داود (٣٢٨٤) کتاب الطب : باب فی الأمر بالکحل، أبو داود (٣٨٧٨) ترمذی (٩٩٤) ابن ماجة (١٤٧٢) أحمد (٢٤٧/١) عبدالرزاق (٦٢٠٠) حاکم (٣٥٤/١) بیهقی (٢٤٥/٣)]

(٥) [بخاری (١٢٦٤) کتاب الجنائز : باب الثیاب البیض للکفن، مسلم (٩٤١) أبو داود (٣١٥١) ترمذی (٩٩٦) ابن ماجة (١٤٦٩)]

(٦) [بخاری (١٣٨٧)]

جس روایت میں یہ الفاظ ہیں ﴿أن النبی ﷺ کفن فی سبعة أثواب﴾ ''نبی ﷺ کو سات کپڑوں میں کفن دیا گیا۔''
وہ منکر اور ناقابل حجت ہے۔(۱)

(احناف، مالکؒ) یہ مستحب ہے کہ کفن میں قمیص بھی ہو۔

(جمہور) یہ مستحب نہیں ہے (کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے کفن میں یہ موجود نہیں تھی۔)(۲)

(راجح) جمہور کا موقف راجح ہے کیونکہ احناف کی دلیل ضعیف روایت ہے۔(۳)

○ کفن میں ایک کپڑا بھی ثابت ہے جیسا کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ایک کپڑے میں ہی کفن دیا گیا۔(٤)

اسی طرح دو کپڑے بھی ثابت ہے جیسا کہ حالت احرام میں فوت ہونے والے کو دو کپڑوں میں ہی کفن دیا گیا۔(٥)

اور تین کپڑے بھی ثابت ہیں جیسا کہ نبی ﷺ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا۔(٦)

اس سے زیادہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں اس لیے شیخ البانیؒ نے تین سے زائد کپڑوں میں کفن دینا ناجائز قرار دیا ہے۔(۷)

❁❁❁

---

(۱) [ضعیف : أحکام الجنائز (ص/۸۵) نصب الرایة (۲/۲٦۱) نیل الأوطار (۲/٦۸۸) بزار (٦٤٦)]

(۲) [الأم (۱/٤۷۱) الحاوی (۳/۲۰) بدائع الصنائع (۳۰۷/۱) المغنی (۳/۳۸۳) نیل الأوطار (۲/٦۸۸)]

(۳) [نیل الأوطار (۲/٦۸۸)]

(٤) [بخاری (٤۰٤٥)]

(٥) [بخاری (۱۲٦۷)]

(٦) [بخاری (۱۲٦٤)]

(۷) [أحکام الجنائز (ص/۸٤)]

چوتھی فصل

نماز جنازہ کا بیان

وَتَجِبُ الصَّلَاةُ عَلَى الْمَيِّتِ	میت پر نماز جنازہ پڑھنا واجب ہے۔ ❶

❶ جس شخص پر قرض تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کا جنازہ پڑھانے سے اجتناب کیا لیکن لوگوں کو حکم دیا کہ ﴿صلوا على صاحبكم﴾ ”اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھو۔“(۱)

(ابن حزمؒ) مسلمانوں کے مرنے والوں پر نماز جنازہ پڑھنا فرض ہے۔(۲)

(صدیق حسن خانؒ) فرض کفایہ ہے۔(۳)

(البانیؒ) مسلم میت پر نماز جنازہ پڑھنا فرض کفایہ ہے۔(٤)

وَيَقُوْمُ الْإِمَامُ حِذَاءَ رَأْسِ الرَّجُلِ وَوَسَطِ الْمَرْأَةِ	امام مرد کے سر کے برابر اور عورت کے درمیان میں کھڑا ہو۔ ❶

❶ (1) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کی نماز جنازہ پڑھائی ﴿فقام عند رأسه﴾ ”تو اس کے سر کے پاس کھڑے ہوئے“ جب اسے اٹھالیا گیا تو ایک عورت کا جنازہ لایا گیا۔ انہوں نے اس کی بھی نماز جنازہ پڑھائی ﴿فقام وسطها﴾ ”تو اس کے درمیان میں کھڑے ہوئے“ پھر کسی نے دریافت کیا کہ ﴿هكذا كان رسول الله يقوم من الرجل حيث قمت ومن المرأة حيث قمت؟ قال نعم﴾ ”مرد اور عورت کے جنازے کے لیے جہاں آپ کھڑے ہوئے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح کھڑے ہوتے تھے تو انہوں نے کہا ”ہاں۔“(٥)

(2) حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایسی عورت کی نماز جنازہ پڑھی جو حالت نفاس میں فوت ہوئی تھی ﴿فقام وسطها﴾ ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے درمیان میں کھڑے ہوئے۔“(٦)

(جمہور، احمدؒ، شافعیؒ) اسی کے قائل ہیں۔ جیسا کہ امام شوکانیؒ نے بیان کیا ہے۔ امام ابو یوسفؒ سے بھی یہی قول مروی ہے علاوہ ازیں ایک قول امام ابو حنیفہؒ سے بھی یہی ہے۔

---

(۱) [بخاری (۵۳۷۱، ٦٧٣١) كتاب النفقات : باب قول النبي من ترك كلا أو ضياعا فإلي، مسلم (١٦١٩) أحمد (٢٩٠/٢) نسائی (٦٦/٤) ترمذی (١٠٧٠) ابن ماجة (٢٤١٥) أبو داود (٢٩٥٥)]

(۲) [المحلى بالآثار (٣٣٦/٣)]

(۳) [الروضة الندية (٤١٥/١)]

(٤) [أحكام الجنائز (ص/١٠٣)]

(٥) [صحيح : صحيح أبو داود (٢٧٣٥) كتاب الجنائز : باب أين يقوم الإمام من الميت إذا صلى عليه، أبو داود (٣١٩٤) ترمذی (١٠٣٤) ابن ماجة (١٤٩٤)]

(٦) [بخاری (١٣٣١، ١٣٣٢) كتاب الجنائز : باب الصلاة على النفساء إذا ماتت في نفاسها، مسلم (٩٦٤) أبو داود (٣١٩٥) ترمذی (١٠٣٥) نسائی (١٩٧٩) ابن ماجة (١٤٩٣) أحمد (١٩/٥)]

(احناف) مرد اور عورت دونوں کے دل کے برابر کھڑا ہونا چاہیے (یہ موقف محض قیاس پر مبنی ہے جو کہ صریح دلائل کے خلاف ہے)۔(۱)
(البانیؒ) امام مرد کے سر کے برابر اور عورت کے درمیان میں کھڑا ہو۔(۲)

وَيُكَبِّرُ أَرْبَعًا أَوْ خَمْسًا	چار یا پانچ تکبیریں کہے۔ ❶

❶ فی الحقیقت چار یا پانچ تکبیریں کہنا ہی نبی ﷺ سے ثابت ہے البتہ بعض صحابہ سے نو تک تکبیریں کہنا بھی ثابت ہے کہ جسے شیخ البانیؒ نے حکماً مرفوع کہتے ہوئے ان پر بھی عمل کو جائز قرار دیا ہے۔ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

چار تکبیروں کے دلائل:

(1) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے نجاشی کا جنازہ پڑھایا ﴿فكبر عليه أربعا﴾ "تو اس پر چار تکبیریں کہیں۔"(۳)
(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی معنی میں حدیث مروی ہے۔(٤)
(3) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت سے بھی یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔(٥)
(4) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی روایات بھی اس پر شاہد ہیں۔(٦)
(5) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد امام سورہ فاتحہ ہلکی آواز میں تلاوت کرے پھر تین تکبیریں کہے اور آخری تکبیر کے ساتھ سلام پھیر دے۔"(۷)
(6) حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن رسول الله كان يكبر أربعا﴾ "رسول اللہ ﷺ چار تکبیریں کہا کرتے تھے۔"(۸)

پانچ تکبیروں کے دلائل:

حضرت عبد الرحمٰن بن ابی لیلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ ہمارے جنازوں پر چار تکبیریں کہتے تھے لیکن ایک جنازے پر انہوں نے پانچ تکبیریں کہیں لہذا میں نے ان سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ ﴿كان رسول الله يكبرها﴾ "رسول اللہ ﷺ یہ (یعنی پانچ) تکبیریں بھی کہا کرتے تھے۔"(۹)

---

(۱) [الفقه الإسلامي وأدلته (۲/٤۹۱) المجموع (٥/۲۲٤) نيل الأوطار (٤/٦٦) الهداية (۱/٤٦۲)]
(۲) [أحكام الجنائز (ص/۱۳۸)]
(۳) [بخاری (۱۳۳٤) كتاب الجنائز : باب التكبير على الجنازة أربعا ' مسلم (۹٥۲) أحمد (۳/۳٦۱) بيهقی (٤/۳٥)]
(٤) [بخاری (۱۳۳۳) أيضا ' مسلم (۹٥۱) مؤطا (۱/۲۲٦) أبو داود (۳۲۰٤) نسائی (٤/۷۲) ابن ماجة (۱٥۳٤)]
(٥) [بخاری (۱۳٤۰) كتاب الجنائز : باب الدفن بالليل ' مسلم (۹٥٤) ترمذی (۱۰٥۷) ابن ماجة (۱٥۳۰)]
(٦) [بيهقی معلقا (٤/۳۸) ' أيضا]
(۷) [صحيح : أحكام الجنائز (ص/۱٤۱) نسائی (۱/۲۸۱) ابن حزم (٥/۱۲۹)]
(۸) [صحيح : أحكام الجنائز (ص/۱٤۲) بيهقی (٤/۳٥)]
(۹) [مسلم (۹٥۷) كتاب الجنائز : باب الصلاة على القبر ' أبو داود (۳۱۹۷) ترمذی (۱۰۲۳) نسائی (٤/۷۲) ابن ماجة (۱٥۰٥) شرح معانی الآثار (۱/٤۹۳) بيهقی (٤/۳٦) ابن أبی شيبة (۳/۳۰۲) أحمد (٤/۳٦۷)]

چھ اور سات تکبیروں کے دلائل:

(1) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أنه کبر علی سهل بن حنیف ستا وقال أنه شهد بدرا﴾ ''انہوں نے حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کے جنازے پر چھ تکبیریں کہیں اور کہا کہ یہ جنگ بدر میں حاضر تھے۔'' (١)

(2) حضرت موسیٰ بن عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھائی ﴿فکبر علیه سبعا﴾ ''اور اس پر سات تکبیریں کہیں۔'' (٢)

نو تکبیروں کے دلائل:

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھائی ﴿فکبر تسع تکبیرات﴾ ''تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نو تکبیریں کہیں۔'' (٣)

نماز جنازہ کی تکبیروں کی تعداد میں اگرچہ علماء نے اختلاف کیا ہے لیکن اکثریت نے چار تکبیروں کو ہی ترجیح دی ہے۔

(جمہور، احمدؒ، شافعیؒ، مالکؒ) چار تکبیروں کو ترجیح حاصل ہے۔ (٤)

(ترمذیؒ) صحابہ اور ان کے بعد والوں میں سے اکثر اہل علم چار تکبیروں کے قائل ہیں۔ (٥)

(ابن منذرؒ) اکثر اہل علم چار تکبیروں کے قائل ہیں۔ (٦)

(شوکانیؒ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چار سے کم اور پانچ سے زیادہ تکبیریں کسی مرفوع حدیث سے ثابت نہیں نیز چار تکبیریں اختیار کرنا زیادہ راجح اور بہتر ہے۔ (٧)

(ابن حزمؒ) چار سے کم اور پانچ سے زیادہ تکبیریں نہیں کہنی چاہییں۔ (٨)

جن لوگوں نے چار سے زائد تکبیروں کو ممنوع قرار دیا ہے ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) اس پر اجماع ہو چکا ہے۔

(ابن عبدالبرؒ) چار تکبیروں پر فقہا اور اہل فتویٰ حضرات کا اجماع ہو چکا ہے۔ (٩)

(2) بعض روایات میں یہ الفاظ بھی مذکور ہیں ﴿کان آخر ما کبر رسول الله علی الجنازة أربعا﴾ ''آخر میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیریں کہیں وہ چار تھیں۔'' (١٠)

---

(١) [بخاری (٤٠٠٤) کتاب المغازی : باب شهود الملائکة بدرا]

(٢) [صحیح : أحکام الجنائز (ص/١٤٤) بیهقی (٣٦/٤)]

(٣) [حسن : أحکام الجنائز (ص/١٠٦) شرح معانی الآثار (٢٩٠/١)]

(٤) [نیل الأوطار (٧١٤/٢)]

(٥) [جامع ترمذی (بعد الحدیث/١٠٢٢)]

(٦) [الأوسط لابن المنذر (٤٣٤/٥)]

(٧) [السیل الجرار (٣٥٦/١)]

(٨) [المحلی بالآثار (٣٤٧/٣)]

(٩) [التمهید لابن عبدالبر (٣٣٤/٦) نیل الأوطار (٧١٥/٢)]

(١٠) [ضعیف : أحکام الجنائز (ص/١٤٥) شیخ البانیؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

(3) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے مقتولین کی نماز جنازہ پڑھائی تو نو نو تکبیریں کہیں پھر سات اور پھر چار چار تکبیریں کہیں ﴿حتی لحق باللہ﴾ "حتی کہ اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔"(۱)

وَيَقْرَأُ بَعْدَ التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى الْفَاتِحَةَ وَسُورَةً	پہلی تکبیر کے بعد فاتحہ اور کوئی سورت پڑھے۔ ❶

❶ (1) چونکہ نماز جنازہ بھی ایک نماز ہی ہے اس لیے دیگر نمازوں کی طرح اس میں بھی سورۂ فاتحہ کی قراءت ضروری ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب﴾ "جس شخص نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی اس کی کوئی نماز نہیں۔"(۲)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی ﴿فقرأ الفاتحة وقال لتعلموا أنه من السنه﴾ "اور سورہ فاتحہ کی قراءت کی اور کہا (یہ اس لیے پڑھی ہے) تاکہ تمہیں علم ہو جائے کہ یہ سنت ہے۔"(۳)

سنن نسائی میں یہ لفظ ہیں ﴿فقرأ بفاتحة الكتاب وسورة وجهر فلما فرغ قال سنة وحق﴾ "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے (جنازے میں) فاتحہ اور کوئی سورت پڑھی اور اونچی آواز سے قراءت کی پھر جب فارغ ہوئے تو کہا یہ سنت اور حق ہے۔"(٤)

(شافعیؒ، احمدؒ، اسحاقؒ) پہلی تکبیر کے بعد قراءت مشروع ہے۔

(ابو حنیفہؒ، مالکؒ) جنازے میں کوئی قراءت نہیں۔(٥)

(عبد الرحمن مبارکپوریؒ) امام شافعیؒ اور ان کے رفقاء کا قول برحق ہے۔(٦)

(امیر صنعانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٧)

(البانیؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ مزید بیان کرتے ہیں کہ یہ کتنی تعجب خیز بات ہے کہ احناف قراءت (جو ثابت ہے) اس کا انکار کرتے ہیں اور ثناء (**سبحانک اللھم**......جو ثابت نہیں ہے) کی قراءت کو نماز جنازہ کی سنتوں میں شمار کرتے ہیں۔(۸)

432- جنازے میں قراءت سری اور جہری دونوں طرح ثابت ہے

(البانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۹)

(1) جہری قراءت کی دلیل گذشتہ سنن نسائی کی روایت ہے جس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ انہوں نے جہری قراءت کی اور کہا یہ سنت ہے۔ مزید اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ

(۱) [أحكام الجنائز (ص/۱٤٥) شیخ البانیؒ نے اس روایت کو مردود قرار دیا ہے۔]

(۲) [بخاری (۷٥٦) كتاب الأذان : باب وجوب القراءة للإمام والمأموم......]

(۳) [بخاری (۱۳۳٥) كتاب الجنائز : باب قراءة فاتحة الكتاب على الجنازة، أبو داود (۳۱۹۸) ترمذی (۱۰۲۷) نسائی (۱۹۸۸)]

(٤) [**صحيح** : أحكام الجنائز (ص/۱٥۱) نسائی (۱۹۷۸) كتاب الجنائز : باب قراءة فاتحة الكتاب على الجنازة]

(٥) [المبسوط (٦٤/۲) سبل السلام (۷٥۲/۲)]

(٦) [تحفة الأحوذی (۹٤/۳)]

(۷) [سبل السلام (۷٥۳/۲)]

(۸) [أحكام الجنائز (ص/۱٥۳)]

(۹) [أحكام الجنائز (ص/۱٥۱-۱٥٤)]

فرماتے ہیں کہ ﴿صلى رسول الله علی جنازة فحفظنا من دعائه......﴾ ”رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی تو ہم نے آپ کی (جنازے میں پڑھی ہوئی) دعا یاد کر لی۔“ (۱)

(2) سری قراءت کی دلیل یہ حدیث ہے۔ حضرت ابوامامہ بن سھل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿السنة فی الصلاة علی الجنازة أن يقرأ في التكبيرة الأولى بأم القرآن مخافتة ثم يكبر ثلاثا و التسليم عند الآخرة﴾ ”نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد ہلکی آواز سے سورہ فاتحہ پڑھی جائے پھر تین تکبیریں کہی جائیں اور آخری تکبیر کے ساتھ سلام پھیر دیا جائے۔“ (۲)

وَيَدْعُو بَيْنَ التَّكْبِيرَاتِ بِالْأَدْعِيَةِ الْمَأْثُورَةِ	بقیہ تکبیروں کے درمیان مسنون دعائیں پڑھے۔ ❶

❶ دوسری تکبیر کے بعد درود (ابراہیمی)، تیسری کے بعد دعائیں اور چوتھی کے بعد سلام پھیر دیا جائے۔ (۳)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے صحابہ میں سے کسی نے انہیں خبر دی کہ ﴿أن السنة في الصلاة على الجنازة أن يكبر الإمام ثم يقرأ بفاتحة الكتاب بعد التكبيرة الأولى سرا في نفسه ثم يصلي على النبي ﷺ و يخلص الدعا للجنازة في التكبيرات (الثلاث)﴾ ”نماز جنازہ میں سنت طریقہ یہ ہے کہ امام تکبیر کہے پھر پہلی تکبیر کے بعد سری طور پر اپنے دل میں سورہ فاتحہ پڑھے، پھر نبی ﷺ پر درود بھیجے اور پھر خالص ہو کر (تیسری) تکبیر میں جنازے کے لیے دعا کرے۔“ (٤)

شیخ البانی رقمطراز ہیں کہ آپ ﷺ کے اس فرمان کا ظاہر یہی ہے کہ نبی ﷺ پر درود دوسری تکبیر کے بعد پڑھا جائے گا کیونکہ اگر پہلے ہوتا تو اسے تکبیرات میں ذکر نہ کیا جاتا۔ حنفیہ و شافعیہ اسی کے قائل ہیں۔ البتہ امام ابن حزم اور امام شوکانی نے اس کی مخالفت کی ہے۔ (٥)

تیسری تکبیر کے بعد مسنون دعائیں پڑھی جائیں گی جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿إذا صليتم على الميت فأخلصوا له الدعاء﴾ ”جب تم میت کی نماز جنازہ پڑھو تو اس کے لیے خالص دعا کرو۔“ (٦)

433- چند مسنون دعائیں

(1) حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ دعا مذکور ہے ”اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ وَأَكْرِمْ نُزُلَهُ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهُ، وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ، وَنَقِّهِ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ، وَأَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهِ، وَأَهْلًا خَيْرًا مِّنْ أَهْلِهِ، وَزَوْجًا خَيْرًا مِّنْ زَوْجِهِ، وَأَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَأَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ [وَعَذَابِ النَّارِ]“ (٧)

(١) [مسلم (٩٦٣) كتاب الجنائز : باب الدعاء للميت في الصلاة، ابن ماجة (١٥٠٠) أحمد (٢٣/٦) نسائی (٧٣/٤) ترمذی (١٠٢٥)]

(٢) [صحيح : أحكام الجنائز (ص/١٤٢) نسائی (٢٨١/١) كتاب الجنائز : باب الدعا، ابن حزم (١٢٩/٥)]

(٣) [سبل السلام (٧٥٣/٢) أحكام الجنائز للألبانی (ص/١٥٥-١٥٦)]

(٤) [الأم للشافعی (٢٣٩/١) بیهقی (٣٩/٤) ابن الجارود (٢٦٥) حاكم (٣٦٠/١)]

(٥) [أحكام الجنائز (ص/١٥٥) المحلی (١٢٩/٥) نيل الأوطار (٥٣/٣)]

(٦) [حسن : إرواء الغليل (١٧٩/٣)، (٧٣٢) أبو داود (٣١٩٩) كتاب الجنائز : باب الدعاء للميت، ابن ماجة (١٤٩٧) بیهقی (٤٠/٤) ابن حبان (٣٠٧٧ - الإحسان)]

(٧) [مسلم (٩٦٣) كتاب الجنائز : باب الدعاء للميت في الصلاة، نسائی (٧٣/٤) ابن ماجة (١٥٠٠) أحمد (٢٣/٦)]

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز جنازہ پڑھاتے تو یہ دعا کرتے ”اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا ، وَغَائِبِنَا وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا ، اَللّٰهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ ، وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيْمَانِ ، اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَهُ“۔(۱)

(3) حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ دعا مذکور ہے ” اَللّٰهُمَّ إِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ فِي ذِمَّتِكَ ، وَحَبْلِ جِوَارِكَ فَقِهِ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ ، وَعَذَابِ النَّارِ ، وَأَنْتَ أَهْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَقِّ ، فَاغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ“(۲)

(4) ایک روایت میں یہ دعا مروی ہے ”اَللّٰهُمَّ إِنَّهُ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ أَمَتِكَ كَانَ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ وَأَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُ“۔(۳)

434- آخری تکبیر کے بعد دونوں جانب سلام پھیرا جائے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین کام کیا کرتے تھے کہ جنہیں لوگوں نے چھوڑ دیا ہے ﴿إحداهن التسليم على الجنازة مثل التسليم في الصلاة﴾ ”ان میں سے ایک نماز جنازہ میں اس طرح سلام پھیرنا ہے جیسے نماز میں سلام پھیرا جاتا ہے۔“(٤)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نماز جنازہ میں بھی عام نمازوں کی طرح دائیں اور بائیں دونوں جانب سلام پھیرنا چاہیے۔ تاہم اگر صرف ایک جانب ہی سلام پھیر دیا جائے تو یہ بھی کفایت کر جاتا ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں ﴿وسلم تسليمة واحدة﴾ ”اور ایک مرتبہ ہی سلام پھیرا۔“(٥)

وَلَا يُصَلّٰى عَلَى الْغَالِّ وَقَاتِلِ نَفْسِهِ وَالْكَافِرِ وَالشَّهِيدِ	خائن ❶ ، خودکشی کرنے والے ❷ ، کافر ❸ اور شہید ❹ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

❶ واضح رہے کہ خائن سے مراد ایسا شخص ہے جو مال غنیمت سے تقسیم سے پہلے کوئی چیز چرا لے۔(٦)

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خیبر کے روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خائن شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی بلکہ دیگر احباب سے کہا ﴿صلوا على صاحبكم﴾ ”تم اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو۔“(٧)

(۱) [صحیح : أحكام الجنائز (ص/۱۵۸) أبو داود (۳۲۰۱) كتاب الجنائز : باب الدعاء للميت ، ترمذی (۱۰۲٤) ابن ماجة (۱٤۹۸) أحمد (۳٦۸/۲) حاكم (۳۵۸/۱) بیهقی (٤۱/٤)]

(۲) [صحیح : أحكام الجنائز (ص/۱۵۸) أبو داود (۳۲۰۲) كتاب الجنائز : باب الدعاء للميت ، ابن حبان (۷۵۸) أحمد (٤۷۱/۳) شیخ البانی رقمطراز ہیں کہ ان شاء اللہ اس کی سند صحیح ہے۔]

(۳) [مؤطا (۲۲۷/۱) أحكام الجنائز للألباني (ص/۱۵۹)]

(٤) [حسن : بیهقی (٤۳/٤)] امام نووی نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔[المجموع (۲۳۹/۵)] امام ہیثمی رقمطراز ہیں کہ اس روایت کو طبرانی کبیر میں روایت کیا گیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔[مجمع الزوائد (۳٤/۳)]

(٥) [حسن : أحكام الجنائز (ص/۱٦۳) دارقطنی (۱۹۱) حاكم (۳٦۰/۱) بیهقی (٤۳/٤)]

(٦) [التعليقات الرضية على الروضة الندية للألباني (٤٤۷/۱) التعليق على الروضة لندية للشيخ صبحي حلاق (٤۲۳/۱)]

(٧) [صحیح : التعليقات الرضية على الروضة الندية (٤٤۷/۱) أبو داود (۲۷۱۰) كتاب الجهاد : باب في تعظيم الغلول ، ابن ماجة (۲۸٤۸) نسائی (٦٤/٤) مؤطا (٤۵۸/۲)]

(شوکانیؒ) اس سے معلوم ہوا کہ گنہ گار لوگوں کی نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے۔البتہ نبی ﷺ نے اس شخص کی نماز جنازہ غالبا خیانت سے ڈانٹنے کے لیے نہیں پڑھائی بعینہ جیسا کہ آپ ﷺ نے مقروض کی نماز جنازہ خود تو نہیں پڑھائی لیکن لوگوں کو اس کا حکم دیا۔"(لہٰذا اشراف طبقے کو چاہیے کہ وہ گنہ گاروں اور نافرمانوں کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں بلکہ عام لوگ خود ہی پڑھ لیں)۔(۱)

(البانیؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(۲)

(مالکؒ، شافعیؒ، ابوحنیفہؒ، جمہور) نافرمانوں کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔(۳)

❷ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک ایسا شخص لایا گیا کہ ﴿قتل نفسه بمشاقص فلم يصل عليه﴾ "جس نے تیر کے ذریعے خودکشی کر لی تھی تو آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔"(٤)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خودکشی کرنے والے کے متعلق فرمایا ﴿أما أنا فلا أصلي﴾ "رہی بات میری تو میں اس کا جنازہ نہیں پڑھاؤں گا۔"(٥)

اس سے یہ بات اخذ کی جا سکتی ہے کہ عام افراد اس کا بھی نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں۔(واللہ اعلم)

❸ (1) ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى﴾[التوبة:١١٣] "نبی ﷺ اور دوسرے مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کریں اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہی ہوں۔"

(2) ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ﴾[التوبة:٨٤] "ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ ﷺ اس کے جنازے کی ہرگز نماز نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔"

اگرچہ یہ آیت رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے بارے میں نازل ہوئی لیکن چونکہ اس کا حکم عام ہے اس لیے ہر ایسا شخص جس کی موت کفر و نفاق پر ہو اس میں شامل ہے۔

❹ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے شہدائے احد کو ان کے خونوں سمیت دفن کرنے کا حکم دیا ﴿ولم يصل عليهم﴾ "اور ان پر نماز جنازہ نہیں پڑھی۔"(٦)

شہدائے بدر کے متعلق بھی نماز جنازہ کا کوئی ذکر احادیث میں منقول نہیں حالانکہ اگر آپ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی ہوتی تو دیگر صحابہ اسے ضرور بیان کرتے اس سے معلوم ہوا کہ شہداء پر نماز جنازہ پڑھنا واجب نہیں۔(۷)

اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ شہداء کی نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں بلکہ نبی ﷺ سے شہداء کی نماز جنازہ پڑھنا صحیح احادیث

---

(۱) [نيل الأوطار (٧٠٠/٢)]

(۲) [أحكام الجنائز (ص/١٠٨-١٠٩)]

(۳) [نيل الأوطار (٧٠٠/٢)]

(٤) [مسلم (٩٧٨) كتاب الجنائز : باب ترك الصلاة على القاتل نفسه' ترمذي (١٠٧٤) نسائي (٦٦/٤) بيهقي (١٩/٤) أحمد (٩٧/٥)]

(٥) [صحيح : صحيح نسائي (١٨٥٥) كتاب الجنائز : باب ترك الصلاة على من قتل نفسه' نسائي (١٩٦٦) ابن ماجة (١٥٢٦)]

(٦) [بخاري (١٣٤٣) كتاب الجنائز : باب الصلاة على الشهيد' أبو داود (٣١٣٨' ٣١٣٩) نسائي (١٩٥٥) ابن ماجة (١٥١٤) ترمذي (١٠٣٦)]

(٧) [نيل الأوطار (٦٩٨/٢) أحكام الجنائز (ص/١٠٨)]

سے ثابت ہے جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن النبی ﷺ خرج یوما فصلی علی أھل احد صلاته علی المیت﴾ ''نبی ﷺ ایک روز نکلے اور آپ ﷺ نے شہدائے احد پر اس طرح نماز پڑھی جیسا کہ میت پر نماز پڑھی جاتی ہے۔'' (۱)

(2) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قریب سے گزرے کہ جن کا مثلہ کر دیا گیا تھا ﴿ولم یصل علی أحد من الشھداء غیرہ یعنی شھداء احد﴾ ''اور آپ ﷺ نے شہدائے احد میں سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کی نماز جنازہ نہ پڑھی۔'' (۲)

(3) حضرت شداد بن ھاد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دیہاتیوں کا ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا...... کچھ مدت کے بعد لوگ دشمن سے قتال کے لیے گئے' اس آدمی کو نبی ﷺ کے پاس لایا گیا تو اسے تیر لگ چکا تھا...... ﴿ثم کفنه النبی فی جبته ثم قدمه فصلی علیه......﴾ ''پھر نبی ﷺ نے اس کے جبے میں ہی اسے کفن دے دیا اور پھر اس کے آگے کھڑے ہو کر اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔'' (۳)

(4) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے احد کے روز حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ایک چادر سے ڈھانپنے کا حکم دیا ﴿ثم صلی علیه فکبر تسع تکبیرات ثم أتی بالقتلی یصفون و یصلی علیھم و علیه معھم﴾ ''پھر آپ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور نو تکبیریں کہیں' پھر دیگر شہداء لائے جاتے اور ان کی صف بنائی جاتی اور آپ ﷺ ان سب پر اور ان کے ساتھ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر نماز جنازہ پڑھتے۔'' (٤)

(شافعیؒ، احمدؒ، مالکؒ) شہداء کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

(ابوحنیفہؒ) شہداء کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ (٥)

(راجح) شہدا کی نماز جنازہ پڑھنے اور نہ پڑھنے میں انسان کو اختیار ہے لیکن زیادہ بہتر پڑھنا ہی ہے کیونکہ یہ دعا اور عبادت ہی ہے جو اجر و ثواب میں اضافے کا باعث ہے۔

(ابن قیمؒ) اس مسئلے میں درست بات یہ ہے کہ پڑھنے اور چھوڑنے میں اختیار ہے۔ (٦)

(شوکانیؒ) شہید کی نماز جنازہ پڑھنا ہی بہتر ہے۔ (٧)

(عبدالرحمن مبارکپوریؒ) شہید کی نماز جنازہ واجب نہیں لہٰذا پڑھنا اور چھوڑنا دونوں طرح جائز ہے۔ (٨)

---

(۱) [بخاری (٤٠٤٢) کتاب المغازی : باب غزوة أحد]

(۲) [حسن : أحکام الجنائز (ص/١٠٧) أبو داود (٣١٣٧) کتاب الجنائز : باب فی الشھید یغسل ' صحیح أبو داود (٢٦٩٠)]

(۳) [صحیح : صحیح نسائی (١٨٤٥) کتاب الجنائز : باب الصلاة علی الشھداء ' أحکام الجنائز (ص/١٠٦) نسائی (١٩٥٥)]

(٤) [حسن : أحکام الجنائز (ص/١٠٦) شرح معانی الآثار (٢٩٠/١)]

(٥) [الأم (٤٤٦/١) الحاوی (٣٣/٣) المغنی (٤٦٧/٣) حاشیة الدسوقی علی الشرح الکبیر (٤٢٥/١) المبسوط (٤٩/٢) الھدایة (٩٤/١) بدائع الصنائع (٣٢٤/١) نیل الأوطار (٦٩٦/٢) تحفة الأحوذی (١١٤/٣-١١٥)]

(٦) [تھذیب السنن (٢٩٥/٤)]

(٧) [نیل الأوطار (٦٩٧/٢)]

(٨) [تحفة الأحوذی (١١٦/٣)]

(البانیؒ) پڑھنا اور چھوڑنا دونوں طرح درست ہے لیکن پڑھنا ہی افضل ہے۔(۱)

وَيُصَلّٰى عَلَى الْقَبْرِ وَعَلَى الْغَائِبِ	نماز جنازہ قبر پر ❶ اور غائبانہ بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ ❷

❶ (1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿صلى النبي ﷺ على رجل بعد ما دفن بليلة﴾ ''نبی ﷺ نے ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھی جسے گذشتہ شب دفن کر دیا گیا تھا۔''

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿فأتى قبره فصلى عليه﴾ ''آپ ﷺ اس کی قبر پر آئے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔''(۲)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایسی عورت (یا ایسے مرد) کی قبر پر جا کر نماز جنازہ پڑھی جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔(۳)

(3) حضرت یزید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے ایک عورت کی قبر پر جا کر اس کی نماز جنازہ پڑھی۔(۴)

(4) ایک اور روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے ایک مسکین عورت کی قبر پر جا کر با جماعت نماز جنازہ پڑھائی جیسا کہ اس میں یہ لفظ ہیں ﴿فانطلقوا مع رسول الله حتى قاموا على قبرها فصفوا وراء رسول الله كما يصف للصلاة على الجنازة فصلى عليها رسول الله﴾ ''لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلے حتی کہ اس عورت کی قبر کے پاس کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کے پیچھے اس طرح صفیں درست کر لیں جیسا کہ نماز جنازہ کے لیے صفیں درست کی جاتی ہیں' پھر آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔''(۵)

(جمہور، احمدؒ، شافعیؒ) اسی کے قائل ہیں۔

(ابوحنیفہؒ، مالکؒ) قبر پر نماز جنازہ پڑھنا مشروع نہیں۔(۶)

غیر مشروع کہنے والوں کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں مسجد میں جھاڑو دینے والی عورت کی قبر پر نماز جنازہ کا ذکر ہے اس میں یہ لفظ بھی ہیں ﴿إن هذه القبور مملوءة ظلمة على أهلها وإن الله ينورها لهم بصلاتي عليهم﴾ ''یہ قبریں اہل قبور کے لیے اندھیروں سے بھری ہوئی ہیں اور میری نماز سے ان کی قبروں میں روشنی ہو جاتی ہے۔''

اس سے اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ یہ (یعنی قبر پر نماز جنازہ) صرف نبی ﷺ کے ساتھ خاص تھا (کیونکہ نبی ﷺ کی وجہ سے ہی قبر میں روشنی ہوتی تھی)۔

---

(۱) [أحكام الجنائز (ص/۱۰۸)]

(۲) [بخاری (۱۳۴۰) كتاب الجنائز : باب الدفن بالليل ' مسلم (۹۵۴) ترمذی (۱۰۵۷) ابن ماجة (۱۵۳۰) أحمد (۲۲۴/۱) ابن أبي شيبة (۳۶۰/۳)]

(۳) [بخاری (۱۳۳۷) كتاب الجنائز : باب الصلاة على القبر بعد ما يدفن ' مسلم (۹۵۶) أحمد (۳۵۳/۲) أبو داود (۳۲۰۳) ابن ماجة (۱۵۲۷) بيهقي (۴۷/۴) أبو يعلى (۲۴۲۹) ابن خزيمة (۱۲۹۹)]

(۴) [**صحيح** : أحكام الجنائز (ص/۱۱۴_۱۱۵) ابن ماجة (۴۶۵/۱) نسائی (۲۸۴/۱) بيهقی (۴۸/۴)]

(۵) [**صحيح** : أحكام الجنائز (ص/۱۱۵) بيهقی (۴۸/۴)]

(۶) [تحفة الأحوذی (۱۱۹/۴) نيل الأوطار (۷۰۷/۲) الأم (۴۶۱/۱) الحاوی (۵۹/۳) المبسوط (۶۷/۲) بدائع الصنائع (۳۱۱/۱) الهداية (۹۱/۱) حاشية الدسوقی على الشرح الكبير (۴۱۳/۱) المغنی (۴۴۴/۳)]

جمہور اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ اس حدیث میں مذکورہ الفاظ کا اضافہ مدرج ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے اور ثابت کیا ہے۔(۱)

(شوکانیؒ) خصوصیت صرف دلیل سے ہی ثابت ہوتی ہے (اور اس عمل کی تخصیص کی کوئی دلیل نہیں)۔(۲)

○ اہل قبر پر تدفین کے وقت نماز پڑھی گئی ہو یا نہ پڑھی گئی ہو بعد میں قبر پر نماز پڑھی جا سکتی ہے جیسا کہ گذشتہ احادیث اس پر شاہد ہیں۔

❷ (1) نبی ﷺ نے نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ﴿أن النبي ﷺ نعى النجاشي في اليوم الذي مات فيه و خرج بهم إلى المصلى فصف بهم و كبر عليه أربع تكبيرات﴾ ''نبی ﷺ نے اُس دن نجاشی کی موت کا اعلان کیا جس دن وہ فوت ہوا پھر آپ ﷺ لوگوں کو لے کر عیدگاہ کی طرف گئے' ان کی صفیں بنوائیں اور (اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھتے ہوئے) اس پر چار تکبیریں کہیں۔''(۳)

(2) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی معنی میں روایت مروی ہے۔(٤)

(3) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں بھی نجاشی کا غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کا ذکر ہے۔(٥)

(جمہور، شافعیؒ، احمدؒ) اسی کے قائل ہیں۔

(ابن حزمؒ) کسی صحابی سے بھی اس کی ممانعت منقول نہیں۔

(ابو حنیفہؒ، مالکؒ) غائبانہ نماز جنازہ مطلق طور پر مشروع ہی نہیں۔(٦)

غائبانہ نماز جنازہ کو ناجائز قرار دینے والوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ صرف نجاشی کے ساتھ خاص تھا کیونکہ ایک روایت میں مذکور ہے کہ ''نبی ﷺ کے لیے زمین کے تمام پردے ہٹا دیے گئے اور نجاشی کی میت آپ کے سامنے تھی۔''(۷)

(نوویؒ) یہ روایت (جس میں ہے کہ نجاشی کی میت آپ ﷺ کے سامنے کر دی گئی) محض اوہام و خیالات میں سے ہے' اس کی کچھ حقیقت نہیں۔(۸)

(البانیؒ) یہ تاویل (یعنی کہ یہ عمل صرف نجاشی کے ساتھ خاص تھا) فاسد ہے۔(۹)

---

(۱) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو : فتح الباری (۱۲۷/۲) نیل الأوطار (۷۰۸/۲)]

(۲) [أيضا]

(۳) [بخاری (۱۳۳۳) کتاب الجنائز : باب التكبير على الجنازة أربعا ' مسلم (۹۵۱) مؤطا (۲۲٦/۱) أبو داود (۳۲۰٤) ابن ماجة (۱۵۳٤) نسائی (۷۲/٤) بيهقی (٤٩/٤)]

(٤) [بخاری (۱۳۲۰ ' ۱۳۳٤) کتاب الجنائز : باب الصفوف على الجنازة ' مسلم (۹۵۲) أحمد (۳٦۱/۳)]

(٥) [مسلم (۹۵۳) کتاب الجنائز : باب في التكبير على الجنازة ' ابن ماجة (۱۵۳۵) نسائی (۷۰/٤) أحمد (٤۳۱/٤) بيهقی (۵۰/۳)]

(٦) [نيل الأوطار (۲۰۳/۲) الأم (۲۷۱/۱) روضة الطالبين (۱۳۰/۲) المجموع (۲۰۹/٤) الأصل (٤۲۷/۱) المبسوط (٦۷/۲) حاشية ابن عابدين (۲۹/۲)]

(۷) [أحكام الجنائز للألباني (ص۱۱۹۳)]

(۸) [المجموع (۲۵۳/۵)]

(۹) [أحكام الجنائز (ص/۱۱۹)]

یاد رہے کہ چونکہ اس عمل کی نجاشی کے ساتھ خصوصیت کی کوئی دلیل موجود نہیں اس لیے یہ عمل بھی نبی ﷺ کی ساری زندگی کے دیگر تمام اعمال کی طرح ہمارے لیے بھی اسوہ وسنت ہے۔

(ابن تیمیہؒ) اگر غائب شخص ایسے شہر میں فوت ہو کہ جہاں اس کی نماز جنازہ نہ ادا کی گئی ہو تو پھر اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔(۱)

(خطابیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۲)

ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں یہ لفظ ہیں ﴿إن أخا لكم قد مات بغير أرضكم فقوموا فصلوا عليه﴾ ''یقیناً تمہارا ایک بھائی تمہارے علاقے سے باہر فوت ہوا ہے لہٰذا اٹھو اس کی نماز جنازہ پڑھو۔''(۳)

اس روایت سے یوں استدلال کرتے ہیں کہ نجاشی کا جنازہ اس کے علاقے میں نہیں پڑھا گیا تھا اس لیے نبی ﷺ نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی۔ اس کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ علاقے سے باہر فوت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس شخص کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی گئی اور نہ ہی اس حدیث میں کوئی ایسی وضاحت موجود ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ رقمطراز ہیں کہ ایسی کوئی خبر میرے علم میں نہیں کہ (جس سے معلوم ہوتا ہو کہ) نجاشی کی نماز جنازہ اس کے شہر میں نہیں پڑھی گئی تھی۔(۴)

اس مسئلے کی مزید تفصیل کے لیے ''فتح الباری (جلد۳ صفحہ۲۲۴)'' کا مطالعہ مفید ہے۔

متفرقات

435- کفار ومنافقین کی نماز جنازہ یا ان کے لیے دعا واستغفار قطعاً ناجائز ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

(1) ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ﴾ [التوبة : ٨٤] ''ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ ﷺ اس کے جنازے کی ہرگز نماز نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔''

(2) ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ﴾ [التوبة : ١١٣] ''نبی ﷺ اور دوسرے مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کریں اگر چہ وہ قریبی رشتہ دار ہی ہوں۔''

(نوویؒ) کافر کی نماز جنازہ اور اس کے لیے بخشش کی دعا کرنا نصِ قرآن اور اجماعِ امت کی وجہ سے حرام ہے۔(۵)

(البانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۶)

---

(۱) [نيل الأوطار (۷۰٤/۲) أحكام الجنائز (ص/۱۱۸)]

(۲) [معالم السنن (۳۱۰/۱)]

(۳) [**صحيح** : صحيح ابن ماجة (۱۲٤۸) كتاب ما جاء في الجنائز : باب ما جاء في الصلاة على النجاشي ، ابن ماجة (۱۵۳۷) أحمد (۷۱٤) حافظ بوصیریؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔[مصباح الزجاجة (۵۰۰/۱)]

(٤) [فتح الباری (۲۲٤/۳)]

(٥) [المجموع (۱٤٤/۵-۲۵۸)]

(٦) [أحكام الجنائز (ص/۱۲۰)]

436- جسے شرعی حد لگائی گئی ہو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی

1) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ایک شخص نے زنا کا اعتراف کیا' پھر اسے رجم کر دیا گیا حتی کہ وہ مرگیا ﴿فقال النبی ﷺ خیرا وصلی علیه﴾ ''نبی ﷺ نے اس کے لیے اچھے کلمات کہے اور پھر اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔'' (۱)

2) نبی ﷺ نے غامدیہ عورت کو رجم کرنے کا حکم دیا حتی کہ وہ مرگئی ﴿ثم صلی علیها﴾ ''پھر آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔'' (۲)

شوکانیؒ) رجم شدہ شخص کی نماز جنازہ پڑھنے (کے جواز) پر اجماع ہے۔ (۳)

نوویؒ) قاضی عیاض کا قول نقل فرماتے ہیں کہ ''تمام علماء کا مذہب یہ ہے کہ ہر 'مسلمان' خواہ اسے حد لگی ہو' رجم شدہ ہو' خودکشی کرنے والا ہو' یا ولد زنا ہو' اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ (٤)

437- بچہ خواہ مردہ پیدا ہو اس کی نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے

1) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿والطفل یصلی علیه﴾ ''بچے کی نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے۔'' اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿والسقط یصلی علیه﴾ ''نا تمام بچے کی نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے۔'' (٥)

2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس انصاریوں کا ایک (فوت شدہ) بچہ لایا گیا ﴿فصلی علیه﴾ ''آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔'' (٦)

البانیؒ) یہ لفظ سنن نسائی کے ہیں اور اس کی سند صحیح ہے۔ (مزید بیان کرتے ہیں کہ) یہ بات ظاہر ہے کہ نا تمام سے مراد وہ بچہ ہے جس کے چار ماہ مکمل ہو چکے ہوں اور اس میں روح پھونک دی گئی ہو پھر وفات پائے تاہم اس مدت سے پہلے اگر کسی صورت میں ساقط ہو جائے تو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی کیونکہ وہ میت کہلا ہی نہیں سکتا۔ (۷)

جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ ثابت ہے کہ بچہ جب اپنی ماں کے پیٹ میں چار ماہ کی عمر کو پہنچتا ہے تو ﴿ینفخ فیه الروح﴾ ''اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔'' (۸)

---

۱) [بخاری (۶۸۲۰) کتاب الحدود : باب الرجم بالمصلی ' مسلم (۲۶۹۱) أبو داود (٤٤۳۰) ترمذی (۱٤۲۹) نسائی (٦۲/٤) دارقطنی (۱۲۷/۳)]

۲) [مسلم (۱٦۹٥) کتاب الحدود : باب من اعترف علی نفسه بالزنی ' أبو داود (۲۳۳/۲) نسائی (۲۷۸/۱) ترمذی (۳۲٥/۲) دارمی (۱۸۰/۲) ابن ماجة (۱۱٦/۲)]

۳) [نیل الأوطار (۷۰۲/۲)]

٤) [شرح مسلم (٥٤۳/٤)]

٥) [**صحیح** : صحیح أبو داود (۲۷۲۳) کتاب الجنائز : باب المشی امام الجنازة ' أبو داود (۳۱۸۰) ترمذی (۱۰۳٦) نسائی (٥٦/٤) ابن ماجة (۱٥۰۷) شرح معانی الآثار (٤۸۲/۱) حاکم (۳٥٥/۱)]

٦) [مسلم (٥٥/۸) نسائی (۲۷٦/۱) أحمد (۲۰۸/٦)]

۷) [أحکام الجنائز (ص/۱۰٥)]

۸) [بخاری (۳۲۰۸ ' ۳۳۳۲) کتاب بدء الخلق : باب ذکر الملائکة ' مسلم (۲٦٤۳) أبو داود (٤۷۰۸) ترمذی (۲۱۳۷) ابن ماجة (۷٦) أحمد (۳۸۲/۱)) حمیدی (۱۲٦) أبو یعلی (٥۱٥۷)]

جس روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿إذا استهل السقط صلى عليه وورث﴾ ''جب ناتمام بچہ چیخ پڑے تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اسے وارث بھی بنایا جائے گا۔'' وہ روایت ضعیف ہے۔(۱)

438- بوقت ضرورت مسجد میں بھی نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے

(1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿والله لقد صلى رسول الله على ابني بيضاء في المسجد﴾ ''اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیضاء کے دونوں بیٹوں کی نماز جنازہ مسجد میں ادا فرمائی۔''(۲)

(2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ﴿صلى على عمر في المسجد﴾ ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی گئی۔''(۳)

(3) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں ادا فرمائی۔(٤)

(جمہور، احمدؒ، شافعیؒ) اسی کے قائل ہیں۔

(ابوحنیفہؒ، مالکؒ) مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔(٥)

یاد رہے کہ کراہت کی کوئی دلیل موجود نہیں۔

(البانیؒ) مسجد میں نماز جنازہ جائز ہے لیکن افضل یہ ہے کہ مسجد سے باہر جنازگاہ میں جنازے کی نماز ادا کی جائے جیسا کہ (اکثر و بیشتر) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں (ایسا ہی) ہوتا تھا۔(٦)

(بخاریؒ) انہوں نے صحیح بخاری میں اس طرح باب قائم کیا ہے کہ ((الصلاة على الجنائز بالمصلى والمسجد)) ''جنازگاہ اور مسجد دونوں جگہ نماز جنازہ ادا کرنا (درست ہے)۔''(۷)

439- قبروں کے درمیان نماز جنازہ جائز نہیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن النبي ﷺ نهى أن يصلى على الجنائز بين القبور﴾ ''قبروں کے درمیان کھڑے ہو کر نماز جنازہ پڑھنے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔''(۸)

440- جنازے کی تکبیروں میں رفع الیدین

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن رسول الله ﷺ كبر على جنازة فرفع يديه في أول تكبيرة ووضع

---

(۱) [**ضعيف** : أحكام الجنائز (ص/١٠٦) نصب الراية (٢٧٧/٢) تلخيص الحبير (١٤٦/٥) المجموع (٢٥٥/٥) نقد التاج الجامع للأصول الخمسة (٢٩٣)]

(۲) [مسلم (٩٧٣) كتاب الجنائز : باب الصلاة على الجنازه في المسجد' أبو داود (٣١٨٩) ترمذي (١٠٣٣) نسائي (٦٨/٤) ابن ماجة (١٥١٨) مؤطا (٢٢٩/١) ابن أبي شيبة (٣٦٤/٣) شرح معاني الآثار (٤٩٢٣١) بيهقي (٥١/٤)]

(۳) [مؤطا (٢٣٠/١)]

(٤) [عبدالرزاق (٦٥٧٦)]

(٥) [نيل الأوطار (١٣/٣) الحاوى (٥٠/٣) الأم (٤٦١/١) المبسوط (٦٨/٢) الهداية (٩٢/١) تحفة الفقهاء (٣٩٥/١)]

(٦) [أحكام الجنائز (ص/١٣٥)]

(۷) [بخاري (قبل الحديث/١٣٢٧) كتاب الجنائز]

(۸) [طبراني أوسط (٨٠/١) ابن عربي في معجمه (١/٢٣٥) امام ہیثمیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[المجمع (٣٦/٣)] شیخ البانیؒ نے بھی اس کی موافقت کی ہے۔[أحكام الجنائز (ص/١٣٨)]

الیمنی علی الیسری﴾ ”بے شک رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ کے لیے تکبیر کہی اور پہلی تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کیا پھر دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھ لیا۔“(۱) معلوم ہوا کہ نبی ﷺ سے صرف پہلی تکبیر کے ساتھ ہی رفع الیدین کرنا ثابت ہے۔ البتہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق مروی ہے کہ وہ نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کیا کرتے تھے۔(۲)

(جمہور، احمدؒ، شافعیؒ) انسان کو ہر تکبیر میں رفع الیدین کرنا چاہیے۔

(احناف) صرف پہلی تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کیا جائے گا۔(۳)

441- اگر زیادہ جنازے اکٹھے ہو جائیں......

خواہ مردوں اور عورتوں کے ہوں ان سب پر ایک ہی نماز پڑھی جا سکتی ہے نیز مردوں کے جنازوں کو امام کی جانب اور عورتوں کے جنازوں کو قبلہ کی جانب رکھنا بہتر ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ﴿أنه صلى على تسع جنائز جميعا فجعل الرجال يلون الإمام والنساء يلين القبلة﴾ ”انہوں نے نو (9) جنازوں کی اکٹھی نماز جنازہ پڑھی اور مردوں کو امام کے قریب اور عورتوں کو قبلے کے قریب کر لیا۔“(٤)

حارث بن نوفل کے آزاد کردہ غلام عمار سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ، حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ نماز جنازہ کی ایسی ہی صورت کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ﴿هذه السنة﴾ ”یہ سنت طریقہ ہے۔“(٥)

○ یہ بھی یاد رہے کہ زیادہ جنازوں کی الگ الگ نماز جنازہ پڑھنا بھی درست ہے کیونکہ یہی اصل ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے شہدائے احد کے جنازوں میں ایسا ہی کیا۔(٦)

442- خواتین کی نماز جنازہ میں شرکت

خواتین نماز جنازہ میں شریک ہو سکتی ہیں لیکن جنازے کے پیچھے چل کے جانا ان کے لیے جائز نہیں جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے مسجد میں حضرت سعد بن أبي وقاص رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھی۔(۷)

(ابن بازؒ) خواتین کے لیے نماز جنازہ میں شرکت ثابت تو ہے لیکن وہ جنازوں کی تدفین کے لیے نہیں چلیں گی کیونکہ اس سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے۔(۸)

---

(۱) [ترمذی (۱٦٥/۲) دارقطنی (۱۹۲) بیهقی (۲۸٤) أحکام الجنائز (ص/۱٤۷)]

(۲) [بخاری (قبل الحدیث/۱۳۲۲) کتاب الجنائز : باب سنة الصلاة علی الجنائز]

(۳) [جامع ترمذی (۱٦٥/۲) أحکام الجنائز للألبانی (ص/۱٤۷)]

(٤) [**صحیح** : أحکام الجنائز (ص/۱۳۲) عبدالرزاق (٦۳۳۷) نسائی (۲۸۰/۱) دارقطنی (۱۹٤) بیهقی (۳۳/٤)] حافظ ابن حجرؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[تلخیص الحبیر (۲۷٦/٥)]

(٥) [**صحیح** : أحکام الجنائز (ص/۱۳۳) أبو داود (۳۱۹۳) کتاب الجنائز : باب إذا حضرت جنائز رجال ونساء من یقدم ' بیهقی (۳۳/٤) نسائی (۲۸۰/۱)]

(٦) [أحکام الجنائز للالبانی (ص/۱۳۳)]

(۷) [مسلم (۹۷۳) کتاب الجنائز : باب الصلاة علی الجنازه فی المسجد ' أبو داود (۳۱۸۹) ترمذی (۱۰۳۳) نسائی (٦۸/٤) ابن ماجة (۱٥۱۸) مؤطا (۲۲۹/۱) شرح معانی الآثار (٤۹۲/۱)]

(۸) [الفتاوی الإسلامیة (۱۸/۲)]

جیسا کہ حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں ہے کہ ﴿نهينا عن اتباع الجنائز ولم يعزم علينا﴾ ''ہمیں (یعنی عورتوں کو) جنازے کے ساتھ چلنے سے منع کیا گیا مگر تاکید سے منع نہیں ہوا۔'' (۱)

443- نماز جنازہ کے لیے صفیں طاق ہونا ضروری نہیں

کیونکہ ایسی کوئی دلیل موجود نہیں جس سے معلوم ہوتا ہو کہ صفیں طاق ہونا ضروری ہے۔ جو لوگ طاق صفیں بنانا مستحب گردانتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے: حضرت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ما من مسلم يموت فيصلي عليه ثلاثة صفوف من المسلمين إلا أوجب﴾ ''کوئی بھی مسلمان فوت ہو اور مسلمانوں کی تین صفیں اس کی نماز جنازہ میں شریک ہو جائیں تو اس شخص نے (جنت) واجب کر لی۔'' (۲)

444- نمازیوں کی تعداد جتنی زیادہ ہوگی میت کو اتنا زیادہ فائدہ ہوگا

(1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ما من ميت يصلي عليه أمة من المسلمين يبلغون مائة كلهم يشفعون له إلا شفعوا فيه﴾ ''جس میت پر مسلمانوں کا ایک گروہ جن کا عدد سو (100) تک پہنچتا ہو نماز جنازہ پڑھے وہ سب اس کے لیے سفارش کریں تو اس (میت) کے حق میں ان کی سفارش قبول کر لی جاتی ہے۔'' (۳)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ چالیس (40) ایسے موحد افراد جو شرک نہ کرتے ہوں نماز جنازہ میں شرکت کریں ﴿إلا شفعهم الله فيه﴾ ''تو اللہ تعالیٰ ضرور اس میت کے حق میں ان سب کی سفارش قبول فرمالیں گے۔'' (٤)

445- نماز جنازہ کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من شهد الجنازة حتى يصلي عليها فله قيراط ومن شهدها حتى تدفن فله قيراطان' قيل وما القيراطان؟ قال مثل الجبلين العظيمتين﴾ ''جس نے جنازے میں شرکت کی پھر نماز جنازہ پڑھی تو اسے ایک قیراط ثواب ملتا ہے اور جو دفن تک ساتھ رہا تو اسے دو قیراط ثواب ملتا ہے۔ پوچھا گیا کہ دو قیراط کتنے ہوتے ہیں؟ فرمایا کہ دو عظیم پہاڑوں کے برابر۔'' (٥)

446- نماز جنازہ کے بعد اجتماعی دعا

(ابن بازؒ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین سے ایسا کچھ ثابت نہیں۔ (٦)

(سعودی مجلس افتاء) انہوں نے اسی کے مطابق فتوی دیتے ہوئے اس دعا کو بدعت کہا ہے۔ (۷)

---

(۱) [بخاری (٦٣) ابن ماجة (۱/٤٨٧) أحمد (٦/٤٠٨) بيهقی (٤/٧٧)]۔

(۲) [**ضعیف**: ضعيف أبو داود (٦٩٥) كتاب الجنائز: باب في الصفوف على الجنازة' ضعيف الجامع (٥٢٢٠) أبو داود (٣١٦٦) ترمذی (١٠٢٨) ابن ماجة (١٤٩٠) شیخ البانیؒ نے اسے موقوفاً حسن قرار دیا ہے۔ شیخ صبحی حلاق نے اسے ضعیف کہا ہے۔[التعليق على السيل الجرار (۱/۷۱۱)]

(۳) [مسلم (٩٤٧) كتاب الجنائز: باب من صلى عليه مائة شفعوا فيه' نسائی (٤/٧٥) ترمذی (١٠٢٩)]

(٤) [مسلم (٩٤٨) أيضا' أبو داود (٣١٧٠) ابن ماجة (١٤٨٩) أحمد (١/٢٧٧)]

(٥) [بخاری (١٣٢٥) كتاب الجنائز: باب من انتظر حتى تدفن' مسلم (٩٤٥) نسائی (٧٦٣٤) أحمد (٢/٤٠١)]

(٦) [الفتاوى الإسلامية (٢/٣٠)]

(۷) [الفتاوى الإسلامية (٢/١٦)]

پانچویں فصل

جنازے کے ساتھ چلنا

جنازے کو لے کر جلدی چلنا چاہیے۔ ❶	وَيَكُونُ الْمَشْيُ بِالْجَنَازَةِ سَرِيعًا

❶ (1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿أسرعوا بالجنازة﴾ ''جنازہ لے جانے میں جلدی کرو'' اس لیے کہ اگر مرنے والا نیک شخص ہے تو تم اس کو بھلائی کی طرف نزدیک کر رہے ہو اور اگر اس کے سوا (برا) ہے تو ایک شر ہے جسے تم اپنی گردنوں سے اتارتے ہو۔(۱)

(2) حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ﴿ونحن مع رسول الله نرمل رملا﴾ ''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (جنازہ لے کر) دوڑا کرتے تھے۔''(۲)

(3) حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے وصیت کرتے ہوئے کہا کہ ﴿إذا انطلقتم بجنازتي فأسرعوا في المشي﴾ ''جب تم میرا جنازہ لے کر چلو گے تو تیز رفتار سے چلنا۔''(۳)

(4) حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی جس روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ دیکھا جسے لوگ تیزی سے لے جا رہے تھے تو فرمایا ﴿لتكن عليكم السكينة﴾ ''تم پر اطمینان و سکون ہونا چاہیے۔'' وہ ضعیف ہے۔(٤)

(5) اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی جس روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنازے کے ساتھ چلنے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں کہا ﴿مادون الخبب﴾ ''ایسی چال جو دوڑ سے کم ہو۔'' وہ بھی ضعیف ہے۔(٥)

(جمہور) جنازہ جلدی لے جانا مستحب ہے۔(٦)

(ابن حجرؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(۷)

---

(۱) [بخاری (۱۳۱۵) کتاب الجنائز : باب السرعة بالجنازة' مسلم (٩٤٤) أبو داود (۳۱۸۱) ترمذی (۱۰۱۵) نسائی (٤٢/٤) ابن ماجة (۱٤٧٧) أحمد (۲٤٠/۲)]

(۲) [**صحیح** : صحیح أبو داود (۲۷۲٥) کتاب الجنائز : باب الإسراع بالجنازة' أبو داود (۳۱۸۲) أحمد (۳٦/٥) نسائی (٤٢/٤) حاکم (۳٥٥/۱)]

(۳) [بیهقی (۲۲/٤)]

(٤) [**ضعیف** : ضعیف ابن ماجة (۳۲۲) کتاب الجنائز : باب ما جاء في شهود الجنائز' ابن ماجة (۱٤٧٩) أحمد (٤٠٣/٤) بیهقی (۲۲۹٤)] حافظ بوصیریؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[مصباح الزجاجة (٤٨١/١)]

(٥) [**ضعیف** : ضعیف أبو داود (٦٩٨) کتاب الجنائز : باب الإسراع بالجنازة' ضعیف ترمذی (۱٦٩) المشكاة (۱٦٦٩) ترمذی (۱۰۱۱) ابن ماجة (۱٤٨٤) أبو داود (۳۱۸٤) بیهقی (۲۲/٤) أحمد (٤٣٢/١)]

(٦) [الروضة الندية (٤٢٨/١)]

(۷) [فتح الباري (٥٣٩/٣)]

(نوویؒ) علماء کا اتفاق ہے کہ جنازہ جلدی لے جانا مستحب ہے اِلا کہ میت کو کسی نقصان کا اندیشہ ہو۔(۱)

(ابن حزمؒ) جنازہ جلدی لے جانا واجب ہے۔(۲)

(البانیؒ) وجوب ہی راجح ہے۔(۳)

وَالْمَشْیُ مَعَهَا وَالْحَمْلُ لَهَا سُنَّةٌ	اس کے ساتھ چلنا اور اسے کندھا دینا سنت ہے۔ ❶

❶ (1) حدیث نبوی ہے کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے ﴿وإذا مات فاتبعه﴾ ”اور جب وفات پا جائے تو اس کے جنازے میں شرکت کرو۔“(٤)

(2) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿عودوا المريض واتبعوا الجنائز تذكركم الآخرة﴾ ”بیمار کی عیادت کرو اور جنازوں میں شرکت کرو وہ تمہیں آخرت یاد دلائیں گے۔“(٥)

(امیر صنعانیؒ) پہلی حدیث کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمان (معروف ہو یا غیر معروف) کے جنازے میں شرکت کرنا واجب ہے۔(٦)

(البانیؒ) جنازے کو کندھا دینا اور اس کے پیچھے چلنا واجب ہے۔(۷)

(3) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿من اتبع جنازة فليحمل بجوانب السرير كلها﴾ ”جو شخص جنازے میں شرکت کرے وہ (میت کی) چارپائی کے تمام اطراف کو کندھا دے۔“(۸)

(4) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿من حمل الجنازة بجوانبها الأربعة فقد قضى الذى عليه﴾ ”جس شخص نے جنازے کے چاروں اطراف کو کندھا دیا اس نے اپنا فرض ادا کر دیا۔“(۹)

اس مسئلے میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے کہ چارپائی کی تمام جوانب کو کندھا دینا چاہیے یا کہ کسی ایک جانب کو کندھا دینا ہی کافی ہے۔ ہمارے علم کے مطابق کسی صحیح حدیث سے جنازے کو کندھا دینے کا وجوب ثابت نہیں ہوتا لہٰذا یہ بھی ضروری نہیں کہ چاروں اطراف کو کندھا دیا جائے۔ (واللہ اعلم)(۱۰)

---

(۱) [المجموع (٢٧١/٥)]

(۲) [المحلى (١٥٤/٥)]

(۳) [أحكام الجنائز (ص/٩٤)]

(٤) [مسلم (٢١٦٢) كتاب السلام : باب من حق المسلم للمسلم رد السلام]

(٥) [حسن : أحكام الجنائز (ص/٨٧) ابن أبي شيبة (٧٣/٤) بخارى فى الأدب المفرد (ص/٧٥) أحمد (٢٧/٣) شرح السنة (١٦٦/١)]

(٦) [سبل السلام (١٩٧٥/٤)]

(٧) [أحكام الجنائز (ص/٨٦)]

(٨) [ضعيف : ضعيف ابن ماجة (١٤٧٨) أبو داود طيالسى (٤٤) بيهقى (١٦/٤) اس کی سند منقطع ہے۔]

(٩) [عبدالرزاق (٥١٢/٣)، (٦٥/٨)]

(١٠) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الأم (٤٥٠/١) الحاوى (٣٩/٣) المبسوط (٥٦/٢) بدائع الصنائع (٣٠٩٣١) الهداية (٩٣/١) حاشية الدسوقى (٤٢١/١) المغنى (٤٠٣/٣)]

وَالْمُتَقَدِّمُ عَلَيْهَا وَالْمُتَأَخِّرُ عَنْهَا سَوَاءٌ	جنازے کے آگے اور پیچھے چلنے میں کوئی حرج نہیں۔ ❶

❶ (1) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن رسول الله وأبا بكر وعمر كانوا يمشون أمام الجنازة وخلفها﴾ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما (بعض اوقات) جنازے کے آگے اور (بعض اوقات) پیچھے چلا کرتے تھے۔“ (۱)

(2) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿والماشي يمشي خلفها وأمامها وعن يمينها وعن يسارها قريبا منها﴾ ”پیدل چلنے والا جنازے سے پیچھے، اس سے آگے، اس کے دائیں اور اس کے بائیں، اس کے قریب ہو کر چل سکتا ہے۔“ (۲)

(3) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ﴿يمشون أمام الجنازة﴾ ”وہ جنازے کے آگے چل رہے ہیں۔“ (۳)

○ اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ جنازے سے پیچھے چلنا افضل ہے یا آگے۔

(جمہور، احمدؒ، مالکؒ، شافعیؒ) جنازے کے سامنے چلنا افضل ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اسی کے قائل ہیں۔

(ابو حنیفہؒ) جنازے سے پیچھے چلنا افضل ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہی موقف رکھتے ہیں۔ (٤)

(ابن حزمؒ) پیدل چلنے والا جہاں چاہے چلے لیکن ہمارے نزدیک پسندیدہ پیچھے چلنا ہی ہے۔ (٥)

(صدیق حسن خانؒ) آگے چلنا اور پیچھے چلنا افضلیت میں برابر ہے۔ (٦)

(شاہ ولی اللہؒ) اسی کے قائل ہیں۔ (٧)

(شوکانیؒ) سوار جنازے سے پیچھے اور پیدل چلنے والا آگے چلے۔ (٨)

(البانیؒ) پیچھے چلنا افضل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿واتبعوا الجنائز﴾ ”جنازوں کے پیچھے چلو۔“ (٩)

---

(۱) [صحيح: أحكام الجنائز (ص/٩٥) ابن ماجة (١٤٨٣) كتاب ما جاء في الجنائز: باب ما جاء في المشي أمام الجنازة]

(۲) [صحيح: صحيح أبو داود (٢٧٢٣) كتاب الجنائز: باب المشي أمام الجنازة، ابن ماجة (١٤٨١، ١٥٠٧) أبو داود (٣١٨٠) أحمد (٢٤٧/٤) نسائي (٥٨/٤) ابن حبان (٧٦٩) حاكم (٣٥٥/١)]

(۳) [صحيح: صحيح أبو داود (٢٧٢٢) كتاب الجنائز: باب المشي أمام الجنازة، أبو داود (٣١٧٩) ترمذي (١٠٠٧) نسائي (٥٦/٤) ابن ماجة (١٤٨٢) شرح معاني الآثار (٤٧٩/١) دارقطني (٧٠/٢) بيهقي (٢٣/٤) ابن أبي شيبة (٢٧٧/٣) أحمد (٨/٢)]

(٤) [الحاوي (٤١/٣) الأم (٤٥٥/١) بدائع الصنائع (٣٠٩/١) المبسوط (٥٦/٢) الهداية (٩٣/١) الاختيار (٩٦/١) حاشية الدسوقي (٤٢١/١) المغني (٣٩٧/٣) نيل الأوطار (١٨/٣)]

(٥) [المحلى بالآثار (٣٩٣/٣)]

(٦) [الروضة الندية (٤٣٢/١)]

(٧) [حجة الله البالغة (٣٧/٢)]

(٨) [نيل الأوطار (١٨/٣)]

(٩) [أحكام الجنائز (ص/٩٦)]

وَيُكْرَهُ الرُّكُوبُ	(جنازے کے ساتھ) سوار ہو کر جانا مکروہ ہے۔ ❶

❶ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک جانور لایا گیا جبکہ آپ ﷺ جنازے کے ساتھ تھے ﴿فأبى أن يركبها فلما انصرف أتي بدابة فركب﴾ ”تو آپ ﷺ نے اس پر سوار ہونے سے انکار کر دیا لیکن جب آپ جنازے سے واپس ہوئے اور آپ کے پاس ایک جانور لایا گیا تو آپ سوار ہو گئے۔“ جب آپ سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا ﴿إن الملئكة كانت تمشي فلم أكن لأركب وهم يمشون فلما ذهبوا ركبت﴾ ”بے شک فرشتے (جنازے کے ساتھ) چل رہے تھے تو میں ایسا نہ کر سکا کہ سوار ہو جاتا اور وہ چل رہے ہوتے لیکن جب وہ چلے گئے تو میں سوار ہو گیا۔“ (۱)

(2) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ حضرت ابن وحداح رضی اللہ عنہ کے جنازے میں جاتے ہوئے پیدل گئے اور واپسی پر سوار ہو کر لوٹے۔ (۲)

(3) جس روایت میں یہ لفظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿ألا تستحيون أن ملائكة الله يمشون على أقدامهم وأنتم ركبان؟﴾ ”کیا تمہیں اس بات سے حیا نہیں آتی کہ اللہ کے فرشتے تو اپنے قدموں پر چل رہے ہوں اور تم سوار ہو؟“ وہ ضعیف ہے۔ (۳)

یاد رہے کہ کراہت کے ساتھ جواز بہر حال موجود ہے جیسا کہ پیچھے روایت میں گزرا ہے کہ ﴿الراكب يسير خلف الجنازة﴾ ”سوار جنازے کے پیچھے چلے۔“ (٤)

(البانیؒ) سوار ہونا جائز ہے بشرطیکہ جنازے کے پیچھے چلے۔ (٥)

447- گاڑی پر جنازہ لے کر جانا

اور لوگ بھی پیچھے گاڑیوں پر ہی چلیں تو یہ عمل چند وجوہ کی بنا پر ناجائز ہے۔

(1) یہ کفار کی عادات میں سے ہے۔

(2) یہ عبادت میں بدعت ہے۔

(3) اس سے جنازے کا مقصد فوت ہو جاتا ہے یعنی اسے کندھا دینا اور اس کے پیچھے چلنا (کہ جس سے آخرت یاد آتی ہے)۔

(4) اس عمل سے جنازے میں کم افراد شریک ہوں گے کیونکہ ہر شخص کرائے پر گاڑی نہیں لے سکتا۔

(5) یہ صورت قریب و بعید ہر طرح سے شریعت کے موافق نہیں۔ (٦)

---

(۱) [صحيح : صحيح أبو داود (۲۷۲۰) كتاب الجنائز : باب الركوب في الجنازة ' أبو داود (۳۱۷۷)]

(۲) [صحيح : صحيح أبو داود (۲۷۲۱) كتاب الجنائز : باب الركوب في الجنازة ' أبو داود (۳۱۷۸) مسلم (۹٦٥) ترمذی (۱۰۱۳) أحمد (۹۰/٥) نسائی (٨٥/٤)]

(۳) [ضعيف : ضعيف ابن ماجة (۳۲۳) كتاب الجنائز : باب ما جاء في شهود الجنائز ' ابن ماجة (۱٤۸۰) ترمذی (۱۰۱۲)]

(٤) [صحيح : صحيح أبو داود (۲۷۲۳) كتاب الجنائز : باب المشي أمام الجنازة ' أبو داود (۳۱۸۰)]

(٥) [أحكام الجنائز (ص/۹٦)]

(٦) [أحكام الجنائز للألباني (ص/۹۹-۱۰۰)]

وَيَحْرُمُ النَّعْيُ وَالنِّيَاحَةُ	موت کا اعلان کرنا ❶ اور نوحہ کرنا حرام ہے۔ ❷

❶ ''النعی'' سے مراد موت کی اطلاع دینا یا اعلان کرنا ہے۔(۱)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن النبی ﷺ کان ینهی عن النعی﴾ ''نبی ﷺ موت کے لیے (کھلے عام) اعلان کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔''(۲)

واضح رہے کہ جس نعی سے شریعت نے منع کیا ہے وہ اہل جاہلیت کا طریقہ ہے' جس کی صورت یہ تھی کہ لوگ موت کی اطلاع دینے والوں کو بھیجتے جو گھروں کے دروازوں اور بازاروں میں اعلان کرتے (اس میں نوحہ ہوتا اور اس کے ساتھ میت کے افعال حمیدہ کا بیان ہوتا) جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے یہی تفصیل بیان کی ہے۔(۳)

علاوہ ازیں محض کسی کی وفات کی اطلاع دینا مباح و درست ہے اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) نبی ﷺ نے نجاشی کی وفات کی اطلاع دی۔(٤)

(2) نبی ﷺ نے مسجد میں جھاڑو دینے والی خاتون کے متعلق فرمایا ﴿أفلا کنتم آذنتمونی﴾ ''تم نے مجھے اطلاع کیوں نہ دی۔''(٥)

(3) نبی ﷺ نے جنگ موتہ میں شہید ہونے والے تین افراد کی اطلاع دی۔(٦)

(ابن عربیؒ) احادیث کے مجموعے سے تین حالتیں اخذ کی جا سکتی ہیں:

① گھر والوں' ساتھیوں اور اہل اصلاح کو اطلاع دینا سنت ہے۔

② مفاخرت (تکبر و ریاء) کے لیے بڑی جماعت کو دعوت دینا مکروہ ہے۔

③ ایسی اطلاع جس میں نوحہ یا اسکی مثل کوئی کام ہو حرام ہے۔(۷)

(البانیؒ) جاہلیت کے طریقے کے مشابہ نہ ہو تو وفات کی اطلاع دینا جائز ہے۔(۸)

❷ نوحہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ مرنے والے کے اوصاف و شمائل کو گن گن کر بلند آواز سے بیان کرنا اور رونا پیٹنا اور اچھے اور عمدہ کارناموں کو یاد کر کے چیخ و پکار کرنا۔(۹)

(1) حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿أخذ علینا رسول الله أن لا ننوح﴾ ''رسول اللہ ﷺ نے بیعت کے

---

(۱) [القاموس المحیط (ص/۱۷۲٦) النهایة لابن الأثیر (٥/٨٥-٨٦)]

(۲) [حسن : صحیح ترمذی (۷۸٦) کتاب الجنائز: باب ما جآء فی کراهیة النعی' ترمذی (۹۸٦) أحمد (٥/٤٠٦) ابن ماجة (۱٤۷٦) بیهقی (٤/٧٤) ابن أبی شیبة (۳/۲۷٤)]

(۳) [فتح الباری (۳/٤٥۳)]

(٤) [بخاری (۱۳۳۳) کتاب الجنائز: باب التکبیر علی الجنازة أربعا' مسلم (۹٥۱)]

(٥) [بخاری (۱۳۳۷) کتاب الجنائز : باب الصلاة علی القبر بعد ما یدفن]

(٦) [بخاری (٤۲٦۲) کتاب المغازی : باب غزوة مؤته من أرض الشام]

(۷) [عارضة الأحوذی (٤/٢٠٦)]

(۸) [أحکام الجنائز (ص/٤٥)]

(۹) [سبل السلام (۲/۷۷٦)]

موقع پر ہم سے یہ عہد لیا تھا کہ ہم نوحہ نہیں کریں گی۔'' (۱)

(2) حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں اس سے بری ہوں جس سے رسول اللہ ﷺ بری ہیں ﴿فإن رسول الله بریئ من الصالقة والحالقة والشاقة﴾ ''اور بے شک رسول اللہ ﷺ مصیبت کے وقت اونچی آواز نکالنے والی' پریشانی کے وقت اپنے سر کے بال منڈوانے والی اور آفت کے وقت اپنے کپڑے پھاڑنے والی عورت سے بری ہیں۔'' (۲)

صالقہ' حالقہ اور شاقہ کا ترجمہ امام ابن اثیرؒ کی کتاب جامع الأصول سے لیا گیا ہے۔ (۳)

(3) حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ ﴿النائحة إذا لم تتب قبل موتها تقام یوم القیمة وعلیها سربال من قطران ودرع من جرب﴾ ''نوحہ کرنے والی عورت اگر اپنی موت سے پہلے توبہ نہیں کرے گی تو روز قیامت اس حال میں اٹھائی جائے گی کہ اس پر گندھک کا کُرتا اور خارش کی قمیض ہوگی۔'' (٤)

448- میت پر رونے کی جائز صورت

میت پر رونا اس صورت میں جائز ہے کہ جب اس میں نوحہ کی کوئی آمیزش نہ ہو۔

(البانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔ (٥)

(1) نبی ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی پھوپھی فاطمہ سے ان کے (یعنی جابر رضی اللہ عنہ کے) والد کے متعلق کہا کہ ﴿تبکین أو لا تبکین﴾ ''آپ روئیں یا نہ روئیں۔'' فرشتوں نے تو اس پر اپنے پروں سے سایہ کیا ہوا تھا تا وقتیکہ آپ نے اسے اٹھا لیا۔ (٦)

(2) حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے جب اپنی ایک بیٹی کے بچے کو موت و حیات کی کشمکش میں دیکھا تو آپ ﷺ کی آنکھیں بہہ پڑیں۔ پھر سعد رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے اس (رونے) کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿هذه رحمة جعلها الله في قلوب عباده وإنما یرحم الله من عباده الرحماء﴾ ''یہ رحمت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا کیا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے ان پر ہی رحم فرماتے ہیں جو لوگ خود رحم کرنے والے ہیں۔'' (٧)

(3) رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو حالت مرض میں (بے ہوش پڑے) دیکھا تو آپ ﷺ رو پڑے۔ (٨)

(4) نبی ﷺ اپنی صاحبزادی کی تدفین کے موقع پر رو پڑے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ﴿فرأیت عینیه

---

(۱) [بخاری (۱۳۰۶) کتاب الجنائز : باب ما ینهی من النوح والبکاء والزجر علی ذلك' مسلم (۹۳٦) أبو داود (۳۱۲۷)]

(۲) [مسلم (۱۰٤) کتاب الإیمان : باب تحریم ضرب الخدود...... بخاری (۱۲۹٦) أبو داود (۳۱۳۰) نسائی (۲۰/٤)]

(۳) [جامع الأصول (۱۰٤/۱۱)]

(٤) [مسلم (۹۳٤) کتاب الجنائز : باب التشدید فی النیاحة' أحمد (۳٤۲/٥)]

(٥) [أحکام الجنائز (ص/۳۱)]

(٦) [بخاری (۱۲٤٤) کتاب الجنائز: باب الدخول علی المیت بعد الموت' مسلم (۲٤۷۱)]

(٧) [بخاری (۱۲۸٤) کتاب الجنائز : باب قول النبی یعذب المیت ببعض بکاء أهله علیه' مسلم (۹۲۳) أحمد (۲۰٤/٥) أبو داود (۳۱٥۲) ابن ماجة (۱٥۸۸)]

(٨) [بخاری (۱۳۰٤) کتاب الجنائز : البکاء عند المریض]

تدمعان﴾ ''میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں کو آنسو بہاتے ہوئے دیکھا۔'' (۱)

(5) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر روئے۔(۲)

(6) حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں روئے۔(۳)

ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ میت پر رونا جائز ہے تاہم بعض روایات میں یہ ذکر ہے کہ رونے کی وجہ سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے جیسا کہ چند حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من نیح علیه یعذب بما نیح علیه﴾ ''جس پر نوحہ کیا گیا اسے نوحہ کرنے والوں کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا۔'' (٤)

(2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إن المیت لیعذب ببکاء أهله علیه﴾ ''بیشک میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔'' (٥)

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں ﴿ببعض بکاء أهله علیه﴾ ''میت پر اس کے گھر والوں کے کچھ رونے سے عذاب ہوتا ہے۔'' (٦)

ان احادیث میں یہ اشکال واعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى﴾ ''کوئی کسی کے گناہ کا بوجھ اٹھانے والا نہیں۔'' جبکہ ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی دوسرے کے رونے سے میت عذاب میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ علمائے کرام نے اس اشکال کو مختلف طریقوں سے حل کیا ہے مثلاً اگر مرنے والا خود نوحہ کرتا ہو اور گھر والوں کو اس سے نہ روکتا ہو بلکہ اسے برقرار رکھتا ہو یا اپنی میت پر نوحہ کرنے کی وصیت کر کے گیا ہو تب اسے عذاب ہوگا ورنہ نہیں۔(۷)

وَاتِّبَاعُهَا بِنَارٍ وَشَقُّ الْجَيْبِ وَالدُّعَاءُ بِالْوَيْلِ وَالثُّبُورِ	جنازے کے ساتھ آگ لے کر جانا ❶ گریبان پھاڑنا اور ہلاکت و بربادی کی دعا کرنا ❷ حرام ہے۔

❶ حدیث نبوی ہے کہ ﴿لا تُتْبَعُ الْجَنَازَةُ بِصَوْتٍ وَلَا نَارٍ﴾ ''آواز اور آگ کے ساتھ جنازے میں شرکت نہ کی جائے۔'' (۸) شیخ البانیؒ بیان کرتے ہیں کہ اگرچہ اس کی سند میں کچھ ضعف ہے لیکن مرفوع اور بعض موقوف شواہد کی بنا پر مضبوط ہو جاتی ہے۔(۹)

---

(۱) [بخاری (۱۲۸٥) کتاب الجنائز : باب قول النبی یعذب المیت ببعض بکاء أهله علیه]
(۲) [بخاری (۸۹/۳) نسائی (۲٦۰/۱) بیهقی (٤۰٦/۳) ابن حبان (۲۱٥٥)]
(۳) [أحمد (۱٤۱/٦)]
(٤) [بخاری (۱۲۹۱) کتاب الجنائز: باب ما یکره من النیاحة علی المیت ' مسلم (۹۳۳)]
(٥) [بخاری (۱۲۸٦) کتاب الجنائز : باب قول النبی یعذب المیت ببعض بکاء أهله علیه ' مسلم (۹۲۸) عبدالرزاق (٦٦۷٥) مسند شافعی (۱۸/٤) ابن حبان (۳۱۳٦) بیهقی (۷۳/٤) نسائی (۱۸/٤) شرح السنة (۲۹۰/۳)]
(٦) [بخاری (۱۲۸۷) مسلم (۹۲۷) ترمذی (۱۰۰۲)]
(۷) [تفصیل کے لیے دیکھیے : فتح الباری (٥۰۰/۳) نیل الأوطار (٥٤/۳) معالم السنن (۳۰۳/۱)]
(۸) [أبو داود (٦٤/۲) أحمد (٤۲۷/۲)]
(۹) [أحکام الجنائز (ص/۹۱)]

(1) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أنه نهى أن يتبع الميت صوت أو نار﴾ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ آواز یا آگ میت کے پیچھے آئے۔''(۱)

(2) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنی وصیت میں لکھا کہ ﴿فإذا أنا مت فلا تصحبني نائحة ولا نار﴾ ''جب مجھے موت آئے تو نہ کوئی نوحہ کرنے والی میرے ساتھ ہو اور نہ آگ۔''(۲)

(3) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت کہا ﴿ولا تتبعوني بمجمر﴾ ''آگ لے کر میرے پیچھے نہ آنا۔''(۳)

(البانیؒ) انہوں نے میت کے پیچھے آگ لے کر جانا (جیسا کہ یہ اہل جاہلیت کا فعل تھا) بدعات میں شمار کیا ہے۔(٤)

❷ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ليس منا من ضرب الخدود وشق الجيوب ودعا بدعوى الجاهلية﴾ ''جو (خواتین) چہروں کو پیٹیں' گریبان چاک کریں اور جاہلیت کی باتیں بکیں وہ ہم میں سے نہیں۔''(٥)

وَلَا يَقْعُدُ الْمُتَّبِعُ لَهَا حَتّٰى تُوضَعَ	جنازے کے ساتھ جانے والا اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک جنازہ رکھ نہ دیا جائے۔ ❶

❶ (1) حدیث نبوی ہے کہ ﴿فمن تبعها فلا يجلس حتى توضع﴾ ''جو جنازے میں شرکت کرے وہ اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک کہ جنازہ رکھ نہ دیا جائے۔''(٦)

(2) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا تبعتم الجنازة فلا تجلسوا حتى توضع﴾ ''جب تم جنازے کے پیچھے چلو تو اس وقت تک نہ بیٹھو جب تک کہ اسے رکھ نہ دیا جائے۔''(٧)

(3) حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿ما رأينا رسول الله شهد جنازة قط فجلس حتى توضع﴾ ''ہم نے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ آپ کسی جنازے میں شریک ہوں اور جنازہ رکھے جانے سے پہلے بیٹھ گئے ہوں۔''(٨)

ان تمام احادیث کا حکم منسوخ ہو چکا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل روایات اس پر شاہد ہیں:

(1) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک جنازے کو لحد میں نہ رکھ دیا جاتا پھر ایک یہودیوں کا عالم گزرا اور

(۱) [أبو يعلى (٢٦٢٧)]
(۲) [مسلم (١/٧٨) أحمد (٤/١٩٩)]
(۳) [قال الألباني رواه أحمد بسند صحيح : أحكام الجنائز (ص/٩٢)]
(٤) [أحكام الجنائز (ص/٣١٥)]
(٥) [بخاری (١٢٩٤) كتاب الجنائز : باب ليس منا من شق الجيوب ' مسلم (١٠٣) ترمذی (٩٩٩) ابن ماجة (١٥٨٤) نسائی (٤/٢٠) أحمد (١/٤٣٢) أبو يعلى (٥٢٠١) بيهقی (٤/٦٤) شرح السنة (٣/٢٨٨)]
(٦) [بخاری (١٣١٠) كتاب الجنائز : باب من تبع جنازة فلا يقعد حتى توضع عن مناكب ' مسلم (٩٥٩) ترمذی (١٠٤٣) نسائی (٤/٤٤) أحمد (٣/٤١)]
(٧) [صحيح : صحيح أبو داود (٢٧/٦) كتاب الجنائز : باب القيام للجنازة ' أبو داود (٣١٧٣)]
(٨) [صحيح : صحيح نسائی (١٨٠٩) كتاب الجنائز : باب الأمر بالقيام للجنازة ' نسائی (١٩١٨)]

اس نے کہا اس طرح تو ہم کرتے ہیں ﴿فجلس النبی ﷺ وقال اجلسوا خالفوهم﴾ "تب آپ ﷺ نے بیٹھنا شروع کر دیا اور فرمایا تم بھی بیٹھا کرو اور ان کی مخالفت کرو۔" (۱)

(2) اسماعیل بن مسعود بن حکم زرقی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا' میں عراق میں ایک جنازے پر حاضر ہوا تو میں نے کچھ آدمیوں کو کھڑے ہو کر جنازہ رکھے جانے کا منتظر دیکھا' پھر میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دیکھا ﴿أن اجلسوا فإن النبی ﷺ قد أمرنا بالجلوس بعد القیام﴾ "کہ تم بیٹھ جاؤ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں کھڑے ہونے (کا حکم دینے) کے بعد بیٹھنے کا حکم دیا تھا۔" (۲)

(3) ایک روایت میں ہے کہ ﴿قام رسول الله ﷺ مع الجنائز حتی توضع وقام الناس معه ثم قعد بعد ذلك وأمرهم بالقعود﴾ "جنازوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کھڑے رہتے جب تک کہ انہیں رکھ نہ دیا جاتا اور آپ ﷺ کے ساتھ لوگ بھی کھڑے رہتے پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے بیٹھنا شروع کر دیا اور لوگوں کو بھی بیٹھنے کا ہی حکم دے دیا۔" (۳)

وَالْقِيَامُ لَهَا مَنْسُوخٌ	جنازے کے لیے کھڑا ہونا منسوخ ہے۔ ❶

❶ مراد یہ ہے کہ جنازہ گزرے تو اسے دیکھ کر اپنی جگہ پر کھڑے ہو جانا۔ پہلے یہی حکم تھا جیسا کہ دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿إذا رأیتم الجنازة فقوموا......﴾ "جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ......" (٤)

(2) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارے قریب سے ایک جنازہ گزرا تو نبی ﷺ اس کے لیے کھڑے ہو گئے لہذا ہم بھی کھڑے ہو گئے۔ پھر ہم نے کہا اے اللہ کے رسول! یقیناً یہ ایک یہودی کا جنازہ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿إذا رأیتم الجنازة فقوموا لها﴾ "جب تم کوئی جنازہ دیکھو تو اس کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔" (٥)

(3) حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿إذا رأیتم الجنازة فقوموا لها حتی تخلفکم أو توضع﴾ "جب تم جنازہ دیکھو تو اس کے لیے اس وقت تک کھڑے رہو جب تک کہ وہ تمہیں پیچھے نہ چھوڑ جائے یا رکھ نہ دیا جائے۔" (٦)

(البانیؒ) یہ قیام بھی منسوخ ہو چکا ہے۔ (۷)

(مالکؒ، ابو حنیفہؒ، شافعیؒ) اسی کے قائل ہیں۔ (۸)

---

(۱) [**حسن** : صحیح أبو داود (۲۷۱۹) کتاب الجنائز : باب القیام للجنازة' أبو داود (۳۱۷٦) ترمذی (۱۰۲۰) ابن ماجة (۱۵٤٥)]

(۲) [قال الألبانی أخرجه الطحاوی (۲۸۲/۱) بسند حسن : أحکام الجنائز (ص/۱۰۱)]

(۳) [بیهقی (۲۷/٤) أحکام الجنائز للألبانی (ص/۱۰۱)]

(٤) [بخاری (۱۳۱۰) کتاب الجنائز : باب من تبع جنازة فلا یقعد حتی توضع......]

(٥) [بخاری (۱۳۱۱) کتاب الجنائز : باب من قام لجنازة یهودی' مسلم (۹٦۰) أحمد (۳۱۹/۳) أبو داود (۳۱۷٤)]

(٦) [بخاری (۱۳۰۷) کتاب الجنائز : باب القیام للجنازة' مسلم (۹۵۸) أبو داود (۳۱۷۲) ترمذی (۱۰٤۲) نسائی (٤٤/٤) ابن ماجة (۱۵٤۲) شرح معانی الآثار (٤۸٦/۱) بیهقی (۲٥/٤) أحمد (٤٤٥/۳)]

(۷) [أحکام الجنائز (ص/۱۰۰)]

(۸) [نیل الأوطار (۲۳/۳)]

نسخ کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كان رسول الله ﷺ أمرنا بالقيام في الجنازة ثم جلس بعد ذلك وأمرنا بالجلوس﴾ ”رسول اللہ ﷺ نے جنازے میں ہمیں کھڑے ہونے کا حکم دیا پھر اس کے بعد آپ ﷺ بیٹھنے لگے اور ہمیں بھی بیٹھنے کا حکم دے دیا۔“(۱)

(2) حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قریب سے ایک جنازہ گزرا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کھڑے نہ ہوئے۔ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا اس کے لیے رسول اللہ ﷺ کھڑے نہیں ہوئے؟ تو انہوں نے کہا ﴿قام وقعد﴾ ”کھڑے ہوئے اور بیٹھ گئے۔“(۲)

بعض علماء ان احادیث کو ناسخ نہیں بلکہ جواز کے لیے دلیل قرار دیتے ہیں یعنی کھڑا ہونا ہی بہتر ہے لیکن ان احادیث کی وجہ سے اگر کوئی بیٹھ جائے تو یہ بھی جائز ہے۔

(ابن حزمؒ، نوویؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۳)

متفرقات

449- میت اٹھانے والے کے لیے وضوء مستحب ہے

حدیث نبوی ہے کہ ﴿من غسّل ميتا فليغتسل ومن حمله فليتوضا﴾ ”جو میت کو غسل دے اسے غسل کرنا چاہیے اور جو اسے اٹھائے اسے وضوء کرنا چاہیے۔“(٤)

450- جنازے کے ساتھ چلتے ہوئے اونچی آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے

شیخ البانیؒ سمیت متعدد علماء نے اس عمل کو بدعت قرار دیا ہے۔(٥)

حضرت قیس بن عباد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كان أصحاب النبي يكرهون رفع الصوت عند الجنائز﴾ ”نبی ﷺ کے صحابہ جنازوں کے قریب اونچی آواز کو ناپسند فرماتے تھے۔“(٦)

(نوویؒ) مناسب، پسندیدہ اور جس عمل پر سلف ہیں وہ جنازے کے ساتھ چلتے ہوئے خاموشی ہی ہے لہذا قراءت، ذکر یا اس کے علاوہ کوئی آواز بھی بلند نہ کی جائے۔(۷)

---

(۱) [**صحيح**: صحيح أبو داود (۲۸۱۸) أحمد (۸۲/۱) مؤطا (۲۳۲/۱) أبو داود (۳۱۷۵) ابن ماجة (۱۵٤٤)]

(۲) [**صحيح**: صحيح نسائي (۱۸۱٦) كتاب الجنائز: باب الرخصة في ترك القيام، أحمد (۲۰۰/۱) نسائي (۱۹۲۵)]

(۳) [نيل الأوطار (۲۳/۳) شرح مسلم (۳٤/٤)]

(٤) [**صحيح**: صحيح أبو داود (۲۷۰۷) كتاب الجنائز: باب الغسل من غسل الميت، أبو داود (۳۱٦۱)]

(٥) [أحكام الجنائز (ص/۳۱٤) الإبداع (ص/۱۱۰) اقتضاء الصراط المستقيم (ص/۵۷) الإعتصام (۳۷۲/۱)]

(٦) [بيهقي (۷٤/٤)]

(۷) [الأذكار (۲۸۳/٤ـ مع الفتوحات الربانية)]

چھٹی فصل

میت کی تدفین

وَيَجِبُ دَفْنُ الْمَيِّتِ فِي حُفْرَةٍ تَمْنَعُهُ مِنَ السِّبَاعِ	میت کو ایسے گھڑے میں دفن کرنا واجب ہے جو اسے درندوں سے بچا سکے۔ ❶

❶ حضرت ہشام بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿احفروا و أعمقوا و أحسنوا﴾ ”گھڑا کھودو، گہرا کرو اور اچھی قبر بناؤ۔“(۱)

(صدیق حسن خانؒ) اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں اور یہ شریعت میں ضروری طور پر ثابت ہے۔(۲)

(البانیؒ) قبر کو گہرا، وسیع اور عمدہ کھودنا واجب ہے۔(۳)

451- ایک قبر میں ایک سے زائد افراد کی تدفین

(البانیؒ) حسب ضرورت ایک قبر میں ایک سے زیادہ افراد کو بھی دفن کیا جا سکتا ہے۔(٤)

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے اُحد کے متعلق فرمایا تھا ﴿واجعلوا الرجلين و الثلاثة فى القبر﴾ ”ایک قبر میں دو یا تین آدمیوں کو رکھو۔“(٥)

وَلَا بَأْسَ بِالضَّرْحِ وَاللَّحْدُ أَوْلَى	سیدھی قبر میں کوئی حرج نہیں لیکن لحد زیادہ بہتر ہے۔ ❶

❶ لفظ ضرح کا معنی ”پھاڑنا اور میت کے لیے سیدھی قبر بنانا“ ہے اور یہ باب ضَرَحَ يَضْرَحُ (منع) سے مصدر ہے۔ اور ضرح کو ”شق“ بھی کہا جاتا ہے۔(٦)

لفظ ”لحد“ سے مراد ”بغلی قبر کھودنا“ ہے۔ (یعنی قبر کے قبلہ رخ گھڑے کو لحد کہتے ہیں جہاں سے میت کو قبر میں اتارا جاتا ہے) یہ بھی باب لَحَدَ يَلْحَدُ (منع) سے مصدر ہے۔(۷)

(بخاریؒ) فرماتے ہیں کہ بغلی قبر کو ”لحد“ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ ایک کونے میں ہوتی ہے اور اپنی جگہ سے ہٹی ہوئی ہر چیز کو ملحد کہیں

(۱) [صحيح : صحيح أبو داود (۲۷۵٤) كتاب الجنائز : باب فى تعميق القبر' أبو داود (۳۲۱٥) أحمد (۱۹/٤) ترمذى (۱۷۱۳) ابن ماجة (۱٥٦٠)]

(۲) [الروضة الندية (٤۳۹/۱)]

(۳) [أحكام الجنائز (ص/۱۸۱)]

(٤) [أحكام الجنائز (ص/۱۸٤)]

(٥) [صحيح : صحيح أبو داود (۲۷٥٤) كتاب الجنائز : باب فى تعميق القبر' أبو داود (۳۲۱٥)]

(٦) [المنجد (ص/٤۹٦) نيل الأوطار (۲۷/۳)]

(۷) [المنجد (ص/۷۸۲)]

گے اسی سے لفظ "ملتحدا" ہے یعنی پناہ کا کونہ۔ اور اگر قبر سیدھی ہو تو اسے "ضریح" کہتے ہیں۔(۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی ﷺ فوت ہوئے ﴿کان بالمدینۃ رجل یلحد و آخر یضرح﴾ "مدینہ میں ایک آدمی بغلی قبر بناتا تھا اور دوسرا سیدھی قبر بناتا تھا۔" لوگوں نے کہا کہ ہم استخارہ کرتے ہیں اور ان دونوں کی طرف آدمی بھیج دیتے ہیں ان میں سے جو بھی پیچھے رہ گیا ہم اسے چھوڑ دیں گے۔ پھر ان دونوں کی طرف پیغام بھیج دیا گیا تو بغلی قبر بنانے والا پہلے آن پہنچا ﴿فلحدو النبی ﷺ﴾ "لہٰذا انہوں نے نبی ﷺ کے لیے بغلی قبر بنائی۔"(۲)

مدینہ میں دونوں طرح کی قبر بنانے والے آدمی موجود تھے۔ آپ ﷺ کا ان دونوں کو برقرار رکھنا اس بات کا ثبوت ہے کہ دونوں طرح قبر بنانا جائز ہے۔ لیکن مندرجہ ذیل دلائل کی بنا پر معلوم ہوتا ہے کہ لحد زیادہ بہتر ہے۔

(1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿اللحد لنا والشق لغیرنا﴾ "بغلی قبر ہمارے لیے ہے اور سیدھی قبر دوسروں کے لیے ہے۔"(۳)

(2) نبی ﷺ کی قبر لحد بنائی گئی جیسا کہ ابھی حدیث گزری ہے۔

(3) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا ﴿الحدوا لی لحدا......﴾ "میرے لیے بغلی قبر بنانا" اور مجھ پر کچی اینٹیں چننا ﴿کما صنع برسول اللہ﴾ "جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا گیا۔"(٤)

(نوویؒ) لحد اور شق دونوں کے جواز پر علماء کا اجماع ہے۔(٥)

(شوکانیؒ) مذکورہ احادیث اس بات کا ثبوت ہیں کہ لحد ضرح سے زیادہ بہتر ہے۔(٦)

(البانیؒ) لحد افضل ہے۔(٧)

وَيُدْخَلُ الْمَيِّتُ مِنْ مُؤَخِّرِ الْقَبْرِ	میت کو قبر کے پچھلے (یعنی نچلے) حصے سے داخل کیا جائے۔ ❶

❶ (1) حضرت عبد اللہ بن یزید رضی اللہ عنہ نے ایک میت کو قبر کے پاؤں کی جانب سے داخل کیا اور فرمایا ﴿ھذا من السنۃ﴾ "یہ سنت طریقہ ہے۔"(۸)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن النبی ﷺ سلّ من قبل رأسہ سلاً﴾ "نبی ﷺ کو آپ کے سر کی

(۱) [بخاری (قبل الحدیث ۱۳٤۷) کتاب الجنائز : باب من یقدم فی اللحد]

(۲) [حسن : صحیح ابن ماجۃ (۱۲٦٤) کتاب الجنائز : باب ما جاء فی الشق ' ابن ماجۃ (۱۵۵۷) أحمد (۱۳۹/۳)] حافظ بوصیریؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ [مصباح الزجاجۃ (۵۰۷/۱)]

(۳) [صحیح : صحیح أبو داود (۱۲٦۱ ' ۱۲٦۲) أبو داود (۳۲۰۸) ترمذی (۱۰٤۵) نسائی (۸۰/٤) ابن ماجۃ (۱۵۵٤)]

(٤) [أحمد (۱٦۹/۱) مسلم (۹٦٦) کتاب الجنائز : باب فی اللحد و نصب اللبن علی المیت ' نسائی (۸۰/٤) ابن ماجۃ (۱۵۵٦)]

(٥) [شرح مسلم (۳۹/٤)]

(٦) [نیل الأوطار (۲۷/۳)]

(٧) [أحکام الجنائز (ص/۱۸۲)]

(٨) [صحیح : صحیح أبو داود (۲۷۵۰) کتاب الجنائز : باب کیف یدخل المیت قبرہ ' بیہقی (٥٤/٤) أبو داود (۳۲۱۱)]

جانب (یعنی قبر کے پاؤں کی جانب) سے داخل کیا گیا۔''(۱)

(شافعیؒ، احمدؒ) اسی کے قائل ہیں۔

(ابوحنیفہؒ) میت کو قبلہ کی جانب سے چوڑائی کے رخ قبر میں داخل کیا جائے گا۔(۲)

(شوکانیؒ) سنت کی پیروی کرنا رائے سے زیادہ بہتر ہے (یعنی قبر کے پاؤں کی جانب سے میت کو داخل کرنا چوڑائی کی طرف سے داخل کرنے سے بہتر ہے)۔(۳)

وَيُوضَعُ عَلَى جَنْبِهِ الْأَيْمَنِ مُسْتَقْبِلًا	اور میت کو دائیں پہلو پر قبلہ رخ رکھا جائے۔ ❶

❶ (شوکانیؒ) شریعت اسلامیہ میں یہ ایسا معروف فعل ہے کہ جو دلیل کا محتاج نہیں۔(٤)

(صدیق حسن خانؒ) اس میں کوئی اختلاف نہیں۔(٥)

(ابن حزمؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٦)

(البانیؒ) عہد رسالت سے آج تک اہل اسلام اسی پر عمل پیرا ہیں۔(۷)

وَيُسْتَحَبُّ حَثْوُ التُّرَابِ مِنْ كُلِّ مَنْ حَضَرَ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ	ہر حاضر شخص پر تین لپ مٹی ڈالنا مستحب ہے۔ ❶

❶ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک نماز جنازہ پڑھائی پھر آپ ﷺ میت کی قبر کے پاس آئے ﴿فحثى عليه من قبل رأسه ثلاثا﴾ ''اور آپ ﷺ نے اس کے سر کی جانب سے تین لپ مٹی ڈالی۔''(۸)

452- میت کو قبر میں داخل کرتے وقت یہ دعا پڑھی جائے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب تم اپنے مرنے والوں کو قبر میں اتارو تو ''بسم الله وعلى ملة رسول الله'' کہو۔ ایک روایت میں ''وعلى سنة رسول الله'' کے الفاظ ہیں۔(۹)

---

(۱) [مسند شافعی (۲۱۵/۱)، (۵۹۷۔۵۹۸)]

(۲) [الحاوی (٦١/٣) الأم (٤٥٧/١) المغني (٤٢٦/٣) حاشية الدسوقي (٤١٩/١) الإختيار (٩٦/١) الهداية (٩٣/١) المبسوط (٦١/٢) تحفة الفقهاء (٣٩٩/١)]

(۳) [نيل الأوطار (٢٩/٣)]

(٤) [السيل الجرار (٣٦٢/١)]

(٥) [الروضة الندية (٤٤١/١)]

(٦) [المحلى (١٧٣/٥)]

(۷) [أحكام الجنائز (ص/١٩٢)]

(۸) [صحيح : صحيح ابن ماجة (١٢٧١) كتاب ما جاء في الجنائز : باب ما جاء في حثو التراب في القبر، ابن ماجة (١٥٦٥)] حافظ بوصیریؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[مصباح الزجاجة (٥١١/١)]

(۹) [صحيح : صحيح أبو داود (٢٧٥٢) كتاب الجنائز : باب في الدعاء للميت إذا وضع في قبره، أحكام الجنائز (ص/١٩٢) أحمد (٦٩/٢) أبو داود (٣٢١٣) ترمذی (١٠٤٦) ابن ماجة (١٥٥٠)]

453- میت خواہ عورت ہوا سے قبر میں صرف مرد ہی اتاریں گے

(1) کیونکہ نبی ﷺ سے آج تک مسلمانوں کا اسی پر عمل ہے۔
(2) مرد اس عمل کے لیے زیادہ قوی اور حوصلہ مند ہیں۔
(3) اگر خواتین ایسا کریں تو ان کے جسموں کا کوئی حصہ اجنبیوں کے سامنے ظاہر ہو سکتا ہے جو کہ نا جائز ہے۔(۱)

454- میت کے اولیا اسے قبر میں اتارنے کے زیادہ مستحق ہیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وأولوا الأرحام بعضهم أولى ببعض﴾ [الأنفال : ۷۵] ''اور رشتے ناتے والے ان میں سے بعض بعض کے زیادہ نزدیک ہیں۔''(۲)

455- خاوند اپنی بیوی کو دفن کر سکتا ہے

جیسا کہ نبی ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایسی ہی بات کا اظہار کیا ﴿فهيأتك و دفنتك﴾(۳)

456- غیر عورت کو قبر میں کیسا مرد اتارے؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی بیٹی کے جنازے میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ قبر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ ﴿هل فيكم من أحد لم يقارف الليلة؟﴾ ''کیا ایسا آدمی بھی یہاں کوئی ہے جو آج رات کو عورت کے پاس نہ گیا ہو؟'' یہ سن کر حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر تم قبر میں اترو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ اترے اور میت کو دفن کیا۔(۴)
(نوویؒ) یہ حدیث اُن احادیث میں سے ہے جن سے یہ دلیل پکڑی جاتی ہے کہ صرف مرد ہی دفن کریں گے خواہ میت عورت ہی ہو۔(۵)
(ابن حزمؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٦)

وَلَا يُرْفَعُ الْقَبْرُ زِيَادَةً عَلٰى شِبْرٍ	قبر کو ایک بالشت سے زیادہ بلند نہ کیا جائے۔ ❶

❶ (1) رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ ﴿لا تدع تمثالا إلا طمسته و لا قبرا مشرفا إلا سويته﴾ ''تم ہر ذی روح کی تصویر کو مٹا دو اور ہر (شرعی مقدار سے) بلند قبر کو برابر کر دو۔''(۷)
(2) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿ورفع قبره عن الأرض قدر شبر﴾ ''آپ ﷺ کی قبر زمین سے ایک بالشت

(۱) [أحكام الجنائز للألباني (ص/۱۸٦)]
(۲) [مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: أحكام الجنائز (ص/۱۷٦)]
(۳) [أحمد (٦/١٤٤) أحكام الجنائز (ص/۱۸۸)]
(٤) [بخاری (۱۳٤۲) كتاب الجنائز : باب من يدخل قبر المرأة ' أحمد (۱۲٦/۳) ترمذی فی الشمائل (۳۲۷)]
(٥) [المجموع (۲۸۹/٥)]
(٦) [المحلى (١٤٤/٥)]
(۷) [مسلم (۹٦۹) كتاب الجنائز : باب الأمر بتسوية القبر ' أبو داود (۳۲۱۸) ترمذی (۱۰٤۹) نسائی (۸۸/٤) أحمد (۸۹/۱)]

برابراونچی بنائی گئی۔''(۱)

اس روایت کے لیے ایک مرسل روایت شاہد ہے۔صالح بن ابی الاخضرؒ بیان کرتے ہیں کہ ﴿رأيت قبر رسول الله شبرا أو نحو شبر﴾ ''میں نے رسول اللہ ﷺ کی قبر کو ایک بالشت برابر یا بالشت کے قریب (بلند) دیکھا۔''(۲)

(شافعیؒ) قبر میں صرف وہی مٹی ڈالی جائے جو اس سے نکلی ہو ورنہ زائد مٹی ڈالنے سے قبر بہت بلند ہو جائے گی۔ نیز اسے صرف ایک بالشت برابر ہی بلند رکھا جائے۔(۳)

(نوویؒ) اصحاب شافعی متفق ہیں کہ مذکورہ مقدار کے برابر قبر بلند کرنا مستحب ہے۔(٤)

(البانیؒ) قبر کو تھوڑا سا بلند رکھا جائے یعنی ایک بالشت برابر اور قبر کو زمین کے برابر نہ کیا جائے۔(٥)

جیسا کہ ایک روایت میں موجود ہے کہ امام قاسمؒ نے نبی ﷺ اور آپ کے دو ساتھیوں (یعنی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ) کی قبروں کو اس حالت میں دیکھا کہ ﴿لا مشرفة ولا لاطئة﴾ ''نہ بلند تھیں اور نہ ہی زمین کے ساتھ ملی ہوئی تھیں۔''(٦)

457- قبر کو کوہان نما بنانا مستحب ہے

حضرت سفیان تمار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أنه رأى قبر النبي مسنما﴾ ''انہوں نے نبی ﷺ کی قبر کو ہان نما بنی ہوئی دیکھی۔''(۷)

458- قبر پر پتھر یا اس جیسی کوئی نشانی رکھی جا سکتی ہے

ایک روایت میں مذکور ہے کہ جب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو دفن کیا گیا تو نبی ﷺ نے ایک آدمی کو پتھر لانے کا حکم دیا جب وہ اسے نہ اٹھا سکا تو نبی ﷺ نے پتھر اٹھانے میں خود اس کی مدد کی اور اسے میت کے سر کی جانب رکھا اور فرمایا ﴿أتعلّم بها قبر أخي وأدفن إليه من مات من أهلي﴾ ''میں اس کے ذریعے اپنے بھائی کی قبر کو پہچانوں گا اور اپنے گھر والوں میں سے فوت ہونے والوں کو اس کے قریب دفن کروں گا۔''(۸)

امام ابوداودؒ نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے ''ایک قبر میں زیادہ مردوں کو جمع کیا جا سکتا ہے اور قبر کی علامت مقرر کی جا سکتی ہے۔''

امام بیہقیؒ نے یہ باب قائم کیا ہے ((إعلام القبر بصخرة أو علامة ما كانت)) ''پتھر یا کسی بھی علامت کے ذریعے قبر

---

(۱) [حسن: أحكام الجنائز (ص/۱۹٥) بیهقی (۳/٤۱۰) ابن حبان (٦۰۲/۱٤)' (٦٦۳٥_الإحسان)] شیخ صبحی حلاق نے اسے صحیح کہا ہے۔ [التعليق على سبل السلام (۳۷۷/۳)]

(۲) [أبو داود في المراسيل (٤۲۱)]

(۳) [الأم (۲٤٥/۱)]

(٤) [المجموع (۲۹٦/٥)]

(٥) [أحكام الجنائز (ص/۹٥)]

(٦) [ضعيف: ضعيف أبو داود (۷۰٥) كتاب الجنائز: باب في تسوية القبر' أبو داود (۳۲۲۰) حاكم (۳٦۹/۱)]

(۷) [بخاري (۱۳۹۰) كتاب الجنائز: باب ما جاء في قبر النبي وأبي بكر وعمر]

(۸) [حسن: صحيح أبو داود (۲۷٤٥) كتاب الجنائز: باب في جمع الموتى في قبر والقبر يعلم' أبو داود (۳۲۰٦)]

کی نشانی کو مقرر کرنا۔''

شیخ البانیؒ رقمطراز ہیں کہ اس روایت کے دو شاہد ہیں جن کے ساتھ یہ قوی ہو جاتی ہے۔(۱)

459- قبر پر لکھنا جائز نہیں

حدیث نبوی ہے کہ ﴿نهى النبي ﷺ ......وأن يكتب عليه﴾ ''نبی ﷺ نے قبر پر لکھنے سے منع فرمایا ہے۔''(۲)

460- تدفین کے بعد میت کے لیے استغفار کرنا مشروع ہے

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب میت کی تدفین سے فارغ ہوتے تو اس پر ٹھہرتے اور فرماتے ﴿استغفروا لأخيكم و سلوا له التثبيت فإنه الآن يسئال﴾ ''اپنے بھائی کے لیے بخشش طلب کرو اور اس کے لیے ثابت قدمی کا سوال کرو یقیناً اس سے اب سوال کیا جا رہا ہے۔''(۳)

461- تدفین کے وقت قبر کے قریب بیٹھنا جائز ہے

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک انصاری کے جنازے میں نکلے ہم قبر تک پہنچ گئے لیکن ابھی تک لحد نہیں بنائی گئی تھی ﴿فجلس رسول الله مستقبل القبلة و جلسنا حوله﴾ ''تو رسول اللہ ﷺ قبلہ رخ ہو کر بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ ﷺ کے ارد گرد بیٹھ گئے۔''(٤)

462- میت کو کسی شرعی عذر کی بنا پر قبر سے نکالا جا سکتا ہے

(البانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٥)

(1) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) کو اس کی قبر میں ڈالا جا چکا تھا ﴿فأمر به فأخرج﴾ لیکن آپ ﷺ کے حکم سے اسے قبر سے نکال لیا گیا۔'' پھر آپ ﷺ نے اسے اپنے گھٹنوں پر رکھ کر لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا اور اپنا کرتا اسے پہنایا۔ اب اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے (غالباً مرنے کے بعد منافق کے ساتھ ایسے سلوک کی وجہ یہ تھی کہ) اس نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ایک قمیض پہنائی تھی۔''(٦)

(2) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میرے والد کے ساتھ قبر میں ایک اور صحابی دفن تھے لیکن میرا دل اس پر راضی نہیں ہو رہا تھا اس لیے میں نے ان کی لاش نکال کر دوسری قبر میں دفن کر دی۔(٧)

---

(۱) [أحكام الجنائز (ص/۱۹۷)]

(۲) [صحيح : صحيح أبو داود (۲۷٦۳) كتاب الجنائز : باب في البناء على القبر' أبو داود (۳۲۲٦) ترمذى (۱۰۵۲)]

(۳) [صحيح : صحيح أبو داود (۲۷۵۸) كتاب الجنائز : باب الاستغفار عند القبر للميت ' أبو داود (۳۲۲۱) حاكم (۳۷۰/۱) بيهقى (٥٦/٤)]

(٤) [صحيح : صحيح أبو داود (۲۷۵۱) كتاب الجنائز : باب الجلوس عند القبر' أبو داود (۳۲۱۲)]

(٥) [أحكام الجنائز (ص/۲۰۳)]

(٦) [بخارى (۱۳۵۰) كتاب الجنائز : باب هل يخرج الميت من القبر واللحد لعلة]

(٧) [بخارى (۱۳۵۲) أيضا ' نسائى (٨٤/٤)]

(شوکانیؒ) اس عمل کے جواز کے قائل ہیں۔(۱)

463- تدفین سے پہلے میت کو کسی دوسرے شہر منتقل کرنا

(سعودی مجلس افتاء) عہد نبوی اور عہد صحابہ میں عملی سنت یہی تھی کہ وفات پانے والوں کو اسی شہر کے قبرستان میں دفن کیا جاتا جہاں وہ فوت ہوتے اور شہداء کو اسی جگہ پر دفن کیا جاتا جہاں وہ شہید ہوتے۔ نیز کسی صحیح حدیث یا اثر سے یہ بات ثابت نہیں کہ کسی صحابی کو اپنے علاقے سے باہر منتقل کیا گیا ہو...... لہٰذا کسی صحیح ضرورت (یعنی شرعی عذر) کے بغیر میت کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل نہ کیا جائے۔(۲)

464- وفات سے پہلے اپنی قبر خود کھود لینا

ایسا کرنا درست نہیں کیونکہ نہ تو نبی ﷺ نے ایسا کیا اور نہ صحابہ نے ایسا کیا مزید برآں انسان کو یہ علم بھی نہیں کہ وہ کہاں فوت ہوگا۔(۳)

(ابن تیمیہؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٤)

465- تین اوقات میں تدفین ممنوع ہے

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿ثلاث ساعات كان رسول الله ينهانا أن نصلي فيهن أو أن نقبر فيهن موتانا......﴾ ”تین اوقات میں رسول اللہ ﷺ ہمیں نماز پڑھنے اور میت کی تدفین سے روکتے تھے۔“

(1) جب آفتاب طلوع ہو رہا ہوتا آنکہ بلند ہو جائے۔

(2) جب سورج نصف آسمان پر ہوتا وقتیکہ ڈھل جائے۔

(3) جس وقت سورج غروب ہونا شروع ہو۔(٥)

466- رات کو دفن کرنا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿لا تدفنوا موتاكم بالليل إلا أن تضطروا إليه﴾ ”اپنے مرنے والوں کو رات میں دفن نہ کرو اِلا کہ تم اس کے لیے مجبور کر دیے جاؤ۔“(٦)

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ”آپ ﷺ نے رات کو دفن کرنے پر ڈانٹا ہے اِلا کہ نماز جنازہ پڑھ لی گئی ہو۔“(۷)

معلوم ہوا کہ رات میں میت کو دفن کرنے کی ممانعت صرف اس گمان کی وجہ سے ہے کہ نماز جنازہ میں رات کے وقت

---

(۱) [نيل الأوطار (٦٥/٣)]

(۲) [الفتاوى الإسلامية (١٦/٢)]

(۳) [أحكام الجنائز للألباني (ص/٢٠٤)]

(٤) [أيضا]

(٥) [مسلم (٨٣١) كتاب صلاة المسافرين وقصرها : باب الأوقات التي نهي عن الصلاة فيها]

(٦) [صحيح : صحيح ابن ماجة (١٢٣٥) كتاب الجنائز : باب ما جاء في الأوقات التي لا يصلى فيها على الميت ولا يدفن، أبو داود (٣١٤٨) نسائي (٣٣/٤)]

(۷) [مسلم (٩٤٣) كتاب الجنائز : باب في تحسين كفن الميت]

لوگ کم تعداد میں شریک ہوں گے لہذا اگر نماز جنازہ دن میں پڑھ لی گئی ہو لیکن کسی عذر کی وجہ سے رات کو دفن کرنا پڑے تو یہ ممنوع نہیں۔ جواز کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن رسول الله أدخل رجلا قبره ليلا......﴾ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت ایک آدمی کو اس کی قبر میں داخل کیا......"(۱)

(2) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رات کے وقت دفن کیا گیا۔(۲)

(3) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رات کے وقت دفن کیا۔(۳)

(شوکانیؒ) مذکورہ احادیث اس بات کا ثبوت ہیں کہ رات کے وقت دفن کرنا جائز ہے۔(٤)

(جمہور) اسی کے قائل ہیں۔(٥)

(ابن حزمؒ) کسی مجبوری کے بغیر رات کو دفن نہ کیا جائے۔(٦)

467- مسلمانوں کو کفار کے قبرستان میں دفن کرنے کا حکم

(ابن بازؒ) ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں کیونکہ عہد نبوی اور عہد خلفائے راشدین میں اہل اسلام نے کبھی ایسا نہیں کیا۔(۷)

وَالزِّيَارَةُ لِلْمَوْتٰى مَشْرُوعَةٌ وَ يَقِفُ الزَّائِرُ مُسْتَقْبِلًا لِلْقِبْلَةِ	مردوں (یعنی قبروں) کی زیارت مشروع ہے ❶ اور زائر قبلہ رخ کھڑا ہو۔ ❷

❶ (1) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿قد كنت نهيتكم عن زيارة القبور فقد أذن لمحمد في زيارة قبر أمه فزوروها فإنها تذكر الآخرة﴾ "بے شک میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے روکا تھا پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت دے دی گئی ہے لہذا تم بھی قبروں کی زیارت کرو یقیناً یہ آخرت یاد دلاتی ہیں۔"(۸)

(2) ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿فمن أراد أن يزور فليزر ولا تقولوا هُجرا﴾ "جو شخص (قبروں کی) زیارت کا ارادہ رکھتا ہے اسے زیارت کرنی چاہیے لیکن (وہاں) تم کوئی باطل کلام نہ کرو۔"(۹)

---

(۱) [حسن : صحیح ابن ماجة (۱۲۳٤) كتاب الجنائز : باب ما جاء في الأوقات التي لا يصلى فيها على الميت ولا يدفن، ابن ماجة (۱۵۲۰)]

(۲) [بخاری تعليقا (قبل الحديث / ۱۳٤۰) كتاب الجنائز : باب الدفن بالليل]

(۳) [ابن أبي شيبة (۳۱/۳)، (۱۱۸۲٦-۱۱۸۲۷) فتح الباری (۵٦۹/۳)]

(٤) [نيل الأوطار (۳۸/۳)]

(٥) [أيضا]

(٦) [المحلى (۱۱٤/٥-۱۱٥)]

(۷) [الفتاوى الإسلامية (۲٤/۲)]

(۸) [مسلم (۹۷۷) كتاب الجنائز : باب استئذان النبي ربه عزوجل في زيارة قبر أمه، ترمذی (۱۰٥٤) أبو داود (۳۲۳٥) ابن حبان (۳۱٦۸) حاكم (۳۷٦/۱) بيهقی (۷٦/٤)]

(۹) [نسائی (۲۸٥/۱-۲۸٦)]

(3) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قبروں کی زیارت کرو ﴿فإن فیھا عبرۃ﴾ ''کیونکہ ان میں عبرت ہے۔'' (۱)

(جمہور) قبروں کی زیارت مستحب ہے۔(۲)

(ابن حزمؒ) قبروں کی زیارت واجب ہے خواہ عمر میں ایک مرتبہ کی جائے۔(۳)

❷ ایک حدیث میں ہے کہ ﴿فجلس النبی ﷺ مستقبل القبلۃ و جلسنا معہ﴾ ''نبی ﷺ قبلہ رخ ہو کر بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ ﷺ کے پاس بیٹھ گئے۔'' (٤)

اس حدیث کی وجہ سے یہ عمل مستحب ہے ضروری نہیں۔

468- خواتین بھی قبروں کی زیارت کر سکتی ہیں بشرطیکہ......

کثرت کے ساتھ نہ کریں۔اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) رخصت کے الفاظ میں خواتین بھی شامل ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿فزوروھا﴾ ''اب تم قبروں کی زیارت کرو۔''

(2) جس سبب کی وجہ سے قبروں کی زیارت جائز ہے اس میں عورتیں بھی مردوں کی شریک ہیں یعنی ﴿تذکر الآخرۃ﴾ ''قبریں آخرت یاد دلاتی ہیں۔''

(3) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک روز حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کر کے واپس آئیں تو حضرت عبداللہ بن أبي ملیکہ رضی اللہ عنہ نے کہا کیا رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت سے منع نہیں کیا؟ انہوں نے جواب دیا ﴿نعم ثم أمر بزیارتھا﴾ ''ہاں لیکن پھر ان کی زیارت کی اجازت دے دی۔'' (٥)

(4) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ ﴿کیف أقول یا رسول اللہ إذا زرت القبور؟﴾ ''اے اللہ کے رسول! جب میں قبروں کی زیارت کروں تو کیا کہوں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ﴿قولي السلام علی أھل الدیار......﴾ ''تم یہ دعا پڑھا کرو'' السلام علی أھل الدیار......'' (٦)

(5) نبی ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہر جمعہ کو اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کرتی تھیں۔(۷)

(6) رسول اللہ ﷺ ایک عورت کے پاس سے گزرے جو ایک قبر کے قریب بیٹھی رو رہی تھی تو آپ ﷺ نے اسے کہا ﴿اتقی

---

(۱) [صحیح : أحمد (۳۸/۳) حاکم (۳۷٤/۱)] امام حاکمؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور امام ذھبیؒ نے بھی اس کی موافقت کی ہے۔[بیھقی (۷۷/٤)] امام ہیثمیؒ بیان کرتے ہیں کہ اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔[المجمع (۵۸/۳)]

(۲) [تحفۃ الأحوذی (۱۵۰/٤)]

(۳) [نیل الأوطار (۲٦/۳)]

(٤) [صحیح : صحیح أبو داود (۲۷۵۱) کتاب الجنائز : باب الجلوس عندالقبر ' أبوداود (۳۲۱۲) نسائی (۲۰۰۱) ابن ماجۃ (۱۵٤۸) أحمد (۲۹۷/٤)]

(٥) [صحیح : حاکم (۳۷٦۱) بیھقی (۷۸/٤) التمھید لابن عبدالبر (۲۳۳/۳)] امام ذھبیؒ اور حافظ بوصیریؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[الزوائد (۹۸۸/۱) أحکام الجنائز للألبانی (ص/۲۳۰)]

(٦) [مسلم (۹۷٤) کتاب الجنائز : باب ما یقال عند دخول القبور والدعاء لأھلھا ' نسائی (۹۳/٤) بیھقی (۷۸/٤) شرح السنۃ (۳۰٦/۳) عبدالرزاق (٦۷۱۲) ابن ماجۃ (۱۵٤٦)]

(۷) [حاکم (۳۷۷/۱)]

الله واصبری...... ﴾ ''اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور صبر کر۔''

اس حدیث پر امام بخاریؒ نے یہ باب قائم کیا ہے ((باب زیارۃ القبور)) ''قبروں کی زیارت کا بیان۔'' (١)

(ابن حجرؒ) (اس حدیث میں) محل شاہد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس عورت کو قبر کے پاس بیٹھنے سے نہیں روکا اور آپ ﷺ کا کسی کام کو برقرار رکھنا قابل حجت ہے۔(٢)

(علامہ عینیؒ) اس حدیث میں مطلق قبروں کی زیارت کا جواز ہے خواہ زائر مرد ہو یا عورت۔(٣)

لیکن خواتین کے لیے کثرت سے قبروں کی زیارت کرنا جائز نہیں جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿ان رسول الله ﷺ لعن زوّارات القبور﴾ ''رسول اللہ ﷺ نے بہت زیادہ قبروں کی زیارت کرنے والی خواتین پر لعنت فرمائی ہے۔''(٤)

(قرطبیؒ) حدیث میں مذکور لعنت ایسی خواتین کے لیے ہے جو بہت زیادہ زیارت کرتی ہیں کیونکہ مبالغے کا صیغہ اسی کا تقاضا کرتا ہے۔(٥)

(ملا علی قاریؒ) امید یہی ہے کہ اس سے مراد کثرت سے زیارت کرنے والی خواتین ہیں۔(٦)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٧)

(شوکانیؒ) انہوں نے اسی کو مناسب قرار دیا ہے۔(٨)

(البانیؒ) (خواتین کے لیے) کثرت سے زیارت کرنا جائز نہیں۔(٩)

(ابن تیمیہؒ) صحیح بات یہ ہے کہ عورتوں کے لیے قبروں کی زیارت جائز ہی نہیں۔(١٠)

جس روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿زائرات القبور﴾ ''رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔'' وہ ضعیف ہے۔(١١)

اگر یہ روایت کسی طرح قابل حجت ہو جائے تو اس سے مراد ایسی عورتیں ہوں گی جو بناؤ سنگھار کر کے جاتی ہیں یا نوحہ کرتی ہیں۔ ورنہ کبھی کبھار زیارت کے لیے جانا عورتوں کے لیے یقیناً جائز ہے۔

---

(١) [بخاری (١٢٨٣) کتاب الجنائز]
(٢) [فتح الباری (٢٤٤/٤)]
(٣) [عمدة القاری (٧٦/٣)]
(٤) [حسن : صحیح ابن ماجة (١٢٨١، ١٢٨٠) المشكاة (١٧٧٠) إرواء الغليل (٢٣٢) ترمذی (١٠٥٦) كتاب الجنائز : باب ما جاء فی كراهية زيارة القبور للنساء، ابن ماجة (١٥٧٦) أحمد (٣٣٧/٢)]
(٥) [التذكرة (١١/١) نيل الأوطار (٦٣/٣)]
(٦) [مرقاة (٢٥٦/٤)]
(٧) [تحفة الأحوذی (١٥٥/٤)]
(٨) [نيل الأوطار (٦٣/٣)]
(٩) [أحكام الجنائز (ص/٢٣٥)]
(١٠) [مجموع الفتاوى (١٥١/٢٤)]
(١١) [أحكام الجنائز (ص/٢٣٦) ترمذی (١٠٥٦)]

469- صرف عبرت کے لیے مشرک کی قبر کی زیارت جائز ہے

نبی ﷺ کو اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کے لیے اجازت دی گئی۔(۱)

(نوویؒ) اس حدیث میں مشرکین کی قبروں کی زیارت کا جواز ہے۔(۲)

470- کافر کی قبر کی زیارت کرتے ہوئے اسے دعا نہیں بلکہ آگ کی بشارت دی جائے

حضرت سعد بن أبی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک دیہاتی (جس کا والد کافر فوت ہوا تھا) سے کہا ﴿حيثما مررت بقبر كافر فبشره بالنار﴾ ''جہاں کہیں بھی تم کسی کافر قبر کے قریب سے گزرو تو اسے آگ کی بشارت دو۔''(۳)

471- زیارت کے دوران قرآن کی قراءت یکسر ثابت نہیں

جیسا کہ گذشتہ تمام احادیث میں اس کا کہیں ذکر نہیں بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دریافت کرنے پر آپ ﷺ نے صرف دعا ہی سکھائی۔(٤)

مندرجہ ذیل حدیث میں بھی یہ اشارہ موجود ہے کہ قبریں قراءت کی جگہ نہیں ہیں ﴿لا تجعلو بيوتكم مقابر فإن الشيطان يفر من البيت الذى يقرأ فيه سورة البقرة﴾ ''اپنے گھروں کو قبریں مت بناؤ۔ بے شک شیطان اس گھر سے فرار اختیار کرتا ہے جس میں سورۂ بقرہ کی تلاوت کی جاتی ہے۔''(٥)

(جمہور، ائمہ اربعہ) اسی کے قائل ہیں۔(٦)

472- قبروں کی زیارت کرنے والا یہ دعا پڑھے

(1) '' اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ نَسْئَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ ''۔(۷)

(2) ایک روایت میں یہ لفظ ہیں '' اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِيْنَ وَإِنَّا إِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ ''۔(۸)

---

(۱) [ترمذی (۱۰۵٤) کتاب الجنائز : باب ما جآء فی الرخصه فی زیارة القبور ' مسلم (۹۷۷) أبو داود (۳۲۳٥)]

(۲) [أحکام الجنائز (ص/۲۳۹)]

(۳) [صحيح : الصحيحة (۱۸) أحکام الجنائز (ص/۲٥۲) طبرانی کبیر (۱/۱۹۱) ابن السنی فی عمل الیوم واللیلة (٥۸۸)]

(٤) [أحکام الجنائز (ص/۲٤۱)]

(٥) [مسلم (۲/۱۸۸) ترمذی (٤/٤۲) بیهقی (۲/۲۳۸۱) أحمد (۲/۲۸٤)]

(٦) [أحکام الجنائز (ص/۲٤۲) إقتضاء الصراط المستقيم (ص/۱۸۲)]

(۷) [مسلم (۹۷٥) کتاب الجنائز: باب ما یقال عند دخول القبور والدعاء لاهلها ' نسائی (٤/۹٤) ابن ماجة (۱٥٤۷) ابن أبی شیبة (٤/۱۳۸) ابن السنی فی عمل الیوم واللیلة (٥۸۲) أحمد (٥/۳٥۳) شرح السنة (۳/۳۰٤)]

(۸) [موطا (۱/۲۸) مسلم (۲٤۹) کتاب الطهارة : باب استحباب إطالة الغرة...... ' أبو داود (۳۲۳۷) نسائی (۱/۹۳) ابن ماجة (٤۳۰٦) أحمد (۲/۳۰۰) أبو عوانة (۱/۱۳۸) أبو يعلى (٦٥۰۲) ابن حبان (۱۰۳۲)]

473- مسلمانوں کی قبروں کے درمیان جوتیاں پہن کر نہیں چلنا چاہیے

(البانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۱)

نبی ﷺ نے ایک آدمی کو جوتیاں پہن کر قبروں کے درمیان چلتے ہوئے دیکھا تو اسے جوتیاں اتارنے کا کہا ﴿فلما عرف الرجل رسول الله ﷺ خلع نعليه ورمى بهما﴾ " لہٰذا جب اس آدمی نے رسول اللہ ﷺ کو پہچان لیا تو اپنی جوتیاں اتار کر پھینک دیں۔"(۲)

(ابن حجرؒ) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قبروں کے درمیان جوتیاں پہن کر چلنا مکروہ ہے۔(۳)

وَيَحْرُمُ اِتِّخَاذُ الْقُبُوْرِ مَسَاجِدَ	قبروں کو مسجدیں بنالینا حرام ہے۔ ❶

❶ (1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں ہے کہ ﴿لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد﴾ "اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔"(٤)

(2) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿قاتل الله اليهود﴾ "اللہ تعالیٰ یہودیوں سے جنگ کرے۔"(٥)

(3) ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عیسائیوں کے متعلق فرمایا ﴿أولئك إذا مات فيهم الرجل الصالح بنوا على قبره مسجدا...... أولئك شرار الخلق عند الله﴾ "ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی فوت ہوتا ہے تو یہ اس کی قبر پر مسجد بنالیتے ہیں...... یہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مخلوق میں سے بدترین لوگ ہیں۔"(٦)

(4) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿إن من شرار الناس من تدركه الساعة وهم أحياء ومن يتخذ القبور مساجد﴾ "بے شک بدترین لوگ وہ ہیں جن زندہ افراد پر قیامت قائم ہوگی اور جو قبروں کو مسجدیں بنالیتے ہیں۔"(۷)

(ابن حجر ہیثمیؒ) قبروں کو مسجدیں بنالینا کبیرہ گناہ ہے۔(۸)

(البانیؒ) ایسا کرنا حرام ہے۔ مزید یہ کہ قبروں کو مسجدیں بنانے میں تین امور شامل ہیں:

(1) قبروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا۔

(2) قبروں پر سجدے کرنا۔

---

(۱) [أحكام الجنائز (ص/۲۵۲)]

(۲) [أيضا]

(۳) [فتح الباري (۱٦٠/۳)]

(٤) [بخاری (۱۳۳۰) كتاب الجنائز : باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور' أبو عوانة (۳۹۹/۲) أحمد (۸۰/٦)]

(٥) [بخاری (٤۳۷) كتاب الصلاة : باب الصلاة في البيعة' مسلم (٥۳٠) أبو داود (۳۲۲۷) نسائی (۲٠٤۷)]

(٦) [بخاری (۱۳٤۱) كتاب الجنائز : باب بناء المسجد على القبر' مسلم (٦٦/۲) نسائی (۱۱٥/۱) أبو عوانة (٤٠٠/۲) بيهقی (۸۰/٤) أحمد (٥۱/٦)]

(۷) [حسن : أحكام الجنائز (ص/۲۷۸) أحمد (۳۸٤٤) طبرانی كبير (۱٠٤۱۳) ابن أبي شيبة (۳٤٥/۳) ابن حبان (۳٤٠) ابن خزيمة (۷۸۹)]

(۸) [الزواجر (۱۲۰/۱-۱۲۱)]

(3) قبروں پر مسجدیں بنانا۔(۱)

مزید تفصیل کے لیے شیخ البانیؒ کی کتاب " تحذیر الساجد من اتخاذ القبور مساجد " کا مطالعہ مفید ہے۔

وَزَخْرَفَتُهَا وَتَسْرِيْجُهَا	انہیں مزین کرنا ❶ اور چراغوں سے روشن کرنا ❷ (بھی حرام ہے)۔

❶ قبروں کو مزین کرنا چونکہ لوگوں کے لیے فتنۂ اہل قبر کی تعظیم اور شرک کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے اس لیے حرام ہے۔

(البانیؒ) قبر کو مزین کرنا بدعت ہے۔(۲)

صاحب روضۃ الندیہ 'صدیق حسن خان' نے یہاں مساجد کی تزئین و آرائش مراد لی ہے جو کہ خطا ہے۔ سیاقِ کلام اور آئندہ الفاظ ﴿وتسريجها﴾ اس کی دلیل ہیں جیسا کہ شیخ البانیؒ نے یہ وضاحت فرمائی ہے۔(۳)

❷ چراغ روشن کرنا مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر حرام ہے۔

(1) یہ ایسی بدعت ہے جس سے سلف ناواقف تھے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

(2) اس میں مال کا ضیاع ہے جو کہ نصاً ممنوع ہے۔

(3) اس میں مجوسیوں کی مشابہت ہے۔(٤)

(ابن حجر ہیثمیؒ) انہوں نے بھی اس عمل کو کبیرہ گناہ اور حرام قرار دیا ہے۔(٥)

البتہ جس روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿لعن رسول الله زائرات القبور والمتخذين عليها المساجد والسرج﴾ "رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں اُن پر مسجد بنانے والوں اور چراغ روشن کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔" وہ ضعیف ہے۔(٦)

وَالْقُعُوْدُ عَلَيْهَا وَسَبُّ الْأَمْوَاتِ	قبروں پر بیٹھنا ❶ اور مرنے والوں کو گالیاں دینا ❷ (حرام ہے)۔

❶ (1) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿نهى رسول الله ...... وأن يقعد عليه﴾ "رسول اللہ ﷺ نے قبر پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔"(۷)

(2) ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿لا تجلسوا على القبور ......﴾ "قبروں پر مت بیٹھو......"(۸)

(3) ایک اور روایت میں یہ الفاظ مذکور ہیں ﴿أن توطا﴾ "نبی ﷺ نے قبر کو روندنے سے منع فرمایا ہے۔"(۹)

---

(۱) [أحكام الجنائز (ص/۲۷۹)]

(۲) [أحكام الجنائز (ص/۲۲۹) شرح الطريقة المحمدية (۱/۱۱٤)]

(۳) [التعليقات الرضية على الروضة الندية (۱/٤۷٦)]

(٤) [أحكام الجنائز للالباني (ص/۲۹٤)]

(٥) [الزواجر (۱/۱۳٤)]

(٦) [ضعيف أبو داود (۷۰٦) ضعيف ترمذى (٥۱) ضعيف نسائى (۱۱۸) أحكام الجنائز (ص/۲۹٤) أبو داود (۳۲۳٦) كتاب الجنائز : باب فى زيارة النساء القبور' أحمد (۲۰۳۰) نسائى (۲۰٤۳) ترمذى (۳۲۰)]

(۷) [مسلم (۹۷۰) كتاب الجنائز : باب النهى عن تجصيص القبر والبناء عليه ' أحمد (۳/۳۹۹)]

(۸) [مسلم (۳/۲٦)]

(۹) [ترمذى (۱۰٥۲) كتاب الجنائز : باب ما جآء فى كراهية تجصيص القبور والكتابة عليها ' مسلم (۹۷۰)]

(4) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لأن يجلس أحدكم على جمرة فتحرق ثيابه فتخلص إلى جلده خير له من أن يجلس على قبر﴾ ''تم میں سے کوئی شخص انگارے پر بیٹھے اور وہ اس کے کپڑوں کو جلا کر جلد تک پہنچ جائے یہ اس کے لیے قبر پر بیٹھنے سے زیادہ بہتر ہے۔'' (۱)

اس سلسلے میں حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ضعیف ہے۔ (۲)

(جمہور) قبر پر بیٹھنا حرام ہے۔ (۳)

(شافعیؒ، ابو حنیفہؒ) یہ عمل مکروہ ہے۔ (٤)

(البانیؒ) حرمت کا قول برحق ہے۔ (٥)

(امیر صنعانیؒ) یہ دلیل حرمت کا تقاضا کرتی ہے۔ (٦)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا تسبوا الأموات فإنهم قد أفضوا إلى ماقدموا﴾ ''مردوں کو گالی مت دو کیونکہ انہوں نے جو آگے بھیجا ہے (یعنی جو عمل کیے ہیں) اسے حاصل کر لیا ہے۔'' (۷)

ایک روایت میں ہے کہ ﴿فتؤذوا الأحياء﴾ ''گالی سے تم زندہ لوگوں کو تکلیف دیتے ہو (کیونکہ مرنے والوں سے ان کا قریبی تعلق ہے)۔'' (۸)

474- قبر کو پختہ کرنا' اس پر لکھنا' اس پر عمارت بنانا اور زائد مٹی ڈالنا ممنوع ہے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿نهى النبي ﷺ أن يجصص القبر وأن يقعد عليه وأن يبنى عليه﴾ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ کرنے' اس پر بیٹھنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔''

جامع ترمذی کی روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿وأن يكتب عليه ......﴾ ''قبر پر لکھنے سے بھی منع فرمایا ہے۔''

سنن نسائی میں یہ ہے ﴿أو يزاد عليه......﴾ ''اس پر (قبر کی مٹی سے) زائد مٹی ڈالنے سے بھی منع فرمایا ہے۔'' (۹)

---

(۱) [مسلم (۹۷۱) کتاب الجنائز : باب النهي عن الجلوس على القبر والصلاة عليه' أبو داود (۳۲۲۸) نسائی (۲۰٤٤) ابن ماجة (۱۵٦٦) بیهقی (۷۹/٤) أحمد (۳۱۱/۲)]

(۲) [التعليق على الروضة للشيخ صبحي حلاق (٤٥٢/١)]

(۳) [نيل الأوطار (۳٤/۳)]

(٤) [الآثار للإمام محمد (ص/٤٥) أحكام الجنائز (ص/۲٦۸)]

(٥) [أحكام الجنائز (ص/۲٦۸)]

(٦) [سبل السلام (۷۸٦/۲)]

(۷) [بخاری (۱۳۹۳' ٦٥۱٦) نسائی (٥۳/٤) أحمد (۱۸۰/٦) دارمی (۲۳۹/۲) ابن حبان (۳۰۲۱)]

(۸) [**صحیح** : صحيح ترمذی (۱٦۱٤) کتاب البر والصلة : باب ما جاء في الشتم' ترمذی (۱۹۸۲) أحمد (۲٥۲/٤) طبرانی کبیر (۱۰۱۳)]

(۹) [مسلم (۹۷۰) کتاب الجنائز : باب النهي عن تجصيص القبر والبناء عليه' أبو داود (۳۲۲٥) ترمذی (۱۰٥۲) ابن ماجة (۱٥٦۲) نسائی (۸٦/٤) شرح معاني الآثار (٥۱٥/۱) حاکم (۳۷۰/۱) أحمد (۳۹۹/۳)]

475- قبر کو عید بنا لینا ممنوع ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا تجعلوا قبری عیدا﴾ ''میری قبر کو عید مت بنانا۔''(۱)
عید سے مراد یہ ہے کہ معین اوقات اور معروف موسموں میں عبادت کے لیے قبر کے پاس جانا۔
(ابن تیمیہؒ) (اس حدیث میں) محل شاہد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر روئے زمین پر تمام قبروں سے افضل ہے۔ جب اسے عید بنانے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا ہے۔ تو دوسری کسی بھی قبر کو عید بنانا بالاولی ممنوع ہے۔(۲)
(البانیؒ) یہ حدیث دلیل ہے کہ انبیاء و صالحین کی قبروں کو عید بنانا حرام ہے۔(۳)

476- قبروں کی طرف سفر کر کے جانا ممنوع ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا تشد الرحال إلا إلى ثلثة مساجد المسجد الحرام و مسجد الرسول و مسجد أقصى﴾ ''تین مسجدوں کے سوا کسی کے لیے رخت سفر نہ باندھا جائے: ایک مسجد حرام' دوسری مسجد نبوی اور تیسری مسجد اقصیٰ۔''(٤)

477- مردے کی ہڈی توڑنا جائز نہیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿کسر عظم المیت ککسرہ حیا﴾ ''کسی مردے کی ہڈی توڑنے (کا گناہ) زندہ انسان کی ہڈی توڑنے (کے گناہ) کی طرح ہے۔''(٥)
حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں ﴿فی الإثم﴾ ''گناہ میں (زندہ کی ہڈی توڑنے کی مانند ہے)'' کے لفظ زائد ہیں۔ لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔(٦)
(حنابلہ) میت کے اعضاء میں سے کسی کو کاٹنا' اس کی ذات کو ہلاک کرنا اور اسے جلا دینا حرام ہے خواہ اس نے اس کی وصیت ہی کی ہو۔(۷)
(ابن حجر ہیثمیؒ) یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔(۸)
(البانیؒ) کسی مردے کی ہڈی توڑنا جائز نہیں۔(۹)

---

(۱) [حسن : أحکام الجنائز (ص/۲۸۰) أبو داود (۲۰٤۲) کتاب المناسك : باب زیارة القبور' أحمد (۳٦۷/۲)]
(۲) [اقتضاء الصراط المستقیم (ص/۱۵۵)]
(۳) [أحکام الجنائز (ص/۲۸۱)]
(٤) [بخاری (۱۱۸۹) کتاب فضل الصلاة فی مکة والمدینة : باب فضل الصلاة فی مسجد مکة والمدینة]
(٥) [صحیح : صحیح أبو داود (۲۷٤٦) کتاب الجنائز : باب فی الحفار یجد العظم هل یتنکب ذلك المکان ' صحیح ابن ماجة (۱۳۱۰) إرواء الغلیل (۷٦۳) أبو داود (۳۲۰۷) ابن ماجة (۱٦۱٦) أحمد (٤۸/٦)]
(٦) [ضعیف ابن ماجة (۳٥٦) إرواء الغلیل (۲۱٥/۳) أحکام الجنائز (ص/۲۹٦) ابن ماجة (۱٦۱۷)]
(۷) [کشاف القناع (۱۲۷/۲) أحکام الجنائز (ص/۲۹٦)]
(۸) [الزواجر (۱۳٤/۱)]
(۹) [أحکام الجنائز (ص/۲۹٥)]

علاوہ ازیں علمائے کرام نے جرم کی تحقیق وتفتیش کے لیے پوسٹ مارٹم اور علاج معالجے کے لیے چیر پھاڑ کرنے کی اجازت دی ہے۔

478- قبروں پر جانور ذبح کرنا حرام ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا عقر فی الإسلام﴾ "اسلام میں عقر (یعنی قبر پر ذبح) نہیں ہے۔" امام عبدالرزاق کہتے ہیں کہ (جاہلیت میں) لوگ قبر کے پاس گائے یا بکری ذبح کرتے تھے (اسے عقر کہتے ہیں)۔(۱)

(ابن تیمیہؒ) قبروں پر ذبح کرنا مطلقا ممنوع ہے۔(۲)

(نوویؒ) قبروں پر ذبح کرنا مذموم فعل ہے۔(۳)

وَالتَّعْزِيَةُ مَشْرُوْعَةٌ	اور تعزیت کرنا مشروع ہے۔ ❶

❶ لفظ تعزیت کا معنی "تسلی دینا" ہے جو کہ باب عَزّٰى يُعَزِّىْ (تفعیل) کا مصدر ہے۔(٤)

(1) حضرت قرہ مزنی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ساتھی کا بچہ فوت ہو گیا ﴿فعزاه عليه ثم قال يا فلان أيما كان أحب إليك أن تمتع به عمرك أو لا تاتي غدا إلى باب من أبواب الجنة إلا وجدته قد سبقك إليه يفتحه له﴾ "تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعزیت کی پھر فرمایا اے فلاں! تمہیں کون سی چیز زیادہ پسند ہے کہ تم اس (بچے) کے ذریعے اپنی زندگی کو فائدہ پہنچاؤ یا کل کو تم جب جنت کے دروازوں میں سے کسی دروازے کے پاس آؤ گے تو اسے وہاں پہلے سے موجود پاؤ گے اور وہ تمہارے لیے اسے (یعنی جنت کا دروازہ) کھولے گا۔"(٥)

(2) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من عزى أخاه المؤمن في مصيبة كساه الله حلة خضراء يحبر بها يوم القيمة قيل يا رسول الله ما يحبر؟ قال يغبط﴾ "جس نے اپنے کسی مومن بھائی کو مصیبت میں تسلی دی تو اللہ تعالی اسے ایسا سبز لباس پہنائیں گے جس کے ذریعے روز قیامت اس پر رشک کیا جائے گا۔"(٦)

(3) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من عزى مصابا فله مثل أجره﴾ "جس نے کسی مصیبت زدہ کو تسلی دی تو اس کے لیے بھی اس (مصیبت زدہ) کے اجر کی مثل (اجر) ہے۔"(٧)

---

(۱) [صحيح : صحيح أبو داود (۲۷۵۹) كتاب الجنائز : باب كراهية الذبح عند القبر ' أحمد (۱٤٠/۳) أبو داود (۳۲۲۲)]

(۲) [اقتضاء الصراط المستقيم (ص/۱۸۲)]

(۳) [المجموع (۳۲٠/٥)]

(٤) [المنجد (ص/٥٥٥)]

(٥) [نسائی (۲۹٦/۱) حاکم (۳۸٤/۱) أحمد (۳٥/٥) بیهقی (٥۹/٤) أحكام الجنائز للألبانی (ص/۲٠٥)]

(٦) [حسن : أحكام الجنائز (ص/۲٠٦) إرواء الغليل (۷٦٤)] شیخ البانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث شواھد کی بنا پر حسن درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔]

(۷) [ضعيف : إرواء الغليل (۷٦٥) أحكام الجنائز (ص/۲٠٦) ترمذی (۱٠۷۳) كتاب الجنائز : باب ما جاء فى أجر من عزى مصابا ' ابن ماجة (۱٦٠۲)]

479- تعزیت کے الفاظ

تعزیت کے لیے ایسے تمام الفاظ استعمال کیے جا سکتے ہیں جن کے ذریعے تسلی ہو جائے' غم رک جائے اور صبر آ جائے۔ البتہ نبی ﷺ سے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ الفاظ ثابت ہیں " إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى وَكُلُّ شَيْئٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ " (۱)

(نوویؒ) جن الفاظ کے ساتھ تعزیت کی جائے ان میں یہ حدیث سب سے عمدہ ہے۔(۲)

480- مصیبت زدہ شخص ابتدائی طور پر صبر کا مظاہرہ کرے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿إنما الصبر عند الصدمة الأولى﴾ ''صرف صبر وہ ہے جو پہلے صدمے کے وقت کیا جائے۔''(۳)

481- مصیبت زدہ شخص مندرجہ ذیل دعائیں پڑھے

(1) " إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ " [البقرة :۱۵۶]

(2) " اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَأَخْلِفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا "۔(٤)

وَكَذٰلِكَ إِهْدَاءُ الطَّعَامِ لِأَهْلِ الْمَيِّتِ	اور اسی طرح میت کے گھر والوں کے لیے کھانا بھیجنا بھی مشروع ہے۔ ❶

❶ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خبر شہادت موصول ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿إصنعوا لآل جعفر طعاما فقد اتاهم مايشغلهم﴾ ''جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرو ان کو ایسی (تکلیف دہ) اطلاع ملی ہے جو انہیں کھانا پکانے سے مشغول رکھے گی۔''(۵)

482- تعزیت کے لیے کسی ایک جگہ پر اکٹھے ہونا

(مثلاً گھر' قبرستان یا مسجد وغیرہ میں) اور اہل میت کا آنے والوں کے لیے کھانا تیار کرنا درست نہیں جیسا کہ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كنا نعد الاجتماع إلى أهل الميت وصنعة الطعام بعد دفنه من النياحة﴾ ''ہم

(۱) [بخاری (۱۲۸٤) كتاب الجنائز : باب قول النبي يعذب الميت ببعض بكاء أهله عليه ' مسلم (۹۲۳) أحمد (۲۰٤/٥) أبو داود (۳۱٥۲) ابن ماجة (۱٥۸۸)]

(۲) [الأذكار كما ذكره الألباني في أحكام الجنائز (ص/۲۰۷)]

(۳) [بخاری (۱۲۸۳) مسلم (۹۲٦) أبو داود (۳۱۲٤) ترمذی (۹۸۸) نسائی (۲۲/٤) أحمد (۱۳۰/۳)]

(٤) [أحمد (۳۰۹/٦) مسلم (۹۱۸) ابن ماجة (۱٥۹۸)]

(٥) [حسن : صحيح أبو داود (۲٦۸٦) كتاب الجنائز : باب صنعة الطعام لأهل الميت ' أبو داود (۳۱۳۲) ترمذی (۹۹۸) ابن ماجة (۱٦۱۰) أحمد (۲۰٥/۱) دارقطنی (۷۹/۲) حمیدی (٥۳۷) عبدالرزاق (٦٦٦٥)]

میت کے گھر والوں کے پاس جمع ہونے اور تدفین کے بعد کھانا تیار کرنے کو نوحہ شمار کرتے تھے۔''(۱)

متفرقات

483- یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنا اور اس کا اکرام کرنا مستحب ہے

رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کے بیٹے عبداللہ کو اٹھایا اور اس کے سر پر تین مرتبہ ہاتھ پھیرا اور ہر مرتبہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ﴿اللهم اخلف جعفرا في ولده﴾ ''اے اللہ! جعفر کی اولاد میں اس کا جانشین بنا۔''(۲)

484- وفات کے بعد میت کو جن اشیا کا فائدہ ہوتا ہے

① **مسلمان کی دعا:**

جبکہ اس میں قبولیت کی شرائط موجود ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾[الحشر: ۱۰]

''اور جو ان کے بعد آئیں گے وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمان داروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال' اے ہمارے رب بے شک تو شفقت و مہربانی کرنے والا ہے۔''

② **ولی کا میت کے روزوں کی قضائی دینا:**

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿من مات وعليه صيام صام عنه وليه﴾ ''جو شخص فوت ہو جائے اور اس کے ذمہ کچھ روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے۔''(۳)

③ **میت کی نذر پوری کرنا:**

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ﴿إن أمي ماتت وعليها نذر؟ فقال اقضه عنها﴾ ''بے شک میری والدہ وفات پا گئی ہے اور اس کے ذمے نذر ہے (تو میں کیا کروں)؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم اس کی

(۱) [صحيح : أحكام الجنائز (ص/۲۱۰) ابن ماجة (۱۶۱۲) كتاب الجنائز : باب ما جاء في النهي عن الاجتماع إلى أهل الميت ' أحمد (۲۰٤/۲)] حافظ بوصیریؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[الزوائد (۵۳۵/۱)]

(۲) [حسن : أحكام الجنائز (ص/۲۱۲) أحمد (۱۷۶۰) حاكم (۳۷۲/۱) بيهقي (٦۰/٤)]

(۳) [بخاري (۱۵٦/٤) كتاب الصوم : باب من مات وعليه صوم ' مسلم (۱۵۵/۳) أبو داود (۳۷٦/۱) بيهقي (۲۷۹/٦) أحمد (٦۹/٦)]

طرف سے نذر پوری کر دو۔‘‘ (۱)

④ میت کی طرف سے کوئی بھی شخص قرض ادا کر سکتا ہے:

جیسا کہ عہد رسالت میں ایک شخص مقروض فوت ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿صلوا علی صاحبکم﴾ ’’اپنے ساتھی پر خود نماز پڑھو۔‘‘ تو حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا ﴿صل علیه یا رسول الله وعلیّ دینه فصلی علیه﴾ ’’اے اللہ کے رسول! آپ اس کی نماز جنازہ پڑھیے اور اس کا قرض میرے ذمے ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔‘‘ (۲)

⑤ صالح اولاد جو بھی نیک اعمال سرانجام دے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿لَيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ﴾ [النجم: ۳۹] ’’انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی اس نے کوشش کی۔‘‘ اور اولاد انسان کی کوشش و کمائی میں سے ہے جیسا کہ حدیث نبوی ہے کہ ﴿إن أطیب ما أکل الرجل من کسبه وإن ولده من کسبه﴾ ’’بے شک سب سے پاکیزہ چیز جسے انسان کھاتا ہے وہ اس کی (اپنے ہاتھوں کی) کمائی ہے اور بے شک اس کی اولاد بھی اس کی کمائی میں سے ہی ہے۔‘‘ (۳)

⑥ صدقہ جاریہ اور اچھے اثرات:

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ﴾ [یٰس: ۱۲] ’’ہم لکھتے جاتے ہیں وہ اعمال بھی جن کو لوگ آگے بھیجتے ہیں اور ان کے وہ اعمال بھی جن کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں (یعنی ایسے عمل اور نمونے دنیا میں پیچھے چھوڑ جاتے ہیں کہ ان کے مرنے کے بعد لوگ ان کی اقتداء میں وہ اعمال بجا لاتے رہتے ہیں)۔‘‘

(2) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ’’جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو تین اعمال کے سوا اس کے تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں:

1- صدقہ جاریہ۔
2- ایسا علم جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہوں۔
3- نیک و صالح اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہے۔ (٤)

---

(۱) [بخاری (۵/٤٤٠) کتاب الوصایا : باب ما یستحب لمن توفی فجائة أن یتصدقوا عنه قضاء، نسائی (۲/۱۳۰) ترمذی (۲/۳۷۵) بیهقی (٤/۲۵٦) أحمد (۱۸۹۳)]

(۲) [بخاری (۳/۳٦۸) کتاب الحوالات : باب من تکفل عن میت دینا فلیس له أن یرجع، أحمد (٤/٤۷) نسائی (۱/۲۷۸) دارمی (۲/۲٦۳) ابن ماجة (۲/۷۵)]

(۳) [حسن : أحکام الجنائز (ص/۲۱۷) أبو داود (۲/۱۰۸) کتاب البیوع : باب فی الرجل یا کل من مال ولده، نسائی (۲/۲۱۱) ترمذی (۲/۲۸۷) دارمی (۲/۲٤۷) ابن ماجة (۲/۲) حاکم (۲/٤٦) أحمد (٦/٤۱)]

(٤) [مسلم (۵/۷۳) کتاب الوصیة : باب ما یلحق الإنسان من الثواب بعد المیت، الأدب المفرد للبخاری (ص/۸) أبو داود (۲/۱۵) نسائی (۲/۱۲۹) بیهقی (٦/۲۷۸) أحمد (۲/۳۷۲)]

485- قبر پر میت کا نام اور تاریخ وفات لکھنا

(البانیؒ) انہوں نے اسے بدعات میں شمار کیا ہے۔(۱) یہ عمل ثابت نہیں اس لیے اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔(۲)

486- وفات کے تیسرے اور چالیسویں دن ختم وغیرہ کی مجالس

(ابن بازؒ) ایسے پروگرام منعقد کرنا بدعت ہے۔(۳)

❁❁❁

(۱) [أحكام الجنائز (ص/۳۳۲)]

(۲) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: المدخل (۲۷۲/۳) الإغاثة (۱۹۶/۱) الإبداع (۹۵)]

(۳) [الفتاوى الإسلامية (۳۱/۲)]

- باب زکاۃ الحیوان جانوروں کی زکوٰۃ کا بیان
  - پہلی فصل: اونٹوں کی زکوٰۃ
  - دوسری فصل: گائے کی زکوٰۃ
  - تیسری فصل: بھیڑ بکریوں کی زکوٰۃ
  - چوتھی فصل: جانوروں کو اکٹھا کرنے، علیحدہ علیحدہ کرنے اور اوقاص کا بیان
- باب زکاۃ الذھب والفضۃ سونے اور چاندی کی زکوٰۃ کا بیان
- باب زکاۃ النباتات زرعی پیداوار کی زکوٰۃ کا بیان
- باب مصارف الزکاۃ زکوٰۃ کے مصارف کا بیان
- باب صدقۃ الفطر صدقہ فطر کا بیان

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ﴾

[حم السجدة : ۷]

”ہلاکت ہے ان مشرکوں کے لیے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔“

حدیث نبوی ہے کہ

﴿مانع الزكاة يوم القيامة فى النار﴾

”زکوٰۃ ادا نہ کرنے والا روز قیامت آگ میں ہوگا۔“

[صحيح الجامع الصغير للألباني (۵۸۰۷)]

کتاب الزکاۃ❶

زکوٰۃ کے مسائل

زکوٰۃ حسب ذیل اموال میں واجب ہے ❷ جبکہ مالک مکلف ہو۔ ❸	تَجِبُ فِي الْأَمْوَالِ الَّتِي سَتَأْتِي إِذَا كَانَ الْمَالِكُ مُكَلَّفًا

❶ **لغوی وضاحت:** لفظ زکوٰۃ ''بڑھنا' نشوونما پانا اور پاکیزہ ہونا'' کے معانی میں مستعمل ہے۔اس کے تین ابواب آتے ہیں زَكَى يَزْكُوْ (نصر) زَكَّى يُزَكِّي (تفعيل) تَزَكَّى يَتَزَكَّى (تفعّل)۔(۱)

زکوٰۃ کو زکوٰۃ اس لیے کہتے ہیں کہ اس سے زکوٰۃ دینے والے کا مال مزید بڑھ جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ﴿وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ﴾ ''اللہ تعالیٰ صدقات کو بڑھا دیتے ہیں۔''[البقرة : ۲۷۶] اور حدیث نبوی ہے کہ ﴿ما نقصت صدقة من مال﴾ ''صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا۔''(۲)

زکوٰۃ مال کو پاک کر دیتی ہے اور صاحب مال کو بخل کی رزالت سے اور گناہوں سے پاک کر دیتی ہے۔ان دونوں لغوی معنوں کو ایک ہی آیت میں دیکھا جا سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا﴾ [التوبة :۱۰۳] ''آپ ﷺ ان کے مالوں سے صدقہ لیں جس کے ذریعے آپ انہیں گناہوں سے پاک کر دیں اور ان کے اجر اور مال میں اضافہ کریں۔''

اس کے علاوہ اکثر مقامات پر یہ لفظ پاکیزگی کے معنی میں استعمال ہوا ہے مثلاً:

(1) ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا﴾ [الشمس:۹] ''بے شک فلاح پا گیا وہ شخص جس نے نفس کا تزکیہ کر لیا۔''
(2) ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى﴾ [الأعلى :۱٤] ''بے شک وہ شخص کامیاب ہو گیا جس نے تزکیہ کر لیا۔''
(3) ﴿فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ﴾ [النجم :۳۲] ''اپنے نفسوں کا تزکیہ نہ بیان کرو۔''

شرعی تعریف: ایسا حق ہے جو مال میں واجب ہے' جسے کسی فقیر یا اس کی مثل (یا اس کے علاوہ شریعت کے بتائے ہوئے) کسی شخص کو ادا کیا جاتا ہے جبکہ وہ کسی شرعی مانع کے ساتھ متصف نہ ہو۔(۳)

صاحب قاموس نے زکوٰۃ کی تعریف ان لفظوں میں کی ہے ((ما أخرجته من مالك لتطهره به)) ''اپنے مال کو پاک کرنے کی غرض سے جو چیز آپ نکالیں وہ زکوٰۃ ہے۔''(٤)

---

(۱) [المنجد (ص/۳۳۹) القاموس المحيط (ص/۱۱٦۳) سبل السلام (۷۸۷/۲)]

(۲) [مسلم (۲۵۸۸) كتاب البر والصلة والآداب : باب استحباب العفو والتواضع' أحمد (۲۳۵/۲) ابن خزيمة (۲٤۳۸) ترمذی (۲۰۲۹)]

(۳) [الفقه الإسلامي وأدلته (۱۷۸۸/۳) نيل الأوطار (٦۷/۳) المغني (۵۷۲/۲) كشاف القناع (۱۹۱/۲) اللباب (۱۳۹/۱) مراقی الفلاح (ص/۱۲۱) الدر المختار (۲/۲)]

(٤) [القاموس المحيط (ص/۱۱٦۳)]

○ فرضیت زکوۃ کا وقت:

اس کے وقتِ فرضیت میں علماء کا اختلاف ہے۔اکثر علماء کا خیال یہ ہے کہ یہ 2ھ میں صیام رمضان کی فرضیت سے پہلے فرض ہوئی اور بعض کا کہنا ہے کہ یہ فرض تو مکہ ہی میں ہوگئی تھی لیکن اس کے تفصیلی احکام مدینہ میں 2ھ کو نازل ہوئے۔(۱)

○ فرضیت زکوۃ کی حکمتیں:

① تاکہ مال پاکیزہ وبابرکت ہوجائے۔

② فقراء ومساکین کی مدد وتعاون کے لیے۔

③ انسان کا نفس بخیلی وکنجوسی جیسی بری صفات وگناہوں سے محفوظ ہوجائے۔

④ مال کی نعمت کی وجہ سے انسان پر جو اللہ کا شکر لازم آتا ہے وہ ادا ہوجائے۔(۲)

❷ جیسا کہ دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) ﴿وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾ [البقرة: ٤٣] ''اور زکوۃ ادا کرو۔''

(2) ﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾ [التوبة: ١٠٣] ''ان کے مالوں سے آپ صدقہ لیجیے۔''

(3) ﴿وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ﴾ [الأنعام: ١٤١] ''اس کے کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو (یعنی پھل اتارنے یا فصلوں کی کٹائی کے وقت)۔''

(4) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ کرتے وقت فرمایا کہ ﴿إن الله قد افترض عليهم صدقة في أموالهم﴾ ''(انہیں جا کر اطلاع دو کہ) بے شک اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے مالوں میں صدقہ (یعنی زکوۃ کو) فرض قرار دیا ہے۔''(۳)

(5) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو فریضہ زکوۃ کے متعلق یہ تحریر بھیجی ﴿هذه فريضة الصدقة التي فرضها رسول الله على المسلمين والتي أمر الله بها رسوله﴾ ''یہ وہ فریضہ زکوۃ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے۔''(٤)

(6) حدیث نبوی ہے کہ ﴿بني الاسلام على خمس......وإيتاء الزكاة﴾ ''پانچ چیزوں پر اسلام کی بنیاد رکھی گئی ہے (ان میں سے ایک یہ بھی ہے) اور زکوۃ ادا کرنا۔''(٥)

---

(١) [فتح الباری (٤/٩-١٠) نيل الأوطار (٦٧/٣) فقه الزكوٰة للقرضاوى (٥٨/١)]

(٢) [الفقه الإسلامي وأدلته (١٧٩٠/٣)]

(٣) [بخاری (١٣٩٥) كتاب الزكاة : باب وجوب الزكاة ' مسلم (١٩) أبو داود (١٥٤٨) ترمذی (٦٢١) نسائی (٥/٢) ابن ماجة (١٨٧٣) أحمد (٢٣٣/١)].

(٤) [بخاری (١٤٥٤) كتاب الزكاة : باب زكاة الغنم ' أبو داود (١٥٦٧) نسائی (٢٤٤٧)]

(٥) [بخاری (٨) كتاب الإيمان : باب دعائكم إيمانكم]

(7) حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ﴿بایعت النبی ﷺ علی إقام الصلاة و إیتاء الزکاة والنصح لکل مسلم﴾ ''میں نے ان امور پر نبی ﷺ کی بیعت کی: کہ میں نماز قائم کروں گا' زکوٰۃ ادا کروں گا اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا۔'' (۱)

(8) زکوٰۃ کے وجوب پر ہمیشہ سے مسلمانوں کا اجماع ہے۔(۲)

487- زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے کا انجام

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ [آل عمران: ۱۸۰] ''جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے کچھ دے رکھا ہے وہ اس میں کنجوسی کو اپنے لیے بہتر خیال نہ کریں بلکہ وہ ان کے لیے نہایت بدتر ہے' عنقریب قیامت والے دن یہ اپنی کنجوسی کی چیز کے طوق ڈالے جائیں گے۔''

(2) ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ٥ يَوْمَ يُحْمَى .... الخ﴾ [التوبة: ۳٤-۳۵] ''جو لوگ سونے چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے' انہیں دردناک عذاب کی خبر پہنچا دیجیے کہ جس دن اس خزانے کو آتش دوزخ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں' اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی۔ (اور ان سے کہا جائے گا کہ) یہ ہے جسے تم نے اپنے لیے خزانہ بنا کر رکھا تھا پس اپنے خزانوں کا مزہ چکھو۔''

(3) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا لیکن اس نے زکوٰۃ ادا نہ کی تو قیامت کے دن اس کا مال زہریلے گنجے سانپ کی شکل اختیار کرے گا۔ جس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گیا اور وہ اس کے گلے کا ہار ہوگا' وہ اس کے دونوں جبڑوں کو پکڑے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں' میں تیرا خزانہ ہوں۔(۳)

(4) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس شخص کے پاس بھی سونا چاندی ہے اور وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تو قیامت کے دن اس کے لیے سونے چاندی کے پترے آگ سے بنائے جائیں گے' دوزخ کی آگ میں ان کو گرم کیا جائے گا پھر ان پتروں سے اس کے پہلوؤں' اس کی پیشانی اور اس کی کمر کو داغا جائے گا۔ پچاس ہزار سال کے دن میں بندوں میں فیصلے ہونے تک جب بھی ان پتروں کو (اس کے بدن سے) دوزخ کی جانب پھیرا جائے گا' اس کو اس (کے جسم) کی طرف (تسلسل کے ساتھ) لوٹانے کا عمل جاری رہے گا۔

آپ سے دریافت کیا گیا' اے اللہ کے رسول! اونٹوں کا (حکم) کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا' جو اونٹوں والا اونٹوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا' جب کہ اونٹوں کے بارے میں یہ حق بھی (مستحب) ہے کہ جس دن ان کو پانی پلانے کے لیے لے جایا جائے ان کا دودھ دھو کر (فقراء و مساکین میں) تقسیم کیا جائے تو جب قیامت کا دن ہوگا تو زکوٰۃ نہ دینے والے اونٹوں کے مالک کو (چہرے کے

---

(۱) [بخاری (۱٤۰۱) کتاب الزکاة : باب البیعة علی إیتاء الزکاة]

(۲) [الفقه الإسلامی وأدلته (۱۷۹۲/۳)]

(۳) [بخاری (۱٤۰۳) کتاب الزکاة : باب إثم مانع الزکاة]

بل) اونٹوں کے (پامال کرنے کے) لیے چٹیل کھلے میدان میں گرا دیا جائے گا' اونٹ پہلے سے زیادہ موٹے تازے اور کثیر تعداد میں ہوں گے ان میں سے کوئی بچہ بھی غائب نہیں ہوگا چنانچہ اونٹ اپنے مالک کو اپنے پاؤں سے روندیں گے اور اپنے دانتوں کے ساتھ کاٹیں گے جب اس پر سے پہلا دستہ گزر جائے گا تو پھر اس پر سے دوسرا دستہ گزرے گا (یہ تسلسل اس روز تک قائم رہے گا) جس کی مدت پچاس ہزار سال کے برابر ہے یہاں تک کہ بندوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے گا اور ہر شخص اپنے مقام کو ملاحظہ کرے گا کہ وہ جنت میں ہے یا دوزخ میں ہے۔

دریافت کیا گیا' اے اللہ کے رسول! گائے اور بکریوں کا کیا (حکم) ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا' گائے بکریوں کا جو مالک بھی ان کی زکوۃ ادا نہیں کرتا تو قیامت کے دن اس کو ان کے لیے چٹیل وسیع میدان میں (منہ کے بل) گرایا جائے گا۔ جانوروں میں سے کوئی جانور غائب نہیں ہوگا ان میں خم دار سینگوں والا' بغیر سینگوں والا اور ٹوٹے ہوئے سینگوں والا کوئی جانور نہ ہوگا۔ جانور اس کو سینگ ماریں گے اور کھروں کے ساتھ اسے پامال کریں گے جب اس پر پہلا دستہ گزر جائے گا تو اس پر آخری دستہ (اس روز تک تسلسل کے ساتھ) گزرتا رہے گا جس کی مدت پچاس ہزار سال ہے یہاں تک کہ انسانوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے گا تو ہر شخص اپنا ٹھکانہ دیکھ لے گا کہ جنت میں ہے یا دوزخ میں ہے۔

آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا' اے اللہ کے رسول! گھوڑوں کے بارے میں کیا (حکم) ہے؟ آپ نے فرمایا' گھوڑوں کی تین قسمیں ہیں۔ کسی شخص کے لیے گھوڑے وبال ہوں گے جبکہ بعض لوگوں کے لیے پردہ ہوں گے اور بعض کے لیے (باعث) ثواب ہوں گے۔ اُس شخص کے لیے وبال ہیں جس نے ان کو ریاء' فخر اور مسلمانوں کی عداوت کے لیے باندھا ہوا ہے اور اُس شخص کے لیے پردہ ہوں گے جس نے ان کو فی سبیل اللہ رکھا ہوا ہے نیز ان کی پیٹھ اور ان کی گردنوں میں جو حقوق ہیں وہ ان کی ادائیگی میں غفلت نہیں کرتا اور اُس شخص کے لیے باعث اجر و ثواب ہیں جس نے ان کو اہل اسلام کے لیے فی سبیل اللہ چراگاہ اور باغیچے میں رکھا ہوا ہے' وہ وہاں سے جو کچھ بھی چرتے ہیں تو ان کے مالک کے لیے اس کے برابر نیکیاں ثبت ہوتی ہیں اور ان کے گوبر اور پیشاب کے برابر نیکیاں ثبت ہوتی ہیں۔ اور وہ اپنی رسی کو توڑ کر جب کسی ایک ٹیلے یا دو ٹیلوں پر قوت کے ساتھ چلتے ہیں تو ان کے قدموں کے نشانات اور ان کا گوبر نیکیوں کی شکل میں تحریر ہوتا ہے اور جب بھی ان کا مالک ان کو لے کر کسی نہر کے پاس سے گزرتا ہے اور وہ نہر سے پانی پیتے ہیں حالانکہ مالک کا ارادہ ان کو پانی پلانے کا نہیں ہے تو جس قدر انہوں نے پانی پیا اس کے برابر نیکیاں ثبت ہوتی ہیں۔

پھر آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا' اے اللہ کے رسول! ''گدھوں کے بارے میں کیا (حکم) ہے؟ آپ نے فرمایا' گدھوں کے بارے میں مجھ پر اس ایک جامع آیت کے سوا کچھ نازل نہیں ہوا (جس کا ترجمہ یہ ہے) ''جس شخص نے ذرہ بھر نیک عمل کیا وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس شخص نے ذرہ بھر برا عمل کیا وہ اس کو دیکھ لے گا۔'' (1)

❸ مکلّف ایسے شخص کو کہتے ہیں جس پر شرعی احکام لاگو ہوتے ہیں۔ علامہ یوسف قرضاوی رقمطراز ہیں کہ علمائے اسلام نے اجماع کیا ہے کہ بلاشبہ زکوۃ مسلمان' بالغ' عاقل' آزاد اور نصاب کے مالک پر واجب ہے۔ نیز مسلمانوں نے اس بات پر بھی

(1) [مسلم (٩٧٨) كتاب الزكاة : باب إثم مانع الزكاة ' أبو داود (١٦٥٨) أحمد (٢/٢٦٢) عبدالرزاق (٦٨٥٨) ابن خزيمة (٢٢٥٢) ابن حبان (٣٢٥٣) بيهقي (٤/٨١)]

اتفاق کیا ہے کہ فریضہ زکوۃ غیر مسلم پر لازم نہیں ہوتا۔ اگرچہ کفار اور غیر مسلم بھی تمام احکامات کے مخاطب ہیں لیکن ان سے زکوۃ کا مطالبہ اس لیے نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ فروعی مسائل کے مکلف ہونے سے پہلے اسلام لانے کے مکلف ہیں۔(۱)

(ابن حزمؒ) کافر سے زکوۃ نہیں لی جائے گی۔(۲)

(ابن قدامہؒ) زکوۃ صرف آزاد مسلمانوں پر فرض ہے۔ آزاد ہونا اس لیے لازم ہے کیونکہ غلام مکمل مالک نہیں ہوتا اور جب تک کوئی شخص مالک ہی نہ ہو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہو سکتی۔(۳)

(شافعیؒ، ابوحنیفہؒ، ابن حزمؒ) غلام کے مال کی زکوۃ اس کے مالک پر لازم ہے۔(٤)

عاقل و بالغ ہونے کی شرط اس لیے لگائی گئی ہے کیونکہ فاتر العقل پر اور بلوغت سے قبل شرعی احکام کا نفاذ نہیں ہوتا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿رفع القلم عن ثلثه عن النائم حتى يستيقظ وعن الغلام حتى يحتلم وعن المجنون حتى يفيق﴾ ''تین آدمیوں کا گناہ نہیں لکھا جاتا: سونے والے کا تاوقتیکہ وہ بیدار نہ ہو جائے' بچے کا جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے اور پاگل کا حتی کہ اسے افاقہ ہو جائے۔''(٥)

اس مسئلے میں فقہاء نے طویل اختلاف کیا ہے جسے فقہ کی ضخیم کتب میں دیکھا جا سکتا ہے۔(٦)

لیکن راجح بات یہ ہے کہ بچے اور فاتر العقل شخص کے مال میں بھی زکوۃ واجب ہے کیونکہ زکوۃ مال کا حق ہے اور وہ کسی کے چھوٹے یا فاتر العقل ہونے سے ساقط نہیں ہوتا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم﴾ [التوبة : ۱۰۳] ''ان کے مالوں سے آپ زکوۃ لیجیے جس کے ذریعے سے آپ ان کو پاک صاف کر دیں۔''

امام بخاریؒ نے باب قائم کیا ہے کہ ((باب إنفاق المال في حقه)) ''مال کو اس کے حق میں خرچ کرنے کا بیان۔'' اور اس کے تحت یہ حدیث لائے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿لا حسد إلا في اثنين رجل آتاه الله مالا فسلطه على هلكته في الحق......﴾ ''حسد (یعنی رشک) کرنا صرف دو ہی آدمیوں کے ساتھ جائز ہو سکتا ہے' ایک تو اس شخص کے ساتھ جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اسے حق میں خرچ کرنے کی توفیق دی۔''(٧)

چونکہ مقصود غرباء و مساکین کا فائدہ کرنا ہے لہٰذا مال کسی کا بھی ہو اس سے ان کا حق نکالنا لازم ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ﴿تؤخذ من أغنيائهم﴾ جس سے معلوم ہوا کہ اغنیاء سے زکوۃ لی جائے گی۔ اب یہ لفظ عام ہیں ان میں نابالغ اور بالغ

---

(۱) [فقه الزكاة (۹٥/۱)]

(۲) [المحلى بالآثار (۳/٤)]

(۳) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: المغني (٦۹/٤) المجموع (۳۲٦/٥) رد المختار (٥/۲) بداية المجتهد (۲۰۹/۱)]

(٤) [المحلى بالآثار (٤/٤)]

(٥) [أحمد (۱٤٤/٦) أبو داود (٤۳۹۸) ابن ماجة (۲۰٤۱) نسائي (۱٥٦/٦) دارمي (۱۷۱/۲) ابن الجارود (۱٤۸)]

(٦) [الأم للشافعي (۳٥/۲) شرح المهذب (۳۰۰/٥) الحاوي (۱٥۲/۳) روضة الطالبين (۳/۲) كشاف القناع (۱٦۹/۲) سبل السلام (۱۸۳/۲)]

(٧) [بخاري (۱٤۰۹) كتاب الزكاة]

دونوں شامل ہیں' اسی طرح عقلمند اور مجنون بھی شامل ہیں۔ اس لیے ان کے مال میں بھی زکوٰۃ واجب ہے جبکہ اس کی ادائیگی ان کے اولیاء پر ہوگی۔

(ابن حزمؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(۱)

(ابن قدامہؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۲)

(یوسف قرضاوی) یہی موقف رکھتے ہیں۔(۳)

488- نابالغ کے مال میں وجوب زکوٰۃ کی روایات ضعیف ہیں

(1) ایک روایت میں ہے کہ ﴿من ولی یتیما فلیتجر له ولا یترکه تاکله الصدقة﴾ ''جو شخص کسی یتیم کا والی بنے وہ اس کے مال سے تجارت کرے اور اسے ایسے ہی نہ چھوڑے کہ اسے زکوٰۃ ختم کردے۔''(٤)

(2) ﴿ابتغوا فی أموال الیتمی لا تاکلها الصدقة﴾ ''یتیموں کے اموال کو تجارت میں صرف کرو کہیں زکوٰۃ انہیں ختم نہ کردے۔''(٥)

❁❁❁

(١) [المحلی بالآثار (٤/٤-٥)]

(٢) [المغنی (٤/٦٩)]

(٣) [فقه الزکاۃ (١/١١٩)]

(٤) [ضعیف : إرواء الغلیل (٧٨٨) ترمذی (٦٤١) دارقطنی (٢/١٠٩) بیهقی (٤/١٠٧)] اس کی سند میں مثنی بن صباح راوی ضعیف ہے۔[میزان الاعتدال (٦/١٩)]

(٥) [ترتیب المسند للشافعی (١/٢٢٤) بیهقی (٤/١٠٧) یہ حدیث مرسل ہے لہذا قابل حجت نہیں۔[السیل الجرار (٢/١١)]

باب زکاۃ الحیوان — جانوروں کی زکوٰۃ کا بیان

إِنَّمَا تَجِبُ مِنْهُ فِي النَّعَمِ وَهِيَ الْإِبِلُ وَالْبَقَرُ وَالْغَنَمُ	مویشیوں میں صرف اونٹ' گائے اور بھیڑ بکریوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔ ❶

جانوروں کی زکوٰۃ فرض ہونے کے لیے شرط ہے کہ ان کی پرورش کا اکثر و بیشتر انحصار پہاڑوں' جنگلوں یا دیگر سبزہ دار جگہوں میں چرنے پر ہو نہ کہ گھریلو چارے پر۔

❶ زکوٰۃ صرف اِن مویشیوں میں اس لیے ہے کیونکہ کتاب وسنت میں صرف انہی جانوروں پر فرضیت زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا ہے۔علاوہ ازیں گھوڑوں کی زکوٰۃ میں اختلاف تو ہے لیکن اس میں راجح بات یہی ہے کہ ان میں زکوٰۃ فرض نہیں۔

پہلی فصل

اونٹوں کی زکوٰۃ

إِذَا بَلَغَتِ الْإِبِلُ خَمْسًا فَفِيهَا شَاةٌ ثُمَّ فِي كُلِّ خَمْسٍ شَاةٌ فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا وَّعِشْرِينَ فَفِيهَا ابْنَةُ مَخَاضٍ أَوْ ابْنُ لَبُونٍ وَفِي سِتٍّ وَثَلَاثِينَ ابْنَةُ لَبُونٍ وَفِي سِتٍّ وَأَرْبَعِينَ حِقَّةٌ وَفِي إِحْدَى وَسِتِّينَ جَذَعَةٌ وَفِي سِتٍّ وَسَبْعِينَ بِنْتَا لَبُونٍ وَفِي إِحْدَى وَتِسْعِينَ حِقَّتَانِ إِلَى مِائَةٍ وَعِشْرِينَ فَإِذَا زَادَتْ فَفِي كُلِّ أَرْبَعِينَ ابْنَةُ لَبُونٍ وَفِي كُلِّ خَمْسِينَ حِقَّةٌ	جب اونٹوں کی تعداد پانچ (5) ہو جائے تو ان پر ایک بکری' اور پھر ہر پانچ اونٹوں پر ایک بکری ہے۔جب اونٹوں کی تعداد پچیس (25) ہو جائے تو ان میں ایک سال کی اونٹنی یا دو سال کا اونٹ اور چھتیس (36) میں دو سال کی اونٹنی اور چھیالیس (46) میں تین سال کی اونٹنی اور اکسٹھ (61) میں چار سال کی اونٹنی اور چھہتر (76) میں دو دو سال کی دو اونٹنیاں اور اکانوے (91) سے ایک سو بیس (120) تک تین تین سال کی دو اونٹنیاں اور اگر تعداد اس سے زیادہ ہو جائے تو ہر چالیس (40) پر دو سال کی اونٹنی اور ہر پچاس (50) پر تین سال کی اونٹنی لازم آئے گی۔ ❶

❶ بنت مخاض: ایسی اونٹنی کو کہتے ہیں جس کی عمر کا پہلا سال مکمل ہو کر دوسرا شروع ہو چکا ہو اور اس کی ماں حاملہ ہونے کے قابل ہو جائے اگرچہ ہنوز حاملہ نہ ہوئی ہو۔

ابن لبون: وہ اونٹ جو دو سال کی عمر مکمل کر کے تیسرے سال میں داخل ہو چکا ہو۔

بنت لبون: ایسی اونٹنی جو دو سال کی عمر پوری کر کے تیسرے سال میں قدم رکھ چکی ہو۔

حقہ: ایسی اونٹنی جو تین سال کی عمر پوری کر کے چوتھے سال میں داخل ہو چکی ہو۔

جذعہ: وہ اونٹنی جو اپنی عمر کے چار سال مکمل کر کے پانچویں سال میں داخل ہو چکی ہو۔(۱)

(۱) [نیل الأوطار (۸۱/۳) سبل السلام (۷۹۱/۲) التعلیقات الرضیة علی الروضة الندیة للألبانی (۴۹۲/۱)]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو فریضہ زکوٰۃ کے بارے میں وہ تحریر لکھ کر دی جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر مقرر فرمایا تھا اور جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو دیا تھا۔ وہ یہ ہے کہ اونٹوں کی چوبیس (24) یا اس سے کم تعداد پر بکریاں ہیں ہر پانچ اونٹوں پر ایک بکری ہے۔ جب تعداد پچیس (25) سے بڑھ کر پینتیس (35) ہو جائے تو اس تعداد پر ایک سالہ اونٹنی ہے۔ اگر میسر نہ ہو تو پھر دو سالہ نر بچہ ہے۔ اور جب چھتیس (36) سے تعداد بڑھ کر پینتالیس (45) تک پہنچ جائے تو ان میں دو سالہ اونٹنی ہے۔ اور جب چھیالیس (46) سے بڑھ کر ساٹھ (60) تک تعداد پہنچ جائے تو ان میں تین سالہ جوان اونٹ کی جفتی کے قابل اونٹنی ہے۔ اور جب اکسٹھ (61) سے بڑھ کر پچھتر (75) تک پہنچ جائے تو ان میں چار سالہ اونٹ ہے۔ اور جب چھہتر (76) سے تعداد بڑھ کر نوے (90) ہو جائے تو ان میں دو دو سالہ دو اونٹنیاں ہیں۔ اور پھر اکانوے (91) سے بڑھ کر تعداد ایک سو بیس (120) تک پہنچ جائے تو ان میں تین تین سالہ دو جوان اونٹنیاں ہیں جو اونٹ کی جفتی کے قابل ہوں۔ اور جب تعداد ایک سو بیس سے زائد ہو جائے تو پھر ہر چالیس اونٹوں پر ایک دو سالہ اونٹنی اور ہر پچاس پر تین سالہ اونٹنی اور جس کے پاس صرف چار ہی اونٹ ہوں تو اس تعداد پر کوئی زکوٰۃ نہیں الا کہ ان کا مالک ادا کرنا چاہے۔(۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ (کے نصاب وغیرہ کی تفصیل) لکھوائی تھی لیکن اسے عاملین کی طرف بھیجنے سے پہلے ہی فوت ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے نکالا اور وفات تک اسی پر عمل پیرا رہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی وفات تک اسی پر عمل کیا۔(۲)

(ابن حزمؒ) یہ تحریر انتہائی زیادہ صحت کی حامل ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے علماء کی موجودگی میں اس پر عمل کیا اور کسی نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی۔(۳)

(نوویؒ) اس نصاب پر اجماع ہو چکا ہے۔(٤)

(ابوعبیدؒ) انہوں نے بھی اجماع نقل کیا ہے۔(٥)

(۱) [بخاری (١٤٥٤، ١٤٥٣) کتاب الزکاۃ : باب زکاۃ الغنم، أبو داود (١٥٦٧) نسائی (١٨/٥) ابن ماجة (١٨٠٠) أحمد (١١٣١) دارقطنی (١١٣/٢) حاکم (٣٩٠/١) ابن خزیمة (٢٢٦١)]

(۲) [صحیح : صحیح أبو داود (١٣٨٦) کتاب الزکاۃ : باب زکاۃ السائمة، أبو داود (١٥٦٨) ترمذی (٦٢١) حاکم (٣٩٢/١) بیهقی (٨٨/٤)]

(۳) [المحلی (٢٠/٦)]

(٤) [المجموع (٤٠٠/٥)]

(٥) [الأموال (ص/٣٦٣)]

دوسری فصل

گائے کی زکوۃ

وَيَجِبُ فِيْ ثَلَاثِيْنَ مِنَ الْبَقَرِ تَبِيْعٌ أَوْ تَبِيْعَةٌ وَفِيْ أَرْبَعِيْنَ مُسِنَّةٌ ثُمَّ كَذٰلِكَ	تیں گائیوں پر ایک سالہ مادہ گائے یا نر بچھڑا اور چالیس پر دو سال کا بیل یا گائے واجب ہے۔ ❶

❶ تبیع: گائے کا ایسا نر بچہ جو ایک سال کی عمر پوری کر کے دوسرے سال میں قدم رکھ چکا ہو اور اسے تبیع اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ اپنی ماں کے پیچھے چلنے لگتا ہے۔

تبیعہ: تبیع کے مادہ کو تبیعہ کہتے ہیں۔

مسنہ: ایسا جانور جس کے دو دانت نکل آئے ہوں (یعنی دو سال مکمل کر کے تیسرے میں داخل ہو چکا ہو)۔(۱)

(1) گائیوں میں زکوۃ واجب ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ ﴿ولا صاحب بقر ولا غنم لا يؤدي منها حقها إلا إذا كان يوم القيامة بطح لها بقاع قرقر﴾ "گائے اور بکریوں کا جو مالک بھی ان کی زکوۃ ادا نہیں کرتا تو قیامت کے دن اس کو ان کے لیے چٹیل وسیع میدان میں (منہ کے بل) گرایا جائے گا۔"(۲)

(نوویؒ) گائے کی زکوۃ کے متعلق مروی احادیث میں سے یہ سب سے زیادہ صحیح ہے۔(۳)

(2) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن کی طرف (عامل مقرر کر کے) بھیجا ﴿فأمره أن يأخذ من كل ثلاثين بقرة تبيعا أو تبيعة ومن كل أربعين مسنة﴾ "اور ان کو حکم دیا کہ وہ تیس گائیوں میں ایک سالہ مادہ گائے یا نر بچھڑا وصول کریں اور ہر چالیس کی تعداد پر ایک دو سالہ بچھڑا لیا جائے۔"(٤)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) یہ حدیث گائیوں میں وجوب زکوۃ کی دلیل ہے اور اس کا نصاب وہی ہے جو (اس میں) ذکر کر دیا گیا ہے۔(٥)

(ابن عبدالبرؒ) علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ گائے کی زکوۃ میں سنت وہی ہے جو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔(٦)

(یوسف قرضاوی) گائے میں زکوۃ سنت ہے اور اجماع کے ساتھ ثابت ہے۔(۷)

(ابن منذرؒ) بھینس بھی بالاجماع گائے کی ہی ایک قسم ہے۔(۸)

(۱) [تحفة الأحوذي (۲۹۷/۳) التعليقات الرضية على الروضة الندية (٤٩٤/۱)]
(۲) [مسلم (۹۸۷) كتاب الزكاة : باب إثم مانع الزكاة]
(۳) [شرح مسلم (٧٦/٤)]
(٤) [صحيح : إرواء الغليل (۷۹٥) أحمد (۲۳۰/٥) أبو داود (۱٥۷۸) كتاب الزكاة : باب في زكاة السائمة ترمذی (٦۲۳) نسائی (۲٥/٥) ابن ماجة (۱۸۰۳) حاکم (۳۹۸/۱)]
(٥) [تحفة الأحوذي (۲۹۷/۳)]
(٦) [نيل الأوطار (۸۷/۳) تلخيص الحبير (۳۰۰/۲)]
(۷) [فقه الزكاة (۱۹۲/۱)]
(۸) [المغني (٥۹٤/۲) فقه الزكاة (۱۹۲/۱)]

تیسری فصل

بھیڑبکریوں کی زکوٰۃ

وَيَجِبُ فِيْ أَرْبَعِيْنَ مِنَ الْغَنَمِ شَاةٌ إِلٰى مِائَةٍ وَإِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ وَفِيْهَا شَاتَانِ إِلٰى مِائَتَيْنِ وَوَاحِدَةٍ وَفِيْهَا ثَلَاثُ شِيَاهٍ إِلٰى ثَلَاثِمَائَةٍ وَوَاحِدَةٍ وَفِيْهَا أَرْبَعٌ ثُمَّ فِيْ كُلِّ مِائَةٍ شَاةٌ	چالیس (40) سے ایک سو اکیس (121) بکریوں تک ایک بکری اور دو سو ایک (201) تک میں دو بکریاں اور پھر ہر سو (100) میں ایک بکری واجب ہوتی ہے۔ ❶

❶ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ''بکریوں کی زکوٰۃ' کہ جو باہر چرنے جاتی ہوں' چالیس سے لے کر ایک سو بیس (120) کی تعداد پر صرف ایک بکری وصول کی جائے گی۔ جب یہ تعداد ایک سو بیس سے بڑھ کر دو سو (200) تک پہنچ جائے گی تو دو بکریاں زکوٰۃ میں وصول کی جائیں گی۔ پھر جب دو سو سے بڑھ کر تین سو (300) تک پہنچ جائے گی تو تین بکریاں وصول کی جائیں گی۔ جب تعداد تین سو سے بڑھ جائے گی تو ہر سو پر ایک بکری زکوٰۃ وصول ہوگی۔ اگر کسی کی باہر جنگل میں چرنے والی بکریاں تعداد میں چالیس سے ایک بھی کم ہوں تو مالک پر کوئی زکوٰۃ نہیں اِلا کہ مالک (خوشی سے) دینا چاہے۔(۱)

بھیڑبکریوں میں زکوٰۃ کی فرضیت اور اس کے مذکورہ نصاب کی تعیین پر اجماع ہے۔(۲)

(۱) [بخاری (۱۴۵۴) کتاب الزکاۃ : باب زکاۃ الغنم' أبو داود (۱۵۶۷) ابن ماجۃ (۱۸۰۰) ابن خزیمۃ (۲۲۶۱)]

(۲) [الإجماع لابن المنذر (ص/۴۶-۴۷) المجموع للنووی (۴۱۷/۵) المغنی والشرح (۴۷۲/۲) بدایۃ المجتهد (۲۲۴/۱) فقه الزکاۃ للقرضاوی (۲۰۴/۱)]

چوتھی فصل

جانوروں کو اکٹھا کرنے' علیحدہ علیحدہ کرنے اور اوقاص کا بیان

وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُفْتَرِقٍ مِنَ الْأَنْعَامِ وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ	زکوۃ (ادا کرنے کے) خوف سے متفرق جانوروں کو اکٹھا کر لینا اور ایک ریوڑ کے جانوروں کو متفرق کر دینا جائز نہیں۔ ❶

❶ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿ولا يجمع بين متفرق ولا يفرق بين مجتمع خشية الصدقة﴾ (۱)
الگ الگ کو جمع کرنے کی صورت یہ ہے کہ مثلاً تین آدمی ہیں ہر ایک کی چالیس چالیس بکریاں ہیں۔ الگ الگ کی صورت میں ہر ایک کو ایک ایک بکری زکوۃ دینا واجب آتی ہے اس طرح مجموعی طور پر تین بکریاں دینی پڑیں گی مگر جب زکوۃ وصول کرنے والا ان کے پاس پہنچتا ہے تو وہ تینوں اپنی اپنی بکریاں جمع کر لیتے ہیں اور تعداد ایک سو بیس (120) بن جانے کی وجہ سے تینوں پر صرف ایک بکری بطور زکوۃ ادا کرنا لازم ہوگا۔
جمع شدہ کو الگ کرنے کی صورت یہ ہے کہ دو آدمی اکٹھے ہیں۔ دو سو دو (202) بکریاں ان کی ملکیت میں ہیں اس طرح دونوں پر تین بکریاں زکوۃ میں دینا لازم ہے مگر جب زکوۃ وصول کرنے والا ان کے پاس پہنچتا ہے تو دونوں اپنی اپنی بکریاں الگ کر لیتے ہیں یعنی اب ہر ایک کے پاس ایک سو ایک (101) بکریاں ہیں۔ اس طرح ان میں سے ہر ایک کو صرف ایک ہی بکری ادا کرنی ہوگی۔ (۲)

وَلَا شَيْئَ فِيْ مَا دُوْنَ الْفَرِيْضَةِ وَلَا فِي الْأَوْقَاصِ	نصاب سے کم تعداد پر ❶ اور دو متعین مقداروں کے درمیانی اجزاء پر زکاۃ واجب نہیں ہے۔ ❷

❶ اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں نیز گزشتہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ لفظ بھی ہیں ﴿ومن لم يكن معه إلا أربع من الإبل فليس فيها صدقة إلا أن يشاء ربها﴾ "اور جس کے پاس صرف چار اونٹ ہوں ان میں زکوۃ واجب نہیں ہے اِلا کہ ان کا مالک چاہے۔" (اور اس حدیث میں یہ لفظ بھی ہیں) ﴿فإذا كانت سائمة الرجل ناقصة عن أربعين شاة شاة واحدة فليس فيها صدقة إلا أن يشاء ربها﴾ "جب آدمی کی چرنے والی بکریوں میں سے چالیس بکریوں سے ایک بکری بھی کم ہو تو ان میں زکوۃ واجب نہیں اِلا کہ اس کا مالک (ادا کرنا) چاہے۔" (۳)

❷ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿أن الأوقاص لا فريضة فيها﴾ "اوقاص میں کوئی فریضہ زکوۃ نہیں۔" (٤)

(۱) [بخاری (۱٤٥٠) كتاب الزكاة : باب لا يجمع بين مفترق ولا يفرق بين مجتمع]
(۲) [فتح الباری (۳/۳٦۸) تحفة الأحوذی (۳/۲۹٥)]
(۳) [بخاری (۱٤٥٤) كتاب الزكاة : باب زكاة الغنم]
(٤) [أحمد (٥/۲٤۰)]

لفظ "اوقاص" وقص کی جمع ہے جس کا معنی جمہور کے نزدیک (کسی بھی نصاب کی) دو متعین مقداروں کا درمیانی حصہ ہے۔(۱)

(شوکانیؒ) اس سے بالاتفاق کچھ بھی زکوٰۃ واجب نہیں۔(۲)

(صدیق حسن خانؒ) اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں (کہ وقص میں کوئی زکوٰۃ نہیں)۔(۳)

(ابوحنیفہؒ) انہوں نے ایک قول کے مطابق گذشتہ مسئلے کی مخالفت کرتے ہوئے چالیس اور ساٹھ گائیوں کے درمیان مسنہ (جانور) کا چوتھا حصہ زکوٰۃ مقرر کر دی ہے۔

(جمہور) اس (امام ابوحنیفہؒ کے موقف) کے مخالف ہیں اور پہلے موقف کو ہی ترجیح دیتے ہیں۔(٤)

وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيطَيْنِ فَيَتَرَاجَعَانِ بِالسَّوِيَّةِ	شراکت دار زکوٰۃ میں برابری کے ساتھ شریک ہوں گے۔ ❶

❶ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ لفظ بھی موجود ہیں ﴿وما كان من خليطين فإنهما يتراجعان بينهما بالسوية﴾ "جو جانور دو آدمیوں کے درمیان مشترکہ ہوں وہ مساوی طور پر زکوٰۃ کا حصہ نکالیں۔"(٥)

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب زکوٰۃ وصول کرنے والا دونوں کے مجموعے پر واجب زکوٰۃ ایک بکری کی صورت میں وصول کر لیتا ہے تو یقیناً یہ ایک آدمی کی بکریوں میں سے وصول ہوئی ہے حالانکہ اس کے ذمے تو نصف بکری ہے اور باقی نصف اس کے دوسرے ساتھی پر ہے۔ تو اب زکوٰۃ وصول کرنے والا دوسرے ساتھی سے نصف بکری کی قیمت وصول کر کے پہلے کے حوالے کر دے گا۔ اس طرح دونوں کی طرف سے ان پر واجب زکوٰۃ ادا ہو جائے گی' کسی بھی کمی بیشی کی شکایت نہیں رہے گی۔(٦)

وَلَا تُؤْخَذُ هَرِمَةٌ وَلَا ذَاتُ عِوَارٍ وَلَا عَيْبٍ وَلَا صَغِيرَةٌ وَلَا أَكُولَةٌ وَلَا رُبَّى وَلَا مَاخِضٌ وَلَا فَحْلُ غَنَمٍ	زکوٰۃ میں بوڑھا' بھینگا' عیب دار' عمر میں چھوٹا' زیادہ کھانے والا' پالتو جانور' حاملہ اور سانڈ وصول نہیں کیا جائے گا۔ ❶

❶ (1) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تحریر میں یہ بات تھی ﴿ولا يخرج في الصدقة هرمة ولا ذات عوار ولا تيس إلا أن يشاء المصدق﴾ "زکوٰۃ کی مد میں بوڑھا' بھینگا اور سانڈ نہ لیا جائے الا کہ زکوٰۃ دینے والا شخص (سانڈ) خود دینا چاہے۔"(٧)

(2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث میں یہ لفظ ہیں ﴿ولا يوخذ في الصدقة هرمة ولا ذات عيب﴾ "زکوٰۃ کی مد میں بوڑھا اور کوئی عیب دار جانور نہ لیا جائے۔"(٨)

(3) حضرت عبداللہ بن معاویہ غاضری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ولا يعطي الهرمة ولا الدرنة

(۱) [نيل الأوطار (۸۸/۳)]
(۲) [أيضا]
(۳) [الروضة الندية (٤٢٩/۱)]
(٤) [الأم (۱۳/۲) المجموع (۳۸٤/٥) بدائع الصنائع (۲۸/۲) الهداية (۹۹/۱) المغنى (۳۰/٤)]
(٥) [بخاری (۱٤٥۱) كتاب الزكاة : باب ما كان من خليطين فإنهما يتراجعان بينهما بالسوية]
(٦) [إرشاد السارى (۳۷۷/۳) تحفة الأحوذى (۲۹٥/۳)]
(۷) [بخاری (٤۱٥٤) كتاب الزكاة : باب زكاة الغنم' أبو داود (۱٥٦۷) ابن ماجة (۱۸۰۰)]
(۸) [صحيح : صحيح أبو داود (۱۳۸٦) كتاب الزكاة : باب زكاة السائمة' أبو داود (۱٥٦۸) ترمذى (٦۲۱)]

ولا المريضة ولا الشَّرَطَ اللَّئِيمة ولكن من أوسط أموالكم﴾ ''کوئی شخص بھی بطور زکوٰۃ بوڑھا' عیب دار' بیمار اور بدترین (یا چھوٹا) جانور نہ دے بلکہ اپنے اوسط درجہ کے اموال میں سے زکوٰۃ دے۔''(۱)

الدَّرِنَة : میلا کچیلا جانور اور امام خطابیؒ نے اس سے خارش زدہ بھی مراد لیا ہے۔(۲)

الشَّرَطَ اللَّئِيمَةَ: چھوٹا اور بدترین مال۔ " **اللئيمة** " یعنی دودھ دینے میں بخیل جانور۔(۳)

(4) حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ لینے والے کو حکم دیا کہ ﴿ولا تاخذ الأكولة ولا الربى ولا الما خض ولا فحل غنم﴾ ''زکوٰۃ میں بانجھ پالتو جانور' حاملہ اور سانڈ وصول نہ کرو۔''(٤)

یہ روایت مرفوع بھی بیان کی گئی ہے۔(٥)

489- گھٹیا اور ردی قسم کی اشیاء زکوٰۃ میں دینا جائز نہیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ إِلَّآ أَن تُغْمِضُوا فِيهِ﴾ [البقرة : ٢٦٧] ''اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے اور زمین سے تمہارے لیے ہماری نکالی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرو۔ ان میں سے بری چیزوں کے خرچ کرنے کا قصد نہ کرنا کہ جسے تم خود لینے والے نہیں ہو ہاں اگر آنکھیں بند کر لو تو (یعنی جس طرح تم خود ردی چیزیں لینا پسند نہیں کرتے' اس طرح اللہ کی راہ میں بھی ایسی چیزیں خرچ مت کرو)۔''

490- گدھوں' خچروں اور گھوڑوں پر زکوٰۃ نہیں

کیونکہ کتاب وسنت میں ان کی زکوٰۃ مقرر نہیں کی گئی لیکن یہ یاد رہے کہ اگر یہ جانور تجارت کے لیے ہوں تو پھر دیگر اموال تجارت کی طرح ان کی بھی قیمت لگا کر اڑھائی فیصد زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

491- پالتو جانوروں پر زکوٰۃ فرض نہیں

ایسے اونٹ' گائے' بھینسیں اور بکریاں جن کی پرورش گھر میں چارہ ڈال کر کی جاتی ہو تو ان میں زکوٰۃ واجب نہیں تاہم ان سے حاصل شدہ آمدنی اگر کچھ جمع ہو جائے تو سال گزرنے پر دیگر اموال کیساتھ اس کی بھی زکوٰۃ دی جائے گی لیکن اگر یہ جانور بھی تجارت کے لیے ہوں تو ان سے بھی زکوٰۃ دی جائے گی۔

---

(۱) [**صحيح** : صحيح أبو داود (١٤٠٠) كتاب الزكاة : باب زكاة السائمة ' أبو داود (١٥٨٢) طبرانی صغیر (٢٠١/١)]

(۲) [القاموس المحيط (درن) معالم السنن (٣٧/٢)]

(۳) [النهاية لابن الأثير (٣٧/٢)]

(٤) [مؤطا (٢٧٦/١) بیهقی (١٠٠/٤) مسند شافعی (٢٣٨/١) المحلی لابن حزم (٢٧٦/٥)]

(٥) [ابن أبي شيبة (١٣٤/٣)]

باب زکاۃ الذھب والفضۃ — سونے اور چاندی کی زکوۃ کا بیان

إِذَا حَالَ عَلَى أَحَدِهِمَا الْحَوْلُ رُبُعَ الْعُشْرِ	جب ان میں سے کسی ایک پر سال گزر جائے تو اس میں سے چالیسواں حصہ ادا کیا جائے گا۔ ❶

❶ (1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا زكاة في مال حتى يحول عليه الحول﴾ ''کسی مال میں بھی اس وقت تک کوئی زکوۃ نہیں جب تک کہ اس پر ایک سال نہ گزر جائے۔''(۱)

(2) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ ﴿ليس في مال زكاة حتى يحول عليه الحول﴾ ''کسی مال میں اس وقت تک زکوۃ نہیں جب تک کہ اس پر سال نہ گزر جائے۔''(۲)

(جمہور فقہا) سونا' چاندی' اموال تجارت اور مویشیوں وغیرہ میں فرضیتِ زکوۃ کے لیے نصاب تک پہنچ جانے کے بعد ایک سال کا گزرنا بھی شرط ہے۔(۳)

(ابن قدامہؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٤)

(امیر صنعانیؒ) یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ کسی مال میں سال گزرنے سے پہلے زکوۃ فرض نہیں اور یہی جمہور کا قول ہے۔(٥)

(ابن قیمؒ) اللہ تعالیٰ نے جو ہر سال میں ایک مرتبہ زکوۃ واجب کی ہے اور کھیتیوں اور پھلوں کے صحیح طور پر پک جانے پر (زکوۃ کو لازم کیا ہے) یہ اس سے نہایت مناسب ہے کہ اس کا وجوب ہر ماہ یا ہر جمعہ ہوتا کیونکہ اس سے اغنیاء کو نقصان اٹھانا پڑتا اور اگر اس کا وجوب زندگی میں ایک مرتبہ ہوتا تو اس سے مساکین کو نقصان ہوتا لہذا ہر سال میں ایک مرتبہ زکوۃ کے وجوب سے زیادہ مناسب اور عدل والی بات کوئی نہیں۔(٦)

(شوکانیؒ) سال گزرنے کا اعتبار کرنا ضروری ہے۔(۷)

○ مال سے جو کچھ حاصل ہوا ہو اس پر بھی سال گزرنے سے پہلے زکوۃ نہیں ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من استفاد مالا فلا زكاة عليه حتى يحول عليه الحول﴾ ''جس نے کوئی مال حاصل کیا

---

(۱) [صحيح : صحيح ابن ماجة (١٤٤٩) كتاب الزكاة : باب من استفاد مالا ' بيهقي (٩٥/٤) كتاب الزكاة : باب لا زكاة في مال حتى يحول عليه الحول ' دارقطني (٩١/٢) إرواء الغليل (٧٨٧)]

(۲) [صحيح : صحيح أبو داود (١٣٩١) كتاب الزكاة : باب زكاة السائمة ' أبو داود (١٥٧٣)] اس روایت کے مرفوع ہونے میں اختلاف ہے۔ بالفرض اگر یہ موقوف بھی ہو تب بھی حکماً مرفوع ہے۔ کیونکہ اس میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس کی مزید اسناد دیکھنے کے لیے ملاحظہ ہو: نصب الراية (٣٢٩/٢) إرواء الغليل (٢٥٤/٣)' (٧٨٧)]

(۳) [المغني (٧٣/٤) الهداية (٢٦١/٢) فقه الزكاة (١٦٢/١)]

(٤) [أيضا]

(٥) [سبل السلام (٨٠٦/٢)]

(٦) [زاد المعاد (٦/٢)]

(٧) [نيل الأوطار (٩٥/٣)]

اس پر اس وقت تک زکوٰۃ نہیں جب تک کہ اس پر سال نہ گزر جائے۔''(۱)

وَنِصَابُ الذَّهَبِ عِشْرُوْنَ دِيْنَارًا وَنِصَابُ الْفِضَّةِ مِائَتَا دِرْهَمٍ وَلَا شَيْئَ فِيْمَا دُوْنَ ذٰلِكَ	سونے کا نصاب بیس دینار ہے اور چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے اور اس سے کم مقدار پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ ❶

❶ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا كانت لك مائتا درهم وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم وليس عليك شيئ حتى يكون لك عشرون دينار أو حال عليها الحول ففيها نصف دينار فما زاد فبحساب ذلك﴾ ''جب تیرے پاس دوسو(200) درہم ہوں اور ان پر پورا سال گزر جائے تو ان میں پانچ درہم زکوٰۃ ہے اور جب تیرے پاس بیس(20) دینار نہ ہوں یا ان پر پورا سال نہ گزرا ہو تو تجھ پر کوئی چیز نہیں۔ جب بیس دینار ہو جائیں تو نصف دینار زکوٰۃ ہے اور جو اس سے زیادہ (سونا یا چاندی) ہوگا تو اسی حساب سے زکوٰۃ ہوگی (یعنی ان میں سے بھی چالیسواں حصہ نکال لیا جائے گا خواہ ایک درہم یا ایک دینار ہی زیادہ ہوا ہو)۔''(۲)

(2) حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ليس فيما دون خمس أواق (من الورق) صدقة﴾ ''پانچ اوقیہ (یعنی دوسو درہم) سے کم چاندی میں زکوٰۃ نہیں۔''(۳)

(3) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بے شک میں نے گھوڑے اور غلام سے زکوٰۃ معاف کر دی ہے پس تم چاندی کی زکوٰۃ ہر چالیس (40) درہموں میں ایک درہم ادا کرو اور ایک سو ننانوے (199) درہموں میں زکوٰۃ نہیں ہے ﴿فإذا بلغت مائتين ففيها خمسة دراهم﴾ ''جب دوسو درہم ہو جائیں تو ان میں پانچ درہم زکوٰۃ ہے۔''(٤)

(شوکانی رحمہ اللہ) سونے چاندی میں زکوٰۃ کی فرضیت اور ان کا مذکورہ نصاب بلا اختلاف ثابت ہے۔(٥)

(ابن حجر رحمہ اللہ) چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے۔ اس میں سوائے ابن حبیب اندلسی کے کسی نے اختلاف نہیں کیا۔(٦)

- موجودہ وزن کے مطابق بیس دینار ساڑھے سات تولے یعنی 105 گرام اور دوسو درہم ساڑھے باون تولے یعنی 735 گرام کے برابر ہے۔
- عصر حاضر میں چونکہ سونا چاندی بطور قیمت استعمال نہیں ہوتا بلکہ روپے استعمال ہوتے ہیں لہٰذا روپے کی تمام مالیت کو سونے یا چاندی میں سے جس کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ دینے سے غرباء و مساکین اور دیگر جہات میں زیادہ فائدہ ہو سکتا ہے اس کے

---

(۱) [صحیح : صحیح ترمذی (٥١٥) كتاب الزكاة : باب لا زكاة على المال المستفاد حتى يحول عليه الحول ' ترمذی (٦٣١ ' ٦٣٢) ابن ماجة (١٧٩٢)]

(٢) [صحیح : صحیح أبو داود (١٣٩١) كتاب الزكاة : باب زكاة السائمة ' أبو داود (١٥٧٣)]

(٣) [بخاری (١٤٤٧) كتاب الزكاة : باب زكاة الورق ' مسلم (٩٧٩) أبو داود (١٥٥٨) ترمذی (٦٢٢) نسائی (١٧/٥) ابن ماجة (١٧٩٣) مؤطا (٢٤٤/١) ابن أبي شيبة (١١٧/٣) أحمد (٦/٣)]

(٤) [صحیح : صحیح أبو داود (١٣٩٢) كتاب الزكاة : باب زكاة السائمة ' أبو داود (١٥٧٤) ترمذی (٦٢٠) نسائی (٣٧/٥) أحمد (٩٨/١) دارمی (٣٨٣/١)]

(٥) [نيل الأوطار (٩٣/٣-٩٤)]

(٦) [فتح الباری (٦٦/٤-٦٧)]

ساتھ ملا کر چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔(واللہ اعلم)

○ سونے اور چاندی کو زکوٰۃ میں (اس طرح) جمع کرنا (کہ دونوں کو ملا کر کوئی ایک نصاب مکمل کر لیا جائے) جائز نہیں۔(۱)

وَلَا زَكَاةَ فِي غَيْرِهَا مِنَ الْجَوَاهِرِ وَأَمْوَالِ التِّجَارَةِ وَالْمُسْتَغَلَّاتِ	سونے چاندی کے علاوہ جواہرات ❶ 'تجارتی اموال ❷ اور دیگر نفع رساں اشیاء میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ ❸

❶ مثلاً موتی' یاقوت' زمرد' الماس' مرجان اور عقیق وغیرہ۔ ان سب میں زکوٰۃ اس لیے نہیں ہے کیونکہ ان میں زکوٰۃ کی فرضیت کے متعلق کوئی شرعی دلیل موجود نہیں اور اشیاء میں اصل براءت ہی ہے جب تک کہ کوئی واضح دلیل نہ مل جائے جیسا کہ اس کی تائید اس قاعدے سے بھی ہوتی ہے ((الأصل براءة الذمة)) ''اصل میں انسان تمام ذمہ داریوں سے بری ہے۔''(۲)

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کسی بھی چیز کے وجوب ولزوم سے اس وقت تک بری الذمہ ہے جب تک کہ اسے اس کا حکم نہ دے دیا جائے لہٰذا پیش آمدہ معاملات میں اصل براءت ہی ہے۔(۳)

○ یاد رہے کہ اگر یہ جواہرات تجارت کے لیے ہوں گے تو پھر ان کی قیمت پر نصاب تک پہنچنے کے بعد ایک سال گزر جانے پر زکوٰۃ واجب ہوگی جو کہ دیگر اموال کے ساتھ ملا کر چالیسواں حصہ ادا کی جائے گی۔

❷ امام شوکانیؒ کے نزدیک اموال تجارت میں زکوٰۃ فرض نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اموال تجارت میں فرضیت زکوٰۃ کی کوئی واضح قابل حجت دلیل نہیں ہے اور نہ ہی نبی ﷺ کے زمانے سے تجارت کی موجودگی کے باوجود اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے نیز جن روایات سے استدلال کیا جاتا ہے وہ ضعیف ہیں۔(٤)

(ابن حزمؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٥)

(صدیق حسن خانؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(٦)

(البانیؒ) اسی کو برحق مانتے ہیں۔(٧)

ان کے دلائل اور جوابات حسب ذیل ہیں:

(1) اموال تجارت میں فرضیت زکوٰۃ کے متعلق تمام روایات ضعیف ہیں۔ اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ اگرچہ روایات ضعیف ہیں لیکن یہ مسئلہ تو قرآن سے ثابت ہے۔

(2) جب روایات ضعیف ہیں تو براءۂ اصلیہ کے قاعدے کے مطابق اموال تجارت میں زکوٰۃ فرض نہیں۔ اس قاعدے کے

---

(۱) [المحلی بالآثار (١٨٤/٤)]

(۲) [الوجیز (ص/ ٢٧٠)]

(۳) [القواعد الفقهية الكبرى للدكتور صالح بن غانم السدلان (ص/ ١٢٠ـ ١٢١) شرح المجلة للأتاسي (ص/ ٢٥ـ ٢٦) المدخل الفقهي العام للزرقاء مادة رقم (٥٧٨)' (٩٧٠/٣)]

(٤) [السيل الجرار (٢٧/٢)]

(٥) [المحلی بالآثار (٣٩/٤ـ ٤١)]

(٦) [الروضة الندية (٤٧٦/١)]

(٧) [تمام المنة (ص/ ٣٦٣)]

جواب میں وہ قاعدہ پیش کیا جاتا ہے کہ جس میں ہے کہ ''ہر مال میں حق ہے۔''

(3) حدیث نبوی ہے کہ ﴿لیس فی الخیل و الرقیق زکاۃ﴾ ''گھوڑے اور غلام میں زکوٰۃ نہیں۔'' (۱)

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس حدیث میں یہ کہیں ذکر نہیں ہے کہ اموال تجارت میں بھی زکوٰۃ فرض نہیں۔

(راجح) تجارتی اموال میں زکوٰۃ فرض ہے جو کہ ان کی قیمت کے نصاب تک پہنچنے کے بعد سال گزر جانے پر ادا کی جائے گی اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

1- ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَیِّبَاتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَکُم مِّنَ الْأَرْضِ﴾ [البقرۃ: ۲۶۷] ''اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے اور زمین سے تمہارے لیے ہماری نکالی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرو۔''

امام بخاریؒ نے باب قائم کیا ہے کہ ((صدقة الكسب والتجارة لقوله تعالى "يا يها الذين آمنو أنفقوا من طيبات ما كسبتم.........إلى قوله إن الله لغني حميد")) ''محنت اور تجارت کے مال میں سے زکوٰۃ ادا کرنا (ثواب ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اے ایمان والو اپنی پاکیزہ کمائی سے خرچ کرو......'' (۲)

(طبریؒ) اللہ تعالیٰ اس آیت سے یہ مراد لیتے ہیں کہ اپنی ان پاکیزہ اشیاء سے زکوٰۃ ادا کرو جنہیں تم نے اپنے تصرف یعنی تجارت یا صنعت کے ذریعے کمایا ہے۔ (۳)

(مجاہدؒ) مال تجارت سے (زکوٰۃ ادا کرو)۔ (٤)

(ابوبکر جصاصؒ) سلف کی ایک جماعت 'جن میں حسنؒ اور مجاہدؒ بھی شامل ہیں' سے مروی ہے کہ اس آیت ﴿من طیبات ما کسبتم﴾ سے مراد اموال تجارت میں سے خرچ کرنا ہے اور اس آیت کا عموم تمام اموال میں زکوٰۃ کو واجب کرتا ہے۔ (۵)

(رازیؒ) اس آیت کا ظاہر تجارت کی زکوٰۃ کو بھی وجوب زکوٰۃ میں داخل کر دیتا ہے۔ (٦)

(ابن عربیؒ) اس آیت ﴿خذ من أموالهم صدقه﴾ کے متعلق رقمطراز ہیں کہ یہ عام ہے اور ہر مال اس میں شامل ہے (خواہ تجارت کا ہی ہو)۔ (۷)

2- حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿کان رسول الله یامرنا أن نخرج الصدقة من الذی نعده للبیع﴾ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سامان تجارت سے زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا کرتے تھے۔'' (۸)

---

(۱) [بخاری (۱٤٦۳)]

(۲) [بخاری (فوق الحدیث / ۱٤٤٥) کتاب الزکاۃ]

(۳) [تفسیر طبری (٥/٥٥٥_٥٥٦)]

(٤) [أیضا]

(٥) [أحکام القرآن للجصاص (١/٥٤٣)]

(٦) [تفسیر کبیر للرازی (٢/٦٥)]

(٧) [شرح ترمذی (٣/١٠٤)]

(٨) [ضعیف : ضعیف أبو داود (٣٣٨) کتاب الزکاۃ : باب العروض إذا کانت للتجارۃ' أبو داود (١٥٦٢) دارقطنی (٢/١٢٨) بیهقی (٤/١٤٦) کشف الأستار للبزار (٨٨٦)] امام ابن حزمؒ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ [المحلی (٥/٢٣٤)]

(امیر صنعانیؒ) یہ حدیث مال تجارت میں وجوب زکوۃ کی دلیل ہے۔(۱)

(جمہور) اسی کے قائل ہیں۔

(ائمہ اربعہ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔

(فقہائے سبعہ) یعنی سعید بن مسیبؒ، عروہ بن زبیرؒ، ابوبکر بن عبیدؒ، قاسم بن محمدؒ، عبیداللہ بن عبداللہؒ، سلیمان بن یسارؒ اور خارجہ بن زیدؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔(۲)

(ابن قدامہ حنبلیؒ) اموال تجارت میں بھی زکوۃ فرض ہے۔(۳)

(ابن منذرؒ) اموال تجارت میں زکوۃ کی فرضیت پر علماء نے اجماع کیا ہے۔(٤)

(خطابیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٥)

❸ نفع رساں اشیاء مثلاً گھر، زمین یا گاڑی وغیرہ کہ جنہیں کرائے پر دے کر ان کے عوض نقدی یا کسی اور صورت میں نفع حاصل کیا جاتا ہے۔ ایسی اشیاء میں زکوۃ نہیں کیونکہ شریعت میں ان کی زکوۃ کے متعلق کوئی دلیل موجود نہیں نیز 'برائۃ اصلیہ' کا قاعدہ بھی عدم وجوب کی تائید کرتا ہے لہٰذا ان اشیاء میں زکوۃ واجب نہیں لیکن اگر ان کی تجارت کی جاتی ہو تو پھر ان میں زکوۃ واجب ہوگی جیسا کہ اموال تجارت میں فرضیت زکوۃ ابھی پیچھے ثابت کر دی گئی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ اس قسم کی اشیاء میں اگرچہ زکوۃ نہیں ہے لیکن ان سے حاصل شدہ منافع کو دیگر مالیت کے ساتھ مل کر اس کی زکوۃ ادا کی جائے گی کیونکہ وہ مال ہے اور ہر مال میں زکوۃ لازم ہے جبکہ وہ نصاب کو پہنچ چکا ہو اور اس پر سال گزر گیا ہو۔ (واللہ اعلم)

متفرقات

492- سونے چاندی کے زیورات کی زکوۃ

اگرچہ اہل علم نے اس مسئلے میں بھی بہت زیادہ اختلاف کیا ہے لیکن راجح مسلک یہی ہے کہ زیورات میں بھی زکوۃ فرض ہے اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) وہ تمام آیات واحادیث جن میں مطلقا سونے اور چاندی سے زکوۃ نکالنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ ان کے عموم میں زیورات بھی شامل ہیں۔ جیسا کہ ایک آیت میں ہے ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ...... ﴾ [التوبة : ٣٤] ''جو لوگ سونے اور چاندی کو خزانہ بنا کے رکھتے ہیں......۔'' اور ایک حدیث میں ہے کہ ﴿ما من صاحب ذهب ولا فضه لا

(۱) [سبل السلام (۸۲٥/۲)]

(۲) [السیل الجرار (۲۷/۲) المحلی بالآثار (٤٠/٤) المغنی (۲٤۸/٤) سبل السلام (۸۲٥/۲)]

(۳) [المغنی (۲٤۸/٤)]

(٤) [الإجماع لابن المنذر (ص/٥۱)' (رقم/۱۱٤)]

(٥) [معالم السنن (۲۲۳/۲) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فقہ الزکاۃ از ڈاکٹر یوسف قرضاوی (۳۱٥/۱-۳۱٦)]

یؤدی زکاتہ......﴾ ''جو بھی سونے یا چاندی کا مالک اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا......'' (١)

(2) عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت ہے کہ ایک عورت نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔اس کے ہمراہ اس کی بیٹی بھی تھی ﴿وفی ید ابنتها مسكتان من ذهب﴾ ''اس کی بیٹی کے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن تھے'' آپ ﷺ نے اس سے دریافت کیا ﴿أتعطين زكاة هذا؟﴾ ''کیا تو اس کی زکوٰۃ دیتی ہے؟'' اس نے عرض کیا نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا ﴿أيسرك أن يسورك الله بهما يوم القيمة سوارين من نار﴾ ''کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ ان کے بدلے تمہیں آگ کے دو کنگن پہنائے؟'' یہ سن کر اس خاتون نے دونوں کنگن پھینک دیے۔(٢)

(3) حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے سونے کا زیور پہن رکھا تھا۔انہوں نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول! کیا یہ کنز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿إذا أديت زكاته فليس بكنز﴾ ''اگر تم اس کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو تو یہ کنز نہیں ہے۔'' (٣)

(4) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے چاندی کے چھلے پہن رکھے تھے تو نبی ﷺ نے فرمایا ﴿أتؤدين زكاتهن؟﴾ ''کیا تم ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انکار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''تو پھر جہنم کی آگ میں سے تمہارے لیے یہی کافی ہیں۔'' (٤)

ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ سونا اور چاندی دونوں کے زیورات میں بھی زکوٰۃ فرض ہے۔

(ابن حزمؒ) سونے' چاندی کے زیورات میں زکوٰۃ فرض ہے۔(٥)

(عبدالرحمن مبارکپوریؒ) یہی بات برحق ہے۔(٦)

(امیر صنعانیؒ) زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے۔(٧)

(احناف) اسی کے قائل ہیں۔(٨)

(ابن منذرؒ) ان میں بھی زکوٰۃ واجب ہے۔(٩)

---

(١) [مسلم (٩٧٨) كتاب الزكاة : باب إثم مانع الزكاة ' أبو داود (١٦٥٨) أحمد (١٦٢/٢) عبدالرزاق (٦٨٥٨) ابن خزيمة (٢٢٥٢) ابن حبان (٣٢٥٣) بيهقى (١٨/٤)]

(٢) [**حسن** : صحيح أبو داود (١٣٨٢) كتاب الزكاة : باب الكنز ما هو؟ وزكاة الحلى' أبو داود (١٥٦٣) ترمذى (٦٣٧) نسائى (٣٨/٥) بيهقى (١٤٠/٤) شیخ صبحی حلاق نے اسے حسن کہا ہے۔[التعليق على سبل السلام (٥٠/٤) شیخ حازم علی قاضی نے بھی اسے حسن کہا ہے لیکن ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ اس میں نظر ہے۔[التعليق على سبل السلام (٨١٨/٢)]

(٣) [**حسن** : صحيح أبو داود (١٣٨٣) كتاب الزكاة : باب الكنز ما هو؟ و زكاة الحلى' أبو داود (١٥٦٤) دارقطنى (١٠٥/٢) حاكم (٣٩٠/١) بيهقى (١٤٠/٤)]

(٤) [**صحيح** : صحيح أبو داود (١٣٨٤) أيضا ' أبو داود (١٥٦٥)]

(٥) [المحلى بالآثر (١٨٤/٤)]

(٦) [تحفة الأحوذى (٣٢٧/٣)]

(٧) [سبل السلام (٨٢٠/٢)]

(٨) [تبيين الحقائق للزيلعى (٢٧٦/١-٢٧٧)]

(٩) [عمدة القارى شرح بخارى (٢٨٦/٧)]

(ابن بازؒ) سونے چاندی کے زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے۔(۱)

امام صنعانیؒ رقمطراز ہیں کہ اس مسئلے میں فقہاء کے چار اختلافی اقوال ہیں:

① زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے۔

② ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے (امام مالکؒ، امام احمدؒ اور ایک قول کے مطابق امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے)۔

③ زیورات کی زکوٰۃ انہیں عاریتاً دینا ہی ہے' اس کے علاوہ الگ زکوٰۃ نہیں ہے۔

④ زیورات میں صرف ایک مرتبہ ہی زکوٰۃ دینا فرض ہے۔(۲)

جو لوگ زیورات میں فرضیت زکوٰۃ کے منکر ہیں ان کے دلائل میں سے یہ حدیث بھی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی کی یتیم بچیوں کے زیورات سے زکوٰۃ نہیں نکالتی تھیں۔(۳)

(شوکانیؒ) سونے' چاندی کے زیورات میں زکوٰۃ نہیں۔(٤)

493- غلام اور گھوڑے کی زکوٰۃ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ليس على المسلم في فرسه وغلامه صدقة﴾ ''مسلمان پر اس کے گھوڑے اور اس کے غلام میں زکوٰۃ نہیں۔''(٥)

اس حدیث میں مذکور غلام سے مراد ایسا غلام ہے جو انسان نے اپنی خدمت کے لیے رکھا ہو اور گھوڑے سے مراد ایسا گھوڑا ہے جو اپنی سواری کے لیے مخصوص ہو' پھر ان میں زکوٰۃ نہیں ہوگی لیکن اگر انہیں تجارت کے لیے رکھا ہو تو پھر ان میں بھی تجارتی مال ہونے کی حیثیت سے زکوٰۃ لازم ہوگی۔

(اہل ظاہر' ابن حزمؒ) تجارتی گھوڑے اور غلام میں بھی زکوٰۃ نہیں۔(٦)

○ البتہ غلام کی طرف سے صدقہ فطر ضرور ادا کیا جائے گا جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ليس في الخيل والرقيق زكاة إلا زكاة الفطر في الرقيق﴾ ''گھوڑے اور غلام میں زکاۃ نہیں ہے مگر غلام میں زکوٰۃ الفطر لازم ہے۔''(٧)

---

(۱) [الفتاوى الإسلامية (۲/۵۳)]

(۲) [سبل السلام (۲/۸۱۹ـ۸۲۰) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: المبسوط (۲/۱۹۲) الهداية (۱/۱۰٤) اللباب (۱/۳۸٤) الروض النضير (۲/٦٠٤) قوانين الأحكام الشرعية (ص/۱۱۸) المجموع (٦/۳۲) المغني (۲/٦٠۳) المعرفة للبيهقي (٦/۱٤٠) بيهقي في السنن والآثار (٦/۱٤٠)]

(۳) [موطأ (۱/۲٥٠) كتاب الزكاة : باب ما لا زكاة فيه من الحلي والتبر والعنبر]

(٤) [السيل الجرار (۲/۱۹ـ۲۱)]

(٥) [بخاري (۱٤٦٤' ۱٤) كتاب الزكاة : باب ليس على المسلم في فرسه صدقة' مسلم (۹۸۲) أبو داود (۱٥۹٥) ترمذي (٦۲۸) نسائي (٥/۳٥) ابن ماجة (۱۸۱۲)]

(٦) [المحلى (٥/۲٠۹)]

(٧) [صحيح : صحيح أبو داود (۱٤٠۹) كتاب الزكاة : باب صدقة الرقيق' أبو داود (۱٥۹٤)]

باب زکاۃ النباتات ❶ زرعی پیداوار کی زکوٰۃ کا بیان

يَجِبُ الْعُشْرُ فِي الْحِنطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالذُّرَةِ وَالتَّمْرِ وَالزَّبِيبِ	گندم' جو' مکئی' کھجور اور منقے میں سے دسواں حصہ دینا واجب ہے۔ ❷

❶ زرعی پیداوار میں عشر (دسواں حصہ) یا نصف عشر (بیسواں حصہ) ادا کرنا ضروری ہے۔ اسکی مشروعیت کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ﴾ [الأنعام: ١٤١] ''اس کی کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو۔''

(2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿فيما سقت السماء والعيون أو كان عثريا العشر' وما سقي بالنضح نصف العشر﴾ ''وہ زمین جسے آسمان یا چشمہ سیراب کرتا ہو یا وہ خود بخود نمی کی وجہ سے سیراب ہو جاتی ہو تو اس کی پیداوار میں دسواں حصہ زکوٰۃ ہے اور جسے کنوئیں سے پانی کھینچ کر سیراب کیا جاتا ہو اس کی پیداوار میں بیسواں حصہ زکوٰۃ ہے۔'' (١)

(3) زمین سے حاصل شدہ پیداوار پر دسواں یا بیسواں حصہ واجب الاداء ہے' اس پر امت نے اجماع کیا ہے۔ (٢)

❷ امام شوکانیؒ اور دیگر جن حضرات نے یہ مؤقف اپنایا ہے ان کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ ﴿لا تاخذا في الصدقة إلا من هذه الأصناف الأربعة: الشعير' والحنطة' والزبيب' والتمر﴾ ''جو' گندم' منقی اور کھجور' ان چار اصناف کے علاوہ کسی غلے پر زکوٰۃ وصول نہ کرنا۔'' (٣)

سنن ابن ماجہ کی روایت میں ﴿الذرة﴾ ''مکئی'' کا لفظ زیادہ ہے لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔ (٤)

معلوم ہوا کہ چار اصناف ہی ثابت ہیں لہذا ان ہی سے عشر لیا جائے گا۔ چونکہ اصل براءت ذمہ ہے اور مسلمان کا مال حرام ہے اس لیے صرف اُتنا ہی لیا جا سکتا ہے جتنے کے متعلق قطعی دلیل ثابت ہو جائے اور دلیل سے صرف مذکورہ چار اشیاء ہی ثابت ہوتی ہیں لہذا ان ہی پر اکتفا کیا جائے گا۔

(ابن عمر رضی اللہ عنہما) اسی کے قائل ہیں۔ امام ابن مبارکؒ، امام حسنؒ، امام ابن سیرینؒ اور امام شعبیؒ وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ نیز امام احمدؒ سے بھی ایک روایت میں یہی قول مروی ہے۔ (٥)

---

(١) [بخاری (١٤٨٣) کتاب الزکاۃ : باب العشر فيما يسقى من ماء السماء وبالماء الجاری' أبو داود (١٥٩٦) ترمذی (٦٣٥) نسائی (٤١/٥) ابن ماجة (١٨١٧) بيهقی (١٣٠/٤) ابن خزيمة (٢٣٠٧)]

(٢) [المغنی (١٥٤/٤) بدائع الصنائع (٥٤/٢) فقه الزکاۃ (٤٤٨/١)]

(٣) [**صحيح** : تمام المنة (ص/٣٦٩) طبرانی کبير كما فی المجمع (٧٥/٣) مستدرك حاکم (٤٠١/١) امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ امام حاکمؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے اور امام ذہبیؒ نے اس کی موافقت کی ہے۔ امام زیلعیؒ نے اسی کو ثابت کیا ہے۔ [نصب الراية (٣٨٩/٢)] شیخ محمد صبحی حلاق نے اسے حسن کہا ہے۔ [التعليق على سبل الأسلام (٤١/٣)]

(٤) [**ضعيف** : ضعيف ابن ماجة (٤٠٠) ارواء الغليل (٨٠١)]

(٥) [المغنی (١٥٦/٤)]

(امیر صنعانیؒ) اس کے قائل ہیں۔(۱)

(البانیؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(۲)

(ابن منذرؒ، ابن عبد البرؒ) اہل علم نے اجماع کیا ہے کہ گندم' جو' کھجور اور منقے میں زکوۃ واجب ہے۔(۳)

(شوکانیؒ) انہوں نے بھی غالباً پانچویں صنف (یعنی مکئی) سے رجوع کر لیا تھا اسی لیے اپنی دوسری کتاب " السیل الجرار " میں صرف چار اصناف کا ہی ذکر کیا ہے۔(٤)

اس مسئلے میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے۔

(مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ) صرف ایسی کھیتیوں اور پھلوں میں زکوۃ ہے جو کھانے اور ذخیرہ کرنے کے قابل ہوں۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔

(ابوحنیفہؒ) لکڑی' گھاس اور بانس کے علاوہ ہر ایسی چیز پر زکوۃ واجب ہے جسے زمین اگاتی ہے۔(٥)

(یوسف قرضاوی) ابوحنیفہؒ کا مذہب راجح ہے۔(٦)

(راجح) درج بالا حدیث کہ جس میں صرف چار اصناف سے ہی زکوۃ وصول کرنے کا حکم ہے اگرچہ شیخ البانیؒ اور دیگر چند علماء نے تو اسے صحیح کہا ہے لیکن فی الحقیقت وہ ثابت نہیں ہے کیونکہ اس میں ابوحذیفہ راوی صدوق سیئ الحفظ ہے' سفیان ثوری مدلس راوی کا عنعنہ ہے اور طلحہ بن یحیی راوی مختلف فیہ ہے۔ نیز شیخ البانیؒ نے اس حدیث کو ثابت کرنے کے لیے جن روایات سے استشہاد کیا ہے وہ یا تو مرسل وضعیف ہیں یا اس معنی کی نہیں ہیں۔(۷)

ہمارے علم کے مطابق چونکہ یہ روایت ثابت نہیں ہے اس لیے عمومی دلائل کی وجہ سے ہر زمینی پیداوار پر نصاب تک پہنچنے کے بعد زکوۃ فرض ہے۔ (واللہ اعلم) اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) ﴿وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ﴾ [الأنعام: ١٤٢] "کھیتی کٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو۔"

(2) ﴿مِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ﴾ [البقرة: ٢٦٧] "اس چیز میں سے (خرچ کرو) جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالی۔"

(3) ﴿فيما سقت السماء ...... العشر﴾ "وہ زمین جسے آسمانی پانی سیراب کرے اس کی پیداوار میں دسواں حصہ واجب ہے۔"(۸)

---

(۱) [سبل السلام (٨١٤/٢)]

(۲) [تمام المنة (ص/٣٦٨)]

(۳) [المغنى (١٥٤/٤)]

(٤) [السيل الجرار (٤٣/٢)]

(٥) [الفقه الإسلامي وأدلته (١٨٨٤/٣) فتح القدير (٢/٢) اللباب (١٥١/١) الشرح الكبير (٤٤٧/١) الشرح الصغير (٦٠٩/١) القوانين الفقهية (ص/١٠٥) مغنى المحتاج (٣٨١/١) المهذب (١٥٦/١) المغنى (٦٩٠/٢) كشاف القناع (٢٣٦/٢) المجموع (٤٣٢/٥)]

(٦) [فقه الزكاة (٣٥٥/١)]

(۷) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: إرواء الغليل (تحت الحديث/٨٠١) نصب الراية (٣٨٦/٢)]

(۸) [بخاری (١٤٨٣) کتاب الزكاة : باب العشر فيما يسقى من ماء السماء و بالماء الجارى ' أبو داود (١٥٩٦)]

(4) ﴿ليس في ما دون خمسة أوساق من تمر ولا حب صدقة﴾ ''پانچ وسق سے کم کسی کھجور اور کسی غلے میں صدقہ نہیں ہے۔'' (۱)

وَمَا كَانَ يُسْقَى بِالْمَسْنَى مِنْهَا فَفِيهِ نِصْفُ الْعُشْرِ	جو فصلیں رہٹ وغیرہ کے ذریعے سیراب کی جاتی ہیں ان میں بیسواں حصہ فرض ہے۔ ❶

❶ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿فيما سقت الأنهار والغيم العشور وفيما سقي بالسانية نصف العشر﴾ ''جو زمینیں نہروں اور آسمانی بارش کے ذریعے سیراب ہوتی ہیں ان میں سے دسویں حصے نکالے جائیں گے اور جس زمین کو جانوروں کے ذریعے پانی لا کر سیراب کیا جاتا ہے اس میں بیسواں حصہ ہے۔'' (۲)

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿أو كان بعلا العشر﴾ ''یا وہ زمین بارش کے بغیر زمینی نمی و رطوبت سے ہی سیراب ہوتی ہو تو اس میں دسواں حصہ ہے (بعلا کا لفظ عثریا کا بدل ہے)۔'' (۳)

(نوویؒ) اس مسئلے پر اتفاق ہے۔ (٤)

معلوم ہوا کہ اگر زمین کسی ایسے ذریعے سے سیراب ہوتی ہو جس میں مشقت نہ ہو یا کم مشقت ہو مثلاً بارش' شبنم' اولے' زمینی نمی و رطوبت اور چشموں وغیرہ سے تو اس میں دسواں حصہ زکوۃ نکالنا ضروری ہے لیکن اگر کسی مشقت طلب ذریعے سے سیراب کی جاتی ہو مثلاً اونٹ' بیل' یا آدمی پانی لا کر سیراب کریں' یا کنوؤں' یا ٹیوب ویل سے پانی لا کر' یا پانی خرید کر سیراب کیا جائے' یا جیسے آج کل معین رقم ادا کر کے نہری پانی سے فصلوں کو سیراب کیا جاتا ہے تو ان سب صورتوں میں بیسواں حصہ زکوۃ ہوگی۔

وَنِصَابُهَا خَمْسَةُ أَوْسُقٍ	اس کا نصاب پانچ وسق (تقریباً بیس من) ہے۔ ❶

❶ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة﴾ ''پانچ وسق سے کم (غلے) پر زکوۃ نہیں۔'' (٥)

یہ حدیث گذشتہ عام حدیث ﴿فيما سقت السماء العشر﴾ کی تخصیص کر دیتی ہے لہذا پانچ وسق سے کم غلے میں زکوۃ واجب نہیں۔

(جمہور) اسی کے قائل ہیں۔

---

(۱) [مسلم (۱٦۲۷) كتاب الزكاة : باب' دارمي (۱٥۷۸) مؤطا (٥۱۳)]

(۲) [مسلم (۹۸۱) كتاب الزكاة : باب ما فيه العشر أو نصف العشر' أبو داود (۱٥۹۷) نسائي (٥/٤۱) ابن خزيمة (۲۳۰۹) دارقطني (۲/۱۳۰) بيهقي (٤/۱۳۰)]

(۳) [صحيح : صحيح أبو داود (۱٤۱۱) كتاب الزكاة : باب صدقة الزرع' أبو داود (۱٥۹٦) نسائي (۲٤۸۸)]

(٤) [شرح مسلم (٤/٦۱)]

(٥) [بخاري (۱٤٤۷) كتاب الزكاة : باب زكاة الورق' مسلم (۹۷۹) أبو داود (۱٥٥۸) ترمذي (٦۲۲) نسائي (٥/۱۷) ابن ماجة (۱۷۹۳) مؤطا (۱/۲٤٤) أحمد (۳/٦)]

(ابوحنیفہؒ) پانچ وسق سے کم اور زیادہ ہر مقدار میں زکوٰۃ واجب ہے۔(۱)

ان کا کہنا ہے کہ عموم کی دلالت قطعی ہے اور قطعی عمومات کو ظنی دلائل سے خاص نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا جواب دیتے ہوئے امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ عام اور خاص دونوں ہی ظنی ہیں بلکہ خاص دلالت و اسناد کے اعتبار سے زیادہ راجح ہے۔ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ عام کو خاص پر محمول کرنا ائمہ اصول کے نزدیک متفق علیہ معاملہ ہے لہٰذا اگر کوئی لاعلمی کی وجہ سے ایسا کہے (یعنی کہ عام کی تخصیص نہیں کی جائے گی) تو جو شخص ایسے حکم سے بھی جاہل ہے وہ مجتہد کیسے ہو سکتا ہے اور اگر علم کے باوجود ایسا کہے تو پھر اس کے برخلاف صحیح دلیل کے ساتھ حجت قائم ہو چکی ہے۔(۲)

(ابن حزمؒ) پانچ وسق سے کم مقدار میں زکوٰۃ نہیں ہے۔(۳)

(ابن منذرؒ) امام ابوحنیفہؒ کے قول کے علاوہ اس پر اجماع ہے کہ پانچ وسق سے کم غلے میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔(٤)

(ابن قدامہؒ) پانچ وسق سے کم غلے میں زکوٰۃ واجب نہیں۔(٥)

(ابن قیمؒ) انہوں نے اسی موقف کو ثابت کیا ہے۔(٦)

○ ایک وسق ساٹھ (60) صاع کا ہوتا ہے' ایک صاع میں چار مد ہوتے ہیں' ایک مد ایک رطل اور تہائی رطل کے برابر ہوتا ہے۔ جدید پیمانے کے مطابق ایک صاع تقریباً اڑھائی کلوگرام اور ایک وسق چار من کا ہوتا ہے اور اس طرح پانچ وسق بیس من وزن ہوا۔

وَلَا شَيْئَ فِيمَا عَدَا ذٰلِكَ كَالْخَضْرَوَاتِ وَغَيْرِهَا	ان کے علاوہ سبزیوں وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں۔ ❶

❶ اس موقف کے اثبات کے لیے مندرجہ ذیل دلائل سے استدلال کیا جاتا ہے:

(1) عطا بن سائبؒ فرماتے ہیں کہ ﴿أراد عبدالله بن مغيرة أن ياخذ من أرض موسى ابن طلحه من الخضروات صدقة﴾ ''عبداللہ بن مغیرہؒ نے موسیٰ بن طلحہ کی زمین سے سبزیوں کی زکوٰۃ لینے کا ارادہ کیا'' تو موسیٰ بن طلحہؒ نے کہا کہ تم ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ﴿ليس في ذلك صدقة﴾ ''اس میں زکوٰۃ نہیں ہے۔''(۷)

(2) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کھیرا' ککڑی' تربوز' انار اور گنے میں رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ معاف فرمائی ہے۔(۸)

(3) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿ليس في الخضروات صدقة﴾ ''سبزیوں میں

(۱) [الحاوی (۲۱۰/۳) الأم (۴۰/۲) المغنی (۶۱/٤) الكافی لابن عبدالبر (ص/۱۰۱) المبسوط (۳/۳) بدائع الصنائع (۶۰/۲)]

(۲) [السيل الجرار (٤۲/۲) نيل الأوطار (۹۸/۳)]

(۳) [المحلى بالآثار (۵۸/٤)]

(٤) [نيل الأوطار (۹۸/۳)]

(٥) [المغنی (۱۶۱/٤)]

(٦) [إعلام الموقعين (۳٤۸/۲)]

(۷) [دارقطنی (۹۷/۲)] حافظ ابن حجرؒ بیان کرتے ہیں کہ درست بات یہ ہے کہ یہ روایت مرسل ہے۔[تلخيص الحبير (۳۲۱/۲)]

(۸) [دارقطنی (۹۷/۲) حاكم (٤۰۱/۱) طبرانی كبير (۱۵۱/۲۰)] حافظ ابن حجرؒ قمطراز کرتے ہیں کہ اس روایت میں ضعف و انقطاع ہے۔[تلخيص الحبير (۳۲۱/۲)]

زکوۃ نہیں۔''(۱)

(راجح) چونکہ یہ اور اس معنی کی تمام روایات ضعیف و ناقابل حجت ہیں اس لیے امام شوکانی ؒ کا یہ مؤقف پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ علاوہ ازیں عمومی دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہر زمینی پیداوار پر' جبکہ وہ نصاب کو پہنچتی ہو' زکوۃ فرض ہے اور اس میں سبزیاں بھی شامل ہیں۔ (واللہ اعلم)

494- پھلوں کا درختوں پر تخمینہ لگانا

زکوۃ وصول کرنے والوں کو درختوں پر موجود انگور اور تر کھجور کے تخمینے کے لیے بھیجنا مشروع ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فتح خیبر کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو اہل خیبر کی کھجوروں کا تخمینہ لگانے کے لیے بھیجا تھا۔(۲)

تخمینے سے مراد یہ ہے کہ جب انگور اور کھجور میں مٹھاس پیدا ہو جائے تو سارے پھل پر سرسری طور پر نظر دوڑائے پھر اندازہ لگائے کہ جب یہ انگور یا کھجور خشک ہو جائے گی تو اس وقت اس کی مقدار اور وزن کتنا رہ جائے گا۔

(مالک ؒ، شافعی ؒ) تخمینہ لگانا جائز ہے۔

(ابو حنیفہ ؒ) یہ جائز نہیں ہے کیونکہ یہ غیب کی خبریں ہیں۔(۳)

وَيَجِبُ فِي الْعَسَلِ الْعُشْرُ	شہد میں دسواں حصہ واجب ہے۔ ❶

❶ (1) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے متعلق فرماتے ہیں کہ ﴿أنه أخذ من العسل العشر﴾ ''آپ ﷺ نے شہد سے دسواں حصہ لیا۔''(٤)

(2) حضرت ابو سیارہ متعی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! میرے پاس شہد کی مکھیاں ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿أد العشر﴾ ''تو دسواں حصہ ادا کرو۔''(٥)

(3) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شہد کے متعلق فرمایا ﴿في كل عشرة أزقاق زق﴾ ''ہر دس مشکوں میں ایک مشک (زکوۃ) ہے۔''(٦)

(یوسف قرضاوی) راجح یہی ہے کہ شہد میں زکوۃ واجب ہے۔(۷)

(احمد ؒ) شہد میں دسواں حصہ (زکوۃ) ہے۔

---

(۱) [دارقطنی (۲/ ۹۶) امام دارقطنی ؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں مروان سنجاری راوی ضعیف ہے۔]

(۲) [صحیح : صحیح ابن ماجة (۱٤۷۳) كتاب الزكاة : باب خرص النخل والعنب ' ابن ماجة (۱۸۲۰)]

(۳) [الكافي لابن عبدالبر (ص/ ۱۰۱) المغني (٤/ ۱۷۸) الأم (۲/ ٤۲) الحاوي (۳/ ۲۲۰) الحجة على أهل المدينة (۱/ ۵۱۰) نيل الأوطار (۳/ ۱۰۲)]

(٤) [حسن صحيح : صحيح ابن ماجة (۱٤۷۷) كتاب الزكاة : باب زكاة العسل ' إرواء الغليل (۸۱۰) صحيح أبو داود (۱٤۲٤) ابن ماجة (۱۸۲٤)]

(٥) [حسن : صحيح ابن ماجة (۱٤۷٦) أيضا ' ابن ماجة (۱۸۲۳) أحمد (٤/ ۲۳٦) بيهقي (٤/ ۱۲٦)]

(٦) [صحيح : صحيح ترمذي (۵۱٤) كتاب الزكاة : باب ماجاء في زكاة العسل ' إرواء الغليل (۳/ ۲۸٦) ترمذي (٦٦۹)]

(۷) [فقه الزكاة (۱/ ٤۲٦)]

(ابوحنیفہؒ) اگر شہد کی مکھیاں عشری زمین میں ہوں تو زکوۃ ہے بصورت دیگر نہیں۔

(مالکؒ، شافعیؒ) شہد میں زکوۃ نہیں۔(۱)

(ابن حزمؒ) شہد میں زکوۃ نہیں۔(۲)

(بخاریؒ) فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے شہد میں زکوۃ کو ضروری نہیں سمجھا۔(۳)

(البانیؒ) شہد کی زکوۃ کے متعلق احادیث روایت کی گئی ہیں اور ان میں سے بہترین حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ مروی ہے۔(٤)

(راجح) گذشتہ صحیح احادیث سے شہد کی زکوۃ ثابت ہو جاتی ہے اور یہ اس آیت ﴿مما أخرجنا لكم من الأرض﴾ کے عموم میں بھی شامل ہے کیونکہ مکھیاں زمین کی فصلوں سے ہی اسے حاصل کر کے شہد بناتی ہیں۔

وَيَجُوزُ تَعْجِيلُ الزَّكَاةِ	زکوۃ وقت سے پہلے دینا بھی جائز ہے۔ ❶

❶ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن العباس سأل النبي ﷺ في تعجيل صدقته قبل أن تحل فرخص له في ذلك﴾ "حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ آیا زکوۃ اپنے مقررہ وقت سے پہلے ادا ہو سکتی ہے؟ تو آپ ﷺ نے ان کو اس کی اجازت دے دی۔"(٥)

(شافعیؒ، احمدؒ، ابوحنیفہؒ) وقت (یعنی سال گزرنے) سے پہلے زکوۃ دینا جائز ہے۔

(مالکؒ) یہ جائز نہیں ہے۔(٦)

(ابن قدامہؒ) وقت سے پہلے بھی زکوۃ ادا کی جا سکتی ہے۔(۷)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۸)

(ابن حزمؒ) وقت سے پہلے زکوۃ دینا جائز نہیں۔(۹)

(ابن بازؒ) وقت سے پہلے بھی زکوۃ دینا جائز ہے۔(۱۰)

---

(۱) [المغني لابن قدامة (١٨٣/٤)]

(۲) [المحلى بالآثار (٣٩/٤)]

(۳) [بخاری (قبل الحديث ١٤٨٣) كتاب الزكاة : باب العشر فيما يسقى من ماء السماء والماء الجاري]

(٤) [تمام المنة (ص/٣٥٤)]

(٥) [حسن : صحيح أبو داود (١٤٣٠) كتاب الزكاة : باب في تعجيل الزكاة، أبو داود (١٦٢٤) ترمذي (٦٧٣) ابن ماجة (١٧٩٥) أحمد (١٠٤/١) دارمي (٣٨٥/١) بيهقي (١١١/٤)]

(٦) [نيل الأوطار (١٠٩/٣)]

(۷) [المغني (٧٩/٤)]

(۸) [تحفة الأحوذي (٤٠٢/٣)]

(۹) [المحلى بالآثار (٢١٣/٤)]

(۱۰) [الفتاوى الإسلامية (٥٧١/٢)]

حاکم وقت پر لازم ہے کہ وہ ہر جگہ کے اغنیاء کی زکوٰۃ وہیں کے فقراء پر صرف کرے۔ ❶	وَعَلَى الْإِمَامِ أَنْ يَرُدَّ صَدَقَاتِ أَغْنِيَاءِ كُلِّ مَحَلٍّ فِي فُقَرَائِهِمْ

❶ (1) جس حدیث میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ کرنے کا ذکر ہے اس میں ہے کہ ﴿تؤخذ من أغنيائهم فترد على فقرائهم﴾ ''(زکوٰۃ) ان کے اغنیاء سے وصول کی جائے گی اور ان کے محتاجوں میں تقسیم کر دی جائے گی۔'' (۱)

(2) حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے والا شخص آیا ﴿فأخذ الصدقة من أغنيائنا فجعلها في فقرائنا﴾ ''تو اس نے ہمارے اغنیاء سے زکوٰۃ وصول کر کے ہمارے فقراء میں تقسیم کر دی۔'' (۲)

(3) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ وصول کرنے پر عامل مقرر کیا گیا۔ جب وہ واپس آئے تو انہیں کہا گیا مال کہاں ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا کیا مال کے لیے آپ نے مجھے روانہ کیا تھا؟ ﴿أخذناه من حيث كنا نأخذه على عهد رسول الله ووضعناه حيث كنا نضعه﴾ ''ہم نے مال وہاں سے لیا جہاں سے عہد رسالت میں لیا کرتے تھے اور وہیں تقسیم کر دیا جہاں پر اسے (عہد رسالت میں) تقسیم کیا کرتے تھے۔'' (۳)

(جمہور، مالکؒ، شافعیؒ، ثوریؒ) جس شہر سے زکوٰۃ وصول کی گئی ہے اس کے علاوہ کسی اور شہر میں اسے صرف کرنا جائز نہیں۔

(احناف) ایسا کرنا جائز ہے۔ (٤)

(راجح) ضرورت اور مصلحت کے وقت کسی دوسرے شہر میں بھی مال زکوٰۃ صرف کیا جا سکتا ہے (البتہ عام حالات میں بہتر یہی ہے کہ جس علاقے سے زکوٰۃ وصول کی جائے اسی علاقے کے فقراء میں تقسیم کر دی جائے جیسا کہ گذشتہ دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے)۔ (٥)

اور امام بخاریؒ نے باب قائم کیا ہے کہ ((باب أخذ الصدقة من الأغنياء وترد في الفقراء حيث كانوا)) ''باب اس بیان میں کہ مالداروں سے زکوٰۃ وصول کی جائے اور فقراء پر خرچ کر دی جائے خواہ وہ کہیں بھی ہوں۔'' اس باب کے تحت امام بخاریؒ نے یہ حدیث نقل کی ہے ﴿تؤخذ من أغنيائهم فترد على فقرائهم﴾ (٦)

---

(۱) [بخاری (۱٤٥۸) کتاب الزكاة : باب لا تؤخذ كرائم أموال الناس في الصدقة ' مسلم (۱۹) أبو داود (۱٥۸٤) ترمذی (۲٦٥) نسائی (۲٤۳٥) ابن ماجة (۱۷۸۳)]

(۲) [ضعیف : ضعیف ترمذی (۹۹) کتاب الزكاة : باب ما جاء أن الصدقة تؤخذ من الأغنياء فترد على الفقراء' ترمذی (٦٤۹) ابن خزيمة (۲٦۳۲)] شیخ صبحی حلاق نے اسے حسن کہا ہے۔ [التعليق على الروضة الندية (٤۹۱/۱)]

(۳) [صحیح : صحیح ابن ماجة (۱٤٦۷) صحیح أبو داود (۱٤۳۱) کتاب الزكاة : باب في الزكاة تحمل من بلد إلى بلد ' أبو داود (۱٦۲٥) ابن ماجة (۱۸۱۱)]

(٤) [الأم (۹۱/۲) المغنی (۱۳۱/٤) المبسوط (۱۸/۳) الاختيار (۱۲۲/۱) نيل الأوطار (۱۱۰/۳) تحفة الأحوذی (۳٥٤/۳)]

(٥) [تحفة الأحوذی (۳٥٥/۳)]

(٦) [بخاری (۱٤۹٦) کتاب الزكاة]

غالباً امام بخاریؒ نے " فقرائهم "کی ضمیر کو تمام مسلمانوں کی طرف لوٹایا ہے۔
(ابن جبرینؒ) کسی مصلحت کے تحت زکوۃ دوسرے شہر میں بھی منتقل کی جاسکتی ہے۔(۱)

وَيَبْرأُ رَبُّ الْمَالِ بِدَفْعِهَا إِلَى السُّلْطَانِ وَإِنْ كَانَ جَائِراً	زکوۃ ادا کرنے والا اپنی زکوۃ حاکم وقت کے سپرد کرنے سے ہی بریٔ الذمہ ہو جاتا ہے خواہ حاکم ظالم ہی ہو۔ ❶

❶ (1) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "عنقریب میرے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو اپنے نفسوں کو تم پر فضیلت دیں گے اور ایسے معاملات ہوں گے جنہیں تم برا سمجھو گے۔ لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! تو آپ ہمیں (ایسے وقت کے متعلق) کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ﴿تؤدون الحق الذي عليكم وتسألون الله الذي لكم﴾ "تم اپنے اس حق کو ادا کر دینا جو تمہارے ذمے ہے اور تمہارا جو حق (ان پر ہے) اسے اللہ تعالیٰ سے مانگنا۔"(۲)

(2) حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا جبکہ ایک آدمی آپ ﷺ سے سوال کر رہا تھا، مجھے بتلایئے کہ اگر ہمارے اوپر ایسے امراء ہوں جو ہمارا حق ہم سے روک لیں لیکن اپنا حق ہم سے مانگیں (تو ہم کیا کریں)؟ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿اسمعوا وأطيعوا فإنما عليهم ما حملوا وعليكم ما حملتم﴾ "سنو اور اطاعت کرو بلاشبہ ان پر وہ کچھ ہے جو ان پر ذمہ داری ڈالی گئی ہے اور تم پر وہ کچھ ہے جو تم پر ذمہ داری عائد کی گئی ہے۔"(۳)

(3) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿ادفعوا إليهم ما صلوا الخمس﴾ "تم ان کی طرف (ان کے حقوق) ادا کرو جب تک کہ وہ پانچوں نمازیں پڑھتے رہیں۔"(٤)

(4) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ﴿ادفعوها إليهم وإن شربوا الخمور﴾ "تم اسے (یعنی ان کے حقوق کو) ان کی طرف ادا کرو اگرچہ وہ شرابیں پئیں۔"(٥)

(جمہور) زکوۃ کا مال ظالم حکام کے سپرد کرنا جائز ہے۔(٦)

495- حاکم وقت زکوۃ نہ دینے والوں سے زبردستی بھی وصول کر سکتا ہے

بلکہ مزید جرمانہ بھی ڈال سکتا ہے جیسا کہ بھز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿من أعطاها مؤتجرا بها فله أجرها ومن منعها فإنا آخذوها وشطر ماله﴾ "جو شخص حصول ثواب کی نیت سے زکوۃ ادا کرے گا اس کو اس کا ثواب ملے گا اور جس نے زکوۃ روک لی تو ہم زبردستی زکوۃ وصول کریں گے اور اس کا مزید کچھ مال بھی (جرمانے کے طور پر ضبط کر لیں گے)۔"(۷)

(۱) [الفتاوى الإسلامية (٦٥/٢)]
(۲) [بخاری (٣٦٠٣) كتاب المناقب : باب علامات النبوة في الإسلام، مسلم (١٨٤٣) ترمذی (٢١٩٠)]
(۳) [مسلم (١٨٤٦) كتاب الإمارة : باب في طاعة الأمراء وإن منعوا الحقوق، ترمذی (٢١٩٩)]
(٤) [طبرانی أوسط (١٣٦٩) مجمع الزوائد (٢٨/٣)، (١٣٦٩)]
(٥) [بيهقی (١١٥/٤)]
(٦) [نيل الأوطار (١١٥/٣)]
(۷) [حسن : صحيح أبو داود (١٣٩٣) كتاب الزكاة : باب زكاة السائمة، أبو داود (١٥٧٥) نسائی (٢٤٤٤)]

باب مصارف الزکاۃ — زکوٰۃ کے مصارف کا بیان

هِيَ ثَمَانِيَةٌ كَمَا فِي الْآيَةِ	یہ آٹھ ہیں جیسا کہ آیت میں مذکور ہے۔ ❶

❶ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللهِ وَاللهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾[التوبة: ٦٠] "صدقے صرف فقیروں کے لیے ہیں اور مسکینوں کے لیے اور ان کے وصول کرنے والوں کے لیے اور ان کے لیے جن کے دلوں میں اُلفت ڈالنا مقصود ہو اور گردن چھڑانے میں' قرض داروں کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور راہرو مسافروں کے لیے' فرض ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے۔"

فقراء و مساکین:

ان دونوں کے ایک دوسرے کے بے حد قریب ہونے کی وجہ سے بعض اوقات فقیر کو مسکین اور مسکین کو فقیر بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی الگ الگ تعریف میں کافی اختلاف ہے۔ تاہم دونوں میں یہ بات تو قطعی ہے کہ جو حاجت مند ہوں اور اپنی حاجات و ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مطلوبہ رقم و وسائل سے محروم ہوں انہیں فقراء و مساکین کہا جاتا ہے۔

(جمہور، شافعیؒ) مسکین وہ ہے جس کے پاس مال ہو لیکن اتنا نہ ہو جو اسے کفایت کر سکے اور فقیر وہ ہے جس کے پاس اصلا کچھ بھی نہ ہو لہذا فقیر مسکین سے زیادہ بری حالت میں ہوا۔

(طبریؒ) فقیر ایسا محتاج ہے جو سوال نہ کرتا ہو اور مسکین ایسا ضرورت مند ہے جو سوال کرتا ہو۔

(ابوحنیفہؒ) مسکین فقیر سے زیادہ بری حالت والا شخص ہے۔

(مالکؒ) یہ دونوں برابر ہیں۔(۱)

ایک حدیث میں بھی رسول اللہ ﷺ سے مسکین کی تعریف ملتی ہے اور وہ یہ ہے ﴿المسكين الذي لا يجد غنى يكفيه ولا يفطن له فيتصدق عليه ولا يقوم فيسأل الناس﴾ "مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا مال نہ ہو جو اسے بے نیاز کر دے نہ وہ ایسی مسکنت اپنے اوپر طاری رکھے کہ لوگ غریب اور مستحق سمجھ کر اس پر صدقہ کریں اور نہ خود لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرے۔"(۲)

معلوم ہوا کہ جمہور کا موقف حدیث کے زیادہ قریب ہے نیز فقیر وہ ہے جو غنی نہ ہو جیسا کہ لغت کی کتابوں میں یہ بات صراحت کے ساتھ موجود ہے۔(۳)

---

(۱) [نیل الأوطار (۱۱۸/۳) تفسیر طبری (۳۰۸/۱٤) فتح الباری (۱۰۵/٤) الأم (۹۲/٤) المجموع (۱۳۱/٦) المبسوط (۸/۳) بدائع الصنائع (٤٥/۲) الإختيار (۱۱۸/۱) الإنصاف فی معرفة الراجح من الخلاف (۲۱۷/۳)]

(۲) [بخاری (۱٤۷٦ ' ۱٤۷۹) کتاب الزكاة : باب قول الله تعالى ((لا يسئلون الناس إلحافا)) ' مسلم (۱۰۳۹) أبو داود (۱٦۳۱) نسائی (۸٦/٥) مؤطا (۹۲۳/۲) أحمد (۲٦۰/۲) حمیدی (۱۰٥۹) بیهقی (۱۱/۷)]

(۳) [مختار الصحاح (ص/۲۱۳) القاموس المحيط (ص/٥۸۸) لسان العرب (۲۹۹/۱۰)]

اور رسول اللہ ﷺ نے غنی ایسے شخص کو قرار دیا ہے جس کے پاس پچاس درہم یا اس کے برابر سونا ہو۔(۱)

عاملین:

ان سے مراد ایسے سرکاری اہل کار ہیں جو زکوٰۃ و صدقات کی وصولی و تقسیم اور اس کے حساب و کتاب پر مامور ہوں۔

عبداللہ بن سعد مالکیؒ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صدقہ اکٹھا کرنے کے لیے عامل مقرر کیا۔ جب میں نے اس کام سے فارغ ہو کر زکوٰۃ و صدقات کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا تو انہوں نے (کسی کو) مجھے تنخواہ دینے کے لیے کہا۔ میں نے کہا' میں نے تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کام کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا جو تمہیں دیا جاتا ہے اسے لے لو بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے عامل مقرر کیا تھا اور میں نے بھی تمہارے قول کی طرح کہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا ﴿إذا أعطيت شيئا من غير أن تسئال فكل و تصدق﴾ "جب تمہیں بغیر مانگے کوئی چیز دی جائے تو اسے کھاؤ اور صدقہ کرو۔"(۲)

معلوم ہوا کہ عامل کو وصولی زکوٰۃ کے عوض اجرت و معاوضہ دیا جا سکتا ہے اور عامل کو چاہیے کہ اسے قبول کر لے۔

مولفۃ قلوبھم:

اس سے مراد ایک تو وہ کافر ہے جو کچھ کچھ اسلام کی طرف مائل ہو اور اس کی امداد کرنے پر امید ہو کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہو جائے گا۔ دوسرے وہ نومسلم افراد ہیں جن کو اسلام پر مضبوطی سے قائم رکھنے کے لیے امداد دینے کی ضرورت ہو۔ تیسرے وہ افراد بھی ہیں جن کو امداد دینے کی صورت میں یہ امید ہو کہ وہ اپنے علاقے کے لوگوں کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے سے روکیں گے۔ یہ اور اس طرح کی دیگر صورتیں تالیف قلب کی ہیں جن پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جا سکتی ہے چاہے مذکورہ افراد مالدار ہی کیوں نہ ہوں۔(۳)

(شافعیؒ) کافر کو تالیف قلب کے لیے زکوٰۃ کا مال نہیں دیا جا سکتا۔

(ابوحنیفہؒ) یہ مصرف ہی ختم ہو چکا ہے۔

(احمدؒ) یہ حکم آج بھی باقی ہے۔(٤)

(شوکانیؒ) ظاہر یہی ہے کہ جب تالیف قلب کے لیے خرچ کی ضرورت پیش آئے تو زکوٰۃ کے مال سے خرچ کرنا جائز ہے۔(٥)

رسول اللہ ﷺ سے بھی متعدد احادیث میں تالیف قلب کے لیے خرچ کرنا ثابت ہے۔(٦)

فی الرقاب:

"گردنیں آزاد کرنے میں۔" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ زکوٰۃ کے مال سے غلام آزاد کرنے میں

---

(۱) [صحيح : صحيح أبو داود (١٤٣٢) كتاب الزكاة : باب من يعطى من الصدقة وحد الغنى' أبو داود (١٦٢٦) ترمذی (٦٥٠) ابن ماجة (١٨٤٠) نسائی (٢٥٩٣) أحمد (٤٤١/١) حاكم (٣٠٧/١)]

(۲) [بخاری (٧١٦٣) كتاب الأحكام : باب رزق الحكام والعاملين' مسلم (١٠٤٥) أبو داود (١٦٤٧) نسائی (١٠٢/٥)]

(۳) [تفسير ابن كثير (٣٦٥/٢) تفسير أحسن البيان (ص/٥٢٩) تفسير طبری (٣١٣/١) فقه الزكاة للقرضاوی (٥٩٥/٢)]

(٤) [المغنی (٦٦٦/٢) المجموع (١٩٧/٦) تفسير قرطبی (١٧٩/٨) الأم (٦١/٢) البحر الزخار (١٧٩/٢)]

(٥) [نيل الأوطار (١٢٨/٣)]

(٦) [أحمد (١٠٨/٣) مسلم (٢٣١٢) عن انس' بخاری (٩٢٣) أحمد (٦٩/٥) عن عمرو بن تغلب]

کوئی حرج نہیں۔(۱)

فقہاء نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے کہ کیا صرف مکاتب غلام آزاد کرائے جا سکتے ہیں یا غیر مکاتب بھی۔

(احناف، شافعیہ) اس سے صرف مکاتب غلام ہی مراد ہیں۔

(مالکؒ، احمدؒ، بخاریؒ) یہ آیت مکاتب وغیر مکاتب تمام قسم کے غلاموں کو شامل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی اسی کے قائل ہیں۔(۲)

(راجح) دوسرا قول راجح ہے جیسا کہ امام شوکانیؒ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔(۳)

والغارمین:

ان میں ایک تو ایسا شخص شامل ہے جو اپنے اہل وعیال کا خرچ پورا کرنے کے لیے قرض لے کر مقروض ہو گیا ہو۔ دوسرا ایسا شخص جس نے کسی کی ضمانت دی ہو پھر وہ اس کا ذمہ دار قرار پایا ہو یا ایسا شخص جس کا کاروبار خسارے کا شکار ہو گیا ہو اور اس وجہ سے وہ مقروض ہو گیا ہو۔ ان تمام افراد کی مال زکوۃ سے امداد کی جا سکتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام قسم کے مقروضوں کو سوال کا مستحق قرار دیا ہے۔(٤)

فی سبیل اللہ:

اس مصرف میں صرف ایسے تمام افراد شامل ہیں جو دنیا میں غلبۂ اسلام کے لیے کسی بھی طریقے سے جہاد وقتال کے عمل میں مصروف ہیں۔

(عمر رضی اللہ عنہ) فی سبیل اللہ سے مراد جہاد اور مجاہد ہیں۔(۵)

(ابن عباس رضی اللہ عنہ) اس ضمن میں مجاہدین کو دیا جائے۔(٦)

(شوکانیؒ) اس سے مراد اللہ کے راستے میں غزوہ کرنے والے ہیں۔(۷)

(قرطبیؒ) فی سبیل اللہ سے مراد ایسے لوگوں کے لیے صرف کرنا ہے جو کفار سے لڑنے والے ہیں۔(۸)

(طبریؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۹)

(۱) [بخاری تعلیقا (۹۲/٤) أبو عبید فی کتاب الأموال (۱۷۸۲) الدر المنثور للسیوطی (٤٥١/۳)]

(۲) [نیل الأوطار (۱۲۹/۳)]

(۳) [أیضا' السیل الجرار (٥٨/٢)]

(٤) [مسلم (١٠٤٤) کتاب الزکاۃ : باب من تحل له المسألة' أبو داود (١٦٤٠) نسائی (٨٩/٥) أحمد (٦٠/٥) دارمی (٣٩٦/١) ابن أبی شیبة (٥٨/٤) شرح معانی الآثار (١٧/٢) دارقطنی (١٢٠/٢) بیهقی (٧٣/٦)]

(٥) [موطا (ص/١٧٤)]

(٦) [نیل الأوطار (١٣١/٣)]

(٧) [أیضا]

(٨) [تفسیر قرطبی (١٨٥/٨)]

(٩) [تفسیر طبری (١٦٥/٦)]

(ابن کثیرؒ) فی سبیل اللہ میں وہ غازی بھی شامل ہیں جن کا دیوان میں حصہ نہیں ہے۔(۱)

(ابن حزمؒ) یقیناً فی سبیل اللہ سے مراد صرف جہاد ہے۔(۲)

(ابن قدامہؒ) فی سبیل اللہ سے مراد وہ غازی ہیں جن کے حکومتی وظائف نہ ہوں۔(۳)

(مالکؒ، ابوحنیفہؒ) اس سے مراد جہاد اور رباط کی جگہیں ہیں۔(٤)

(شافعیہؒ، حنابلہؒ) اس سے مراد ایسے قتال کرنے والے لوگ ہیں جن کے پاس اس قدر مال نہ ہو جو انہیں کافی ہو سکے نیز سرحدوں میں مورچہ زن ہونا بھی اس میں شامل ہے۔(٥)

(ابوعبیدؒ) فی سبیل اللہ کی تفسیر غازی و مجاہد ہے۔(٦)

(یوسف قرضاوی) آیت مصارف میں فی سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے۔(۷)

(جمہور) اسی کے قائل ہیں۔(۸)

(سعودی مجلس افتاء) فی سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے۔(۹)

ابن سبیل:

اس سے مراد مسافر ہے۔ یعنی اگر کوئی مسافر دوران سفر امداد کا مستحق ہو گیا ہو تو خواہ وہ اپنے گھر یا وطن میں صاحب حیثیت ہی کیوں نہ ہو زکوۃ کی رقم سے اس کی امداد کی جا سکتی ہے۔(۱۰)

496- کیا زکوۃ آٹھوں مصارف میں صرف کرنا لازم ہے؟

ایسا لازم نہیں ہے بلکہ ان مصارف میں سے کسی ایک مصرف میں بھی (جس میں زیادہ ضرورت ہو) صرف کی جا سکتی ہے حتی کہ کسی ایک انسان کو دینا بھی جائز و درست ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ، امام حسنؒ، امام نخعیؒ، امام عطاءؒ، امام ثوریؒ، امام ابوعبیدؒ وغیرہ بھی یہی موقف رکھتے ہیں۔(۱۱)

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ﴿توخذ من أغنياء هم فترد على فقرائهم﴾ ''زکوۃ

(۱) [تفسیر ابن کثیر (۳/۴۰۳)]
(۲) [المحلى بالآثار (٤/۲۷٥)]
(۳) [العمدة (ص/۱۱۳)]
(٤) [بداية المجتهد (۱/۳۲٥)]
(٥) [فقه الزكاة (۱/٦٤۱)]
(٦) [كتاب الأموال (۱/٦۱۱)]
(۷) [فقه الزكاة (۲/٦٥۷)]
(۸) [أيضا]
(۹) [أبحاث هيئة كبار العلماء (۱/٦۱-۹۷)]
(۱۰) [نيل الأوطار (۳/۱۳۱-۱۳۲) السيل الجرار (۲/٦۰) فقه الزكاة (۲/٦۷۰)]
(۱۱) [المغني ابن قدامة (٤/۱۲۸)]

ان کے اغنیاء سے وصول کی جائے گی اور ان کے فقراء میں تقسیم کر دی جائے گی۔‘‘ (۱)

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے منجملہ فقراء کو ہی زکوۃ دینے کا حکم دیا ہے اور وہ صرف ایک ہی مصرف وصنف ہیں۔

فقہاء نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے۔

(شافعیؒ) مال زکوۃ تمام مصارف میں صرف کرنا لازم ہے۔

(مالکؒ) اُسی پر صرف کیا جائے جو ان میں زیادہ محتاج وضرورت مند ہو۔

(احمدؒ، ابو حنیفہؒ) کسی ایک مصرف میں صرف کرنا بھی جائز ہے۔ (۲)

وَتَحْرُمُ عَلٰى بَنِيْ هَاشِمٍ وَمَوَالِيْهِمْ	زکوۃ بنو ہاشم ❶ اور ان کے آزاد کردہ غلاموں پر حرام ہے۔ ❷

❶ (1) حضرت عبد المطلب بن ربیعہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿إن الصدقة لا تنبغي لآل محمد إنما هي أوساخ الناس﴾ ’’صدقہ (یعنی زکوۃ) آل محمد کے لیے جائز ہی نہیں۔ یہ تو لوگوں کے مال کی میل کچیل ہے۔‘‘

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿إنها لا تحل لمحمد و لا لآل محمد﴾ ’’یہ محمد ﷺ اور آل محمد کے لیے حلال نہیں۔‘‘ (۳)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے صدقے کی کھجوروں میں سے ایک کھجور پکڑ لی تو نبی ﷺ نے فرمایا ’’کخ کخ‘‘ تاکہ وہ اسے پھینک دیں اور مزید فرمایا ﴿أما شعرت أنا لا نأكل الصدقة﴾ ’’کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے۔‘‘

اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ ﴿أنا لا تحل لنا الصدقة﴾ ’’بے شک ہمارے لیے صدقہ حلال نہیں۔‘‘ (٤)

(3) نبی کریم ﷺ ایک گری پڑی کھجور کے قریب سے گزرے تو فرمایا ﴿لو لا أن تكون صدقة لأكلتها﴾ ’’اگر یہ شبہ نہ ہوتا کہ یہ کھجور صدقے کی ہو سکتی ہے تو میں اسے کھا لیتا۔‘‘ (٥)

(4) نبی ﷺ کے پاس کوئی چیز لائی جاتی تو آپ ﷺ دریافت فرماتے کیا یہ ہدیہ ہے یا صدقہ ہے۔ اگر کہا جاتا کہ صدقہ ہے تو آپ ﷺ نہ کھاتے اور اگر کہا جاتا کہ ہدیہ ہے تو پھر اپنا ہاتھ (اسے پکڑنے کے لیے) آگے بڑھاتے۔‘‘ (٦)

(ابن قدامہؒ) اس مسئلے میں اختلاف کے متعلق کوئی بات ہمارے علم میں نہیں۔ (۷)

---

(۱) [بخاری (۱۳۹٥) مسلم (۱۹) أبو داود (۱٥٤۸) ترمذی (٦۲۱)]

(۲) [نیل الأوطار (۱۳٤/۳) المغنی (۱۲۸/٤) الأم (۷۱/۲) نهاية المحتاج (۱٦٤/٦) حلية العلماء فی معرفة مذاهب الفقهاء (۱٦۲/۳) بدائع الصنائع (٤٥/۲) الأصل (۱۷۲/۲) الإنصاف فی معرفة الراجح من الخلاف (۲٤۸/۳)]

(۳) [مسلم (۱٦۷، ۱٦۸، ۱۰۷۲) کتاب الزکاة : باب ترك استعمال آل النبی علی الصدقة، أبو داود (۲۹۸٥) شرح معانی الآثار (۷/۲) بیهقی (۳/۷)]

(٤) [بخاری (۱٤۹۱) کتاب الزکاة : باب ما یذکر فی الصدقة للنبی وآله، مسلم (۱٦۱، ۱۰٦۹)]

(٥) [بخاری (۲۰٥٥) کتاب البیوع : باب ما ینزه من الشبهات، مسلم (۱۰۷۱)]

(٦) [حسن صحیح : صحیح نسائی (۲٤٥۰) ترمذی (٦٥٦) کتاب الزکاة : باب ما جآء فی کراهية الصدقة للنبی......، نسائی (۲٦۱۳)]

(۷) [المغنی (۱۰۹/٤)]

تاہم اس بات میں اختلاف کیا گیا ہے کہ آل محمد سے کیا مراد ہے؟

(شافعیؒ) آل محمد میں بنو ہاشم اور بنو مطلب شامل ہیں۔

(جمہور، مالکؒ، ابوحنیفہؒ) آل محمد سے مراد صرف بنو ہاشم ہیں۔(۱)

(راجح) امام شافعیؒ کا موقف راجح ہے۔(واللہ اعلم)(۲)

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿إنما بنو المطلب و بنو هاشم شيئ واحد﴾ ''بنو مطلب اور بنو ہاشم دونوں ایک ہی چیز ہیں۔''(۳)

○ بنو ہاشم سے مراد اولاد علی رضی اللہ عنہ، اولاد عباس رضی اللہ عنہ، اولاد عقیل رضی اللہ عنہ اور اولاد حارث بن عبد المطلب ہیں۔(٤)

❷ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے بنو مخزوم کے ایک آدمی کو زکوٰۃ کی وصولی پر مقرر فرمایا۔ اس نے حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم میرے ساتھ چلو تمہیں بھی اس میں سے کچھ حصہ مل جائے گا۔ انہوں نے کہا میں اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے متعلق آپ ﷺ سے دریافت نہ کر لوں۔ چنانچہ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿مولى القوم من أنفسهم وإنها لا تحل لنا الصدقة﴾ ''قوم کا غلام بھی انہیں میں شمار ہوتا ہے اور ہمارے لیے صدقہ حلال نہیں۔''(٥)

نبی ﷺ کے اس فرمان '' **لا تحل لنا الصدقة** '' کے عموم میں نفلی اور فرضی دونوں طرح کے صدقات کی حرمت شامل ہے۔

(شوکانیؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(٦)

(خطابیؒ) انہوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔(۷)

جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ہاشمی (سید) ہاشمی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے ان کی دلیل یہ روایت ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ﴿هل تحل لنا صدقات بعضنا لبعض؟﴾ ''کیا ہم ایک دوسرے کو صدقے دے سکتے ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ﴿نعم﴾ ''ہاں۔''(۸)

یہ روایت قابل حجت نہیں۔(۹)

---

(۱) [المجموع (٦/٢٢٦-٢٢٧)، الفقه الإسلامي وأدلته (٢/٨٨٣-٨٨٤) نيل الأوطار (٣/١٣٥)]

(۲) [سبل السلام (٢/٨٥٥)]

(۳) [بخاری (٣١٤٠، ٣٥٠٢) کتاب فرض الخمس : باب ومن الدليل على أن الخمس للإمام، أحمد (٤/٨١) أبو داود (٢٩٧٨) نسائی (٤١٣٦) ابن ماجة (٦٨٨١) بیهقی (٦/٣٤١)]

(٤) [نيل الأوطار (٣/١٣٥)]

(٥) [**صحيح** : صحيح أبو داود (١٤٥٢) کتاب الزکاة : باب الصدقة على بني هاشم، أبو داود (١٦٥٠) نسائی (٥/١٠٧) ترمذی (٦٥٧) أحمد (٦/١٢١) حاکم (١/٤٠٤) شرح السنة (٣/٣٨٠)]

(٦) [نيل الأوطار (٣/١٣٦)]

(۷) [معالم السنن (٢/٧١)]

(۸) [حاکم في علوم الحديث (ص/١٧٥)]

(۹) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: نيل الأوطار (٣/١٣٥) الروضة الندية (١/٥٠٦)]

وَتَحْرُمُ عَلَى الْأَغْنِيَاءِ وَالْأَقْوِيَاءِ الْمُكْتَسِبِينَ	زکوۃ مالدار اور کمانے کے قابل افراد پر حرام ہے۔ ❶

❶ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا تحل الصدقة لغني ولا لذي مرة سوی﴾ ''کسی مالدار' قوی الجسم اور صحیح وسلامت اعضاء والے شخص کے لیے زکوۃ جائز نہیں۔'' (۱)

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿ولا حظ فيها لغني ولا لقوى مكتسب﴾ ''مالدار' صحت منداور کمانے والے آدمی کے لیے اس (یعنی زکوۃ) میں کوئی حصہ نہیں۔'' (۲)

497- پانچ قسم کے مالدار افراد کے لیے صدقہ جائز ہے

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مالدار شخص کے لیے پانچ صورتوں کے علاوہ صدقہ حلال نہیں ہے۔

(1) زکوۃ کا مال اکٹھا کرنے کی صورت میں۔
(2) وہ شخص جو اپنے مال سے صدقے کی کوئی چیز خرید لے۔
(3) مقروض ہو۔
(4) فی سبیل اللہ جہاد کرنے والا۔
(5) مسکین پر جو چیز صدقہ کی گئی ہو وہ اس سے کچھ مالدار کے لیے بطور تحفہ بھیج دے۔'' (۳)

متفرقات

498- رشتہ داروں کو زکوۃ دینا افضل ہے

حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿الصدقة على المسكين صدقة وهي على ذي الرحم ثنتان : صدقة وصلة﴾ ''مسکین پر صدقہ کرنا صرف صدقہ ہے اور رشتہ دار پر صدقہ کرنے میں دو چیزیں شامل ہیں یعنی صدقہ اور صلہ رحمی۔'' (٤)

---

(۱) [صحیح : صحيح أبو داود (۱٤۳۹) كتاب الزكاة : باب من يعطى من الصدقة؟ وحد الغنى ' أبو داود (١٦٣٤) ترمذی (٦٥٢) حاكم (٤٠٧/١) أحمد (١٦٤/٢) بيهقى (١٣/٧) نسائی (٩٩/٥) ابن ماجة (١٨٣٩) دارقطنی (١١٨/٢) بيهقى (١٤/٧)] حافظ ابن حجرؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[تلخيص الحبير (٢٣٢/٣)]

(۲) [صحیح : صحيح أبو داود (۱٤۳۹) أيضا ' أبو داود (١٦٣٣) نسائی (٩٩/٥) أحمد (٢٢٤/٤) عبدالرزاق (٧١٥٤) دارقطنی (١١٩/٢) بيهقى (١٤/٧)]

(۳) [صحیح : صحيح أبو داود (١٤٤١) كتاب الزكاة : باب من يجوز له أخذ الصدقة وهو غنى ' أبو داود (١٦٣٦) أحمد (٥٦/٣) ابن ماجة (١٨٤١) عبدالرزاق (٧١٥١) ابن خزيمة (٢٣٧٤) إرواء الغليل (٨٧٠)]

(٤) [صحیح : صحيح ابن ماجة (١٤٩٤) المشكاة (١٩٣٩) ترمذی (٦٥٨) كتاب الزكاة : باب ما جاء فى الصدقة على ذى القرابة ' ابن ماجة (١٨٤٤) نسائی (٢٥٨٢) أحمد (١٧/٤) دارمی (٣٩٧/١)]

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) اس کا مطلب یہ ہے کہ اقرباء پر صدقہ کرنا افضل ہے۔(۱)

○ یاد رہے کہ لفظ صدقہ نفلی صدقے 'فرض زکوٰۃ اور صدقہ فطر سب پر مشترک طور پر بولا جاتا ہے۔

499- بیوی خاوند کو زکوٰۃ دے سکتی ہے

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی زینب رضی اللہ عنہا نے جب اپنے زیور کی زکوٰۃ دینے کا ارادہ کیا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے خود کو اور اپنی اولاد کو زکوٰۃ کا زیادہ مستحق قرار دیا۔ اس پر زینب رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿صدق ابن مسعود زوجك وولدك أحق من تصدقت به عليهم﴾ ''ابن مسعود نے ٹھیک کہا ہے' تیرا شوہر اور اس کی اولاد تیرے صدقے کے زیادہ مستحق ہیں۔''(۲)

(جمہور) بیوی خاوند کو زکوٰۃ دے سکتی ہے۔

(شافعیہ' مالکیہ' حنفیہ' حنابلہ) بیوی اپنے خاوند کو زکوٰۃ نہیں دے سکتی۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا بھی یہی موقف ہے۔(۳)

○ علماء نے اس مسئلے میں بھی اختلاف کیا ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟ لیکن راجح بات یہی ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔

(ابن منذرؒ) علماء نے اجماع کیا ہے کہ آدمی زکوٰۃ کے مال سے اپنی بیوی کو کچھ نہیں دے سکتا کیونکہ اس کا نفقہ وخرچہ اس پر واجب ہے۔(٤)

(امیر صنعانیؒ) علماء نے اتفاق کیا ہے کہ فرض زکوٰۃ اپنی بیوی کو دینا جائز نہیں۔(٥)

واضح رہے کہ خاوند کو بھی صرف اسی صورت میں بیوی زکوٰۃ دے سکتی ہے جب وہ آٹھوں مصارف میں سے کسی مصرف میں شامل ہو ورنہ نہیں۔

500- اپنے والدین اور اولاد کو زکوٰۃ دینا

والدین خواہ کتنے ہی اوپر چلے جائیں (یعنی دادا' پردادا وغیرہ) اور اولاد خواہ کتنی ہی نیچے چلی جائے (یعنی بیٹا' پوتا اور پوتے کا بیٹا وغیرہ) فرض زکوٰۃ کے مستحق نہیں کیونکہ ان سب کا نفقہ اس شخص پر واجب ہے اگر وہ اس کی طاقت رکھتا ہے۔

(ابن منذرؒ) انہوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔(٦)

صاحب بحر الزخار نے بھی اس پر اجماع نقل کیا ہے۔(۷)

---

(۱) [تحفة الأحوذي (۳٦۸/۳)]

(۲) [بخاري (۱٤٦۲) كتاب الزكاة : باب الزكاة على الأقارب]

(۳) [نيل الأوطار (۱٤۰/۳) شرح المهذب (۱۳۸/٦) الأم (٦۹/۲) المغني (۱۰۰/٤) المبسوط (۱۱/۳)]

(٤) [نيل الأوطار (۱٤۱/۳)]

(٥) [سبل السلام (۸٤۱/۲)]

(٦) [الإجماع لابن المنذر (۱۱۸) (ص/٥۱) المغني (۹۸/٤)]

(۷) [كما في نيل الأوطار (۱٤۱/۳)]

(ابن عباس رضی اللہ عنہ) ان رشتہ داروں کو زکوۃ دینے میں کوئی حرج نہیں جو تمہارے اہل وعیال نہ ہوں۔(۱)

(ابن بازؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۲)

اولاد کو اس لیے بھی زکوۃ نہیں دی جا سکتی کیونکہ فی الحقیقت اولاد کا مال بھی والد کا مال ہی ہے یعنی اولاد کو زکوۃ دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے اپنے نفس کو زکوۃ دے دی۔

(1) حدیث نبوی ہے کہ ﴿أنت و مالك لأبيك﴾ "تم اور تمہارا مال دونوں تمہارے والد کی ملکیت ہے۔"(۳)

(2) ایک اور روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿إن أولادكم من كسبكم﴾ "تمہاری اولاد یقیناً تمہاری کمائی میں سے ہی ہے۔"(٤)

ایک روایت میں ہے کہ یزید رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے معن رضی اللہ عنہ کو لاشعوری طور پر صدقہ دے بیٹھے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جھگڑتے ہوئے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لك ما نويت يا يزيد ولك ما أخذت يا معن﴾ "اے یزید! تمہیں اس چیز کا اجر مل جائے گا جس کی تم نے نیت کی اور اے معن! جو تم نے حاصل کر لیا وہ تمہارا ہی ہے۔"(٥)

امام شوکانیؒ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ نفلی صدقے کے بارے میں ہے۔(٦)

(ابن تیمیہؒ) والدین اور اولاد کو زکوۃ کا مال دینا اس وقت جائز ہے جبکہ وہ فقیر ہوں اور یہ شخص ان کے نفقے سے عاجز ہو۔(۷)

501- لاعلمی میں غیر مستحق کو زکوۃ دے دینا کفایت کر جائے گا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "(بنی اسرائیل میں سے) ایک شخص نے کہا آج رات میں ضرور صدقہ دوں گا چنانچہ وہ اپنا صدقہ لے کر نکلا اور (لاعلمی سے) ایک چور کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ صبح ہوئی تو لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ آج رات کسی نے چور کو صدقہ دے دیا۔ اس شخص نے کہا اے اللہ! تمام تعریف تیرے لیے ہی ہے آج رات میں پھر ضرور صدقہ کروں گا چنانچہ وہ دوبارہ صدقہ لے کر نکلا اور اس مرتبہ ایک فاحشہ کے ہاتھ میں دے آیا۔ جب صبح ہوئی تو پھر لوگوں میں چرچا ہوا کہ آج رات کسی نے فاحشہ عورت کو صدقہ دے دیا۔ اس شخص نے کہا کہ اے اللہ! تمام تعریف تیرے لیے ہی ہے' میں زانیہ کو اپنا صدقہ دے آیا۔ آج رات پھر ضرور صدقہ نکالوں گا چنانچہ اپنا صدقہ لیے ہوئے وہ پھر نکلا اور اس مرتبہ ایک مالدار کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ صبح ہوئی تو لوگوں کی زبان پر ذکر تھا کہ ایک مالدار کو کسی نے صدقہ دے دیا ہے۔ اس شخص نے کہا کہ اے اللہ! حمد تیرے ہی لیے ہے میں اپنا صدقہ (لاعلمی سے) چور' فاحشہ اور مالدار کو دے آیا ہوں۔ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) بتایا گیا کہ جہاں تک چور کے ہاتھ میں صدقہ چلے جانے کا سوال ہے تو اس میں یہ امکان ہے کہ وہ چوری سے رک

---

(۱) [ابن أبي شيبة (١٠٥٣١)]

(۲) [فتاوی ابن باز مترجم (١/١١٧)]

(۳) [**صحيح**: صحيح ابن ماجة (١٨٥٥ ' ١٨٥٦) كتاب التجارات: باب ما للرجل من مال ولده ' إرواء الغليل (٨٣٨) ابن ماجة (٢٢٩١ ' ٢٢٩٢)]

(٤) [**صحيح**: صحيح ابن ماجة (١٨٥٤) أيضا ' ابن ماجة (٢٢٩٠) أبو داود (٣٥٢٨) ترمذی (١٣٥٨)]

(٥) [بخاری (١٤٢٢) كتاب الزكاة: باب إذا تصدق على ابنه وهو لا يشعر ' أحمد (٤٧٠/٣)]

(٦) [نيل الأوطار (١٤٢/٣)]

(۷) [اختيارات ابن تيمية (ص/٦١-٦٢)]

جائے۔اسی طرح فاحشہ کو صدقے کا مال مل جانے سے یہ امکان ہے کہ وہ زنا سے رک جائے اور مالدار کے ہاتھ میں پڑ جانے کا یہ فائدہ ہے کہ اسے عبرت ہو اور پھر جو اللہ تعالیٰ نے اسے دیا ہے وہ اسے خرچ کرے۔''(۱)

502- زکوۃ کی ادائیگی میں نیت ضروری ہے

(ابن قدامہ) اسی کے قائل ہیں۔(۲)

کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿إنما الأعمال بالنيات﴾ ''تمام عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے۔''(۳)

503- بھیک مانگنا پیشہ بنالینا اور بغیر ضرورت دست سوال پھیلانا

(1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو لوگ گداگری اور بھیک مانگنے کو پیشہ ہی بنا لیتے ہیں روز قیامت ایسی حالت میں آئیں گے کہ ان کے چہروں پر گوشت نہیں ہوگا۔''(٤)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو آدمی اپنا مال بڑھانے اور اضافہ کرنے کی غرض سے لوگوں سے مانگتا ہے وہ اپنے لیے انگاروں کے سوا اور کوئی چیز نہیں مانگتا اب اس کی مرضی ہے چاہے انہیں کم کرے چاہے زیادہ۔''(٥)

(3) حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''اگر تم میں سے کوئی رسی لے کر لکڑیوں کا گٹھا جنگل سے اپنی پشت پر اٹھا کر لائے پھر اسے فروخت کردے۔پس اللہ تعالیٰ اسکے ذریعے اس کے چہرے کو مانگنے سے روک دے تو یہ اس کے لیے اس بات سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے مانگتا پھرے اور وہ اسے دیں یا نہ دیں۔''(٦)

(4) حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مانگنا ایک زخم ہے جس سے انسان اپنے چہرے کو زخمی کرتا ہے البتہ ایسا شخص جو مجبوری کی وجہ سے سوال کرے یا سربراہ مملکت سے مانگے تو اس کے لیے کوئی حرج نہیں۔''(۷)

(۱) [بخاری (۱٤۲۱) کتاب الزکاۃ : باب إذا تصدق علی غنی وھو لا یعلم]

(۲) [المغنی (۸۸/٤)]

(۳) [بخاری (۱) کتاب بدء الوحی]

(٤) [بخاری (۱٤۷٤) کتاب الزکاۃ : باب من سأل الناس تکثرا' مسلم (۱۰٤۰)]

(٥) [مسلم (۱۰٤۱)]

(٦) [بخاری (۱٤۷۱) کتاب الزکاۃ : باب استعفاف عن المسألة]

(۷) [صحیح : صحیح أبو داود (۱٤٤۳) ترمذی (٦۸۱) کتاب الزکاۃ : باب ما جآء فی النھی عن المسألة' أبو داود (۱٦۳۹)]

باب صدقة الفطر❶ صدقہ فطر کا بیان

هِيَ صَاعٌ مِّنَ الْقُوتِ الْمُعْتَادِ عَنْ كُلِّ فَرْدٍ	یہ روزمرہ کی خوراک میں سے ایک صاع ہر فرد کی طرف سے ادا کیا جائے گا۔ ❷

❶ صدقہ فطر سے مراد ماہ رمضان کے اختتام پر نماز عید سے پہلے فطرانہ ادا کرنا ہے۔

❷ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ﴿فرض رسول اللہ زكاة الفطر صاعا من تمر أو صاعا من شعير على العبد والحر والذكر والأنثى والصغير والكبير من المسلمين وأمر بها أن تؤدى قبل خروج الناس إلى الصلاة﴾ "رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے غلام' آزاد' مرد' عورت' بچے' بوڑھے سب پر صدقہ فطر فرض کیا ہے۔ ایک صاع (ٹوپا یعنی تقریبا اڑھائی کلو) کھجوروں سے اور ایک صاع جو سے۔ اور اس کے متعلق حکم دیا کہ یہ فطرانہ نماز (عید) کے لیے نکلنے سے پہلے ادا کر دیا جائے۔" (۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ فطر فرض ہے۔

(ابن منذرؒ) انہوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ (۲)

(شافعیؒ) اسی کے قائل ہیں۔

(ابوحنیفہؒ) واجب ہے فرض نہیں کیونکہ دلیل قطعی سے ثابت نہیں۔ (مزید امام ابوحنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ زکوۃ الفطر اس وقت واجب ہے جب انسان اتنے مال کا مالک ہو جو نصاب کو پہنچ جائے حالانکہ اس کی کوئی واضح دلیل موجود نہیں لہذا جس کے پاس گھر کے خورد ونوش سے زائد غلہ موجود ہو وہ صدقہ فطر ادا کر دے)۔ (۳)

حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی جس روایت سے فرضیت کے نسخ کا دعوی کیا جاتا ہے اس میں ایسی کوئی بات مذکور نہیں کہ جس سے نسخ کا دعوی کیا جا سکے جیسا کہ اُس روایت میں ہے کہ ﴿أمرنا رسول الله بصدقة الفطر قبل أن تنزل الزكاة فلما نزلت الزكاة لم يامرنا ولم ينهنا ونحن نفعله﴾ "رسول اللہ ﷺ نے زکوۃ (کا حکم) نازل ہونے سے پہلے ہمیں صدقہ فطر کا حکم دیا لیکن جب زکوۃ (کا حکم) نازل ہو گیا تو آپ ﷺ نے نہ ہمیں حکم دیا اور نہ (اس سے) ہمیں روکا اور ہم صدقہ فطر ادا کیا کرتے تھے۔" (٤)

اس حدیث میں محض ایک زائد فرض کا ذکر ہے جس سے یہ لازم نہیں آتا کہ پہلا فرض منسوخ ہو گیا ہے۔

504- صدقہ فطر صرف مسلمانوں کی طرف سے ادا کیا جائے گا

گذشتہ پہلی حدیث کے یہ الفاظ ﴿من المسلمين﴾ اس بات کا ثبوت ہیں کہ صدقہ فطر صرف مسلمانوں کی طرف سے ہی

(۱) [بخاری (۱۵۰۳) کتاب الزكاة : باب فرض صدقة الفطر' مسلم (۹۸٤) أبو داود (۱٦۱۱) نسائی (٤٨/٥) ابن ماجة (۱۸۲٦) ترمذی (٦٧٦) موطا (۲۸٤/۱) أحمد (۱۳۷/۲) دارمی (۳۹۲/۱) شرح معانی الآثار (۳۲۰/۱)]

(۲) [نیل الأوطار (۱٤۳/۳)]

(۳) [الحاوی (۳۸٤/۳) الأم (۸٤/۲) بدائع الصنائع (٧٤/۲) المبسوط (۱۰۸/۳) المغنی (۸۹/۳)]

(٤) [صحیح : صحیح نسائی (۲۳۵۰) ابن ماجة (۱۸۲۸) کتاب الزكاة : باب صدقة الفطر' نسائی (٤۹/٥) حاکم (٤۱۰/۱) بیهقی (۱٥۹/٤)]

ادا کیا جائے گا۔ اگر کسی کا والد' والدہ یا غلام وغیرہ کافر ہوں تو ان کی طرف سے نہیں ادا کیا جائے گا۔

(ابن قدامہؒ) کافر پر صدقہ فطر فرض نہیں خواہ وہ آزاد ہو یا غلام۔(۱)

(شوکانیؒ) کافر پر (صدقہ فطر) واجب نہیں ہے۔(۲)

(ابن حجرؒ) یہ متفق علیہ مسئلہ ہے۔(۳)

505- صدقہ فطر کی مقدار اور اشیاء

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿كنا نخرج زكاة الفطر صاعا من طعام أو صاعا من شعير أو صاعا من تمر أو صاعا من أقط أو صاعا من زبيب﴾ ''ہم گندم سے ایک صاع' یا جو سے ایک صاع' یا کھجور سے ایک صاع' یا پنیر سے ایک صاع' یا منقے سے ایک صاع صدقہ فطر نکالتے تھے۔''

صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ لفظ زائد ہیں ﴿في زمان النبي﴾ ''یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم ایسا کرتے تھے۔''(٤)

اس سے معلوم ہوا کہ اِن تمام اشیاء سے ایک صاع فطرانہ نکالا جائے گا۔ البتہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جب حج یا عمرے سے لوٹے تو منبر پر لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے: میں سمجھتا ہوں کہ شام کی گندم کے دو مد (یعنی نصف صاع) کھجور کے ایک صاع کے برابر ہیں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تو ہمیشہ اُسی طرح (صدقہ فطر) نکالتا رہوں گا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نکالتا تھا (یعنی ایک صاع)۔''(٥)

معلوم ہوا کہ گندم سے نصف صاع فطرانہ دینا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہاد تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ تمام اجناس سے ایک صاع فطرانہ نکالنے کے ہی قائل رہے۔ مزید برآں جن روایات میں ایک آدمی کی طرف سے نصف صاع کے بھی کافی ہو جانے کا ذکر ہے وہ یا تو مرفوع ثابت نہیں ہیں یا ضعیف ہیں جیسا کہ امام بیہقیؒ اور دیگر ائمہ نے اسی بات کو ترجیح دی ہے۔(٦)

بہر حال محل اختلاف دو ہی چیزیں ہیں ''گندم اور منقی'' کہ کیا ان سے نصف صاع دیا جائے گا یا مکمل صاع؟(٧)

(جمہور، مالکؒ، احمدؒ، شافعیؒ) ان دونوں اشیاء سے بھی مکمل صاع فطرانہ دیا جائے گا۔

(احناف) ان سے نصف صاع دیا جائے گا۔(٨)

---

(۱) [المغني (٢٨٣/٤)]

(۲) [نيل الأوطار (١٤٥/٣)]

(۳) [فتح الباري (١٤٢/٤)]

(٤) [بخاري (١٥٠٦' ١٥٠٨) كتاب الزكاة : باب صدقة الفطر صاع من طعام' مسلم (٩٨٥) أبو داود (١٦١٦) ترمذي (٦٦٨) نسائي (٥١/٥) ابن ماجة (١٨٢٩) موطا (٢٨٤/١) ابن أبي شيبة (١٧٢/٣) أحمد (٢٣/٣)]

(٥) [مسلم (٩٨٤) كتاب الزكاة : باب زكاة الفطر على المسلمين' بيهقي (١٦٥/٤)]

(٦) [بيهقي في السنن الكبرى (١٧٠/٤) مرعاة المفاتيح (١٨٣١)]

(٧) [نيل الأوطار (١٤٧/٣)]

(٨) [الأم (٩٠/٢) المغني (٢٨٧/٤) حاشية الدسوقي على الشرح الكبير (٥٠٦/١) الكافي لابن عبدالبر (ص/١١٢) المبسوط (١١٣/٣) الهداية (١١٧/١) الإختيار (١٢٣/١)]

(راجح) جمہور کا موقف راجح ہے۔

(شوکانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۱)

(ابن قدامہؒ) تمام اجناس سے ایک صاع دیا جائے گا۔(۲)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تمام ایسی اجناس جو لوگوں کا طعام (یعنی خوراک) ہیں جیسا کہ روایت میں ہے ﴿صاعا من طعام﴾ ان سب سے ایک صاع صدقۂ فطر نکالا جائے گا۔

- یاد رہے کہ ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے۔علاوہ ازیں صاع کی مقدار پانچ رطل اور ایک رطل کا تیسرا حصہ بھی بیان ہوئی ہے۔(۳) جدید وزن کے مطابق ایک صاع اڑھائی کلوگرام کے قریب ہوتا ہے۔

506- کیا خوراک کے بدلے قیمت بھی دی جا سکتی ہے؟

بہتر یہی ہے جو اجناس حدیث میں مذکور ہیں انہی سے ادائیگی کی جائے۔اگر یہ نہ ہوں تو جو کچھ بھی بطور خوراک استعمال کیا جاتا ہے وہ صدقہ کے طور پر دیا جائے لیکن اگر کوئی کسی عذر کی وجہ سے قیمت دینا چاہتا ہے تو بعض علماء اسے بھی جائز قرار دیتے ہیں۔کیونکہ حدیث میں صدقۂ فطر کا جو مقصد بیان ہوا ہے وہ مساکین کو کھلانا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ﴿فرض رسول الله زكاة الفطر طهرة للصائم من اللغو والرفث وطعمة للمساكين﴾ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر روزہ دار کی لغویات اور فحش گوئی سے روزے کو پاک کرنے کے لیے اور مساکین کو کھانا کھلانے کے لیے مقرر کیا ہے۔“(٤)

چونکہ مساکین کو کھلانا مقصود ہے اور وہ قیمت کی ادائیگی سے بھی ممکن ہے لہذا ایسا کرنا بھی جائز و درست معلوم ہوتا ہے نیز کسی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قیمت کی ادائیگی کی ممانعت بھی ثابت نہیں۔تاہم فقہاء نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے۔

(مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ) اجناس کے عوض قیمت دینا جائز نہیں۔

(ابو حنیفہؒ) قیمت دینا جائز ہے۔(٥)

(شوکانیؒ) کسی عذر کی وجہ سے قیمت بھی دی جا سکتی ہے۔(٦)

(ابن حزمؒ) قیمت کفایت نہیں کرتی۔(٧)

(ابن تیمیہؒ) صدقۂ فطر روزمرہ کی خوراک سے ادا کیا جائے۔(٨)

---

(۱) [نيل الأوطار (۱٤٧/۳)]

(۲) [المغنى (۲۸٥/٤)]

(۳) [المغنى (۲۸٥/٤) روضة الطالبين (۳۰۱/۲)]

(٤) [حسن : إرواء الغليل (۸٤۳) أبو داود (۱٦۰۹) كتاب الزكاة : باب زكاة الفطر ابن ماجة (۱۸۲۷) حاكم (٤۰۹/۱) دارقطنى (۱۳۸/۲) بيهقى (۱٦۳/٤)] امام نوویؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[المجموع (۱۲٦/٦)]

(٥) [المغنى (۲۹٥/٤) روضة الندية (٥۱۷/۱)]

(٦) [السيل الجرار (۸٦/۲)]

(٧) [المحلى بالآثار (۲٥۹/٤)]

(٨) [مجموع الفتاوى (۳٥/۲٥-۳٦)]

وَالْوُجُوبُ عَلَى سَيِّدِ الْعَبْدِ وَمُنْفِقِ الصَّغِيرِ وَنَحْوِهِ وَيَكُونُ إِخْرَاجُهَا قَبْلَ صَلَاةِ الْعِيدِ	صدقہ فطر غلام کے مالک اور کم سن یا اس کی مثل کسی کے ذمہ دار پر واجب ہے اور اسے نماز عید کے لیے جانے سے پہلے ادا کیا جائے۔ ❶

❶ (1) جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں پیچھے گزرا ہے کہ ﴿فرض رسول الله زكاة الفطر صاعا من تمر أو صاعا من شعير على العبد والحر والذكر والأنثى والصغير والكبير من المسلمين وأمربها أن تؤدى قبل خروج الناس إلى الصلاة﴾ ''رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے غلام' آزاد' مرد' عورت' بچے اور بوڑھے سب پر صدقہ فطر فرض کیا ہے۔ ایک صاع کھجوروں سے یا ایک صاع جو سے۔ اور اس کے متعلق حکم دیا ہے کہ یہ فطرانہ نماز کے لیے نکلنے سے پہلے ادا کر دیا جائے۔'' (۱)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿فمن أداها قبل الصلاة فهي زكاة مقبولة ومن أداها بعد الصلاة فهي صدقة من صدقات﴾ ''جس نے اسے نماز (عید) سے پہلے ادا کر دیا تو یہ قابل قبول زکوۃ ہوگی اور جس نے نماز کے بعد اسے ادا کیا تو وہ صرف صدقات میں سے ایک صدقہ ہی ہے (یعنی صدقہ فطر ادا نہیں ہوگا)۔'' (۲)

معلوم ہوا کہ یہ صدقہ نماز عید کے لیے روانگی سے پہلے ادا کر دینا ضروری ہے اور اگر عید سے ایک' دو دن پہلے ادا کر دیا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ (۳)

(جمہور) نماز عید سے پہلے صدقہ دینا صرف مستحب ہے علاوہ ازیں عید الفطر کے دن کے آخر تک کفایت کر جاتا ہے۔

(شوکانیؒ) گذشتہ حدیث ان کا رد کرتی ہے۔ (٤)

وَمَنْ لَا يَجِدُ زِيَادَةً عَلَى قُوتِ يَوْمِهِ وَلَيْلَتِهِ فَلَا فِطْرَةَ عَلَيْهِ	جس کے پاس اس دن اور رات کے لیے اپنی خوراک سے زیادہ اناج نہ ہو تو اس پر صدقہ فطر واجب نہیں ہے۔ ❶

❶ کیونکہ ایسی حالت میں وہ شخص خود فقراء و مساکین کے زمرے میں آتا ہے اور خود زکوۃ الفطر کا مستحق ہے نہ کہ اس پر زکوۃ الفطر واجب ہوگی۔

(صدیق حسن خانؒ) اسی کے قائل ہیں۔ (٥)

(ابن قدامہؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ (٦)

○ مذکورہ مسئلے کے اثبات کے لیے پیش کی جانے والی وہ روایت ضعیف ہے جس میں یہ لفظ ہیں ﴿أغنوهم عن الطواف

(۱) [بخاری (۱۵۰۳) کتاب الزکاۃ : باب فرض صدقة الفطر' مسلم (۹۸٤)]

(۲) [حسن : إرواء الغليل (۸٤۳)' (۳۳۲/۳) أبو داود (۱٦۰۹) کتاب الزکاۃ : باب زكاة الفطر ' ابن ماجة (۱۸۲۷) دارقطنی (۱۳۸/۲) حاکم (٤۰۹/۱)]

(۳) [المغنی (۳۰۰/٤) فتاوی ابن باز مترجم (۱۲۷/۱)]

(٤) [نيل الأوطار (۱٤۹/۳)]

(٥) [الروضة الندية (٥۱۹/۱ـ٥۲۰)]

(٦) [المغنی (۳۰۷/٤)]

في هذا اليوم﴾ ''اس دن میں فقراء کو در بدر پھرنے سے بے نیاز کر دو۔'' (۱)

وَمَصْرِفُهَا مَصْرِفُ الزَّكَاةِ	اس کا مصرف زکوۃ کا مصرف ہی ہے۔ ❶

❶ امام شوکانیؒ اور دیگر جن علماء نے زکوۃ کے آٹھوں مصارف کو ہی صدقہ فطر کا مصرف قرار دیا ہے ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حدیث نبوی ہے کہ ﴿فمن أداها قبل الصلاة فهي زكاة مقبولة﴾ ''جس نے اسے نماز عید سے پہلے ادا کر دیا تو یہ مقبول زکوۃ ہوگی۔'' (۲)

(2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ﴿أن رسول الله أمر بزكاة الفطر......﴾ ''رسول اللہ ﷺ نے زکوۃ الفطر ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔'' (۳)

چونکہ ان احادیث میں صدقہ فطر کو زکوۃ کہا گیا ہے لہذا اس کا مصرف بھی وہی ہوگا جو زکوۃ کا ہے۔

(ابن قدامہؒ) اسی کے قائل ہیں۔ (٤)

لیکن بعض علماء کا یہ خیال ہے (اور یہی بات زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے) کہ صدقہ فطر صرف مساکین اور فقراء و حاجت مند لوگوں میں ہی تقسیم کیا جائے گا کیونکہ اس کے متعلق حدیث میں واضح الفاظ موجود ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ﴿طعمة للمساكين﴾ ''زکوۃ فطر کو رسول اللہ ﷺ نے مساکین کو کھانا کھلانے کے لیے مقرر کیا ہے۔'' (٥)

(ابن تیمیہؒ) اسی کے قائل ہیں۔ (٦)

(ابن قیمؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ (٧)

(شوکانیؒ) انہوں نے بھی اپنی دوسری کتاب میں یہی موقف اپنایا ہے۔ (٨)

(البانیؒ) یہی موقف رکھتے ہیں۔ (٩)

---

(۱) [ضعيف : إرواء الغليل (٨٤٤) التعليقات الرضية على الروضة الندية (٥٥٣/١) التعليق على سبل السلام للشيخ صبحي حلاق (٦٣/٤) بيهقي (١٧٥/٤) دارقطني (١٥٢/٢)]

(۲) [حسن : إرواء الغليل (٨٤٣) أبو داود (١٦٠٩) كتاب الزكاة : باب زكاة الفطر]

(۳) [بخاري (١٥٠٤) كتاب الزكاة : باب صدقة الفطر على العبد وغيره من المسلمين ' مسلم (٩٨٤)]

(٤) [المغني (٣١٤/٤)]

(٥) [حسن : إرواء الغليل (٨٤٣) ابن ماجة (١٨٢٧) كتاب الزكاة : باب صدقة الفطر]

(٦) [مجموع الفتاوى (٣٨/٢٥)]

(٧) [كما في تمام المنة (ص/٣٨٨)]

(٨) [السيل الجرار (٨٦/٢)]

(٩) [تمام المنة (ص/٣٨٧)]

کتاب الخمس

خمس کے مسائل

وَيَجِبُ فِيمَا يُغْنَمُ فِي الْقِتَالِ وَفِي الرِّكَازِ	مال غنیمت ❶ اور دفینے سے پانچواں حصہ دینا ضروری ہے۔ ❷

❶ غنیمت ایسے مال کو کہتے ہیں جو جنگ میں حاصل ہو۔ (۱) اس میں منقولہ (مثلاً گاڑیاں، مویشی، آلات جنگ وغیرہ) اور غیر منقولہ (مثلاً زمینیں، عمارتیں اور گھر وغیرہ) سب بغیر کسی فرق کے شامل ہیں۔ اس کا مفصل بیان آئندہ " کتاب الجهاد والسير " میں دیکھیے۔ (۲)

○ فئی : ایسے مال کو کہتے ہیں جو بغیر مشقت (یعنی جنگ) کے حاصل ہو جائے۔ (۳)

مال فئی کا مصرف اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے ﴿مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ﴾ [الحشر: ۷] "بستیوں والوں کا جو مال اللہ تعالیٰ نے تمہارے لڑے بھڑے بغیر اپنے رسول کے ہاتھ لگایا وہ اللہ کا ہے، اور رسول کا، اور قرابت والوں کا، اور یتیموں مسکینوں کا، اور مسافروں کا ہے۔"

❷ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ﴿العجماء جُبَار والبئر جبار والمعدن جبار وفي الركاز الخمس﴾ "جانور سے جو نقصان پہنچے اس کا کچھ بدلہ نہیں، اور کنوئیں کا بھی یہی حال ہے اور کان کا بھی یہی حکم ہے اور رکاز میں سے پانچواں حصہ لیا جائے گا۔" (٤)

رکاز کے مفہوم کے متعلق علماء کے دو اقوال ہیں:

(1) (جمہور، مالکؒ، شافعیؒ) اس سے مراد جاہلیت کے زمانے کا زمین میں مدفون خزانہ ہے جو بغیر کسی کثیر محنت و مشقت کے حاصل ہوا ہو۔

(2) (ابو حنیفہؒ، ثوریؒ) رکاز معدنیات کا ہی دوسرا نام ہے۔ (٥)

جمہور نے احناف کا رد گذشتہ حدیث سے کیا ہے کہ جس میں معدنیات اور رکاز کا الگ الگ ذکر (ایک ہی حدیث میں) ہوا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ان دونوں میں یقیناً فرق موجود ہے۔

---

(۱) [المنجد (ص/٦١٨)]

(۲) [الروضة الندية (٥٢٣/١)]

(۳) [القاموس المحيط (ص/١٠٣١)]

(٤) [بخاری (١٤٩٩) كتاب الزكاة : باب في الركاز الخمس ، مسلم (١٧١٠) أبو داود (٣٠٨٥) ترمذی (١٣٩١) نسائی (٤٥/٥) ابن ماجة (٢٥٠٩) موطا (٢٤٩/١) ابن أبي شيبة (٢٢٤/٣) أحمد (٢٢٨/٢)]

(٥) [نيل الأوطار (١٠٦/٣) قوانين الأحكام الشرعية (ص/١١٩ـ ١٢٠) مغني المحتاج (٣٩٤/١) بدائع الصنائع (٦٥/٢)]

(صاحب قاموس) انہوں نے رکاز کے دونوں معنے کیے ہیں یعنی معدنیات اور جاہلیت کا دفینہ۔(۱)

(ابن اثیرؒ) رکاز ان دونوں معنوں پر بولا جاتا ہے لیکن حدیث جاہلیت کے دفینے کے متعلق وارد ہے۔(۲)

(البانیؒ) لغت میں دونوں معنے مراد ہیں لیکن شرعاً صرف جاہلیت کا دفینہ مراد ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی (گذشتہ) حدیث میں ہے۔(۳)

(راجح) جمہور کا موقف راجح ہے کیونکہ حدیث سے ان دونوں کا فرق صاف ظاہر ہے۔ ثابت ہوا کہ رکاز کے مال میں زکوٰۃ نہیں بلکہ "خمس" یعنی پانچواں حصہ ہے۔ اس کی حیثیت مال غنیمت جیسی ہے۔ اس میں خمس واجب ہے جو کہ بیت المال میں جمع کیا جائیگا اور باقی تمام کا مالک وہ شخص ہوگا جسے یہ خزانہ ملا ہے۔

علاوہ ازیں معدنیات میں زکوٰۃ واجب ہے جیسا کہ حدیث میں موجود ہے کہ نبی کریم ﷺ نے "قبل" جگہ میں واقع کانوں سے زکوٰۃ وصول کی۔(٤)

اگرچہ اس روایت میں ضعف ہے لیکن دیگر احادیث کے عموم سے ثابت ہوتا ہے کہ سونے اور چاندی کی کانوں میں زکوٰۃ ہے جبکہ احناف ان میں بھی خمس کے ہی قائل ہیں کیونکہ وہ رکاز سے معدنیات ہی مراد لیتے ہیں۔(٥)

وَلَا يَجِبُ فِيمَا عَدَا ذٰلِكَ وَمَصْرِفُهُ مِنْ وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْئٍ	ان کے علاوہ کسی اور چیز میں خمس واجب نہیں ہے ❶ اور اس کا مصرف اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں مذکور ہے ﴿واعلموا انما غنمتم من شیئ﴾۔ ❷

❶ کیونکہ شریعت میں کوئی ایسی دلیل موجود نہیں جس سے ثابت ہوتا ہو کہ ان اشیاء کے علاوہ کسی اور میں بھی خمس واجب ہے نیز براءۃ اصلیہ کا قاعدہ بھی اس کا مؤید ہے۔

(ابو حنیفہؒ) ہر جوہر میں خمس ہے مثلاً لوہا' تانبا اور پیتل وغیرہ۔(٦)

یاد رہے کہ یہ بات کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ (واللہ اعلم)

❷ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْئٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ [الأنفال : ٤١] "جان لو کہ تم جس قسم کی جو غنیمت حاصل کرو اس میں سے پانچواں حصہ تو اللہ تعالیٰ کا ہے' اور رسول کا' اور قرابت داروں کا' اور یتیموں اور مسکینوں کا' اور مسافروں کا ہے۔"

(جمہور' مالکؒ، ابو حنیفہؒ) اس خمس کا مصرف وہی ہے جو مال فیئ کے خمس کا مصرف ہے۔

(شافعیؒ) اس کا مصرف وہ ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے۔

---

(۱) [القاموس المحيط (ص/٤٦١)]

(۲) [النهاية (٢٥٨/٢)]

(۳) [تمام المنة (ص/٣٧٦)]

(٤) [ضعيف : ضعيف أبو داود (٦٦٨) كتاب الخراج والإمارة والفيئ : باب في إقطاع الأرضين ' إرواء الغليل (٨٣٠) أبو داود (٣٠٦١) موطا (٢٤٨/١) بيهقى (١٥٢/٤) حاكم (٥١٧/٣)]

(٥) [نيل الأوطار (١٠٧/٣)]

(٦) [الروضة الندية (٥٢٦/١)]

(احمدؒ) ان سے مذکورہ دونوں اقوال منقول ہیں۔(۱)

(راجح) فی الحقیقت کتاب وسنت میں رکاز کے مصرف کی کوئی بھی واضح دلیل موجود نہیں لہذا بہتر یہی ہے کہ اس کا مصرف امام المسلمین کی رائے پر موقوف سمجھا جائے۔

(البانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۲)

507-رکاز سے خمس نکالنے کے لیے اس کا سونے یا چاندی کے نصاب کو پہنچنا ضروری نہیں

(جمہور، احناف، امیر صنعانیؒ، البانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۳)

(شوکانیؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(٤)

(شافعیؒ، مالکؒ، احمدؒ، اسحاقؒ) نصاب کا اعتبار کیا جائے گا۔(٥)

متفرقات

508- اہل ذمہ سے جزیہ کی وصولی

اہل ذمہ کے ہر فرد سے ماہانہ یا سالانہ جیسے حاکم وقت مناسب سمجھے جزیہ (ٹیکس) وصول کیا جائیگا اور اس کی مقدار کے متعلق حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ ﴿أن النبی ﷺ أمره أن یأخذ من کل حالم دینارا﴾ ''نبی ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ ہر بالغ سے ایک دینار وصول کریں۔''(٦)

(۱) [نیل الأوطار (۱۰٦/۳) المبسوط (۲۱۱/۲) بدائع الصنائع ((٦٥/۲) الکافی لابن عبدالبر (ص/٩٦) الأم (٦۲/۲) الحاوی (۳۳٥/۳) المغنی (۲۳٦/٤)]

(۲) [تمام المنة (ص/۳۷۸)]

(۳) [تمام المنة (ص/۳۷۷)]

(٤) [نیل الأوطار (۱۰٦/۳)]

(٥) [نیل الأوطار (۱۰٦/۳) المبسوط (۲۱۱/۲) الهدایة (۱۱۰/۱) الکافی لابن عبدالبر (ص/٩٥) الأم (٥٩/۲) الحاوی (۳۳۷/۳) المغنی (۲۳٥/٤)]

(٦) [**صحیح لغیره** : إرواء الغلیل (٧٩٥) أبو داود (۳۰۳۸) کتاب الخراج والإمارة والفیئ : باب فی أخذ الجزیة ' أحمد (۲٤۰/٥) ترمذی (٦۲۳) نسائی (۲٦/٥) ابن ماجة (۱۸۰۳) حاکم (۳٩۸/۱)]

کتاب الصیام
روزے کے مسائل

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ [البقرة : ١٨٤]

”اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیے گئے ہیں۔“

حدیث نبوی ہے کہ

﴿لخلوف فم الصائم أطيب عند الله من ريح المسك﴾

”روزہ دار کے منہ کی بدبو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری سے زیادہ پاکیزہ ہے۔“

[بخاری (١٨٩٤) كتاب الصوم : باب فضل الصوم]

کتاب الصیام ❶
روزے کے مسائل

باب احکام الصیام — روزے کے احکام کا بیان

پہلی فصل

صیام رمضان کا وجوب

یُجِبُ صِیَامُ رَمَضَانَ	رمضان کے روزے واجب ہیں۔ ❷

❶ (1) لغوی وضاحت: لفظ صیام باب صَامَ یَصُوْمُ (نصر) سے مصدر ہے۔ اس کا معنی ''روزہ رکھنا اور رک جانا (یعنی کھانے' پینے' بولنے' جماع کرنے یا چلنے سے رک جانا سب اس میں شامل ہیں)۔'' (۱)

شرعی تعریف: مخصوص شرائط کے ساتھ مخصوص ایام میں' مخصوص اشیاء (یعنی کھانے پینے' فسق و فجور کے ارتکاب اور دن میں جماع کرنے) سے رک جانا۔ (۲)

واضح رہے کہ رمضان کے روزے دوسری صدی ہجری میں فرض کیے گئے۔ (۳)

❷ جیسا کہ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ [البقرة : ۱۸۴] ''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔''

(2) ﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ﴾ [البقرة : ۱۸۵] ''تم میں سے جو شخص اس مہینے میں موجود ہو وہ اس کے روزے رکھے۔''

(3) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اسلام کی بنیاد پانچ اشیاء پر رکھی گئی ہے...... ﴿وصیام رمضان﴾ ''(ان میں سے ایک یہ ہے) رمضان کے روزے۔'' (٤)

(4) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إذا رأیتموه فصوموا﴾ ''جب تم اسے (یعنی ہلال رمضان کو) دیکھ لو تو روزے رکھو۔'' (٥)

---

(۱) [القاموس المحیط (ص/۱۰۲۰) المنجد (ص/٤٧٦)]
(۲) [فتح الباري (٤/٥٩٢) شرح مسلم للنووي (٤/٢٠٠) سبل السلام (٢/٨٥٩)]
(۳) [نیل الأوطار (٣/١٥١)]
(٤) [بخاري (٨) كتاب الإیمان : باب نبي الاسلام على خمس]
(٥) [بخاري (١٩٠٠) كتاب الصوم : باب هل یقال : رمضان أو شهر رمضان ؟ ومن رأى كله واسعا ' مسلم (١٠٨٠) ابن ماجة (١٦٥٤) أحمد (٢/١٤٥) موطا (١/٢٨٦) طیالسي (٨٦٦) نسائي (٤/١٣٤)]

(5) حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿صوموا لرؤیته﴾ ''اسے (یعنی ہلال رمضان) کو دیکھ کر روزے رکھو۔''(۱)

(6) ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت پر اجماع ہے۔(۲)

لِرُؤْيَةِ هِلَالِهِ مِنْ عَدْلٍ	کسی دیانتدار کی چاند دیکھنے کی شہادت کی بنا پر۔ ❶

❶ (1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ لوگوں نے چاند دیکھنا شروع کیا تو ﴿فأخبرت النبي أني رأيته﴾ ''میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ میں نے چاند دیکھ لیا ہے۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔(۳)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دیہاتی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر کہا کہ میں نے رمضان کا چاند دیکھ لیا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کیا تو شہادت دیتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں؟ اس نے کہا ''ہاں''۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کیا تو شہادت دیتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں؟ تو اس نے کہا ''ہاں''۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿یابلال أذن في الناس فليصوموا غدا﴾ ''اے بلال! لوگوں میں اعلان کر دو آئندہ کل روزہ رکھیں۔(٤)

معلوم ہوا کہ روزہ رکھنے کے لیے ایک عادل شخص کی شہادت بھی قبول کی جائے گی جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی شہادت قبول فرمائی۔

(احمدؒ) اسی کے قائل ہیں۔ امام ابن مبارکؒ اور ایک روایت کے مطابق امام شافعیؒ سے بھی یہی قول مروی ہے۔

(مالکؒ، ثوریؒ) صرف دو آدمیوں کی شہادت قبول کی جائے گی۔ امام اوزاعیؒ، امام لیثؒ اور امام شافعیؒ سے بھی ایک روایت میں یہی قول مروی ہے۔

(احناف) اگر آسمان صاف ہو تو ایک بڑی جماعت کا گواہی دینا ضروری ہے لیکن اگر بادل وغیرہ کی وجہ سے آسمان پوشیدہ ہو تو پھر ایک بالغ، عاقل، عادل، مسلمان کی شہادت قبول کر لی جائے گی۔(٥)

ایک سے زیادہ گواہوں کی شہادت ضروری قرار دینے والے حضرات کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حدیث نبوی ہے کہ ﴿فإن شهد شاهدان مسلمان فصوموا وأفطروا﴾ ''اگر دو مسلمان گواہ شہادت دیں تو روزہ

---

(۱) [بخاری (۱۹۰۹) کتاب الصوم : باب قول النبي إذا رأيتم الهلال فصوموا......، مسلم (۱۰۸۱) نسائی (۱۳۳/٤) أحمد (٤١٥/٢) دارمی (۳/۲) بیهقی (۲۰٥/٤)]

(۲) [المغنی (۳۲٤/٤) الفقه الإسلامي وأدلته (۱٦۲۹/۳) المجموع (۲۷۳/٦) کشاف القناع (۳٤۹/۲) بداية المجتهد (۲۷٤/۱)]

(۳) [صحیح : صحیح أبو داود (۲۰۵۲) کتاب الصوم : باب في شهادة الواحد على رؤية هلال رمضان، أبو داود (۲۳٤۲) دارمی (٤/۲) دار قطنی (۱٥٦/۲) حاکم (٤۲۳/۱) بیهقی (۲۱۸/٤)]

(٤) [ضعیف: ضعیف أبو داود (٥۰۷) أیضا، ضعیف ترمذی (۱۰۸) ضعیف ابن ماجة (۳٦٤) إرواء الغليل (۹۰۷) المشکاة (۱۹۷۸) أبو داود (۲۳٤۰) ترمذی (٦۷٦) نسائی (۱۳۲/٤) ابن ماجة (۱٦٥۲) ابن خزیمة (۱۹۲۳)]

(٥) [نيل الأوطار (۱٥۲/۳) الفقه الإسلامي وأدلته (۱٦٥۱/۳) الأم (۱۲٤/۲) شرح المهذب (۲۸۳/٦) الكافي لا بن عبد البر (ص/۱۱۹) الخرشي (۲۳٥/۲) المغني (٤۱٦/٤) کشاف القناع (۳۰٤/۲) سبل السلام (۲۱٦/۲)]

رکھو اور (دو کی گواہی کے ساتھ) روزہ رکھنا چھوڑ دو۔"(۱)

(2) ایک اور روایت میں ہے کہ ﴿فإن لم نره و شهد شاهدا عدل نسكنا بشهادتهما﴾ "اگر ہم چاند نہ دیکھ سکیں اور دو دیانتدار گواہ (چاند دیکھنے کی) شہادت دے دیں تو ہم ان کی شہادت کی وجہ سے روزہ رکھ لیں گے۔"(۲)

ان احادیث میں محل شاہد یہ مفہوم مخالف ہے کہ اگر دو گواہ شہادت نہ دیں تو روزہ نہ رکھا جائے حالانکہ یہ بات مسلم ہے کہ مفہوم اور منطوق کے باہم تعارض کے وقت منطوق کو ترجیح دی جاتی ہے لہذا یہاں بھی منطوق یعنی گذشتہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو ترجیح دیتے ہوئے اکیلے شخص کی گواہی قبول کی جائے گی۔ علاوہ ازیں خبر واحد کی حجیت کے تمام دلائل بھی اس کے مؤید ہیں۔

(نووی رحمہ اللہ) اسی کے قائل ہیں۔(۳)

(شوکانی رحمہ اللہ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(٤)

509- ہلال شوال دیکھنے کے متعلق ایک آدمی کی گواہی

کیا قبول کی جائے گی یا نہیں؟ فقہاء نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے۔(٥)

(نووی رحمہ اللہ) تمام علماء کے نزدیک ہلال شوال کے متعلق ایک عادل شخص کی شہادت قابل قبول نہیں۔ سوائے امام ابو ثور رحمہ اللہ کے صرف انہوں نے اسے جائز کہا ہے۔(٦)

امام نووی رحمہ اللہ کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ "لوگوں کے مابین ماہ رمضان کے آخری دن میں اختلاف ہو گیا تو دو دیہاتیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر شہادت دی کہ اللہ کی قسم گذشتہ شب چاند طلوع ہو چکا ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو روزہ چھوڑ دینے کا حکم دیا۔"

اور ایک روایت میں ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اگلے روز عیدگاہ کی طرف (نماز عید) کے لیے جانے کا کہا۔"(۷)

(شوکانی رحمہ اللہ) مجرد کسی واقعہ میں (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا) دو آدمیوں کی گواہی قبول کر لینا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ ایک کی (شہادت) قبول نہیں کی جائے گی۔(۸)

(راجح) امام شوکانی رحمہ اللہ کا موقف راجح معلوم ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)

---

(۱) [صحیح : إرواء الغليل (۹۰۹)، (۱٦/٤) نسائی (۱۳۲/٤) أحمد (۳۲۱/٤)]

(۲) [صحیح : صحیح أبو داود (۲۰۵۰) كتاب الصوم : باب شهادة رجلين على رؤية هلال شوال، أبو داود (۲۳۳۸) دار قطنی (۱٦۷/۲) بیهقی (۲٤۷/٤)]

(۳) [شرح مسلم (۲۰۷/٤)]

(٤) [السيل الجرار (۱۱٤/۲)]

(٥) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الأم (۹٤/۲) المجموع (۲۳۹/٦) تحفة الفقهاء (۳۰۱/۱) فتح القدير (۲۰۰/۲)]

(٦) [شرح مسلم (۲۰۷/٤)]

(۷) [صحیح : صحیح أبو داود (۲۰۵۱) كتاب الصوم : باب شهادة رجلين على رؤية هلال شوال، أبو داود (۲۳۳۹) أحمد (۳۱٤/٤) بیهقی (۲٥۰/٤)]

(۸) [نيل الأوطار (۱٥۳/۳)]

أَوْ إِكْمَالِ عِدَّةِ شَعْبَانَ	یا ماہ شعبان کے دن مکمل ہونے پر۔ ❶

❶ (1) حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ''چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور اسے دیکھ کر افطار کرو لیکن اگر مطلع ابر آلود ہونے کے باعث چاند چھپ جائے تو ﴿فأكملو عدة شعبان ثلاثين﴾ ''پھر تم شعبان کے تیس دن پورے کر لو۔'' (۱)

510- مشکوک دن میں روزہ رکھنا ممنوع ہے

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿من صام اليوم الذى يشك فيه فقد عصى أبا القاسم﴾ ''جس نے مشکوک دن میں روزہ رکھا اس نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔'' (۲)

مشکوک دن سے مراد ماہ شعبان کا تیسواں روز ہے یعنی جب اس رات ابر آلودگی کے باعث چاند نظر نہ آئے اور یہ شک ہو جائے کہ آیا رمضان ہے یا نہیں؟ (۳)

وَيَصُوْمُ ثَلَاثِيْنَ يَوْماً مَالَمْ يَظْهَرْ هِلَالُ شَوَّالٍ قَبْلَ إِكْمَالِهَا	اگر تیس دنوں سے پہلے شوال کا چاند نظر نہ آئے تو تیس روزے رکھ لینے چاہئیں۔ ❶

❶ (1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تم چاند دیکھ لو تو روزہ رکھو اور جب (عید) کا چاند دیکھ لو تو افطار کر دو لیکن اگر مطلع ابر آلود ہو تو ﴿فاقدروا له﴾ ''تو اس کے لیے اندازہ لگا لو۔'' صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ﴿فاقدروا له ثلاثين﴾ ''پھر اس کے لیے تیس دن کی گنتی کا اندازہ رکھو۔'' (٤)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم ماہ رمضان سے پہلے ایک یا دو دن روزہ نہ رکھو اِلا کہ تم میں سے کوئی پہلے سے روزے رکھتا آ رہا ہو۔ اور تم اس وقت تک روزہ نہ رکھو جب تک کہ چاند نہ دیکھ لو۔ پھر روزے رکھو حتی کہ (پھر) تم اسے دیکھ لو۔ اگر چاند کے سامنے کوئی بدلی حائل ہو جائے ﴿فاكملو العدة ثلاثين ثم أفطروا﴾ ''تو تم تیس دن کی گنتی پوری کرو اور پھر افطار کر لو۔'' (٥)

وَإِذَا رَآهُ أَهْلُ بَلَدٍ لَزِمَ سَائِرَ الْبِلَادِ الْمُوَافِقَةُ	جب ایک علاقے والے چاند دیکھ لیں تو اس کے گرد و نواح کے علاقوں میں رہائش پذیر لوگوں پر بھی روزے فرض ہو جائیں گے۔ ❶

❶ جیسا کہ گذشتہ احادیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کی شہادت قبول کی اور اسی پر اکتفاء کرتے ہوئے خود بھی

---

(۱) [بخاری (۱۹۰۹) کتاب الصوم : باب قول النبی : إذا رأيتم الهلال فصوموا ...... مسلم (۱۰۸۱) نسائی (۱۳۳/٤) أحمد (٤١٥/٢) دارمی (٣/٢) بیهقی (٢٠٥/٤)]

(۲) [بخاری تعلیقا (قبل الحدیث/١٩٠٦) کتاب الصوم : باب إذا رأيتم الهلال...... أبو داود (١٣٣٤) ترمذی (٦٨٦) نسائی (١٥٣/٤) ابن ماجة (١٦٤٥) دارمی (٢/٢) دار قطنی (١٥٧/٢)]

(۳) [سبل السلام (٨٦١/٢)]

(٤) [بخاری (١٩٠٦) کتاب الصوم : باب قول النبی : إذا رأيتم الهلال فصوموا...... مسلم (١٠٨٠) ابن ماجة (١٦٥٤)]

(٥) [**صحیح** : صحیح أبو داود (٢٠٤١) کتاب الصوم : باب من قال فإن غم عليكم فصوموا ثلاثين ' أبو داود (٢٣٢٧) ترمذی (٦٨٨) نسائی (١٣٦/٤) ابن أبي شيبة (٢٠/٣)]

روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔(۱)

(ابن قدامہؒ) جب ایک علاقے کے رہائشی چاند دیکھ لیں تو تمام علاقوں (کے رہائشیوں) پر روزہ لازم ہو جاتا ہے۔(۲)

تاہم کریب کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر علاقے کے رہائشی الگ الگ چاند دیکھیں گے جیسا کہ اس میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کریب کی بات (کہ میں نے شب جمعہ چاند دیکھا ہے) نہ مانتے ہوئے کہا "ہم نے تو چاند بروز ہفتہ دیکھا ہے ﴿فلا نزال نصوم حتى نكمل ثلاثين أو نراه﴾ "لہٰذا ہم اس وقت تک روزے رکھتے رہیں گے جب تک کہ تیس پورے نہ کر لیں یا ہم (دوبارہ) چاند نہ دیکھ لیں۔" پھر کریب نے کہا کہ کیا آپ کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا چاند دیکھ لینا اور روزہ رکھ لینا کافی نہیں ہے؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا "نہیں" ﴿هكذا أمرنا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم﴾ "اسی طرح ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔"(۳)

شیخ البانیؒ رقمطراز ہیں کہ "بلاشبہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ایسے شخص کے متعلق ہے کہ جس نے اپنے شہر میں چاند دیکھ کر روزہ رکھ لیا۔ پھر دوران رمضان اسے خبر ملی کہ لوگوں نے دوسرے شہر میں اس سے ایک دن پہلے چاند دیکھ لیا تھا تو ایسی صورت میں وہ شخص اپنے شہر والوں کے ساتھ تیس روزوں کی تکمیل تک یا اپنا چاند دیکھ لینے تک روزے رکھے گا۔ اس طرح اشکال ختم ہو جائیگا اور حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حدیث اپنے عموم پر ہی باقی رہے گی کہ جس میں ہر ایسا شخص شامل ہے جسے کسی بھی شہر یا صوبے سے بغیر کسی مسافت کی تحدید کے چاند دیکھنے کی اطلاع ملی جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے [فتاوی (۱۰۷/۲۵)] میں فرمایا ہے۔(۴)

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ درمیانِ رمضان کی بات ہے ابتدائے رمضان کی نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ کریب نے مدینہ کے نواحی علاقوں میں چاند نہیں دیکھا تھا بلکہ شام میں دیکھا تھا جو کہ الگ ریاست و ملک تھا۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ اگر دو علاقوں کے درمیان مسافت قریب ہوگی تو مطالع مختلف نہیں ہوں گے جیسا کہ بغداد اور بصرہ وغیرہ۔ ان دونوں علاقوں کے رہائشیوں پر محض ان میں سے کسی ایک علاقے میں چاند دیکھ لینے سے روزے لازم ہو جائیں گے۔ اور اگر دو علاقوں کے درمیان فاصلہ زیادہ ہو مثلاً عراق اور حجاز اور شام وغیرہ تو پھر ہر علاقے والے اپنے دیکھے (ہوئے چاند) کا اعتبار کریں گے۔(۵)

وَعَلَى الصَّائِمِ النِّيَّةُ قَبْلَ الْفَجْرِ	روزہ رکھنے والے پر فجر سے پہلے نیت کرنا ضروری ہے۔ ❶

❶ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من لم يجمع الصيام قبل الفجر فلا صيام له﴾ "جس نے فجر (یعنی صبح صادق) سے پہلے پختہ نیت نہ کی اس کا روزہ نہیں۔"(٦).

یہ حدیث بھی اس کا ثبوت ہے ﴿إنما الأعمال بالنيات﴾ "عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے۔"(۷)

---

(۱) [صحيح : صحيح أبو داود (۲۰۵۲) كتاب الصوم : باب في شهادة الواحد على رؤية هلال رمضان ' أبو داود (۲۳٤۲)]

(۲) [المغني (٤/۳۲۸)]

(۳) [مسلم (۱۰۸۷) كتاب الصيام : باب بيان أن لكل بلد رؤيتهم...... ' أبو داود (۲۳۳۲) ترمذی (٦۸۹) نسائی (٤/۱۳۱)]

(٤) [تمام المنة (ص/۳۹۸)]

(٥) [المغني (٤/۳۲۸)]

(٦) [صحيح : صحيح أبو داود (۲۱٤۳) كتاب الصوم : باب النية في الصيام ' أبو داود (۲٤٥٤) ترمذی (۸۳۰)]

(۷) [بخاری (۱) كتاب بدء الوحي]

511- نفلی روزے کی نیت

واضح رہے کہ گذشتہ سطور میں فرض روزے کی بات ہے جبکہ نفلی روزے کے لیے زوال سے پہلے بھی نیت کی جاسکتی ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے اور فرمایا' کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ ہم نے کہا نہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا ﴿فإني إذن صائم﴾ ''تب میں روزہ دار ہوں۔'' پھر آپ ﷺ ایک دوسرے دن ہمارے پاس آئے تو ہم نے کہا اے اللہ کے رسول! ہمیں حلوہ بطور ہدیہ دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿أرينيه ' فلقد أصبحت صائما ' فأكل﴾ ''مجھے بھی حلوہ دکھاؤ' بے شک میں نے روزے کی حالت میں صبح کی ہے' لیکن آپ نے (حلوہ) کھالیا۔''(۱)

(شافعیؒ، احمدؒ، مالکؒ) فرض روزے کے لیے رات کو نیت کرنا ضروری ہے جب کہ نفلی روزے کی نیت زوال سے پہلے تک کی جاسکتی ہے۔

(ابوحنیفہؒ) نصف النہار سے پہلے پہلے فرض اور نفل دونوں قسم کے روزوں کی نیت کی جاسکتی ہے تاہم قضاء اور کفاروں میں رات کو نیت کرنا ضروری ہے۔(۲)

(راجح) پہلا موقف راجح ہے۔

512- ہر روزے کے لیے الگ نیت کرنا ضروری ہے

کیونکہ روزہ عبادت ہے اور ہر مرتبہ ابتدائے عبادت سے اس کی دوبارہ نیت کرنا اس لیے ضروری ہے کیونکہ کوئی بھی عبادت نیت کے بغیر نہیں ہوتی۔

(شافعیؒ، ابوحنیفہؒ، ابن منذرؒ) اسی کے قائل ہیں۔

(احمدؒ) پورے مہینے کے لیے ایک نیت بھی کی جاسکتی ہے۔(۳)

(شوکانیؒ) ہر دن کے لیے الگ نیت کرنی چاہیے۔(٤)

(ابن قدامہؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٥)

(ابن حزمؒ) رمضان اور غیر رمضان کے روزوں کے لیے ہر رات نئی نیت کرنا ضروری ہے۔(٦)

○ واضح رہے کہ نیت محض دل کے ارادے کا نام ہے۔(۷)

لہٰذا روزے کی نیت کے لیے زبان سے کوئی الفاظ نہیں ادا کیے جائیں گے جیسا کہ یہ الفاظ بتائے جاتے ہیں ''وَبِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ'' یہ کسی حدیث سے ثابت نہیں۔

---

(۱) [مسلم (١١٥٤) كتاب الصيام : باب جواز صوم النافلة بنية من النهار قبل الزوال ......' أبو داود (٢٤٥٥)]

(۲) [المغني (٣٣٣/٤) الأم (١٢٦/٢) شرح المهذب (٣٠٤/٦) الإختيار (١٢٧/١)]

(۳) [المغني (٣٣٧/٤)]

(٤) [نيل الأوطار (١٦٣/٣)]

(٥) [المغني (٣٣٧/٤)]

(٦) [المحلى بالآثار (٢٨٥/٤)]

(۷) [المغني (٣٣٧/٤)]

دوسری فصل

روزہ باطل کرنے والے امور

جان بوجھ کر کھانے' پینے ❶ جماع ❷ اور قے کرنے ❸ سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔	يَبْطُلُ بِالْأَكْلِ وَالشُّرْبِ وَالْجِمَاعِ وَالْقَيْئِ عَمَداً

❶ (1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ﴾ [البقرة : ١٨٧] ''تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ صبح کا سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے (یعنی صبح صادق رات سے) ظاہر ہو جائے' پھر رات تک روزے کو پورا کرو۔''

(2) حدیث نبوی ہے کہ ﴿والذی نفسی بیده لخلوف فم الصائم أطیب عندالله من ریح المسك یترك طعامه وشرابه وشهوته من أجلی﴾ ''اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! روزے دار کے منہ کی بدبو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے زیادہ عمدہ و پاکیزہ ہے۔ (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیونکہ) روزے دار اپنا کھانا' اپنا پینا اور اپنی شہوت میرے لیے چھوڑ دیتا ہے۔''(۱)

(3) اس پر اجماع ہے کہ جان بوجھ کر کھانے' پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔(۲)

513- اگر کوئی بھول کر کھا پی لے......

تو اس پر نہ کفارہ ہے نہ قضا کیونکہ اس کا روزہ برقرار ہے۔

(1) حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من نسی وهو صائم فأکل أو شرب فلیتم صومه فإنما أطعمه الله وسقاه﴾ ''جو روزہ دار بھول کر اگر کچھ کھا یا پی لے تو اسے چاہیے کہ اپنا روزہ پورا کرے کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ نے کھلایا پلایا ہے۔''(۳)

(2) ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿فإنما هو رزق رزقه الله﴾ ''بے شک یہ رزق ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمایا ہے۔''(٤)

(3) ایک اور روایت میں ہے کہ ﴿من أفطر فی رمضان ناسیا فلا قضاء علیه ولا کفارة﴾ ''اگر کوئی بھول کر رمضان میں روزہ کھول لے تو اس پر قضا اور کفارہ نہیں۔''(٥)

---

(۱) [بخاری (۱۸۹٤) کتاب الصوم : باب فضل الصوم' أحمد (۷۱۷۹) مؤطا (۶۰۲)]

(۲) [المغنی (۳۵۰/٤)]

(۳) [بخاری (۱۹۳۳) کتاب الصوم : باب الصائم إذا أکل أو شرب ناسیا' مسلم (۱۱۵۵) أبو داود (۲۳۹۸) ترمذی (۷۱۷) دارمی (۳٤٦/۱) أحمد (۳۹۵/۲) دار قطنی (۱۷۸/۲) ابن خزیمة (۲۳۸/۳) بیهقی (۲۲۹/٤)]

(٤) [ترمذی : کتاب الصوم : باب ماجاء فی الصائم یا کل أو یشرب ناسیا' عارضة الأحوذی (۲٤٦/۳-۲٤۷)]

(٥) [صحیح : حاکم (٤۳۰/۱) دار قطنی (۱۷۸/۲) ابن خزیمة (۲۳۹/۳)] حافظ ابن حجرؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[فتح الباری (۱۵۷/٤)] شیخ محمد صبحی حلاق نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔[التعلیق علی سبل السلام (۱۳۷/٤)]

معلوم ہوا کہ اگر بھول کر روزہ باطل کر دینے والا کوئی عمل کر لیا جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(جمہور) اسی کے قائل ہیں۔(۱)

(مالکؒ) جس نے بھول کر کھا لیا اس کا روزہ باطل ہو گیا اور اس پر قضا بھی لازم ہے۔(۲)

یاد رہے کہ یہ قول صریحا حدیث کے خلاف ہے۔

❷ (1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ﴾[البقرة: ۱۸۷] ''روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے ملنا تمہارے لیے حلال کیا گیا۔''

معلوم ہوا کہ دن میں یہ عمل حرام ہے۔

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا اے اللہ کے رسول! میں ہلاک ہو گیا۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا تجھے کس چیز نے ہلاک کر دیا؟ اس نے کہا میں رمضان میں اپنی بیوی سے مباشرت کر بیٹھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا ''کیا تجھ میں اتنی طاقت ہے کہ ایک گردن آزاد کر دے۔'' اس نے کہا ''نہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا ''کیا تو دو ماہ کے پے در پے روزے رکھنے کی طاقت رکھتا ہے۔'' اس نے کہا ''نہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا ''کیا تو ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانے کی وسعت رکھتا ہے'' تو اس نے کہا ''نہیں۔'' پھر نبی ﷺ نے اسے کھجوروں کا ایک ٹوکرہ دیا جسے اس نے صدقہ کر دیا۔(۳)

سنن ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے اسے فرمایا ﴿وصم يوما مكانه﴾ ''اس کی جگہ ایک دن کا روزہ رکھو۔''(٤)

سنن ابی داود کی روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿وصم يوما واستغفر الله﴾ ''ایک دن کا روزہ رکھو اور اللہ سے استغفار کرو۔''(٥)

معلوم ہوا کہ دوران روزہ جماع و ہم بستری کرنے والے شخص پر کفارہ اور قضا دونوں لازم ہیں۔

514- اگر کوئی بھول کر ہم بستری کر بیٹھے؟

(جمہور) اس پر کوئی کفارہ نہیں (انہوں نے ہم بستری کو بھی کھانے پینے کے ساتھ ملایا ہے) اور مزید ان کے موقف کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے ﴿من أفطر في رمضان ناسيا فلا قضاء عليه ولا كفارة﴾ ''اگر کوئی بھول کر رمضان میں روزہ کھول لے تو اس پر قضاء اور کفارہ نہیں۔''(٦)

(احمدؒ) ایسے شخص پر کفارہ لازم ہے۔ (ان کی دلیل یہ ہے کہ گذشتہ حدیث میں مذکور آدمی سے آپ ﷺ نے یہ نہیں پوچھا کہ آیا اس نے بھول کر ہم بستری کی ہے یا جان بوجھ کر)۔

---

(۱) [نيل الأوطار (۱۷۸/۳) الروضة الندية (٥٤٢/۱) سبل السلام (۱۳۷/٤)]

(۲) [المغني (۳۲۷/٤)]

(۳) [بخاري (۱۹۳٦) كتاب الصوم : باب إذا جامع في رمضان...... مسلم (۱۱۱۱) موطا (۲۹٦/۱) أبو داود (۲۳۹۰) ترمذي (۷۲٤) ابن ماجة (۱٦۷۱) دارمي (۳٤۳/۱) أحمد (۲۰۸/۲) دار قطني (۱۹۰/۲)]

(٤) [صحيح : صحيح ابن ماجة (۱۳٥٦) كتاب الصيام : باب ماجاء في كفارة من أفطر يوما من رمضان ' إرواء الغليل (۹٤۰) ابن ماجة (۱٦۷۱)]

(٥) [صحيح : صحيح أبو داود (۲۰۹٦) كتاب الصوم : باب كفارة من أتى أهله في رمضان ' أبو داود (۲۳۹۳)]

(٦) [حاكم (٤۳۰/۱) دار قطني (۱۷۸/۲)]

(ابن حجرؒ) انہوں نے جمہور کے موقف کی تائید کی ہے۔(۱)

❸ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ﴿من ذرعه القيئ وهو صائم فليس عليه قضاء وإن استقاء فليقض﴾ "جسے روزے کی حالت میں قے آجائے اس پر قضا نہیں' اگر جان بوجھ کر قے کرے تو قضائی دے۔"(۲)

(ابن منذرؒ) مذکورہ حدیث میں موجود مسئلے پر اجماع ہے۔(۳)

(خطابیؒ) میرے علم میں نہیں کہ اہل علم کے درمیان اس مسئلے میں کوئی اختلاف ہو۔(٤)

(ابن قدامہؒ) عام اہل علم کا یہی موقف ہے۔(٥)

(ابن حزمؒ) اس پر اجماع ہے۔(٦)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر حضرات کا یہ موقف ہے کہ مطلقاً قے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ ان کی دلیل یہ روایت ہے ﴿ثلاث لا يفطرن القيئ والحجامة والاحتلام﴾ "تین چیزیں روزہ نہیں توڑتیں: قے' سینگی لگوانا اور احتلام۔" لیکن یہ روایت ضعیف ہے اس لیے یہ مسئلہ درست نہیں۔(۷)

وَتَحْرُمُ الْوِصَالُ وَعَلٰى مَنْ أَفْطَرَ عَمْداً كَفَّارَةُ الظِّهَارِ	وصال حرام ہے ❶ اور جو جان بوجھ کر روزہ توڑے اس پر ظہار کے کفارے کی طرح کفارہ لازم ہے۔ ❷

❶ (1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ﴿نهى رسول الله عن الوصال﴾ "رسول اللہ ﷺ نے وصال سے منع فرمایا ہے۔"(۸)

نبی ﷺ خود وصال کیا کرتے تھے لیکن وہ آپ ﷺ کے ساتھ خاص تھا جیسا کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿وأيكم مثلي؟ إني أبيت يطعمني ربي ويسقيني﴾ "تم میں میرے جیسا کون ہے؟ میں تو اس حال میں رات گزارتا ہوں کہ میرا پروردگار مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔"(۹)

---

(۱) [نيل الأوطار (۱۸۸/۳) المغنى (۳۷۲/٤) فتح البارى (٦۷۰/٤)]

(۲) [صحيح : صحيح أبو داود (۲۰۸٤) كتاب الصوم : باب الصائم يستقئ عمدا ' أبو داود (۲۳۸۰) ترمذى (۷۱٦) ابن ماجة (۱٦۷٦) أحمد (٤۹۸/۲) شرح معانى الآثار (۹۷/۲) دار قطنى (۱۸٤/۲) حاكم (٤۲۷/۱) بيهقى (۲۱۹/٤) ابن خزيمة (۱۹۰٦)]

(۳) [الإجماع لا بن المنذر (ص/۵۲)' (۱۲٤)]

(٤) [معالم السنن (۲٦۱/۳)]

(٥) [المغنى (۱۱۷/۳)]

(٦) [المحلى (۲٥٥/٦)]

(۷) [ضعيف : ضعيف ترمذى (۱۱٤) كتاب الصيام : باب ماجآء فى الصائم يزرعه القيئ ' ترمذى (۷۱۹)] اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم راوی ضعیف ہے۔ [تقريب التهذيب (٤۸۰/۱) الكاشف (۱٤٦/۲) المغنى (۳۸۰/۲) ميزان الإعتدال (٥٦٤/۲) المجروحين (٥۷/۲) كتاب الجرح والتعديل (۲۳۳/٥)]

(۸) [بخارى (۱۹٦۲) كتاب الصوم : باب الوصال ' مسلم (۱۱۰۲) أبو داود (۲۳٦۰) أحمد (۲۱/۲)]

(۹) [بخارى (۱۹٦٥) كتاب الصوم : باب التنكيل لمن أكثر الوصال ' مسلم (۱۱۰۲) عبد الرزاق (۷۷٥۳) أحمد (۲۳۱/۲) بيهقى (۲۸۲/٤)]

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے وصال سے منع فرماتے ہوئے کہا ﴿إنما یفعل ذلك النصاری﴾ ''یہ عمل تو صرف عیسائی کرتے ہیں۔'' (۱)

واضح رہے کہ وصال سے مراد یہ ہے کہ آدمی ارادی طور پر دو یا اس سے زیادہ دن تک روزہ افطار نہ کرے اور مسلسل روزہ رکھے نہ رات کو کچھ کھائے اور نہ سحری کے وقت۔

❷ جیسا کہ ابھی حدیث گزری ہے کہ ایک شخص نے دوران روزہ اپنی بیوی سے مباشرت کر لی تو نبی ﷺ نے اسے اس طرح کفارہ ادا کرنے کو کہا۔ ایک گردن آزاد کرو' اگر اس کی طاقت نہیں تو دو ماہ کے پے در پے روزے رکھو اور اگر اس کی بھی طاقت نہیں تو ساٹھ مساکین کو کھانا کھلاؤ۔ (۲)

(ابن قدامہؒ) یہ ترتیب واجب ہے۔ (۳)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) اسی کے قائل ہیں۔ (٤)

(ابن قیمؒ) یہی موقف رکھتے ہیں۔ (٥)

یہ کفارہ تب ہے کہ انسان مباشرت کر بیٹھے۔ رہی بات کہ کیا ہر ذریعے سے روزہ توڑنے پر یہی کفارہ ہے؟ اس میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔

(جمہور) کفارہ صرف مباشرت وہم بستری میں ہی ہے۔ (کیونکہ حدیث اسی کے متعلق ہے)۔

(مالکیہ) مباشرت اور اس کے علاوہ ہر چیز سے روزہ توڑنے پر کفارہ ہے کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ ﴿أن رجلا أفطر﴾ ''ایک آدمی نے روزہ توڑ دیا (تو آپ ﷺ نے اسے یہ کفارہ بتلایا)۔'' جبکہ اس میں جماع کا ذکر نہیں ہے۔ (٦)

(راجح) اگر یہ روایت کہ ﴿أن رجلا أفطر﴾ ''ایک آدمی نے روزہ توڑ دیا۔'' صحیح بھی ہو تو مجمل ہے جسے دیگر روایات نے واضح کر دیا ہے کہ اس نے مباشرت کے ساتھ روزہ توڑا تھا۔ ہر کھانے پینے کو مباشرت پر قیاس کرنا صحیح نہیں کیونکہ عبادات میں قیاس اصلاً باطل ہے اور مباشرت وہم بستری کے علاوہ کسی چیز کے ساتھ روزہ توڑنے والے پر وجوب کفارہ کے قائل حضرات کے پاس کوئی صحیح دلیل موجود نہیں۔ اور اصل عدم وجوب ہی ہے الا کہ کوئی دلیل مل جائے۔ لہٰذا حق بات یہی ہے کہ کفارہ صرف اس شخص پر واجب ہے جو مباشرت وہم بستری کے ذریعے روزہ توڑ بیٹھے جیسا کہ امام شافعیؒ اور بعض دیگر اہل علم بھی اسی کے قائل ہیں۔

(البانیؒ) یہی موقف رکھتے ہیں۔ (۷)

(ابن حزمؒ) اسی کے قائل ہیں۔ (۸)

---

(۱) [بخاری (۱۹٦۱) کتاب الصوم : باب الوصال' ترمذی (۷۷۸) دارمی (۸/۲) ابن خزیمة (۲۰٦۹) أحمد (۱۷۰/۳) بیهقی (۲۸۲/٤) شرح السنة (٤۷۳/۳)]

(۲) [بخاری (۱۹۳٦' ۱۹۳۷) مسلم (۱۱۱۱)]

(۳) [المغنی (۳۸۰/٤)]

(٤) [تحفة الأحوذی (۳۷٥/۳)]

(٥) [تهذیب السنن (۲٦۹/۳)]

(٦) [الأم (۱۲۸/۲) المبسوط (۷۳/۳) بدایة المجتهد (۲۰۹/۱) نیل الأوطار (۱۸۸/۳)]

(۷) [التعلیقات الرضیة علی الروضة الندیة (۱۹/۲)]

(۸) [المحلی بالآثار (۳۱۳/٤)]

(محمد صبحی حسن حلاق) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(۱)

وَيُنْدَبُ تَعْجِيلُ الْفِطْرِ وَتَأْخِيرُ السُّحُورِ	روزہ افطار کرنے میں جلدی کرنا اور سحری کھانے میں تاخیر کرنا مستحب ہے۔ ❶

❶ (1) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ﴿لا یزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر﴾ ''لوگ جب تک افطار کرنے میں جلدی کریں گے ہمیشہ خیر و عافیت سے رہیں گے۔'' (۲)

(2) حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا یزال الدین ظاھرا ما عجل الناس الفطر لأن الیھود والنصاری یؤخرون﴾ ''لوگ روزہ افطار کرنے میں جب تک جلدی کرتے رہیں گے دین ہمیشہ غالب رہے گا کیونکہ یہود و انصاری تاخیر سے افطار کرتے ہیں۔'' (۳)

(3) سحری کھانے اور نماز شروع کرنے کے درمیان نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر وقفہ رکھتے کہ جتنے میں آدمی پچاس آیتیں تلاوت کر سکتا ہے۔(٤)

(4) حضرت عمرو بن میمون اودیؒ سے مروی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ لوگوں میں سب سے جلد افطار کرتے اور سب سے تاخیر سے سحری کھاتے۔(٥)

جس روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿لا تزال أمتی بخیر ماأخرو السحور وعجلوا الفطر﴾ ''میری امت کے افراد جب تک تاخیر سے سحری کھائیں گے اور جلد افطار کریں گے ہمیشہ خیر و عافیت سے رہیں گے۔'' اس کی سند میں سلیمان بن أبی عثمان راوی ہے جسے امام ابو حاتمؒ نے مجہول کہا ہے۔(٦)

متفرقات

515- اگر ہم بستری کے علاوہ کسی اور ذریعے سے انزال ہو جائے؟

مثلاً بیوی کا بوسہ لینے' جسم سے جسم ملانے یا مشت زنی وغیرہ سے تو کیا اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

فی الحقیقت ان افعال کے ذریعے روزہ ٹوٹ جانے کی کوئی واضح دلیل موجود نہیں ہے کیونکہ اصل میں روزہ قائم ہوتا ہے اور اس وقت تک فاسد نہیں ہو سکتا جب تک کہ کوئی شرعی مفسد نہ پایا جائے۔ چنانچہ جب شارع علیہ السلام نے ان افعال کو روزے کے لیے مفسد قرار نہیں دیا تو ان سے روزہ نہیں ٹوٹے گا اور مشت زنی کو جماع پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ جماع اس سے اغلظ ہے۔ مزید برآں مندرجہ ذیل اثر سے بھی اس موقف کی تائید ہوتی ہے۔

(۱) [التعلیقات الرضیة علی الروضة الندیة (٥٤٥/١)]

(۲) [بخاری (١٩٥٧) کتاب الصوم : باب تعجیل الإفطار' مسلم (١٠٩٨) ترمذی (٦٩٩) ابن ماجة (١٦٩٧) أحمد (٣٣٧/٥) ابن خزیمة (٢٠٥٩) ابن حبان (٣٥٠٢) بیهقی (٢٣٧/٤)]

(۳) [حسن : صحیح أبو داود (٢٠٦٣) کتاب الصوم : باب ما یستحب من تعجیل الفطر' أبو داود (٢٣٥٣) ابن ماجة (١٦٩٨) أحمد (٤٥٠/٢)]

(٤) [بخاری (١٩٢١) کتاب الصوم : باب قدر کم بین السحود وصلاۃ الفجر' مسلم (١٠٩٧)]

(٥) [صحیح : عبد الرزاق (٧٥٩١)] حافظ ابن حجرؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[فتح الباری (٧١٣/٤)]

(٦) [نیل الأوطار (١٩٦/٣) الروضه الندیة (٥٤٥/١) أحمد (١٤٧/٥)]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے دریافت کیا کہ ''روزے کی حالت میں مرد کے لیے اپنی بیوی سے کیا حلال ہے؟ تو انہوں نے کہا ﴿كل شيئ إلا الجماع﴾ ''ہم بستری کے علاوہ ہر چیز حلال ہے۔'' (۱)

(ابن حزمؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۲)

(امیر صنعانیؒ) زیادہ ظاہر یہی ہے کہ قضا اور کفارہ صرف اسی پر ہے جس نے جماع وہم بستری کی اور ہم بستری نہ کرنے والے کو اس کے ساتھ ملانا بعید ہے۔(۳)

(شوکانیؒ، البانیؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(٤)

516- دوران روزہ احتلام کا حکم

اگر روزے کی حالت میں کسی کو احتلام ہو جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ شارع علیہ السلام نے اسے مفسد قرار نہیں دیا۔(٥)

(شیخ ابن جبرین) اسی کے قائل ہیں۔(٦)

(ابن بازؒ) انہوں نے اسی کے مطابق فتوی دیا ہے۔(۷)

517- سینگی یا پچھنے لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿أن النبي ﷺ احتجم وهو صائم﴾ ''نبی ﷺ نے روزے کی حالت میں پچھنے لگوائے۔'' (۸)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی جس روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿أفطر الحاجم والمحجوم﴾ ''پچھنے لگانے والے اور لگوانے والے دونوں نے روزہ توڑ دیا۔'' (۹)

اس میں قوی تر احتمال یہی ہے کہ یہ اور اس طرح کی تمام روایات منسوخ ہو چکی ہیں۔

(جمہور، مالکؒ، شافعیؒ، ابوحنیفہؒ) اسی کے قائل ہیں۔

(ابن حزمؒ) یہی موقف رکھتے ہیں۔(۱۰)

---

(۱) [صحيح : تمام المنة (ص/٤١٩) عبدالرزاق (٨٤٣٩)، (١٩٠/٤)]
(۲) [المحلى بالآثار (١٩٠/٤)]
(۳) [تمام المنة (ص/٤١٨)]
(٤) [أيضا]
(٥) [المحلى بالآثار (٣٣٥/٤)]
(٦) [الفتاوى الإسلامية (١١١/٢)]
(۷) [أيضا (١١٤/٢)]
(۸) [بخاری (١٩٣٨) كتاب الصوم : باب الحجامة والقيئ للصائم، أبو داود (٢٣٧٢) ترمذی (٧٧٢) بيهقی (٢٦٨/٤) ابن أبي شيبة (١٦٣/٢)]
(۹) [ترمذی (٧٧٣) كتاب الصوم : باب ماجاء في كراهية الحجامة للصائم، عبد الرزاق (٧٥٢٣) ابن خزيمة (١٩٦٤) حاكم (٤٢٨/١) بيهقی (٢٦٥/٤)]
(۱۰) [نيل الأوطار (١٧١/٣) تحفة الأحوذی (٥٦٣/٣) المحلى بالآثار (٣٣٥/٤)]

اس کی مزید تائید حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی اس روایت سے بھی ہوتی ہے ﴿أنه ﷺ رخص في الحجامة للصائم﴾ ''آپ ﷺ نے روزہ دار کے لیے پچھنے لگوانے کی اجازت دی۔''(۱)

(احمدؒ) پچھنے لگوانے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔(۲)

518- دوران روزہ سرمہ لگانے کا حکم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿أن النبي ﷺ اكتحل في رمضان وهو صائم﴾ ''نبی ﷺ نے ماہ رمضان میں روزے کی حالت میں سرمہ لگایا۔''(۳)

اگر مذکورہ روایت صحیح ہے تو واضح طور پر اس سے دوران روزہ سرمہ لگانے کا جواز نکلتا ہے اور اگر اس میں ضعف بھی ہے تب بھی اصل براءت ہی ہے لہٰذا سرمہ لگانا جائز ہے اور کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سرمہ لگانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

(جمہور' احناف' شافعیؒ) اسی کے قائل ہیں۔

(شوکانیؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(٤)

(احمدؒ' اسحاقؒ' ابن مبارکؒ' ثوریؒ) دوران روزہ سرمہ لگانا مکروہ ہے۔(٥)

یہ بات درست نہیں کیونکہ جس روایت سے انہوں نے استدلال کیا ہے وہ ضعیف ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ﴿ليتقه الصائم﴾ ''روزے دار سرمے سے بچے۔''(٦)

519- روزے کی حالت میں انجیکشن لگوانا

دراصل ایسی کوئی دلیل موجود نہیں جس سے ثابت ہوتا ہو کہ اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور نہ ہی اسے کھانے پینے پر قیاس کرنا درست ہے کیونکہ یہ حلق کے ذریعے پیٹ تک نہیں پہنچتا بلکہ کسی اور ذریعے سے بھی پیٹ تک نہیں پہنچتا اور صرف جسم کے مسامات میں ہی سرایت کر جاتا ہے جیسا کہ سرمہ کے اثرات آنکھوں کے ذریعے سرایت کر کے بسا اوقات حلق تک بھی پہنچ جاتے ہیں۔ اسی طرح سخت گرمی میں ٹھنڈے پانی کے ذریعے غسل کرنے سے جسم میں تبدیلی' روزے کی شدت میں کمی اور پانی کا جسم کے مسامات میں سرایت کر جانا ایک بدیہی امر ہے' مزید یہ کہ اگر کوئی تمہ پاؤں کے تلووں میں ملے تو اس کی کڑواہٹ منہ تک محسوس کی جا سکتی ہے دراں حالیکہ ان تمام اشیاء میں سے کسی کے ساتھ بھی روزہ ٹوٹنے کا حکم نہیں لگایا جاتا۔ لہٰذا انجیکشن میں بھی اصل جواز ہی ہے جب تک کہ ممانعت کی کوئی واضح دلیل نہ مل جائے۔ (واللہ اعلم)

---

(۱) [ابن أبي شيبة (۳/٥١-٥٣)]

(۲) [تحفة الأحوذي (۳/٥٦٣)]

(۳) [**صحيح** : صحيح ابن ماجة (۱۳٦٠) كتاب الصيام : باب ما جاء في السواك والكحل للصائم' ابن ماجة (۱٦٧٨)] حافظ بوصیریؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [مصباح الزجاجة (۲/۱۳)]

(٤) [نيل الأوطار (۳/۱٧٧)]

(٥) [تحفة الأحوذي (۳/٤٨١)]

(٦) [**ضعيف** : ضعيف أبو داود (٥١٤) كتاب الصوم : باب في الكحل عند النوم للصائم' أبو داود (۲۳٧٧) بيهقي (٤/۲٦۲) اس حدیث کے متعلق امام ابوداودؒ نے خود ہی وضاحت فرما دی ہے کہ امام یحییٰ بن معینؒ نے مجھ سے کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔]

تاہم حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ رقمطراز ہیں کہ ''ایسا ٹیکہ جس کا مقصد خوراک یا قوت کی فراہمی نہ ہو بلکہ صرف بیماری کا علاج ہو جائز ہے (اس کے علاوہ نہیں)۔(۱)

520- حیض یا نفاس شروع ہونے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿أليس إذا حاضت المرأة لم تصل ولم تصم﴾ ''کیا ایسا نہیں ہے کہ جب عورت حائضہ ہوتی ہے تو نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے۔'' (۲) نیز نفاس والی عورت کا حکم بھی وہی ہے جو حائضہ کا ہے۔

521- دوران روزہ جھوٹ سے اجتناب لازم ہے

حدیث نبوی ہے کہ ﴿من لم يدع قول الزور والعمل به فليس لله حاجة في أن يدع طعامه وشرابه﴾ ''جس شخص نے جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں کہ ایسا شخص اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔'' (۳)

522- لغو اور رفث سے اجتناب

نبی ﷺ نے فرمایا ''روزہ صرف کھانا پینا چھوڑنے کا نام نہیں بلکہ ﴿إنما الصيام من اللغو والرفث﴾ ''روزہ تو لغو (ہر بے فائدہ و بے ہودہ کام) اور رفث (جنسی خواہشات پر مبنی حرکات اور کلام) سے بچنے کا نام ہے۔'' (٤)

ایسے افعال سے نہ بچنے والوں کے متعلق ہی آپ ﷺ نے فرمایا تھا ﴿كم من صائم ليس له من صيامه إلا الظمأ﴾ '' کتنے ہی روزے دار ہیں جن کو سوائے پیاس کے روزہ رکھنے سے کچھ نہیں ملتا۔'' (٥)

523- حالت جنابت میں روزہ رکھنا

حالت جنابت میں سحری کھا کر روزہ رکھ لینا جائز ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿أن رسول الله كان يدركه الفجر وهو جنب من أهله ثم يغتسل ويصوم﴾ ''رسول اللہ ﷺ کو (بعض اوقات) اس حالت میں فجر ہو جاتی کہ آپ ہم بستری کرنے کی وجہ سے جنبی ہوتے (ایسے ہی آپ ﷺ سحری کھا لیتے) پھر غسل کر کے روزہ رکھ لیتے۔'' (٦)

524- دوران روزہ بیوی کا بوسہ لینا اور کلی کرنا

جائز ہے جیسا کہ سنن ابی داود کی صحیح حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہے۔(۷)

525- گرمی کی وجہ سے دوران روزہ غسل کرنا مسنون ہے

ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ﴿يصب الماء على رأسه من الحر وهو صائم﴾ ''آپ ﷺ گرمی کی

---

(۱) [رمضان المبارك فضائل' فوائد' ثمرات (ص/٤٥)]

(۲) [بخاری (۱۹۵۱) كتاب الصوم : باب الحائض تترك الصوم والصلاة]

(۳) [بخاری (۱۹۰۳) كتاب الصوم : باب من لم يدع قول الزور والعمل به]

(٤) [صحيح ابن خزيمة (۱۹۹٦)' (۲٤۲/۳)]

(٥) [جيد : المشكاة (٦۲٦/۱) أحمد (٤٤۱/۲) دارمی (۲۷/٦) كتاب الرقائق : باب فى المحافظة على الصوم]

(٦) [بخاری (۱۹۲٦) كتاب الصوم : باب الصائم يصبح جنبا' مسلم (۱۱۰۹)]

(۷) [صحيح : صحيح أبو داود (۲۰۸۹) كتاب الصيام : باب القبلة للصائم' أبو داود (۲۳۸٥) أحمد (۲۱/۱) دارمی (۱۳/۲) حاكم (٤۳۱/۱) بيهقى (۲٦۱/٤)]

وجہ سے اپنے سر پر پانی بہارہے تھے اور آپ ﷺ روزہ دار تھے۔“(۱)

526- مبالغہ سے ناک میں پانی نہ چڑھائے

حدیث نبوی ہے کہ ﴿وبالغ فی الاستنشاق إلا أن تکون صائما﴾ ”ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ کرو الا کہ تم روزے دار ہو(تو ایسا نہ کرو)۔“(۲)

527- افطاری کے وقت دعا کرنا

ایک روایت میں ہے کہ ﴿أن للصائم عند فطرہ لدعوۃ ما ترد﴾ ”افطاری کے وقت روزہ دار کی دعا رد نہیں کی جاتی۔“(۳)

528- روزہ کس چیز سے افطار کیا جائے؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ نماز مغرب سے پہلے تازہ کھجوروں سے روزہ افطار کرتے' اگر تازہ کھجوریں نہ ہوتیں تو چھواروں سے روزہ کھولتے۔ اگر چھوارے بھی نہ ہوتے تو پانی کے چند گھونٹ پی لیتے۔(٤)

529- افطاری کی دعا

روزہ کھولتے وقت یہ الفاظ کہنے چاہییں ”اَللّٰهُمَّ إِنِّی لَکَ صُمْتُ وَعَلیٰ رِزْقِکَ أَفْطَرْتُ“۔(٥)

اس دعا میں یہ الفاظ ” اَللّٰهُمَّ إِنِّی لَکَ صُمْتُ وَبِکَ آمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَعَلیٰ رِزْقِکَ أَفْطَرْتُ“ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہیں۔

کھانے سے فراغت کے بعد یہ دعا پڑھنی چاہیے ” ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ “(٦)

530- روزہ کھلوانے کا اجر

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿من فطّر صائما کان له مثل أجرہ غیر أنه لا ینقص من أجر الصائم شیئا﴾ ”جس نے کسی روزے دار کا روزہ افطار کرایا اسے بھی اتنا اجر ملے گا جتنا اجر روزے دار کے لیے ہوگا اور روزے دار کے اجر سے کوئی چیز کم نہ ہوگی۔“(٧)

---

(۱) [صحیح : صحیح أبو داود (۲۰۷۲) کتاب الصیام : باب الصائم یصب علیه الماء...... ' أبو داود (۲۳٦٥) أحمد (٤٧٥/٣)]

(۲) [صحیح : صحیح ترمذی (٦٣١) کتاب الصیام : باب فی کراهیة مبالغة الاستنشاق للصائم ' ترمذی (۷۸۸) ابن ماجة (٤٠٧) أبو داود (١٤٢/١) نسائی (٦٦/١) بیهقی (٥٠/١) حاکم (١٤٧/١) ابن خزیمة (١٦٨)]

(۳) [ضعیف : ضعیف ابن ماجة (٣٨٧) کتاب الصیام : باب فی الصائم لا ترد دعوته ' إرواء الغلیل (٩٢١) ابن ماجة (١٧٥٣)]

(٤) [صحیح : صحیح أبو داود (٢٠٦٥) کتاب الصیام : باب ما یفطر علیه ' أبو داود (٢٣٥٦)]

(٥) [أبو داود مرسلا ' شیخ البانی بیان کرتے ہیں کہ یہ حدیث شواہد کی بنا پر قوی ہو جاتی ہے۔[المشکاة (١٩٩٤)]

(٦) [حسن : صحیح أبو داود (٢٠٦٦) کتاب الصیام : باب القول عند الإفطار ' أبو دواد (٢٣٥٧)]

(٧) [صحیح : صحیح ترمذی (٦٤٧) کتاب الصوم : باب فضل من فطر صائما ' ترمذی (٨٠٧) ابن ماجة (١٧٤٦)]

تیسری فصل

روزے کی قضا کا بیان

يَجِبُ عَلٰى مَنْ أَفْطَرَ لِعُذْرٍ شَرْعِيٍّ أَنْ يَّقْضِيَ	جو شخص کسی شرعی عذر کی وجہ سے روزہ چھوڑ دے اس کے لیے قضا دینا ضروری ہے۔ ❶

❶ (1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضاً أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ [البقرة : ١٨٤] ”تم میں جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اور دنوں میں گنتی پوری کر لے۔“

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿فنؤمر بقضاء الصيام و لا نؤمر بقضاء الصلاة﴾ ”ہمیں روزوں کی قضا کا حکم دیا جاتا اور نماز کی قضا کا حکم نہ دیا جاتا۔“ (١)

یہ ان روزوں کی بات ہے جو حالت حیض میں ان سے رہ جاتے تھے۔

وَالْفِطْرُ لِلْمُسَافِرِ وَنَحْوِهِ رُخْصَةٌ إِلَّا أَنْ يَخْشَى التَّلَفَ أَوِ الضُّعْفَ عَنِ الْقِتَالِ فَعَزِيمَةٌ	مسافر اور اس کی مثل دیگر افراد کے لیے روزہ چھوڑنے کی رخصت ہے لیکن اگر انہیں جان کی ہلاکت یا قتال میں کمزوری ہو جانے کا اندیشہ ہو تو افطار کرنا ضروری ہے۔ ❶

❶ (1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ سے دوران سفر روزے کے متعلق فرمایا ﴿إن شئت فصم وإن شئت فأفطر﴾ ”اگر تم چاہو تو (سفر میں) روزہ رکھو اور اگر چاہو تو چھوڑ دو۔“ (٢)

(2) حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ماہ رمضان کے ایک سخت گرم دن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے اور اس سفر میں صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ روزے دار تھے۔ (٣)

(3) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کرتے تھے ﴿فلم يعب الصائم على المفطر و لا المفطر على الصائم﴾ ”نہ روزہ رکھنے والا روزہ چھوڑنے والے پر عیب لگاتا اور نہ ہی روزہ چھوڑنے والا روزہ رکھنے والے پر۔“ (٤)

(4) حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿هي رخصة من الله ، فمن أخذ بها فحسن ومن أحب أن يصوم فلا جناح عليه﴾ ”یہ (یعنی دوران سفر روزہ چھوڑنے کی اجازت) اللہ تعالیٰ کی طرف سے

(١) [مسلم (٣٣٥) كتاب الحيض : باب وجوب قضاء الصوم على الحائض دون الصلاة ' بخاري (٣٢١)]

(٢) [بخاري (١٩٤٣) كتاب الصوم : باب الصوم في السفر والإفطار' موطا (٢٩٥/١) مسلم (١١٢١) أبو داود (٢٤٠٢) ترمذي (٧١١) نسائي (١٨٧/٤) ابن ماجة (١٦٦٢)]

(٣) [بخاري (١٩٥٤) كتاب الصوم : باب' مسلم (١١٢٢) أبو داود (٢٤٠٩) ابن ماجة (١٦٦٣) أحمد (١٩٤/٥)]

(٤) [بخاري (١٩٤٧) كتاب الصوم : باب لم يعب أصحاب النبي بعضهم بعضا في الصوم والإفطار ' مسلم (١١١٨) موطا (٢٣)]

رخصت ہے۔ جو اسے اختیار کر لے تو بہتر ہے اور جو شخص روزہ رکھنا پسند کرے تو اس پر بھی کوئی حرج نہیں۔"(۱)

(5) حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے روزے کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ تک سفر کیا۔ (راوی کہتا ہے کہ) ہم نے ایک جگہ پر پڑاؤ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بلاشبہ تم دشمن کے قریب ہو لہذا روزہ چھوڑ دینا ہی تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے" اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات رخصت تھی یہی وجہ ہے کہ ہم میں سے بعض نے روزہ رکھا اور بعض نے افطار کر لیا۔ پھر ہم نے ایک دوسری جگہ پر پڑاؤ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بے شک تم صبح کو اپنے دشمن پر حملہ کرو گے اور تمہارے لیے روزہ چھوڑ دینا ہی زیادہ بہتر ہے لہذا تم روزہ چھوڑ دو۔" پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات عزیمت (یعنی لازمی قابل عمل) تھی۔ پھر یقیناً یہ بات میرے مشاہدے کی ہے کہ اس سفر کے بعد بھی ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں روزہ رکھا کرتے تھے۔(۲)

معلوم ہوا کہ دوران سفر روزہ رکھنا اور چھوڑنا دونوں طرح درست ہے۔ علاوہ ازیں جس روایت میں مذکور ہے کہ سفر میں روزہ رکھنے والوں کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿أولئك العصاة، أولئك العصاة﴾ "یہی لوگ نافرمان ہیں یہی لوگ نافرمان ہیں۔"(۳)

جمہور اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خاص اس دن روزہ کھولنے کے حکم کی مخالفت کی وجہ سے کہا تھا۔(٤)

عبدالرحمن مبارکپوری فرماتے ہیں کہ اس (یعنی نافرمان) سے مراد ایسا شخص ہے جس پر روزہ گراں گزرے (پھر بھی وہ سفر میں روزہ رکھے)۔(٥)

مزید برآں ایک روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ بے شک لوگوں کو روزے نے مشقت میں ڈال دیا ہے...... (اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں روزہ افطار کر لیا اور افطار نہ کرنے والوں کو نافرمان کہا)۔"(٦)

اور جس روایت میں ہے کہ ﴿ليس من البر الصوم في السفر﴾ "سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔"(۷)

یہ ایسے شخص کے متعلق ہے جس پر سفر میں روزہ رکھنا مشکل اور پر مشقت ہو اور وہ پھر بھی روزہ رکھے جیسا کہ اسی حدیث

---

(۱) [مسلم (۱۱۲۱) کتاب الصیام : باب التخییر فی الصوم والفطر فی السفر، موطا (۱/۲۹۵) طیالسی (۱/۱۸۹) أحمد (۳/٤۹٤) حاکم (۱/٤۳۳) بیہقی (٤/۱۸۷) أبو داود (۲٤۰۲)]

(۲) [مسلم (۱۱۲۰) کتاب الصیام : باب أجر المفطر فی السفر إذا تولی العمل، أحمد (۳/۳٥) أبو داود (۲٤۰٦) ابن خزیمة (۲۰۲۳)]

(۳) [مسلم (۱۱۱٤) کتاب الصیام : باب جواز الصوم والفطر فی شهر رمضان ......، ترمذی (۷۱۰) نسائی (٤/۱۷۷) شرح معانی الآثار (۲/٦٥) بیہقی (٤/۲۳۱) ابن خزیمة (۲۰۱۹)]

(٤) [سبل السلام (۲/۸۸٦)]

(٥) [تحفة الأحوذی (۳/٤٥۳)]

(٦) [کما قال الحافظ فی بلوغ المرام (٥٤٦)]

(۷) [بخاری (۱۹٤٦) کتاب الصوم : باب قول النبی لمن ظلل علیه......، مسلم (۱۱۱٥) أبو داود (۲٤۰۷) نسائی (٤/۱۷٥)]

سے یہ بات ثابت ہے۔

نیز جس روایت میں یہ مذکور ہے ﴿صائم رمضان فی السفر کالمفطر فی الحضر﴾ ''سفر میں رمضان کا روزہ رکھنے والا حضر (یعنی حالتِ اقامت) میں روزہ چھوڑنے والے کی طرح ہے۔'' وہ منکر اور ضعیف ہے۔(۱)

ثابت ہوا کہ دورانِ سفر روزہ رکھنا اور چھوڑنا دونوں طرح جائز و درست ہے۔

(جمہور) اسی کے قائل ہیں۔(۲)

البتہ امام داود ظاہریؒ وغیرہ کے نزدیک سفر میں روزہ چھوڑنا واجب ہے اور روزہ رکھنے والے کا روزہ نہیں ہوتا۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے ﴿علیکم برخصة اللّٰه التی رخص لکم فاقبلوھا﴾ ''اللہ تعالیٰ کی اس رخصت کو لازماً اختیار کرو اور اسے قبول کرو جس کی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اجازت دی ہے۔''(۳)

یاد رہے کہ یہ حکم ایسے شخص کے لیے ہے جس پر دورانِ سفر روزہ رکھنا مشکل ہو جیسا کہ اسی روایت میں موجود ہے کہ آپ ﷺ نے یہ حکم ایسے شخص کو دیا تھا جس پر سفر میں روزے (کی مشقت) کی وجہ سے ایک سایہ دار درخت کے نیچے پانی کے چھینٹے مارے جا رہے تھے۔

علماء نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا افضل ہے یا چھوڑنا:

(جمہور، مالکؒ، شافعیؒ، ابوحنیفہؒ) سفر میں جب مشقت نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے اور جب مشقت کا اندیشہ ہو تو روزہ چھوڑنا افضل ہے۔

(احمدؒ) صرف روزہ چھوڑنا ہی ہر حال میں افضل ہے۔(۴)

(شوکانیؒ) جس پر روزہ رکھنا مشکل ہو یا جسے (سفر میں) روزہ نقصان دیتا ہو یا جو رخصت قبول کرنے سے اعراض کرتا ہو یا جسے دورانِ سفر روزہ رکھنے سے فخر و ریاکاری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسے شخص پر روزہ چھوڑ دینا افضل ہے اور جو ان اشیاء سے مستغنی ہو اس کے حق میں روزہ رکھنا افضل ہے۔(۵)

بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ روزہ رکھنا اور چھوڑنا دونوں برابر ہیں ان میں کوئی بھی افضل نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ دونوں میں جو آسان ہو اسے اختیار کر لینا چاہیے۔(٦)

(راجح) امام شوکانیؒ وغیرہ کا موقف احادیث کے زیادہ قریب ہے۔

(۱) [الضعیفة (٤٩٨) ضعیف ابن ماجة (٤٩٨) کتاب الصیام : باب ماجآء فی الإفطار فی السفر' ابن ماجة (١٦٦٦)]

(۲) [الروضة الندیة (٥٤٩/١) نیل الأوطار (٢٠٠/٣)]

(۳) [**صحیح** : صحیح نسائی (٢١٣٢) کتاب الصیام : باب العلة التی من أجلھا قیل ذلك......' إرواء الغلیل (٥٣/٤) نسائی (٢٢٦٠)]

(٤) [سبل السلام (٨٨٦/٢) بدایة المجتهد (١٦٥/٢) الفقه الإسلامی وأدلته (٦٣١/٢) المجموع (٢٦٠/٦) الروض النضیر (١٣٤/٣)]

(٥) [نیل الأوطار (٢٠١/٣)]

(٦) [سبل السلام (٨٨٦/٢) تحفة الأحوذی (٤٥٣/٣)]

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) ۔ جمہور کا موقف راجح ہے۔(۱)

531- حاملہ اور مرضعہ کے روزے کا حکم

حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت بھی حکم میں مسافر کی طرح ہی ہے جیسا کہ حضرت انس بن مالک کعبی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إن اللّٰه وضع عن المسافر الصوم وشطر الصلاة وعن الحبلى والمرضع الصوم﴾ "بیشک اللہ تعالیٰ نے مسافر سے روزہ اور نصف نماز اور حاملہ اور دودھ پلانے والی خاتون سے (صرف) روزہ ساقط کر دیا ہے۔"(۲)

وَمَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صَوْمٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ	جو شخص ایسی حالت میں فوت ہو کہ اس کے ذمے روزے تھے تو اس کا ولی (یعنی وارث) اس کی طرف سے روزے رکھے۔ ❶

❶ (1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من مات وعليه صيام صام عنه وليه﴾ (۳)

مسند بزار کی جس روایت میں یہ لفظ زائد ہیں ﴿إن شاء﴾ "اگر چاہے (تو وارث روزے رکھے)۔" وہ ضعیف ہے۔(٤)

امام بیہقیؒ "خلافیات" میں رقمطراز ہیں کہ یہ سنت ثابت ہے۔ میرے علم میں نہیں کہ اہل حدیث کے درمیان اس مسئلے میں (کہ ولی روزے رکھے گا) کوئی اختلاف ہو۔(٥)

(احمدؒ، اوزاعیؒ) اسی کے قائل ہیں (لیکن ان کے نزدیک میت کی طرف سے صرف نذر کا روزہ ہی رکھا جا سکتا ہے)۔ ایک روایت کے مطابق امام شافعیؒ بھی یہی موقف رکھتے ہیں۔

(مالکؒ، ابو حنیفہؒ) کسی صورت میں بھی میت کی طرف سے روزہ نہیں رکھا جا سکتا۔ بلکہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دینا چاہیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی فتویٰ ہے اور امام شافعیؒ سے بھی ایک روایت کے مطابق یہی قول مروی ہے۔(٦)

(راجح) میت کی طرف سے میت کا ولی روزے رکھ سکتا ہے اور اس میں نیابت درست ہے کیونکہ صحیح حدیث اس پر شاہد ہے۔ جو لوگ ایک مسکین کو کھانا کھلانے کے قائل ہیں ان کی دلیل ضعیف روایت ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی

---

(۱) [تحفة الأحوذي (٤٥٣/٣)]

(۲) [حسن صحيح : صحيح أبو داود (٢١٠٧) أحمد (٣٤٧/٤) أبو داود (٢٣٠٨) ترمذي (٧١٥) نسائي (١٨٠/٤) ابن ماجة (١٦٦٧) ابن خزيمة (٢٠٣٢) عبد بن حميد (٤٣١)]

(۳) [بخاري (١٩٥٢) كتاب الصوم : باب من مات عليه صوم، مسلم (١١٤٧) أحمد (٦٩/٦) أبو داود (٢٤٠٠) بيهقي (٢٥٥/٤) أبو يعلى (٤٤١٧) ابن خزيمة (٢٠٥٢) دار قطني (١٩٤/٢) بيهقي (٢٥٥/٤)]

(٤) [ضعيف : التعليقات الرضية على الروضة الندية (٢٣/٢) كشف الأستار عن زوائد البزار (١٠٢٣)، (٤٨١/١) مجمع الزوائد میں ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔ [١٧٩/٣] حافظ ابن حجرؒ نے ابن لھیعہ راوی کی وجہ سے اسے ضعیف کہا ہے۔ [تلخيص الحبير (٤٥٧/٦) فتح الباري (١٥٧/٤)]

(٥) [فتح الباري (٧٠٦/٤) نيل الأوطار (٢١٣/٣)]

(٦) [الحاوي (٤٥٢/٣) المغني (٣٩٩/٤) الأم (١٤٤/٢) بدائع الصنائع (١٠٣/٢) المبسوط (٨٩/٣) الكافي (ص/١٢٢) الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف (٣٣٤/٣) نيل الأوطار (٢١٤/٣)]

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿من مات وعلیه صیام أطعم عنه مکان کل یوم مسکینا﴾ ’’جو شخص اس حال میں فوت ہو کہ اس کے ذمے روزے تھے تو اس کی طرف سے ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا جائے۔‘‘ (۱)

علماء نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے کہ میت کی طرف سے روزے رکھنا واجب ہے یا مستحب۔

(جمہور) استحباب کے قائل ہیں۔(۲)

(ابن حزمؒ) میت کی طرف سے روزے رکھنا واجب ہے۔(۳)

(صدیق حسن خانؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٤)

(امیر صنعانیؒ) اس میں اصل وجوب ہی ہے۔(٥)

(البانیؒ) یہ عمل واجب نہیں ہے۔(٦)

○ واضح رہے کہ ”وعلیه صیام“ سے نفل نہیں بلکہ ایسے روزے مراد ہیں جو اس پر فرض ہوں مثلاً رمضان یا نذر وغیرہ کے روزے۔

وَالْكَبِيْرُ الْعَاجِزُ عَنِ الْأَدَاءِ وَالْقَضَاءِ يُكَفِّرُ عَنْ كُلِّ يَوْمٍ بِإِطْعَامِ مِسْكِيْنٍ	ایسا بوڑھا شخص جو روزے رکھنے اور ان کی قضا دینے سے عاجز ہو وہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا کر کفارہ ادا کر سکتا ہے۔ ❶

❶ (1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿رُخِّص للشیخ الکبیر أن یفطر ویطعم عن کل یوم مسکینا ولا قضاء علیه﴾ ’’بڑی عمر کے بوڑھے کو روزہ چھوڑ دینے کی رخصت دی گئی ہے‘ وہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دے اور اس پر قضا نہیں۔‘‘ (۷)

معلوم ہوا کہ بہت بوڑھا شخص جس کے متعلق یہ امید ہی نہ ہو کہ وہ دوبارہ قوی و مضبوط ہو جائے گا (اور اسی طرح ایسا مریض جو علاج سے مایوس ہو چکا ہو) ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا سکتے ہیں۔

(2) حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ’’جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ [البقرة : ۱۸٤] تو جو شخص روزہ چھوڑنا چاہتا وہ فدیہ دے دیتا حتی کہ اس کے بعد والی آیت نازل ہوئی اور اس

---

(۱) [**ضعیف** : ضعیف ابن ماجة (۳۸۹) کتاب الصیام : باب من مات وعلیه صیام رمضان قد فرط فیه ‘ ترمذی (۷۱۸) ابن ماجة (۱۷۵۷)]

(۲) [نیل الأوطار (۲۱٤/۳)]

(۳) [المحلی (٤۲۰/٤)]

(٤) [الروضة الندیة (٥٥۱/۱)]

(٥) [سبل السلام (۸۹٤/۲)]

(٦) [التعلیقات الرضیة علی الروضة الندیة (۲٥/۲)]

(۷) [**صحیح** : دار قطنی (۲۰٥/۲) حاکم (٤۰٤/۱)] امام دار قطنیؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ امام حاکمؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بخاری کی شرط پر صحیح ہے اور امام ذہبیؒ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ شیخ صبحی حلاق نے شواہد کی وجہ سے اسے صحیح کہا ہے۔ [التعلیق علی سبل السلام (۱٤٥/٤)] شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔ [التعلیق علی سبل السلام (۸۸۷/۲)]

نے اسے منسوخ کردیا۔'' (۱)

(3) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے بھی حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرح ہی مروی ہے لیکن اس میں یہ لفظ زائد ہیں کہ جب یہ آیت ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ [البقرۃ : ۱۷۵] ''تو اللہ تعالیٰ نے اس ماہ کا روزہ مقیم تندرست شخص پر ثابت کردیا جبکہ مریض اور مسافر کے لیے اس میں رخصت دے دی۔'' (۲)

(4) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهُ﴾ منسوخ نہیں ہے بلکہ یہ ایسے بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت کے لیے ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے اس لیے وہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں گے۔'' (۳)

○ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کا بھی یہی حکم ہے۔ (٤)

○ مسکین کو کھانا کھلانے کے حکم میں اختلاف ہے۔

(جمہور) مسکین کو کھانا کھلانا ضروری ہے۔

(مالک ؒ) یہ عمل مستحب ہے۔ (٥)

○ ایک روایت میں مسکین کو کھلائے جانے والے کھانے کی مقدار نصف صاع (تقریباً سوا کلو) گندم مذکور ہے۔ (٦)

○ امیر صنعانی ؒ رقمطراز ہیں کہ حدیث میں موجود لفظ ''شیخ'' سے مراد ایسا شخص ہے جو روزہ رکھنے سے عاجز ہو۔ (۷)

متفرقات

532- رمضان کی قضا پے در پے روزوں کے ساتھ یا الگ الگ؟

دونوں طرح درست ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿لا باس أن يفرق لقول الله تعالى ''فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ'' [البقرۃ : ۱۸٤]﴾ ''(رمضان کی قضا مسلسل نہیں بلکہ) الگ الگ روزے رکھ کر دی جائے تو اس میں بھی کوئی

(۱) [بخاری (٤٥٠٧) کتاب التفسير : باب فمن شهد منكم الشهر فليصمه ' مسلم (١١٤٥) أبو داود (٢٣١٥) ترمذی (٧٩٨) نسائی (١٩٠/٤)]

(۲) [صحيح : صحيح أبو داود (٤٧٨'٤٧٩) کتاب الصلاة : باب كيف الأذان ' أحمد (٢٣٣/٥) أبو داود (٥٠٦' ٥٠٧) ابن خزيمة (٣٨١)]

(۳) [بخاری (٤٥٠٥) کتاب التفسير: باب فمن شهد منكم الشهر فليصمه' نسائی (١٩٠/٤) طبری (٨١/٢) طبرانی كبير (١١٣٨٨) عبد الرزاق (٧٥٧٧) دار قطنی (٢٠٥/٢) حاكم (٤٤٠/١) بيهقی (٢٧٠/٤)]

(٤) [دار قطنی (٢٠٧/٢) امام دار قطنی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(٥) [الفقه الإسلامي وأدلته (٢٤٧/٢) بداية المجتهد (١٧٧/٢) قوانين الأحكام الشرعية (ص/١٤٣)]

(٦) [دار قطنی (٢٠٧/٢) امام دار قطنی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۷) [سبل السلام (٨٩٠/٢)]

حرج نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرلو (یہ نہیں فرمایا کہ پے در پے روزے رکھو)۔"(۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رمضان کی قضا کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إن شاء فرق و إن شاء تابع﴾ "اگر چاہے تو الگ الگ روزے رکھ لے اور اگر کوئی چاہے تو مسلسل رکھ لے۔"(۲)

اگرچہ یہ روایت ضعیف ہے لیکن قرآن کی مطلق آیت ﴿فعدة من أيام أخر﴾ اس بات کی متقاضی ہے کہ دونوں طرح قضا دینا درست ہے کیونکہ مقصود گنتی پوری کرنا ہے اور وہ دونوں طرح حاصل ہو جاتا ہے۔

جس روایت میں ہے کہ ﴿من كان عليه صوم من رمضان فليسرده ولا يقطعه﴾ "جس کے ذمے رمضان کے روزے ہوں وہ انہیں مسلسل رکھے علیحدہ علیحدہ نہ رکھے۔" وہ ضعیف ہے۔(۳)

533- رمضان کی قضا تاخیر سے بھی درست ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میرے ذمے رمضان کے روزے ہوتے تو میں ماہ شعبان کے علاوہ (سارا سال) ان کی قضا دینے کی طاقت نہ رکھتی۔(٤)

(شوکانیؒ) اس حدیث میں مطلقاً رمضان کی قضا تاخیر سے دینے کا جواز ہے قطع نظر اس سے کہ وہ کسی عذر کی وجہ سے ہو یا بغیر کسی عذر کے۔(٥)

(البانیؒ) حق بات یہ ہے کہ اگر استطاعت ہو تو جلدی قضا دینا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ﴾ [آل عمران : ۱۳۳] "اپنے رب کی مغفرت کی طرف دوڑو۔"(٦)

(ابن حزمؒ) اسی کے قائل ہیں (انہوں نے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کو طاقت نہ ہونے پر محمول کیا ہے)۔(۷)

---

(۱) [بخاری تعلیقات (قبل الحديث / ۱۹۵۰)]

(۲) [ضعیف : تمام المنة (ص/ ٤٢٣) دار قطنی (۱۹۳/۲) ابن الجوزی (۹۹/۲)] حافظ ابن حجرؒ نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔[تلخيص الحبير (۳۹٤/۲)]

(۳) [ضعیف : تمام المنة (ص/ ٤٢٤) دار قطنی (۱۹۱/۲)]

(٤) [أحمد (۱۲٤/٦) بخاری (۱۹۵۰) كتاب الصوم : باب متى يقضى قضاء رمضان ' مسلم (۱۱٤٦) أبو داود (۲۳۹۹) ترمذی (۷۸۳) نسائی (۱۵۰/٤) ابن ماجة (۱٦٦۹)]

(٥) [نيل الأوطار (۲۱۱/۳)]

(٦) [تمام المنة (ص/ ٤٢١)]

(۷) [المحلى (۲٦٠/٦)]

باب صوم التطوع — نفلی روزے کا بیان

پہلی فصل

جن ایام میں روزے مستحب ہیں

يُسْتَحَبُّ صِيَامُ سِتٍّ مِّنْ شَوَّالٍ وَتِسْعِ ذِيْ الْحَجَّةِ	شوال کے چھ روزے رکھنا ❶ اور ذوالحجہ کی نوتاریخ کا روزہ رکھنا مستحب ہے۔ ❷

❶ (1) حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ﴿من صام رمضان ثم أتبعه ستا من شوال فذاك كصيام الدهر﴾ ''جو شخص رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد چھ روزے شوال کے رکھے تو یہ عمل سارا سال (روزے رکھنے) کی مانند ہوگا۔'' (۱)

سارے سال کے روزوں کی مانند اس لیے کہا گیا ہے کہ کیونکہ ایک نیکی کا بدلہ دس گنا ہوتا ہے لہذا رمضان کے روزے دس ماہ کے برابر ہوئے اور چھ شوال کے دو ماہ کے برابر ہوئے جیسا کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من صام ستة أيام بعد الفطر كان تمام السنة ' من جاء بالحسنة فله عشر أمثالها﴾ ''جس نے عید الفطر کے بعد چھ روزے رکھے تو یہ پورے سال (کے روزوں) کی طرح ہوں گے۔ (کیونکہ) جس نے ایک نیکی کی اس کے لیے اس کی مثل دس گنا اجر ہوگا۔'' (۲)

یاد رہے کہ یہ چھ روزے شوال کی ابتداء میں' درمیان میں' آخر میں اور پے در پے یا الگ الگ ہر طرح جائز اور درست ہیں کیونکہ ان تمام اشیاء کی تعیین شارع علیہ السلام نے نہیں کی۔

❷ (1) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿صوم يوم عرفة يكفر سنتين﴾ ''عرفہ کے دن (یعنی نو ذوالحجہ) کا روزہ دو سال کے گناہ مٹا دیتا ہے۔'' ایک گذشتہ سال کے اور ایک آئندہ سال کے۔ جبکہ یوم عاشورا (یعنی دس محرم) کا روزہ ایک گذشتہ سال کے گناہ مٹاتا ہے۔ (۳)

(2) سنن ابی داود کی ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿كان رسول الله يصوم تسع ذي الحجة ويوم عاشوراء وثلاثة أيام من كل شهر﴾ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نو ذوالحجہ' یوم عاشورا اور ہر ماہ میں تین دن روزے رکھتے تھے۔'' (٤)

---

(۱) [مسلم (١١٦٤) كتاب الصيام : باب استحباب صوم ستة أيام من شوال ......' أبو داود (٢٤٣٣) ترمذی (٧٥٦) ابن ماجة (١٧١٦) بيهقی (٢٩٢/٤) ابن خزيمة (٢١١٤) أحمد (٣٠٨/٣)]

(۲) [**صحيح** : صحيح ابن ماجة (١٣٩٢) كتاب الصيام : باب صيام ستة أيام من شوال ' ابن ماجة (١٧١٥) أحمد (٢٨٠/٥) دارمی (٢١/٢) بيهقی (٢٩٣/٤) ابن خزيمة (٢١١٥)]

(۳) [أحمد (٢٩٦/٥) مسلم (١١٦٢) كتاب الصيام : باب استحباب صيام ثلاثة أيام من كل شهر......' أبو داود (٢٣٢٥) ابن ماجة (١٧٣٠) حميدی (٤٢٩) عبد الرزاق (٧٧٢٦) بيهقی (٢٨٦/٤) ابن أبی شيبة (٥٧/٣)]

(٤) [**صحيح** : صحيح أبو داود (٢١٢٩) كتاب الصوم : باب فی صوم العشر' (٢٤٣٧)]

534- حاجیوں کے لیے نو ذوالحجہ کا روزہ

میدان عرفات میں مکروہ ہے۔(۱)

(1) نبی ﷺ نے عرفہ کے دن میدان عرفات میں دودھ کا پیالہ نوش فرمایا۔(۲)

(2) حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿نهى رسول الله ﷺ عن صوم يوم عرفة بعرفات﴾ "رسول اللہ ﷺ نے میدان عرفات میں عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔"(۳)

(جمہور) میدان عرفات میں حاجیوں کے لیے روزہ نہ رکھنا مستحب ہے۔

(ابن قدامہؒ) اکثر اہل علم میدان عرفات میں عرفہ کے دن روزہ نہ رکھنا مستحب قرار دیتے ہیں۔(٤)

اس کی علت وحکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ میدان عرفات میں روزہ رکھنے سے انسان کمزور ہو کر وہاں دعا' ذکر اور دیگر حاجیوں کے افعال سرانجام دینے سے عاجز آ سکتا ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اگر انسان دعا وغیرہ سے کمزوری وعجز محسوس نہیں کرتا تو روزہ رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔(٥)

وَمُحَرَّمٍ	محرم کے روزے مستحب ہیں۔ ❶

❶ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا' رمضان کے بعد کون سا روزہ افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿شهر الله المحرم﴾ "اللہ تعالیٰ کے ماہ محرم کا۔"(٦)

معلوم ہوا کہ ماہ محرم کے روزے نہایت فضیلت والے ہیں لہذا اس ماہ میں کثرت سے روزے رکھنے چاہیں البتہ یوم عاشورا (دس محرم) کا روزہ ان میں سب سے زیادہ موکد ہے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یوم عاشورا ایسا دن ہے کہ جاہلیت میں قریش اس کا روزہ رکھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ بھی یہ روزہ رکھا کرتے تھے۔

پھر جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہ روزہ خود بھی رکھا اور لوگوں کو بھی اس کا حکم دیا۔ پھر جب رمضان فرض کر دیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "جو چاہے یہ روزہ رکھ لے اور جو چاہے چھوڑ دے۔"(۷)

---

(۱) [نيل الأوطار (۲۱۹/۳)]

(۲) [صحيح : صحيح أبو داود (۲۱۳۲) كتاب الصوم : باب في صوم يوم عرفة بعرفة ' أبو داود (۲٤٤۱) أحمد (۲۱۷/۱) ترمذى (۷۵۰)]

(۳) [ضعيف : ضعيف أبو داود (۵۲۸) أيضا ' الضعيفة (٤۰٤) تمام المنة (ص/٤۱۰) أبو داود (۲٤٤۰) أحمد (۳۰٤/۲) ابن ماجة (۱۷۳۲) بيهقى (۲۸٤/٤)] شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن کہا ہے۔[التعليق على سبل السلام (۹۰۷/۲)]

(٤) [المجموع (۳۸۰/٦) المغنى (٤٤٤/٤)]

(٥) [نيل الأوطار (۲۱۹/۳) المغنى (٤٤٤/٤)]

(٦) [مسلم (۱۱۲۳) كتاب الصيام : باب فضل صوم المحرم ' أبو داود (۲٤۲۹) ترمذى (۷٤۰) ابن ماجة (۱۷٤۲) نسائى (۱٦۱۳) دارمى (۲۱/۲) أحمد (۳٤۲/۲)]

(۷) [أحمد (۲۹/٦) بخارى (۱۵۹۲) كتاب الحج : باب قول الله تعالى ﴿جعل الله الكعبة ......﴾ ' مسلم (۱۱۲۵) أبوداود (۲٤٤۲)]

535- دس محرم کے روزے کی ابتدا اور مقصد

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو دس محرم کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس کا سبب معلوم کیا تو انہوں نے کہا یہ ایک اچھا دن ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات دی تھی اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے یہ روزہ رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿فأنا أحق بموسى منكم فصامه وأمر بصيامه﴾ ”پھر موسیٰ علیہ السلام کے ہم تم سے زیادہ مستحق ہیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن روزہ رکھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اس کا حکم دیا۔“(۱)

536- یوم عاشورا دس محرم یا نو؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس محرم کا روزہ رکھا اور اس دن روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا تو لوگوں نے کہا یقیناً یہود و نصاریٰ اس دن کی تعظیم کرتے ہیں (اس لیے روزہ رکھتے ہیں)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آئندہ سال انشاء اللہ ﴿صمنا اليوم التاسع﴾ ”ہم نو محرم کا روزہ رکھیں گے۔“ لیکن آئندہ سال (اس دن) سے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے۔(۲)

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿لئن بقيت إلى قابل لأصومن التاسع﴾ ”اگر میں آئندہ سال تک باقی رہا (یعنی زندہ رہا) تو ضرور نو محرم کا روزہ رکھوں گا۔“(۳)

معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس محرم کا روزہ رکھتے تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نو محرم کو یہ روزہ رکھنے کا ارادہ فرمایا۔ لہٰذا یوم عاشورا سے مراد دس محرم ہی ہوا۔

(جمہور) یوم عاشورا سے مراد دس محرم ہی ہے۔ حضرت سعید بن مسیبؒ، حضرت حسن بصریؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام اسحاقؒ اور دیگر بیشتر علما اسی کے قائل ہیں۔(٤)

(ابن عباس رضی اللہ عنہ) یوم عاشورا سے مراد نو محرم ہے۔(٥)

ایک روایت میں ہے کہ ﴿صوموا التاسع والعاشر وخالفوا اليهود﴾ ”نو اور دس محرم کا روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت کرو۔“(٦)

اس روایت کی وجہ سے امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص دس محرم کا روزہ رکھنا چاہتا ہے اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ نو محرم کا بھی روزہ رکھ لے۔(۷)

---

(۱) [بخاری (۲۰۰٤) کتاب الصوم : باب صوم یوم عاشورا' مسلم (۱۱۳۰) أحمد (۲۹۱/۱) أبو داود (۳٤٤٤) ابن ماجة (۱۷۳٤) حمیدی (۵۱۵) دارمی (۲۲/۲) شرح السنة (۱۷۸۲) ابن حبان (۳٦۲۵) ابن خزیمة (۲۰۸٤)]

(۲) [مسلم (۱۱۳٤) کتاب الصیام : باب أی یوم الصیام فی عاشورا' أبو داود (۲٤٤۵)]

(۳) [مسلم (۱۱۳٤) أیضا' ابن ماجة (۱۷۳٦) عبد بن حمید (٦۷۱)]

(٤) [نیل الأوطار (۲۲٤/۳)]

(۵) [مسلم (۱۱۳۳)]

(٦) [بیهقی فی معرفة السنن والآثار (۸۹٦٦)' (۳۵۰/٦) الفتح الربانی (۱۸۹/۱) طحاوی (۷۸/۲) عبدالرزاق (۷۸۳۹) شیخ احمد عبدالرحمٰن البناء نے اس موقوف روایت کی سند کو صحیح کہا ہے۔]

(۷) [السیل الجرار (۱٤۸/۲)]

علاوہ ازیں جس روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا یوم عاشورا کا روزہ رکھ کے یہود کی مخالفت کرو ﴿وصوموا قبله يوما أو بعده يوما﴾ "اور اس سے پہلے ایک دن (یعنی نو محرم) یا اس کے بعد ایک دن (یعنی گیارہ محرم) کا روزہ رکھو۔" وہ ضعیف ہے۔(۱)

(راجح) زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ نو اور دس محرم دونوں کا روزہ رکھا جائے جیسا کہ گذشتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی صحیح موقوف روایت میں موجود ہے لیکن اگر کوئی صرف نو محرم کا روزہ رکھنا چاہے تو درست ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اسی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

(ابن حجرؒ) بعض اہل علم کے بقول صحیح مسلم میں مروی حدیث "کہ آئندہ سال میں زندہ رہا تو نو محرم کا روزہ ضرور رکھوں گا" کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں: ایک تو یہ کہ آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ یوم عاشورا کے روزے کے لیے دس کی بجائے نو کا روزہ مقرر کر دیا جائے اور دوسرا یہ کہ آپ ﷺ دس کے ساتھ نو کا روزہ بھی مقرر فرمانا چاہتے تھے۔ مگر آپ ﷺ کسی بھی صورت کو متعین کرنے سے پہلے وفات پا گئے۔ لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ نو اور دس دونوں کا روزہ رکھا جائے۔(۲)

وَشَعْبَانَ وَالْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ	(مکمل) شعبان کے ❶ اور سوموار اور جمعرات کے ❷ روزے مستحب ہیں۔

❶ (1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿وما رأيته في شهر أكثر منه صياما في شعبان﴾ "میں نے آپ ﷺ کو نہیں دیکھا کہ کسی مہینے میں آپ ﷺ نے شعبان سے زیادہ روزے رکھے ہوں۔"(۳)

(2) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿أن رسول الله ﷺ لم يكن يصوم من السنة شهرا تاما إلا شعبان يصل به رمضان﴾ "رسول اللہ ﷺ شعبان' جس کے ساتھ رمضان متصل ہوتا ہے' کے سوا سال کے کسی مہینے کے مکمل (دنوں میں) روزے نہیں رکھتے تھے۔"(٤)

○ جس روایت میں ہے "رمضان کے بعد سب سے افضل روزے شعبان کے ہیں۔" وہ ضعیف ہے۔(٥)

537- نصف شعبان کے بعد روزے رکھنا ممنوع ہے

جس شخص کی پہلے سے روزے رکھنے کی عادت نہیں ہے وہ نصف شعبان کے بعد روزے نہ رکھے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ﴿إذا انتصف شعبان فلا تصوموا﴾ "جب نصف شعبان ہو جائے تو روزے نہ رکھو۔"(٦)

❷ (1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿أن النبي ﷺ كان يتحرى صيام الإثنين والخميس﴾ "نبی ﷺ

(۱) [أحمد (٢٤١/١) ابن خزيمة (٢٠٩٥) الكامل (٩٥٦/٣) السنن الكبرى للبيهقي (٢٨٧/٤) اس کی سند میں ابن ابی لیلی اور داود بن علی دونوں راوی ضعیف ہیں۔]

(۲) [فتح الباری (٧٧٣/٤)]

(۳) [بخاری (١٩٦٩) كتاب الصيام : باب صوم شعبان ' مسلم (١١٥٦)]

(٤) [**صحيح** : صحيح أبو داود (٢٠٤٨) كتاب الصوم : باب فيمن يصل شعبان برمضان ' أبو داود (٢٣٣٦) ترمذی (٧٣٦) نسائی (٢٠٠/٤) ابن ماجة (١٦٤٨) أحمد (٣١١/٦)]

(٥) [**ضعيف** : ضعيف ترمذی (١٠٤) كتاب الزكاة : باب ماجاء في فضل الصدقة ' إرواء الغليل (٨٨٩) ترمذی (٦٦٣)]

(٦) [**صحيح** : صحيح أبو داود (٢٠٤٩) كتاب الصوم : باب في كراهية في ذلك ' أبو داود (٢٣٣٧) ترمذی (٧٣٨) ابن ماجة (١٦٥١) أحمد (٤٤٢/٢) ابن أبي شيبة (٢١/٣)]

سوموار اور جمعرات کو روزہ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔'' (۱)

(2) ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ سے ان دنوں کے روزے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿أن أعمال العباد تعرض يوم الإثنين والخميس﴾ ''سوموار اور جمعرات کو بندوں کے اعمال (اللہ کے حضور) پیش کیے جاتے ہیں۔'' (۲)

(3) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ﴿تعرض الأعمال كل اثنين وخميس فأحب أن يعرض عملي وأنا صائم﴾ ''ہر سوموار اور جمعرات کو اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور میں پسند کرتا ہوں کہ میرا عمل پیش کیا جائے تو میں روزہ دار ہوں۔'' (۳)

(4) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ سے سوموار کے روزے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿ذلك يوم ولدت فيه وأنزل علي فيه﴾ ''یہ ایسا دن ہے کہ جس میں میں پیدا ہوا اور جس میں مجھ پر نزول قرآن (شروع) ہوا۔'' (٤)

وَأَيَّامِ الْبِيضِ	اور ایام بیض کے روزے رکھنا (مستحب ہے)۔ ❶

❶ (1) حضرت ملحان قیسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں ایام بیض یعنی چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کو روزہ رکھنے کا حکم دیتے تھے اور فرماتے ﴿هن كهيئة الدهر﴾ ''یہ ہمیشہ کے روزوں کی مانند ہیں۔'' (٥)

(2) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اے ابوذر! جب تو مہینے میں تین روزے رکھے تو (چاند کی) تیرہ، چودہ اور پندرہ (تاریخ کو) روزے رکھ۔'' (٦)

(3) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس نے ہر ماہ تین روزے رکھے ﴿فذلك صيام الدهر﴾ ''تو یہ ہمیشہ کے روزوں کی مانند ہوں گے۔'' اور اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق اپنی کتاب میں نازل فرمائی ہے ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾ [الأنعام: ١٦٠] ''یعنی ایک دن دس دنوں کے برابر ہے۔'' (٧)

ایام بیض کا معنی شارع علیہ السلام نے خود ہی متعین فرما دیا ہے یعنی ہر ماہ چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کے دن۔

(جمہور) اسی کے قائل ہیں۔ (٨)

(١) [صحیح: صحیح ابن ماجة (١٤١٤) كتاب الصيام: باب صيام يوم الاثنين والخميس، أحمد (٨٠/٦) ترمذی (٧٤٥) نسائی (١٥٢/٤) ابن حبان (٣٦٤٣) ابن خزيمة (٢١١٦)]

(٢) [صحیح: صحیح أبو داود (٢١٢٨) كتاب الصوم: باب فی صوم الإثنين والخميس، أبو داود (٢٤٣٦)]

(٣) [صحیح: صحیح ترمذی (٥٩٦) كتاب الصوم: باب صوم يوم الإثنين والخميس، أحمد (٢٦٨/٢) ترمذی (٧٤٧) ابن ماجة (١٧٤٠) دارمی (١٧٥٨) ابن حبان (٣٦٤٤) ابن خزيمة (٢١٢٠)]

(٤) [أحمد (٢٩٦/٥) مسلم (١١٦٢) أبو داود (٢٤٢٦) ابن خزيمة (٢١١٧) ابن حبان (٣٦٤٢) بيهقی (٢٨٦/٤) ابن أبی شيبة (٧٨/٣)]

(٥) [صحیح: صحیح أبو داود (٢١٣٩) كتاب الصوم: باب فی صوم الثلاث من كل شهر، أبو داود (٢٤٤٩) مسلم (١١٦٢) نسائی (٢٤٣٢) ابن ماجة (١٧٠٧)]

(٦) [حسن صحیح: صحیح ترمذی (٦٠٨) كتاب الصوم: باب فی صوم ثلاثة من كل شهر، إرواء الغليل (٩٤٧) ترمذی (٧٦١) نسائی (٢٢٢/٤) ابن خزيمة (٢١٢٨) أحمد (١٥٢/٥) عبد الرزاق (٧٨٧٣) بيهقی (٢٩٤/٤)]

(٧) [صحیح: صحیح ترمذی (٦٠٩) أيضا، ترمذی (٧٦٢) أحمد (١٤٥/٥) نسائی (٢١٩/٤) ابن ماجة (١٧٠٨)]

(٨) [شرح مسلم للنووی (٣٠٨/٤) فتح الباری (٧٤٩/٤) نيل الأوطار (٢٣٥/٣)]

وَأَفْضَلُ التَّطَوُّعِ صَوْمُ يَوْمٍ وَإِفْطَارُ يَوْمٍ	سب سے افضل نفلی روزے' ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن چھوڑنا' ہیں۔ ❶

❶ (1) رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے فرمایا ﴿فصم يوما و أفطر يوما فذلك صيام داود عليه السلام وهو أفضل الصيام﴾ ''ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن چھوڑ و یہ داود علیہ السلام کے روزے ہیں اور یہی سب سے افضل روزے ہیں۔'' (یہ سن کر حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا کہ) میں تو اس سے بھی افضل کی طاقت رکھتا ہوں تو نبی ﷺ نے فرمایا ﴿لا أفضل من ذلك﴾ ''اس سے زیادہ افضل کوئی روزے نہیں۔'' (۱)

538- راہِ جہاد میں روزہ رکھنا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ﴿من صام يوما في سبيل الله بعّد الله وجهه عن النار سبعين خريفا﴾ ''جس شخص نے اللہ کی راہ میں ایک دن روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو ستر سال کے لیے جہنم کی آگ سے دور کر دیں گے۔'' (۲)

لفظ **''في سبيل الله''** جب مطلقا بولا جائے تو اس سے مراد راہِ جہاد ہی ہوتا ہے غالباً یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ بھی اس حدیث کو'' **كتاب الجهاد**'' میں لائے ہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ دوران جہاد ایک روزہ رکھنے کا یہ ثواب ہے لیکن اگر روزہ رکھنے سے کمزوری آجائے اور جہاد میں نقصان کا اندیشہ ہو تو پھر روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔

539- ہفتے اور اتوار کا اکٹھا روزہ

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہفتے اور اتوار کو اکثر اوقات روزہ رکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ''یہ دونوں دن مشرکوں کی عید کے دن ہیں اور میں ان کی مخالفت کرنا چاہتا ہوں۔'' (۳)

(۱) [بخاری (۱۹۷۶) کتاب الصوم : باب صوم الدهر' مسلم (۱۱۵۹) أحمد (۱۸۷/۲) ابن خزيمة (۲۱۰٦) ابن حبان (۳۵۷۱) عبد الرزاق (۷۸٦۲) بيهقي (۱٦/۳)]

(۲) [بخاری (۲۸٤۰) کتاب الجهاد والسير : باب فضل الصوم في سبيل الله' مسلم (۱۱۵۳) ترمذی (۱٦۲۳) نسائی (۱۷۲/٤) ابن ماجة (۱۷۱۷) ابن خزيمة (۲۱۱۲) دارمی (۲٤۰٤) عبد بن حميد (۹۷۷)]

(۳) [صحیح : نسائی في الکبری (۱٤٦/۲)' ابن خزيمة (۲۷۷۵) ابن حبان (۲۱٦۷) أحمد (۳٦۱٦) طبرانی کبير (۳۲۳/٦) حاکم (۲۳۸/۲۳) امام ہیثمیؒ نے اس کے رجال کو ثقہ کہا ہے۔[المجمع (٤۳٦/۱)] امام حاکمؒ نے (۱۹۸/۳) اس کی سند کو صحیح کہا ہے جب کہ امام ذہبیؒ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔[التعليق على سبل السلام (۹۰٦/۲)] شیخ صبحی حلاق نے اسے حسن کہا ہے۔[التعليق على سبل السلام (۱۷۵/٤)]

دوسری فصل

جن ایام کے روزے مکروہ ہیں

ہمیشہ روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ ❶	وَيُكْرَهُ صَوْمُ الدَّهْرِ

❶ (1) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ﴿لا صام من صام الأبد﴾ ''جس نے ہمیشہ روزہ رکھا اس نے گویا روزہ ہی نہیں رکھا۔'' (۱)

(2) حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿من صام الأبد فلا صام و لا أفطر﴾ ''جس نے ہمیشہ روزہ رکھا اس نے گویا نہ تو روزہ رکھا اور نہ ہی افطار کیا۔'' (۲)

(3) تین آدمیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کو اپنے لیے کم سمجھا۔ ان میں سے ایک نے کہا ﴿أصوم و لا أفطر﴾ ''میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا' کبھی نہیں چھوڑوں گا.....'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں روزہ رکھتا بھی ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں ﴿فمن رغب عن سنتي فليس مني﴾ ''جس نے میری سنت سے بے رغبتی اختیار کی وہ مجھ سے نہیں۔'' (۳)

جمعہ ❶ اور ہفتہ کا الگ الگ روزہ رکھنا بھی مکروہ ہے۔ ❷	وَإِفْرَادُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَالسَّبْتِ

❶ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا يصوم أحدكم يوم الجمعة إلا يوما قبله أو بعده﴾ ''تم میں سے کوئی بھی بروز جمعہ روزہ نہ رکھے سوائے اس کے کہ اس سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد بھی روزہ رکھے۔'' (٤)

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿لا تخصوا يوم الجمعة بصيام من بين الأيام إلا أن تكون في صوم يصومه أحدكم﴾ ''دوسرے دنوں میں جمعہ کا دن روزے کے لیے خاص نہ کرو الا کہ جمعہ کا دن ایسے دن میں آ جائے کہ اس میں تم میں سے کوئی (پہلے سے ہی) روزہ رکھتا ہو۔'' (٥)

(۱) [بخاری (۱۹۷۹) کتاب الصوم : باب صوم داود ' مسلم (۱۱۵۹) ابن أبي شيبة (۷۸/۳) أحمد (۱٦٤/۲) نسائی (۲۰٦/٤)]

(۲) [صحیح : صحیح ابن ماجة (۱۳۸٤) کتاب الصیام : باب ماجاء فی صیام الدهر' ابن ماجة (۱۷۰۵) أحمد (۲٤/٤) نسائی (۲۰٦/٤) ابن خزیمة (۲۱۵۰) حاکم (٤۳۵/۱)]

(۳) [بخاری (٤۷۷٦_البغا) کتاب النکاح : باب الترغیب فی النکاح ' مسلم (۱٤۰۱)]

(٤) [بخاری (۱۹۷۵) کتاب الصوم : باب صوم یوم الجمعة.....' مسلم (۱۱٤٤)]

(٥) [مسلم (۱۱٤۳) کتاب الصیام : باب کراهة صیام یوم الجمعة منفردا ' نسائی (۱٤۱/۲) بیهقی (۳۰۲/٤)]

(جمہور) ان احادیث میں بروز جمعہ روزے کی ممانعت تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے۔(۱)

بعض لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ جمعے کا دن روزے کے لیے مختص کرنا اس لیے ممنوع ہے کیونکہ جمعے کے دن کو عید کہا گیا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ﴿یوم الجمعة یوم عید کم﴾ ''جمعہ کا دن تمہاری عید کا دن ہے۔''(۲)

اور عید کے دن روزہ رکھنا بالاتفاق ناجائز ہے۔ تاہم جمعہ اور عید میں اتنا فرق ضرور ہے کہ عید کے دن بہر صورت روزہ ممنوع ہے جبکہ جمعہ کے دن کے ساتھ ایک دن پہلے یا بعد میں روزہ رکھنے سے اس دن روزہ رکھنا جائز ہو جاتا ہے۔

❷ حضرت صماء بنت بسر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا تصوموا یوم السبت إلا فیما افترض علیکم﴾ ''ہفتے کے دن روزہ نہ رکھو سوائے فرض روزے کے۔'' پس اگر تم میں سے کوئی انگور کا چھلکا یا کسی درخت کا تنکا پائے تو چاہیے کہ (ہفتے کا روزہ توڑنے کے لیے) اسی کو کھالے۔(۳)

واضح رہے کہ ممانعت صرف اس صورت میں ہے کہ جب اکیلا ہفتے کا روزہ رکھا جائے لیکن جب اس کے ساتھ ایک اور روزہ ملا لیا جائے تو جائز ہے۔(٤)

(۱) [المجموع (٦/٤٣٨ ـ ٤٣٩)]

(۲) [أحمد (٢/٥٣٢)]

(۳) [**صحیح** : صحیح أبو داود (٢١١٦) کتاب الصوم : باب النهي أن یخص یوم السبت بصوم ' ترمذی (٧٤٤) ابن ماجة (٧٢٦) دارمی (٢/١٩) شرح معاني الآثار (٢/٨٠) ابن خزیمة (٢١٦٢) بیهقی (٤/٣٠٢)]

(٤) [ابن خزیمة (٢١٦٧) أحمد (٣٢٣/٦)]

تیسری فصل

جن ایام کا روزہ حرام ہے

وَيَحْرُمُ صَوْمُ الْعِيدَيْنِ وَأَيَّامِ التَّشْرِيقِ وَاسْتِقْبَالِ رَمَضَانَ بِيَوْمٍ أَوْيَوْمَيْنِ	عیدین ❶ ایام تشریق ❷ اور رمضان کے استقبال کے لیے ایک یا دو دن پہلے روزے رکھنا ❸ حرام ہے۔

❶ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿نهى رسول الله عن صوم يوم الفطر والنحر﴾ ''رسول اللہ ﷺ نے عید الفطر اور عید الأضحیٰ کے روزے سے منع فرمایا ہے۔'' (۱)

اس مسئلے پر علماء کا اجماع ہے۔(۲)

(جمہور، شافعیؒ) عیدین کے دنوں میں روزے کی نذر منعقد نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کی قضا لازم ہے۔

(ابو حنیفہؒ) نذر منعقد ہو جاتی ہے اور ان دنوں کی قضا بھی لازم ہے لہٰذا اگر کوئی ان دنوں میں نذر کا روزہ رکھ لے تو درست ہے۔(۳)

❷ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے کہا ﴿كل فهذه الأيام التي كان رسول الله ﷺ يامرنا بإفطارها وينهانا عن صيامها، قال مالك وهي أيام التشريق﴾ ''کھاؤ' ان دنوں میں رسول اللہ ﷺ ہمیں روزہ چھوڑنے کا حکم دیا کرتے تھے اور روزہ رکھنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ان دنوں سے مراد ایام تشریق (یعنی گیارہ' بارہ اور تیرہ ذوالحجہ کے دن) ہیں۔'' (٤)

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿أيام التشريق أيام أكل وشرب﴾ ''ایام تشریق کھانے پینے کے دن ہیں۔'' (٥)

(ابن حزمؒ) ایام تشریق میں روزے جائز نہیں۔(٦)

❸ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ﴿لا يتقدمن أحدكم رمضان بصوم يوم أو يومين إلا أن يكون رجل كان يصوم صوما فليصم ذلك اليوم﴾ ''تم میں سے کوئی شخص رمضان سے پہلے (شعبان کی آخری تاریخوں میں) ایک یا دو دن کے روزے نہ رکھے البتہ اگر کسی کو ان میں روزے رکھنے کی عادت ہو تو

(۱) [بخاري (۱۹۹۱) كتاب الصوم : باب صوم يوم الفطر، مسلم (۸۲۷) أحمد (۳٤/۳) شرح السنة (٤٥١) ابن ماجة (۱۷۲۱)]

(۲) [شرح مسلم للنووي (۲۷۱/٤) نيل الأوطار (۲٤٦/۳)]

(۳) [المغني (۳۹۸/٤) الحاوي (٤٥٥/۳) الأم (۱٤٤/۲) بدائع الصنائع (۷۸/۲) نيل الأوطار (۲٤٦/۳)]

(٤) [صحيح : صحيح أبو داود (۲۱۱۳) كتاب الصيام : باب صيام أيام التشريق، أبو داود (۲٤۱۸) أحمد (۱۹۷/٤) دارمي (۲٤/۲) حاكم (٤۳٥/۱) بيهقي (۲۹۷/٤) ابن خزيمة (۲۱٤۹)]

(٥) [مسلم (۱۱٤۱) أبو داود (۲۸۱۳) نسائي (۱۷۰/۷) أحمد (۷٥/٥) طحاوي (۲٤٥/۲) بيهقي (۲۹۷/٤)]

(٦) [المحلى بالآثار (٤٥۱/٤)]

اس دن بھی روزہ رکھ سکتا ہے۔'' (۱)

اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے ﴿إذا انتصف شعبان فلا تصوموا﴾ ''جب شعبان نصف ہو جائے تو تم روزے نہ رکھو۔'' (۲)

540- خاوند کی اجازت کے بغیر بیوی نفلی روزہ نہ رکھے

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا يحل للمرأة تصوم وزوجها شاهد إلا بإذنه﴾ ''کسی عورت کے لیے حلال نہیں کہ وہ روزے رکھے جبکہ اس کا خاوند گھر میں ہو الا کہ شوہر اس کی اجازت دے۔''

سنن ابی داود کی روایت میں یہ لفظ زائد ہیں ﴿في غير رمضان﴾ ''رمضان کے علاوہ اور دنوں میں۔'' (۳)

541- نفلی روزہ انسان جب چاہے افطار کر سکتا ہے

(1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے اور کہا کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ ہم نے کہا ''نہیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں تو پھر روزہ دار ہوں۔'' پھر ایک دوسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے تو میں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں حلوہ بطور ہدیہ دیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے بھی دکھاؤ۔ بے شک میں نے روزے کی حالت میں صبح کی ہے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حلوہ) کھا لیا۔'' (٤)

(2) حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے کہا کہ روزہ کھول دو...... (اس قصے کے آخر میں ہے کہ) انہوں نے یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿صدق سلمان﴾ ''سلمان نے سچ کہا ہے۔'' (٥)

(۱) [بخاری (۱۹۱٤) کتاب الصوم : باب لایتقدم من رمضان بصوم یوم ولا یومین ' مسلم (۱۰۸۲) أبو داود (۲۳۳٥) ترمذی (٦٨٤) نسائی (٤/١٤٩) ابن ماجة (١٦٥٠) أحمد (٢/٢٣٤)]

(۲) [صحیح : صحیح أبو داود (٢٠٤٩) کتاب الصوم : باب فی کراهیة ذلك ' ترمذی (٧٣٨) ابن ماجة (١٦٥١) أحمد (٢/٤٤٢) عبد الرزاق (٧٣٢٥) دارمی (٢/١٧) ابن حبان (٣٥٨٩) شرح معانی الآثار (٢/٨٢)]

(۳) [بخاری (٥١٩٥) کتاب النکاح : باب لاتاذن المرأة فی بیت زوجها لأحد إلا باذنه' أبو داود (٢٤٥٨) مسلم (١٠٢٦) أحمد (٢/٣١٦) بیهقی (٤/١٩٢) عبدالرزاق (٧٨٨٦)]

(٤) [مسلم (١١٥٤) کتاب الصیام : باب جواز صوم النافلة بنیة من النهار......' أحمد (٦/٢٠٧) أبو داود (٢٤٥٥) ترمذی (٧٣٤) نسائی (٤/١٩٤) دار قطنی (٢/١٧٢) بیهقی (٤/٢٧٥) عبد الرزاق (٧٧٩٣)]

(٥) [بخاری (١٩٦٨' ٦١٣٩) کتاب الصوم : باب من أقسم علی أخیه لیفطر فی التطوع......' ترمذی (٢٤١٣)]

باب الاعتکاف ❶ — اعتکاف کے مسائل

يُشْرَعُ وَيَصِحُّ كُلَّ وَقْتٍ فِي الْمَسَاجِدِ	اعتکاف مشروع ہے ❷ اور مساجد میں کسی بھی وقت درست ہے۔ ❸

❶ **لغوی وضاحت:** لفظ اعتکاف باب اِعْتَكَفَ يَعْتَكِفُ (افتعال) سے مصدر ہے۔ اس کا معنی ''بند رہنا' رکے رہنا اور کسی چیز کو لازم پکڑ لینا'' مستعمل ہے جیسا کہ قرآن میں ہے کہ ﴿مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ﴾ [الأنبياء : ٥٦] ''یہ مورتیاں جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو کیا ہیں؟''

ایک اور آیت میں ہے کہ ﴿يَعْكُفُونَ عَلٰى أَصْنَامٍ لَهُمْ﴾ [الأعراف :١٣٨] ''وہ لوگ اپنے چند بتوں کے پاس بیٹھے تھے۔''(١)

شرعی تعریف: ایک خاص کیفیت سے کسی شخص کا خود کو مسجد میں روک لینا۔(٢)

❷ (1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿أن النبي ﷺ كان يعتكف العشر الأواخر من رمضان حتى توفاه الله ثم اعتكف أزواجه من بعده﴾ ''نبی ﷺ رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف کرتے حتی کہ آپ ﷺ وفات پا گئے پھر آپ ﷺ کی بیویاں اعتکاف کرتیں۔''(٣)

(2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ﴿كان رسول الله يعتكف العشر الأواخر من رمضان﴾ ''رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف کیا کرتے تھے۔''(٤)

واضح رہے کہ اعتکاف سنت ہے لیکن اگر کوئی شخص اسے نذر کے ذریعے اپنے اوپر لازم کر لے تو پھر یہ واجب ہو جائے گا۔ امام ابن منذرؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔(٥)

❸ کیونکہ شارع علیہ السلام نے اسے کسی معین وقت کے ساتھ خاص نہیں کیا اور ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے دریافت کرنے کی غرض سے کہا ''میں نے جاہلیت میں نظر مانی تھی کہ میں مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کروں گا۔'' تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿فأوف بنذرك﴾ ''تم اپنی نذر پوری کرو۔''(٦)

542- اعتکاف کے لیے روزہ شرط نہیں

جیسا کہ گذشتہ حدیث اس پر شاہد ہے کیونکہ رات کو روزہ نہیں رکھا جاتا۔

---

(١) [القاموس المحيط (ص ٧٥٠) المنجد (ص/٥٧٥)]

(٢) [سبل السلام (٩٠٩/٢)]

(٣) [بخاري (٢٠٢٦) كتاب الاعتكاف : باب الاعتكاف في العشر الأواخر' مسلم (١١٧٢) أبو داود (٢٤٦٢) ترمذي (٧٩٠) أحمد (٩٢/٦) ابن خزيمة (٢٢٢٣) ابن حبان (٣٦٦٥)]

(٤) [بخاري (٢٠٢٥) أيضا' مسلم (١١٧١) أبو داود (٢٤٦٥) ابن ماجة (١٧٧٣) أحمد (٦٢/٣)]

(٥) [المغني ابن قدامة (٤٥٦/٤)]

(٦) [بخاري (٢٠٣٢) كتاب الاعتكاف : باب الاعتكاف ليلا' مسلم (١٦٥٦) ترمذي (١٥٣٩) أبو داود (٣٣٢٥) أحمد (٢٧/١) دار قطني (١٩٨/٢) بيهقي (٧٦/١٠)]

(شافعیؒ، احمدؒ) اسی کے قائل ہیں۔

(ابن قدامہؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔

(مالکؒ، ابوحنیفہؒ) اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہے۔(۱)

(ابن قیمؒ) راجح یہ ہے کہ روزہ شرط ہے۔(۲)

(راجح) روزے کے بغیر اعتکاف جائز ہے لیکن روزے کے ساتھ افضل ہے۔(۳)

(شوکانیؒ) امام شافعیؒ کا قول برحق ہے۔(٤)

(صدیق حسن خانؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٥)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی جس روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿ولا اعتكاف إلا بصوم﴾ ''روزے کے بغیر کوئی اعتکاف نہیں۔''(٦)

علماء کے نزدیک زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر موقوف ہے۔(۷)

543- حالت کفر میں مانی گئی نذر حالت اسلام میں پوری کی جائے گی

جیسا کہ گذشتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کا ثبوت ہے۔

544- اعتکاف صرف مساجد میں ہی کیا جاسکتا ہے

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ﴾ [البقرة : ۱۸۷] ''اور تم مساجد میں اعتکاف کرنے والے ہو۔'' اس آیت میں اعتکاف کے لیے صرف مساجد کا ہی ذکر کیا گیا ہے۔

(2) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی معمول تھا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ ایام ماہواری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگ نکالا کرتی تھیں ﴿وهو معتكف في المسجد﴾ ''اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اعتکاف بیٹھے ہوتے۔''(۸)

(3) حضرت نافعؒ بیان کرتے ہیں کہ ''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھے مسجد کی وہ جگہ دکھائی جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کرتے تھے۔''(۹)

---

(۱) [الأم (۱٤۸/۲) الحاوی (٤۸٦/۳) الهداية (۱۳۲/۱) المبسوط (۱۱٥/۳) بداية المجتهد (۲۲۰/۱)]

(۲) [نيل الأوطار (۲٥٥/۳)]

(۳) [اللباب فی علوم الكتاب "تفسير القرآن" (۳۱۹/۳)]

(٤) [نيل الأوطار (۲٥٥/۳)]

(٥) [الروضة الندية (٥۷۳/۱)]

(٦) [حسن صحيح : صحيح أبو داود (۲۱٦۰) كتاب الصيام : باب المعتكف يعود المريض ، أبو داود (۲٤۷۳)]

(۷) [الروضة الندية (٥۷۲/۱)]

(۸) [بخاری (۲۰۲۹ ، ۲۰٤٦) كتاب الاعتكاف : باب لايدخل البيت إلالحاجة ، مسلم (۲۹۷) أبو داود (۲٤٦۸) ابن ماجة (۱۷۷٦) أحمد (۸۱/٦) ابن خزيمة (۲۲۳۱) ابن حبان (۳٦٦۹)]

(۹) [صحيح : صحيح أبو داود (۲۱٥٤) كتاب الصوم : باب أين يكون الاعتكاف ، أبو داود (۲٤٦٥) ابن ماجة (۱۷۷۳)]

(علی رضی اللہ عنہ) اعتکاف صرف مسجد حرام اور مسجد نبوی میں جائز ہے۔(۱)

(حذیفہ رضی اللہ عنہ) ان دونوں مساجد اور مسجد بیت المقدس میں جائز ہے۔(۲)

(زہریؒ) صرف جامع مسجد میں جائز ہے۔(۳)

(ابوحنیفہؒ) صرف اس مسجد میں جائز ہے جہاں امام اور مؤذن مقرر ہو۔ علاوہ ازیں خواتین گھر میں نماز کی جگہ بھی اعتکاف کر سکتی ہیں۔

(شافعیؒ، احمدؒ) اعتکاف تمام مساجد میں جائز ہے لیکن جامع مسجد میں افضل ہے۔

(ابن حجرؒ) علماء کا اتفاق ہے کہ اعتکاف کے لیے مسجد شرط ہے (سوائے محمد بن عمر بن لبابہ مالکی کے' اس نے ہر جگہ جائز قرار دیا ہے۔

(جمہور) اعتکاف تمام مساجد میں جائز ہے۔(٤)

(راجح) جمہور کا موقف راجح ہے۔

(بخاریؒ) تمام مساجد میں درست ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ﴾ [البقرة : ۱۸۷] ''عورتوں سے اس وقت مباشرت مت کرو جب تم مسجدوں میں اعتکاف میں ہو۔''(٥)

○ خواتین بھی مساجد میں ہی اعتکاف کریں گی۔

(شافعیؒ احمدؒ) یہی موقف رکھتے ہیں۔(٦)

وَهُوَ فِي رَمَضَانَ آكَدُ سِيَّمَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْهُ	یہ رمضان میں زیادہ موکد ہے بالخصوص آخری دس دنوں میں۔ ❶

❶ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ہمیشہ یہی معمول تھا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿أن النبي ﷺ كان يعتكف العشر الأواخر من رمضان حتى تو فاه الله﴾ ''نبی ﷺ رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف کرتے تھے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فوت کر دیا۔''(٧)

وَيُسْتَحَبُّ الْاِجْتِهَادُ فِي الْعَمَلِ فِيهَا وَقِيَامُ لَيَالِي الْقَدْرِ	ان دنوں میں اعمال کے لیے کوشش کرنا ❶ اور قدر کی راتوں میں نوافل پڑھنا مستحب ہے۔ ❷

❶ (1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿كان رسول الله إذا دخل العشر (أي العشر الأخيرة من رمضان) شد مئزره وأحيا ليله وأيقظ أهله﴾ ''جب رمضان کا آخری دھا کہ شروع ہو جاتا تو رسول اللہ ﷺ اپنی کمر کس

(۱) [اللباب في علوم الكتاب "تفسير القرآن" (۳۱۹/۳)]

(۲) [تفسير الرازى (۱۹۷/۵)]

(۳) [أيضا]

(٤) [نيل الأوطار (۲۵۵/۳) فتح الباری (۸۰٦/٤) اللباب في علوم الكتاب "تفسير القرآن" (۳۱۹/۳)]

(٥) [بخاری (قبل الحديث/۲۰۲٥) كتاب الاعتكاف : باب الاعتكاف في العشر الأواخر]

(٦) [المغنى (٤٦٤/٤)]

(٧) [بخارى (۲۰۲٦) كتاب الاعتكاف : باب الاعتكاف في العشر الأواخر' مسلم (۱۱۷۲) أبو داود (۲٤٦۲) ترمذى (۷۹۰) أحمد (۹۲/٦) عبد الرزاق (۷٦۸۲) ابن خزيمة (۲۲۲۳) دار قطنى (۲۰۱/۲)]

لیتے' رات بھر جاگتے رہتے اور اپنی بیویوں کو بھی جگاتے۔'' (۱)

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿كان النبي ﷺ يجتهد في العشر الأواخر مالا يجتهد في غيره﴾ ''نبی ﷺ آخری عشرے میں اتنی محنت کرتے کہ جتنی دوسرے دنوں میں نہ کرتے۔'' (۲)

❷ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ﴿من قام ليلة القدر إيمانا واحتسابا غفر له ماتقدم من ذنبه﴾ ''جو شخص ایمان اور ثواب کی نیت سے شب قدر کا قیام کرتا ہے۔ اس کے پہلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔'' (۳)

علاوہ ازیں قرآن میں شب قدر کی فضیلت یوں بیان کی گئی ہے ﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ...... حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾ [القدر: ۳ تا ۵] ''شب قدر کی عبادت ایک ہزار مہینوں (کی عبادت) سے بہتر ہے۔ اس (میں ہر کام) سر انجام دینے کو اپنے رب کے حکم سے فرشتے اور روح (جبرئیل علیہ السلام) اترتے ہیں۔ یہ رات سراسر سلامتی کی ہوتی ہے اور فجر طلوع ہونے تک رہتی ہے۔''

545- قدر کی رات کونسی ہے؟

اس میں بے حد اختلاف ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے متعلق حافظ ابن حجرؒ نے چالیس (40) اور امام شوکانیؒ نے پینتالیس (45) اقوال نقل فرمائے ہیں۔ (٤)

ان سب میں راجح اور قوی تر قول یہ ہے کہ شب قدر آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے ایک ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿تحروا ليلة القدر في الوتر من العشر الأواخر من رمضان﴾ ''شب قدر رمضان کے آخری دھاکے کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔'' (٥)

(ابن حجرؒ، شوکانیؒ) انہوں نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ (٦)

لیکن جمہور کے نزدیک شب قدر ستائیسویں رات ہے۔ (٧)

ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے شب قدر کے متعلق فرمایا ﴿ليلة سبع وعشرين﴾ ''یہ ستائیس کی رات ہے۔'' (٨)

---

(۱) [بخاری (۲۰۲٤) کتاب فضل ليلة القدر : باب العمل في العشر الأواخر من رمضان ' مسلم (۱۱۷٤) أبو داود (۱۳۷٦) نسائی (۲۱۷/۳) ابن ماجة (۱۷٦٨) ابن خزيمة (۲۲۱٤) شرح السنة (۱۸۲۳)]

(۲) [**صحيح** : صحیح ابن ماجة (۱٤۳۰) كتاب الصوم : باب في فضل العشر الأواخر من شهر رمضان ' الصحيحة (۲۱۲۳) ابن ماجة (۱۷٦۷)]

(۳) [بخاری (۲۰۱٤) كتاب فضل ليلة القدر: باب فضل ليلة القدر ' مسلم (۷٦۰) نسائی في الكبرى كما في تحفة الأشراف (۱۳۷۳۰/۱۰) أحمد (۲۸۱/۲) ترمذی (۸۰۸) ابن ماجة (۱۳۲٦)]

(٤) [فتح الباري (۷۹٤/٤ـ ۷۹۹) نيل الأوطار (۲٦۳/۳ـ ۲٦٦)]

(٥) [بخاری (۲۰۱۷) كتاب فضل ليلة القدر : باب تحری ليلة القدر في الوتر من العشر الأواخر ' مسلم (۱۱۲۹) ترمذی (۷۹۲) مؤطا (۳۱۹/۱) أحمد (٥۰/٦) ابن أبي شيبة (۹٥۲٥) بيهقی (۳۰۷/٤)]

(٦) [فتح الباري (۷۹٥/٤) نيل الأوطار (۲۷۱/۳)]

(٧) [سبل السلام (۹۱٥/۲)]

(٨) [**صحيح** : صحيح أبو داود (۱۲۳٦) كتاب الصلاة : باب من قال: سبع وعشرون ' أبو داود (۱۳۸٦)]

یاد رہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔(۱)

علاوہ ازیں ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ﴿فمن كان متحريها فليتحرها في السبع الأواخر﴾ ”جو اسے تلاش کرنے کا خواہش مند ہو وہ اسے آخری سات (راتوں) میں تلاش کرے۔“(۲)

یہ اور اس طرح کی دیگر تمام احادیث میں شب قدر کے تعین کا ذکر اس لیے ہے کیونکہ اس سال وہ رات شب قدر تھی لہذا وہی رات بتلا دی گئی۔ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ ہمیشہ وہی رات شب قدر ہو گی۔

546- شب قدر نا معلوم ہونے کا سبب

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں شب قدر کی خبر دینے کے لیے تشریف لا رہے تھے کہ دو مسلمان آپس میں جھگڑا کرنے لگے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا ﴿خرجت لأخبركم بليلة القدر فتلاحى فلان وفلان فرفعت﴾ ”میں آیا تھا کہ تمہیں شب قدر بتا دوں لیکن فلاں اور فلاں نے آپس میں جھگڑا کر لیا پس اس کا علم اٹھا لیا گیا۔“ اور امید ہے کہ تمہارے حق میں یہی بہتر ہوگا۔(۳)

547- شب قدر کی علامات

(1) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”شب قدر کی صبح کو سورج کے بلند ہونے تک اس کی شعاع نہیں ہوتی۔ وہ ایسے ہوتا ہے جیسے تھالی۔“(٤)

(2) نبی ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے کون اسے (یعنی شب قدر کو) یاد رکھتا ہے (اس میں) جب چاند نکلتا ہے تو ایسے ہوتا ہے جیسے بڑے تھال کا کنارہ۔“(٥)

(3) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”شب قدر آسان اور معتدل رات ہے جس میں نہ گرمی ہوتی ہے اور نہ سردی۔ اس صبح کا سورج اس طرح طلوع ہوتا ہے کہ اس کی سرخی مدھم ہوتی ہے۔“(٦)

548- شب قدر کی مخصوص دعا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ یہ شب قدر ہے تو میں کیا پڑھوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ دعا پڑھو ﴿اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنَّا﴾ ”اے اللہ تعالیٰ تو بہت معاف کرنے والا ہے، معاف کرنا تجھے پسند ہے، پس تو مجھے معاف فرما دے۔“(٧)

---

(۱) [بلوغ المرام (٥٧٦)]

(۲) [بخاری (٢٠١٥) كتاب فضل ليلة القدر : باب التماس ليلة القدر فى السبع الأواخر، مسلم (١١٦٥) مؤطا (٣٢١/١) أحمد (١٧/٢) عبد الرزاق (٧٦٨٨) ابن خزيمة (٢١٨٢)]

(۳) [بخاری (٢٠٢٣) كتاب فضل ليلة القدر : باب رفع معرفة ليلة القدر لتلاحى الناس]

(٤) [مسلم (٧٦٢) كتاب صلاة المسافرين وقصرها : باب الترغيب فى قيام رمضان وهو التراويح]

(٥) [مسلم (١١٧٠) كتاب الصيام : باب فضل ليلة القدر......]

(٦) [**حسن** : مسند بزار (٤٨٦/٦) ابن خزيمة (٢٣١/٣) شیخ سلیم ہلالی نے اسے حسن کہا ہے۔[صفة صوم النبى (ص/٩٠)]

(٧) [**صحيح** : صحيح ابن ماجة (٣١٠٥) ترمذى (٣٥١٣) كتاب الدعوات : باب فى فضل سؤال العافية والمعافاة، ابن ماجة (٣٨٥٠) نسائى فى الكبرى (٢١٨/٦) أحمد (١٧١/٦) المشكاة (٢٠٩١)]

وَلَا يَخْرُجُ الْمُعْتَكِفُ إِلَّا لِحَاجَةٍ	اعتکاف بیٹھنے والا کسی سخت حاجت کے وقت ہی باہر نکل سکتا ہے۔ ❶

❶ (1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بیان کرتی ہیں کہ ﴿كان لا يدخل البيت إلا لحاجة إذا كان معتكفا﴾ ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف میں بیٹھے ہوتے تو کسی (سخت) حاجت کے بغیر گھر میں داخل نہ ہوتے۔“ (۱)

(2) جب دوران اعتکاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں گھر چھوڑنے گئے۔ (۲)

اسی طرح اگر کوئی بندوبست نہ ہو سکے تو انسان اپنی استعمال کی ضروری اشیاء بھی گھر سے لا سکتا ہے۔

(3) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اعتکاف کرنے والے پر یہ سنت ہے ﴿لا يخرج لحاجة إلا لما لا بد له منه﴾ ”کہ سوائے کسی ضروری حاجت کے مسجد سے نہ نکلے۔“ (۳)

متفرقات

549- اعتکاف کرنے والا معتکف میں کب داخل ہو؟

بیس (20) رمضان المبارک کی شام کو اعتکاف کرنے والا مسجد میں پہنچ جائے اور اگلے روز صبح فجر کے بعد اعتکاف کی جگہ میں داخل ہو جائے۔

(جمہور، ائمہ اربعہ) اسی کے قائل ہیں۔ (٤)

اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف کرتے۔ (٥)

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف کا ارادہ فرماتے ﴿صلى الفجر ثم دخل معتكفه﴾ ”تو نماز فجر ادا فرما کر اپنی اعتکاف کی جگہ میں داخل ہو جاتے۔“ (٦)

---

(۱) [بخاری (۲۰۲۹) کتاب الاعتکاف : باب لا يدخل البيت إلا لحاجة ' مسلم (۲۹۷) أبو داود (۲٤٦٨) ابن ماجة (۱۷۷٦) ابن خزيمة (۲۲۳۱) ابن حبان (۳٦٦۹) بيهقى (۳۲۰/٤)]

(۲) [بخاری (۲۰۳٥، ۲۰۳۸) کتاب الاعتکاف : باب هل يخرج المعتكف لحوائجه إلى باب المسجد ' مسلم (۲۱۷٥) أبو داود (۲٤۷۰) ابن ماجة (۱۷۷۹) أحمد (۳۳۷/٦) دارمی (۲۷/۲) ابن خزيمة (۲۲۳۳)]

(۳) [حسن صحيح : صحيح أبو داود (۲۱٦۰) كتاب الصوم : باب المعتكف يعود المريض ' أبو داود (۲٤۷۳) بيهقى (۳۲۱/٤)]

(٤) [تحفة الأحوذى (٥٨٤/۳) فيض القدير (۹٦/٥) فتح البارى (۳۲۳/٤)]

(٥) [بخارى (٤۹۹۸) كتاب فضائل القرآن : باب كان جبريل يعرض القرآن على النبى ' ترمذى (۷۹۰) أبو داود (۲٤٦٦)]

(٦) [ترمذى (۷۹۱) كتاب الصوم : باب ماجاء فى الاعتكاف ' بخارى (۲۰۳۳) مسلم (۱۱۷۲) أبو داود (۲٤٦٤) ابن ماجة (۱۷۷۱)]

550- اعتکاف کی کم از کم مدت

اعتکاف کی کم از کم کوئی مدت متعین نہیں۔(۱)
(شوکانیؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(۲)

551- اعتکاف کی جگہ میں چارپائی اور بستر بھی رکھا جا سکتا ہے

جیسا کہ سنن ابن ماجہ کی ایک روایت میں نبی ﷺ کا یہی عمل موجود ہے۔(۳)

552- بیوی کا مسجد میں آنا' شوہر کے سر میں کنگھی کرنا

اور اس کا سر دھونا درست ہے جیسا کہ دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی زیارت کے لیے مسجد میں تشریف لائیں۔(٤)
(2) نبی ﷺ اعتکاف میں ہوتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے بالوں میں کنگھی کیا کرتی تھیں۔(٥)
(3) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایام ماہواری میں نبی ﷺ کا سر دھویا کرتی تھیں جبکہ آپ ﷺ اعتکاف میں ہوتے۔(٦)

553- اعتکاف کرنے والا بغیر شہوت کے بیوی کو چھو سکتا ہے

جیسا کہ گذشتہ احادیث اس کا واضح ثبوت ہیں۔

554- خواتین بھی اعتکاف بیٹھ سکتی ہیں (۷)

گذشتہ صفحات میں تفصیل سے یہ مسئلہ ذکر کیا جا چکا ہے۔ یاد رہے کہ عورتوں کے لیے گھروں میں اعتکاف بیٹھنے کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں۔

555- کیا استحاضہ کی بیماری میں مبتلا خواتین اعتکاف بیٹھ سکتی ہے؟

ایسی عورت کے لیے اعتکاف بیٹھنا درست ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کی بیویوں میں سے ایک خاتون (حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا) نے' جو کہ مستحاضہ تھیں' اعتکاف کیا۔ وہ سرخی اور زردی (یعنی استحاضہ کا خون) دیکھتی تھیں۔ اکثر ہم کوئی برتن ان کے نیچے رکھ دیتے اور وہ نماز پڑھتی رہتیں۔(۸)

(۱) [اللباب فی علوم الکتاب "تفسیر القرآن" (۳۲۰/۳)]
(۲) [السیل الجرار (۱۳٦/۲)]
(۳) [**ضعیف** : ضعیف ابن ماجة (۳۹۲) کتاب الصیام : باب فی المعتکف یلزم مکانا من المسجد ' ابن ماجة (۱۷۷٤) ابن خزیمة (۲۳۳٦)] حافظ بوصیریؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[الزوائد (۲٤۳/۲)]
(٤) [بخاری (۲۰۳۸) کتاب الاعتکاف : باب زیارة المرأة زوجها فی اعتکافه]
(٥) [بخاری (۲۰۲۹) کتاب الاعتکاف : باب یدخل البیت إلا لحاجة ' مسلم (۲۹۷)]
(٦) [بخاری (۲۰۳۱) کتاب الاعتکاف : باب غسل المعتکف]
(۷) [المغنی (٤٦٤/٤)]
(۸) [بخاری (۲۰۳۷) کتاب الاعتکاف : باب اعتکاف المستحاضه]

556- دوران اعتکاف ممنوع افعال

(1) کبائر کا ارتکاب:

(قرطبیؒ) اگر اعتکاف کرنے والا کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے گا تو اس کا اعتکاف باطل ہو جائے گا کیونکہ کبیرہ گناہ عبادت کی ضد ہے جیسا کہ حدث طہارت اور نماز کی ضد ہے۔(۱)

(2) جماع و ہم بستری کرنا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ﴾ [البقرة : ۱۸۷] ”تم ایسی حالت میں مباشرت نہ کرو کہ تم مسجدوں میں اعتکاف کرنے والے ہو۔“

(3) بغیر ضرورت کے مسجد سے باہر نکلنا:

جیسا کہ گذشتہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ ﴿ولا یخرج لحاجة إلا لما لا بد منه﴾ ”اعتکاف کرنے والا کسی ضرورت کے لیے (مسجد سے) باہر نہ نکلے اِلا کہ جس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو۔“(۲)

(ابن قدامہؒ) اگر جان بوجھ کر بغیر کسی سخت ضرورت کے مسجد سے باہر نکلے گا تو اعتکاف باطل ہو جائے گا اِلا کہ اس نے شرط لگائی ہو یا بھول جائے۔(۳)

(4) مریض کی عیادت اور جنازے میں شرکت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ”اعتکاف کرنے والے کے لیے سنت ہے کہ وہ نہ کسی مریض کی عیادت کرے' نہ جنازے میں شرکت کرے' نہ عورت کو چھوئے اور نہ ہی اس سے مباشرت کرے۔“(٤)

(5) عورت کا ایام ماہواری میں اعتکاف:

کیونکہ حائضہ عورت کے لیے مسجد میں ٹھہرنا جائز نہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ﴿إني لا أحل المسجد لحائض ولا جنب﴾ ”بیشک میں حائضہ اور جنبی کے لیے مسجد حلال نہیں کرتا۔“(٥)

(ابن قدامہؒ) اس لیے عورت کو ایام ماہواری کی ابتدا ہوتے ہی مسجد سے نکل جانا چاہیے۔(٦)

(6) شوہر کی اجازت کے بغیر اعتکاف:

(ابن قدامہؒ) عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اعتکاف نہ کرے اور نہ ہی کوئی مملوک (غلام' لونڈی وغیرہ) اپنے مالک کی اجازت کے بغیر اعتکاف کرے۔(٧)

---

(۱) [تفسیر قرطبی (۲/۲۲٤)]

(۲) [أبو داود (۲٤۷۳)]

(۳) [المغنی (٤/٤۷۲)]

(٤) [حسن صحیح : صحیح أبو داود (۲۱٦۰) کتاب الصوم : باب المعتکف یعود المریض' أبو داود (۲٤۷۳)]

(٥) [ضعیف : ضعیف أبو داود (٤۰) کتاب الطهارة : باب في الجنب یدخل المسجد' إرواء الغلیل (۱۹۳) أبو داود (۲۳۲) بیهقی (۲/٤٤۲)] شیخ حازم علی قاضی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔[التعلیق علی سبل السلام (۱/۲۰۱)] امام ابن خزیمہؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے نقل فرمایا ہے۔[بلوغ المرام (۱۲۱)]

(٦) [المغنی (٤/٤۸۷)]

(٧) [المغنی (٤/٤۸٥)]

فقہ الحدیث

- یہ کتاب امام شوکانیؒ کی فقہی مسائل پر مبنی جامع کتاب (الدرالبہیہ) کی اردو زبان میں سہل و آسان انداز میں لکھی گئی شرح ہے جس میں الفاظ کی لغوی و اصطلاحی تشریح، مذاہب فقہا اور دلیل کی رو سے راجح موقف کی نشاندہی کی گئی ہے اسے ہمارے ارشد تلامذہ میں سے **حافظ عمران ایوب لاہوری سلمہ اللہ** نے بڑے ہی سلجھے ہوئے فقیہانہ انداز میں مرتب کیا ہے۔ اور اس بے جا تاثر پھیلانے والوں کی بھی نفی کر دی ہے کہ کتاب و سنت کے پیروکار فقہی مسائل و معاملات کی صحیح سمجھ و بصیرت نہیں رکھتے ہیں۔
- احادیث کی تحقیق کے لئے سب سے زیادہ اعتماد علامہ ناصر الدین البانیؒ کی تحقیق پر کیا گیا ہے۔ علامہ البانی کی تحقیق کے علاوہ جن دیگر علماء محققین کی تحقیق سے استفادہ کیا گیا ہے ان میں امام نوویؒ، حافظ ابن حجرؒ، امام ہیثمی، امام حاکم، ذہبیؒ، حافظ بوصیریؒ اور عصر حاضر کے شیخ شعیب اَرنووط، شیخ عبدالقادر ارنوط، شیخ محمد صبحی حسن خلاق، شیخ علی محمد معوض، شیخ عادل عبدالموجود اور شیخ حازم علی قاضی وغیرہ شامل ہیں۔
- احادیث کی تخریج کے لئے معیاری نمبرنگ کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔
- مسائل میں آئمہ اربعہ کے موقف کے ساتھ ساتھ اکثر مقامات پر دیگر آئمہ و فقہا مثلاً شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، امام ابن قیمؒ، امام نوویؒ، حافظ ابن حجرؒ، امام ابن قدامہؒ، امام شوکانیؒ، امام ابن منذرؒ، امام ابن حزمؒ، امام صنعانیؒ، شمس الحق عظیم آبادیؒ، عبدالرحمان مبارکپوریؒ، نواب صدیق حسن خانؒ، سید سابقؒ، علامہ ناصر الدین البانیؒ، شیخ ابن بازؒ، شیخ صالح بن عثیمینؒ، شیخ ابن جبرینؒ، شیخ ابن فوزانؒ، شیخ محمد بن ابراہیمؒ آل شیخ، شیخ عبدالرحمان سعدی اور سعودی مجلس افتاء میں شامل علماء کے اقوال و فتاویٰ جات بھی نقل کیے گئے ہیں۔
- اختلافی مسائل میں قرآن و سنت کے زیادہ قریب اور راجح موقف کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ اردو عبارت اتنی آسان رکھی جائے کہ عام فرد بھی اس سے مستفید ہو سکے۔
- یہ فقہ الحدیث کے ذخیرہ میں گراں قدر اضافہ، مایہ ناز کاوش، دلائل و مسائل کا عظیم ذخیرہ اور شرعی احکامات کا منبع ہے۔

ابوالحسن مبشر احمد ربانی عفا اللہ عنہ